

سلسلہ دُورائے اسلام کی
دوسری جلد



یعنی الپ رسلان اور ملک شاہ سلجوقی کے وزیر کبیر ابوعلی حسن بن علی بن اسحاق طوسی
المخاطب بہ
خواجہ بزرگ تہاج الحضر تین، قوام الدین نظام الملک، آغا بک رضی اللہ عنہما

مفصل سوانح عمری

کا

پہلا اور دوسرا حصہ

مولف

مولوی محمد عبد الرزاق صاحب کائنات، ری مصنف البراکہ
بانتقام محمد رحمت اللہ تعالیٰ

پانی گئی

اور مولوی محمد عبد الرزاق صاحب کائنات کے کتاب خانے کی

فہرست مضامین کتاب نظام الملک طوسی

ہندسہ	مضمون	ہندسہ	مضمون
۲۵	امام محمد غزالی ۶		پہلا حصہ
"	امام احمد غزالی	۱۶-۱	دوسرا حصہ
۲۶	ابو جعفر طوسی	۱۷	طوس کی مختصر تاریخ
"	ابو جعفر ثالث	"	بنائے طوس
"	ابو نصر سراج صوفی	"	جشن پیدای
"	محب بن اسلم	۱۹	طوس کی قدیم تاریخ
"	احمد مسروق	"	کینخسرو
"	مشوق طوسی	"	کلمات و جرم (قلعہ)
۲۷	ابو علی فارسی	"	یزدگرد
"	ابو بکر نجاج	۲۰	یا قوت رومی
"	محمد بن منصور	۲۱	ابو عبد اللہ شریف ادریسی
"	بابا محمود	۲۲	ابو القداوس
"	فردوسی طوسی شاعر	۲۳	ابو القاسم بن حوقل سیاح دا بن خرداد بہ
"	محمد میرک، شاعر	۲۵	مشاہیر طوس کی فہرست

ہندسہ	مضمون	ہندسہ	مضمون
۴۵	بخارا کا سفر	۲۸	الحکم زواریہ شیریں پوری
۴۶	شیخ ابوسعید کی ملاقات	۳۱	طوس کا موجودہ نام
"	شیخ کے مختصر حالات	۳۲	حضرت امام علی رضا علیہ السلام
۴۸	مرو، غزنین کا سفر	۳۳	خواجہ حسن کا خاندان اور وطن
۴۹	نسب نامہ آل سلجوق	"	نسب نامہ اور خاندان
۵۰	خواجہ حسن کی وزارت کی ابتدائی تاریخ	۳۶	رادکان
"	دربار غزنین کی ملازمت	۳۷	خواجہ حسن کی ولادت اور ابتدائی حالات
۵۱	ابوعلی احمد بن شاذان گورنر بلخ کی کتابت	"	وجہ ہجرت
۵۲	الپ ارسلان کا دوبارہ	۳۹	خواجہ کا عہد طفولیت
۵۳	قلعہ کر دکوہ	"	خواجہ حسن کی تعلیم و تربیت اور
۵۴	وزیر عمید الملک کندری	۴۰	طالب علمانہ سفر
۵۶	ایام وزارت کی تشریح	"	ابتدائی تعلیم
"	خواجہ نظام الملک کا فضل و کمال فقہ	"	تاج الدین سبکی
۶۰	حدیث شاعری، انشاء، تصنیف	۴۲	حالات مکتب
۶۱	یچگی برکی (وزیر)	۴۳	نیشاپور کا سفر
"	صاحب عباد (وزیر)	۴۴	حسن صباح اور خواجہ حسن عمر خیام کا معاہدہ

مضمون	ہندسہ	مضمون	ہندسہ
فقہ	۶۲	گور (شہر)	۱۲۳
حدیث	۶۳	شیراز (شہر)	۱۲۴
شاعری	۶۶	امام الحکیم جوینی	۱۳۰
نثر فارسی کا نمونہ خطوط میں	۶۷	جوین پرگنہ	"
تصنیفات	۷۲	امام ابوالقاسم قشیری	۱۳۶
دستورالوزراء (وصایا)	۷۳	استوا (پرگنہ)	۱۳۷
سیاست نامہ (سیرالملوک)	"	ابوبکر محمد بن حسین بن فورک	"
سیاست نامہ کا طرز تحریر	۷۵	ابوبکر احمد بن حسین بہتبی	۱۳۸
فارسی عبارت کا ترجمہ	۹۴	ابوعلی فارمزی	۱۳۹
عقائد مذکورک مع مختصر حالات	۹۶	ابو الحسن علی الباخزری	"
زر و ثت عجمی	۹۹	نصیحت پذیری	۱۴۱
خواجہ نظام الملک کے عام اخلاق	"	حلم و عفو	۱۴۲
عادات -	۱۱۹	مذہبی زندگی	۱۴۶
تمہید	"	ذکر و عبادت	۱۴۷
خواجہ نظام الملک کی فتویٰ مجلس	۱۲۱	حج و زیارت	۱۴۸
شیخ ابواسحق فیروز آبادی	۱۲۳	حجاج کی تجہیز و تکفین	۱۴۹

ہندسہ	مضمون	ہندسہ	مضمون
۱۶۲	شادی	۱۵۰	حجاز کا راستہ
"	انجاز (شہر)	"	بے تقصیبی
۱۶۳	خواجہ نظام الملک کی اولاد	"	امام ابوالحسن اشعری
۱۶۵	آلہ اولاد سے محبت	۱۵۱	شوق عبادت
"	خواجہ نظام الملک کی وزارت کا تختہ	۱۵۲	بحرِ جسم
"	ملکشاہ سے مخالفت اور قتل کے	۱۵۳	رقت طبع
	مفصل حالات	"	نیک مزاجی
"	خواجہ نظام الملک کی بیٹیاں	"	فیاضی
۱۶۶	(۱) نظام الملک کی پہلی شریکیت	۱۵۴	لطیفہ
۱۶۸	(۲) مؤید الملک کی معزولی	۱۵۶	تقسیم تحائف
"	ابو اسماعیل حسین طغرانی	"	صبر و شکر
۱۷۰	(۳) ترکان خاتون کی سازش	۱۵۷	خیرات
"	ترکان خاتون	"	عفو جرائم
"	ملکشاہ کی اولاد اور خانہ جنگی	۱۵۹	خاموشی
۱۷۲	(۴) تاج الملک کی سازش	"	حکمت علی
۱۷۴	(۵) خلفائے عباسیہ کی حمایت	۱۶۲	خواجہ نظام الملک کی خانگی زندگی

مضمون	ہندسہ	مضمون	ہندسہ
خلیفہ مقتدی بابر اللہ کا متحد و خیر ملک شاہ سے	۱۷۵	خواجہ نظام الملک اور منجم موصلی	۱۸۸
حسن صباح کا دوبارہ اور ملک شاہ کی سفارت	۱۷۶	خواجہ نظام الملک کی وفات کے	۱۹۱
الپ ارسلان اور حکمہ جابوسی	۱۷۷	شعرا کے مرثیے۔	۱۹۱
(۶) نظام الملک کی معزولی	۱۷۸	دو سراحصہ	۱۹۵
(۷) تاج الملک کی وزارت	۱۸۲	تمہید	"
ابوالمعالی نجاس شاعر	"	خواجہ نظام الملک کا قانون سلطنت	۲۰۰
(۸) قول فضیل	۱۸۳	(۱) بادشاہ اور رعایا کے فرائض	"
(۹) نظام الملک کا قتل	۱۸۴	(۲) بادشاہ کا برتاؤ رعایا سے	۲۰۲
ملک شاہ اور مقتدی کی مخالفت	"	بیت المال	"
نہادند (شہر)	۱۸۵	ہرون الرشید	۲۰۳
خواجہ نظام الملک کا قاتل	۱۸۶	امہ العزیز طقت زبیرہ خاتون	۲۰۴
خواجہ نظام الملک کی نظم کا نمونہ	"	(۳) بادشاہوں کو خدا کی نعمت کا	۲۰۶
خواجہ نظام الملک کا مہر	۱۸۷	قد رشاس ہونا چاہیئے۔	۲۰۶
رسم تعزیت	۱۸۸	(۴) عدل انصاف	۲۰۷
خواجہ کی عمر	"	سمیل سامانی	۲۰۸
ایام وزارت	"	یعقوب صفاریہ	"

ہندسہ	مضمون	ہندسہ	مضمون
۲۳۴	(۹) محتب	۲۱۰	المعتد علی اللہ عباسی
۲۳۵	محتب کے فرائض	۲۱۱	المہدیہ (شہر)
۲۳۶	(۱۰) عاملانہ عہد داروں کی نگرانی	۲۱۶	(۵) عمال و وزراء اور غلاموں کی نگرانی
"	طاہر بن کچین اور اسکا بیٹا عبداللہ	۲۱۷	قباد ساسانی
۲۳۸	طاہر کا خط عبداللہ بن طاہر کے نام	۲۱۸	راست و شہ وزیر بہرام گور
۲۴۱	فضیل بن عیاض صوفی	۲۲۱	بہرام گور
۲۴۳	(۱۱) شریعت	۲۲۳	(۶) متاجراور کاشتکاروں کے تعلقات
۲۵۱	سفیان ثوری صوفی	۲۲۶	نوشیروان عادل
"	لقمان (حکیم)	۲۲۸	(۷) قاضی خطیب اور محتب کے فرائض
۲۵۲	حسن بصری صوفی	"	عہدہ قضا
۲۵۳	(۱۲) تطارت	۲۳۰	قاضی
"	(۱۳) محکمہ وقائع نگاری	۲۳۱	نوروز
۲۵۴	پرچہ نویسی	۲۳۲	مہرجان
۲۵۵	کوچ بلوچ	۲۳۳	اردشیر بن بابک ساسانی
۲۵۶	دیرکچین (موضع)	"	نیردگرد
۲۶۱	(۱۴) محکمہ جاسوسی	۲۳۴	(۸) خطیب

ہندسہ	مضمون	ہندسہ	مضمون
۲۹۲	فوج بھرتی کرنے کا قاعدہ	۲۹۲	عضد الدولہ دہلی
"	فوج میں مختلف اقوام	۲۹۷	(۱۵) تقرری ہر کارہ و نامہ برکبوتر
۲۹۳	(۲۵) خدمتگارانہ و غلاموں کے کام لینے کا طریقہ	"	نامہ برکبوتروں کی تاریخ
۲۹۵	امیر احمد بن اسماعیل سامانی	۲۹۴	(۱۶) وکیل خاص
۲۹۶	(۲۶) دربار عام و خاص	"	(۱۷) ندیم و صاحب
۲۹۸	(۲۷) اہل فوج کی حاجتیں	"	ندیم کے فرائض
"	(۲۸) صاحبان جاگیر و منصب	۲۹۷	طیب
"	(۲۹) اُن لوگوں کے قصوں کی سرچشمو	"	طیب کے اوصاف
"	سلطنت کے درجہ بندی سے اعلیٰ پر پہنچا یا ہو	۲۸۱	(۱۸) فوج خاصہ
۲۹۹	امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ	"	فوج خاصہ کی تاریخ
۳۰۳	(۳۰) پاسبان اور دربان	۲۸۲	(۱۹) فرامین احکام شاہی کی غلطی
"	(۳۱) دسترخوان شاہی	۲۸۴	(۲۰) بادشاہ کو حکما اور عقل سے مشورہ کرنا چاہئے
۳۰۴	سلاطین عجم و عرب کا دسترخوان	"	مشورہ
۳۰۵	زاعنہ مصر	۲۸۶	(۲۱) سفارت
"	حضرت موسیٰ علیہ السلام	۲۹۰	(۲۲) برداشت خانہ
۳۰۶	ولید بن مصعب زعون مصر	۲۹۱	(۲۳) قاعدہ تقسیم تنخواہ فوج

ہندسہ	مضمون	ہندسہ	مضمون
۳۲۵	دارا	۳۰۷	حاتم طائی
۳۲۶	روشنگ دختر دارا	۳۰۸	(۳۲) خدمتگارا و شائستہ غلاموں کے حقوق
۳۲۷	حکیم بزرچہمہر وزیر نوشیروان	۳۰۹	بار بد مطرب
۳۲۸	(۳۹) خزانہ	۳۱۰	(۳۳) عمال کی رشکایت کی خفیہ تحقیقات
۳۲۹	(۴۰) فیصلہ مقدمات	۳۱۱	(۳۴) امور سلطنت میں بادشاہ کو جلدی
۳۳۰	سلطان محمود غازی	۳۱۲	انگرنہا چاہیئے
۳۳۱	حضرت عمر بن عبدالعزیز	۳۱۳	(۳۵) امیر حرس و چوہدر کی خدمات
۳۳۲	(۴۱) مدخل و محتاج	۳۱۴	(۳۶) خطاب و القاب
۳۳۳	سیاست نامہ پر ایک تقریظ نظم میں	۳۱۵	القادر باللہ عباسی
۳۳۴	خاتمہ	۳۱۶	سلطان محمود اور القادر باللہ کا ایک خاص قلم
۳۳۵	دستور الوزرا (وصایا)	۳۱۷	المقتدی بامر اللہ
۳۳۶	تمہید وزارت پر	۳۱۸	عطائے خطابات پر ایک نوٹ
۳۳۷	مشکلات وزارت	۳۱۹	(۳۷) اِکْلِ عَلِ رِجَالْ
۳۳۸	(۱) مقدمات میں عدل	۳۲۰	(۳۸) بیگیت ثباہی کے اختیارات
۳۳۹	(۲) بادشاہ کی رضامندی	۳۲۱	سوداہ
۳۴۰	فضل بن بیع وزیر	۳۲۲	سکندر اعظم

مضمون	ہندسہ	مضمون	ہندسہ
(۳) ولیعہد سلطنت اور دوسرے شہزادوں کی رضامندی۔	۳۴۷	(۱) تفرقہ ملکی	۳۷۵
شہنشاہ الملک خاقان ترکستان	۳۴۸	(۲) تفرقہ مالی	۳۷۸
ترند (شہر)	"	فراہان (قریہ)	"
نخشب	"	علامہ صمعی	۳۸۱
بسطام	"	ابو جعفر منصور عباسی	۳۸۲
قوس (پرگنہ)	۳۴۵	وزیر کے اوصاف	۳۸۴
جائلیق (منہجی عمدہ)	۳۵۰	الپتگین اور منصور سامانی کی ایک لڑائی	۳۸۵
(۴) عمال و فترت و دیتی و اس کے خطرات	۳۵۵	ملک نیروز	۳۸۷
(۵) عمال کی عدوت کا نتیجہ۔	۳۵۷	(۱) رعایت بیگمات محرم	۳۸۹
اسباب وزارت	۳۶۳	حکمت میکان	۳۹۲
(۱) احکام آہی کی تعمیل	۳۶۴	(۲) رعایت شاہزادگان	۳۹۵
(۲) اتفاقات حسنہ	۳۶۷	اچھچن میندی وزیر	۳۹۷
(۳) بادشاہ کی اطاعت	۳۷۱	(۳) امیروں کی خاطر تواضع	۳۹۹
ابن اعلم رصدی	۳۷۳	سومناٹ کامندر	۴۰۱
سلطان کا درجہ	"	(۴) رعایت ملازمان شاہی	۴۰۲
		(۵) رعایت اہل سیف و قلم	۴۰۷

مضمون	ہندسہ	مضمون	ہندسہ
(۶) عامہ خلائق کی نگہداشت	۴۱۱	خاندانی پیشہ	۴۵۰
خواجہ نظام الملک کے دربار کے شعراء	۴۱۲	تخلص	۴۵۱
متہید	"	خیام کی ولادت	"
عباس مروزی	۴۱۵	تعلیم و تربیت	۴۵۲
شعراء آل سامان	"	خیام کی آئندہ زندگی	۴۵۳
شعراء غزنویہ	"	عمر خیام اور سنہ جلالی	۴۵۴
(۱) مہیر مرغی	۴۱۶	سنہ ہجری	۴۵۹
(۲) حکیم لامعی جرجانی	۴۳۱	سنین سلاطین باضیہ	۴۶۰
(۳) شمس الدین محمد	۴۴۲	سنہ فارسی کی ابتدا	"
(۴) معین الدین طنطرائی	"	قری سال کا شمسی سال بنالینا	۴۶۵
(۵) سید شریف نظام الدین	۴۴۳	ارکان مجلس اصلاح تقویم	۴۶۷
(۶) قاضی شمس الدین	۴۴۴	نتیجہ	۴۶۹
(۷) مشاہیر شعراء کی فہرست	۴۴۵	گری گورین دول	۴۷۱
حکیم عمر خیام نیشاپوری	۴۴۸	عمر خیام کی شاعری	۴۷۳
نام و لقب	"	تصنیفات	۴۹۲
خیام کا باب	"	حکیم عمر خیام کا متفرق کلام و فضل	۴۹۴

مضمون	ہندسہ	مضمون	ہندسہ
کمال امام غزالی سے مناظرہ	۴۹۴	خیام کی نجات	۵۰۵
مذہبی علوم، علم نجوم خانگی زندگی		الزام زندگی	۵۰۷
اور موت۔		خیام کی بادہ نوشی	"
قطعہ فارسی	۴۹۵	حسن صباح بانی دولت اسماعیلیہ	۵۰۹
عربی اشعار	۴۹۶	مشرقیہ	"
فضل کمال۔ امام غزالی سے مناظرہ۔	۴۹۷	تمہید	"
تحصیل زبان یونانی	۴۹۸	حسن صباح کا نسب نامہ	۵۱۰
تفسیر القرآن	"	حسن صباح اور خواجہ کی ملاقات	۵۱۱
علم قرأت	۴۹۹	ملک شاہ کا دربار	"
قوت حافظہ	"	حسن اور خواجہ کی مخالفت	۵۱۳
سلاطین کے دربار میں اعزاز	"	حسن صباح کی سیر و سیاحت	۵۱۶
علم نجوم	۵۰۰	حسن صباح مصر میں اور خلیفہ متنصر باللہ	۵۱۷
خانگی زندگی	۵۰۲	کی ملاقات۔	"
موت	"	حسن صباح کا قید ہونا اور اتفاقات حسنیہ	۵۱۸
خاقانی کا مرثیہ	۵۰۳	قلعہ الموت کا قبضہ	۵۱۹
قبرستان حیرہ	۵۰۴	شاہی سفارت اور فوج کشی	۵۲۱

مضمون	ہندسہ	مضمون	ہندسہ
حسن صباح کی کامیابی	۵۲۲	۲۔ محمد بن کیا بزرگ	۵۵۱
مذہب اسماعیلہ کی مختصر تاریخ	۵۲۳	۳۔ حسن بن محمد	"
مذہب اسماعیلہ کی تعلیم و تربیت کے قواعد	۵۲۸	۴۔ محمد ثانی بن حسن	۵۵۲
قاہرہ کا ایوان الکبیر	۵۲۹	۵۔ جلال الدین محمد ثانی ملقب چٹاٹ	۵۵۳
مجلس الدعوة	"	۶۔ علاء الدین محمد بن جلال الدین	۵۵۴
فرقہ باطنیہ کا حلف نامہ	۵۳۴	ملقب بہ محمد ثالث	"
ارکان مذہب اسماعیلہ	۵۳۷	۷۔ رکن الدین خورشاہ بن علاء الدین	"
حسن صباح کا عام لقب	۵۴۰	قلعہ الموت پناہی حملہ کا سبب	۵۵۵
خشیش (جنگ) کا استعمال اور جنت کی	"	فہرست فرقہائے اسماعیلہ	۵۵۶
اسسین (خشاشین)	۵۴۳	مختصر فہرست مشاہیر اسلام جن کو	"
مذہب اسماعیلہ ہندوستان میں	۵۴۴	حسن صباحیوں نے قتل کیا۔	۵۶۰
حسن صباح کی مستقل حکومت اور شاعت مذہب	"	دولت سلجوقیہ کی ابتدائی تاریخ	"
حسن صباح کی موت	۵۴۸	طغرل بیگ کے فتوحات سلجوقی	"
حسن صباح کے ذاتی حالات	"	سلطنت کا قیام و استحکام خلیفہ	۵۶۴
حسن صباح کے جانشین	۵۵۰	قائم بامر اللہ عباسی سے عزیزانہ	"
۱۔ کیا بزرگ	"	مرآۃ الملک سلاطین کا عہد حکومت	"

مضمون	ہندسہ	مضمون	ہندسہ
ترک و تاتار	۵۶۴	تخت نشینی، خواجہ نظام الملک	
دولت سلجوقیہ کی مختصر تاریخ	۵۶۵	کے مہتمم باشندگان کا زمانہ اور	
سلجوق پر ایک نوٹ	۵۶۶	مختلف حالات و واقعات۔	
طغرل بیگ کی فتوحات	۵۶۹	خواجہ نظام الملک کی مستقل وزارت	۵۸۶
ارسلان جاذب	۵۷۰	عہد الپ ارسلان کی بغاوت و فتوحات	۵۸۸
طغرل بیگ کی ملکی تقسیم عراق و عرب قبضہ	۵۷۲	استخر (قلعہ)	۵۹۴
باسیری	۵۷۴	پہن دژ (قلعہ)	۵۹۶
قنہ باسیری	۵۷۷	بغاوت و فضلو یہ شبانکارہ۔	۶۰۴
صفی الدین کا تہ	۵۷۸	شبانکارہ (فارس کا ایک خاص حصہ)	۶۰۶
طغرل بیگ کی شادی	۵۸۲	فرنگ نقشہ تبرہرم	۶۰۹
سیرت طغرل بیگ	۵۸۵	وفات الپ ارسلان	۶۱۲
الپ ارسلان کا عہد سلطنت	۵۸۶	سیرت الپ ارسلان	۶۱۷
خواجہ نظام الملک کی مستقل		تخت نشینی جلال الدولہ سلطان ملکشاہ	۶۱۸
وزارت عہد الپ ارسلان کی		جنگ قارہ و اور خواجہ کی حکمت عملی	۶۲۰
بغاوت اور ملکی فتوحات،		خواجہ کی رسلے فوج کی تنہیف پر	
الپ ارسلان کی موت، ملکشاہ کی		ملکشاہ کو رومیوں کی قید سے چھڑانا	

ہندسہ	مضمون	ہندسہ	مضمون
۶۳۵	طفرانویس	۶۲۲	جیون کے ملاحوں کا ایک خاص مقدمہ
۶۳۶	دیوان الزمام	"	رومی سفارت
۶۳۷	دیوان الاستیفاء	۶۲۳	فیوڈل سسٹم (قانون جاگیر داری)
"	دیوان الجند	۶۲۴	اُمہ اشعریہ برعین اور اُس کا اسناد
"	لطیفہ	۶۲۵	خواجہ نظام الملک کے خطاب القاب
۶۳۸	خزانہ	۶۳۱	نظام الملک کی جاگیر
	خواجہ نظام الملک کا علمی ذوق	"	خواجہ نصیر الدین طوسی
۶۳۹	مدرسہ عظم نظامیہ بغداد کی تعمیر علوم	۶۳۲	نظارت نافعہ (ہلک و کس)
	وفنون کی اشاعت صیفہ کی ویسا	"	وامغان
"	امہات المدارس	"	بظام
۶۴۲	نظامیہ بغداد کا موقع	۶۳۳	دیوان الانشاء
۶۴۳	سامرا	"	وزارت تفویض
"	باب المراتب و رباب الانج	"	وزارت تنفیذ
۶۴۴	سوق الانشاء	۶۳۴	خواجہ نظام الملک کے ماتحت عہد دار
"	مدرسہ مستضریہ بغداد	"	صیفہ انشاء و مراسلات
۶۴۵	تعمیر مدرسہ نظامیہ بغداد	۶۳۵	کاتب ارسائل

مضمون	ہندسہ	مضمون	ہندسہ
خزانہ کتب (لائبریری)	۶۴۸	۴- واعظ	۶۴۱
نظامیہ کے اطراف و جوانب	۶۴۹	مجلس غلطی شیخ رضی الدین قسروی	۶۴۲
نظامیہ کی وسعت	"	۵- ناز و وقف	۶۴۳
رسم افتتاح مدرسہ نظامیہ	۶۵۰	۶- متولی	۶۴۴
نظامیہ کا عملہ بصرحہ خدمات	۶۵۱	۷- محققین مدرسہ نظامیہ	"
نظامیہ کے سالانہ مصارف	۶۵۲	نظامیہ بغداد کے تحت مدارس	۶۴۵
نظامیہ کے کامیاب طلباء	۶۵۳	۸- تہذیب	"
نظامیہ کے نتائج اور اولیات	۶۵۵	۹- نمبر ۱- نظامیہ نیشاپور	۶۴۶
نظامیہ اور محققین	۶۵۶	۲- نظامیہ اصفہان	۶۴۷
درس نظامیہ بغداد	"	۳- نظامیہ مرو	۶۴۸
درس نظامیہ ہندوستان	۶۵۷	۴- نظامیہ خورستان	"
درس نظامیہ بغداد کے مشاہیر	۶۵۸	۵- نظامیہ مصل	"
شیوخ اور علماء کی فہرست	۶۵۹	۶- نظامیہ بنزیرہ ابن عمر	۶۴۹
۱- شیوخ	"	۷- نظامیہ آمل	"
۲- معید	۶۶۱	۸- نظامیہ بصرہ	۶۵۰
۳- مفتی	"		

ہندسہ	مضمون	ہندسہ	مضمون
۶۷۹	فارسی علم ادب اور علم خط کی ترقی	۶۷۰	۹۔ نظامیہ ہرات
۶۸۰	قصائد و مدح سلطان ملکشاہ	۶۷۱	۱۰۔ نظامیہ بلخ
"	اصلاح رصد (سنہ جلالی ملکشاہی)	"	۱۱۔ نظامیہ طوس
۶۸۱	سلطان کا ذاتی شوق	۶۷۳	ضمیمہ
"	شکار کی یادگار	"	ملکشاہ کا نسب نامہ۔ ولادت۔ تعلیم و تربیت۔ تخت نشینی
"	منارۃ القرون (سیکون کا مینار)	"	حدود سلطنت و دولت سلجوقیہ
۶۸۲	محبت علماء و شعراء	۶۷۴	ملکشاہ کی ایک بے باقی
"	حج و زیارت	"	بغاوت و فتوحات عہد ملکشاہ
۶۸۳	تعمیرات	۶۷۵	ملکشاہ کا ملکی دورہ
"	ملکی نظم و نسق	۶۷۶	فوج شاہی
"	خانگی زندگی	۶۷۸	خراج سلطنت
۶۸۵	محبت اولاد	"	صیغہ رفاہ عام
"	خلفاء عباسیہ سے رشتہ داری	۶۷۹	زراعت و تجارت
"	ملکشاہ کا عدل و انصاف	"	امن عامہ
۶۸۷	سلطان ملکشاہ اور ایک شکار کا مکالمہ	"	معافی محصول جنگی
۶۸۸	مسئلہ تعلیم عہد ملکشاہی	"	

مضمون	ہندسہ	مضمون	ہندسہ
ملکشاہ کے آخری ایام	۶۸۸	خاتمہ	۶۹۲
خفاہ عباسیہ کا شجرہ نظم	۶۹۰	فہرست کتب جن سے کتاب	۶۹۳
طبقات سلجوقیہ	۶۹۱	نظام الملک طوسی کا خزینہ	۶۰۲

فہرست تصاویر و نقشہ جات

- ۱۔ وزیر کبیر خواجہ بزرگ نظام الملک طوسی صفحہ ۱
- ۲۔ حکیم عمر خیام نیشاپوری ۵۰۸
- ۳۔ حسن صباح بانی دولت اسماعیلیہ مشرقیہ ۵۰۹
- ۴۔ جلال الدولہ سلطان ملکشاہ سلجوقی ۶۷۳
- ۵۔ نقشہ قلعہ تبرہرم ۶۰۸
- ۶۔ نقشہ مقبوضات سلجوقیہ ۶۹۲



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

الحمد لله رب العالمين والصلاة على سيد المرسلين وعلى اله الطيبين وَاَصْحَابِهِمُ جَمِيعِينَ
 قبضہ ہو دلوں پر کیا اور اس سے سوا تیرا اک بندہ نافرمان ہے حمد سرتیرا
 گو سب سے مہتمم ہی حق تیرا ادا کرنا بندے سے مگر ہو گا حق کیونکر ادا تیرا
 اسلاف پرستی کا اب سے بین برس پہلے آنریبل مسرتیڈ احمد خاں صاحب ہما
 اثر اخلاف میں مرحوم نے المامون (مصنف علامہ شبلی نعمانی) کے دیباچہ کو مندرجہ ذیل مقولہ
 سے شروع کیا تھا۔ ”یہ نہایت سچا مقولہ ہے کہ وہ قوم نہایت بے نصیب ہے جو اپنے بزرگوں کے ان کاموں کو
 جو یاد رکھنے کے قابل ہیں بھلا دے، یا ان کو نہ جانے۔ بزرگوں کے قابل یادگار کاموں کو یاد کرنا
 اچھا اور بُرا، دونوں طرح کا پھل دیتا ہے۔ اگر خود کچھ نہوں اور نہ کچھ کریں اور صرف بزرگوں کو
 کاموں پر شیخی کیا کریں تو استخوانِ جہدِ فروش کے سوا کچھ نہیں۔ اور اگر اپنے میں بھی ویسا ہونے کا
 چمکا ہو پھر تو وہ امرت ہے۔“

مقولہ مذکورہ بالا کی تائید میں ایک دوسرے بزرگ قوم کا یہ ارشاد ہے۔ ”ہم مسلمانوں میں

۱۵ رپورٹ ایجوکیشنل کانفرنس اجلاس چارہم مقام اپنوستہ ۱۲۷۴ھ صفحہ ۷۴۔۷۵ اور پرنسپل عباد الملک سید حسین بگڑی

آج کل ایک بیمارِ شائع ہو گیا ہے جس کو اسلاف پرستی کہتے ہیں اکثر انگریزی میں لکھا جاتا ہے ہمارے خصوصاً علی گڑھ کے طلبہ اس میں بکثرت مبتلا ہیں۔ اور اس مرض کی اشاعت کے بانی اول دو چار یورپین ماسخ ہیں مگر زیادہ تر بعض ہمارے ہی گروہ کے بزرگوار ہیں..... ان حضرات نے آفت برپا کر دی ہے۔ کوئی مسلمانوں کی علمی دولت کو شمار کرتا ہے، کوئی تہذیبی خوبیاں لکھتا ہے، کوئی ہمارے مدارس اور یونیورسٹیوں کی فہرست طیار کرتا ہے، کوئی ہماری یونانی کتابوں کے ترجموں کا حساب دیتا ہے، کوئی انڈس کی حکومت کا زور دکھاتا ہے، کوئی ہارون اور مامون کی شان بیان کرتا ہے۔“

اس محسنِ قوم کے نزدیک سب مسلمانوں کی بیماریاں ہیں، مگر جب نا صحت مشفق دیکھتا ہے تو کہہ میں یہ مرض بڑھ رہا ہے، اور کسی کے روکے نہیں رکھتا ہے، تو خود ہی مہربانِ طبیب بن کر ادا امراض کے لیے نسخہ تجویز کرتا ہے۔ ”اس میں شک نہیں کہ اسلاف پرستی بہت عمدہ شیوہ ہے، مگر اُسی حد تک کہ ہم اپنے بزرگوں کی خدمات کی داد دیں، اور اُن کی عزت کریں، اور اصل طریقہ اُن کی بزرگیوں کی داد دینے، اور قدر کرنے کا یہ ہے کہ ہم اُن کے قدم پر قدم رکھیں اور اُن کی محنت اُن کی ایک رنگی، اُن کی نفس کشی کی تقلید کریں، اور اُن کا صبر و استقامت اُن کا استقامت طلب علم میں پیدا کریں، اور جس فن کو اختیار کریں، اُس میں اُن کی سی نظر تحقیق حاصل کریں۔ نہ یہ کہ ہمارے بزرگوار جو کچھ اپنے وقت میں کر گئے ہیں، اُس پر غور کریں، اور مثلِ زنِ بیوہ کے اُن کے نام پر بیٹھ رہیں، اور اُن کی علمی بزرگیوں کا تذکرہ دوسروں سے سُن کر زمانہ حال کی دولتِ علمی کو حقیر سمجھیں۔ اور اُس کے دریافت سے انماض کریں مختصر یہ کہ اسلاف پرستی کو

اپنی جہالت یا کاہلی اٹینس پروری کا بہانہ گردانا ہرگز جائز نہیں ہے۔ اور نہ یہ جائز ہے کہ
 اُن کی بزرگیوں کو یاد کر کے ہم اپنے عیوب سے غافل ہو جائیں۔ اُس شخص نے تاریخ پر بالکل
 کو رائہ نظر ڈالی ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اُس وقت کے لوگوں میں کوئی عیب نہ تھا اور ہماری
 زمانہ بدیوں سے بھرا ہوا ہے۔ کوئی وقت عیب سے خالی نہیں ہوا کرتا جو نقصانات
 ہم میں اس وقت کے قدرِ مبالغہ کے ساتھ موجود ہیں اُس وقت بھی موجود تھے۔ اور ہماری
 ناکامی کا تخم بوسے تھے۔ ”من عرف نفسه فقد عرف ربه“ خدا شناسی کی واسطے
 اول خود شناسی ضرور ہے جب تک ہم اپنے عیوب سے واقف نہوں اور اُن کو صِدا
 کے ساتھ تسلیم نہ کر لیں کبھی ہماری حالت میں صلاح نہیں ہو سکتی مگر بے شک ”یظہر العلاج
 الکی“ کا حکم رکھتا ہے۔ اس سے اذیت بہت ہوتی ہے۔ نفس انسانی جو باطبع خوشامد پسند ہے
 اپنے عیبِ چینی کے گزند سے چبّ اٹھتا ہے۔ اور ناصح صادق سے ہمیشہ ملول رہتا ہے۔
 عین الرضا ہر فرد کو پسندیدہ ہے، عین السخط کی نقادیوں سے ہر کوئی گھبراتا ہے کیونکہ
 وعین الرضا عن کل عیب کليلة و لکن عین السخط تبدی المساویا
 ایک عیبوں پر پردہ ڈالتا ہے دوسرا اُن کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتا ہے۔ مگر یاد رہے کہ
 عین السخط ہی ہمارا دوست ہے۔ دوسرا جو عیب پوشی کرتا ہے وہ دراصل ہمارا دشمن
 ہے۔ والعاقل تکفیتہ الاشارة۔

بزرگان قوم کی جو نصیحت ہم نے نقل کی ہے۔ یہ غور سے پڑھنے اور عمل کرنے کے

لے خوشنودی کی آنکھ عیب کے دیکھنے سے قاصر ہوتی ہے وہ تو غصہ ہی کی ہی جس کو بُرائی ہی بُرائی سمجھتی ہے۔

لائق ہے کیونکہ یہ واقعہ نفس الامری ہو کہ ہم اسلاف کے کارنامے مزالینے اور اظہارِ فخر کے
 لیے پڑھا کرتے ہیں۔ اور ہمارا ذہن کبھی اس طرف منتقل نہیں ہوتا کہ ہمارے بزرگوں کی ترقی
 کے سبب اور کامیابی کے راز کیا تھے، اور آیا ہم کو بھی ویسا ہی ہونا چاہیئے یا نہیں؟
تاریخ و سیرت میں اعلیٰ
تصنیفات کی ضرورت
 لیکن اس مسئلہ کے حل ہونیکے بعد اب ایک سوال یہ ہو کہ
 اسی کتاب میں ہمیں کہاں مل سکتی ہیں جو اسلاف کے صحیح حالات

کا مرقع ہوں؟ اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہو کہ علمائے مشرق و مغرب کی نئی تاریخیں پڑھنا
 چاہیئے۔ مگر افسوس ہو کہ مشرقی علماء میں ایسے مصنفین کا قحط ہے جو فلسفیانہ نکتہ سنجی سے تاریخ
 لکھیں اور صحیح ماخذ سے لکھیں۔ اب رہے علمائے مغرب وہ بے شک تاریخ نویسی میں کمال
 رکھتے ہیں مگر اس کا کیا علاج ہے کہ تاریخ اسلام لکھتے ہوئے نہایت بید روی، مگر
 کمال دوراندیشی سے مہذب تصرف کرتے ہیں۔ لیکن ایک تیسری صورت یہ ہے کہ جدید تعلیم
 یافتہ مغربی مذاق میں تصنیف کریں۔ یہ سب سے بہتر شکل ہے، مگر وقت یہ ہو کہ ان جوانوں
 میں باستثناء بعض عربی زبان دانوں کا عنصر نہیں ہی، اور ان کی نظر صرف انگریزی علم ادب
 تک محدود ہی، لہذا یہ تصنیف بھی ناقص ہوگی۔ لیکن یہ ایسا مرض نہیں ہے جو علاج پذیر نہ ہو۔
 ہمارے عزیز عربی کی تکمیل کر کے اس نقص کو دور کر سکتے ہیں۔ مگر بقول غالب مرحوم

جانا ہوں ثواب طاعت مژہد پر طبیعت ادھ نہیں آتی

خیر یہ تو بڑی بات ہو وہ تو اردو میں بھی ادبی، تاریخی، مذہبی اور اخلاقی تصنیفات نہیں پڑھتے ہیں
 جس کا یہ نتیجہ ہو کہ کسی موقع پر اگر قومی شجاعت، ہمت، غیرت، یا کسی اہل علم کا ذکر آتا ہو تو نامواں

اسلام کے بجائے مشاہیر یورپ کے نام گنائے جاتے ہیں! ندوۃ العلماء کے ایک جلسہ میں شمس العلماء شبلی نعمانی نے نوجوانان قوم کو مخاطب کر کے حب فیل اشعار پڑھے تھے جس کا اعادہ کرنا ہم بھی ضروری سمجھتے ہیں۔

نکتہ شریع با فساد برابر بنی	یورپ ارگپ زنداں نیز مسلم باشد
حل ہر مسئلہ فتنہ زور و پٹلی	شرع پیش تو ز تقویم کہن کم باشد
از ابو بکر و عمر هیچ بیاد ناید	گرمی بزم تو از سینر اعظم باشد
ورسخن بگذر داور سیرت شان نبوی	ہر چہ گوئی ہمہ از گفتر و گویم باشد

لیکن ان خیالات کا یہ سبب نہیں ہو کہ نوجوانان قوم سے خدا نخواستہ قومی حمیت اور مذہبی جوش کا مادہ سلب ہو چکا ہو۔ بلکہ اُس کی خاص وجہ یہ ہو کہ تعلیم جدیدہ میں اول سے آخر تک اس کا موقع ہی نہیں ملتا ہو کہ تاریخ اسلام سے صحیح واقفیت حاصل کی جائے۔ یہی صورت میں ان کی زبان سے جو لفظ نکلیں گا وہ مغربی نکال کا ہو گا۔ لیکن انشاء اللہ امید ہے کہ قومی یونیورسٹی قائم ہونے پر یہ شکایت باقی نہ رہے گی۔

سبب تالیف کتاب تاریخ اور سیرت نگاری کے متعلق جو مشکلات ہیں، وہ ہم
نظام الملک طوسی اوپر پڑھ چکے ہو۔ لیکن باوجود ان اسباب کے صرف اس
 خیال سے جرات کی گئی ہے کہ مشرقی یا ہندوستانی ہو کر ہندی (اردو) علم ادب
 اور ملکی زبان کی خدمت نہ کرنا، داخل فصل نہمت ہو۔ دوسری بات یہ ہو کہ دنیا کی تمام
 مہذب اقوام کی طرح، ہمارا بھی فرض ہونا چاہیے کہ اُن اسلاف کو جو صفات خاص سے

اپنے زمانہ میں ضرب المثل تھے۔ بقائے دوام کی زندگی سے محروم نہ کہیں۔ اور یہ زندگی اُن کو اس طرح میسر آسکتی ہے کہ انہوں نے اپنی حیات متعارف میں جو عسکرۃً اَلَا راکام کئے ہیں ہم اُن کو منظم علم پر لاویں۔ اور گناہی کما تھ صفحہ ہستی سے مٹنے نہ دیں۔ کیونکہ معمولی مرنا تو وہ مر چکے، لیکن اصلی موت کا وہ دن ہوگا جس دن اُن کے کارنامے ہماری غفلت سے مٹ جائیں گے۔ جو لوگ حیات انسانی کے معنی، بارہ گھنٹے میں دو مرتبہ، پیٹ بھر لیا، یا چند گھنٹے فکر معاش میں مبتلا رہنا، اور رات کو آرام سے پڑ کر سو رہنا سمجھتے ہیں، وہ دائرۃ انسانیت سے خارج ہیں۔ اور اُن کی مثال حشرات الارض اور برسات کے سبزہ خرد سے زیادہ نہیں ہے۔ حقیقی زندگی اور حیات جاوید کے معنی ہیں کہ انسان اپنے اعمال حسنہ اور خصال حمیدہ سے قیامت تک زندہ رہے۔ چنانچہ خواجہ حسن نظام الملک طوسی بھی انھیں ناموران اسلام کے طبقہ میں ہے جس کے مساعی جمیلہ سے صفحات تاریخ گراں بہا احسان ہو رہے ہیں۔ چنانچہ سلسلہ وزرائے اسلام میں ہر اکملہ کے بعد دوسرے درجہ پر ہی ممتاز وزیر تھا جس کو ہم نے انتخاب کیا ہے۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ اُردو علم ادب میں آج کل پچاس بیسی صدی کا شائقانہ نظمیں، ناول، افسانے، اور قصص و حکایات شائع ہوتی ہیں اور لقب نصف میں قانون، مذہب، اخلاق، طب، ریاضی، فلسفہ، سائنس، تاریخ، اور سیر کی کتابیں ہیں۔ اس میں ترجمہ کا حصہ تصنیف اور تالیف سے بہت زیادہ ہے۔ لیکن یہ امر تعجب انگیز ہے کہ مسلمانوں نے اپنے علمی دور میں یونان، مصر، ایران، اور ہند سے جو کتابیں ترجمہ کیں وہ عموماً علوم و فنون کی کتابیں

تھیں قصص و حکایات میں کلید و منہ جیسی مفید چہ کنّا میں انتخاب کی تھیں۔ لیکن ہمارے زمانے کے مترجم آج یورپ کے علمی سرمایہ سے ریٹالڈ زکے ناول ترجمہ کر رہے ہیں۔ اور سلسلہ تصنیف میں بھی یہی حال ہے کہ حروف تہجی میں سے کوئی حرف ثقیل بھی باقی نہیں ہے جس میں دو ایک ناول موجود نہ ہوں۔ باقی اعلیٰ درجے کی تصنیفات تمام سال میں دو چار سے زیادہ نہیں ہوتی ہیں۔ اور مغربی علوم و فنون میں جو کتابیں ترجمہ ہوئی ہیں وہ انگلیوں پر شمار کی جاسکتی ہیں۔ اور ہنوز سیکڑوں مفید شاخیں باقی ہیں جن کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی ہے۔ اگر علمی مسائل کی اہستہ لائی کتابیں ترجمہ ہو جائیں تو حصول علم میں طلبہ کو آسانی ہو جائے۔ لہذا غیر مفید کتابوں کے مقابلے میں سلسلہ وزارت کے اسلام فائدہ سے خالی نہیں ہے جس میں وزارت کے ساتھ سلطنت کی بھی تاریخ (ضمیمہ میں) ہوتی ہے۔

اس کتاب کی تالیف سے ایک اہم مقصد یہ بھی ہو کہ ملک اردو کی مختصر تاریخ کی عام مشترکہ زبان میں ترقی ہو۔ اور اس کے علم ادب میں معلومات جدیدہ اور قدیمہ کا اضافہ ہو۔ اور آئندہ ترقی کے وسائل پر بھی غور کیا جائے لیکن عرض مطلب سے پہلے اردو کی ابتدائی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالنا دیکھیں کہ خالی ہوگا۔

ہندوستان جنت نشان میں ہمارا جہ بکرماجیت (۱۰۰۰ برس قبل مسیح علیہ السلام) کے عہد میں درباری زبان سنسکرت (دیویانی یا زبان آسمی) اور بازاری زبان پراکرت (طبعی غیر مذہب) تھی جس کا ثبوت ملک الشعرا کا لیدر اس کا نامک شکستہا ہو۔ بعد ازاں

بدھ مذہب کی ترقی سے لگدھ دیس کی پراکرت کا ہندوستان میں عروج ہوا۔ اور یہ
 حالت دسویں صدی عیسوی تک قائم رہی۔ لیکن ۱۱۹۱ء (عہد شہاب الدین غوری) میں
 جب ہندوستان پر ہلال اسلام پڑ تو نکلن ہوا تو ملک کی تقریری زبان پراکرت کے
 درجہ سے گر کر ہندی بھاشا ہو چکی تھی (جس کا دوسرا نام برج بھاشا ہی) مگر جب ترکی
 افغانی اور ایرانی نسلوں سے ہندوؤں کا میل جول ہوا تو بھاشا میں فارسی، عربی،
 الفاظ و خیل ہو گئے جس کی نظیر چند کوئی شاعر کی کتاب ”پرتھی راج راسا“ ہے بعد
 ازاں خلجیوں کے عہد میں حضرت امیر خسرو (المتوفی ۷۴۱ھ) نے پہیلیاں، مکرئیاں،
 نسبتیں، غزلیں اور خالق باری، لکھ کر اس مذاق کو اور ترقی دی۔ ۱۳۹۹ء میں (عہد حکومت
 بھلول لودھی) کالیستوں نے فارسی شروع کی اور زیور علم سے آراستہ ہو کر شاہی دفتر
 میں داخل ہوئے۔ اب تمام ملک پرتگیزی، فارسی الفاظ کی حکومت تھی اور ہندی نظم
 میں بھی یہی رنگ غالب تھا (کبیر داس تبارسی کے دُہرے، گر و نانک صاحب
 کی تصنیفات، اور بابا تلکسی داس کی رامائن دیکھو) سرکاری دفتر بھی فارسی میں تھے۔
 لودھیوں کے بعد بابر نے ہندوستان پر قبضہ کیا۔ اور اکبر عظمیٰ کے عہد زیریں میں جب
 قومی منافرت میں کمی ہوئی تو مسلمانوں نے بھی ہندوستان کو اپنا گھر سمجھ کر سنسکرت
 اور بھاشا میں نمایاں ترقی کی۔ چنانچہ اس زمانے کے تراجم کتب سنسکرت، شاہزادہ
 دانیال اور عبدالرحیم خاندانان کی بھاشا نظمیں ہمارے دعوے کی دلیل ہیں۔ اور
 ملک محمد جاسمی کی پدمادوت اور رامائن کے ہم پلہ مانی جاتی ہے، اور آج تک اس کی

بازاروں میں مانگ ہو۔ جہاں گلیز نے بھاشا کی اعلیٰ نظموں پر انعام دیکر شاعروں کے حوصلے بڑھائے۔ اس قدر دانی کا بھی نتیجہ تھا کہ بھاشا میں غوصی، ملا نوری، شیخ شاہ محمد بلگرامی جیسے نامور شاعر ہوئے۔ اور محی الدین اور نگنہیب عالمگیر کے زمانے میں تو بھاشا مسلح کمال پر پہنچ گئی۔ مختصر یہ ہے کہ ہندوستان کی ملکی زبان نے سلاطین اسلام کے اغوش تربیت میں پرورش پائی اور شاہجہاں کے عہد دولت میں جبکہ عہد پہلے میں دلی آباد ہوئی، ترقی کر کے ”اردو“ کے خطاب سے ممتاز ہوئی۔ اور یہ بھی شاہجہاں کی بلند اقبالی ہے کہ اردو کا سکھ آج تک اُس کے نام سے چل رہا ہو۔ ورنہ اس فخر کے مستحق سلطان محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری تھے۔ عالمگیر کے عہد میں متعدد شاعر ہوئے۔ لیکن علم و فضل اور شاعرانہ کمالات کے لحاظ سے شاہ ولی اللہ دکنی (دلی تخلص) اپنے ہم عصروں میں نامور ہیں۔ شاہ صاحب نے سب سے اول رنجیت (اسی زبان کا دوسرا نام ہے) میں دیوان مرتب کیا۔ اور آئندہ نسلوں کے لیے ایک شاہراہ قائم کر گئے۔ دلی کے بعد میر، سودا اور انشا کا دور آیا، جنہوں نے شاہانِ آودہ کی سرپرستی میں اردو کو اردو کے معنی بنا دیا۔ اور انصاف یہ ہے کہ دلی کے بعد زبان دانی کی یہ دوسری ٹکسال تھی جو لکھنؤ میں قائم ہوئی۔ اس کے بعد طبقہ متحرکین میں مومن، ذوق، غالب، دہلوی اور تاسنخ و آتش لکھنوی پر نظم اردو کا خاتمہ ہو گیا۔ لیکن علمی زبان کا درجہ شہنشاہوں کی بدولت حاصل ہوا جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ شاعر کے بعد گردشِ فلکی نے جب تیموری تاج و تخت کا مالک

دولت برطانیہ کو بنا دیا تو سکھ کی طرح زبان بھی وراثت میں آئی جس کو برٹش حکام کی دست گیری نے اوج کمال پر پہنچا دیا۔ لیکن اس زمانے کی تصنیفات میں سے سٹرنز گسن، اور جرنل ولیم پیٹرک کے لغات اردو، اور میر محمد عطاء حسین خاں تحسین کی کتاب **فطر و مضع** کے سوا دوسری کتابیں نایاب ہیں۔ لیکن انیسویں صدی کا شروع ہونا تھا کہ اردو کی قسمت جاگ اٹھی۔ اور دار السلطنت کلکتہ سے مشرقی علم ادب کا آفتاب طلوع ہوا۔ یعنی فورٹ ولیم میں اردو کا بیت الحکمت قائم ہوا۔ جس کے ناظم (سکرٹری) ڈاکٹر جان گلکرسٹ صاحب تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے دہلی اور لکھنؤ کے حب ذیل مشہور ادیب کلکتہ میں جمع کیے۔ اور اشاعت کتب کے لیے ایک عمدہ تعلق ٹاؤپ بھی ایجا دیا۔

(۱) میر شیر علی افسوس لکھنوی (۲) سید محمد حمید بخش حیدری

۱۔ سٹرنز گسن کا اردو لغت ۱۸۷۷ء میں اور جرنل صاحب کے لغت کا ایک حصہ (یعنی وہ لغت جو عربی فارسی سے ہندی میں لے لے) ۱۸۷۷ء میں بمقام لندن شائع ہوا

۲۔ میر صاحب اناؤہ کے رہنے والے تھے۔ نواب آصف الدولہ کے عہد میں ۱۲۱۲ھ میں امیر خسرو کی کتاب چار درویش کا ترجمہ کیا تھا۔

۳۔ ان بزرگوں کی تصنیفات نمبر وار حسب ذیل ہیں۔

(۱) آرٹس مغل (ہندوستان کے مختلف تاریخی حالات) بلغ اردو ترجمہ گلستاں (۲) تو تاکمانی۔ آرٹس مغل

(قصہ حاتم طائی) وہ مجلس نگار آرٹس۔ ترجمہ بہار دانش، تاریخ نادری (۳) بلغ وہار نیسی قصہ چار درویش

وئی کی زبان میں گنج خوبی (۴) نشریے نظیر (میر حسن کی مثنوی سحر لیبیان کا قصہ نشریں) اخلاق ہندی

(۵) خرد ہنسہ و ترجمہ عیار دانش ابو الفضل (۶) شکنتلا، دستور ہند (بارہ ماہ)۔ (۷) پریم ساگر وغیرہ ترجمہ

- (۳) میرامن دہلوی (میر صاحب کی شرمیسر کی نظم کے ہم پلہ مانی جاتی ہے)
 (۴) میر بہادر علی حسینی (۵) حفیظ الدین احمد پروفیسر فورٹ ولیم کالج۔
 (۶) میر کاظم علی جواں دہلوی (۷) سری للوجی پنڈت گجراتی۔
 (۸) نہاچند لاہوری (۹) میر اکرام علی (۱۰) مظہر علی والا۔

گوڈنٹ کا مقصد اس محکمہ سے یہ تھا کہ ہندوستانی زبان میں ایسی کتابیں طیار ہوں جو ہندوستان کے رسم و رواج کا آئینہ ہوں۔ اور جن کو پڑھ کر یورپین ہندوستان کی طرز معاشرت سے واقف ہو جائیں۔ چنانچہ حب منشاء سرکار تصنیف و تالیف اور ترجمہ سے مفید کتابیں طیار ہوئیں اور وہ یورپین میں خصوصاً اور تمام ملک میں عموماً مقبول ہوئیں۔ ۱۲۲۲ء میں میر انشا اللہ خاں انشائے دریائے لطافت (قواعد اردو) لکھکر ملک پر عام احسان کیا۔ انداز تحریر میں اگرچہ ظرافت و شوخی ہے مگر زبان بذاتی کا پورا حق ادا کیا ہے اور عجیب و غریب نکتے لکھے ہیں۔ اسی سال حضرت شاہ عبد القادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن شریف کا اردو میں ترجمہ کیا۔ یہ وہ فیض تھا کہ جو تمام ہندستان پر چھا گیا۔ اور اردو میں عام تصنیفات کا دروازہ کھل گیا۔ ڈاکٹر جان گلگرسٹ، جان سٹیمپر، اور ڈاکٹر فیلین صاحبان نے اردو ہندوستانی لغت شائع کیے۔ ۱۳۳۵ء عیسوی میں شاہی دستہ فارسی سے اردو ہو گیا۔ اور یہ زبان تعلیمی و تدریسی ۱۳۳۵ء عیسوی میں

(بقیہ نو صفحہ ماقبل) (۸) مذہب عشق گل بکاولی کا قصہ، عزت اللہ بنگالی کی فارسی کتاب سے ترجمہ کیا (۹) سناطہ انسان حیوان (انوان الصفا کے ایک عربی رسالہ کا ترجمہ ہی) (۱۰) بیتال چھپی طبیب زنگھاسن تہی۔

لیتوگراف پریس ڈی میں جاری ہوا۔ یہ اسباب تھے جنہوں نے اردو کو علمی و جبر پر پہنچا دیا۔ اس زمانے میں ملکی محبت سے اردو زبان ”ہندی“ کہلاتی تھی۔ اس زمانے کے نثر اور نظم کتابوں کے دیباچے پڑھو، چنانچہ وہی ہندی ہے جو آج تک اردو کے لباس میں جلوہ گر ہے۔ اور جس کو بعض نا عاقبت اندیش صفحہ ہستی سے مٹانا چاہتے ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ یہ زبان قدیم ہندوؤں، مسلمانوں، اور انگریزوں کی ایک متحدہ یادگار ہے۔ مگر انشا اللہ جب تک برٹش راج قائم ہو اس کا مٹنا محال ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کی طرح انگریزوں کے بزرگوں نے بھی اس زبان کی اصلاح اور ترقی میں غیر معمولی حصہ لیا تھا۔ اور ہندوؤں پر تو اردو کا سب سے زیادہ حق ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد سنسکرت و بھاشا پر قائم ہوئی ہے۔ اور مقتضائے فطرت یہ ہے کہ ماں اپنے بچہ پر باپ سے زیادہ مہربان ہو۔

زبان اردو کی موجودہ حالت
اور آئندہ ترقی کے وسائل

جو کچھ بیان ہوا یہ تو عہد گزشتہ کی تاریخ تھی لیکن اردو نے انیسویں صدی میں جس قدر ترقی کی ہے، علمی حیثیت سے وہ ضرور نہایت قابل قدر ہے، اور تصنیفات و تراجم کے ذخائر سے اردو کا دائرہ وسیع ہو گیا ہے لیکن باوجود اس ترقی کے اگر السنہ مشرقیہ سے مقابلہ کیا جائے تو اردو ہنوز ابتدائی حالت میں ہے۔ مثلاً ہم چار زبانوں سے مقابلہ کریں گے۔

۱۔ ترکی۔ یہ ایک بڑی اسلامی سلطنت کی زندہ یادگار ہے اور اس زبان کا علم ادب مغربی علوم و فنون کے سرمایہ سے معمور ہے۔ اور اخبارات بکثرت جاری ہیں۔

۲۔ عربی۔ مسلمانوں کی مذہبی زبان ہے، اور زندہ قوم کی یادگار ہے۔ صوبہ یمن

اور حجاز میں اگرچہ کئی تعلیم سے جمود کی حالت میں ہے۔ لیکن مصر، بیروت، شام اور عراق
بربریں نمایاں ترقی کر رہی ہیں۔ علمی رسائل اور اخبارات میں بھی غیر معمولی ترقی ہے
۳۔ فارسی، زندہ قوم اور سلطنت کی زبان ہے۔ شہنشاہ ناصر الدین شہید
کے زمانے میں ترجمہ کے لیے بہت احکمہ قائم ہوا، اور مفید کتابیں ترجمہ اور تصنیف کے
ذریعہ سے طیار ہوئیں۔

۴۔ بنگلہ، ہندوستان کی زبانوں میں سے علمی درجہ صرف بنگلہ کو حاصل ہے اور
نوجوان بنگالیوں نے اپنے کتب خانوں کو علمی کتابوں سے مالا مال کر دیا ہے، اور ہر روز ترقی
کا قدم لگے ہے۔ بنگلہ کے مقابلہ میں صوبہ متحدہ اگر وہ آدہ میں اب سنسکرت اور بھاشا کی
طرف خاص توجہ ہو رہی ہے، اور ترقی کے اسباب مہیا ہو چکے ہیں۔ چنانچہ ان زبانوں
کے مقابلے میں کون کہہ سکتا ہے کہ اردو ترقی کر رہی ہے۔ اب اگر اُس کے ذاتی سرمایہ
پر نظر کی جائے تو عیش و طرب کی دستاویز اور عاشقانہ نظموں کے سوا اور کچھ نہ ملے گا
کیونکہ تاریخ ولادت سے عالم شباب تک شعر و سخن سے زیادہ تعلق رہا ہے۔ باقی حصہ
سرمایہ یہ وہ زمانہ انگریزی کی پیداوار ہے۔ دوسری زبانوں سے اردو میں جو ترجمہ ہوا ہے
ہم اُس کا ذکر کر چکے ہیں۔ لہذا اردو کی بقا اور ترقی کے لیے انجمن تعلیم مسلمانان (لیجو
کیشنل کانفرنس) اور انجمن اردو کانفرنس (اردو) اور تمام قوم کو حسب ذیل امور پر غور
کر کے علمی کام شروع کر دینا چاہیئے۔

۱۔ مغربی اور مشرقی زبانوں سے علوم و فنون کی کتابیں ترجمہ ہوں اور ہر تعلیم یافتہ

کسی علم و فن کی ایک مفید کتاب ترجمہ کرے۔ اور ترجمہ کے صلہ کا سلطنت یا امرائے دولت سے امیدوار نہو، بلکہ ترجمہ کی آمدنی سے تجارتی اصول پر نفع اٹھایا جائے۔

۲۔ انجمن ترقی اُردو کا دائرہ ہندوستان کے تمام صوبوں میں عملی حیثیت سے وسیع کیا جائے۔

۳۔ مسلم یونیورسٹی قائم ہونے پر ابتدائی مدارس میں اُردو کے ذریعہ سے علوم و فنون کی تعلیم ہو۔

۴۔ کتابوں کی اشاعت کے لیے نستعلیق ٹائپ کو ترقی دیجائے اور فی الحال بیروت کے ٹائپ سے کام لیا جائے۔

۵۔ ہر صوبہ سے اُردو میں متعدد اخبارات جاری ہوں۔ اور علمی سائل کو ترقی دیجائے۔

۶۔ ہر ضلع اور قصبہ میں انجمن اور سوسائٹیاں قائم ہوں جس کے ساتھ کتب خانہ اور اخبارات کا انتظام لازمی ہے۔

۷۔ ہندوستان کے جن صوبوں میں اُردو کمزور حالت میں ہے مثلاً بنگالہ، ممبئی، مدراس۔ ممالک متوسطہ، راجپوتانہ وغیرہ وہاں اُردو کی عام اشاعت کی جائے۔

نظام الملک کے اصول حکومت اور
آئین وزارت پر ایک سرسری نظر
بنی اُمیہ کے نامور تاجدار، سلیمان
بن عبد الملک (متوفی ۹۱۱ھ) کا مقولہ

”ہو عجب تھولاً الاعاجم ملکو الف سنة، فلم یحتاجوا الی الناس
وملکنا مائت سنة لم یستغن عنہم ساعة (تاریخ آل سلجوق صفحہ ۴۵) یعنی اہم

تعجب انگیز ہے کہ عجمیوں کو ایک ہزار برس کی حکومت میں ایک ساعت کے لیے بھی عربوں کی ضرورت نہ ہوئی۔ اور عرب ایک صدی کی حکومت میں بھی عجمیوں کی اعانت سے بے نیاز نہ رہ سکے۔ ہماری رائے میں اس مقولہ کا ثبوت خود سلجوقی حکومت ہی۔ سلجوقی ترکوں نے اپنی فطری شجاعت و جلالت سے اطراف و جوانب کے مالک کو فتح کر لیا۔ اور وہ چاہتے تو مفتوح اقوام کو پامال اور ملک کو خاک سیاہ کر دیتے۔ مگر نہیں، انھوں نے رعایا کے دلوں پر حکومت کی اور سلجوقی حکومت سے ملک میں ایک نئی زندگی پیدا ہو گئی۔ اس کا باعث یہ تھا کہ الپ ارسلان کو خواجہ حسن نظام الملک طوسی جیسا فاضل و وزیر ملگیا تھا۔ اور باوجودیکہ وہ ایک خود مختار بادشاہ کے ماتحت تھا، لیکن اپنی عاقلانہ حکمت علی، اور حکیمانہ ضوابط سے تمام ملک کو منہر کر لیا تھا۔ جس کی تفصیل اس کتاب میں موجود ہے۔

خواجہ حسن خود شافعی تھا۔ مگر فوجداری، دیوانی عدالتوں میں فتنہ حنفی کے مطابق فیصلے ہوتے تھے، جس کا اپیل قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) سنا تھا۔ اور صیغہ مال خزانہ، تعمیرات، سرشتہ تعلیم، پولیس، اور رفاہ عام کے تمام صیغے ماتحت وزراء کے سپرد تھے۔ اور فوجی انتظام، فیوڈل سسٹم (قانون جاگیر داری) کے تحت میں تھا۔ الغرض کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جو اُس زمانے کے مطابق اعلیٰ پیمانہ پر نہ ہو۔ اور اس بنا پر خیریت یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اسلام میں ہر طرح کے سیاسی، قانونی، معاشرتی ترقی کی عام صلاحیت ہے۔

تصاویر کا ماخذ: خواجہ نظام الملک حکیم عمر خیام، اور حسن صلاح کی شبیہ ایک

قدیم مرتع کا عکس ہیں جس کے لیے ہم مولانا سید محمد حاذق مرحوم کابلی کے شکر گزار ہیں اور ملک شاہ کی تصویر علامہ شبلی نعمانی کے سفر روم و شام کا ہدیہ ہے۔ اور ان سب کے ہمارے کرم مخدوم منشی محمد رحمت اللہ صاحب رعد کے قلم اعجاز رقم نے زندہ کیا ہے جس کا دلی شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

ملک معظم ہندوستان میں
اور ولی کا عظیم شان دریا
 دیباچہ کتاب میں بادشاہ وقت کا تذکرہ ایک قدیم اسلامی طریقہ ہے۔ مگر بزم تیموری کے برہم ہونے کے بعد ۱۱ ستمبر ۱۹۱۱ء میں لال قلعہ شاہجہانی کو یہ فخر حاصل ہوا کہ محابلی نے رعایا کو اپنے درشن کر لے۔ اور ولی کو دار السلطنت ہونے کا دوبارہ سزا نصیب ہے۔ لہذا دستور قدیم کے مطابق نہایت فخر و مسرت سے نظام الملک کا دیباچہ اعلیٰ حضرت ہذا مہر پیل جی ملک معظم جارج پنجم (بالقابہ) خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و علیا حضرت حضور ملکہ معظمہ میری و امت اقبالہا کے نام نامی پر ختم کیا جاتا ہے۔ خدا کرے کہ شاہانہ اقبال کی روشنی میں نظام الملک کا ستارہ، آسمان شہرت پر آفتاب ہو کر چلے۔ آمین۔ خاتمہ اس دیباچہ

دولت ترا متابع و اقبال یار باد

ذات تو در حمایت پروردگار باد

نوٹ۔ تحریر تاریخ دیباچہ یوم جمعہ ۱۵ ستمبر ۱۹۱۱ء مطابق ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ بمقام کانپور

حصہ اول

طوس کی مختصر تاریخ

اس حصہ کے آغاز پر طوس کی مختصر تاریخ لکھنا نہ صرف اسوجہ سے موزون ہے کہ دنیا ہی اسلام کے جغرافیہ میں طوس کا نام داخل ہے۔ بلکہ اس خاک سے ایسے شہر امیر اور صاحب فضل و کمال پیدا ہوئے ہیں، جنکے خیالات اور تصنیفات سے ہمارے کتب خانے بالا مال ہیں۔ اور جس نامور کا یہ تذکرہ ہے اُسکے نشو و نما اور جاہ و جلال کا مرکز بھی یہی خطہ پاک ہے

بنائے طوس مورخین عجم کا قول ہے کہ جسے شہر طوس کی بنیاد ڈالی، وہ سلطنت عجم کا ناموشہنشاہ جمشید پیشدادی ہے لیکن انقلاب روزگار سے کیا نیون کے عہد حکومت تک یہ شہر مریاد

۱۔ طبقہ پیشدانیان میں جمشید چوتھا تاجدار ہے یہ طہورت کا بیٹا تھا اور اُسکے بعد ہی تخت نشین ہوا۔ اسکا عہد حکومت عدل و انصاف اور تمدن و معاشرت کی اعلیٰ ترقیوں کی وجہ سے ضرب المثل ہے حکمرانی میں طہورت اور ہوننگ کے تئیں پر عمل تھا۔ عمارت سے خاص ذوق تھا۔ چنانچہ فارس کے آثار قدیمہ میں تخت جمشید (پرسی پولیس) آج تک موجود ہے۔ بفضل تاریخ کے لیے دیکھو فائل معارف سنہ ۵۰ کتاب قدیم نقش ایران، و سفرنامہ میرزا فرست شیرازی جمشید کے اولیات حسب ذیل ہیں (۱) جین نوروز (۲) انگور سے شراب بنائی گئی اور "شاہ دارو" نام رکھا گیا (۳) ہوا گلا کر آلات حرب تیار کر گئے (۴) بروئی اور ریشم کا کپڑا تیار ہوا (۵) خیاطی اور شنواری ایجاد ہوئی (۶) غوطہ دگار سمندر سے موتی نکالے گئے (۷) پانی اور مٹی سے اینٹ تیار ہوئی (۸) معدنیات سے جواہرات نکالے گئے (۹) مفرد و اوٹون سے مرکبات تیار ہوئے (۱۰) بخور اور خوشبو کا استعمال (باقی صفحہ آئندہ)

ہو چکا تھا۔ جب ایران کی حکومت کیخسرو کے ہاتھ آئی اور پہلی مرتبہ توران پر فوج کشی ہوئی تو کیخسرو کے نامور سپہ سالار طوس ابن نوذرا بن منوچہر نے ازسر نو اس شہر کو آباد کیا اور طوسٹس نام رکھا۔

اگرچہ شاہنامہ میں فردوسی نے اس ٹرائی کے ذیل میں بنائے طوس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے لیکن سب سے پہلے جب فردوسی سلطان محمود غزنوی کے دربار میں پیش ہوا ہے۔ اتوت سلطان کے ہتھیار پر فردوسی نے بیان کیا تھا کہ ”شہر طوسٹس کا بانی طوس ابن نوذر ہے“

بقیہ صفحہ ۷۱۔ کیا گیا (۱۱) حمام تیار ہوا (۱۲) جنگل کے اندر سے شہر ون کے جانے کو ٹرکین نکالی گئیں (۱۳) ملک کی آبادی مثل اربع عناصر کے چار حصوں پر تقسیم کی گئی۔ ۱۔ ارباب دانش (۲۶) ارباب فوج ۳۔ ارباب زراعت ۴۔ ارباب صنعت و حرفت جمشید نے آخر میں خدائی کا دعویٰ کیا اور رضاک کے ہاتھ سے اسکا خاکہ ہوا۔ حضرت ہو علیہ السلام اسی زمانہ میں تھے۔ انتخاب ازواجِ ہوا (۱۵) جلد اول، نامہ خسروان (۱۶) و شاہنامہ حالات جمشید۔
صفحہ ۷۲۔ زینبہ القلوب حمادہ مستوفی ذکر طوس صفحہ ۲۹۸ دیباچہ شاہنامہ فردوسی صفحہ ۹ مطبوعہ بمبئی ۱۳۲۵ ہجری
صفحہ ۷۳۔ فردوسی نے جن الفاظ میں یہ واقعہ لکھا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

دگر گفت با طوس کاسے نامدار	یکے پست گویم زمین یاد دار
گزر بر کلات ایچ گو نہ کن	گر آن رہ روی خام گرد و سخن
در انجاء فردوست با ما درست	یکے لشکر کشن کند او راست
روان سیاوش چو خورشید باد	بدان گیش جاسے اسید باد
پسر بودش از دخت پیران یکے	کہ پیدان بود از پدرانند کے
برادرین نیسز بانندہ بود	جوان بود و جمال دفر خندہ بود
کنون در کلات ست با ما درست	جہاندار و با فرو با لشکر ست
ہم او مرد جنگ ست و گرد و سوار	گو بہر بزرگ و بہر تن نامدار
براہ بیابان بباید شدن	نہ نیکو بود جنگ شیران زدن

فرستادن کیخسرو طوس ایچنگ تورانیان صفحہ ۵۶ شاہنامہ مذکور۔

اور اُسکے بنا کی یہ وجہ بیان کی تھی کہ ”جب کچھ سرور نے طوس کو افراسیاب کے مقابلے پر روانہ کیا ہے تب رخصت کے وقت نصیحتاً کہا تھا کہ ”تجربہ دار براہ کلاٹ“، تو ران کو نہ جانا کیونکہ اس راستے میں فردوس جو میراجھانی ہے لڑائی ہو جائیگا خدشہ ہے“ لیکن جب سپہ سالار طوس سرحد توران پر پہنچ گیا تو اسے کلاٹ ہی کا راستہ اختیار کیا اور آخر کار بڑی خونریزی کے بعد فردوس قتل ہوا اور واپسی کے وقت کلاٹ و جرم کے متصل طوس کی بنیاد ڈالی۔“

قدیم تاریخ | اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ صوبہ خراسان میں قدامت کے لحاظ سے طوس ”شیخ البلاد“ کے خطاب کا مستحق ہے کیونکہ یزدگرد کے زوال سلطنت تک اُس کی عمر ۳۸۷ سال کی ہو چکی تھی۔

سلاطینِ عجم کے وقت میں طوس کی کیا حالت تھی اور فتوحاتِ اسلام تک سپر کیا انقلاب آئے؟ ہم اس افسانہ کو چھڑھ مانیں چاہتے ہیں۔ البتہ تاریخی حیثیت سے یہ ظاہر کرنا ضروری ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں طوس ۳۹۹ھ بمطابق ہجری میں فتح ہوا۔ اور خدا کا شکر ہے کہ اُس مبارک زمانہ سے آج تک اسلامی علم کے زیر سایہ ہے۔ مگر جو شان و شوکت خلفائے عباسیہ کے عہد میں تھی وہ باقی نہ رہی۔ اور شاہانِ سامانیہ،

۱۰ سلسلہ کیانی میں کچھ روین سیاوش تیرا جدار ہے۔ افراسیاب سے جو مرے ہوئے ہیں انکی تفصیل شاہنامہ و معجم ورج ہے۔ ۶۰ برس حکومت کر کے لہر اسپ کو اپنا جانشین بنایا اور خود غائب ہو گیا۔ لہر اسپ وادافری خسروی و یعدی و تاج کچھسروی“ نامہ خسروان و المعجم ۱۰ ”کلاٹ و جرم“ نمبر ایک قلعہ کا نام ہے جو اپنے استحکام میں ضرب القتل تھا۔ اور نمبر ۲ قصبہ کا نام ہے جسکے نیچے یہ قلعہ واقع تھا۔ نہایت القلوب صفحہ ۲۹۹۔ ۳۰۰ یزدگرد ساسانیوں کا بے غیر تاجدار ہے اور خراسان کے فتح کے بعد جو ۳۳۳ھ میں ہوئی یزدگرد کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

سلجوقیہ، غزنویہ وغیرہ کے باہمی جنگ و جدال سے روز بروز طوس کی حالت بگڑتی گئی تاہم تہذیب کی فتوحات تک ہندوستان اور یورپ کے سیاحوں نے اسکو عمدہ حالت میں پایا تھا لیکن آج تو ہندوستان کے ایک معمولی موضع کے برابر ہے۔

اپنے عروج کے زمانہ میں طغوس و حصون پر تقسیم تھا۔ ایک حصہ کا نام طاہران اور دوسرے کا نام نوقان تھا۔ اور ہر حصہ میں بیست ایک چھوٹے ضلع یا پرگنہ کے ایک ایک نہر اور وضعات تھے۔ اور ہر دو حصوں کا درمیانی فاصلہ ٹھارہیل تھا۔ اور آمد و رفت کے لیے تمام شہر میں ٹودروازے تھے۔

ابو عبد اللہ یا قوت الحموی اپنے جغرافیہ میں لکھتا ہے کہ طوس چار شہروں کے مجموعہ کا نام

۱۷ گنج دانش ذکر طوس ۳۲۷ ۱۷ امام غزالی علیہ الرحمہ ۳۵۰ ۱۷ اس کی جگہ پیدا ہوئے۔ ۳۷ شیخ شہاب الدین
اور بعد یاقوت بن عبد اللہ دمی حموی اپنے زمانہ کائنات ناموزا جریسیا ۱۷ اور حجازی سے۔ ۳۸ ۱۷ ۳۹ ۱۷ بمقام بغداد پیدا ہوا۔ اور
بروز کتبہ بیسویں رمضان المبارک ۳۲۷ ۱۷ بمقام حلب انتقال کیا یا قوت کی شخص سوانح عمری یہ ہے کہ بچپن
میں اپنے والدین اور وطن سے جدا ہو کر لڑکھن کے ہاتھ میں پڑ گیا اور انھوں نے بطور ایک غلام کے بغداد میں لا کر
بیچ دیا۔ اس عسکر بن ابوالفضل راہیم حموی نے جو بغداد کا ایک مشہور تاجر تھا اس کو ہرگز انامیہ کو خرید کر لیا۔ اور یا قوت کو
بعد ضرورت تعلیم دلائی پھر اپنے ساتھ لکڑی فروش بن چلا گیا۔ ایک عرصہ دراز کے بعد جب عسکر سفر سے واپس آیا تو اسے
یا قوت کو آزار دیا یہ واقعہ ۳۹۱ ۱۷ کا ہے۔ اس زمانہ میں یا قوت کتابت کرتا تھا۔ اور یہی ذریعہ معاش تھا۔ مگر
آمدنی گزراوقات کے لیے کافی نہ تھی اور یہ ہمیشہ اس کے حسب حال بھی نہ تھا بلکہ وہ تجارت کے ساتھ سفر کو بہت پسند
کرتا تھا۔ اس لیے عسکر باجری نے اپنے پاس سے تجارت کے لیے یا قوت کو روپیہ دیا۔ اور یا قوت دوبارہ سفر کو روانہ ہوا
چنانچہ ایک تاجر کی حیثیت سے یا قوت نے مغربی ایشیا، اور اراک، انزلی، صول وغیرہ کا سفر کیا اور علم و دولت کے
ذخیرے لیکر حلب میں واپس آیا اور اپنے نامور دوست ابوالحسن علی بن یوسف بن القفطی مصنف تاریخ الحکما کی
وجہ سے حلب میں سکونت اختیار کر لی۔ اور کتب جغرافیہ کی تصنیف میں مشغول ہوا چنانچہ اس فن میں (باقی آئندہ)

جینن ووشہر پڑے تھے اور دو چھوٹے "مگر حصص مذکورہ بالا کے علاوہ دو حصوں کے نام نین لکھے
 فتوحات اسلام تک شامان عجم کی کوئی یادگار قابل تذکرہ طوس میں باقی نہ تھی۔ مورخین اور
 جغرافیہ نویسوں کی تحقیقات کے مطابق اس شہر کو جو عروج ہوا وہ دولت اسلام کے متعلق ہے۔
 حمید بن قحطبہ کا وہ عالیشان محل (جو ایک میل مربع میں تھا جس کے پائین باغ میں امام
 علی رضا (رضی اللہ عنہ) اور ہارون الرشید کے مزار میں، اسی طوس میں تھا۔

ابو عبد اللہ شریف ادیبی نے اپنے مشہور جغرافیہ "نزهت المشتاق فی اختراق الآفاق" میں

بقیہ صفحہ ۲۰۔ یا قوت کی سب سے لاجواب کتاب "عجم البلدان" ہے، عربی میں جغرافیہ لکھے گئے ہیں کوئی اس سے بہتر و مکمل
 نہیں ہیں یہ کتاب تقریباً چار ہزار صفحات پر ختم ہوئی ہے اور حکومت اسلامیہ کی ایک مکمل لغت ہے۔ ہر شہر کا حال بہ ترتیب
 حروف تہجی لکھا ہے۔ علامہ و متفلسفہ جزمی کے اہتمام سے ۴ جلدوں میں مقام انچر (۱۸۶۶ء) چھپکرنالیا ہوئی ہے۔
 اس کتاب کا ایک خلاصہ علامہ جلال الدین سیوطی نے کیا تھا جس کا نام "مراصد الاطلاع علی اسما الالکتہ والباقاع" تھا مگر
 افسوس ہے کہ وہ خلاصہ نام رہ گیا۔ دوسری کتاب یا قوت کی "المشترک فی البلدان" ہے یعنی ایک نام کے حقد شہر و
 مقامات میں وہ سب ایسے موجود ہیں جن میں مقام گائنگن یہ کتاب بھی چھپ گئی ہے اور تیسری کتاب "مراصد الاطلاع
 علی اسما الالکتہ والبقاع" ہے یہ عجم کا خلاصہ خود یا قوت نے مرتب کیا تھا۔ یہ کتاب "مراصد الاطلاع علی اسما الالکتہ والباقاع" سے
 چھپ گئی ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ "ارشاد الالباء الی معرفۃ الادبار" ۴ جلدیں، "انجبال اشعار القدا و البتائخرین"
 کتاب عجم اشعار و کتاب عجم الادب و کتاب المبدأ و المال فی التاریخ۔ کتاب الدول ہیں۔ یہ کتابیں مصر ایران یورپ کے
 کتب خانوں میں موجود ہیں۔ اور یقین ہے کہ کلاس مصر و یورپ کی توجہ سے چھپکرنالیا ہوگی۔ انتخاب الکفایہ و القنوع۔
 کشف الطنون۔ و بیاجہ مراصد الاطلاع، تمدن عرب۔

۱۔ مراصد الاطلاع فی معرفۃ الالکتہ والباقاع مصنفہ یا قوت حموی مطبوعہ ایران صفحہ ۲۶۷۔ یہ وزارت کا مشہور
 خاندان تھا اور خواجہ نظام الملک کی والدہ اسی خاندان سے تھی ۲۔ ابو عبد اللہ شریف محمد بن محمد اور بس۔
 عرب کا سب سے مشہور جغرافیہ ہے۔ مغربی افریقہ میں ادیس بن عبد اللہ طوسی جسے حکومت ادیسیہ قائم کی تھی۔
 شریف کامورث اعلیٰ ہے۔ اور اسی نسبت سے ادیبی کہلاتے ہیں ۳۔ ۹ جلدیں شریف مقام بستمہ پیدا ہوا اور
 عالم شباب میں وطن سے قرطبہ چلا آیا۔ میان سے سیاحت کو روانہ ہوا اور ایک عرصہ تک (بانی و مصنف آئندہ)

طوس کے حالات میں لکھا ہے کہ "طوس ایک بڑا شہر ہے اسکی عمارتیں عمدہ ہیں متعدد بازار ہیں جن میں تمام خیرین فروخت ہوتی ہیں۔ اور آبادی بھی اچھی ہے۔ اور طوس کے اطراف میں رادکان، طبران، بردغوز، دودان، مہرجان، توادہ، موقان، واقع ہیں۔ یہ سب شہر آباد ہیں، اور ان میں خوب تجارت ہوتی ہے۔"

قریب قریب سی قسم کی تحریر ابو الفدا اور ابن حوقل کی ہے۔ اور ابن خرداد بہ کی روایت کے

بقیہ صفحہ ۲۱۔ تمام اندلس، شمالی افریقہ، اور ایشیائے کوچک میں پھرتا رہا لیکن جب مسلمانوں سے عیسائیوں نے ہزبرہ صقلیہ (سلی جھین) یا اسوقت شریف صقلیہ میں وارد ہوا اور راجس دوم (بادشاہ صقلیہ) کی ملازمت اختیار کر لی۔ اور اسی کے حکم سے وہ مشہور و معروف جغرافیہ لکھا جسکا نام "نزهة المشتاق فی اختراق الآفاق" ہے یہ کتاب ۸۸۰ھ میں ختم ہوئی اس کتاب کی ترتیب اقلیم سبعہ کے لحاظ سے کی گئی ہے۔ ہر شہر کی حالت لکھنے کے بعد میل و فرسخ کے حساب سے اسکی مسافت بھی لکھی ہے۔ مصنف تمدن عرب لکھتا ہے کہ "دریسی کی تصنیفات سے جولاطین میں ترجمہ ہوئے جغرافیہ کا علم یورپ کے ازمینہ متوسطہ میں پھیلا۔ اس کتاب میں متعدد نقشے تھے۔ اور تین صدیوں سے زیادہ تک یورپ نے محض اسی کتاب کی تقلید پر فاعلت کی۔ شریف الدیسی پہلا شخص ہے جس نے دریائے نیل کا منبع دریافت کیا (خط استوا کی بڑی جھیلین) جسکو اہل یورپ نے بہت ہی قریب زمانہ میں معلوم کیا ہے۔ "افسوس ہے کہ اس کتاب کا پورا اصل نسخہ نایاب ہے۔ افریقہ اندلس، اطالیہ، فلسطین کے حالات میں جو ابواب ہیں وہ بمقام لیدن (مسئلہ ۸۸) میں مع ترجمہ فرنج، ورومیہ (مسئلہ ۸۸) میں مع ترجمہ ایطالین، و بون (مسئلہ ۸۸) چھپ کر شائع ہو چکے ہیں۔

کشف الفنون، تمدن عرب، الکفاء القنوع۔ ۸۸۰ھ پورا نام مع شجرہ نسب اس نامور عالم کا یہ ہے "سلطان ملک الملوید عداد الدین ابو الفدا اسمعیل بن ملک الافضل نور الدین علی بن جمال الدین محمود بن محمد بن عمر بن شاہنشاہ بن ایوب صاحب حماہ" ابو الفدا ۸۸۰ھ میں بمقام دمشق پیدا ہوا اور ۸۸۰ھ میں فوت ہوا نفعہ، اصول، عربیت، ادب، تاریخ میں کامل تھا۔ علمی ذوق و شوق کا یہ عالم تھا کہ باوجود بارسلونت تصنیف میں مشغول رہتا تھا تاہم تاریخ ابو الفدا (مصر) یورپ میں کئی بار چھپ چکی ہے) کے علاوہ "تقوم البلدان" جغرافیہ میں مشہور کتاب ہے۔ ابو الفدا سے قبل عرب میں ساٹھ جغرافیہ نگار چکے تھے اور انکی تصانیف ابو الفدا کے سامنے موجود تھیں لہذا اس کتاب میں (دبائی آمینہ)

بموجب طوس کا سالانہ خراج سینتالیس ٹہہر آٹھ سو ساٹھ درہم تھا۔ (۱۱۹۶ھ و سپہ)

قدیم طوس کی عظمت و شان سے انکار نہیں ہو سکتا ہے، لیکن موجودہ زمانہ میں ٹوٹے پھوٹے قلعے پرانے محل، پلکان کے آثار، یا شہرِ نیاہ کی دیواروں کے سوا، اور کچھ باقی نہیں ہے اور انھی کھنڈرات سے عمارت کے استحکام اور صنعت کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ قدیم آبادی کا

بقیہ صفحہ ۲۲۔ جغرافیہ کی بہت سی ضروری فرگذاشتوں کی اصلاح ہو گئی ہے۔ اور ہر شہر کے طول البلد اور عرض البلد بھی لکھ دیے گئے ہیں۔ ابوالقداسی یہ طرز ترتیب ابن خزلہ کی تقویم البلدان سے اخذ کیا ہے۔ ۸۴۰ھ میں مع ترجمہ فرنجی جلد ۲۰ میں مقام پیرس میں جغرافیہ چھپ گیا ہے۔ تقویم البلدان کے علاوہ مصر کا جغرافیہ بھی ابوالقداسی لکھا ہے جو ۸۴۰ھ میں بمقام کانگن چھپا ہے، "کشف الطنون، تمدن عرب، اکتفاء القنوع۔ ۵۷۰ ابوالقاسم ابن حوقل مشہور باہر اور سیاح ہے۔ ۳۴۰ھ میں بغداد سے بغرض سیاحت روانہ ہوا اور پورے ۲۸ برس کے بعد ۳۶۹ھ میں واپس آیا۔ بلاذری، اندلس، عراق، فارس وغیرہ کی سیر کی بعد اس نے اپنا سفر نامہ مرتب کیا جس کا نام "المساکات الممالک والمفاوز ولہالک" ہے اس سفر نامہ کا اخذ کتاب الاقالیم (مصفیٰ ابو جاق صطخری) ہے اور قداسیہ وغیرہ کی کتابوں سے بھی مدد لی گئی ہے ممالک یورپ کے نامور سیاح آج جن چیزوں کو اپنے سفر نامہ میں درج کرتے ہیں۔ ابن حوقل نے وہ تمام امور اپنے سفر نامہ میں لکھے ہیں تفصیل کے واسطے تمدن عرب دیکھنا چاہیے جہاں اس سفر نامہ کے دیباچہ کا اقتباس درج کیا گیا ہے اس سفر نامہ کے بعض ٹوٹے مع ترجمہ انگریزی ۸۴۰ھ میں بمقام لیڈن اور بون چھپ گئے ہیں اور فارسی میں بھی ترجمہ ہو گیا ہے۔ المسالک والممالک کے نام سے متقدمین اور متاخرین نے متعدد جغرافیہ اور سفر نامے لکھے ہیں۔ جس کی تفصیل کشف الطنون میں ہے۔ ابن حوقل کی وفات کی صحیح تاریخ نہیں معلوم ہو سکی لیکن ۳۶۹ھ کے قریب انتقال کیا ہے۔ اکتفاء القنوع وغیرہ

۵۷۰ ابوالقاسم عبد اللہ بن احمد بن حمد داد بہ نرسانی حاکم طبرستان مشہور مؤرخ اور جغرافیہ کا نام "المساکات الممالک" جو اسکا طرز تقسیم اور اصول ترتیب زبہ الشقائق اور سی کے مطابق ہے۔ ۸۴۰ھ عجمی کے قریب ابن خرداد بہ کا انتقال ہوا۔ اکتفاء القنوع۔ مذکورہ بالا جغرافیوں کے پورے خلاصے گنج دانش میں درج ہیں بشرط ضرورت شایقین اصل کتاب ملاحظہ فرمائیں۔

ایک محل باقی ہے جسکی عمارت شکل مربع متساوی الاضلاع ہے۔ جسکا ہر ضلع ۱۲ گز ہے۔ اور سطح زمین سے گنبد تک دیوار کی بلندی ۸ گز ہے پھر زمین سے گز کی بلندی تک شکل مربع اسکے بعد صناعتوں نے اسکو شمن (ہشت پہلو) کر دیا ہے اور پھر ہر گوشہ میں عجیب و غریب صنعت سے طاق بنائے ہیں۔ علاوہ اسکے فن عمارت کی جو صناعتیاں ہیں وہ بغیر فوٹو کے قلم سے ادا نہیں ہو سکتی ہیں اور چند مقامات پر بخط نسخ و رقلع تحریر ہے کہ ”اللّٰهُمَّ سَاعِدْهُ“ موجودہ زمانہ میں اس جملہ سے اُس عہد کے مسلمانوں کے خیالات کا پتہ لگ سکتا ہے۔

اس محل کے علاوہ شہر کے شمالی جانب شاہی قلعہ کے بھی نشانات باقی ہیں دیہ قلعہ شکل مربع متساوی الاضلاع تھا اور اسکا محیط ۸۰۰ گز تھا اور قلعہ کے سامنے خندق ہے جسکا عرض ۵ گز ہے اور باوجود امتداد زمانہ کے منجملہ بارہ برجوں کے بعض برج بھی اب تک قائم ہیں شہر بنیاد کی دیوار بھی موجود ہے جسکا عرض سطح زمین کے برابر ۵ گز ہے۔ اور منجملہ ۱۵۶ برج کے بعض آج تک برقرار ہیں۔

تمام عمارتوں میں تھرائینٹ اور چونہ سے کام لیا گیا ہے۔ قدیم آبادی کے دو مزارعہ ہنوز باقی ہیں اور طوس کے نام سے مشہور ہیں۔ مگر مجموعی آبادی پچاس خاندانوں سے زیادہ نہیں ہے۔

معجم البلدان یا قوت حموی میں طوس کا طول البلد ۸ درجہ اور عرض البلد ۳ درجہ درج ہے اور زینشاپور سے فاصلہ دس فرسخ ہے۔

طوس کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اُن خیرون کا تذکرہ تھا جو ٹٹنے والی ہیں لیکن حقیقت میں

طوس کی شہرت عام اور بقاء و دوام کے باعث خود اس کے نامور بیٹے میں ججکا فضل و کمال قیامت تک اسکو زندہ رکھیگا۔

طوس کے جن نامور لوگوں کے مفصل حالات، تذکرہ، طبقات، انساب، رجال، اور کتب تاریخ میں تحریر ہیں۔ انکی محل سوانح عمری کے لیے بھی ایک مستقل کتاب چاہیے۔ لیکن ناظرین کی اطلاع کے لیے ایک مختصر فہرست پیش کی جاتی ہے جس سے بڑی العین معلوم ہوگا کہ بقاء و دوام کے دربار میں کس کس طبقے کے باکمال جلوہ افروز ہیں۔

مشاہیر طوس کی مختصر فہرست

۱۔ ائمہ | ۱۔ امام محمد غزالی - ۱۱۔ امام احمد غزالی -

۱۔ امام محمد غزالی - محمد بن محمد بن احمد حجتہ الاسلام غزالی - ۵۰۵ھ میں پیدا ہوئے۔ ۴۰۰ ہجری الٹانی ۵۰۵ھ میں بمقام طابران انتقال کیا۔ امام ابوحنیفہ کے شاگرد تھے۔ ختم تعلیم کے بعد درس و تدریس میں مصروف رہے پھر گوشہ نشین ہو گئے اور نقصہ کا رنگ غالب ہوا۔ شیخ ابوعلی فارسی کے مرید ہوئے بیت المقدس، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، مصر، اسکندریہ کا سفر کیا مختلف علوم و فنون میں۔ ۸۰۰ کتابیں متعدد جلدوں میں تصنیف کیں جن میں سے صرف یاقوت التاویل فی التفسیر، بہ جلدوں میں ہے۔ احیاء العلوم، کیمیائے سعادت مشہور کتابیں ہیں۔ انکے علاوہ متعدد کتابیں علوم و فنون کی مضامین میں چھپ گئی ہیں مفصل سوانح عمری کے لیے دیکھو الغزالی شمس العلماء شبلی نعمانی - ۱۱۔ ملک الابدال محمد الدین ابو الفتح امام احمد غزالی - مختصر تعریف یہ ہے کہ آپ امام غزالی کے چھوٹے بھائی ہیں۔ جامع العلوم تھے مگر فقہ میں خاص پایہ رکھتے تھے۔ کچھ دنوں نظامیہ کے مدرس رہے۔ مگر پھر ملازمت چھوڑ کر وعظ میں مصروف ہوئے کیونکہ قومی خدمت کا امام کے نزدیک یہ سب سے عمدہ ذریعہ تھا۔ ۵۱۱ھ میں بمقام قزوین انتقال فرمایا اور وہیں دفن ہوئے محمد شاد قاجار متوفی ۱۲۸۳ھ کے عہد سلطنت میں ایک نامور مجتہد کے فتوے سے مزار پر انوار بر باد کردیا گیا اور ضریح کے کمرے کو دے گئے۔ افسوس!! تصنیفات میں سے سوانح ایک عمدہ کتاب ہے۔ جسکے طرز پر شیخ فخر الدین عراقی نے لمعات لکھی ہے ابوکر کساج سے بیعت تھی۔ نظم میں یہ قطعہ مشہور ہے - چون پتر سنخری بخیم سیاہ با باقر اگر بود ہوس تاج بنجرم دباقی آئندہ،

محدثین

۲۔ تیسرے بن محمد طغاج ابو عبد الرحمن شیخ الطائف ابو جعفر عماد الدین ابو جعفر مشہور باحجام

۳۔ طاووس الفقرا ابو نصر سراج شیخ محمد بن اسلم ابو العباس احمد بن محمد بن مسروق

صوفیہ کرام

معتشوق شیخ ابو علی فارمدی شیخ ابو بکر بن عبد اللہ نساج محمد بن منصور بابا محمود

بقیہ صفحہ ۲۵ تا یاق جان بن خراز ملک نیم شب صد ملک نیم روز یک جونی خرم گنج دانش صفحہ ۳۴۹ مطبوعہ اصفہان۔
 مجمع نفصا جلد اول صفحہ ۳۵ صاحب مسند الکبیر محدثی موثق بودہ و کثیر الحدیث مدتی بنفوسیا حجت اشتغال
 و ثبوت موافات بلیلہ بیادگار گذشتہ گنج دانش تذکرہ طوس ۵۵ ابو جعفر طوسی طبقہ امامیہ کے نہایت حلیل القدر عظیم مرتبہ
 فقیہ اور محدث ہیں۔ ابو جعفر ثالث مشہور ہیں کیونکہ علامہ کلینی اور شیخ صدوق کی بھی یہی کیفیت ہے اور نام بھی
 ہر سب بزرگوں کا ”محمد“ ہے شیخ مذکور حسن بن علی طوسی کے نامور بیٹے ہیں۔ رمضان ۳۵۹ ھ میں بنی بقیام طوس ولادت
 ہوئی۔ اور محمد بن ۳۵۹ ھ میں بنی بقیام اثرت انتقال فرمایا تصنیفات میں استبصار تہذیب نہایت مبسوط اور
 تفسیر قرآن (دس جلدیں) مشہور ہیں۔ مزید حالات کے لیے تاریخ اور تذکرہ دیکھو گنج دانش صفحہ ۳۴۱۔ ۵۵ عماد الدین
 ابو جعفر ثالث کے مثل آپ بھی فقیہ اور محدث ہیں پورا نام یہ ہے۔ ابو جعفر عماد الدین محمد بن علی بن حمزہ بن محمد بن علی
 طوسی الشہدی۔ مذہب جعفری کے کتب استدلالیہ میں مختلف عنوان سے شیخ کا نام آتا ہے یعنی ابن حمزہ ابو جعفر ثانی
 ابو جعفر عماد طوسی شیخ طوسی صاحب وسیلہ تصنیفات میں سے فقہ میں کتاب الوسیلہ لی نیل الفضلہ مشہور ہے۔ ولادت اور
 موت کی تاریخ کا کبین پتہ نہیں ہے لیکن یا تو ابو جعفر ثالث کے ہم عصر تھے یا قریب العصر تھے۔ گنج دانش صفحہ ۳۵۲
 ۵۵ ابو نصر سراج عالم عارف اور شیخ وقت تھے۔ کتاب المعصوفین میں آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ طوس میں عماد خاں دکنی
 نانا آپ کے فرار کے سامنے پڑھائی جاتی ہے۔ ابو محمد نقش کے مرید تھے۔ ۵۵ محمد بن اسلم یہ اپنے زمانہ کے طلب تھے
 ”انسان الرسول اور شیعہ خوانسان کے نام سے مشہور تھے۔ تمام عمر کوئی امر خلاف شریعت سرزد نہیں ہوا۔ امام علی رضا
 کے ہم عصر تھے۔ آپ کے وعظ سے ۵۰ ہزار آدمی بایند شریعت ہو گئے۔ ۲ برس قید رہے مگر قرآن کو مخلوق نہیں کہا۔
 ۵۵ احمد شرق مشہور بامرا ہیں۔ علوم ظاہر و باطن میں کامل تھے۔ آپ کا عجاہدہ اور نقوی مشہور ہے حارث حاسبی اور
 سری قحطی سے صحبت ہوتی تھی۔ ۵۵ معتشوق محمد نام تھا۔ اور معتشوق کے لقب سے ممتاز تھے۔ مولا تاجا می لکھتے ہیں
 ”انفعلا سے مجاہدین بودہ و بس بزرگوار و صاحب حالتی کمال“ شیخ ابو سعید ابو الخیر مشاپور کو چارہ ہے تھے جب طوس کے
 دروازے پر پہنچے تو اول خادم بھیج کر حضرت سے اجازت چاہی کہ اگر حکم ہو تو شہر میں داخل ہوں۔ چنانچہ اجازت ہوئی
 اور آپ آئے۔ ”جنکو شیخ ابو سعید کا درجہ معلوم ہے وہ اس واقعہ سے معتشوق طوسی کی غفلت سمجھ سکتے ہیں (باتی آئندہ)

شعر

۴۔ فردوسی۔ اسدی۔ خواجہ منصور۔ سلطان علی۔ مولانا عجب الصمد۔ ملا نامی۔
محمد میرک صالحی۔ ملا غزالی۔ شیخ رباعی۔ نجاتی۔ اقدسی۔ قاسم ارسلان۔ محمد رضا۔ غری۔
نسبتی۔ بدیع۔ الفتی۔ نادری۔ قدسی۔ شیدا۔

بقیہ صفحہ ۲۷ ۵۸۔ ابوعلی فارسی فضل بن محمد بن علی اشہر شیخ ابوعلی فارسی حقیقت میں شیخ اشہر کا ہر جہر کہتے تھے
علوم ظاہری میں امام ابوالقاسم قشیری کے شاگرد تھے شاہان سلاجقہ اور وزیر شیخ کے واسطے اپنی مسد خالی کرتے تھے۔
۵۹۔ ابوبکر نسل شیخ ابوالقاسم گزگانی کے سلسلہ میں نہایت نامور عارف ہیں ۱۲۰ برس کے ہو کر انتقال فرمایا۔ قریبہ معاش
کپڑا نہایت تھا۔ اور ہمارے زمانہ کے صوفیوں کی معاش مریدوں کے نذرانہ پر ہے۔ عین تفاوت رہا۔ ان کی بات کیا۔
۶۰۔ محمد بن منصور۔ مولانا جامی نے آپ کو صوفی اور محدث لکھا ہے۔ بغداد میں اکثر قیام رہتا تھا۔ بڑے مشہور عارف ہیں
عثمان بن سعید الدارمی ابوالعباس مسروق ابوجعفر حداد ہیں ابوسعید خدری اور جنید آپ کے شاگردوں میں ہیں۔
۶۱۔ بابا محمود شیخ عبدالمد کے مرید ہیں حلقہ تعلیم سے بھاگ نکلے تھے۔ لہذا مذہب ہو کر رہ گئے۔

انتخاب از نصائح الانس جامی مطبوعہ کلکتہ ۱۲۸۷ء ذکرہ فرید الدین عطار مطبوعہ لاہور گنج دانش ذکرہ طوس مطبوعہ صفہان
۶۲۔ شاید ہی کوئی ہو جو جان لے حکیم ابوالقاسم منصور فردوسی یا اسدی طوسی سے واقف نہ ہو۔ شاہنامہ اور
کرتاشاب نامہ نے دونوں کو حیات جاوید بخشی ہے۔ اور فردوسی کی طرح مین ویل کے اشعار کافی ہیں۔
سکندر بن فردوسی طوسی نشانہ کافر مرگے بچکس از جلالہ فرسی نشانہ اول از بالے کہی زمین کی سخن او در گوش گرفت از بزرگ نشانہ
۲۔ در شعر تن پیمبر اند۔ ہر چہ کہ لانی بعدی

اوصاف و قصیدہ و غزل را فردوسی و اویسی و سنجدی ۳۔ اب حکیم نوری کا قول سنجدی سے
آفرین بر روان فردوسی اکں ہائوں نہاد و فرخندہ اون استاد بود و ما شاگرد او خداوند بود و ولایت
فردوسی کی سوانح عمری اردو میں چھپ گئی ہے اسلئے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے اور شاہنامہ ہر کتب خانہ میں موجود ہے
۱۲۷۸ء میں کتبان ٹرنر نے ایک انگریزی ترجمہ مقام کلکتہ شائع کیا اور ۱۲۸۳ء میں ٹیٹکسن نے دوبارہ شائع کیا اور ۱۲۸۸ء
میں فریخ ترجمہ جلد میں زیر نگرائی فعل صاحب شائع ہوا ہر جلد صفحہ ۳۵۸ نیو یارک پبلشرز انشائیکلوپیدیا۔ اور
بقیہ شعر کے حالات تذکرہ میں موجود ہیں۔ البتہ صالحی محمد میرک خواجہ نظام الملک کی اولاد میں ہے طوس کو چھوڑ کر
صفہان میں سکونت اختیار کی تھی اول شاہ عباس صفوی کا وظیفہ عارف تھا اسکے بعد شاہنشاہ ہندستان دہلی آئینا

وزرا ۵- ابوعلی حسن بن علی (نظام الملک) عبدالرزاق (شہاب الاسلام)

حکما ۶- خواجہ نصیر الدین (سلطان الحکما نصیر الملتہ والدین)

بقیہ صفحہ ۲۷ جمال الدین ابوسعید کے دربار میں حاضر ہوا کلام کا نمونہ یہ ہے

مرا گونیدے دروان بزن دستی بدانش
اسباب ہلاک این بھوہ وزندہ ام ای ہجر
درد دل گفتن فغانل کروخاری را بین
بدست اوست مرگ صاکی خاطر نشاغم شد
نہ دیدہ قطرہ خون از جگر برآوردہ
بیدین تو دل از دیدہ سر برآوردہ

آئین الکبریٰ صفحہ ۲۰ مرتبہ انبیل سرسید احمد خان بہادر مرحوم طبوطبہ دلی علیہ السلام حضرت آدو صفحہ ۳۱۶

۱- نظام الملک کی سوانح عمری ناظرین کے اذہن میں ہے۔ اور عبدالرزاق شہاب الاسلام نظام الملک کا بھتیجا تھا۔

جو سلطان بنجربلوٹی کا وزیر تھا پورا نام یہ ہے ”شہاب الاسلام عبدالدوام ابن الفقیہ عبدالمدین علی بن اسحق طوسی“

مزید حالات کے لیے دیکھو تاریخ ”آل بلوٹی“ ۱- خواجہ نصیر الدین (سلطان الحکما) خواجہ نصیر الدین ابو جعفر محمد

طوسی محمد بن حسن طوسی کے بیٹے تھے۔ بروز شنبہ ۵ جمادی الاولیٰ ۵۱۱ھ قمریہ قریب طلوع آفتاب شہید مقدس میں

پیدا ہوئے۔ گو بزرگان کا وطن جہرود مضائقہ ہے مگر چونکہ خواجہ کا مولد و منشطوس تھا اسوجہ سے طوسی مشہور

ہوئے۔ خواجہ نے ابتدائی کتابیں اپنے باپ سے پڑھیں اور محمولات اپنے مامون سے لیکن فرید الدین داما د

نیشاپوری تھیں طویل الدین مصری کمال الدین بن وفس مصری معین الدین سالم بن بدراہن بقرنی سید علی بن طاووس

حسینی حلی شیخ شہر بن علی بحرانی جیسے امور علمائے کبیل علوم فنون کی تھی۔ اور مراتب حکمت میں خواجہ کا سلسلہ شاگردی

(پانچ واسطوں سے) ابوعلی سینا تک پہنچتا ہے جسکی تفصیل یہ ہے فرید الدین داما۔ صدر الدین۔ افضل الدین غیلانی

ابوالعباس لوگری۔ بہمن یار شیخ رئیس ابوعلی سینا بلخی۔ اگرچہ خواجہ جامع علوم تھا مگر ریاضی میں فردا کمل تھا۔ فوٹو

کا مصنف لکھتا ہے ”کان داسانی علمہ کلا وائل لاسیما فی الاعداد والجسطی“ تصنیفات میں المتوسط،

بین الهندسہ والبیاء نقد المحصل، تجرید الکلام، اوصاف الاشرف، جام غنی، قواعد العقائد،

المفاتیح، اداب المتعلمین، العروض، تحریر تلخیص و تحریر الجسطی، جامع الحساب، تعدادیل المعیاس

تہا قہ الفلاسفہ وغیرہ مشہور ہیں علاوہ اسکے کراہ، اصطلاح اور زینج کے متعلق متعدد تصنیفات ہیں۔ مومنین کا

بیان ہے کہ جب خواجہ کے تفصیل و کمال کا بلا دایران میں شہرہ ہوا تو رئیس ناصر الدین عبدالرحیم دباقی (صفحہ ۲۷) نے

اور کسی شاعر نے ذیل کے اشعار میں انہی نامور بزرگوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

حبذا آب و خاک بقعہ طوس - کہ شد آرا مگاہ اہل نظر

بقیہ صفحہ ۲۸ ابی منصور مخشتم حاکم قستان دگور ز منجانب شاہان اسمعیلیہ نے خواجہ سے ملنے کا ارادہ کیا۔ اور آخر کار وہ بنت ساجت اپنے پاس بلایا۔ چنانچہ اسی زمانہ میں تہذیب الاخلاق و تطہیر الاعراق ابن سکویہ المتوفی ۴۲۱ھ کا خواجہ نے ترجمہ کیا تھا اور امیر مذکور کے نام پر بطور تہذیب (ڈیکشن) اخلاق ناصری نام رکھا (دیکھو دیباچہ ناصری) اور اسی جگہ سے خواجہ نے مود اللدین محمد بن لعلقی وزیر مستصم بامد خلیفہ بغداد سے خط و کتابت شروع کی۔ اور خلیفہ کی طرح میں ایک عربی قصیدہ لکھا۔ لیکن ابن لعلقی چونکہ خواجہ کے فضل و کمال سے واقف تھا لہذا اسے یہ گوارا نہیں ہوا کہ دربار خلافت میں کوئی میرا سیم و ضربیک پیدا ہو۔ اور خواجہ کی آمد کو اپنے زوال کا باعث سمجھا لہذا اصل خط کی پشت پر حسب ذیل عبارت لکھ کر امیر ناصر الدین کے ملا خطہ کے لیے بھیج دیا: "نصیر الدین طوسی را دوری در گاہ تو در خاطر خلیفہ و مدحی در حق خلیفہ عصر سرودہ و نامہ میں رقم نمودہ منظور اور در پیش گاہ خلافت پناہ متشی سازم و از انجا کہ انجام این معنی منافی مقام کجستی و دوستداری بود لازم شد کہ اعلام نماید با قائل نہاشی" امیر مذکور یہ خط پڑھ کر شتعل ہو گیا اور خواجہ کو قید کر دیا۔ اور پھر قستان سے دار السلطنت قزوین میں علاؤ الدین محمد بادشاہ اسمعیلیہ کی حضور میں بھیج دیا۔ خواجہ قلعہ الموت میں راکھ رہا تھا۔ اور اپنی زندگی تصنیفات میں بسر کرتا تھا چنانچہ قاضی شمس الدین احمد قزوینی کی تحریک پر جب منکو خان نے اپنے بھائی ہولا کو خان کو ملاحدہ اسمعیلیہ پر تعینات کیا ہے اس وقت خواجہ کلن الدین خورشاہ کی خدمت میں حاضر تھا جو آخری بادشاہ اسمعیلیہ کا تھا گو یہ بادشاہ کمسن تھا مگر خواجہ کی بہت بڑی عزت کرتا تھا لیکن قید سے چھوڑا نہیں چاہتا تھا اس لیے خواجہ اور رئیس الدولہ وغیرہ امر لے رہے تھے ہولا کو خان سے سازش شروع کی۔ اور درپردہ خورشاہ کو بھی اطاعت پر رضامند کر لیا۔ اور بالآخر خواجہ نے متعدد سفارتوں کے آمد و رفت کے بعد خورشاہ کو ہولا کو خان کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا چنانچہ اس واقعہ کو خود ہی خواجہ نے نظم کیا ہے۔

سال عرب چوشتصد و پنجاہ و چار شد کیشنبہ روز اول و یقینہ بامداد

خورشاہ بادشاہ اسمعیلیان ز تخت برخاست پیش تخت ہلا کو بایستاد

چنانچہ جب قلعہ الموت فتح ہو گیا اور ۵۶۴ھ میں تمام ملاحدہ کا استیصال ہو گیا تو خواجہ کو ہولا کو خان اپنے ہمراہ لے گیا۔ اور چونکہ محض خواجہ کی حکمت عملی سے (بغیر خونیازی کے) خورشاہ قبضہ میں آ گیا تھا لہذا اس (باقی آئندہ)

معدن و منج حقیقت و فضل	مرتع و مربع صفا و نظیر
آب اوچون سپر مہر نام	خاک اوچون صدف گہر پرور
ہر روز رگی کہ بود اندر طوس	آمدہ است از جہانیاں بر تر
ہمچو غزالی و نظام الملک	ہمچو فردوسی و ابو جعفر
و اندرین روزگار خواجہ نصیر	اعلم عصر و مقتداے بشر

بقیہ صفحہ ۲۹ صلیہ میں خواجہ کا تصور معاف کر دیا گیا اور نوازشات شاہی سے خواجہ کی عزت افزائی کی گئی اور چند ہی روز کے بعد خواجہ نے اس ظالم کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ چنانچہ سلطنت کا کوئی کام اسیانہ تھا جو بے مشورت خواجہ طے ہوتا ہو لیکن افسوس ہے کہ خواجہ نے اپنے اقتدار سے جو کام لیا وہ یہ تھا کہ ہولا کو خان کو بغداد کی بربادی پر پوری طور سے آمادہ کیا اور اسکا مشائخ اس کے اور کچھ نہ تھا کہ موید الدین علقمی سے پورے جوش سے انتقام لیا جائے گا ابتداً نیز قصبہ موید الدین علقمی نے ہولا کو سے سازش کی تھی۔ لیکن اگر خواجہ کی ترغیب شامل نہ ہو تو بغداد پر ہرگز حملہ نہ ہوتا کیونکہ خلفائے عباسیہ کی عظمت و شان اور نیز کن افسانوں سے جو عقیدہ مندوں نے ہولا کو خان کو سنا ہے تھے۔ اسی ہرگز جرات نہ پڑتی تھی کہ وہ بغداد پر حملہ کرے کیونکہ اسکا خیال تھا کہ بغداد پر فوج کشی کرنے سے قیامت آجائیگی۔ یا ایسے واقعات کا طور ہو گا جو قیامت سے کم نہ ہوں گے۔ لیکن خواجہ نے سمجھا یا کہ عادت اسد دین عالم چنین قرار گرفتہ کہ امور بر مجاری طبیعت عالم باشند مستصم بامد و شرف نہ پچھی ابن زرکرا میر سید نجم الدین ابن علی۔ و ابن ہرودہ را عادی بہ تیغ بیدریغ سر برید و جان بچان بچان بر قرار است“ اسی قسم کے اور بھی فلسفیانہ اور حکیمانہ فقرے کہے جو جاہل کی سمجھ میں آگئے اور مظلوم کے فوجی سیلاب نے بغداد کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ اور آخر کو مستصم باسد قتل کر دیا گیا اور چالیس دن تک عالم کر کے بغداد کو بھی تباہ کر دیا دریا سے دجلہ کا پانی میٹنا ہون کے خون سے سرخ ہو کر ہا کیا تباہی کیسی عظیم الشان تھی اور سیل تار کی طغیانی کہاں تک تھی اسکو قلم سے ادا کرنا مشکل ہے ہذا قلعین مستصم بامد کے عہد کی تاریخ اور نامور شعرا کے فارسی و عربی قصائد پڑھیں۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں ے

آسمان راقع بود و گر خون گردید بر زمین
برزوال ملک مستصم میر لومنین

بہر حال خلافت عباسیہ کی بربادی کا خواجہ کے دامن پر ایسا دھبہ ہے جسکو قیامت تک کوئی مومن نہیں دھو سکتا ہے۔ اس کا رگزار ہی کے بعد ۵۱۵ھ میں ہولا کو خان نے خواجہ کو تعمیر رصد پر مامور کیا (باقی بر صفحہ آئندہ)



تا با کنون چوا و خواست دگر
سزدار بر فلک فراز و سر
این چنین شہر با چنین فضل
ایک دوسرے شاعر کا یہ قول ہے۔

۲۔ ہر دیر و شاعر و مفتی کہ او طوسی بود
چون نظام الملک غزالی فردوسی بود

طوس کا موجودہ نام | طوس کا موجودہ نام ”مشہد مقدس یا مشہد رضوی“ ہے۔ اور یہ تقدس
امام علی رضا علیہ السلام کی ذات پاک سے ہے لیکن مشہد حقیقت میں فی زمانہ صوبہ خراسان کا
ایک مشہور شہر ہے جہاں امام صاحب کا مزار پرانوار ہے۔ اور یہ جگہ طوس سے پندرہ میل کے
فاصلہ پر جانب شمال و مشرق واقع ہے۔ اور یہی موقع موضع دسنا باد کا ہے جہاں ہرول ارشد

بقیہ صفحہ ۳۰۔ اور خواجہ کی زندگی کا یہ متم باشان واقعہ ہے۔ اس رصد کی بدولت خواجہ کو علاوہ جاگیر اور منصب کے اس قدر
دولت و تہائی جہاں شمار فرمایا کہ یہ رصد بقیہ تمام مراغہ بنائی گئی تھی اور خواجہ کے علاوہ موبد الدین عروضی و مشقی۔
اور غفر الدین مراغی، غفر الدین غلاطی اور نجم الدین قزوینی قطب الدین شیرازی محی الدین مغربی جیسے حکماء شریک تھے۔
اور جو بیچ تیار کی تھی اس کا نام زنج ایٹھا فی تھا۔ بہر حال خواجہ ان مشاہیر میں داخل ہیں کہ جنکی مستقل سوانح عمری
کی ضرورت ہے۔ یہ سوانح میں انتقال کیا اور بنیاد میں بقیہ کا نظم و فن ہوئے۔

تصیر ملت و دین پادشاہ کشور فضل
بسال ششصد و ہفتاد و د و بنیچہ
یگانہ کہ چنوا در زمانہ نہ زاد
بروز ہجیر ہم در گزشت در بغداد
انتقال کے وقت خواجہ کے تین بیٹے موجود تھے۔ جنکے نام یہ ہیں۔ صدر الدین علی۔ اصل الدین حسن
غفر الدین احمد۔ انتخاب از ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۱۴۹۔ جامع التواریخ رشیدی مطبوعہ
پیرس ۱۲۵۲ھ عہد ہولا کو۔ گنج دانش صفحہ ۳۴۲۔ طبقات ناصری مطبوعہ موسائٹی
کلکتہ ۱۲۶۳ھ ع۔ مجمع الفصحا جلد اول صفحہ ۶۳۳۔ کشف الظنون صفحہ ۱۲ جلد ۲۔
اکتفاء القنوع صفحہ ۱۹۷۔

عباسی کی قبر ہے خلیفہ مامون الرشید نے اس خیال سے کہ امام صاحب کے قریب سے
ہر ون الرشید بھی مستفید ہو قبر کا تعویذ اکھڑا کر حضرت علی رضا کو بھی زمین دفن کیا تھا لیکن
خانقاہ کی تعمیر کے وقت رشید کی قبر کا تعویذ جدا نہ بنایا گیا ہے۔

اٹلس میں مشہد کا موقع حسب ذیل ہے۔

طول البلد شرقی ۲۷-۳۵-۵۹-

عرض البلد شمالی ۴۰-۱۷-۳۶-

طوس اور مشہد مقدس کے مختصر تاریخی حالات جس کا لکھنا ضروری تھا، وہ سب لکھ چکے ہیں
اب ہم اس نامور کے حالات زندگی لکھتے ہیں جس کے وطن ہونیکا طوس کو فخر ہے۔

طوس امام علی رضا اور مشہد یہ نام ایسے لازم و لازم ہیں کہ جتنی فصل حاشیہ لکھنے کی ضرورت ہے امید ہو کہ ناظرین
اس تاریخی معلومات کو خارج از بحث کا الزام نہ دیں گے۔

حضرت امام علی رضا ایلاتنا عشرین آٹھویں امام ہیں۔ مامون الرشید نے آپ کا لقب (الرضا من آل محمد) قرار دیا تھا
اور عوام (سلطان العرب) کہتے ہیں۔ امام موسی کاظم کے آپ خلعت الرشید ہیں۔ مدینہ منورہ میں پہلے ہمدین
جمعہ کے دن پیدا ہوئے اور اخیر صفر ۱۸۱ھ میں بمقام طوس بچپن برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ زہد و تقویٰ آپ کا
ضرب المثل ہے۔ مامون الرشید نے جامع الصفات دیکھا آپ کو ولید خلافت مقرر کیا تھا اور یہ ولید ہی آپ کی
زندگی کا ایک اہم واقعہ ہے شعرے عجم اور عرب نے آپ کی مدح میں بکثرت قصائد لکھے ہیں چنانچہ وکیل کے
ایک مطلع اور قافی کے چند اشعار پر ہم بھی اکتفا کرتے ہیں۔

ذکرت محل الربع من عرفات	فاجريت دمع العین بالعبرات
گردون تیرہ ابری بامادان برشد از دریا	جواہر خیزو گوہر یزدو گوہر یزدو گوہر ز
چمن از فروردین چنان نازان بشت چین	کہ طوس از فرشاہ دین برین نہ گنبد خضر
نہال باغ علین بہار مرغسرا دین	نیم روضہ یاسین شمیم و حہ ط

خواجہ حسن کا خاندان اور وطن

نسب نامہ | خواجہ حسن کا سلسلہ النسب یہ ہے۔ حسن بن علی بن اسحاق بن عباس طوسی

بقصہ ص ۳۲ نظام عالم اکبر قوام شرع پیغمبرؐ فروغ دیدہ حیدر سرور سینہ زہرا
امام نامن ضامن حریش چون آئین زمین از خرم اوساکن پہرا از غم او پویا
شہد کی اصلی عظمت و شان و شوکت امام صاحب کی ذات سے وابستہ ہے۔ شہد شرقی طرز کا شہر ہے۔ جسکے چاروں طرف
کچی مٹی کی فصیل ہے اور اس پر برجیان بنی ہوئی ہیں۔ شہر نپاہ چند دروازوں پر تقسیم ہے۔ اور ایک خوبصورت نہر شہر
کے اندر آئی ہوئی ہے جسکے کنارے خوشنما اور سرسبز درخت نصب ہیں۔ اور سب سے زیادہ دلفریب منظر ایک
بڑی بازار کا ہے جسکا نام خیابان ہے یہ بازار بظہر تقسیم پونے دو میل لمبا ہے اور شمال و مغرب سے جنوب مشرق کی
سمت میں شہر کو درجہ و حصول پر تقسیم کرنا ہے۔ نواب لارڈ کرزن بہادر موجودہ و سرپرست ہندوستان اس بازار کو پیرس کی
"وشان زری لیری" سے تشبیہ دیتے ہیں مردم شماری پینتالیس ہزار ہے جس میں سلطان عیسائی۔ یہودی۔ ریشمال۔ یونانی اور
مسلمانوں میں سب سے بڑی جماعت طبقہ امامیہ کی ہے شاذ و نادر اہل سنت و جماعت بھی ہیں البتہ یہ خوشی مقام
ہے کہ مذہبی تعصب میں روز بروز کمی ہو رہی ہے صنعت اور حرفت میں صرف ریشمی سوئی کپڑے اور مخمل تیار
ہوتی ہے چھ سوئٹس ریشم کے اور تین سوئٹس شالائی کارخانے ہیں۔ قالین کی بھی تجارت اچھی ہوتی ہے شقی موضع
کے گھوڑے کھل بھی تیار ہوتے ہیں۔ گورنمنٹ برطانیہ اور دولت روس کا کانسل رہتا ہے۔ آٹھ سو جوانوں کی
تین بیڈل ٹینکین یہاں رہتی ہیں اور شاہی قلعہ میں بیس توپیں ہیں۔ ایرانی گورنر جنرل (اراک قلعہ میں) ہتھیار
تجارت میں ہر قسم کی آسانی ہے۔ ۱۴۴۱ ہجری ساہوکاروں کی دکانیں ہیں۔ جسکے سرایہ کا اندازہ چھ لاکھ چھپاڑ
ہزار پونڈ انگریزی کیا جاتا ہے۔ علاوہ اسکے "اسپرل بنک خراسان" کی ایک شاخ بھی کھلی ہوئی ہے۔ روس کے
نوٹ اور انگریزی روپیہ پوری قیمت پر بکتا ہے شہر سے اصفہان تک تار برقی جاری ہے اور ایک شاخ
تکلات، دہراگڑ، اور سرخس تک گئی ہوئی ہے۔ سیستان کی شاخ زیر تیار ہے۔ عمارت میں امام صاحب
کا مزار اور مساجد مشہور ہیں۔

امام صاحب کا مزار اگرچہ تاریخ و فن سے مرجع خلاق ہے لیکن اس میں شان و شوکت کے جلوے آہستہ آہستہ
پیدا کیے گئے ہیں ابتدا میں تیمور کے سب سے چھوٹے بیٹے اور اسکی نامور بیگم گوہر شاد نے اسکو مزین و آراستہ کیا ہے
لیکن سو طہوین صدی عیسوی کے شروع میں جبکہ ایران کی حکومت صفویہ خاندان میں آئی (باقی صفحہ آئندہ)

اور ”دوسری روایت ہے کہ خواجہ علی احمد بن اسحق بن احمد طوسی“ مگر پہلا شجرہ متفق علیہ ہے۔
خواجہ حسن کی والدہ کا نام ”زمرہ خاتون“ تھا۔ اور یہ مغز خاتون ابو جعفر کی نسل سے ہے۔

بقیہ صفحہ ۳۳۔ تو اسکے نامور سرکار شاہ شعیب طہاسب اور عباس صفوی نے اسکو مذہبی شہرت کا مرکز بنا دیا چنانچہ ہر سال ایک لاکھ زار مرزا مقدس کی زیارت کو آتے ہیں اور پانچزار سے آٹھ ہزار زار مرزا کا مجمع روزانہ رہتا ہے اور اس محاطہ متولی اور مجتہدین شہد کے ہاتھ میں ہر وقت گویا ایک بے ضابطہ فوج رہتی ہے۔ مزار کا ناظم ”مفتوی ہاشمی“ کہلاتا ہے اور رسوخ میں ایرانی گورنر جنرل کے برابر درجہ رکھتا ہے۔ خانقاہ کی موجودہ آمدنی ساٹھ ہزار تومان دسترہ ہزار پونڈ انگریزی، اور دس ہزار خر وار غلہ دہ من پے سیر کا ایک خر وار ہے وقفی خزانہ میں کروڑوں کی دولت جمع ہے۔ اسکے علاوہ غیر منقولہ جائیداد تمام ایران میں وقف پائی جاتی ہے تنخواہ دار علمہ قریب دو ہزار کے ہے۔ پروفیسر دوسری لکھتے ہیں کہ ”خانقاہ خوبصورتی اور شان و شوکت میں۔ نجف۔ کربلا۔ مدینہ اور کرم کی خافت ہوں سے بڑھ کر ہے۔ اور اندرونی اور بیرونی منظر کیساں ہے۔ کیونکہ خانقاہ کا گنبد دوسرے مسافروں کو روشنی کے مینار کا کام دیتا ہے۔ اور اندرونی ریب و زینت نظر کو چکا چوندین ڈال دیتی ہے“ سونے چاندی کی تندلیں اور گولے چھت سے آویزان ہیں۔ ایک زانہ میں بیچ من سونیکا گولہ لٹکاتا تھا جسکو نادشاہ کے بیٹے امار کر لے گئے۔ دیواریں اور زمین جواہرات سے آراستہ ہیں جھانڈا فانس۔ اور طلائی شمعدان۔ حریر کے پردے نہایت بیش قیمت ہیں۔ مزار کے گرد تقریبی طلائی اور فولادی ضریحیں نصب ہیں پہلی ضریح شاہ طہاسب نے نصب کرائی تھی۔ داخلہ کے دروازہ میں زمین ایک تقریبی۔ دوسرے طلائی رنچ علی شاہ کا بنوایا ہوا ہے جس میں بیش قیمت جواہرات نصب ہیں تیسرے دروازے پر موتیوں کا قالین بچھا ہوا ہے۔ مزار کا حرم لمبوں کے واسطے نامن ہے۔ مزار کے متصل امام صاحب کے مسجد ہے۔ جس میں چھ سو خادمتنخواہ دار ہیں۔ اور چوڑا لڑیاں ٹھہرتے ہیں انکو امام صاحب کے منکر خانہ سے کھانا دیا جاتا ہے اور محرم میں یہ شہر ت غیر معمولی طریقہ سے ہوتی ہے۔ دوسری مسجد گوہر شاد کی ہے جو لکھنؤ میں تعمیر ہوئی ہے۔ عمارت میں کاشی دمنوب یہ کاشان کا کام ہے نظیر ہے۔ خانقاہ کے متعلق ایک کتب خانہ بھی ہے جس میں ہزار چھ سو چون جلدیں ہیں پینچلہ انکے آٹھ سو بادن مصاحف، دوسو نانوے کتب اوعیہ، دوسو چھیالیس تمام کتب فقہ اور دوسو اکیس فقہ شیعہ کی کتابیں ہیں۔ یہ کتب خانہ شاہ رخ کا قائم کیا ہوا ہے۔ لیکن شاہ عباس اور سلطان حسین صفوی نے اس پر بہت کچھ اضافہ کیا ہے۔ اور شاہ جو محض جاہل تھا چار سو قلمی کتابیں اسنے بھی جمع کیں جن میں انتخاب کتاب الاتحاف بحال الانراف صفحہ ۱۵۵۔ الامون حالات ولعہدی صفحہ ۱۹ حصہ اول طبع ثانی دیباچی مصحفیہ

جبکہ سلسلہ نسب محمد بن حمید بن عبد الحمید طوسی پر ختم ہوتا ہے۔ اسلامی تاریخ میں آل حمید کا خاندان بہت مشہور ہے کیونکہ اس خاندان کے اکثر نامور عہد خلافت عباسیہ میں وزیر ہوئے ہیں۔
 خاندان علامہ تاج الدین ابن سبکی سمرقانی، اور ابن خلکان کے خواجہ حسن کے خاندان کی نسبت یہ یہ الفاظ ہیں۔ ”وكان من اولاد الدهاقين ای الذی يعملون فی البساتین بنو احوطوس“
 یعنی خواجہ دہقان زادہ تھا اور اسکے بزرگ نواح طوس میں باغبانی کا پیشہ کرتے تھے۔

ہندوستان کے مسلمانوں نے چونکہ کسب معاش کے جائز ذریعوں کو چھوڑ رکھا ہے اسلئے انکی نظر میں باغبانوں کی شاید کچھ عظمت نہ ہو یا خواجہ اور اسکے بزرگوں کی نسبت انکا خیال حقارت آمیز ہو۔ مگر اُس عہد میں جبکی یہ تاریخ ہے شاید ہی کوئی ایسا بد نصیب مسلمان ہوگا جسے محض علم کو معاش کا آلہ بنایا ہو۔ ورنہ قوم کا ہر فرد پیشہ ور تھا۔ حتیٰ کہ ایمہ اور مجتہدین بھی پیشوں کے انتساب سے خالی نہ تھے اور پھر لطیف یہ تھا کہ ترقی تجارت انکی علمی مشاغل پر کبھی غالب نہیں ہوتی۔ اور اسی ذوق شوق کا نتیجہ تھا۔ کہ معمولی دیہات کے طلبہ کیمبرج اور اسکفٹ ویونیوس کے تعلیم یافتوں سے بڑھکر ہوتے تھے۔

مسلمانوں کی علمی تاریخ کا یہ باب نہایت پُر فخر ہے کہ اُس میں جیسے باغبانوں کے نو نہال گلستانِ حکمت و فلسفہ میں سرسبز و آردہ ہوا کرتے تھے۔ ویسے ہی اعلیٰ طبقہ کے ہونہار علمی

بقلمہ صفحہ ۳۴۔ سفرنامہ ایران لارڈ کرزن و میرے ہندو موسمہ خیابان فارس مترجمہ ظفر علی خان۔ بی۔ لے صفحہ ۳۰۷۔ سفرنامہ پروفیسر ویمبری باب ۲۷۔ زبدۃ الاخبار حالات مشہد صفحہ ۲۰۲۔ جغرافیہ فانڈیک امیریکائی صفحہ ۱۰۶۔ سفرنامہ ابن بطوطہ حالات مشہد۔

۱۔ دستورالوزراء نسخہ قلمی حالات خواجہ نظام الملک۔

شاخون میں ممتاز ہوتے تھے۔ خصوصاً طوس کی تاریخ میں یہ واقعہ نہایت متمم بالشان ہے۔ اور اُس کے اس فخر کو کون مٹا سکتا ہے؟ کہ فردوسی بھی دہقان زادہ اور ایک باغبان کی طرح کا تھا۔ مگر ایسا شاعر ہوا کہ نو سو برس میں کسی فصیح و بلیغ شاعر سے اس کی کتاب شاہنامہ کا جواب نہ ہو سکا۔ اور دوسرا نامور خواجہ حسن تھا جو وزیر ہوا اور وزیر بھی کیسا کہ ضرب المثل کے درجہ تک پہنچا۔

خواجہ حسن کا شجرہ نسب حسب ذیل ہے۔

عباس
اسحاق

عبداللہ (فقیہ)

علی

حسن (نظام الملک)

عبدالرزاق شہاب الاسلام۔

عبداللہ و ام (دو وزیر بنجر سلجوقی) خواجہ حسن کی اولاد کی تفصیل اپنے موقع پر تحریر ہو

علامہ سمعانی نے کتاب الاشباب میں لکھا ہے کہ نواح طوس میں رادکان ایک چھوٹا شہر ہے

جو خواجہ حسن (نظام الملک) کا وطن ہے۔

سے خراسان جاتے ہوئے چشتیہ بزرگ کے قریب رادکان ملتا ہے۔ قدیم تہہ کئی مرتبہ ویران ہوا ہے۔ سب سے اخیر دور میں رضا قلی میرزا پسر شاہ نے اسکو آباد کیا تھا موجودہ آبادی ایک گاؤں کے برابر ہے۔ آثار قدیمہ میں قلعہ، تالاب، حوض، حمام، باقی ہیں رادکان میں اکثر اہل علم گذرے ہیں۔ جن میں ابو محمد عبداللہ بن ہاشم حسین بن احمد بن محمد ابوالاثر ہر اور ابوسعید رادکانی مشہور علماء ہیں۔ رادکان سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر مشہور مرغزار واقع ہے جسکو اب ”کوک باغ“ کہتے ہیں۔ اور قدیم نام ”انگ رادکان“ ہے۔ انگ ترکی میں چمن و سبزہ زار کو کہتے ہیں۔ (بانی آئینہ)

بہر حال خواجہ حسن کا اصلی وطن طوس ہے۔ جسکے ایک حصہ کا نام نوقان ہے۔ اور نوقان کے متصل رادکان ہے جسکو غالباً آب و ہوا کی عمدگی کی وجہ سے خواجہ کے بزرگوں نے اپنی مستقل سکونت کے لیے انتخاب کیا ہوگا اور یہی سبب ہے کہ کتب انساب میں خواجہ کو رادکانی لکھا ہے۔

بہر حال یہ مسلم ہے کہ خواجہ کے بزرگ باغبان تھے۔ اور یہی پیشہ معاش کا ذریعہ تھا۔ مگر ملحق اور عباس جو خواجہ کے دادا اور پردادا تھے۔ اُنکے حالات زندگی بالکل نامعلوم ہیں۔ اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ دونوں بزرگ باغبانی کرتے تھے یا کیا؟

خواجہ حسن کی ولادت اور ابتدائی حالات

ابن خلکان کی روایت کے مطابق جمعہ کے دن اکیسویں ذیقعدہ ۵۱۸ھ میں بمقام نوقان خواجہ حسن کی ولادت ہوئی۔

وجہ تسمیہ | ولادت کے بعد علی اور زمر و خاتون نے اپنے پیارے بیٹے کا نام ”حسن“ رکھا اور اس وجہ تسمیہ کے متعلق ایک دلچسپ روایت ہے جسکو زمر و خاتون نے اس طرح پر روایت کیا ہے کہ ”خواجہ کی ولادت کے دو دن بعد میں نے خواب دیکھا کہ ایک پاک اور ستھری جگہ میں رحل پر کلام مجید رکھا ہوا ہے۔ اور سجادہ پر ایک بی بی بیٹھی ہوئی بچہ کو دودھ

بقیہ صفحہ ۳۶ (انجمن آراء ناصری) یہ جگہ لطافت آب و ہوا میں معتقد سمعہ قند وغیرہ کے ہم پلہ ہے اسکا طول ۱۲ فرسنگ اور عرض ۵ فرسنگ ہے۔ شاہان ایران تبدیل آب و ہوا کی غرض سے یہاں جایا کرتے تھے۔ اور ترکان خاتون بیگم لکنا بلوچی اکثر یہاں رہا کرتی تھی۔ ناصر الدین شاہ مرحوم نے بھی خراسان جاتے ہوئے اس جگہ قیام فرمایا ہے۔ گنج دانش صفحہ ۳۱۲

۱۵ ابن خلکان صفحہ ۱۴۳۔ جلد اول حالات خواجہ حسن۔

۱۶ دستورالوزراء مصنفہ خواجہ نظام الملک نسخہ قلمی صفحہ ۷۰۔

پلا رہی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ ”آپ کون ہیں؟ فرمایا کہ میرا نام ”فاطمہ زہرا“ ہے میں نے بڑے ادب سے سلام کیا۔ میرے سلام کا نرمی اور مہربانی سے جواب دیا۔ لیکن چونکہ میں نام نامی منکر ہیبت زدہ ہو گئی تھی۔ اس لیے خواجہ کو گو دین لیے ہوئے الگ کھڑی رہی خاتونِ جنت نے مجھ کو بلا کر اپنے قریب بٹھالیا اور ارشاد فرمایا کہ ”میں نے ایک دن بابا جان صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ کاش میری بھی ایک بہن ہوتی۔ آپ نے فرمایا کہ میری امت کی تمام نیک بیبیاں تمہاری بہنیں ہیں۔ اور میں تمہیں بھی نیکی کے آثار پاتی ہوں۔“ پھر خواجہ کو اپنی گو دین لے لیا اور صابن لے کر مجھے آپ کو دین لیے ہوئے تھیں مجھے دیدیا اور خواجہ کو کمالِ محبت و ودھ پلایا اور مجھے پوچھا کہ اس بچے کا کیا نام رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ سوقت تک کوئی نام تجویز نہیں ہوا ہے۔ فرمایا اس کے باپ کا نام ”علی“ ہے لہذا اس کا بھی نام ”حسن“ رکھنا۔ کیونکہ میرے تحت جگر کا بھی یہی نام ہے۔ جب صبح کو میں نے یہ خواب خواجہ علی سے بیان کیا تو وہ جوشِ مسرت سے اچھل پڑا اور اس شکر یہ میں بہت کچھ خیرات کی اور خواجہ کا نام ”حسن“ رکھا۔

زمرِ دخاتون کا یہ خواب سچا تھا یا جھوٹا؟ اس سے کوئی بحث نہیں ہے مگر زمر نے اپنے لال کا نام ایسا پایا یا رکھا کہ وہ اسمِ مہی ثابت ہوا اور حسنِ حقیقت میں آسمانِ شہرت پر آفتابِ عالم تاب ہو کر چمکا۔ اگرچہ کہہ سکتے ہیں کہ زمرِ دخاتون کے خواب کی تعبیر لوپری ہوئی لیکن ہمارے خیال میں خواجہ کا امام حسن علیہ السلام کا ہونا خود ایک نیک شگون تھا جو دنیا میں اس کی نیکنامی کا باعث ہوا ہے۔

۱۔ چونکہ خواجہ کا نام حسن ہے۔ لہذا مستقل وزیر ہونے تک ہر جگہ خواجہ حسن لکھا جائیگا۔

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا بلبل ہمیں کہ قافیہ نگل شود بس ست

عورتوں کے عقیدہ کے مطابق زمر و خاتون نے جو خواب دیکھا تھا۔ اسکا یہ لازمی اثر دل پر ہو گا کہ میرا بچہ آگے چل کر خوش نصیب ہو گا۔ کیونکہ کسی بچہ کو حضرت فاطمہؑ ہر راضی اسد عنہا کا دودھ پلانا بڑی خیر و برکت کی بات ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اپنے اس ہونہار بچہ کی جوانی کی بہار دیکھنا زمر و خاتون کی قسمت میں نہ تھی اور ہنوز حسن کی دودھ بڑھائی کی تقریب بھی نہ ہونے پائی تھی کہ زمر و خاتون اپنے یکے کے ٹکڑے کو قسمت کے حوالے کر کے خود دنیا سے چل بسی۔ اور حسن بے مان کا بچہ ہو گیا۔ خواجہ علی کو اپنی رفیق بی بی کی جدائی کا سخت صدمہ ہوا اگر صبر کر کے خاموش ہو رہا اور حسن کو اسکی تقدیر پر چھوڑ دیا اور خاص توجہ سے حسن کی پرورش کا اہتمام کیا مگر مان کی گود کچھ ایسی بری ساعت میں خالی ہوئی تھی کہ ایک دایہ کا دودھ بھی حسن کو نصیب نہوا بلکہ یام رضاؑ میں یہ چمکتا سیارہ مختلف دائیوں کی گود میں چلتا پھرتا رہا۔ اور اسی طرح سے دودھ طفلی ختم ہو گیا۔

ایک مومخ نے لکھا ہے کہ ”حسن کی ولادت کے قبل طوس میں چار برس سے بارش نہیں ہوئی تھی اور خدا کی مخلوق قحط کی مصیبت سے تباہ حال ہو رہی تھی لیکن جسدِ خواجہ حسن پیدا ہوا اُسی دن بارانِ رحمت کا نزول ہوا اور خشک سالی کی بلا دور ہو گئی اور عوام نے اس مولود سعید کی ولادت کو ایک مبارک سال سمجھا۔“ اس روایت کی تحریر سے یہ مطلب نہیں ہے کہ اسے خواہ مخواہ سچ سمجھو بلکہ یہ دکھانا منظور ہے کہ بلند اقبال لوگوں کی سوانح عمری میں انشا پر داز

لے کامل اثر جلد دہم صفحہ ۵۲ دیا بچہ وصایا نظام الملک نسخہ ملی۔

کس قسم کے واقعات فخر یہ لکھا کرتے تھے۔ البتہ یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ شاہون، وزرا، اور امرا کے بچوں میں بعض باتیں ایسی مافوق الفطرت ہوتی ہیں کہ جو عوام کے بچوں میں نہیں ہوتیں۔

چونکہ خواجہ حسن کے سر سے بچپن میں اسکی ماں کا سایہ اٹھ گیا تھا اسلئے عالمِ رضا سحر اور نور و سالی کے کچھ حالات نہیں معلوم ہو سکے کیونکہ ایسی روایتوں کا مجموعہ ہمیشہ ماں مرتب کرتی ہے اور وہی اسکی راوی ہوتی ہے۔

خواجہ حسن کی تعلیم و تربیت، شیوخ و اساتذہ، طالب علمانہ سفر تمام مورخ خواجہ حسن کے فضل و کمال کی گواہی دیتے ہیں اور اسکی ذہانت و فراست کی تعریف کرتے ہیں۔ لیکن علوم و فنون کی کیفیت اور حد تحصیل کی شرح کسی نے بھی نہیں لکھی ہے۔ علامہ تاج الدین طبقات میں لکھتے ہیں ”مخفظة ابو القران و مشغله فی التقفه علی مذہب المشافعی“

علامہ تاج الدین القضاة تاج الدین ابو النصر عبد الوہاب علامہ تقی الدین ابو الحسن علی بن عبد الکاظم الانصاری یکی کے نامور بیٹے ہیں جو ۷۲۲ھ میں بمقام مصر پیدا ہوئے۔ اور علوم و فنون کی تکمیل اپنے والد اور دیگر شاہیر علامہ کی۔ فراغ علم کے بعد تصنیفات کا سلسلہ شروع کیا۔ اور جو کتاب لکھی وہ مقبول عام ہوئی طبقات الکبریٰ شاہیر شافعیہ کا نہایت مکمل تذکرہ ہے مگر اسوقت تک چھپا نہیں ہے۔ کتب خانہ پٹنہ جید آباد اور لکھنؤ میں قلمی نسخہ موجود ہے۔ بخلاف دیگر کتابوں کے معبد النعم مصر میں چھپ گئی ہے۔ ۱۲۳۳ھ میں انتقال فرمایا۔ تاج الدین صاحب کے والد علامہ تقی الدین مصر کے امام مجتہدین میں داخل ہیں فقیہ محدث اصولی حافظ مفسر اصولی، متکلم، نحوی، لغوی، ادیب، جدلی، غلافی یہ سب لفاظ علامہ کے ذاتی صفات ہیں بمقام یک مصر صفر ۷۲۲ھ میں پیدا ہوئے شاہیر روزگار علامہ تکمیل علوم و فنون کی بحر العلوم کے خطاب کے مستحق تھے صلاح الدین صفدی کا قول ہے کہ ”لوگ کہتے ہیں کہ امام غزالی کے بعد کوئی شخص علامہ تقی الدین کے مثل نہیں گزرا ہے۔ گرمیری رسلے میں جو یہ کہتے ہیں وہ بڑا ظلم کرتے ہیں علامہ غفیان ثوری کے ہم بلد میں، ہر علم و فن میں کتابین لکھی ہیں۔ اور آج زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ پورے ایک صفحہ میں تصنیفات کی فہرست لکھی جاسکتی ہے جزیرۃ الغیل (دریئے نیل کے کنارے واقع ہے) میں بروز دوشنبہ ۱۲۴۰ھ جمادی الآخر ۷۲۲ھ میں انتقال فرمایا۔

اور ابن خلکان مین ہے واشتغل بالحدیث والفقہ۔

ایسی کمزور دنیا و پر تحکم عمارت نہیں اُٹھ سکتی ہے کیونکہ صرف ہی چند لفظ مین جو خواجہ کی ابتدائی اور انتہائی تعلیم کے متعلق ہمارے نامور مورخون نے لکھے ہیں لیکن واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ خواجہ اسحق کے خاندان مین علی مذاق کا فی طور سے موجود تھا۔ کیونکہ دستورالوزرا کی روایت ہے کہ ”خواجہ حسن کا والد خواجہ علی طوسی ایک فیاض اور کریم النفس شخص تھا اور سلطان چغریگ داؤد بلجوقی کی طرف سے طوس مین وصول الگذاری کا متمم صاحب الخراج تھا۔ یہ عمدہ کوئی معمولی نہ تھا جس طرح فی زمانہ تحصیلدار ہوا کرتے ہیں۔ بلکہ اسلامی قانون کے مطابق صاحب الخراج کو علم فقہ حساب مساحت وغیرہ جاننا لازمی تھا۔ کیونکہ وصول الگذاری کے علاوہ وصول جزیرہ کا بھی یہی عمدہ دار و درمہ دار ہوتا تھا۔ لہذا یہ قیاس غلط نہیں ہو سکتا ہے کہ خواجہ حسن کا باپ فقیہ اور ایک تعلیم یافتہ شخص تھا۔ اور بیٹے کو سب سے پہلے کلام مجید حفظ کرانا۔ پھر فقہ و حدیث کی تعلیم دلانا اس قیاس کا موید ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ خواجہ علی کا بھائی عبداللہ مشہور فقیہ تھا۔ ابن سبکی نے خواجہ نظام الملک کے تذکرہ مین خواجہ علی کو بلفظ فقیہ یاد کیا ہے۔ اور جو عظمت اس لفظ کی ہے وہ شرح کی محتاج نہیں ہے

بقیہ صفحہ ۴۰۔ جمال الدین ابن نباتہ اور صلاح الدین صفدی نے مرثیہ لکھا تفصیل کے لیے دیکھو حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاهرہ۔ جلد اول صفحہ ۱۴۵۔ ۱۵۰۔

۱۔ ابن خلکان جلد اول صفحہ ۱۴۳۔ دستورالوزرا نسخہ ملی صفحہ ۷۷۔ آثار الاول فی ترتیب الدول صفحہ ۸۔ مطبوعہ مصر حاشیہ سیوطی۔ ۷۷۔ آئندہ واقعات سمجھنے کے لیے یاد رکھنا چاہیے کہ ۷۹۲ھ مین بلجوقیون نے اول اول طوس پر قبضہ کیا اور ۷۹۵ھ مین کل عراق پر قبضہ ہو گیا تھا۔

غرض کہ خواجہ سہتی کے دونوں بیٹے علی اور عبداللہ صاحب فضل و کمال تھے اور اُسی شان سے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کرنا چاہتے تھے۔ اسلئے خواجہ حسن کو اول قرآن شریف یاد کرایا گیا اور گیارہویں برس حفظ قرآن سے فراغ حاصل کیا۔ لیکن خواجہ کے آئندہ حالات سے معلوم ہوگا کہ وہ محض دینیات ہی کا عالم نہ تھا بلکہ علوم عقلیہ کا بھی ماہر تھا۔

علیہ صمدی شاگردی دستورالوزار کی روایت ہے کہ خواجہ حسن کا پہلا استاد اور تالیق فقیہ عبدالصمد قنوجی (میتا پور کا ایک گاؤں) تھا۔ جو اپنے زمانے کے صلحا اور علمائین مشہور تھے اور ابتدائی تعلیم فقیہ کی نگرانی میں ہوئی تھی۔ اور جب شاگرد درجہ وزارت پر پہنچا تو اسے بھی حق شاگردی واد کیا یعنی فقیہ کو اوقات نظامیہ کا افسر کر دیا تھا۔

حافظ فقیہ عبدالصمد کی روایت ہے کہ خواجہ کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ جو سبق ہم مکتب بشکل رٹ کر یاد کرتے تھے وہ خواجہ کو دو تین دویریں یاد ہو جایا کرتا تھا۔ اور اس کے چہرہ سے ایسے آثار نمایان تھے کہ جب کاخرو سال بچوں میں کہیں تپہ بھی نہیں ہوتا مثلاً۔

مکتب کا ایک خاص واقعہ ایک دن خواجہ نے اپنے استاد عبدالصمد سے کہا کہ "مکتب میں طلبہ کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے اسلئے ناظرہ اور حفظ دونوں کا سلسلہ درہم برہم ہے اور بشکل نثر طلبہ کی نسبت یقین ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اپنا سبق یاد کر لیا ہے۔ اور باقی کا پتہ نہیں چلتا ہے؟" تھیں نے کہا کہ پیارے بیٹے! پھر اسکاٹنے کیا علاج تجویز کیا ہے؟

خواجہ نے کہا کہ "سو قسط طلبہ میں انہیں چہ کو انتخاب کرنا چاہیے۔ اور پھر ہر ایک کے دس دس

طلبہ سپرد کیے جائیں۔ اور یہ اپنے ماتحتوں کے سبق سنیں۔ اگر سبق میں کوئی مشکل مسئلہ ہو تو صرف یہی لچھ دریافت کریں اور اپنے ماتحتوں کو سمجھائیں۔ اور ان کے سبق میں کوئی خامی ہو تو انھی کو سزا دی جائے۔ اس انتظام سے کل خرابیاں دور ہو جائیں گی۔ علاوہ اسکے ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اباجان ہمیشہ مکتب کے لڑکوں کو انعام تقسیم فرماتے ہیں اور تقسیم انعام کے وقت آپ کو بڑی تکلیف ہوتی ہے اس انتظام سے آپ کو کل رقم کے صرف چھ حصے کرنا پڑیں گے اور بقیہ لڑکوں کی تقسیم ان کے ہاتھ سے ہو جائیگی خصوصاً عیدین اور نوروز کے موقع پر بہت آسانی ہوگی۔

یہ واقعہ خواجہ کے پچپن کا ہے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نہایت طبع اور ذہین تھا۔ اور اسکا دماغ مدبرانہ واقع ہوا تھا۔ اور کیا عجب ہے کہ مکتب خانے کی خلافت کی ابتدا بھی اسی واقعہ سے ہوئی ہو جو آج تک مکاتب میں جاری ہے۔

نیشاپور کا سفر | خواجہ حسن کی تعلیم پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ گویا خانگی تعلیم تھی جو والدین کی نگرانی میں بمقام طوس ہوئی۔ لیکن واقعات سے ظاہر ہے کہ تحصیل علمی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ خواجہ کو تکمیل علوم کے لیے وطن کو الوداع کہنا پڑا۔ اس مبارک زمانہ میں علوم و فنون کے دریا نہ صرف شہرون میں موجزن تھے۔ بلکہ معمولی دیات اور قصبات میں بھی فیض کے چشمے جاری تھے۔ ہر مسجد اور زاویہ سے قال اللہ اور قال رسول اللہ کی صدائیں بلند تھیں۔ لیکن پھر بھی عراق عرب میں بغداد اور صوبہ خراسان میں نیشاپور کو خاص فضیلت تھی کیونکہ یہ دونوں شہر علم کے مرکز تھے۔ ایرانی طلبہ کے فائدے عموماً نیشاپور کو

جاتے تھے۔ کیونکہ بقیہ اور نصیریہ جیسے درس گاہوں کے دروازے عام و خاص پر کھلے ہوئے تھے۔ اور فخر روزگار علمائے مدرس تھے۔ اور باشندگان طوس کے لیے بمقابلہ بغداد نیشاپور قریب تھا۔ اس لیے خواجہ حسن نے بھی نیشاپور کا سفر کیا اور یہ سفر محض تحصیل علم کے لیے تھا۔ چنانچہ کتاب الوصایا میں خواجہ نے اس سفر کا حال یوں لکھا ہے کہ علماء خراسان میں امام موفق بڑے مقدس اور نامور عالم تھے (عمر کی ۵۸ سنزین طے کر چکے تھے) اور تمام اطراف میں انکی شہرت تھی۔ فیض کا یہ عالم تھا کہ جبے امام صاحب سے قرآن اور حدیث کا سبق لیا وہ دنیاوی مراتب میں ضرور بڑے درجہ پر پہنچ جاتا تھا اس لیے والد بزرگوار نے مجھ کو فقہ عبدالصمد کی اتالیقی میں طوس سے نیشاپور روانہ کر دیا اور میں امام محترم کے حلقہ درس میں شریک ہوا۔ امام صاحب میرے حال پر خاص طور سے توجہ فرماتے تھے اور مجھے بھی شاگردانہ خلوص تھا۔ چنانچہ چار برس تک امام موفق کے درس میں شریک رہا۔ اسی زمانہ میں عمر (خیام) اور حسن (صبیح) بھی امام صاحب کی شاگردی میں داخل ہوئے۔ یہ دونوں نہایت فہیم اور ذکی الطبع تھے اور چونکہ میری ہم عمر تھے اس لیے میں انکا ہم درس ہوا اور میرا رابطہ ضبط اُن سے بہت بڑھ گیا۔ حلقہ درس سے اٹھکر میں انھی رفیقوں کے ساتھ سبق کی تکرار کیا کرتا تھا۔

حسن صبح اور عمر خیام سے معاہدہ انھی دنوں کا تذکرہ ہے کہ ایک دن حسن (صبح) نے عمر خیام (میرے) سے کہا کہ یہ مشروبات ہے کہ امام موفق کے شاگرد بڑے رتبے پر پہنچتے ہیں اور اس میں شک

نہیں ہے۔ معاہدہ حقیقت میں ایک مذاق تھا اور اس وقت سکون بھی کہ حسن صبح کی پیشین گوئی پوری ہوگی لیکن بہت زمانہ گزرنے نہایا تھا کہ خواجہ حسن درجہ وزارت پر متنازع ہوا۔ اور اُن سے اپنی عالی ظرفی سے معاہدہ کو پورا کیا۔ تفصیل اپنے موقع پر لکھی جائیگی۔

نہیں ہے کہ اگر ہم سب جاہ و دولت کے مرتبے پر نہ پہنچیں تو کوئی ایک شخص ضرور کامیاب ہوگا
اس لیے ہم تینوں معاہدہ کریں۔ میں نے کہا شرائط کی تکمیل کیونکر ہوگی حسن نے کہا کہ ہم میں سے
خدا جسکو جاہ و چشم کے درجے پر پہنچائے اس پر فرض ہوگا کہ وہ باقی دونوں دوستوں کو بھی
اپنی دولت میں برابر کا شریک کرے اور کسی کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ اپنی ذات کو کسی معاملہ میں
ترجیح دے۔ چنانچہ سب نے اس معاہدے کو تسلیم کر لیا اور معاہدہ تحریر ہو کر مھر و دستخط سے
مزمین ہوا۔ اور درس کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔

بخارا کا سفر | چار برس کامل امام موفق کے درس میں خواجہ حسن شریک رہا پھر واپس آیا۔ اور
اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حدیث و فقہ کا بہت بڑا ذخیرہ خواجہ کو امام موفق کی درگاہ
سے ہاتھ آیا ہوگا۔

مصفیٰ دستورالوزار لکھتا ہے کہ جب خواجہ فارغ التحصیل ہو کر طوس میں آیا تو گردش ایام
خواجہ علی کا کارخانہ درہم برہم ہو گیا تھا۔ اور اس تباہی کا یہ سبب ہوا کہ خواجہ ابوعلی بن شاذان
جو بلخ کا عمید تھا اپنے عہدے سے موقوف کر دیا گیا اور خواجہ علی جو اس کا تحت تھا وہ بھی
اس زد سے نہ بچ سکا اور طوس کی مالگداری جو عرصہ سے باقی چلی آتی تھی یکایک طلب ہوئی
خواجہ علی نے بیباکی میں بڑی کوشش کی اور گھر کا اسباب تک بیچ ڈالا مگر مطالبہ پورا نہوا۔
لیکن خواجہ علی کو بدحواس دیکھ کر حاکم طوس نے باقی رقم کو اپنے ذمہ لے لیا۔ اور خواجہ علی
سے یہ شرط کی کہ وہ تین برس تک اُنکے خدمات بلا معاوضہ انجام دے۔ خواجہ حسن کو یہ شرط
۱۷ ترجمہ انگریزی ربا عبات عمر خیام مصنفہ ناگر کار مطبوعہ بمبئی۔

سُکڑ پڑا صد مہ ہوا اور اپنے باپ سے کہا کہ جس زمانہ میں آپ کی حکومت تھی مجھے آپ کا بیان رہنما پسند نہ تھا اور جب آپ انکے مزدور ہو جائیں گے تو میری حالت اور بھی خراب بن جائیگی اس لیے اجازت ہو تو بخارا چلا جاؤں اور چند روز تک علمی مشاغل میں اور مصروف رہوں پھر حاضر خدمت ہوں گا چنانچہ خواجہ علی نے سفر کا سامان کر کے بیٹے کو رخصت کر دیا۔ بخارا بھی اس عہد میں دارالعلوم تھا۔ اور کمالات علمیہ کے شائق اطراف عالم سے بخارا میں آیا کرتے تھے۔

شیخ ابوسعید ابوالخیر ^{رحمۃ اللہ علیہ} شیخ ابوسعید ابوالخیر جو اپنے زمانہ کے نہایت مشہور صوفی تھے اندون کی ملاقات سفر میں

۱۵ فضل الدنام ابوسعید کنیت ہے، اور آپ کے والد کا نام ابوالخیر محمد تھا۔ پانچویں صدی ہجری کے مشاہیر صوفیہ سے ہیں۔ شیخ کے والد ابوالخیر علمِ نباتات میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ اور جنگل سے بوٹیاں لاکر فروخت کیا کرتے تھے۔ مگر ایک زمانہ وہ آیا کہ سلطان محمود غزنوی کے مصاحبوں میں داخل ہو گئے۔ شیخ ابوسعید علومِ ظاہری میں کامل تھے۔ مگر فقہ، حدیث، تفسیر میں مبتذل تھے۔ اور تصوف کا شوق کم سنی میں ہو گیا تھا۔ اکثر اوقات کتب تصوف کے مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔ عبدالرحمن صری اور امام قفال کے حلقہ درس میں بمقام مروایک عرصہ تک قیام پذیر رہے۔ اور روحانی برکات ابوالفضل سرخسی اور ابوعبدالرحمن سلی اور ابوالعباس آملی سے حاصل کیں۔ پھر سات برس تک بادیمہ بیائی کر کے منہ کی خانقاہ میں بیٹھ گئے۔ اور ۸۳ برس کی عمر میں بمقام نیشاپور رسالہ ہجری مطابق جزری ۵۴۴ میں انتقال فرمایا اور مہمنہ میں دفن ہوئے۔ نیشاپور آخر زمانہ میں آئے تھے۔ تذکرون میں آپ کے متحد واقوال درج ہیں مثلاً: تصوف قیام القلب مع اللہ بلا واسطہ شیخ کی رباعیات حکیم عمر خیام کی طرح بہت مشہور ہیں تبرکات چند درج کی جاتی ہیں۔

فاطمی برہ شہادتِ رنگ پواست فافل کہ شہید عشقِ فاضلِ راز و است
دور و ز قیامت این بدان کے ماند کاین کشتہ دشمن است و آن کشتہ دوست

۱۵ مجمع الفصاحل جلد اول صفحہ ۴۴ و التلکدہ آذر صفحہ ۱۳۷

زندہ تھے اور منہ مبارک کی خانقاہ میں وعظ فرمایا کرتے تھے ایک دن مجلس میں سعادت شقاوت اور امارت کی علامتوں پر وعظ ہو رہا تھا کہ شیخ نے فرمایا جو شخص دین و دنیا کے سردار کو دیکھنا چاہیے وہ کل صبح کو رجاہ کی ٹرک پر جا ٹھہرے چنانچہ چند باصفا مرید مقام مذکور پر گئے۔ سب سے پہلے جو مسافر انکو ملا وہ خواجہ حسن تھا۔ انھوں نے خواجہ کو سلام کیا۔ اور چونکہ ایک قسم کا غیر معمولی استقبال تھا لہذا خواجہ نے اسکا سبب پوچھا تو مریدوں نے شیخ کا مقولہ دھرایا سوقت خواجہ طوس سے چلکر در بند پہنچ چکا تھا جب شیخ کے حالات سنے تو خواجہ زیارت کا مشتاق ہو کر حاضر مجلس ہوا۔ اور ایک گوشہ میں بیٹھ رہا۔ دوران وعظ میں ایک سائل نے آواز لگائی۔ خواجہ نے کمر سے ٹپکا اوٹلائی بیٹی کھو لکر سائل کو دیدی شیخ نے فرمایا کہ جس نے میری مجلس میں اپنی کمر سے ٹپکا کھولا ہے وہ دن قریب ہیں کہ ارباب دنیا اسکی حضور میں کمر باندھ کر کھڑے ہوں گے۔ جب وعظ ختم ہو گیا تو شیخ ابوسعید نے خواجہ پر اپنی شفقت کا اظہار کیا اور فرمودہ سنایا کہ تم غم قریب بڑے مرتبے کو پہنچو گے۔ پھر فرمایا کہ حسن! اب تجھ سے بظاہر ملاقات نہو گی جس مجلس میں

بقیہ صفحہ ۴۶	جہنم ہمہ اشک گشت و چشم بگریست	در عشق تو بے جہم ہی باید زیست
از من اثرے نماندہ این عشق از چست	چون من ہمہ معنوق شدم عاشق کیت	
لے برہمن آن عارض چون لالہ پرست	رخسار نگار چاروہ سالہ پرست	
گر چشم خدے بین نداری بارے	خورشید پرست نشوند گو سالہ پرست	
رفتم لطیب و گفتم از درد نہان	گفت کہ ز غیر دوست بر بند زبان	
گفتم کہ غذا؟ گفت! ہمین خون جگر	گفتم پر ہمیں؟ گفت! از ہر دو جان	
لے قائل عمارت جلد مہر اطلقہ لے کشف الطوبی صغیر ۹	لے انسا کھو پیدیا جلد مہر ۷ صغیر ۷	لے حالات عمر خیام۔

تو پہلے دن آیا ہے آج اس مجلس کا آخری دن ہے۔ میری باتوں کو بھول نہ جانا اپر ہمیشہ عمل کرنا۔ یاد رکھو کہ جب تک تمہاری دولت سے مستحقین فیضیاب ہوتے رہینگے اسوقت تک تمہاری دولت اور امارت قائم رہیگی۔ اور جب نیکی کے دروازے بند کر دو گے اور حق دار تمہارے مہربانی سے محروم ہو جائینگے تو وہی زمانہ تمہاری امارت کے زوال کا ہوگا اور بعد بزرگانہ نصیحت کے شیخ ابوسعید نے خواجہ کو رخصت کر دیا۔

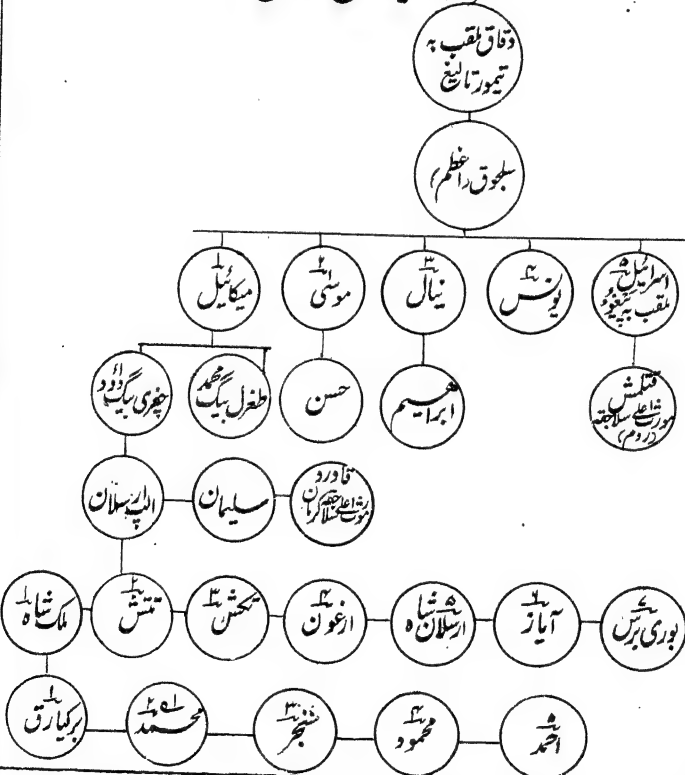
شیخ نے رخصت ہو کر خواجہ نے بخارا کا رخ کیا اور منزل مقصود پر پہونچ کر خواجہ نے کتبستان فنون اور تکمیل علوم میں سخت محنت کی اور فضیلت کی سند حاصل کر کے بخارا سے مرو کو رخصت ہو گیا۔

بخارا میں کتنے دنوں خواجہ کا قیام رہا۔ یہ بتانا مشکل ہے۔ مگر بخارا سے وطن کی جانب پھر خواجہ کی واپسی نہیں پائی جاتی ہے۔ بلکہ تکمیل علوم کے بعد خواجہ مرو گیا، مرو سے، ماوراءالنہر ہوتا ہوا براہ غزنین کابل پہونچا اور سیر و سیاحت کے بعد بلخ واپس آیا۔ بلخ پہونچ کر خواجہ حسن کی سوانح عمری کا ایک حصہ ختم ہو جاتا ہے۔ اور وہ دور شروع ہوتا ہے جس سے ترقی پا کر خواجہ وزارت پر پہونچتا ہے۔ اور چونکہ خواجہ نے محض اپنی

۱۔ کتاب الوصایا خواجہ نظام الملک ۲۔ سفر نیشاپور اور بخارا کے حالات کتاب الوصایا سے لکھے گئے ۳۔ صوئہ خراسان میں یہ اول درجہ کا شہر تھا اور آبادی کے لحاظ سے نہایت قدیم ہے۔ کیونکہ مرثاسکا بانی ہے اور لمرسپ سے منوچہر تک سب اسکی آبادی میں کوشش کرتے رہے ہیں۔ آتشکدہ نو بہار کی وجہ سے بلخ کا شمار مقدس شہروں میں تھا۔ اب معمولی درجہ کا شہر ہے اور حکومت افغانستان میں داخل ہے یعنی ترکستان کے اس حصہ میں جو داخل افغانستان ہے دیکھو نقشہ افغانستان عرض بلد شمالی ۳۵-۳۶ طول بلد مشرقی ۴۴-۴۸

لیاقت سے وزارت کا عہدہ حاصل کیا تھا۔ اس لیے اب جس قدر حالات اور واقعات ہیں وہ عہد وزارت کے سلسلہ میں بیان کیے جائینگے خواجہ حسن کی وزارت کی ابتدائی تاریخ میں شاہان سلجوقیہ کے نام آویں گے علاوہ اسکے۔ اس کتاب میں مختلف مقامات پر آل سلجوق کا تذکرہ ہے لہذا واقعات کے سمجھنے کی غرض سے اول شاہان سلجوقیہ کا شجرہ نسب لکھا جاتا۔ ناظرین کو یہ نسب نامہ اپنے حافظة میں محفوظ رکھنا چاہیے۔

شجرۃ النسب آل سلجوق



خواجہ حسن کی وزارت کی ابتدائی تاریخ

یہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ فرغ تعلیم کے بعد خواجہ حسن نے بخارا سے مرو کا سفر کیا تھا۔ اور وہاں باوراء النہر ہو کر غزنین پہنچا تھا۔ یہ عبدالرشید غزنویؒ کی حکومت کا دور تھا جس نے ۴۰۴ھ سے ۴۰۵ھ تک حکومت کی۔ اور چونکہ غزنین کو دار السلطنت ہونے کی عزت حاصل تھی اس لیے گل بڑے دفتر اور شاہی محلے اسی شہر میں تھے۔ اور دربار کی قدر دانی سے مختلف ملک و دیار کے اہل کمال غزنین میں جمع تھے۔ اس لیے خواجہ نے ایک عرصہ تک غزنین میں قیام کیا اور اہل کاران عدالت سے دفتر کا کام سیکھا۔ ابن سبکی کی روایت ہے کہ خواجہ کسی دفتر میں نوکریا گیا تھا اور یہی ذریعہ تھا جس کی وجہ سے خواجہ کو علم حساب اور انشائین کامل مہارت ہو گئی تھی۔ اور یہی انہیں اُسے اپنا مختصر سفر نامہ ترتیب دیا تھا جواب مفقود ہے پھر خواجہ نے غزنین سے خراسان کا سفر کیا اور یہاں بھی دفتر میں ملازمت اختیار کی لیکن چند روز کے بعد خراسان کو خیرباد کہہ کر بلخ کا رخ کیا۔ اس زمانہ میں چغریگ داؤد بلخوتی کی جانب سے ابوعلی احمد بن شاذان بلخ کا گورنر تھا

۱۱۰۰ھ عبدالرشید بن محمود غزنویؒ کا حکم تھا کہ غزنین میں تخت نشین ہوا اور سلطان کے مین قتل ہوا۔ خواجہ ابوعلی احمد بن شاذان ان شہزادوں اور اہل کمال لوگوں میں سے ہے کہ چہرہ ”خاک خاوردان“ کو ہمیشہ فخر رہیگا۔ ابوعلی ظفر لگ بلخوتی کا ملازم تھا اور عرصہ تک بلخ میں گزر رہا ہے۔ اخیر غزنین ظفر لگ بلخ کا وزیر بھی ہو گیا تھا لیکن جب بڑھاپے نے مجبور کر دیا تو وزارت سے استعفا داخل کیا اور ظفر لگ سے خواجہ حسن کے واسطے سفارش کی کہ یہ الپ ارسلان کا وزیر کیا جائے۔ چنانچہ خواجہ عبد الملک ابو نصر کندی کے بعد الپ ارسلان نے خواجہ کو وزیر مقرر کر دیا تھا۔ اور یہی سبب ہے کہ جب الپ ارسلان خواجہ کی کارگزاری سے خوش ہوا تھا تو خواجہ ابوعلی کو دے خیر سے یاد کرتا تھا ”خاوردان کے مشابہت سبب ذیل ہیں۔

تاریخ

تاشا گھاہ آمدش چار آفتاب خاوردی

تاہم صیت گردان شد ز خاک خاوردان

چنانچہ خواجہ کو خوش قسمتی سے عمید بلخ کے میر منشی کا تب کا عمدہ مل گیا۔ اور خواجہ کو دنیاوی اشتغال میں جو جاہ و منصب ملا اسکا پہلا زینہ ہی تھا۔

کاتب کا عمدہ ہر عہد میں معزز رہا ہے بلکہ زمانہ سابق و حال کا تجربہ شاہد ہے کہ گورنروں کے دفتر میں جو محرر و منتظم دکلرک و سکرٹری ہوتے ہیں۔ وہ اس درجہ قابل و لائق ہو جاتے ہیں کہ کسی زمانہ میں خود ترقی پا کر نیابت سے وزارت تک پہنچ جاتے ہیں۔ اگر خواجہ اپنے عہد پر ایک عرصہ تک قائم رہتا تو ضرور تھا کہ کسی اعلیٰ درجہ پر پہنچتا لیکن ابوعلی کے خسیانہ حرکات اور ذرات نے خواجہ کو ناراض کر دیا۔ چنانچہ خواجہ کی روایت ہے کہ جب میرے پاس کچھ مریہ ہو جاتا تو ابن شاذان مجھ پر حیرانہ کر کے وصول کر لیتا تھا، اور یہ تو اسکا ایک معمولی فقرہ تھا کہ ”حسن اب تو خوب فریہ ہو گئے ہو“

غرض کہ ہر سال یوں ہی تمام نقدی چھین لی جاتی تھی اور عذر کرنے پر جواب ملتا تھا کہ ”کاتب کو صرف ظلم کافی ہے“ جب عرصہ تک خواجہ سے ابن شاذان نے یہی برا کیا تو آخر برداشتہ خاطر ہو کر خواجہ بلخ سے فرار ہو گیا۔ اور سلطان چغریگ داؤد سلجوقی کے دربار میں بمقام مر و پونچا۔ اور سلطان کی حضور میں اپنا مختصر حال بیان کیا چغریگ خواجہ کی خوش بیانی سے بہت

خواجہ چون ابوعلی شاذان وزیر نامدار
صوفی صانی چو سلطان طریقت بوسعید
عالمی چون اسعد منہ زہر شترے بری
شاعر قادر چو مشہور خراسان انوری

بقیہ صفحہ

از تذکرہ دولت شاہ سمرقندی۔ و طبقات الشافعیہ کی حالات نظام الملک۔

لغج دانش صفحہ ۵۳۵ جہانک مکن تھا تحقیقات گنگی گر کسی تاریخ سے یہ نہیں معلوم ہوا کہ خواجہ کس سنہ میں حاضر دربار ہوا۔
گر غزنویہ و سلجوقیہ کے تاریخی واقعات سے ثابت ہوا ہے کہ خواجہ ۳۵۷ھ اور ۳۵۸ھ کے مابین آیا ہے۔

خوش ہوا۔ اور چونکہ خود مبصر تھا سمجھ لیا کہ یہ نوجوان ہونہار ہے لہذا شاہزادہ الپ ارسلان کے سپرد کر دیا اور یہ تحریر بھیجی کہ ”حسن تمہارا کاتب‘ دبیر‘ مشیر‘ اور محاسب ہے تم اسکو اپنے باپ کے برابر سمجھنا“ جب عید بلخ کو معلوم ہوا کہ خواجہ حسن مروین ہے تو اسنے دربار میں عرضیہ بھیجا کہ ”میرا کاتب بھاگ گیا ہے فرمانِ عالی بغرض واپسی صادر ہو ورنہ یہاں کے دفتر میں بہت اتہری پڑ جائیگی“

چغریگ نے جواباً لکھ بھیجا کہ ”میں نے خواجہ کو الپ ارسلان کے سپرد کر دیا ہے لہذا شاہزادے سے براہِ راست درخواست کرنا چاہیے“ لیکن پھر عید نے ضد نہیں کی اور خواجہ حسن الپ ارسلان کی خدمت میں رہنے لگا۔

گویہ سچ ہے کہ خواجہ کو ابو علی سے کوئی نفع نہیں ہوا۔ لیکن اس نامور دبیر کی شاگردی یا فیض صحبت نے خواجہ کو حقیقت میں نظام الملک بنا دیا۔ اور جب قدرِ ملکی و مالی تجربہ خواجہ کو ہوا وہ علی بن شاذان کے طفیل ہے ابن بکی کی ولایت ہے کہ اخیر عمر میں ابن شاذان نے الپ ارسلان سے یہ سفارش کی تھی کہ خواجہ حسن کو وزارت کا عہدہ دیا جائے۔ چنانچہ الپ ارسلان نے مستقل حکمران ہونے کے بعد ہی خواجہ کو وزیر مقرر کر دیا تھا۔

بہر حال یہ قابلِ تسلیم ہے کہ ابو علی کی سفارش بھی منجملہ سبب حصول وزارت کے ایک قوی سبب ہے۔ لیکن حکمتِ نظام الملکی کو بھی انتخاب وزارت میں بہت کچھ دخل ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ خواجہ نے الپ ارسلان پر اپنی خلاداد قابلیت اور کارگزاری سے پورا قبضہ کر لیا تھا۔ زمانہ ولیمعدی میں الپ ارسلان کا مصاحب کاتب‘ مشیر‘ تالیق‘ اور

با و فاروق غرض کہ جو کچھ سمجھو صرف خواجہ تھا۔ رزم ہو یا نرم ہر جگہ خواجہ ہمراہ رہتا تھا لیکن اس وقت تک الپ ارسلان صاحب اختیار نہ تھا۔ بلکہ باپ اور چچا کی مشترکہ حکومت تھی۔ کیونکہ ظفر بیگ اور چغری بیگ دونوں حقیقی بھائیوں میں از حد محبت تھی اور سلطنت کے تمام کام ایک ل ہو کر انجام دیتے تھے مساجد میں دونوں کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ البتہ اخیر دور حکومت میں انتظام چغری بیگ نے مر و اور ظفر بیگ نے نیشاپور کو دار السلطنت قرار دیا تھا۔ چنانچہ ۴۱۰ھ میں بمقام بلخ چغری بیگ نے انتقال کیا اور الپ ارسلان ولیعہد سلطنت اسکا جانشین ہوا لیکن الپ ارسلان کے دوسرے بھائی سلیمان نے بھی بحیثیت دعوی دار تاج و تخت، رے میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ لیکن ۴۱۵ھ میں جب ظفر بیگ نے انتقال کیا تو حسب وصیت ظفر وزیر عمید الملک کندری نے سلیمان کو تخت نشین کر دیا۔ ظفر بیگ اگرچہ لا ولد فوت ہوا اور ولیعہد سلطنت الپ ارسلان موجود تھا مگر ظفر بیگ اپنی بھیا و ج (زوجہ) چغری بیگ والدہ سلیمان کے اصرار سے سلیمان کے حق میں وصیت کر گیا تھا۔ جسکی تعمیل میں عمید الملک کندری نے بڑی سرگرمی دکھائی۔ مگر خواجہ کو یہ کب گوارا تھا کہ الپ ارسلان کے بیٹے ہوئے سلیمان تخت اُڑا لے جائے قطع نظر اس کے قومی قبائل بھی سلیمان سے ناراض تھے۔ اسلئے مساجد کا معمولی خطبہ تخت نشینی کے واسطے کافی نہ تھا۔ الپ ارسلان اور خواجہ کو سلیمان کی بغاوت سے ہنوز دم لینے کا موقع نہیں ملا تھا کہ قلمش جو قلعہ کر دیکھ میں مقیم تھا وہ بھی دعوی دار سلطنت ہو کر اُٹھا۔ اور دوسری طرف سے قاور و فتوحات کے ذوق میں چلا۔

۱۔ زبدۃ النضرہ و نخبۃ العصرہ عماد الدین صفحہ ۲۸-۳۰ مطبوعہ دار الفکر ۱۳۵۸ھ و امتحان سے ارسال کے (باقی آئندہ)

اور الپ ارسلان کا دمِ مقابل ہنکر بر دیر تک اپنی فوجیں بڑھالایا۔ لیکن خواجہ کی مدد برآ نہ اور عاقلاً نہ حکمتِ عملیوں سے الپ ارسلان نے اپنے تمام مخالف بھائیوں کا ترکی بترکی جواب دیا۔ قتلش میدان کارزار میں قتل ہوا۔ اور قاورو نے صلح کر لی۔ عبید الملک کندی نے جب دیکھا کہ سلیمان کامیاب نہوگا تو وہ بھی طوعاً و کرہاً الپ ارسلان سے آنکر مل گیا۔ چونکہ چچا کا وزیر اور خاندانی نچوڑ تھا اسلیے الپ ارسلان بھی چپ سا دھ گیا۔ لیکن مذکور بالا معرکوں میں خواجہ حسن اپنے محسن کے ساتھ رہا تھا اسلیے الپ ارسلان نے خانہ جنگی سے فارغ ہو کر انتظامِ مملکت پر توجہ کی اور امور وزارت کو عبید الملک اور خواجہ حسن کے سپرد کر دیا۔ اور خواجہ کو نظام الملک کا

بقیہ صفحہ ۵۳) فاصلہ پر یہ قلم ایک پہاڑ پر واقع ہے۔ قدیم شاہان عجم کا تیر کیا ہوا ہے شاہنامہ وغیرہ میں اسکا نام دژ گنبدان و گنبدان دژ کو کہہ منور یہ ہے۔ ایران کے طعون میں یہ نہایت مستحکم اور مرتفع ہے۔ ملک شاہ سلجوقی کے انتقال پر پہلیلیہ نے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور مدتوں انکے قبضہ میں رہا چنانچہ مولانا روم فرماتے ہیں سہ ہرے کے چون لحدان کرد کوہ + عند قدیم کے آثار اسوقت تک باقی ہیں۔ اگر مدت کی جائے تو آج بھی فوجی ضرورتوں کے واسطے اچھا مفید ہے۔ گنج دانش صفحہ ۴۲۵۔

۱۔ بر دیر کرمان کا بہت بڑا شہر ہے۔ مراد الاطلاع۔ ۲۔ ابونصر محمد بن محمود لقب بعبید الملک کندی، سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے دربار کا ایک نامور رکن ہے۔ ابونصر موضع کندر کا باشندہ تھا۔ متعلق طرثیث اطراف نیشاپور اور محض اپنے ذاتی فضل و کمال کی وجہ سے کاتب کے درجہ سے وزارت تک پہنچا تھا۔ تاریخ آل سلجوقی میں تحریر ہے کہ جب سلطان طغرل بیگ نیشاپور میں وارد ہوا ہے تو اسکو ایک ایسے کاتب کی ضرورت ہوئی کہ جو عربی فارسی علم ادب پر قادر ہو۔ چنانچہ خواجہ بلوفق (مہتہ اند) والد ابوسل افسر دارالانشاء فارسی نے ابونصر کو پیش کیا اور سلطان نے اس کو جوان کو اپنا کاتب اور دارالانشاء عربی کا افسر مقرر کر دیا۔ جو بعد کو اپنی کارگزاریوں سے طغرل بیگ کا وزیر ہو گیا۔ چنانچہ دولت بلوقیہ میں سب سے پہلے وزیر ہونے کی عزت ابونصر کو حاصل ہوئی ہے مورخین نے اسکی طرح کی ہے۔ خود صاحب فضل و کمال تھا اسوجہ سے علما اور شعرا کی عزت کرتا تھا۔ امام الحرمین اور امام ابوالقاسم قشیری اسکے دربار میں تشریف لایا کرتے تھے۔ اور وہ انکے خیالات سے مستفید ہوا کرتا تھا۔ اسکی مح میں عربی فارسی میں کثرت تصانیف موجود ہیں (باقی آئندہ)

خطاب مرحمت فرمایا۔ اور عید الملک و نظام الملک نے ملکہ سلطنت کا کام شروع کیا مگر خواجہ کو شرکت فی انوزارت منظور نہ تھی۔ اور نہ وہ عید الملک کو دیکھ سکتا تھا۔ مگر مجبوراً کیا کرتا موقوف کا

بقیہ صفحہ ۵۴ جمہین سے ابوالحسن البانہری اور ابو منصور ابن تعدادی کا کلام خاص مکر قابل ملاحظہ ہے۔ طفعل بیگ کے زمانہ میں جو ملکی کارنامے اس وزیر کے بین وہ حالات طفعل بیگ میں لکھ دیے گئے ہیں۔ اس کے مذہب میں اختلاف ہے بعض نے شافعی لکھا ہے اور بعض نے حنفی۔ مگر اس کا تعصب مذہب ضرب اشل ہے۔ اس کی عمر کا اخیر حصہ نہایت بیخ و المہ میں گذرا طفعل بیگ کے انتقال پر چند روز کے واسطے ابی ارسلان کا وزیر مقرر ہو گیا تھا۔ مگر یہ عہد اس کے حق میں کچھ مفید ثابت نہ ہوا۔ اور بہت جلد قتل کر دیا گیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ خواجہ نظام الملک اس کے قتل میں بہت ساعی ہوا کیونکہ وہ اس کی زبردست چالوں سے ڈرا کرتا تھا۔ اگر خواجہ چاہتا تو ابونصر کی جان بخشی ہو سکتی تھی مگر شوق وزارت نے خواجہ کو اس نیکی سے محروم رکھا۔ جب ابونصر کو قیدی میں ایک سال گذر گیا۔ تو ابی ارسلان نے دو غلام اس کے قتل کے واسطے روانہ کیے جب یہ غلام ابونصر کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت وہ بخار میں پڑا تھاپ میں رہا تھا۔ اسی حالت میں اس کو قتل کا حکم سنایا گیا جب ابونصر کو معلوم ہوا کہ اب موت دیکھ لیگی تو اسے غسل کیا اور عرصہ تک توبہ استغفار کرتا رہا۔ پھر اپنے حرم سرا میں گیا اور سب عزیزوں سے ہمیشہ کے واسطے رخصت ہوا یا۔ اس کے بعد مسیحین داخل ہوا اور دو رکعت نماز پڑھی پھر مرنے پر تیار ہو گیا اور ایک غلام نے تلوار سے سراوڑا دیا۔ اور غریب مقتول کا سرمہ مقام کران ابی ارسلان کے سامنے لا کر رکھا گیا۔ آثار اوزار کی روایت ہے کہ جب جلا تلوار لیکر سر پر کھڑا ہوا تو عید الملک نے ایک غلام سے کہا کہ مجھ عاجز کی طرف سے ابی ارسلان سے کہدینا کہ تمہارے چچا طفعل بیگ نے ملک و قلمدان وزارت عطا کیا تھا اور تو شہادت کی عزت دیتا ہے جبکہ مجھے آخرت میں صلہ لگا اور وزیر نافذ فرمان سے کہنا کہ تو نے بہت برا کیا وزیر کشی کی بدعت تیری جانب سے ہوتی ہے سلطان کو تو نے یہ رسم سکھائی ہے اور وہ زمانہ قریب ہے کہ خود تو اور تیری اولاد اس آفت میں مبتلا ہوگی اور آخر میں فارسی کا یہ شعر پڑھا۔

ما سیر روزگار خور ویم و شدم تا خود بکجا رسد سرانجام شدا

عید الملک بمقام کندرا اپنے باپ کے پہلو میں دفن ہوا۔ اور خوش نصیبی سے چار نبوی کا کفن میسر آیا۔ یہ چار آپ زہرم کی دھوئی ہوئی تھیں اور خلیفہ مقتدی بامدعباسی نے اس کو مرحمت فرمائی تھی اور جو کفنی گئے ہیں ڈالی گئی وہ ایک قیص دیتی تھا جو خلیفہ قائم باند نے اس کو دیا تھا عجیب عبرت کا مقام ہے کہ عید الملک کا عضو..... اس کی حیات میں خواہ زہرم میں دفن ہوا ایک خیانت کے جرم میں طفعل بیگ نے یہ سزا دی تھی اور قتل کے (باقی آئندہ)

متظر رہا۔ چنانچہ محرم ۱۰۵۳ھ کا واقعہ ہے کہ ایک دن عمید الملک خواجہ کی ملاقات کیلئے اُسکے گھر گیا اور پاشو دینار بطور نذرانہ پیش کیے۔ لیکن ملاقات کے بعد اکثر فوجی سردار عمید الملک کی خدمت میں حاضر ہوئے الپ ارسلان کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اُس نے اس کارروائی کو مشتبه نظر سے دیکھا اور خواجہ کے اشارے سے عمید الملک کو گرفتار کر کے مروڑ بھیج دیا۔ یہاں ایک سال تک یہ جیل خانہ میں پڑا رہا اور بروز یک شنبہ ۱۶ ذی الحجہ ۱۰۵۳ھ میں الپ ارسلان کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔

چنانچہ مورخین کے نزدیک عمید الملک کی موت اور خواجہ حسن کی وزارت پر مستقل ہونے کی ایک ہی تاریخ ہے۔ اور یہ بالکل سچ ہے کیونکہ خواجہ نے جب تک عمید الملک قتل نہیں ہو گیا اپنے تین مستقل وزیر نہیں سمجھا۔

اب انشاء اس جو واقعات تحریر ہونگے اُس کا تعلق خواجہ حسن کی وزارت سے ہوگا۔ اور اُن واقعات کی ابتداء ۱۶ ذی الحجہ ۱۰۵۳ھ سے ہوگی۔

تبصرہ

تم اوپر پڑھ چکے ہو کہ خواجہ حسن کس ملک کا باشندہ تھا اور اُسکے خاندان کی کیا حالت تھی،

بقیہ صفحہ ۵۵، وقت جو خون طشت میں جمع ہوا تھا وہ مروڑ دین کا لڑا گیا۔ باقی جسم کندر میں۔ داغ نیشاپور میں اور کا سہ سرجمین گھانٹس بھری گئی تھی وہ کران میں دفن ہوا۔ کچھ اوپر چالیس برس کی عمر میں آٹھ برس وزارت کر کے دنیا سے رخصت ہوا افسوس! یہ

ہے عجب سیر اگر دیدہ بینا دیکھے دیکھنا ہو جسے عبرت کا تماشا دیکھے

از نگارستان صفحہ ۱۷۸۔ ابن خلکان تذکرہ حسن۔ ریاض النضرہ صفحہ ۲۹۔ ۳۰۔ روضۃ الصفاۃ آثار الوزاراء حالات نظام الملک۔ گنج دانش صفحہ ۵۰۲۔ حالات نیشاپور۔

اور ولادت کے بعد کس عنوان سے اسکی تعلیم و تربیت شروع ہوئی۔ اور نیز یہ بھی معلوم ہے کہ طالب علمانہ زندگی کے بعد اُس نے کن ممالک کا سفر کیا اور دار السلطنت غرین سے مکمل ان حقوق کے دربار میں کیونکر آیا۔ اور پھر دفتر انشا کی ملازمت سے ترقی پا کر مسند وزارت پر بیٹھا اور ایسا بیٹھا کہ مرکز اٹھا۔

لیکن اسپر بہت کم غور کیا ہوگا کہ جو تاریخ اُس کے مستقل وزیر ہونے کی ہے اُس وقت وہ اپنی عمر طبعی کی کتنی منزلیں طے کر چکا تھا۔ اور تاریخ ولادت سے تاریخ وزارت تک اُس پر انقلاب کے کس قدر طوفان آپکے تھے۔ چونکہ اس طلسم کی پردہ کشائی سولخ بھگار کے لیے ایک ضروری امر ہے لہذا ظاہر کیا جاتا ہے کہ خواجہ حسن کو اڑتالیس برس کی عمر میں خلعت وزارت عطا ہوا تھا۔ اور کچھ کم انتیس سال وزارت کر کے دنیا سے رخصت ہوا جسکی تفصیل یہ ہے۔

صحیح روایتوں کے مطابق خواجہ حسن کی ولادت بروز جمعہ اکیسویں ذیقعدہ سنہ ۱۱۷۵ھ میں ہوئی اور سنہ ۱۱۸۵ھ میں یعنی تقریباً پانچ برس کی عمر میں مکتب نشینی کی رسم ادا ہوئی۔ اور ۱۱۹۵ھ میں حفظ کلام مجید سے فراغ حاصل کیا۔ کم سن بچوں کے واسطے حفظ قرآن سے زیادہ مشکل اور کوئی کام نہیں ہے اس لیے یہ ناممکن ہے کہ بچہ حفظ کے خواجہ نے دوسرے علوم و فنون کی بھی تعلیم پائی ہو۔ قطع نظر اس کے خواجہ کا چچا عبدالسد خود فقہ تھا۔ اور خواجہ کا پاپ بھی ایک یندار اور مذہبی شخص تھا اس لیے یہ بعید معلوم ہوتا ہے کہ کلام مجید کو ناما چھوڑ کر دوسری طرف توجہ کی گئی ہو۔ غرض کہ بارہویں سال سے فقہ اور حدیث کی باضابطہ تعلیم شروع ہوئی اور دارالعلوم نیشاپور کی روانگی تک خانگی طور پر یہ سلسلہ جاری رہا۔ اگرچہ کسی مورخ نے ینین لکھا کہ فقہ اور

حدیث وغیرہ کی تحصیل کس عمر تک ہوئی لیکن واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلسل دس برس تک یہ علمی مشغلہ جاری رہا کیونکہ ۱۲۹ھ کے خاتمہ پر یا سن ۱۳۰ھ کے ابتدائیں خواجہ حسن نے نیشاپور کا سفر کیا تھا۔ اگرچہ تاریخون میں روانگی سفر کی تاریخ تحریر نہیں ہے۔ مگر مندرجہ ذیل قرآن سے اسکا پتہ چلتا ہے۔

اول یہ کہ ۱۲۹ھ میں سلجوقیوں کا طوس پر قبضہ ہوا اور خواجہ علی (خواجہ حسن کا باپ) سلطان چغریگ داؤد سلجوقی کی طرف سے طوس میں صاحب الخراج کے عہدے پر مقرر کیا گیا۔ سلجوقیوں کا اگرچہ طوس پر قبضہ ہو چکا تھا مگر عراق کا وسیع ملک فتح کرنے کو پڑا ہوا تھا۔ اور شاہان غزنویہ کی چھیڑ چھاڑ چلی جاتی تھی۔ اسلئے خواجہ نیشاپور بھیج دیا گیا تاکہ امن و عافیت کے ساتھ تعلیم ہو۔ اور گھر کی تعلیم کے مقابلے میں کالج کی تعلیم جو فضیلت رکھتی ہے وہ ظاہر ہے۔

دوسرے یہ کہ حکیم عمر خیام کے حالات میں لکھا ہے۔ کہ ۱۳۰ھ میں وہ داخل مدرسہ نیشاپور ہوا ہے۔ اور داخلہ کے بعد حسن صلیح اور خواجہ حسن اور عمر خیام ہمدیس ہوئے ہیں۔ اور فراغ کے بعد ایک ساتھ ان دوستوں نے مدرسہ چھوڑا ہے۔ اور بقول خواجہ حسن دارالعلوم نیشاپور میں کل ۴ برس تعلیم پائی ہے۔ لہذا مدرسہ کی تعلیم ۱۳۴ھ میں ختم ہو جاتی ہے۔ اب مکتب نشینی سے حساب لگایا جائے تو پوری اکیس برس کی مدت ہوتی ہے اور اس عہد کی تعلیمی مدت کا پیمانہ اقل درجہ پچیس تیس سال تھا۔ اور جب عمر کا اس قدر قیمتی حصہ چراغون کی روشنی اور مساجد و مدارس کے حجروں میں صرف کیا جاتا تھا تب تا فضیلت

۱۳۵ھ دیباچہ رباعیات عمر خیام مطبوعہ بمبئی۔

میسر ہوتی تھی۔ اور جو طالب علم نکلتا تھا وہ آسمان شہرت پر آفتاب ہو کر چمکتا تھا۔
 بہر حال طوس اور نیشاپور میں خواجہ نے جس قدر فضل و کمال حاصل کیا وہ خواندگی اور مدت کے لحاظ
 سے کچھ کم نہیں ہے۔ مگر نہیں خواجہ نے ہنوز کتاب بند نہیں کی ہے۔ اور اسکو ابھی مدت تک
 ورق گردانی کرنا باقی ہے۔

کتاب ابوصایا میں جس قدر حالات خواجہ نے اپنی تعلیم و تربیت کے لکھے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے
 کہ دارالعلوم نیشاپور سے خواجہ سیدھا طوس کو آیا ہے۔ کیونکہ دوسرے شہروں کی سیر و سیاحت کا
 کوئی ذکر خواجہ نے نہیں کیا ہے۔ البتہ اسکی صراحت کین نہیں کی ہے کہ نیشاپور سے واپس ہو کر
 خواجہ کس شغل میں مصروف ہوا۔ اور کس مدت تک طوس میں ٹھہرنا پڑا یہاں قیاسات سے
 کام لینا بیکار ہے لیکن خواجہ نے جب طوس سے بخارا کا سفر کیا ہے۔ تو مختصر الفاظ میں اس سفر کا
 ذکر کیا ہے گو سنہ و سال کی صراحت نہیں کی ہے لیکن یہ مقام طرح پر حل ہو جاتا ہے۔ کہ رہتہ میں
 خوش نصیبی سے شیخ ابوسعید ابو الخیر سے ملاقات ہوئی ہے اور شیخ نے پند و نصائح کے بعد
 فرمایا ہے کہ خواجہ آج تو جس مجلس میں پہلے دن آیا ہے وہ اس مجلس کا آخری دن ہے، اور
 اب تجھ سے بظاہر ملاقات نہ ہوگی۔

جسکے معنی بطور رمز و کنایہ یہ تھے کہ یہ دن شیخ کے وصال کا تھا۔ اور عالم فانی سے عالم
 جاودانی کو کوچ کرنا تھا۔ یہ تحریر خود خواجہ حسن کی ہے۔ جسکے لیے فرید شہادت کی حاجت نہیں ہے
 اور صحیح روایت کے مطابق شیخ موصوف نے ۸۴۴ھ میں انتقال فرمایا ہے۔ اسلئے ظاہر ہے

۱۰ جنوری ۱۹۰۸ء مطابق ۱۲۲۷ھ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد نمبر ۱۔ حالات عمر خیام۔

کہ خواجہ کا یہ دوسرا سفر ۱۲۲ھ میں ہوا۔ اور یہ بھی محض حصول علم کے لیے تھا جیسا اپنے موقع پر لکھا جا چکا ہے۔ آگے چل کر پھر نہیں معلوم ہوتا کہ بخارا میں کتنے دنوں خواجہ کا قیام رہا ہے۔ لیکن کم از کم اگر تین برس فرض کر لیے جاویں۔ اور واپسی نیشاپور سے سفر بخارا تک جس قدر زمانہ گزرا ہے اس کو فرض کر لیں کہ کتب بینی یا علمی تحقیقات میں صرف ہوا تو خواجہ حسن کی مسلسل طالب علمی کا زمانہ تین برس قرار پاتا ہے۔ اور یہ مدت ایک جید عالم ہونے کے لیے کم نہیں ہے۔ اور عمدہ وزارت کے واسطے بھی اس قدر فضل و کمال اور اٹھارہ سال کا تجربہ سیر و سفر و ملازمت کافی ہے۔ خواجہ نظام الملک نے مستقل وزیر ہو کر خدمات وزارت کو کیونکر انجام دیا اور کیا کارنامے چھوڑے؟ یہ واقعات اپنے موقع پر لکھے جائینگے اب ہم اس کے ذاتی فضل و کمال کا تذکرہ لکھتے ہیں۔

خواجہ نظام الملک کا فضل و کمال فقہ حدیث

شاعری کا تذکرہ انشا کا نمونہ تصنیفات

اسلام کے وسیع عہد حکومت میں ایک ہی نسبت سے اکثر نامور فرمانروا تاج و تخت کے اور وزراء اسناد وزارت کے مالک ہوئے ہیں۔ یعنی جیسے تاجدار فضل و کمال میں فرد ہوتے تھے ویسے ہی وزیر بھی اپنی شان و کتائی میں ہمیشہ نظر آتے تھے۔ اور سلاطین عجم کو یہ خاص عزت حاصل ہے کہ جس طرح سلطان ابن سلطان ہوتا تھا۔ اسی طرح وزیر ابن وزیر ہوتا تھا۔ اور یہ وراثت صدیوں تک قائم رہی ہے۔

وزیر کے انتخاب میں ہر عہد میں خاص اہتمام کیا گیا ہے حتیٰ کہ جاہل اور وحشی حکمرانوں نے بھی

اپنے لیے ایسا وزیر منتخب کیا ہے۔ جسکو زمانہ نے فلاسفر اور حکیم کے معزز لقب سے یاد کیا ہے۔
مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ یحییٰ برمکی اور صاحب ابن عباد کے بعد کوئی وزیر جامعیت

نہ ملا۔ ابو الفضل یحییٰ بن خالد بن جعفر بن جاسب برکی خلیفہ ہرون الرشید عباسی کا نامور وزیر ہے۔ ۱۹۸ھ میں پیدا ہوا۔ ۳- محرم ۲۱۹ھ میں بمقام رقد انتقال کیا۔ ہرون الرشید کے حمد کی ملکی، مالی، علمی، ترقیان بھی کے حمد وزارت میں ہوئیں۔ یحییٰ کی فیاضی اور علمی قدردانی کے واقعات سے تاریخ اور ادب کی کتابیں مالا مال ہیں۔ فضل اور جعفر شیعہ کے دو بیٹے اسکے بعد وزیر ہوئے۔ اور جعفر کے قتل کے بعد ان کے پر تباہی آگئی اور اسکے حالات آئندہ نسلوں کے واسطے عبرت ہو گئے تفصیلی حالات کے لیے ہماری کتاب البرامکہ دیکھنا چاہیے۔

۱۱۱۱ھ ابو القاسم اسماعیل بن ابوالحسن عباد طالقانی لقب بہ صاحب۔ ۲۱۹ھ میں بمقام طالقان دقزویں پیدا ہوا اور ۲۹۹ھ میں بمقام رے انتقال کیا۔ وزیر اسلام میں صاحب ایسا بکمال اور نادر و نگار شخص ہے۔ کہ خود نظام الملک اسکا مدح ہے فضل و کمال کے لحاظ سے طبقہ علمائے میں شمار کیا جاتا ہے۔ مؤید الدولہ بونصو بویہ بن رکن الدولہ ولعی کا وزیر تھا۔ اور اسکے انتقال پر فخر الدولہ کا وزیر ہوا۔ یہ زمانہ اسکی وزارت کا نہایت کامیاب تھا۔ ابوالقاسم اسماعیل وزیر امین پہلا شخص ہے جو صاحب کے لقب سے ممتاز ہوا۔ اور اسکے بعد دیگر وزراء بھی صاحب کما لائے عظم و فن کے بکمال اسکے دربار میں موجود رہتے تھے لیکن شعرا کی تعداد سب پر غالب تھی۔ صاحب کی مدح میں حقیقہ قصائد اور متفرق اشعار ہیں اسکے انتخاب کے واسطے ایک مجلد چاہیے۔ فوج بن منصور سامانی نے صاحب سے یہ خواہش کی تھی کہ وہ اسکی وزارت اختیار کرے لیکن صاحب نے فخر الدولہ کے دربار سے جانا پسند نہیں کیا اور معذرت نامہ بھیج دیا۔ منجملہ عذرات کے ایک عذر یہ تھا کہ اگر میں حاضر خدمت ہوتا تو کا قصد کروں تو صرف کتب خانہ کے واسطے چار سو اونٹ درکار ہوتے۔ یہ واقعہ صاحب کی علمی زندگی کا ایک مختصر خاکہ ہے۔ ادبی کتابوں سے ذوق و شوق کا یہ عالم تھا کہ ملک کے دورہ کے زمانہ میں صرف تین سو اونٹوں پر کتابیں ہمراہ ہوتی تھیں علامہ ابو الفرج اصفہانی کی کتاب الافانی (یہ کتاب پچاس برس میں مرتب ہوئی تھی اور اب مصر میں ۲۰ جلدوں میں چھپ گئی ہے) کی نقل سب سے پہلے صاحب کے واسطے لکھی گئی تھی۔ تصنیفات میں المحیط (دغبت، جلد میں کتاب الکافی فی الرسائل۔ کتاب الاعیاد و فضائل النیر و کتاب الامتہ۔ کتاب الوزرا کتاب الکشف عن مساوی شعر المتنبی۔ مشہور ہیں۔ جس میں صاحب نے انتقال کیا ہے اس دن (باقی آئندہ)

اور فضل و کمال میں خواجہ نظام الملک کا ہمیلہ نہیں ہوا ہے۔ افسوس ہے کہ وزارت کے انتساب نے نظام الملک کو وزراء کے سلسلہ میں داخل کیا ہے۔ ورنہ فقہ، حدیث، تفسیر، ادب، حکمت، لٹری، انجمن ہے کہ جسکا وہ معزز رکن نہیں ہے۔ وہ ہر لڑی میں واسطۃ العقدہ اور ہر بنیچر میں طلائی کڑی!

فقہ

تاریخ اور تذکرہ میں خواجہ نظام الملک کی شہرت بحیثیت ایک مدبر و وزیر کے ہے اور وہ عام طور پر فقہ کے لقب سے مشہور نہیں ہے۔ لیکن اُسکی نسبت یہ خیال کرنا کہ وہ فقہ نہ تھا صحیح نہیں ہے، خواجہ نظام الملک طبقہ علمائے وزارت سے زیادہ ثقاہت میں مشہور تھا۔ اور خواجہ کے فقہ ہونیکا ثبوت جستہ جستہ اُسکے حالات سے بھی ملتا ہے اور اُسکے عدالتی فیصلوں میں بھی فقہ کی روشنی پائی جاتی ہے۔ ابن خلکان میں تحریر ہے: ”وَكَانَ يَجْلِسُهُ عَامِرًا لِّلْفُقَهَاءِ“ یعنی خواجہ کی مجلس فقہاء سے بھری رہتی تھی۔ یہ مختصر فقرہ معمولی نہیں ہے۔ کیونکہ مثل علوم متعارفہ کے یہ مسلم ہے کہ انسان جس علم و فن میں کمال یا خاص دلچسپی رکھتا ہے وہی اُسکا اڑھنا بچھونا ہوتا ہے۔ اگر خواجہ کو فقہ سے خاص ذوق و شوق نہ ہوتا تو اسکی مجلس میں بھی بجائے فقہاء ایشیائے کوچک کے پری بیکرنا زمینوں کا جھرمٹ ہوتا بے تکلف اور زندہ دل احباب جمع ہوتے۔ اور کوئی خوش آواز مغنی یہ ترانہ چھیڑتا ہے

بدہ ساقی می باقی کہ در جنت نخواہی یافت کنار آب رکننا باو گلگشت مصطفیٰ را

یعنی صفحہ ۱۸ شہرے کے تمام دروازے بند ہو گئے تھے اور خزانہ الدولہ مع خدم حشم و عام رعایا کے جنازے کے ہمراہ تھا۔ صاحب دالدا بوکسن عبادرکن الدولہ دہلی کا وزیر تھا، ”و ذلے اسلام کا سلسلہ قائم رہا تو انشاء اللہ کسی زمانہ میں ہم مستقل سولخ عمری اس وزیر کی پیش کریں گے“ انتخاب از ابن خلکان۔ جلد اول

لیکن کسی مورخ نے خواجہ کو عیش و طرب کی مجلس میں رندانہ وضع سے نہیں دیکھا ہے بلکہ خواجہ کو ہمیشہ مذہبی رنگ میں پایا ہے۔

خواجہ کی ابتدائی حالات میں بھی تم پڑھ چکے ہو کہ اسکا چچا عبداللہ فقہ تھا اور اُسے سب سے پہلے خواجہ کو فقہ کی تعلیم دلوائی تھی۔ اور یہی شوق خواجہ کو امام موفق نیشاپوری کی درگاہ میں لگیا تھا

حدیث

فقہ کی طرح حدیث میں بھی اگرچہ خواجہ نظام الملک محدث مشہور نہیں ہوا۔ مگر یہ تحقیق ہے کہ حدیث میں خواجہ محدثانہ درجہ رکھتا تھا اور بزرگان سلف کے تذکرے اگر بغیر غور و ملاحظہ کیے جائیں تو ان میں ہزاروں ایسے اکمال طین گے جو محدث کا درجہ رکھتے تھے۔ لیکن انکی شہرت اس معزز لقب سے نہیں ہوئی بلکہ کمال غالب کے لحاظ سے مشہور ہوئے اور بقیہ علمی جو ہر چھپے رہ گئے۔ چنانچہ اسی استثنائے خواجہ بھی داخل ہے۔

ابن خلکان نے خواجہ کے حالات لکھتے ہوئے علم حدیث کے متعلق حسب ذیل فقرے لکھے ہیں ”وسمع نظام الملک الحدیث واسمعه وکان یقول آئی لا اعلم آتی لست اهل لذلک ولکنی ارید ان ادبظ نفسی فی قطار نقلہ الحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ ابن خلکان کی شہادت خواجہ کی محدث ہونے کی کافی دلیل ہے۔ اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دلی ارادت رکھتا تھا۔ لہذا بمقتضای ادب کہتا ہے کہ ”بھلا میں اس قابل کب ہوں کہ حدیث کی روایت کروں لیکن میرے لیے یہی فخر کیا کم ہے کہ میں رسول اللہ کے راویان حدیث کے زمرے میں داخل ہو جاؤں“

طبقات الکبریٰ کی روایت ہے کہ خواجہ نظام الملک نے حسب ذیل مقامات پر مشہور محدثین سے حدیثیں سیکھیں۔

اصفہان - محمد بن علی بن مہروداویب - ابو منصور شجاع بن علی بن شجاع۔

نیشاپور - اُستاد ابوالقاسم قشیری۔

بغداد - ابوالخطاب بن البطرود وغیرہ۔

مذکورہ بالا شیوخ حدیث کے علاوہ خواجہ نظام الملک نے خاص دار الخلافہ بغداد میں مجالس حدیث سے بھی فائدہ اٹھایا۔

حدیث کی تعلیم کا طریقہ بغداد وغیرہ میں اُطرح پر جاری تھا کہ شیخ مجمع عام میں ایک بلند مقام پر بیٹھ جاتا تھا اور شاگرد قلم و دوات لیکر سامنے بیٹھتے۔ اور شیخ کے الفاظ قلمبند کرتے جاتے۔ اور جب طلبہ کا ہجوم ہوتا تو ایک مستملی کھڑا ہو کر شیخ کی روایت کے الفاظ بلند آواز سے دور کے بیٹھنے والوں تک پہنچاتا۔ ایسی مجالس کو ”مجالس اعلیٰ“ کہتے تھے۔ چنانچہ خواجہ نے جامع ہمدی عباسی اور مدرسہ کی مجالس اعلیٰ سے نفع اٹھایا۔ ان مجالس میں نامور ائمہ حدیث تشریف لاتے تھے۔ اور علاوہ مقامات مذکورہ بالا کے طالب علمی کے سب سے اخیر زمانہ میں خواجہ نظام الملک بخارا گیا تھا۔ اور اس سفر سے صرف حدیث کی تکمیل منظور تھی۔ اور خاک بخارا کو حدیث شریف سے جوازی ابدی مناسبت ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

روایت حدیث | طبقات الکبریٰ میں خواجہ نظام الملک سے صرف ایک حدیث روایت ہے۔ جسکو ہم بھی تبرکاً نقل کرتے ہیں۔

أَخْبَرَ نَاعْبِدُ الْغَافِرِينَ مُحَمَّدٌ بْنُ عَبْدِ الْقَاهِرِ الْمَكْنِيِّ يَقُولُ فِي عَلَيْهِ بِدَمِشَقٍ أَنَا عَبْدُ اللَّهِ
 ابْنُ يَمِيٍّ بْنِ ابْنِ أَهْلِيهِ الزُّهْرِيُّ الْحَطَّيْبِيُّ أَنَا أَبُو عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي الْمَعَالِي عَبْدِ اللَّهِ
 ابْنُ جَامِعِ بْنِ الْبَتَّاءِ الْقُصُوفِيُّ فِي سَنَةِ ثَمَانٍ وَسِتِّ مِائَةٍ أَنَا نَصْرُ بْنُ نَصْرِ بْنِ الطَّبَرِيِّ أَنَا نَظَامُ الْمَلِكِ
 أَبُو عَلِيٍّ أَحْسَنُ بْنُ عَلِيٍّ بْنِ إِسْحَاقَ الْوَزِيرِ أَنَا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ مَنصُورٍ مِنْ حَلَفٍ أَنَا أَبُو كَاهِرِ
 ابْنُ مَحْرُومَةٍ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ الشَّارِحُ ثَنَا قَتَيْبَةُ ثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ
 ابْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ كَلَامُ نَصَارَتِي عَنْ أَبِي قَتَادَةَ السَّلَمِيِّ - أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكِعْ وَكُعْبَعَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ ۖ

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرو۔
 افسوس ہے کہ مورخین نے نظام الملک کے مذہبی حالات لکھنے میں زیادہ توجہ نہیں کی ورنہ ایک
 سے بہت زیادہ حدیثیں ملتی لیکن یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ قلت روایت سے کسی صحابی یا امام پر
 کوئی شخص قلت نظر کا الزام نہیں لگا سکتا ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن
 عباس کے مقابلہ میں جسے ہزاروں حدیثیں روایت ہیں حضرت ابو بکر صدیق فاروق اعظم
 حضرت عثمان اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جو حدیثیں روایت ہیں انکی مجموعی تعداد دوسو سے کم ہے
 حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جبکہ رقب و خصاص خلفائے اربعہ کو تھا وہ اور صحابہ کو سترہین
 آیا۔ لیکن مقابلہ کی نظر سے کون کہہ سکتا ہے کہ ان ارکان اسلام کو صرف معدود حدیثیں
 یا دھمیں غرض کہ روایت حدیث میں اس اصول کے لحاظ سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ خواجہ
 نظام الملک حدیث میں کم مایہ تھا۔ بلکہ اپنے زمانہ کا وہ بھی ایک شیخ تھا۔ اور خواجہ کی

تیس برس کی طالب علمی بھی ایک تین شہادت اس امر کی ہے کہ وہ علمائے روزگار میں شمار ہونے کے لائق ہے۔

شاعری

خواجہ نظام الملک کو شعر و شاعری سے دلچسپی نہ تھی۔ اور اس کا سبب ایک تو یہی ہے کہ طبعی مذاق نہ تھا۔ دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بچپن سے فقہ اور حدیث کی تعلیم دی گئی تھی۔ جس نے طبیعت کو شعر و سخن کی جانب متوجہ نہیں ہونے دیا۔ تاہم شمل دیگر فنون کے شاعری سے بالبدنہ تھا افسوس ہے کہ تاریخ اور تذکرون میں بحر ایک قطعہ اور رباعی کے اسکا کوئی اور کلام درج نہیں ہے۔ بہر حال ناداری میں یہ بھی غنیمت ہے۔ نظام الملک کی مجلس میں جبقد رانعام اور اکرام صوفیہ اور علمائے حصہ میں آیا اسکے مقابلے میں شعرا منزلوں دور رہے اور انکی محرومی کا باعث وہی مذاق شاعری تھا جسکی خواجہ میں بہت کمی تھی۔

ابن خلکان میں خواجہ نظام الملک کے عربی اشعار بھی درج ہیں۔ مگر خود مورخ مذکور کو انکی صحت میں شک ہے اور لکھتے ہیں کہ بعض لوگ اسکو ابوالحسن محمد بن ابوالصقر واسطی کی جانب منسوب کرتے ہیں، لیکن عربی زبان میں اگر خواجہ کے اشعار ہوں تو اُسکے فضل و کمال کے مقابلہ میں یہ ایک ادنیٰ بات ہے۔

۱۔ خواجہ بزرگ نظام الملک حمد اندر حق شعرا اعتقاد ہی مذہبت ازا کہ درویشان دست نہشت۔ چار مقالہ نظامی صفحہ ۸۹۔
۲۔ اور وہ اشعار حسب ذیل ہیں۔

قد اذہبت شرۃ الصبۃ

مولیٰ و لکن بلا نبۃ

بعد المائین للیس قوۃ

کا گننی والعصا بکف

رباعی یہ رباعی ایک خاص موقع پر عید منصور کو لکھی تھی جس کی تفصیل آداب وزارت میں مفصلاً درج ہے۔

از سربہ این نخوت کاوسی را بگذار بجزیل - طاوسی را
یعنی ہمہ صوفیہ قیروسی را پیش آر۔ دگر گاؤگو طوسی را

قطعہ یہ قطعہ اس وقت موزون کیا ہے کہ ایک ظالم فدائی نے خواجہ نظام الملک کو پھڑکی زخمی کر دیا ہے اور ملک شاہ سرھانے بیٹھا ہے۔ اور نزع کا وقت قریب آتا جا تا ہے۔

نئی سال اقبال تو ای شاہ جوان بخت گردستم از چہرہ ایام سردم
منشور کنوامی و طغرای سعادت پیش ملک العرش توقیع تو بردم
چون ز قضا مدت عمرم نود و شش اندر سفر از ضربت یک کار دبر دم
بگذرتم این خدمت دیرینہ بفرزند اورا بخدا و بخداوند سپردم

نثر فارسی

خواجہ نظام الملک کے متفرق مضامین یا کوئی مستقل تصنیف نثر عربی میں موجود نہیں ہے جس سے اس کے زور قلم کا اندازہ ہو سکے۔ البتہ فارسی میں ایک بڑا ذخیرہ نثر کا موجود ہے جو خواجہ کے فضل و کمال کی ایک زندہ یادگار ہے خواجہ کے نثر کا طرز وہی ہے جو عموماً پانچویں صدی کے علما وراثتاً پردازوں کا تھا۔ چنانچہ جسے امام غزالی وغیرہ کی فارسی تصنیفات پڑھی ہیں ان کو سہ و سیاح نظام الملک نسخہ قلمی ۱۱۷۰ آثارالوزرائع قلمی ۱۱۷۰ دوسرا مصحف الملک برہانی شاعر کی جانب منسوب ہے کہ خواجہ کے انتقال کے بعد اس نے یہ مصحف لکھ کر قطعہ پورا کر دیا تھا اور بعض تذکروں میں اس شعر کا شان نزول کچھ اور بتایا گیا ہے جسکی تفصیل امیر مغربی کے حالات میں دیکھنی چاہیے

اس طرز کا بخوبی اندازہ ہو جائیگا۔

بطور نمونہ کے ہم صرف دو خطوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ جو خواجہ نے اپنے نامور بیٹوں
مؤید الملک اور فخر الملک کو لکھے ہیں۔ یہ خط نہ صرف خواجہ کے انشا کا نمونہ ہیں بلکہ
انکی دینداری اور اخلاق و عادات کا بھی اُمیغہ ہیں کہ جس سے ہر خال و خط نمایان طور پر نظر آتا ہے

مکتوب بنام مؤید الملک

بدان ای پس کہ مایہ نیکي و دوجان اعتقاد نیکوست، و شناختن حق تعالیٰ بے یگانی کہ ہمیشہ بود و مست
و باشد و تغیر و انتقال و زوال برو محال است و ایان بایز و تعالیٰ کہ ایمان رسول صلی اللہ
علیہ وسلم مقرون بود و بدانکہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم انبیاست و بہترین خلق و
دین او حق است۔ و باید کہ اوراد و ست واری و صحاب اورا و اہلبیت اورا کہ ایمہ حق اند
و دشمنی ہیچکس از گویندہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ باید کہ در ول تو نباشد۔ و باید کہ
حرمست علما کہ ورثہ انبیاء و نیکو شناسی۔ خاصہ کسانی کہ از شجرہ نبوت تبطیر و تشریف مخصوص شستہ
و بعد از ان باید کہ پیش از صبح بر خیزی و بدانی کہ پگاہ خواستن برکت عظیم دارد و کار ہائے
بستہ بکشاید۔ و زندگانی بیفزاید۔ و ہمیشہ کلمہ شہادت بر زبان رانی، و نماز را بگذاری، و
از قرآن و در بر خود لازم کنی، و از دعوات ماثورہ بخوانی تا روز بر تو بخوشندی گزرد، و
ہمیشہ با ادب جامع باسع نشینی یا با ہنرمندی لطیف ظریف تا پیخیزی در تو آموزد و محفوظات
پہ تکرار بر تو نگاہ دارند و در گاہ لطافت با ندیم طبع کشودہ میشود و ہر روز از شعر تازی پاری

لے آثار الواسع الدین عقیلی شمعہ قلمی و نسخہ منتخب سعید مطبوعہ قدیم کنوئ صفحہ ۷۷ و ۷۸

و رسائل و آداب آنچه توانی بر خاطر میگیر و پس از نماز پیشین باید که طبع را بمسائل غریب و لطیف
و افتکال هندسه و قیاسات منطقی ریاضت دهی. و بشق خط قیام نمائی تا خط مستقیم گردد و
آنچه هست قناعت کنی. و در اول شب باید که ساعتی نیک مباحثه و متفاوت و منامرت
با هنرمندان و طرفیان پیشینی و از لطافت آداب و حکایات و امثال و بیات چیزی یاد
گیری چون برین جمله پیش گیری زود از اقران خود راجح شوی. باید که زبان از دروغ و غیبت نگهداری
و عیب کسان نگویی و در ظرافت ترکیب سخن از مقداتی کنی که بپرست و مال کسی از زبان باز در چه اگر
کسی بر است گویی معروف شود اگر وقتی از برای مصلحتی دروغ بگوید قبول نکند و اگر به دروغ گویی معروف
گردد اگر چه نیز پرست گوید قبول نکند و کارش بسته باشد و باید که به دوست و موافق و فاکنی و عزیمت درستی
تا در چشم همه کس عزیز باشی و زشت نامی بسود دنیا نمی خریدن زیان سنگین بود و هر درمی که از نکاستن و ن
بجاصل آید حجاب صدر هنر از دنیا گردد و اگر کسی بخلاف این ابواب پیش تو تفریکند از غیبت عیب مروم و
پیدا کردن تو نیز زشت نامی کالی کردن تحصیل هنر و از دو موم شماری از خوشستن و دور کتی البته غماز و نام ساع
را پیش خود راه ندهی و برانی و از ندیمان و دوستان دور روی مطلق اجتناب کنی که بضحکه
و حدیث نرم و خوش نشینی ترا از راه ببرند و زیان کار دینی و عقبی شوی و خدمتگاران ابواب
مشفق نگاه داری و بادوستان که صاحب مکارم اخلاق باشند اختلاط کنی تا تواضع و خدمت
تو با استحقاق باشد و طمع در محارم و حرمت مردمان نه کنی هیچ وجه و هر کس که ترا بران تحریص
کند خصم جان خویش دانی و در همه اوقات تازه روئی و خوش خلق باشی تا همه کس بتو مین
کنند و گویند فَصَحًا عَلِیْطُ الْقَلْبِ لَا أَنْفَضُوا مِنْ حَوْلِكَ و بر ظلم اقدام نه نمائی چه

و عامی مظلوم را حجاب نبود و با خلق منصف و نیکو معاملت باشی و با شرکیان به تبرع و تفضل
بسربری تا نیکو نام گردی و حسد و حسد و دل خود جاب نه دهی که المحسود کلا یسود و
به وقت به تکلف نه روی که گفته اند "التکلف شوم لانه کلا یدوم" و باید که سخن
خردمندان بشنوی و با اهل صلاح نشینی و سیرت ایشان گیری تا بهمه زبانها ستوده گردی و آنچه
تعیین شده است از موسوم و وظیفه و رواتب خدمتگاران آنرا برسان یکچندی قناعت باید کرد
و تحصیل علوم مشغول تا بس از آنکه بدرجه استقلال و استبداد رسی برادر خویش و بهمه تصرف
کنی - انشاء الله تعالی -

مکتوب بنام فخر الملک

در مطلع عمر افتتح کار نیکبختی را نیکو نامی حاصل شود و خبر آن بدو و نزدیک برسد و لهام
لشکری و رعیت بدو مال شود اگر در آتنای امور سهوی از و صادر گردد و خصمان خواهست که
بدنامی بدو حواله کنند نتوانند این تذکره ایست مرفر ز نداعز فخر الملک را که چون بدین قانون
رو و سعادت دو جهانی یابد انشاء الله تعالی -

(اول) باید که همه رعایا از تو آسوده باشند و هر وقت که حقوق برایشان لازم شود بگزارد تا فارغ
دل بکسب و مصلحت معاش خویش پردازند و باهستگی از ایشان بستانند و درمی حوادث بیوه برایشان
بسته باشند و نگزارد که هیچکس بعد از فرموده دیوان از ایشان چیزی نخواهد و رگذریان
باید که ایشان را بحال نرنجاند -

(دیگر) باید که در سرای خود بر مظلومان کشاده دارد و در هفته یک روز بدین کار پردازد و چنانکه

هیچ مصلحت نسازد و در آن آهستگی کار فرایند تا بدانکه آن تنظم را شکایت از چسبیت و تدارک آن
 چگونه می باید کرد تا آنچه فرمایند از سر حقیقت و بصیرت باشد (دیگر) باید که امرای لشکر و خاصگیان
 مخدوم را عزیز و محترم دارد و همچنین شیوخ و مولی و ائمه را بچشم حرمت ببیند و همه را تفقد نماید و تعهد
 کند و سبب غیبت پرسد و اگر بیمار شوند عیادت رود و اگر مصلحت سازند و مهم در پیش گیرند و دو معا
 و در هم بال و دم بخیزد و نگار و جمل و رسی که آن هم را شاید و همگنان را بشناسد و لقب ایشان را محفوظ
 دارد و بایشان کشاده روی باشد تا بر متابعت و خدمت وی حریص گردند و مشفق شوند که
 «اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اَیِّمُ الْاَحْسَانِ» و هر روز معروفان را بر خوان خودان دهد و باندیان نزدیکان
 بادشاه زندگانی بجا کند و عزیز دارد و خیر بابخشد (دیگر) در هفته دو بار باید که پیش ارکان دولت
 و صاحب مناصب طعام خورد و حکایتها گوید که متضمن مصلح باشد و اگر از دور و بیشتر خورد و تنگ
 حشمت بود و همه کس را در حق مرتبت و مصلحت تعهد کند و نوروز و عید همه کس که ملازمان دولت
 و حریفان و یاران و سب باشد مصلحت و خلعت رساند و خوان بگویند (دیگر) نزدیکان و ندیمان
 که در حق کسی سخنی با شتم شفاعت گویند یا حاجتی خواهند که ممکن گردد بایستد و عذر بایستد
 که خدمت کنم و بنویسم اگر چه مصلحت نباشد بقدر ولاری باید کرد و هیچ حال بر منع اصرار نباید
 نمود (دیگر) بایستد دانست که هیچ کس مال بدان جهان گیر و گرانچه در آن نام نیکو حاصل گردد و
 جزایت و جایگی ششم و خدنگاران بوقت خود بر ساندنی احتباس از حال روسای نواحی و
 عمال غافل نباید بود که از ایشان بر رعایا حیفات عظیم باشند و درویشان ازین سبب بخور
 و گران بار باشند چون دفع ایشان بکنند نیکو نامی همه آفاق برسد از راه روان و کاروان غافل

نباید پودتارہا امین باشد و آئینہ دروندہ سلامت بود و در باطن مغمور دار و (دیگر) کار زرو
 و ہم نازک بود و نصرت آن ہمہ کس برسد متولی دار الضرب نہ ید باید و عیار دار امین و
 عمدہ عیار باید کہ در گردن بیاقان و دولالان باشد و نہ راہ باید کہ کیا رکبتی بکند و و بار باید غلامان
 و خدمتگاران خاص را بواجبی نگاہ دار و تا با ادب و خرد باشند و اگر بے ادبی کنند مالش ہد باید کہ
 از سر انصاف تمام نظر کند تا بر عادت قدیم بسویت ہمہ کس حق خود گیرد و دستراؤ نکند و شرب
 تیغ آیند و در کمیت و کثرت با شرکیان احتیاط چہ عمارت جہان بہ آہست و چون در ان ظلم
 ر و خیانت کردہ باشند برکت از جہان بکلی مرفوع گردد و در راستی میان و ہفتت صلاح کار
 حرس و زرع فائدہ سیارست و بردزد و راہزن ہیچ وجہ ابقا نکن و قطع و قہر ایشان از اہم المہات
 داند و در حق زنان زور و ہتان نشنود و کسانیکہ بزنان ہتاک حرمت و قصد نام و فنگ و عرض
 مردم کنند در قہر ایشان مبالغت نماید و اگر سخن چین یا ندیمی قصد عرض کسی کند در قم و قہر او
 کوشد چہ نام و فنگ بسا لہا بدست آید و بیک در فرع باطل گردد و روز آوینہ ہر باد و بارعام
 دہد و ختم قرآن کند و نماز پیشین بجماعت گزارد و جامعہ در ہمہ حال توفیق از حق تعالی
 خواہد تا ہمہ نیکوئیا برسد و برکت رضای آفریدگار جل جلالہ بر احوال او در دوجہان ظاہر
 گردد و انشاء اللہ وحدہ العزیز

تصنیفات

خواجہ نظام الملک کی طرف جو کتابیں منسوب ہیں انکے نام یہ ہیں۔ (۱) ”وصائے نظام الملک
 یا دستورالوزرا“ (۲) ”سیاست نامہ یا سیر الملوک“ لیکن انکے علاوہ ایک سفرنامہ بھی ہے جسے حسین

اُس سفر کے حالات تحریر میں جو خراسان سے (براہ ماوراءالنہر) کابل تک کیا گیا ہے۔
لیکن یہ سفر نامہ مفقود ہے۔

وصایا ملقب دستورالوزراء (۱)

اس کا سنہ تصنیف معلوم نہیں ہے۔ مگر مضامین سے ثابت ہے کہ یہ کتاب وزارت کے
اخیر زمانہ میں لکھی گئی ہے۔ یہ مختصر مجموعہ چند قیمتی اور کثیر الفوائد مضامین کا ہے جس میں روے
سخن خیر الملک کی جانب ہے۔ اور یہ خواجہ کاغزیز ترین فرزند ہے جسکی نسبت خواجہ چاہتا ہے
کہ میرے بعد وزارت منظور نہ کرے۔ اس لیے صاحب مشفق بنکر اپنے بیٹے کو نصیحت کرتا ہے۔ یہ
دستور العمل ایک مقدمہ اور دو فصل پر ختم ہو جاتا ہے۔ مقدمہ میں خواجہ نے اپنے بچپن کے
بعض حالات لکھے ہیں۔ اور پہلی فصل میں وزارت کی اُن مشکلات کا تذکرہ ہے جن کے
پڑھنے سے خواہ مخواہ دل پر یہ اثر پڑتا ہے کہ وزارت سے استغناء دنیا ہی بہتر ہے۔ اور دوسری
فصل میں وزارت کے وہ آداب و قواعد لکھے ہیں جسکی ہر وزیر کو ضرورت ہے۔

غرض کہ وصالے نظام الملک معاملات سلطنت اور وزارت میں ایک مکمل اور مستحکم قانون
ہے اور لطف یہ ہے کہ جیسا وہ پانچویں صدی میں کارآمد تھا ویسا ہی آج بھی مفید ہے۔
ہم نے باب الوزراء میں ان قوانین کو مفصل لکھا ہے۔ جسکے مطالعہ سے معلوم ہو گا کہ
مسلمانوں میں کس دماغ کے مقنن وزیر گزرے ہیں۔

سیاست نامہ (۲)

یہ کتاب بھی خواجہ نے اپنی وزارت کے اخیر زمانہ میں یعنی انتقال کے ایک سال قبل

تصنیف کی ہے۔ اور باعث تصنیف و تباہیہ میں یوں لکھا ہے کہ ”سلسلہ ہجری میں سلطان سعید ابوالفتح ملک شاہ نے دربار کے چند دیرینہ سال ارکان سلطنت کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ”مبادیوت کے عہد سلطنت پر غور کریں۔ اور سوچیں کہ ہمارے زمانہ میں کس صیغہ کا انتظام اعلیٰ درجہ نہیں ہے اور وہ کون سے آداب ہیں جو ہماری مجلس اور دیوان میں نافذ نہیں ہیں۔ اور وہ کیا حالات ہیں کہ جو مجھ پر مخفی ہیں۔ اور سلاطین سابق کے جو اصول ہمارے زمانہ میں چھوڑ دیے گئے ہیں وہ کیا تھے؟ غرض کہ شاہان سلطوت کے تمام رسم و رواج اور آئین قلبند ہو کر حضور میں پیش ہوں تاکہ بعد غور کامل اُن قوانین کے اجرا کا حکم دیا جائے جس سے دین و دنیا کے سب کام درست ہو جائیں۔ اور ساری خرابیاں دور ہوں۔ جبکہ خداے برتر نے مجھ کو عظیم الشان سلطنت مرحمت فرمائی ہے اور تمام نعمتیں بخشی ہیں اور میرے دشمنوں کو یا مال کر دیا ہے تو پھر کوئی انتظام مابدولت کا ناقص نہ ہونا چاہیے اور نہ مجھے کچھ چھپایا جائے“

سلطان کا روئے سخن نظام الملک شرف الملک تاج الملک مجد الملک وغیرہ کی طرف تھا۔ چنانچہ ان امرا میں سے ہر ایک نے اپنی استعداد اور خیالات کے مطابق ایک ایک دستور العمل لکھ کر ملک شاہ کی حضور میں پیش کیا۔ مگر صرف نظام الملک کا مسودہ پسند آیا جسکی نسبت سلطان نے فرمایا کہ ”یہ کتاب نہایت جامع ہے اور میرے خیال میں اب اس پر اضافہ کی ضرورت نہیں ہے اور آئندہ ہی میرا دستور العمل ہوگا“

یہ کتاب پچاس فصلوں پر ختم ہوئی ہے۔ اور ہر فصل میں ایک جداگانہ مضمون ہے۔ اور

سہ شرف الملک وغیرہ کے حالات دوسرے حصہ میں تحریر ہیں۔

اس کتاب میں (سولہ عمری خواجہ نظام الملک) باشتنائے چند ابواب تمام مضامین کا مع مختصر حاشیہ کے ترجمہ کروایا گیا ہے۔ سیاست نامہ کے ہر مضمون میں قرآنِ حدیث اور فقہ سے استدلال کیا گیا ہے اور تمام واقعات بہ سند تاریخی بیان ہوئے ہیں۔ اس کتاب کی عظمت و شان کی یہ ادنیٰ دلیل ہے کہ سولہ سروس کورس میں داخل ہے۔ مسلمانوں کو پروفیسر شیفر (مدرس مدرسۃ السنۃ شرقیہ پیرس) کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ جنہوں نے ہندوستان، لندن، برلن اور سینٹ پیٹرسبرگ کے کتب خانوں سے صحت کر کے اس کتاب کو فرانس میں چھپوایا ہے۔ اور کئی بار چھپ چکی ہے اب ہم سیاست نامہ ایک پورا باب (مع ترجمہ) نقل کرتے ہیں جس سے خواجہ کی طرزِ تحریر کا جو اس کتاب میں جو نمونہ معلوم ہوگا۔ اور جو مضمون اس باب میں ہے وہ بھی ایک تاریخی واقعہ ہے کہ جسکی تفصیل ہر تاریخ میں موجود نہیں ہے۔ امید ہے کہ صحیفاتِ دلچسپی سے پڑھے جائیں گے۔

سیاست نامہ باب ۳۴

اندراپاز نمودن احوال بد مذہبیان کہ دشمن ملکِ اسلام اند

بندہ خواست کہ فصلی چند در معنی خروج خارجیان یا دکنذتا جہانیاں بدانند کہ بندہ را درین دولت چہ ثنفت بودہ است، و بر ملک سلجوق چہ ہوا و ہمت دارد (خاصہ بر خداوند عالم حَلَدَ اللہ مملکتہ و بر فرزندان و خاندان او کہ چشم بازار و زگار او در باد) لے سولہ سروس کورس میں ہوتا ہوا اور اس کتاب کی کامیابی پر ہندوستان کے بڑے عہدے کلکٹری وغیرہ ملتے ہیں۔

بسمه روزگار و خواجه بوده اند و از روزگار آدم علیه السلام تا اکنون خروجه کرده اند و در هر کشور
 که در جهانست بر باد و شایان پیغمبران هیچ گروهی نیست شوم تر و بد فعل تر ازین قوم -
 بدانند که از پس دیوار بادی این ملک می سگاند و فساد دین میجویند گوش بآواز نهاده اند و چشم
 بچشم زدگی - اگر نفوذ باشد هیچ این دولت قاهره در کتبها الله تعالی را از آفتی حدیث رسد یا تپی
 کو العیاذ بالله پیدا شود این سگها از نهفتها بیرون آیند و برین دولت خرم کنند و هر چه کن
 باشند از فساد و قتل و قتل و بدعت چیزی باقی نگذارند بقول دعوی مسلمانان کنند و یعنی نفس
 کافران دارند و باطن ایشان لعنهم الله بخلاف ظاهر باشد و قول بخلاف عمل و دین محمد مصطفی را
 صلی الله علیه و سلم هیچ دشمن از ایشان شوم تر و بد نفس تر نیست و ملک خداوند عالم را هیچ خصمی از
 ایشان تر نیست و کسانی که امروز درین دولت قوتی ندارند و دعوی شیعت میکنند ازین قوم
 و در سر کار ایشان می سازند و قوت می دهند و دعوت میکنند و خداوند عالم را بران می دارند که
 خانه بنی العباس بر دارد و اگر بنده غطا از سر این و یک بر دارد ای بسا سوائی بیرون آید
 و لیکن از آنکه از شاهای ایشان خداوند عالم را مالی حاصل شده است و یعنی میخواهد که شرعی
 کند بسبب توفیر با که نمایند و خداوند را بهر مال حریص کرده اند و صاحب غرض ننند و نصیحت بنده
 درین حال دلیزیر نیاید آنگاه معلوم گردد فساد و کفر ایشان که بنده از میان رفته باشد بدانند
 که هواخواهی بنده بجهاندازه بوده است و دولت قاهره را و از احوال سگانش این طائفه
 غافل نبوده است و بهر وقت برای عالی اعلای الله میگزیرانیده است و پوشیده نداشته
 و چون می دید که درین معنی قول بنده قبول نمی افتاد نیز تکرار نکرد لیکن بانی در معنی ایشان

بر سبیل اختصاص درین کتاب سیر آورده که از سمات بود که این بواطنه چه قوم اند و مذهب ایشان چگونه بوده است و اول از کجا خاستند و چند بار خروج کرده اند و هر وقت بدست خداوند مقهور گشته اند تا از پیس وفات بنده تذکره باشد در زمین شام وین و اندلس خروجها بوده است و قتلها کرده اند و لیکن بنده آئینه یاد نکند و اگر خواهد که بر همه احوال ایشان واقف شود تا ریشهها باید خواند خصوصاً تاریخ صفهان و آنچه در زمین عجم کرده اند (که خلاصه ملک خداوند عالم است) بنده از تصدیکی یاد خواهد کرد تا معلوم رای عالی دم عالیا گردد و از ابتدای تا انتهای کار ایشان -

باب ۴۴

اند خروج مزدک مذهب و چگونگی کشته شدن او و بدست نوشیروان عادل

نخستین کسی که اندر جهان مذهب معطله آورد مردی بود که اندر زمین عجم بیرون آمد و او میگوید آن گفتندی نام وی مزدک با ما و آن بروزگار ملک قبا و بن فیروز پدر نوشیروان عادل نخست که کیش گبرگی بر گبرگان بزبان آورد و راه بد در جهان گسترده و سبب آن بود که مزدک بنجوم نیکو دانستی و از روش اختران چنان دلیل میکرد که اندرین عهد مردی بیرون آید و دینی آرد چنانکه کیش گبران و کیش یهودان و کیش ترسا آن و بت پرستان را باطل کند و بمعجزات و زور کیش خود در گردن مردمان کند و تا قیامت دین او بماند و او را تنها چنان افتاد که گریه کن کس او باشد پس دل دران بست که چگونه مردم را دعوت کند و مذهب نو پیدا آرد و نگاه کرد و نشستن را بجلوس بادشاه حرمی تمام دید و نیز دیک همه بزرگان و هرگز کس او را محالی نشنیده بودند -

پیش از آنکه دعوی پیغمبری کرد پس غلامان خویش را فرمود تا از جای پنهان نقبی گرفتند زمین
 سنبیدند بتدریج چنانکه هر سوراخ میان آتشگاه برآوردند راست آنجا که آتش میگردند سوراخ
 سخت خرد پس دعوی پیغمبری کرد و گفت مرا فرستاده اند تا دین زروشت تازه که روانم که خلق معنی نژد
 و استا فراموش کرده اند و فرمانهای یزدان نه چنان میگذرانند که زروشت آورده است
 چنانکه هر یک چندی بنی اسرائیل فرمانهای موسی علیه السلام که در تورات از خدای عزوجل
 آورده است نداشتندی و خلاف کردند پیغمبری فرستادم بر حکم تورات تا خلاف از بنی اسرائیل
 بیفکندی و حکم تورات را تازه گردانیدی و خلق را بطریق راست می آورده -

این سخن گوش ملک قباد و قباد دیگر بزرگان و موبدان را بخواند و مظلوم کرد و مزوک را
 بخواند و بر ملا مزوک را گفت تو دعوی پیغمبری میکنی گفت آری و بدان آمده ام که دین زروشت
 را خلاف بسیار و در وی شبهه بسیار گشته من همین بصلاح باز آمدم و معنی نژد و استانه آنست
 که بکار میدارند باز نمایم معنی آن پس قباد گفت معجزه تو چیست گفت معجزه من آنست که
 آتش را که قبله و محراب ساسانست من بسجن آرم و از خدای تعالی در خواهم تا آتش را
 فرمان دهد که پیغمبری من گواهی دهد چنانکه ملک جماعت آواز بشنوند -

ملک گفت ای بزرگان و موبدان درین معنی چه گوئید موبدان گفتند اول چیز آنست که
 ما را بکیش و کتاب ما بخواند و زروشت را خلاف نمیکند و در نژد و استا سخنانست که هر سخن
 دژه معنی دارد و هر موبدی و دانائی را در و قوی و تعبیری بسخت ممکن باشد که قول را تفسیر نکند
 و عباد رتی خوشتر بیار و اما اینکه میگوید آتش را که موجود است بسجن آرم این شگفت است و

در قدرت آدمی نیست آنکه ملک مزدک را گفت اگر تو آتش را بسخن آری من گواهی دهم که تو پیغمبری مزدک گفت ملک وعده بنهد و بدان وعده با موبدان و بزرگان آتشگاه آید اما بعد ما من خدای عزوجل آتش را بسخن آرد اگر خواهیم امروز و همین ساعت.

قبلا گفت بران نهادیم که فردا جمله آتشگاه آیم و دیگر روز مزدک راهبی را زیر آن سوراخ فرستاد و گفت هر وقت که من با و از بلند یزدان را بخوانم تو بر زمین سوراخ آئی و بگو که صلاح یزدان پرستان زمین آنست که سخن مزدک بر کار گیرند تا یکجختی دو جهان یا بنده پس قبلا بزرگان و موبدان آتشگاه شدند و مزدک را بخواند و مزدک آمد بر کنار آتش با ایستاد و با و از بلند یزدان را بخواند و بر زردشت آفرین کرد و خاموش گشت از میان آتش آوازی آمد بران جمله که یاد کردیم چنانکه ملک و بزرگان بشنیدند و از آن در شکفت ماندند و قبلا در ول کرد که بوی بگردد چون از آتشگاه باز گشتند بعد از آن قبلا مزدک را پیش خود بخواند و هر ساعت مقرب تر بود تا بوی بگردد و از جهت وی کرسی زر مرصع فرمود تا بر تخت بارگاه بنهند بوقت باز و قبلا بر تخت بنشست و مزدک را بران کرسی بنشانند و بسیاری از قبلا و بلند تر بوی و مردمان بر سر بر خست و هوا و ببری بموافقت ملک در مذهب مزدک همی آمدند و از ولایات و نواحی روی بحضرت نهادند و پنهان و آشکار در مذهب مزدک میشدند و لشکریان رغبت کم کردند و از قبل خشم پادشاهی چیزی نمیگفتند و از موبدان هیچ کس در مذهب مزدک نشد و گفتند بگریم تا از زند و استاچه بیرون می آید چون دیدند که پادشاه در مذهب آمد مردمان از دور و نزدیک دعوت او قبول کردند و آنها در میان میگردند.

و فردک گفت مال بخشیده ایست میان مردمان که همه بندگان خدای تعالی اند و فرزندان
آدمند و بچه حاجتمند کردند باید که مال یکدیگر خرج کنند و هیچکس را بی برگی نباشد و در ماندگی
متساوی الحال باشند چون قباد بیشترترین راه بنهاد و به اباحت مال رضی شد آنکه گفت
زنان شما چون مال شماست باید که زنان را چو مال شما سید و هیچکس از لذت شهوات دنیا
بی نصیب نماند و در مرد و بر همه خلق کشاده بود و پس مردمان از بهت مال و زن بدهب او
بیشتر رغبت کردند خاصه مردم عام.

پس نوشیروان در ستر موبدان کس فرستاد که چرا چنین خاموش بیاشید و عاجز گشتید و در معنی فردک
هیچکس سخن نیگوید و پدرم را پندنی دهید که این چه حالت است که بردست گرفته و برق این طرار
در جوال شده اید این سگ مال مردمان بزیان میرود و ستر از حرم مردمان برداشت باری گوئید
که این بچه حجت میکند و که فرموده است و اگر شما بیش از این خاموش باشید مال شما و زن شما همه
رفت و ملک و دولت از خاندان مارفت باید که جمله پیش پدرم روید و این حال باز نمانید و
پندش دهید و با فردک مناظره کنید و بگریزید تا چه حجت آرد و بنزد یک معروفان و بزرگان
پیغام بچنین فرستاد که سوای فاسد بر پدرم غالب شده است و عقل او غلب آمده است

له اس مضمون کو فردوسی نے شاہنامہ میں این الفاظ لکھا ہے۔

تیب دست با او برابر بود	همی گفت هر کو تو انگر بود
تو انگر بود تا در ویش پوش بود	نباید که باشد کسی بر فردو
تیب دست کس با تو انگر کیست	زن و خانه و چیز بخشید نیست
شود و شیره پیدا بلند از مناک	من این را کنم راست تا دین پاک

مفسدت خویش اوصلست باز نمیداند در تدبیر معالجه او باشد تا سخن مزدک نشنود و بقول او کار نکند و شما نیز چون پدرم فریفته نشوید که و بر حق نیست برطل است باطل را بقا نشود و فرشتها را سود ندارد و بزرگان از سخن او بشکوهیدند و اگر چه بعضی قصد کرده بودند که در مذهب او شوند از جهت نوشیران پای کشیدند و در مذهب او نشدند گفتند بنگریم تا کار مزدک بجای رسد و نوشیران این سخن از کجا میگوید نوشیران در آن وقت هژده ساله بود پس بزرگان و موبدان جمع شدند و پیش قباد رفتند گفتند ما از عهد دراز با شما اکنون در هیچ تاریخ خواندم و از چندین پیغمبر که در شما بودند نشنیدیم اینک مزدک که میگوید و میفرماید ما را عظیم منکرمی آید.

قباد گفت با مزدک بگوئید تا چه گوید مزدک را بخواند و گفت چه حجت داری درین که میگوئی و میکنی مزدک گفت زردشت چنین فرموده است و در ژند و استاجین ست و مردمان قفسیر این نمیدانند اگر استوارنی دارید از آتش پرسید بار دیگر با تشکده شدند و از آتش پرسیدند از میان آتش آوازی آمد که چنین است که مزدک میگوید چنانکه شما میگوئید نیست. دیگر بار موبدان نخل بازگشتند و دیگر روز پیش نوشیران شدند و احوال باز گفتند نوشیران گفت این مزدک دست بران می برد که مذهب او در همه معانی مذهب زردشت است الا این دو معنی.

چون برین حدیث مدتی بگذشت روزی میان قباد و مزدک حدیثی میرفت بر زبان مزدک چنان رفت که مردمان بر رغبت درین مذهب درآمدند و اگر نوشیران رغبت کردی و این مذهب فرا پذیرفتی نیک بودی قباد گفت او درین مذهب نیست گفت نه گفت نوشیران را بیا ریود هر چه زود تر بخوانید چون بیا ما و را گفت ای جان پدر تو بر مذهب مزدک نیستی گفت نه الحمد لله

گفت چرا گفت از بر آنکه دور مرغ میگوید و محال است گفت چون محال باشد که آتش بسخن
می آرد گفت چهار چیز از امهات است آب و آتش و باد و خاک چنانکه آتش بسخن آورد و بخوش
تا آب و باد و خاک را بسخن آرد تا من بوی بگروم و فریفته شوم گفت او هر چه میگوید از تفسیر شرند
و استا میگوید نوشیروان گفت او نفرمود که مال و زن مردان مباح است و از عهد زردشت
تا امروز یکس از دانایان این تفسیر نه کرده است دین از بر مال و حرم بکارست چون این
هر دو مباح است آنکه چه فرق باشد میان چهار پای و آدمی که این روش و طریق بهائم است
که در چریدن و کردن یکسان باشند نه مردم عاقل گفت باری مرا که پدر تو ام چرا
خلافت کنی گفت من این از تو آموخته ام اگر چه هرگز این عادت نبود چون دیدم که تو پدر خویش
را خلافت کردی من نیز ترا خلافت کردم تو از آن باز گرد تا من ازین باز گردم پس سخن قباد و
نوشیروان و مزدک بجای رسید که مطلق بگفتند که حجتی بیار که این مذهب رو کند و سخن مزدک
باطل گرداند کسی را بیار که حجت او از حجت مزدک قوی تر و درست تر باشد الا ترا سیاست
فرمایم تا دیگر عبرت گیرند.

نوشیروان گفت مرا چهل روز زمان دهید تا حجتی بیارم یا کسی را بیارم که جواب مزدک
باز و بگفتند نیک آید زمان دادیم برین جمله پراگندند نوشیروان از پیش پدر باز گشت
هم در روز قاصد و نامه بپارس فرستاد بشهر گؤل بمویدی که آنجا شستی مردی پیر و دانا که
هر چه زود و تریائی که چنین چنین کاری رفته است میان من و پدر و مزدک چون چهل روز
برآمد قباد و بار واد و بر تخت نشست مزدک بیاید و بر تخت رفت و بر کرسی نشست و

نوشیروان بیاوردند مزدک قبا و گفت پرسش تاجه آورده ست قبا و پرسید تاجه جواب
 آوردی نوشیروان گفت دران بمیرم قبا و گفت کار از تدبیر گذشت مزدک گفت برگیرید
 او را و سیاست فرمائید قبا و خاموش گشت مردم در نوشیروان آویختند نوشیروان دست در
 دوازین ایوان زد و پدر را گفت ای خجیل ست که در کشتن من بسته که هنوز وعده من تمام
 نشده است گفت چون گفت من چهل روز تمام گفته ام امروزان من ست تا امروز بگذرد آنگه شما
 و اندیس سپه سالار و موبدان بانگ برآوردند و گفتند راست میگوید قبا و گفت امروزش
 نیز را بکنید دست از وی بپشتند و از خچال مزدک برست چون قبا برخواست موبدان
 پیرگشتند و مزدک باز گشت نوشیروان بسرای خویش آمد و این موبد که نوشیروان او را از پارس
 خوانده بود در رسید بر جازنه شسته تا بدر سرای نوشیروان فرود آمد و در سرای شد خادمی و گفت
 برو و نوشیروان را بگویی که موبد پارس در رسید خادم سبک در حجره رفت نوشیروان را بگفت
 نوشیروان از حجره بیرون آمد و نوشیروان از شادی میش اود و دید او را در کنار گرفت و گفت
 ای موبد چنان دان که من امروزان جهان می آیم و احوال پیش موبد بگفت موبد گفت هیچ
 دل مشغول ندار که همه چنان ست که تو گفته حق با تو ست و خطا با مزدک و من نیابت تو جواب
 مزدک دهم و قبا و را از مذهب او باز گردانم و لیکن چاره کن که پیش از آنکه مزدک خبر آمدن من
 بشنود ملک را به بیمم گفت این سهل ست پس بار دیگر نوشیروان بسرای پدر رفت بارخواست
 چون پدر را دید ثنا گفت پس گفت موبد من از پارس در رسید که جواب مزدک بد و لیکن
 میخواهد که نخست ملک را به میند تا ملک سخن بخلوت بشنود و گفت شاید بیا و را و را نوشیروان

بازگشت و چون تاریک شد موبد را پیش پدر برد و موبد قباد را آفرین کرد و پدران او را بستود
پس ملک را گفت این مزدک را غلط افتاده است این کار نه او را نهاده اند که من او را نیک شناسم
قدر دانش او را دانم و از علوم نجوم اندکی دانم ولیکن در احکام او را غلط افتاد و درین قرآن که در آید
مردی بیرون آید و دعوی پیغمبری کند و کتابی غریب آرد و معجزهای عجیب نماید و ماه در آسمان
بدویم کند و خلق را بر راه حق خواند و دین پاکیزه آرد و کیش گبرگی و دیگر کیشها باطل کند و بفرودس
و عده کند و بدو رخ بترساند و الهام و حرما بکلم شریعت در حسن کند و مردم را از دیو براند و با سروش
تولا کند و آتشکده ها و بتکده ها ویران کند و دین او همه جهان برسد و تا قیامت باندوزین آسمان
بر دعوت گواهی دهند اکنون این مزدک را تنها چنان افتاده است که این مرد او باشد و مزدک
اولا عجمی است و او خلق را از آتش پرستی نمی کند و زردشت را منکر باشد و مزدک هم بزرگوار
افتد میکند و هم آتش پرستی می فرماید و او رخصت نمید که کس گردد و کس گردد و یا کس مال ناحق
بستاند و بدزدی دست بریدن فرماید و مزدک مال و زن مردم مباح کرده است و آن پنجامبر را
فرمان از آسمان آید و از سروش سخن آید و مزدک از آتش میگوید مذہب مزدک هیچ اصل ندارد
و من فردا او را پیش ملک رسوا کنم که او بر باطل است و میخواهد که خسروی از خانه تو بیرون برود
گنجهای تو تلف کند و ترا بالتر کسی مقابل کند و بادشاهی بدست فرو گیرد.

قباد را سخن موبد خوش آمد و دلپذیر روز دیگر قباد و بارگاه آمد و مزدک بیامد و بر کرسی نشست و
نوشیروان پیش تخت بایستاد و موبدان و بزرگان حاضر آمدند آنکه موبد نوشیروان بیامد و مزدک
را گفت نخست تو پرسی یا من مزدک گفت چون سائل تو خواهی بود و من مسئول پس تو اینجا

کہ منم ومن آنجا روم کہ توئی مزدک نخل شد و گفت ملک مرا اینجا نشانده است تو سول کن
 تاسن جواب دہم موبد گفت مال مباح کردہ و این رابطا و پلہا و آتشکہ و اخیرات کہ بکنند
 از بہت آن جہان میکنند بگفت بلی گفت چون مال یکدیگر مباح کرد و خیرات کنند مردان
 اگر بود مزدک از جواب فرو ماند دیگر گفت تو زمان را مباح کردہ چون زن آہستن شود و بزیاید فرزند اگر
 باشد مزدک فرو ماند دیگر گفت این ملک کہ بر تخت نشسته است و بادشاہ است و پسر ملک فیروز
 است و پادشاہی از پدر میراث دارد ملک فیروز همچنین از پدر میراث دہشت چون دہ مرد
 با زن ملک و فرزندی بیار و آن فرزند از قبل کہ باشد نسل ملک بریدہ باشد و چون
 نسل بریدہ گشت نہ از بادشاہی تہنہ بماند و مہتری و کمتری در توانگری و درویشی بستہ است

۱۰ فردوسی نے ذیل کے اشعار میں یہ مباحثہ لکھا ہے۔

بزدک کہ ای مرد دانش پز وہ	چنین گفت موبد بہ پیش گروہ
نماوی زن و خواستہ در میان	یکہ دین و ساختی در جہان
پسر ہمچنین چون شناسد پدر	چہ داند پدر کش کہ باشد پسر
نباشند پیدا کمان از ہمان	چو مردم برابر بود در جہان
چگونہ توان ساختن مہتری	کہ باشد کہ جوید در کمتری
چو مردم جدا ماند از بہ بستہ	کہ باشد مراد ترا کار گر
ہمہ گنج دارند و گنجور کیست	ہمہ کہ خدا یسند و مزدور کیست
نباید کہ این بد بایران شود	جہان زمین سخن پاک و یران شود
تو دیوانگی دارے اندر نہفت	زدین آوران این سخن کس نہفت
ہمہ کار بد را بہ بد نشری	ہمہ مردمان را بد و نفع برے
بر آشفت و اندر سخن داود داد	چو بشنید گفتار موبد قباد

چون مرد درویش باشد و از جهت ناگزیر در بایست خدمت و مزدوری توانگری باید کرد
 و چون مال مباح گردد مهربانی و کفایتی از جهان برخیزد و پادشاهی باطل شود و آمدنی پادشاهی
 از خاندان ملوک عجم بقبا بری مزدک سیج گفت و خاموش ماند قبا و گفت جوابش بازده گفت
 جوابش آنست که هم اکنون بفرمای تا گردنش بزنند قبا و گفت بی حجت گردن کسی نتوان زد
 گفت از آتش پرستم تا چه فرماید که من از خوشبختی سخن نگویم و مردمان که بسبب نوشیروان غمگین
 بودند شاد گشتند که از کشتن برست و مزدک با قبا و بد شد که او را گفت موبد را بکش و فرمان نبرد
 با خوشبختی گفت که امروز خوشبختی را برانم و مرا تیغ بسیارست از رعیت و لشکری تدبیر آن کنم
 که قبا و از زیان بردارم پس نوشیروان را و همه مخالفان را بران بهناد که فردا با تشکده بروید
 تا آتش چه فرماید و برین جمله پراگندند چون شب درآمد مزدک و دو تن را از رهبانان هم ندیدان
 خوشبختی خواند و زنجیرشده داد و گفت شما را بسپهسالاری برسانم و سوگند ایشان داد
 که این سخن با کس نگویند و نوشیروان ایشان داد و گفت که چون فردا قبا و با تشکده با بزرگان
 و موبدان آید اگر آتش قبا و در کشتن فرماید شما هر دو سبک شمشیر را برکشید و قبا و را بکشید که
 بیچکس با شمشیر در تشکده نیاید گفتند فرمانبرداریم.

روز دیگر بزرگان و موبدان با تشکده شدند و قبا و برفت و موبد نوشیروان را گفت بگوئی تا
 مردمان از خاصگیان تو شمشیر در جامه پنهان کنند و با تو در تشکده شوند و هر وقت که مزدک
 با تشکده خواستی شد آن رهبری را بیا موفقی که در زیر سوراخ چه گوید خود با تشکده شد و این
 را گفت تو از آتش پرس تا با تو سخن گوید موبد نیز از آتش پرسید جواب نیافت پس مزدک

گفت یا آتش میان ما حکمی کن و برستی من گواهی ده از میان آتش آوازی آمد کن از دی باز
ضعیف شده هم نخست مرا از دل و جگر قبا و دهمید تا پس سخن گویم که چه باید کرد مزدک را سنا میشت را
براحتی جادوانی آنجا می پس مزدک گفت آتش را زور دهید و مرد و شمشیر کشید آهنگ قبا و
کردند موبد نوشیروان را گفت در باب پدر را آن ده مرد و شمشیر کشید و پیش آن دو مرد باز شدند
و نگذاشتند که او را بکشد و مزدک هم گفت که آتش بفرمان یزدان میگوید مردم و گروه شدند بعضی
گفتند قبا و رازنده یا مرده در آتش گفتم و گروهی گفتند درین تامل کنیم در آخر آن روز باز گشتند
قبا و گفت مگر از سن گناهی در وجود آمده است که آتش روزی از من میخواهد پس با آتش همین
جهان سوختن شوم به که با آنجا من -

دیگر باره موبد قبا و خلوت کرد و از موبدان و پادشاهان گذشته سخن گفت و از هر کسی دلیل
آورد و بخت بنمود که مزدک پناهنده نیست و دشمن خاندان ملوک است و دلیل برین که اول قصد
نوشیروان کرد و ظفر نیافت قصد خون تو کرد و اگر من تدبیر نکرده بودم امروز ترا ملک کرده بود
و تو چه دل دران می بندی که از آتش آوازی آید من چاره کنم که این نیز نگ را نیز بکشایم و
ملک را معلوم می گردانم که آتش سخن نمیگوید با کسی دیگر و ملک را چنان کرد که از کرده پشیمان شد
گفت نوشیروان را خردم پند را و بر همه جهان فرمان دهد و هر چه رای او بیند تو از آن گذراگر
خواهی که ملک در خاندان تو بماند نهان دل بهیج با مزدک پیدا کن پس موبد نوشیروان گفت
بعد آن کن که از خدایتگان مزدک یکی را بدست آری و او را بمال بفری تا احوال آتش را
معلوم گرداند یکبارگی شک از دل پدرت خیزد -

نوشیروان کی راہ دست آورد اور ابائی کی از رہبان دوستی گرفت اور ابجا و پیش نوشیروان
 آورده کہ نوشیروان اور انجلوت بنشانند و ہزار دینار پیش نہاد و گفت تو ازین پس دوست
 و برادر من باشی و ہر چہ بکنن نیکوئی در حق تو بکنم درین وقت از تو سخنی خواہم پرسید اگر راست گوئی
 این ہزار دینار بتو بخشم و از نزد یکان خویش گردانم و بدرجہ بلند رسانم و اگر نگوئی سرت از تن
 بردارم مرد بترسید و گفت اگر راست بگویم اینکہ تو گفتی وفا کنی گفت بکنم و بیشتر ازین نوشیروان
 گفت بگوئی کہ مزدک چہ حیلہ کردہ است کہ آتش باو سخن میگوید مرد و گفت اگر بگویم آن از نہانی
 توان داشت گفت تو انم گفت بنزدیک آتشکہ ہ پارہ زمین ست و دیواری بلند گردان کشیدہ
 سوراخی سخت خرد میان آتش بریدہ کسی را آنجا میفرستد و او را بیا موزد کہ زیر آتش دہن سوراخ
 نهد و ہر چہ خواہد بگوید ہر کہ بشنود پندارد کہ آتش سخن میگوید۔

نوشیروان ازین سخن شاد و گشت داشت کہ تحقیق ست آن ہزار دینار بوی داد چون شب آمد
 او را پیش پدر برو تا ہمہ حال شرح داد و قبا و تعجب انداز مختالی مزدک و تجا سر نمودن او۔ پس
 یکبارگی شک از دل او برخاست کس فرستاد موبد را بیاورد و بلا و آفرین کرد و احوال باو گفت
 موبد گفت من ملک را گفتم کہ این مرد مختال ست قبا و گفت اکنون معلوم گشت بمیر ملاک
 اچیت موبد گفت نباید کہ او بداند تویشیان گشتی بار دیگر جمعی بسا ز تاسن با او مناظرہ کنم و
 بعاقبت پسر بکنم و بجز خویش مقرمی آیم و باز پارس روم آنگہ انچہ نوشیروان صواب بیند
 چنان باید کرد تا این مدت بریدہ گرد۔ و پس قبا و بعد از چند روز بزرگان را پیش خواند و
 موبدان را حاضر کرد و فرمود تا موبد پاری کی باشند و دیگر روز حاضر شدند و قبا و بر تخت نشست

و مزدک بر کرسی و هر یک از موبدان سخن گفتند موبد پارسی گفت مرا عجب آما از سخن گفتن تشش
 مزدک گفت از قدرت این عجب نیست نه بینی که حضرت موسی علیه السلام از پاره چوب تردا
 نمود و از پاره سنگ و از ده چشمه آب روان کرد و گفت یارب فرعون را با همه لشکرش آب
 غرق کن خدای تعالی غرق کرد و زمین بفرمان او کرد تا گفت ای زمین قارون را فرو برد
 عیسی علیه السلام مرده را زنده کرد این همه نیست که در قدرت آدمی نیست خدا میکند مرانیز
 فرستاده هست و آتش را بفرمان من کرده آنچه میگویم و آتش میگوید بفرمان برید و الا عذاب
 خدای تعالی در شمارسد و همه را هلاک کند موبد پارسی بر پای خاست و گفت مردی که از سخن از
 خدای تعالی و آتش گوید و آتش در فرمان او باشد من جواب ندارم و عاجز باشم پیش ازین
 دیرری نه کنم من رفتم شما دانی پس موبد رفت و راه پارس برگرفت و قباد از بازگاه برخاست
 و موبدان را بگشتند و مزدک شاد شد و آتشکده رفت که هفت روز خدمت آتش کند چون شب
 درآمد قباد و نوشیروان را بخواند و گفت موبد رفت و مرا بتو حواله کرد که نفی کردن این شهب
 را تو کفایت باشی تدبیر این کار چیست نوشیروان گفت اگر خدا گمان این شغل من بازگردد
 و با کس نگوید تدبیر این کار کنم و بوجی بسر برم چنانکه مزدک و مزدکیان را از جهان گم کنم قباد
 گفت من این معنی جز با تو نخواهم گفت نوشیروان گفت موبد پارسی رفت و صحاب مزدک
 شاد شدند و قوی دل گشتند هر چه بعد ازین بایشان سگایم روا باشد و مزدک را کشتن
 آسان است لیکن تیغ او بسیارند چون او را بکشم مزدکیان بگریزند و پراگنده شوند و مردان را
 دعوت کنند و جانگاہی بدست آرند و ما را و مملکت ما را کار دهند ما را تدبیری باید کرد چنانکه

بیکبار کشتہ شوند و یک تن از ایشان زندہ نہاد و جان از شمشیر ما نہ زندہ قبا دگفت چہ رای
 می بینی اندرین کار نوشیروان گفت تدبیر آنست کہ چون مزدک از آتش کہ ہیردن آید پیش
 ملک آید مرتب او بیفراید و گرامی ترازان دارد کہ داشت با او در خلوت گوید کہ نوشیروان وز
 بار کہ مو بہ سپر بنگند بسیار نرم تر گشت و رای دارد کہ تو گرد و دوازنجہ گفت پشیمان شد چون سر ہفتہ
 گذشت مزدک پیش قبا و آمد اورا اگر می کرد و تواضع نمود بچند و حدیث نوشیروان بران جملت
 بگفت مزدک گفت بیشتر مردمان چشم و گوش باشارت او میدارند چون درین مذہب آید ہمہ
 جہان این مذہب بگیرند من آتش را شفیع کردم تا یزدان این مذہب اورا روزی کند۔
 قبا دگفت نیک کردی کہ ولعبد من ست و لشکر و رعیت اورا دوست میدارند و ہر وقت کہ
 او درین مذہب در آید بچیکس را بہانہ نمایند و من از برای او منار و ہنگین کنم و برانجا کوشکے
 زرین کنم چنانکہ از آفتاب روشن تر باشد چنانکہ گشتاسپ از بہر زردشت کوشکی ببرد و مزدک
 گفت تو پسندش دہ تا من دعا کنم و امیدم واقع ست کہ یزدان مستجاب کند چون شب در آمد
 ہر چہ رفتہ بود قبا دبا نوشیروان بگفت نوشیروان بخندید و گفت چون سر ہفتہ بگذرد و ملک
 مزدک بخواند و او را بگوید کہ نوشیروان دوش خوابی دیدہ است و تبرسیدہ و باد ماہ بگاہ پیش
 من آمد و گفت در خواب چنین دیدم کہ آتشی عظیم قصد من کردی و من پناہی ہی جستمی شخصے
 سخت خوب پیش من آمدی من اورا گفتی این آتش از من چہ خواہد گفتی آتش با تو خشم دارد
 کہ تو او را دروغ زن کردی گفتم تو چہ میدانی گفت سروش را از ہمہ چیز آگاہی باشد از خواب
 در آمدم اکنون آتشکہ خواہد شد و چیزی مشک و عود و عنبر می برد تا بسوزد و وسہ روز

مرآتیش را خدمت کند و یزدان راستایش کند پس قبا و مزدک همچنین کرد و مزدک عظیم شاد گشت
 چون یک هفته ازین حدیث بگذشت نوشیروان پدر را گفت مزدک را بگو که نوشیروان با من
 گفت که مراد درست شد که این مذهب حق است و مزدک فرستاده یزدان است ولیکن می ترسم که
 مردمان بیشتر مخالف مذهب اند باید که براخروج کنند و تغلب ملک از ما بر نکاشکی بدانی
 که عدد مردم که در مذهب اند چند است و چه کسانی اند اگر قوتی دارند و بسیار اند من نیز در آیم و گرنه
 صبر کنم تا زور گیرند و بسیار شوند و هر چه ایشان را در باید از برگ و سلاح بدیم آنگاه بقوتی تمام این
 مذهب آشکارا کنم و پیشه و بقره مردم کنم اگر مزدک بگوید عدوی با بسیار شده است گوعد و را
 جریده بکن و اسامی ایشان بنویس تا هیچ کس نداند که من ندانم مزدک همچنین کرد و پیش قبا آورد و
 بشمره دو دوازده هزار مرد برآمد از شهری و لشکری قبا و گفت من از شب نوشیروان را بخوانم و
 جریده برا عرض کنم و نشان آنکه و درین مذهب آمد است که در حال بفرمایم تا کوس و بوق زنند
 و آواز ده چنان بیرون فگنم که چو تو بسرای خویش باشی و آواز بوق و دهل بشنوی بدانی که نوشیروان
 ایان آورد و چون مزدک باز گشت و شب درآمد قبا و نوشیروان را بخواند و جریده بوی نمود و
 گفت که با وی برین وجه نشان نهاده ام نوشیروان گفت سخت نیک آمد بفرمائی تا کوس زنند
 و فردا که مزدک را بینی بگو که نوشیروان تو ایان آورد و سبب آنکه مردم و جریده بدید اگر پنج هزار
 بودی کفایت نبود اکنون دوازده هزار مرد دارد باکی نبود اگر همه عالم خصم ما باشند چون هر سه
 با هم باشیم باک نیست چون پاسی از شب بگذشت مزدک بانگ کوس و بوق شنید خرم شد
 گفت نوشیروان بگریه و دیگر روز مزدک به بارگاه آمد قبا و هر چه نوشیروان گفته بود با مزدک گفت

مزدک شاد شد چون از بارگاه بازگشت قبا و بخلوت مزدک بخواند و نوشیروان بیاید و بسیار چیز از
 زر و ذرات پیش او نهاد و تبار کرد گشته اعدا خواست و از هر گونه تدبیر کرد و انداخته امر قرار بر آن افتاد
 که نوشیروان پدر را گفت تو خداگان جهانی و مزدک پیغمبر خداست پس سالاری این قوم بمن ده
 تا چنان کنم که در همه جهان کس نماند که این مذهب داشته باشد گفت فرمان تراست گفت
 تدبیر این کار آنست که مزدک بدین شهر با و نجاتها که بوی گردیده اند کس فرستد و گوید که زامروز
 تا سه ماه دور و نزدیک به فلان هفته بسرای ما گرد آیند و ما تدبیر برگ و ساز و سلج ایشان میکنم
 چنانکه هیچکس نداند که ما بچه مشغولیم و روز میعاد خوانی بنشد پیش مردم و طعام بخورند پس بسرای دیگر
 تحویل کنند و مجلس شراب آیند و هر یک هفت قبح شراب بخورند و پنجاه پنجاه میست بیست
 من بپوشانند و اسپ و ساز و سلج میدهند تا همه بخلعت پوشیده شوند پس هم درست خرمن کنیم
 و مذهب آشکار کنیم هر که در مذهب آید امان دهیم و هر که خلاف کند بکشیم قبا و مزدک گفتند
 صواب است هم برین اتفاق برخاستند.

مزدک همه جا با نامه کرد و دور و نزدیک را آگاه کرد باید که فلان روز همه بحضرت حاضر آیند تا همه
 بخلعت و ساز و سلج و اسپ آراسته شوند که اکنون کار بر او است و پادشاه پیش روست پس
 بر وعده هر دو اوده هزار مرد حاضر آمدند و بسرای پادشاه شدند خوانی دیدند نهاده که هرگز کس
 چنان ندیده بود قبا و تخت نبشت و مزدک بر کرسی و نوشیروان میان بسته ایستاد یعنی که
 من میزبانم و مزدک بس شادمان بود و نوشیروان هر یک را بر خوان می نشانند تا همگنان
 نشستند و نان بخوردند ازین سرای دران سرای دیگر شد و مجلس شراب دیدند که چنان هیچ

ندیده بودند قباد بر تخت نشست و مزدک بر کرسی و ایشان را همچنان بترتیب نشاندند و مطربان
 سماع برکشیدند بنواهای خوش و ساقیان شراب درآوردند چون دوری گشت غلامان و فرزان
 درآمدند مردی دو دست تختهای دیبا و لفافهای قصب بردست نهادند و پیش مجلس ایستادند
 زمانی پس نوشیروان گفت جامهای دران سرای برند که اینجا نبوده است تا بیستگان سیگان
 آنجامی آیند خلعت می پوشند و از اینجا میروند وی ایستند تا جمله پوشیده شوند آنگاه ملک و
 مزدک بامیدان آیند و چشم برافکنند و نظاره کنند پس در آن خانه باز کنند و سلاهبایارند و
 نوشیروان از پیش کس بدبها فرستاده بود و مردی سیصد حشر خواسته بود و بایلی که سرایها و باغها
 پاک کنند چون مردم از دهبایار آمدند و همه را در میان گردآورد و در استوار کرد پس ایشان را
 گفت خواه هم که امروز و شب بسیاری چاه درین میدان کنده باشند هر یکی مقدار یک گز و
 دو گز و خاک چاه هم اینجا بگذارید و در بانان را فرمود که چون این چاه کنده باشند همه باز دارند
 و نگذارند که کسی از ایشان نرود و شبانه مردی چهارصد را در سلاح کرده بود و در میدان در
 سرای پنهان داشته و گفته هر بیت و سی را که از آن مجلس در سرای فرستم شما ایشان را بدان
 دیگر میدان برید و هر یک را برهنه میکنید و سرور زیر چاه میکنید تا نبات و پیا باد و هوا و بخاک
 استوار میکنید چون جامه داران دران سرای شدند و دست اسپ با ساختن و سیم و
 سپر و کمر با و شمشیر با بر پیش آوردند نوشیروان فرمود که دران سرای برید و بروند پس
 بیستگان و سیگان بر میگرد و دران سرای میفرستاد و ایشان را بدان دیگر میدان می بردند
 و سرنگون در چاه میکردند و بخاک می انباشتند تا همه را برین علامت هلاک کردند آنکه

نو شیروان پیش پدر آمد و پدر مزدک را گفت ہمہ را بخلعت پوشانیدم و در میدان آریستہ
ایستادہ اند بر خیز و نظارہ کنی تا ہر کس زینتی ازین خوبتر ندیدہ اند تباد و مزدک ہر دو برخاستند و
دوران سرای شدند و از سرای بہ میدان شدند چون میدان آمدند نگاہ کردند ہمہ میدان
سر ترا سر پا دیدند و رہو نو شیروان رومی مزدک کرد و گفت لشکری را کہ پیش رو تو باشی
خلعت ایشان ازین بہتر تواند و تو آمدی کہ مال و تن ما ہمہ باد و ہی و بادشاہی از خانہ ما بروں
بری باش تا ترازیر خلعت فرایم و در میدان دو کانی بلند فرمودہ بود و چاہی بران و کان کندہ
فرمودہ تا مزدک را سرنگون درین چاہ کردند و بجا کہ برانپاشتند و گفت ای مزدک در گرویدگان
خود بگر و نظارہ میکش و پدر را گفت دیدی رای فرزانگان اکنون مصلحت تو درانت کیہ چندی
در خانہ نشینی تا مردم و لشکر بیا را مند کہ این فساد از سست رای تو برخاست پدر را در خانہ
نشانند و بفرمودہ تا مردم رو ستا کہ زہر چاہ کنند آمدہ بودند دست باز داشتند و در میدان
کشتادند تا مردم شہر و ولایت و لشکر درآمد و نظارہ کردند و نو شیروان پدر را بند بر نہاد و
بزرگان را بچواند و بچخت پادشاہی بنہشت و دست باد و دہش بر کشاد و این حکایت
از وی یادگار بماند تا خداوند عقل بخوانند و یاد گیرند۔

ترجمہ عبارت فارسی۔ یہ چند ابواب مخالفین مذہب اسلام کے خروج کی تاریخ میں لکھا ہوں تاکہ کافران
کو معلوم ہو جائے کہ دولت سلجوقیہ پرین کس قدر مہربان ہوں (خصوصاً خداوند عالم اور اس کے خاندان اور
اولاد پر) اور کس قدر اسکی خیر خواہی کا دم بھرتا ہوں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے آج تک ہر عہد میں خواجہ کا زور رہا ہے اور دنیا کے کسی کیسی

شہر سے انھوں نے بادشاہوں اور پیغمبروں پر خروج کیا ہے۔ اس گروہ سے زیادہ کوئی اسخوس اور بدکار نہیں سمجھا جاتا ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو اس سلطنت کے بدخواہ ہیں اور مذہب میں فساد اٹھانا چاہتے ہیں اور ہر وقت اسکے منتظر ہیں کہ سلطنت کو صدمہ پہونچے۔ اگر خدا نخواستہ دولت قاہرہ پر کوئی وقت پڑ جائے تو یہ سب ناپاک گھات سے متکلمر سلطنت پر حملہ ور ہونگے۔ اور جہاں تک ہوسکیگا فساد و بدعت اور قیقل قال میں کچھ اٹھانہ رکھیں گے۔ ظاہر میں اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اور باطن میں پورے کافر ہیں۔ خدا کی اُپر لعنت ہو جنکا باطن ظاہر کے خلاف اور جنکا قول عمل کے برعکس ہو، اسلام کے حق میں اُنسے زیادہ کوئی دشمن قابلِ نفرین نہیں ہے۔ اور نہ دولت سلجوقیہ کا کوئی اُنسے بڑھکر دشمن ہے۔ جو لوگ اس سلطنت میں کمزور ہیں اور فرمانبرداری کا دعویٰ کرتے ہیں وہ یہی ہیں اور اس گروہ سے میل جول کر کے اپنے بل پر انکو دعوت دیتے ہیں۔ اور خداوند عالم کو ابھارتے ہیں۔ کہ آل عباس کا خاندان مٹا دیا جائے۔ اگر میں اس طلسم کی پردہ کشائی کروں تو معلوم نہیں ہے کہ کیا کچھ رسوائی ہو؟ لیکن چونکہ اس مجمع سے مالی فائدہ ہوا ہے اسلئے میں چاہتا ہوں کہ انکی مالی کارگزاری دکھاؤں۔ ان لوگوں نے سلطان کو مال پر خرچ بننا رکھا ہے اور محکوم و عرض کتے ہیں گو میری نصیحت اسوقت نہ سنی جائے مگر انکا کمزور و فریب اسوقت کھل جائیگا کہ جب میں موجود ہوں گا۔ اور جب میری خیر خواہی کا اندازہ ہوسکیگا۔ اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ اس گروہ کے دریافت حال سے میں قائل نہیں رہا ہوں اور اکثر اوقات اس گروہ کے حالات عرض کرتا رہا ہوں۔ اور کبھی کوئی واقعہ چھپایا نہیں گیا ہے؛ البتہ جب میں نے دیکھا کہ میری عرضداشت قبول نہیں ہوتی ہے تب میں بھی چپ ہو رہا لیکن مہتمم باشان

سمجھ کر اس کتاب (میر الملوک) میں ایک عنوان قائم کرنا ہوں جسکے ملاحظہ سے معلوم ہو جائیگا کہ باطنیہ کون تھے؟ انکا مذہب کیا تھا؟ اور پہلے پہل وہ کمان ظاہر ہوئے؟ (دُائخون نے کئی مرتبہ سر اٹھایا ہے مگر ہمیشہ خداوند عالم نے انکی سرکوبی کر دی ہے) اور یہ تذکرہ میرے بعد یادگار رہیگا۔ باطنیہ فرقہ کا ملک شام، یمن، اندلس میں ظہور ہوا ہے اور دُائخون نے بڑی خوریزی کی ہے۔ لیکن یہ پوری تاریخ میں بیان نہ کرونگا۔ شائقین تاریخ کی طرف رجوع کریں خصوصاً تاریخ صفہان رحیمین پوری تفصیل موجود ہے اور جسقدر روایات ملک عجم میں ہوئے ہیں وہ بھی ایک فی صدی بیان کرونگا جس سے جناب عالی کو از ابتدا تا انتہا باطنیہ کی تاریخ معلوم ہو جائیگی۔

مزدک کے تاریخی حالات۔ دنیا میں سب سے پہلے جس نے مذہبِ مطلقہ کی بنیاد ڈالی وہ زرتشت عجم کا باشندہ "مزدک" تھا، اور جسکو لوگ "موبد موبدان" کہتے تھے چنانچہ ملک قبادین فیروز پر نور شیروان عادل کے زمانہ میں مزدک نے گبروں کے مذہب کو برباد کر کے ایک جدید مذہب کی سطح خواجہ نظام الملک نے جسقدر مزدک کے حالات لکھے ہیں اسپر کسی قدر حاشیہ لکھنے کی ضرورت ہے لہذا چند تاریخوں سے مختصر طور پر یہ ذیل لکھا جاتا ہے۔

ایران میں یکے بعد دیگرے جو مدعیانِ نبوت یا بانیانِ مذہب پیدا ہوئے ہیں ان میں مزدک بن نامازان سب سے اخیر شخص ہے۔ مورخوں کو انکی جلساسازی اور مکاری تسلیم ہے۔ تاہم طبقہ حکامین شمار کیا جاتا ہے۔ نیشاپور کا باشندہ تھا لیکن تکمیلِ علوم کے بعد دُائین میں چلا آیا تھا اور بعد قبادین اپنی نبوت کا اعلان کیا تھا۔ اُس نے اپنے تابعین پر مریدوں کی ہدایت کے واسطے ایک دستورِ اہل بنایا تھا جسکا نام "ویسناد" تھا اور سہل فارسی میں اسکا ترجمہ آئینِ شکیب ایک مرید نے کیا تھا۔

مزدک کا اہل مذہب رڈیکل اور سٹولٹ کے قریب قریب تھا۔ کیونکہ یورپ کے یہ خوفناک فرستے بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہر آدمی دوسرے آدمی کے مال اور ناموس پر کیسان اختیار رکھتا ہے اور اسی بنا پر مزدک کے مذہب میں زنا کچھ گناہ نہ تھا۔ باقی آئندہ

بنیاد ڈالنی چاہی۔ اور اس تحریک کا باعث یہ تھا کہ مزدک کو علم نجوم میں کمال تھا۔ اور سیاروں کی چال سے اس نے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ اس عہد میں ایک شخص ایسا پیدا ہونے والا ہے جس کا مذہب

(بقیہ صفحہ ۹۶) عقائد مزدک کا قول ہے کہ جان کے دو صانع ہیں ایک خیر کا فاعل ہے اور وہ نور محض ہے جس کا نام یزدان ہے۔ یہ سلاطین کی طرح کرسی پر بیٹھتا ہے۔ دوسرا شر کا فاعل ہے اور وہ ظلمت ہے۔ جسکو اہرمین کہتے ہیں۔ چنانچہ یزدان اور اہرمین ہر جود کی علت ہیں۔ نور کے تمام افعال اختیاری اور ظلمت کے اتفاقی ہیں۔ یزدان نے عقول، نفوس، آسمان، کوکب، بہشت، عناصر، معدن، اشجار، میوہ دار، حیوانات اور انسان کو پیدا کیا ہے۔

انگ کا جلانا، پانی کا کشتی کو ڈبو دینا، جانداروں کا لوہوں کی پست سے جل کر خاک سیاہ ہو جانا اور ہر قسم کی جسمانی تکلیف دینا غرض کہ اہرمین کی کروت اسی قسم کی ہیں۔ اور عالم عصری کی حکومت اُس کے ہاتھ میں ہے۔ اہرمین کی تمام مخلوقات فانی ہے۔ اور یزدان حیات جاودانی بختتا ہے۔ عبادت کا سزا اور صرت یزدان پاک ہے۔

مسئلہ قیامت میں مزدک کا قول ہے کہ جب ظلمت سے نور کے اجزا علیحدہ ہو جائیں گے اور پُرانی ترکیب بدل جائے گی، اس وقت قیامت آجائیگی۔

اس عالم میں (عالم فردین) یزدان کی چار قوتیں ہیں۔ اول بازگشا (قوت تیز) دوم یاد دہ (قوت حافظہ) سوم دان (قوت فہم) چہارم سورا دجبت و سرور اور ان قوتوں کا عملہ رآمد چار شخصوں کی ذات سے ہوتا ہے اور وہ یہ ہیں (۱) موبد موبدان (۲) ہیرید ہیریدان (۳) سپہبدان (۴) رامشکران۔ پھر ان چار طبقہ اعلیٰ کے سات رکن اور میں جو عزت و مرتبہ میں اسے کتر ہیں۔ یعنی سالار، پیشکار، بانو، دبیران، کاروان، دستور، کودک، پھر یہ سات ناظم ملکہ بارہ روحوں پر حکومت کرتے ہیں۔

خوشنہ، وہنہ، ستانہ، برنگہ، خواہنہ، دہنہ، پرنگہ، کشنہ، زندہ، آینہ، شوہ، یا بندہ۔ جب کسی انسان میں یہ تین قوتیں مجموعی طور پر جمع ہو جائیں تو عالم سفلی میں اُس کا نام پروردگار اور رب ہو اور وہ تمام تکالیف سے چھوٹ جاتا ہے گویا کمال کا یہ وہ درجہ ہے کہ جس مرتبہ پر پہنچا اس ذات کو دینی دیوتا، گاؤز، رب انواع وغیرہ سمجھنے لگتے ہیں (زند وستان اور یزدان بھی اسی قسم کے خیالات سے مالا مال ہے) جدال و قتال سے نوپزرا اور اہرمین خوش ہوتا ہے اور تمام مفاسد کی بنیاد زن اور زر سے (باقی آئندہ)

آتش پرستوں، یہودیوں، عیسائیوں اور بُت پرستوں کے مذہب کو باطل کر دیا اور اپنے معجزات اور طاقت سے مذہب کی اشاعت کر دیا اور اسکا مذہب قیامت تک باقی رہیگا۔ اسلئے مزدک کی تمنا تھی کہ وہ ہونے والا شخص میں خود ہی کیون نہ بجاؤں؟ لہذا اُسے غور کرنا شروع کیا کہ کیونکر لوگوں کو مذہب کی دعوت کروں اور ایک جدید مذہب ایجاد کروں۔ آخر کار اُس نے دیکھا تو بادشاہ کی مجلس میں اپنے تئیں معزز و محترم پایا اور یوں بھی سب اُسکو عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ کیونکہ پیغمبری کے دعوے سے پہلے از قبیل معاملات کسی نے اُسکی کوئی تقریر نہیں سنی تھی۔ اسلئے اُس نے اپنے علاموں کو حکم دیا کہ وہ ایک نفی جگہ سے سڑک لگائیں۔ چنانچہ انھوں نے آہستہ آہستہ اس کام کو ختم کر دیا اور ٹھیک آتشکدے کے نیچے پہونچ کر ایک ایک باریک سوراخ کر دیا اسکے بعد مزدک نے پیغمبری کا دعویٰ کیا۔ اور یہ اعلان کیا کہ میں اسلئے مبعوث ہوا ہوں کہ زروشت کے

بقیہ صفحہ ۹۷) اسلئے زور کی رضامندی کے واسطے عورتوں کو آزاد مطلق کر دینا چاہیے۔ اور جملہ آگ پانی خوراک وغیرہ میں نام آدمی شریک، جن سیطرہ مال میں بھی سب کا حصہ برابر ہونا چاہیے۔ مزدک نے گوشت خواری کو حرام کر دیا تھا۔ قباؤں کی وجہ سے اشاعت مذہب میں بڑی ترقی ہو گئی تھی۔ اور قبائل عرب میں خاص گوشین اسکی اشاعت کے واسطے کی گئی تھیں۔ چنانچہ حیرہ کا نامور سردار منذر بن ملکہ السہامی اپنی حکومت سے اسلئے معزول کر دیا گیا تھا کہ اُس نے مزدک کا مذہب قبول نہیں کیا تھا۔ مگر لوشیروان نے ہرچیز اور مشاہیر و بدوں کی رے سے مزدک کا قطعی امتیصال کر دیا۔ ایک لاکھ مزدکی صرف ایک دن میں قتل ہوئے۔ اور زروان و مائٹن کے مابین ہزاروں کو بھانسی دی گئی۔ اور کامل تسلط کے بعد عورتیں اصلی شوہروں کو واپس ہوئیں اور اسی طرح مال و اسباب بھی واپس ہوا۔ ازناسخ التواریخ جلد دوم صفحہ ۳۴۹-۳۵۱۔ و فرنگ انجن آراسے ناصر۔ مل و نخل شمرستانی صفحہ ۱۱۰۔ جزا اول مطبوعہ بمبئی ۱۳۱۳ھ و دبستان مذہب صفحہ ۴۴ مطبوعہ کلکتہ مل و نخل مطبوعہ مصر صفحہ ۴۰ حاشیہ (فصل)

مذہب کی تجدید کر دین کیونکہ لوگوں نے استوار زندہ کے معنی بھلا دیے ہیں اور یزدان کے حکام کی ٹھیک تعمیل مطابق ہدایت زردشت کے نہیں کرتے ہیں۔

سلسلہ زردشت منوچہر بن ایرج بن فریدون کی نسل سے ہے اور فردوسی کی روایت کے بموجب زردشت پیشین (مہاباد) تک اسکے نسب کا سلسلہ چلتا ہے۔ زرتشت زرتشت کے نام سے بھی مشہور ہے لیکن اصلی نام "سپستان" ہے زردشت کا باپ پورشسپ بن میتیرسپ آذر بائیجان کا باشندہ تھا۔ اور اسکی ماں خاندان فریدون سے تھی جسکا نام "دغدہ" یا "دغدہ" تھا۔ اور فرنگ میں زردشت کے معنی حبیل میں آؤدیہ اول "نفس کل" نفس ناطقہ عقل اول "فلک عطار" اور مجروح عقل فعال رب النوع راست گو، یزدان و نام حضرت ابراہیم و خضر و سیداری و پیغمبر مرگوبی، اور اہل عجم اپنے عقیدے کے مطابق اسکو اپنا پیغمبر کہتے ہیں۔ لیکن اسپین کوئی شبہ نہیں ہے کہ وہ اپنے زمانہ کا ایک مشہور حکیم تھا۔ اسے جو کتاب (بحال) کے آسمان سے اتری تھی اسکا نام آوستا تھا۔ یہ کتاب قدیم پہلوی میں تھی زردشت نے خود اسکا ترجمہ کیا اور اسکا نام پاژند رکھا اور دوسری کتاب کا نام زند (زندہ) تھا اسکے دو حصے ہیں جو احکام مطابق کتاب مہاباد کے ہیں اسکا نام زندہ ہے اور جو اسکے مخالف ہے اسکا نام کزہ ہے۔ اور انھی کتابوں کو وہ اپنے معجزے کے اظہار میں پیش کرتا تھا پھر جو بدو نے پاژند کی شرح لکھی جسکا نام پاروہ تھا۔ اور ایک دوسرے مہربن جسکا نام آذر پڑوہ تھا زند اور پاژند سے احکام انتخاب کر کے ایک کتاب (تہذیب) تیار کی اور اسکا نام "صند" رکھا جیسا کہ کسید کا قول ہے

زرتشت بگرچہ دین پرور است کہ در شہر عیش رہ از صد در است

جو سہی اس تمام سلسلہ کو آسمانی اور وحی الہی خیال کرتے تھے۔ یہ شرح الشرح تو سکندر کے ہاتھوں برباد ہو گئی لیکن آوستا اور زند اور پاژند کا سلسلہ جا بجا رہ گیا۔ اور وہی مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ آوستا میں کل ۲۱ سورتیں تھیں اور ہر سورت تقریباً چار چار سو صفحوں پر لکھی جاتی تھی۔ ان سورتوں میں سے ایک سورت کا نام جسترشت تھا۔ جبین دنیا کے آغاز اور انجام کا حال بیان کیا گیا ہے۔ ایک سورت کا نام ہاد و خست تھا جبین نضال اور پند تھا۔ چنانچہ مورخ مسعودی نے تصریح کی ہے کہ چوتھی صدی کے آغاز تک یہ کامل نسخہ موجود تھا۔ اور سیستان میں ایک شخص کو یہ کتاب تمام و کمال حفظ یاد تھی۔ آوستا کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا اور چوتھی صدی کی تصنیفات میں اس عربی ترجمے کے حوالے ہوتے تھے۔ (باقی آئندہ)

اور اُسکی مثال یہ ہے کہ جب بعض افراد بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احکام (جو تورات مقدس کے مطابق تھے) کے خلاف تعمیل کرنے لگے تب خدا نے انہیں دوسرا پیغمبر بھیجا۔ کہ وہ تورات مقدس کے احکام کی تجدید کرے اور مخلوق کو سیدھے راستے پر لے آئے۔ چنانچہ جب یہ صد قبا کے قانون تک پہنچی تب اسے دربار میں بزرگان قوم اور مقتدیانِ مذہب کو جمع کیا۔ اور سب کے سامنے مزدک سے اسطرح گفتگو شروع کی۔

قبا۔ کیا تو پیغمبری کا مدعی ہے؟ مزدک ہاں اور میں اسلیے بھیجا گیا ہوں کہ زردشت کے مذہب میں جو آمیزش ہو گئی ہے اُسکو صاف کر کے اصلی حالت پر لے آؤں۔ اور زند و اوستا کی صحیح تفسیر کروں۔ کیونکہ آج جن معانی پر علمدرا مہ ہے یہ تو بالکل غلط ہیں۔

قبا۔ کوئی بمعجزہ بھی رکھتے ہو؟ مزدک ”میرا معجزہ یہ ہے کہ اگلے جسکا تم سجدہ کرتے ہو وہ مجھے بائیں کرتی ہے۔ اگر میں خدا سے عرض کروں تو وہ آگ کو حکم دیگا کہ میری پیغمبری کی گواہی دے اور

بقیہ صفحہ ۹۹) گشتا پ کے چوتھے سن جلوس (مصلحہ برس قبل ولادت مسیح) میں زردشت حاضر بار بار ہوا اور متعدد تجارتات اور انعامات کے بعد گشتا پ ایمان لایا تھا۔ اور گورنٹ ایران کی مدد سے اشاعتِ مذہب میں ترقی ہوئی۔ علیٰ ہذا القیاس اسفندیار پسر گشتا پ کے عہد میں بھی زردشت کا عروج ہوا اور اطراف سلطنت میں آتشکدے بنائے گئے۔ چنانچہ آذربائیجان، بلخ، ارض ارمین، بعض ممالک یورپ، ہندوستان، روم، عرب، چین میں آتشکدے تیار ہو گئے صرف زابلستان اور سیستان کا حصہ چھوٹ گیا تھا۔ کیونکہ رستم پہلوان عقائد زردشتیہ کا سخت مخالف تھا۔ چنانچہ اسفندیار اور رستم کی باہمی عداوت اور جنگ و جدل کا یہ بھی ایک سبب ہے۔ مشہور برس کی عمر میں ہنگامہ ارجاسپ میں ”تور برا تور“ ایک تورانی پہلوان کے نیزہ سے زخمی ہو کر فوت ہوا۔ انتخاب ازوبستان مذہب صفحہ ۱۰۲-۱۲۳ مطبوعہ کلکتہ مل و نعل شہستانی صفحہ ۱۱۳ مطبوعہ مصر حاشیہ الفصل (صفحہ ۷۷) سفر نامہ ایران میرزا فرحت شیرازی صفحہ ۲۰۲ تا ۲۰۳ گنج دانش تحقیق بلخ صفحہ ۱۳۲-۱۳۱ رسائل شبلی نعمانی صفحہ ۲۴۴

یہ شہادت علی رؤس الاشہاد ہوگی، مزدک کا یہ دعویٰ سنکر قباد نے موبدون سے پوچھا کہ اس مسئلہ میں تم کیا کہتے ہو؟ موبدون نے کہا کہ ”سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ مزدک ہمارے ہی دین اور کتاب کی دعوت کرتا ہے اور زردشت کا مخالف نہیں ہے۔ البتہ زندا اور آستا کی تفسیر میں گفتگو ہے کیونکہ اکثر تینوں کی مثل طرح سے تفسیر ہو سکتی ہے اور مفسر کو تاویل کرنیکا اختیار ہے۔ اور یہ ہو سکتا ہے کہ مزدک کسی آیت کی تفسیر و کش پیرایہ سے کرے لیکن تعجب تو یہ ہے کہ وہ ہمارے مہجود کو گویا کر سکتا ہے جو انسان کی قدرت سے باہر ہے۔“ موبدون کی تقریر سنکر قباد نے مزدک سے کہا کہ ”اگر یہ سچ ہے تو میں خود تیری پیغمبری کی گواہی دوں گا۔“ مزدک نے کہا کہ ”اگر شاہنشاہ پورا وعدہ کرے اور کسی دن آتشکدے پر مع اعیان دولت اور موبدون کے قدم رنجہ فرمائے تو میری دعا سے خداے عزوجل آگ کو گویا کر دیگا۔ اور اگر شاہنشاہ کو منظور ہو تو یہ آج ہی بلکہ سی وقت ہو سکتا ہے۔“ لیکن قباد نے کہا کہ ہم سب کل آتشکدے پر جمع ہو گئے۔ دوسرے دن مزدک نے اپنے تعلیم یافتہ مرید کو مہرنگ کے راستے سے آتشکدے کے نیچے بھیج دیا۔ اور اسکو سمجھا دیا کہ جب میں بلند آواز سے یزدان کو پکاروں تب تو وزن کے نیچے سے جواب دینا کہ ”اے یزدان پرستو! مزدک کے احکام کی تعمیل کرو کیونکہ تمہارے حق میں سعادت دیرین یہی ہے۔“ چنانچہ دوسرے دن شاہنشاہ قباد اکابرین مذہب اور مغرین کے ہمراہ آتشکدے پر گیا اور مزدک کو بھی بلا بھیجا وہ حاضر ہوا اور آتشکدے کے دروازے پر کھڑے ہو کر اُسے اونچی آواز سے یزدان کو پکارا اور زردشت کی تعریف کر کے خاموش ہو رہا۔ چنانچہ آتشکدے سے مہرئی ندا آئی جسکو میں ازل و بان کرچکا ہوں جسکو سب نے اپنے کانوں سے سنا اور حیرت زدہ رہ گئے۔ اور قباد نے ارادہ کر لیا کہ

مزدک کا پیرو ہو جائے۔ غرضکہ آتشکدے سے لوٹ کر قباد نے مزدک کو طلب کیا اور پھر آہستہ آہستہ سکا درجہ بڑھایا۔ اور آخر کو مذہب مزدکیہ میں داخل ہو گیا۔ اور مزدک کے واسطے ایک طلا کا رکرسی بنوائی گئی جب دربار عام ہوتا تو تخت پر وہ مصع کرسی بچھائی جاتی اور اُس پر مزدک جلوہ فرما ہوتا اس موقع پر مزدک قباد سے بلندی پر بیٹھتا تھا۔ اب کچھ دلی ارادت سے اور کتنی ہی شاہنشاہ عجم کی خاطر سے مذہب مزدکیہ میں داخل ہوتے جاتے تھے۔ اور شہر و دیہات کی خلعتِ سلطنت میں آکر علانیہ یا خفیہ طور سے دائرہ مزدکیہ میں شامل ہوتی جاتی تھی۔ مگر فوجی سپاہی کم متوجہ ہوتے تھے۔ اور سلطنت کے دباؤ کی وجہ سے کچھ کچھ بھی نہیں سکتے تھے۔ اور موبدون کا گروہ بھی اب تک الگ تھا اور اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ دیکھیے زند و استا سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ اور چونکہ خود بادشاہ نے مذہب مزدکیہ اختیار کر لیا تھا۔ اس وجہ سے جوق جوق لوگ اس مذہب کو قبول کر کے ایک دوسرے کے مال و دولت پر قابض ہوتے جاتے تھے۔ مزدک کا قول تھا کہ "دولت میں سب کا حصہ ہے" اور ویل اس بات پر یہ تھی کہ سب اس کے بندے ہیں۔ اور ایک ہی آدم کی اولاد ہیں، پھر وہ کیوں محتاج رہیں؟ سب کو چاہیے کہ مل جل کر صرف کریں۔ تاکہ کوئی محتاج نہ ہو۔ اور سب کی حالت یکساں رہے۔ جب قباد نے تقسیم دولت کے مسئلہ کو تسلیم کر لیا اور اُس کے عملدرآمد پر رضامند ہو گیا۔ تب مزدک نے اعلان کیا کہ عورتوں کو بھی سکے رائج سمجھو اور باہمی ملاقاتوں سے میل جل پیدا کرو تاکہ لذت شہوانی اور خواہشات دنیاوی سے محروم نہ رہو۔ اور باپ مراد سب کے یکساں کھلا رہے۔ غرضکہ صرف زن اور زر کی اباحت سے مذہب مزدکیہ میں اکثر لوگ داخل ہوتے جاتے تھے خصوصاً عوام الناس۔

جب نوشیروان نے یہ رنگ دیکھا تو موبدون کو پیغام دیا کہ تم لوگ اس قدر خاموش کیوں ہو گئے ہو اور کیوں ایسا عجز اختیار کر لیا ہے۔ مزدک کے معاملات میں نہ تو تم کچھ گفتگو کرتے ہو اور نہ میسے باپ کو نصیحت کرتے ہو کہ وہ کن حالوں میں گرفتار ہو رہا ہے؟ اور تم خود بھی اس مکار اور جعل ساز کے پھندے میں پھنسے ہو۔ یہ سب ناپاک لوگوں کا مال تلف کیے ڈالتا ہے اور عورتوں کی غفلت کا پردہ اٹھا دیتا ہے آخر کچھ بولو کہ مزدک کے یہ دعوے کس بنیاد پر ہیں؟ اور اگر ایک عرصے تک تم ایسے چپ سادھے بیٹھے رہے تو یاد رکھو کہ مال و دولت کے ساتھ تمھاری عورتیں بھی تشریف لیجاؤ گی۔ اور ہمارے خاندان سے سلطنت رخصت ہوگی۔ لہذا تم سب شاہنشاہ کی حضور میں جاؤ اور واقعات دکھلا کر نصیحت کرو اور مزدک سے مناظرہ کر دیکھو کہ وہ کیا دلائل پیش کرتا ہے اور ملک کے نامور لوگوں سے یہ کہلا بھیجا کہ میرا باپ سودا فی ہو گیا ہے اور اسکی عقل جاتی رہی ہے وہ اپنے بھلے کو بھی نہیں جانتا ہے لہذا آپ اسکا علاج کیجیے تاکہ وہ مزدک کے کئے سننے پر عمل نہ کرے۔ اور آپ بھی اسکی باتوں پر فریفتہ نہ ہو جائیں کیونکہ وہ سچائی پر نہیں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حق کے مقابل میں باطل کو بقائ نہیں ہے۔ اور اگر آج غفلت ہوئی تو کل کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

نوشیروان کا پیام سنکر بزرگان قوم خوف زدہ ہو گئے اور جو لوگ جدید مذہب اختیار کرنے والے تھے وہ رک گئے۔ کہ آؤ دیکھیں مزدک کہاں تک عروج پا تا ہے اور نوشیروان کے اتوال کس بنیاد پر ہیں (اسوقت نوشیروان کی عمر ۶۱ برس کی تھی) اور قباصے بالاتفاق کہا کہ مزدک کی باتیں تو بھوکو نہایت ہی بُری معلوم ہوتی ہیں کیونکہ وہ جو کچھ کہتا ہے۔ زمانہ سلف سے آج تک نہ تو ہننے کسی تاریخ میں پڑھا ہے اور نہ کسی پیغمبر سے (جو ملک شام میں مبعوث ہوئے ہیں) اسنا ہے۔ اس کے جواب میں

قبائے نے کہا کہ اچھا مزدک سے تم خود پوچھ دیکھو وہ کیا کہتا ہے؟ چنانچہ مزدک طلب ہوا اور اُس سے سوال کیا گیا کہ اپنے قول و فعل پر جو دلائل رکھتے ہو بیان کر دو۔ مزدک نے کہا کہ ”دزد و دشت“ نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ اور یہی ژند و استا میں لکھا ہے لیکن ان آیتوں کے معنی سے لوگ واقف نہیں ہیں اگر میری بات پر اعتبار نہیں ہے تو آگ سے تصدیق کر لو۔ چنانچہ آتشکدے پر پھر مجمع ہوا اور آواز اُٹائی کہ حق ہی ہے جو مزدک کہتا ہے نہ یہ کہ جو تم کہتے ہو۔ غرض کہ اس مرتبہ بھی موبد شرمندہ ہو کر لوٹ آئے اور دوسرے دن نوشیروان سے حال بیان کیا۔ نوشیروان نے کہا ”مزدک کا دعویٰ ہے کہ اُس کا مذہب تمام اصول میں زردشت کے مذہب کے مطابق ہے البتہ صرف انھیں دو مسلمان میں درزن“ ایک عرصہ کے بعد قباد اور مزدک میں پھر گفتگو شروع ہوئی جسکی ابتدا یوں ہوئی کہ مزدک کی زبان سے نکلا کہ اس مذہب میں بطیب خاطر لوگ داخل ہوتے جاتے ہیں۔ اور اگر کہیں شاہزادہ نوشیروان بھی شامل ہو جائے تو پھر کیا کہنا تھا۔ یہ سنکر قباد نے پوچھا کہ کیا نوشیروان اس مذہب میں نہیں ہے؟ مزدک نے کہا کہ نہیں۔ چنانچہ نوشیروان فوراً طلب ہوا اور باب بیون میں اُطرح پر گفتگو شروع ہوئی۔

قباد نے جان پد کیا تو مزدک کا یہ روئین؟ نوشیروان۔ خدا کا شکر ہے کہ میں نہیں ہوں۔

قباد۔ آخر اسکا باعث؟ نوشیروان۔ مزدک ساری خدائی کا جھوٹا اور مکار شخص ہے۔

قباد۔ جو شخص آگ کو گویا کرتا ہے وہ مکار کیونکر ہو سکتا ہے؟ نوشیروان۔ اصل میں خاک باد آتش چار عنصر ہیں جو شخص آگ کو گویا کرتا ہے اسکو حکم دیجیے کہ وہ بقیہ عناصر کو بھی گویا کر دے۔ اگر ایسا ہوا تو میں اُسکا دل و جان سے مقلد ہو جاؤں گا۔

قباد۔ مزدک کا ہر قول ژند و استا کے مطابق ہے۔ نوشیروان۔ کیا یہ مزدک کا قول نہیں ہے

کہ لوگوں کی عورتیں اور دولت سب پر مباح ہیں۔ عہد زردشت سے آج تک کسی مفسر نے یہ تفسیر نہیں کی ہے۔ مذہب کو حصولِ زراور زن کے لیے ایک آلہ بنالیا ہے اور جبکہ یہ دونوں چیزیں مباح کر دی گئیں تو پھر انسان اور حیوان میں فرق ہی کیا باقی رہا؟ اور یہ چلن بھی چوپایوں کا ہے کہ وہ خورد و نوش.... مین یکسان ہیں۔ اور کوئی سمجھدار آدمی اس طرح کی زندگی کو پسند نہیں کرتا ہے۔ قبا و شیروان باتوں کو جانے دو کسی بیٹے کو اپنے باپ کے خلاف نہونا چاہیے؟ نوشیروان یہ چلن مین نے آپ ہی سے سیکھا ہے میری طبیعت ہرگز ایسی نہ تھی۔ لیکن جب مین نے دیکھا کہ آپ اپنے باپ کے خلاف ہوئے تو مین نے بھی آپ کی مخالفت کی۔ اب مین مجبور ہوں۔“

جب یہ سلسلہ کلام یہاں تک پہنچا تو مزدک اور قبا و شیروان سے کہا کہ ”یا تو کوئی ایسی دلیل پیش کرو جس سے مذہبِ مزدکیہ کا پورا رد ہو جائے یا کسی ایسے شخص کو لاؤ جسکی حجتِ مزدک سے زیادہ پر زور ہو۔ ورنہ ایسی سزا دوں گا جس سے دوسروں کو عبرت ہوگی“ چنانچہ تمام حجت کے لیے نوشیروان نے چالیس دن کی ہملت مانگی اور وہ درخواست منظور ہو گئی۔ جب مجمع منتشر ہو گیا اور نوشیروان قبا و شیروان سے رخصت ہو کر واپس آیا تو اُسے شہر کوٹل کے مؤبد کی خدمت میں ایک قاصد روانہ کیا اور خط میں لکھا کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے آپ تشریف لائیں۔ کیونکہ مجھے اور والد ماجد سے اور مزدک سے اس قسم کا جھگڑا درپیش ہے۔ چنانچہ انقضاے میعاد پر قبا و شیروان دربار کیا اور مزدک

سے گولہ بھڑکھڑی فارس کا ایک مشہور قصبہ ہے۔ انجمن آراءے ناصری۔

سے مؤبد پیشوے دینِ زردان پرستان اس لفظ کے معنی حکیم اور دانائے مین ہیں۔ اصل مین یہ لفظ مؤبد تھا۔ یعنی مخون کا سہارا اور سالار محفٹ ہو کر مؤبد ہوا۔ عربی مین اس کا ترجمہ ”اعلم العلماء“ ہے۔ انجمن آراءے ناصری و گنج دانش۔

درباری کرسی پر جو ایک تخت پر بھی ہوئی تھی بیٹھنے کا حکم دیا۔ نوشیروان بھی بلایا گیا۔ اور مزدک کے حکم سے قباد نے پوچھا کیا جواب ہے؟ نوشیروان نے کہا کہ اسی تدبیر میں ہونے پر قباد نے کہا کہ وقت ہو چکا اور مزدک نے حکم دیدیا کہ نوشیروان کو گرفتار کر کے قتل کر دو۔ چنانچہ لوگ نوشیروان سے لپٹ گئے اور قباد خاموش ہو رہا۔ نوشیروان نے قباد سے جھلا کر کہا کہ میرے قتل میں آخر اس قدر جلدی کیوں کی جاتی ہے جبکہ ایفاے وعدہ کی مدت بھی پوری نہیں ہوئی ہے۔ کیونکہ چالیسواں دن ابھی نہیں گزرا ہے۔ اگر آج کا دن بھی پورا ہو جائے تب البتہ آپ کو اختیار ہے۔ اس پر سرداران فوج اور موبدون نے بھی غل مچایا کہ ان ان نوشیروان سچ کہتا ہے چنانچہ قباد کے حکم سے آج نوشیروان مزدک کے کھنگل سے چھوٹ گیا۔ جس وقت نوشیروان مکان پر پہنچا ہے اسی وقت شہر کوئل کا موب بھی آپہنچا اور ناقہ سے اتر کر اطلاع کرائی کہ موبد فارسی آگیا ہے خامدوم سے یہ خوشخبری سن کر نوشیروان باہر نکل آیا۔ اور جوش مسرت سے موبد کے لپٹ گیا۔ اور کہا کہ ”آپ سمجھیں گویا میں نے آج ہی جنم لیا ہے پھر صبح کا واقعہ بیان کیا۔ موبد نے کہا آپ اطمینان کھیں سچ وہی ہے جیسا کہ آپ کہتے ہیں اور مزدک خطا پر ہے۔ میں آپ کی طرف سے ہر طرح کی جواب دہی کرونگا اور قباد کو عائد مذکیہ سے خوف کرونگا لیکن قبل اسکے کہ مزدک کو میرا نام معلوم ہو میں بادشاہ سے ملنا چاہتا ہوں۔“ نوشیروان نے کہا کہ یہ معمولی بات ہے۔ اور مجلس میں حاضر ہو کر نوشیروان سے ملاقات کی اجازت چاہی۔ اور حضور میں پہنچ کر بعد دعا و ثنا کے عرض کیا کہ جس موبد کو میں نے فارس سے مزدک کے مقابلہ کے لیے طلب کیا تھا وہ آگیا ہے لیکن پہلے وہ شام نشاد سے ملنا چاہتا ہے کہ تخلیہ میں ملے شام میں کھا کر کس موبد کا نام ”تھراؤ“ تھا اور نوشیروان نے مباحثہ کے واسطے پانچ مہینہ کی مہلت لی تھی۔

اسکی تقریر سنی جائے۔ چنانچہ قباد نے حاضری کی اجازت دیدی اور شب کے وقت نوشیروان موبد کو لیکر حاضر ہوا موبد نے بعد معمولی مرح و ثنا کی قباد کے روبرو اس طرح پر تقریر شروع کی کہ مزدک مغالہ میں پڑا ہوا ہے وہ اس کام کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے میں تو اسکو خوب جانتا ہوں اور اسکی عقل و دانش سے بھی واقف ہوں۔ ان وہ کسی قدر نجوم جانتا ہے۔ مگر اس معاملہ میں جو حکم اُس نے لگا ہے وہ غلط ہے البتہ وہ زمانہ قریب آگیا ہے کہ ایک شخص ظاہر ہوگا اور پیغمبری کا دعویٰ کرے گا۔ اور وہ ایک معجز کتاب بھی پیش کرے گا۔ اور طرح طرح کے معجزے بھی دکھلائے گا۔ اہتاب کو آسمان پر دو ٹکڑے کر دیگا اور تمام دنیا کو سچے مذہب کی دعوت کرے گا۔ اور اُسکا مذہب پاکیزہ ہوگا۔ آتش پرستی وغیرہ کو مٹا دیگا۔ دوزخ سے ڈرائے گا اور جنت کا امیدوار بنائے گا۔ اسکی شریعت مال و حرم کی محافظ ہوگی۔ وہ بندگان خدا کو شیطان سے بچائے گا۔ اسکی فرشتوں سے دوستی ہوگی۔ وہ آنشکد و ن تیکد و ن کو ویران کر دیگا۔ اُسکا مذہب ساری دنیا میں پھیل جائے گا۔ اور قیامت تک باقی رہے گا۔ زمین و آسمان اسکی دعوت کی تصدیق کریں گے۔ مزدک کو اب یہ دھن سوار ہوئی ہے کہ وہ آنے والا پیغمبر میں خود بخاؤں۔ مگر یہ نہیں جانتا ہے کہ وہ عجم کی خاک سے پیدا ہوگا۔ اور مزدک عجمی الاصل ہے۔ اور وہ پیغمبر آتش پرستی سے منع کرے گا۔ اور زردشت کا منکر ہوگا۔ مگر مزدک زردشت کا پیرو ہے اور آتش پرستی کو جائز رکھتا ہے۔ وہ پیغمبر کبھی یہ اجازت نہ دیگا کہ لوگ پرانی عورتیں تکیں یا تاحی کسی کا مال چھین لیں۔ وہ چوری کی حالت میں اُٹھ کاٹنے کا حکم دیگا۔ حالانکہ مذہب مزدکیہ میں زن اور زربس پر مباح کر دیے گئے ہیں۔ اُس پیغمبر پر آسمان سے وحی نازل ہوگی۔ اور مزدک کا یہ حال ہے کہ وہ آگ سے اپنی تصدیق کرتا ہے۔ بطل

۱۔ اس موبد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی نسبت جس قدر پیشین گوئیوں کی ہیں (باقی آئندہ)

مذہب مزدکیہ ایک بے بنیاد چیز ہے۔ اور کل شاہنشاہ خود ملاحظہ کریگا کہ مین اُسکو کیسا سوا کرتا ہوں مزدک چاہتا ہے کہ سلطنت آپ کے خاندان سے دوسرے خاندان میں چلی جائے اور شاہی سوا کو خود اس کے لئے کرے۔ اور آپ کو ایک معمولی شخص کے برابر کر دے اور خود بادشاہ بن جائے۔ چنانچہ قبا کو موبد کی تقریر پسند آئی دوسرے دن دربار منعقد ہوا۔ مزدک کرسی زر نگار پر بیٹھا اور نو شیر وان تخت کے سامنے کھڑا ہوا۔ سرداران قوم اور علمائے ملت بھی موجود تھے۔ اس وقت فارس کے موبد نے مزدک سے پوچھا کہ ”ابتدا کلام کی میری جانب سے ہوگی یا تمھاری؟“ مزدک نے کہا نہیں ابتدا آپ کی جانب سے ہونی چاہیے مین تو جواب دینے والا ہوں۔ یہ سنکر موبد نے کہا کہ آپ میری جگہ کھڑے ہوں اور مین آپ کی جگہ بیٹھوں۔ یہ سنکر مزدک شرمندہ ہوا اور یہ لکھر چپ ہو کر مین شاہی حکم سے اس جگہ بیٹھا ہوں آپ سوال کریں مین جواب دوں گا۔ چنانچہ فریقین مین اس طرح پر گفتگو شروع ہوئی۔

موبد۔ آپ نے اپنی دولت کو سب پر مباح کر دیا ہے اور اس دنیا میں جو لوگ سرسے پہلے آتشکدے بناتے ہیں یا خیرات کرتے ہیں کیا یہ عالم آخرت کے واسطے نہیں کرتے ہیں؟ مزدک ان میرا تو ایسا ہی خیال ہے۔

موبد جب دولت مشترک ٹھہری تو خیرات کا ثواب کسکو ہوگا (مزدک نے کوئی جواب نہیں دیا)

بقیہ صفحہ ۱۰۷ گویا یہ وہ اقوال ہیں جو اس وقت کے کاتبین اور مخبرین میں مشہور ہو چکے تھے۔ اور عجم کی قدیم تاریخ سے ثابت ہے کہ اس زمانہ میں تمام فارس اور اطراف عرب اور اُس کے متصلہ ممالک میں ایک عام چینی ہو رہی تھی اور زوال سلطنت فارس اور عربوں کی نحوحات پر تمام تجوی متفق تھے حمزہ جہنمائی نے تاریخ ملوک الارض میں اسکی کیفیت تصریح کی ہے دیکھو باب دہم فصل چہارم صفحہ ۳۴۱ مطبوعہ کلکتہ ۱۲۶۷ھ

موبد یہ بادشاہ جو اس وقت تخت پر بیٹھا ہوا ہے حقیقت میں بادشاہ ہے اور شاہ فیروز کا بیٹا ہے اور
سلطنت وراثت میں پائی ہے اور یہی حال فیروز کا بھی تھا۔ اب اگر بادشاہ یکم سے دس مرد.....
کرین اور فردمیدامو تو وہ کسکا سمجھا جائیگا اور جب بادشاہ کی نسل منقطع ہو جائیگی تو پھر کوئی اولاد
بھی نہوگی بڑائی چھوٹائی (مہتری کتہری) کا حقیقت میں دولت مند سی اور غلشی سے مقابلہ ہوا کرتا ہے۔
جب کوئی محتاج ہوگا تو اسکو ضرورتاً مالدار کی خدمت اور مزدوری کرنا پڑیگی۔ اور جب مال مباح
ہو جائیگا تو پھر یہ رشتہ دنیا میں باقی نہ رہیگا اب آپ کا یہ ارادہ ہے کہ شاہنشاہ عجم کے خاندان
سلطنت کا استیصال کر دیا جائے مزدک نے کوئی جواب نہیں دیا

قباء و مزدک سے مخاطب ہو کر موبد کے ہر سوال کا جواب دینا چاہیے مزدک اسکا جواب یہی
کہ آپ موبد کے قتل کا حکم صادر فرمائیں۔

قباء و بغیر حجت کسی کی گردن نہیں کاٹنا چاہیے مزدک اچھا میں بطور خود کوئی حکم دینا نہیں
چاہتا ہوں آگ سے پوچھتا ہوں۔ اس تقریب سے سب لوگ خوش ہوئے کیونکہ آج نوشیروان کی جان
بچ گئی اور مزدک قباء سے رنجیدہ ہو گیا۔ کیونکہ اس کے حکم سے قباء نے موبد کو قتل نہیں کرایا۔ اور اپنے
دل کو یوں سمجھا لیا کہ آج تو جان بچاؤ میرے قبضے میں کثرت لوگ ہیں کوئی ایسی تدبیر کرتا ہوں کہ جس سے
قباء کا خاتمہ ہی ہو جائیگا۔ اور نوشیروان وغیرہ کو اس پر آمادہ کیا کہ کل آتشکدے پر جمع ہو۔ چنانچہ سب
اس پر اتفاق ہو گیا اور دربار برخواست ہوا۔

جب رات ہو گئی تو مزدک نے اپنے راہبوں کو بلایا اور انعام و گیر آئینہ سپہ سالاری کا امیدوار کیا
اور انکو قسم دی کہ خبردار کسی سے یہ حال نہ کہنا۔ اور دو تلواریں ان کے سپرد کیں اور کہا کہ جب

آتشکدے پر قباد مع موبد اور سردارانِ فوج کے پہنچ جائے اور آگ قباد کے قتل کا حکم اُسوقت
 تم دونوں فوراً تلواریں کھینچ کر قباد کا خاتمہ کر دینا کیونکہ کوئی شخص تلواریں لیکر نہ جائیگا۔ دونوں نے
 اقرار کیا اور رخصت ہو گئے۔ دوسرے دن آتشکدے پر جمع ہوا۔ اُسوقت موبد فارسی نے نو شیروان
 کہا کہ اپنے ملازمین میں سے خاص دس آدمیوں کو حکم دو کہ وہ اپنے لباس میں تلواریں چھپا کر کھلیں۔
 اور مزدک کا قاعدہ تھا کہ جب وہ آتشکدے پر جاتا تھا تو اول اپنے غلاموں کو وہ الفاظ سکھا دیتا تھا جو کہلانا
 مقصود ہوتا تھا۔ چنانچہ آج بھی ایسا ہی انتظام کر کے روانہ ہوا تھا۔ جب آتشکدے پر پہنچ گئے تو مزدک نے
 موبد سے کہا کہ دل آپ آگ سے بائیں کیجیے۔ موبد نے کچھ پوچھا مگر جواب نہ ملا تب مزدک نے کہا کہ دل
 آگ میری سچائی پر گواہی دے اور ہم میں جھگڑا درپیش ہے اُسکا فیصلہ کر۔ چنانچہ آتشکدے سے آواز آئی
 کہ مجھ میں کل سے ضعف پیدا ہو گیا ہے اول جھگڑا قباد کا دل دھجکھلاؤ تب میں فیصلہ کر سکتی ہوں اور مزدک
 تھا را رہنما ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس دنیا میں تمھارے لیے راحت جاودانی کا سامان کرے۔
 یہ سنکر مزدک نے کہا کہ آگ کو قوت دینا چاہیے اور دواؤ آدمی فوراً تلواریں تول کر قباد پر ٹوٹ پڑے۔
 اُسوقت موبد نے نو شیروان سے کہا کہ اپنے باپ کی خبر لے۔ چنانچہ نو شیروان کے دس آدمی تلواریں
 سونت کر انکے مقابل پر کھڑے ہو گئے اور قباد کو بچا دیا۔ لیکن مزدک یہی بکے گیا کہ آگ یزدان کے حکم
 سے گویا ہے اُسوقت آتشکدے پر دو گروہ ہو گئے تھے۔ بعض چاہتے تھے کہ قباد کو زندہ یا مردہ
 آگ میں جھونک دیں اور بعض کہتے تھے کہ نہیں ابھی تال کرنا چاہیے۔ غرض کہ شام کو سب لوٹ آئے
 قباد نے کہا کہ شاید مجھے کوئی گناہ ہو گیا ہے جسکے سبب سے آگ مجھے ایندھن بنانا چاہتی ہے یہی
 صورت میں جل جانا عذابِ آخرت سے بدرجہا بہتر ہے۔

اس واقعہ کے بعد دوسری مرتبہ موبد نے قباد سے پھر غلیہ کی ملاقات کی اور بادشاہ ہون اور موبدان کا تذکرہ کیا اور ان کے حالات سے یہ ثابت کیا کہ مزدک پیغمبر نہیں ہے بلکہ سلاطین کا دشمن ہے۔ جنگی دلیل یہ ہے کہ اول اُسے نوشیروان پر حملہ کیا جب کامیاب نہ ہوا تو آپ کے خون کا پیسا ہوا۔ اگرچہ سننے پہلے سے اسکا بندوبست نہ کر لیا ہوتا تو آج آپ اسے گئے ہوتے۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ سچ مچ آگ سے آوازاُتی ہے۔ مین ایک تدبیر سے اس طلسم کی پردہ کشائی کرتا ہوں اور یہ باور کر لے دیتا ہوں کہ آگ کسی سے آئین نہیں کرتی ہے، اور آخر کار موبد نے قباد کو باور کرایا جس سے وہ اپنے افعال پر شرمندہ ہوا۔ موبد نے قباد سے یہ بھی کہا کہ آپ نوشیروان کو نادان بچہ سمجھیں۔ وہ ساری دنیا پر حکومت کر سکتا ہے۔ آپ کو اسکی رلے سے انحراف نہ کرنا چاہیے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ خاندان ساسان میں سلطنت باقی رہے تو مزدک کی باتوں پر دل نہ لگنا چاہیے اور نوشیروان سے کہا کہ کسی تدبیر سے مزدک کے خدمتگار کو لانا چاہیے اور اسکو لالچ دیکر آگ کا حال پوچھنا چاہیے تاکہ آپ کے باپ کے دل سے سارے شبہ مٹ جائیں، چنانچہ نوشیروان کو ایک شخص مل گیا جس نے مزدک کے خدمتگار سے دوستی پیدا کر کے اسکو نوشیروان تک پہنچا دیا۔ نوشیروان نے خلوت میں بلا کر کمیز اور دینار اس کے سامنے رکھ دیے اور کہا کہ آج سے تو میرا دوست اور بھائی ہے مجھ سے جہاں تک ہو سکیگا تیرے حق میں بھلائی کروں گا۔ اسوقت میں ایک بات پوچھتا ہوں۔ اگر سچ کہدیا تو یہ انعام تمھارا اور میں تمکو اپنا مصاحب بنا لوں گا اور اگر جھوٹ کہا تو یاد رکھو کہ نہ ہوگا خدمتگار ڈر گیا اور کہا اگرچہ میں سچ بیان کروں تو کیا آپ وعدہ پورا کریں گے؟ نوشیروان نے کہا کہ ہاں پورا کر دوں گا تب نوشیروان نے کہا کہ اچھا بتاؤ یہ کیا حیلہ ہے کہ مزدک سے آگ بائیں کرتی ہے؟ خدمتگار نے راز کے پوشیدہ رکھنے کا

اقرار لے لیا اور کہا کہ آتشکدے کے قریب ایک قطعہ راضی ہے جسکے چاروں طرف بلند دیوار
 کچی ہے اور ایک چھوٹا سا سورخ آتشکدے کی جانب کر لیا ہے۔ جب مزدک وہاں کسکے پھنچتا ہے
 تو وہ الفاظ سکھاتا ہے اور وہ شخص سورخ پر منہ رکھ کر باتیں کرتا ہے سننے والے جانتے ہیں کہ
 آگ باتیں کرتی ہے یہ سن کر نو شیروان خوش ہو گیا اور اسکو واقعہ سچا معلوم ہوا ہزار دینار کا صلہ
 خد متکار کو دیا۔ اور رات کے وقت قباد کے روبرو سارا حال کھلا دیا۔ قباد کو مزدک کی مکاری
 اور اس دلیری پر سخت تعجب ہوا اور اس کے دل سے سارے شکوک مٹ گئے۔ اور موبد کی بہت
 تعریف کی۔ موبد نے کہا کہ میں نے اول ہی عرض کیا تھا کہ مزدک بڑا سکار ہے۔ قباد نے کہا کہ اب
 مجھ کو اسکی مکاری معلوم ہو گئی ہے۔ لیکن یہ بتاؤ کہ وہ کیوں قتل کیا جاسکتا ہے۔ موبد نے عرض کیا کہ
 ایک بار آپ پھر دربار منعقد فرمائیں اور میں مزدک سے مناظرہ کروں میں جان بوجھ کر بار جاؤنگا
 اور اپنی عاجزی کا اقرار کر دوں گا اور فارس کو لوٹ جاؤنگا اسکے بعد جو کارروائی مناسب حال ہوگی وہ
 نو شیروان انجام دیگا۔ اور یہ ہمیشہ کے واسطے فنا ہو جائیگا اور اس طریق عمل سے مزدک کو یہ معلوم
 ہو سکیگا کہ بادشاہ پشیمان ہے۔ چنانچہ قباد نے چند روز کے بعد دربار کیا اور تمام موبدوں کو ایک
 فریق قرار دیا۔ مزدک اپنی جگہ پر بیٹھا اور موبدوں نے تقریر شروع کی پہلے موبد فارسی کی زبان سے
 نکلا کہ آگ کا باتیں کرنا سب سے زیادہ تعجب انگیز ہے مزدک نے کہا خدا کی قدرت سے یہ بعید نہیں ہے
 کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک کلڑی کے ٹکرے کو اڑا بنا دیا تھا۔ اور ایک
 پتھر سے پانی کے بارہ چشمے جاری کر دیے تھے۔ اور پھر خدا سے دعا مانگی تھی کہ اے میرے پروردگار!
 فرعون کو مع اسکی فوج کے ڈبو دے اور خدا نے ڈبو دیا۔ اسی طرح زمین بھی حضرت موسیٰ کے تابع فرمان

تھی چنانچہ حضرت موسیٰ نے جب زمین کو حکم دیا کہ تھارون کو نگل جائے اسی وقت نگل لیا۔
 اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردون کو زندہ کرتے تھے یہی چیزیں ہیں کہ جو انسان کی قدرت
 باہر ہیں لیکن خدا اُن پر قادر ہے اور اسی خدا نے مجلو بھیجا ہے اور آگ پر مجلو حکمران بنایا ہے مین جو کتابوں
 وہی آگ کی زبان سے نکلتا ہے اسلئے میرا کہنا انور نہ قبر خدا تیر نازل ہوگا اور تمکو مٹا کر رہیگا۔
 مزدک کی تقریر سنکر موبد اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ جس شخص پر خدا اور آگ کی جانب سے الہام ہوتا ہوا اور
 آگ اُسکے تابع ہو مین اُسکے مقابلہ میں جواب دینے سے عاجز ہوں۔ اور آئندہ مجھے ایسی جسامت ملے گی
 مین رخصت ہوتا ہوں اب تم جاؤ اور تمھارا کام یہ کہ موبد نوشیروانی فارس کو چلا گیا اور دربار برسات
 ہوا۔ مزدک خوش ہو کر اٹھا اور ایک ہفتہ کے واسطے آتشکدے میں مقفل ہوا جب رات ہوئی تو قباد
 نوشیروان کو بلا کر کہا کہ موبد نے مجھے تمھارے سپرد کر دیا ہے اور اس مذہب کے مٹانے کے واسطے تم
 کافی ہواب جو تدبیر ہو وہ تیار۔ نوشیروان نے کہا اگر شاہنشاہ یہ کام میرے سپرد کر دے اور اسکا
 تذکرہ کسی سے نہ کرے تو نہایت سلیقہ سے مین اُسکو روک دوں گا اور پھر ساری دنیا میں مزدک اور مزدکیوں کا
 کہیں پتہ نہ لگیگا۔ قباد نے اقرار کیا تب نوشیروان نے کہا کہ موبد کے چلے جانے سے صحاب مزدک
 بہت خوش اور مطمئن نظر آتے ہیں۔ اب مین اُنکی فکر کروں گا۔ اور مزدک کا قتل کرنا تو آسان ہے۔
 لیکن اُنکی جماعت بڑی ہے۔ اگر مین مزدک کو قتل کروں تو اُسکے حواری دنیا میں پھیل کر اشاعت
 مذہب کریں گے اور کسی مستحکم جگہ پر قابض ہو کر خاندان شاہی اور سلطنت کے مقابلہ کو اٹھیں گے،
 لہذا ایسی تدبیر کرنا چاہیے کہ سب ایک ہی وقت میں قتل کر دیے جائیں اور ایک متنفس بھی زندہ
 نہ رہ سکے یہ سنکر قباد نے پوچھا کہ پھر اسکی کیا تدبیر سوچی ہے؟ نوشیروان نے کہا کہ جب مزدک آتشکدہ سے

”اٹھکر حاضر ہو تو اُسکا اعزاز بمقابلہ سابق بڑھا دیا جائے اور خلوت میں کہا جائے کہ جسدن سے مو فائری نے شکست کھائی ہے۔ اُس دن سے نو شیروان ڈھیلا پڑ گیا ہے اور اُسکا ارادہ ہے کہ آپ سے رجوع کرے اور اب وہ اپنی گفتگو سے پشیمان ہے۔ جب ایک ہفتہ گزر گیا تو مزدک حاضر ہوا۔ قباد نے بڑی خاطر سے بٹھایا۔ اور نو شیروان کا ذکر کیا۔ مزدک نے کہا کہ اکثر لوگ نو شیروان کے اشاروں پر چلتے ہیں اگر وہ ہمارے مذہب میں داخل ہو جائے تو ساری دنیا اس مذہب کو قبول کرے۔ اور میں آتش کو شفیق کرتا ہوں یزدان نو شیروان کو مذہب مزدکیہ سے مشرف کرے۔ قباد نے کہا کہ آپ نے بہت اچھا کیا کیونکہ نو شیروان ولیعہد سلطنت ہے۔ رعایا اور لشکر میں وہ ہر دل عزیز ہے۔ جب وہ اس مذہب میں داخل ہو جائیگا تو پھر کسیکو عذر نہیں ہو سکتا۔ اور قباد نے یہ بھی کہا کہ میں آپ کے واسطے ایک فیع انسان سنگی منارہ بناںا ہوں اور اُسکے بالائی حصہ پر ایک طلا کا محل تیار کروں گا جو آفتاب سے زیادہ چمکدار ہوگا اور ٹھیک ایسا ہی ہوگا جیسا کہ گشتاسپ نے زردشت کے واسطے بنایا تھا۔“

مزدک نے کہا آپ نو شیروان کو نصیحت کریں اور میں دعا کرتا ہوں امید وافق ہے کہ یزدان مستجاب کیگا جب رات ہوئی تو قباد نے دن کی گفتگو نو شیروان سے دہرائی۔ وہ مسکرت بہت ہنسنا۔ اور قباد سے کہا کہ جب ہفتہ گزر جائے تو مزدک کو بلا کر یہ بات کنا چاہیے کہ نو شیروان کل رات کو ایک خواب دیکھکر ڈر گیا ہے اور صبح کو میرے پاس آیا تھا۔ اُس نے مجھے کہا ”میں نے خواب دیکھا ہے کہ گویا مجھ پر تشریف بزرگ حملہ آور ہے اور میں پناہ ڈھونڈ رہا ہوں اتنے میں ایک مرد وصلح میرے پاس آیا میں نے اُس سے پوچھا کہ مقدس آگ مجھے کیا چاہتی ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ آگ تجھ پر سیلے غضبناک ہے کہ تو نے اُسکو جھٹلایا ہے میں نے کہا کہ تھو کو کیونکر معلوم ہوا۔ اُس نے کہا کہ فرشتوں کو ساری خبریں رہتی ہیں۔“

اب آتشکدہ میں جا کر قدرے مشک عود اور عنبر سلگایا جائے اور مسلسل تین دن اگنی بوجا کی جائے اس کے بعد میں جاگ اٹھا۔

قباد سے یہ خواب سن کر مزدک بہت خوش ہوا جب اس تذکرہ کو بھی ایک ہفتہ گزر گیا تو نوشیروان نے قباد سے کہا کہ آپ مزدک سے کہیے کہ نوشیروان کتنا تھا کہ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ یہ سچا مذہب ہے اور مزدک یزدان کا فرستادہ ہے۔ لیکن چونکہ مخالفین کی تعداد زبردست ہے۔ اس لیے ڈرتا ہوں کہ کہیں خرموج کے سلطان نہ پھین لیں۔ کیا اچھا ہوتا اگر صحیح تعداد اصحاب مزدک کی معلوم ہو جاتی اور یہ بھی کہ وہ کون لوگ ہیں؟ اگر مزدکیہ جماعت زبردست ہو تو میں بھی اس میں شامل ہو جاؤنگا ورنہ اس وقت تک صبر کرونگا کہ یہ جماعت طاقتور ہو جائے۔ اور بشرط ضرورت اسلحہ وغیرہ بھی دوں گا اسکے بعد پوری قوت اور تلوار کے زور سے مذہب کا اعلان کرونگا۔ اگر مزدک جواب دے کہ ہمارا بڑا گروہ ہر تو اس سے اسم واپوری فہرست طلب کی جائے تاکہ میں سب سے واقف ہو جاؤں۔

چنانچہ مزدک نے ایسا ہی کیا اور قباد کے روبرو بارہ ہزار آدمی کی فہرست پیش کی جس میں رعایا اور فوجی سپاہی شامل تھے۔ فہرست دیکھ کر قباد نے کہا کہ میں آج رات کو نوشیروان کو بلا کر فہرست دکھا دوں گا۔ اور نوشیروان کے ایمان لانے کی یہ علامت ہوگی کہ میرے حکم سے شہنائی اور قناعت اس زور سے بجائے جائیں گے کہ جبکی آواز آپ کے گھر تک پہنچے گی۔ جب مزدک لوٹ گیا اور رات ہوئی تو قباد نے نوشیروان کو بلایا۔ اور فہرست دکھلائی اور جو علامت قرار پائی تھی اس کا بھی ذکر کر دیا۔ تب نوشیروان نے کہا کہ بہت مناسب ہے آپ مفتار خانہ میں حکم بھیج دیں۔ اور جب کل مزدک حاضر ہو تو کہہ دیجیے گا کہ نوشیروان ایمان لے آیا ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ جماعت کی تعداد بارہ ہزار تک

پہنچ گئی ہے۔ اگر پانچ روز ہوتی تو البتہ کافی تعداد نہ تھی اب اگر ساری دنیا دشمن ہو جائے تو خونِ نبیؐ ہے
 کیونکہ ہم سب دُعا و مزدک نوشیروان متفق ہیں۔ جب ایک گھڑی رات گزری اس وقت مزدک نے
 شہنائی اور نقاروں کی آواز سنی۔ اور نوشیروان کے ایمان لانے سے خوش ہوا دوسرے دن جب
 مزدک حاضر دربار ہوا تو قباد نے نوشیروان کے تعلیم کردہ الفاظ مزدک سے کہے اور پھر خلوت میں لاکر
 نوشیروان سے رُخسہ ہر کی نذر دلوائی۔ اور بہت کچھ بطریقِ تصدیقِ نچھا و کیا۔ اور اب تک چھوٹا تھا
 اسکی نوشیروان نے خود معافی چاہی۔ اور اسی جلسے میں ہر قسم کے مشورے ہوئے لگے آخر الامور نوشیروان
 نے قباد سے کہا کہ آپ شاہنشاہ ہیں مزدک خدا کا پیغمبر ہے لہذا میں چاہتا ہوں کہ مذہبی سپہ سالاری
 بجا دی جائے پھر دیکھیے کس قدر مذہبی ترقی ہوتی ہے۔ قباد نے کہا کہ تم کو اختیار ہے۔ پھر نوشیروان نے
 کہا کہ جن شہروں اور قصبات میں ہمارے ہم مذہب ہیں انکے پاس مزدک کی جانب سے پیام بھیجا جا
 کہ آج کی تاریخ سے تین مہینے کے اندر کُلان ہفتہ کے فلان دن سب ہمارے مہمان ہوں میں انکو
 ہر قسم کے ساز و سامان اور اسلحہ سے مرتب کرونگا جبکی کسیکو مطلق خبر نہ ہوگی۔ پھر اسی دن سب کی دعوت
 کی جائے اور بعد فراغِ طعام دوسرے مکان میں مجلسِ شرابِ منقہ کی جائے ہر شخص سات پیالے
 پیے۔ پھر خلعت پہنکر اسلحہ زیب تن کریں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر نکلیں۔ اور علانیہ اشاعتِ مذہب
 کریں جو ہمارا مذہب قبول کرے اسکو امان دیں گے اور جو انکار کریگا اسکو قتل کر دیں گے اس رائے کو
 قباد اور مزدک نے قبول کیا اور جلسہ برخاست ہوا۔

مزدک نے سب جگہ خطوط جاری کر دیے اور آگاہ کر دیا کہ فلان روز حاضر خدمت ہوں سب کو خلعت
 گھوڑے اسلحہ دیے جائیں گے۔ اور یہی وقت کامیابی کا ہے کیونکہ بادشاہ ہمارا قافلہ سالار ہے۔

چنانچہ وعدے کے دن بارہ ہزار مزدکی حاضر ہوئے اور بادشاہ کے ممان ہوئے جسکے سامنے ایسے
 پر تکلف خوان رکھے گئے کہ کبھی کسی نے نہ دیکھے تھے قباہ تخت پر جلوہ فرما ہوا اور مزدک اپنی کرسی پر
 بیٹھا۔ اور نو شیروان بھی چکا بانہ ہلکے بحیثیت میزبان کھڑا ہوا۔ اور اس میزبانی سے مزدک بہت خوش ہوا
 نو شیروان ہر ایک کو دسترخوان پر بٹھاتا جاتا تھا جب سب کھانے سے فارغ ہوئے تو دوسرے مکان
 میں اٹھ گئے۔ وہاں شراب کی مجلس آراستہ تھی۔ قباہ تخت پر اور مزدک کرسی پر جلوہ فرما تھا۔ نو شیروان
 سب مہمانوں کو قرینے سے بٹھایا تھا۔ معینوں کی سُرلی آواز دن سے مجلس گونج رہی تھی اور شراب کا
 دور چل رہا تھا۔ جب چند دور ہو چکے تو فرارش اور غلام حاضر ہوئے اور دوسو مہمانوں کو دیا اور
 قصب کے تھان بطور خلعت کے تقسیم ہوئے۔ یہ لوگ تھوڑی دیر تک دربار میں استادہ رہے تب
 نو شیروان نے کہا کہ خلعت دوسرے مکان میں تقسیم کیے جائیں کیونکہ یہاں بڑا مجمع ہے وہاں ہرگز
 بیٹل بیٹل آدمی داخل ہون اور خلعت پن پن کر وہیں سے رخصت ہوتے جائیں اس طریقے سے
 سب پن لینگے۔ پھر بادشاہ اور مزدک یہ دو قریب منظر ملاحظہ کریں۔ اسکے بعد سلاح خانہ کا دروازہ
 کھول دیا جائے اور سب اسلحہ سے سجائے جائیں۔ اور اس کارروائی سے پہلے نو شیروان نے
 تین سو دیہاتی مزدور بلا کر جمع کر رکھے تھے۔ اور انکو حکم دیا گیا تھا کہ دن رات میں یہ مزدور کثرت گڑھے
 تیار کریں جو گہرائی میں ایک گز سے دو گز تک ہوں اور کل مٹی بھی وہیں جمع رہے۔ اور دربانوں کو
 یہ بھی حکم دیا گیا تھا کہ جب گڑھے تیار ہو جائیں تو سب مزدور روک لیے جائیں کوئی جانے نہ پائے
 اور رات کو خفیہ طور سے چار سو آدمی اسلحہ سے سجا کر میدان اور مکان میں چھپا دیے گئے تھے۔
 اور انکو یہ حکم دیا تھا کہ جب یہ بیٹل بیٹل آدمی مجلس سے روانہ کیے جائیں تو تم انکو دوسرے

میدان میں لجاؤ اور ہر ایک کو برہنہ کر کے اسکا سران گڑھوں میں اس طرح دباؤ کہ وہ ناف تک زمین کے اندر ہوں اور دونوں پانوں یا ہر سکلے رہیں۔ چنانچہ خلعت پہنکر لوگ اس مکان آتے جاتے تھے اور مطابق ہدایت کے ایک ایک غول مع اُنکے آراستہ گھوڑوں کے دوسرے مکان میں روانہ کر دیا جاتا تھا۔ اور میدان میں پہونچکر وہ سرنگوں گڑھوں میں دبا دیے جاتے تھے یہاں تک کہ تمام مزدکی اسی طریقہ سے ہلاک کر دیے گئے ان کاموں سے فارغ ہو کر نوشیروان قباد کے روبرو حاضر ہوا اور مزدک سے کہا تمام مہمان خلعت سے آراستہ ہو کر میدان میں جمع ہوں۔ اب آپ اٹھیں اور ملاحظہ فرمائیں یہ منظر بھی ایسا ہے کہ آج تک کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔ چنانچہ قباد اور مزدک ایک ہی ساتھ اُٹھے اور محل کے اندر سے ہوتے ہوئے میدان میں پہونچے۔ یہاں یہ تماشادیکھا کہ کل جماعت ”سرنگوں پادرواہے“ نوشیروان نے مزدک سے مخاطب ہو کر کہا کہ جس فوج کا تو سپہ سالار ہو اُنکے خلعت اسے بڑھکراور کیا ہو گئے۔ کجنت تو اسیلے آیا تھا کہ ہمارے مال اور دولت اور عزت کو برباد کر کے سلطنت پہ بھی ہاتھ صاف کرے۔ رے ہوشیار ہو اب میں تجھے بھی خلعت پہناتا ہوں۔ چنانچہ میدان کے ایک کنوین میں جو خاص مزدک کے لیے تیار ہوا تھا نوشیروان کے حکم سے مزدک کو گرا دیا اور اسکو مٹی سے پاٹ دیا۔ اسوقت نوشیروان نے کہا کہ لے مزدک! اب تو اپنے پیروں کو اچھی طرح دیکھ۔ اور باپ سے کہا کہ آپ نے عاقل اور فرزانہ لوگوں کی رے ملاحظہ فرمائی۔ اب صلت یہ ہے کہ آپ چند روز خانہ نشین ہوں تاکہ رعایا اور فوج کو آرام کا موقع ملے اور یہ جو کچھ ہوا آپ کی کمزوری رے کی وجہ سے ہوا اسکے بعد میدان کی دیواریں توڑ دی گئیں اور دروازہ کھول دیا گیا۔ شہر دیہات اور فوج کے آدمی آتے تھے۔ اور یہ تماشادیکھ کر چلے جاتے تھے۔ جب کل انتظام ہو چکے تو نوشیروان نے قباد کو قید کر دیا۔

اور شاہی استحقاق سے خود تحت نشین ہو گیا۔ یہ واقعہ نوشیروان کا اس قابل ہے کہ اہل خرد اسکو طرطین اور عبرت پذیر ہوں۔“

خواجہ نظام الملک کے عام اخلاق و عادات

خواجہ نظام الملک کی نسبت تذکرہ نویسوں اور مورخوں کی متفقہ رائے یہ ہے کہ آل سلجوق کے عہد حکومت میں کوئی وزیر سیاست، دانائی، رائے، تدبیر، عدل و انصاف، بے تعصبی، فیاضی، شجاعت میں اُس سے بڑھ کر نہیں ہوا اور اُن کا یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے جسکی تصدیق خواجہ کے حالات سے ہوتی ہے۔

بادشاہوں اور وزیروں کی سوانح عمری لکھنے والے اکثر شعراے دربار ہوتے ہیں مگر اپنے مدوح کی شکل و شمائل اور اوضاع و عادات کی تصویر کھینچتے ہیں بہمن عیب ہوتا ہے کہ محض حسن کے دو بالا کرنے کے لیے شبیہ میں بعض رنگ زیادہ شوخ اور گہرے لگا دیتے ہیں۔ اور جب کوئی مورخ تنقید کے موقلم سے مصنوعی رنگ کو لہکا کرتا ہے اُس وقت مدوح کی اصلی صورت پہچانی جاتی ہے۔ مگر خواجہ نظام الملک کے مصور یا تو کوئی صوفی ہیں جو اپنے زمانے کے جنید و شبلی ہیں۔ یا کوئی امام وقت ہیں جنکے نام سے عظمت و جلال نمایاں ہے۔ اس لیے سلسلہ روایت میں صرف راوی کا نام نفس واقعہ کی صحت اور خواجہ کی قدر و منزلت کے لیے کافی ہے۔

خواجہ نظام الملک کی سوانح میں مستند مورخوں نے جس قدر لکھا ہے اسکی صحت میں تو کسی کو

شک نہیں ہو سکتا ہے مگر جو روایتیں امام احرارین جیسے مقدس عالم کی زبانی ہوں وہ بھی نہایت مہتمم بالشان ہیں۔

ابن سبکی نے طبقات میں امام احرارین کا ایک خطبہ نقل کیا ہے جس میں امام صاحب نے خواجہ کو سید الورعی، مویہ الدین، ملاؤ اللام، مستقیم السیف و اقلیم کے خطاب سے یاد کیا ہے اور اُسکے پر فخر کار ناموں کو بالاجمال بتایا ہے۔ اور خواجہ کے استقامت فی المذہب، عدل و انصاف اور جود و احسان وغیرہ کی بڑی تعریف کی ہے۔

خطبہ کے خاتمہ پر ابن سبکی نے اپنی یہ رائے لکھی ہے کہ ”یہ خطبہ ایک بڑے نامور امام کا ہے اور گو مبالغہ سے خالی نہیں ہے، مگر اس امر کی پوری شہادت ہے کہ امام احرارین کے نزدیک نظام الملک کا کیا پایہ تھا؟ اور قوم میں امام صاحب کا یہ درجہ ہے کہ متقدمین اور متاخرین اس کے کلام کو بطور سند کے پیش کرتے ہیں اور انھی کی ذات سے شریعت الہی کے اصول و فروع کی اشاعت ہوئی ہے۔“

علامہ موصوف نے امام احرارین کے خطبہ پر جو رائے دی ہے وہ مورخانہ حیثیت سے ہے، کیونکہ مورخ کا اصلی فرض یہی ہے کہ جو واقعہ لکھا جائے اُس میں رنگ آمیزی کو دخل نہ ہو اور تاریخانہ اصلیت اپنی اصلی صورت پر ہر جگہ قائم رہے چنانچہ اس اصول سے امام احرارین کے بعض فقرے مبالغہ آمیز ہیں، مگر بقول ابن سبکی، اس سے انکار نہیں ہو سکتا ہے کہ جس کا مذہب امام احرارین ہو وہ مدوح کس شان کا ہوگا؟

لے چونکہ اس خطبہ کے حوالہ سے متفرق مقام پر حالات لکھے گئے ہیں اس لیے پورا خطبہ نقل نہیں کیا گیا ہے شائقین اصل کتاب ملاحظہ فرمائیں

امام الحرمین اور ابن سبکی دونوں اسلام کے آفتاب و ماہتاب ہیں۔ اور دونوں کا تقدس اور تقویٰ مذہبی حیثیت سے ضرب المثل ہے۔ اُنکے اقوال پر نکتہ چینی کرنا ہمارا کام نہیں ہے لیکن اس روایت سے ہم کو صریح یہ دکھانا مقصود ہے کہ خواجہ کی سوانح عمری کا اخذ نہایت مستند اور معتبر ہے اور اُسکے واقعات زندگی کے راوی علاوہ شعرا اور عام واقعہ نگاروں کے امام الحرمین جیسے عالی رتبہ بزرگ بھی ہیں۔

خواجہ نظام الملک چونکہ ایک متقی اور پارسا شخص تھا، لہذا ہم اول وہ حالات لکھتے ہیں جس کا تعلق مقتدایانِ ملت اور بزرگانِ طریقت سے ہے۔

خواجہ نظام الملک کی صوفیانہ مجلس

خواجہ نظام الملک کو صوفیائے کرام سے خاص عقیدت اور ارادت تھی اور اُسکی مجلس ہمیشہ صوفیوں سے بھری رہتی تھی۔ چنانچہ خواجہ نظام الملک نے اس جذبِ محبت کی ابتدائی تاریخ یوں لکھی ہے کہ ”میں ایک دن کسی امیر کی خدمت میں مصروف تھا کہ میرے پاس ایک صوفی تشریف لائے اور بزرگانہ شفقت سے فرمایا کہ ”خواجہ ایسے لوگوں کی خدمت کیا کرو جسے نہ کوئی نفع پہونچے اور اُس شخص کی خاطر تواضع کا کیا نتیجہ ہے جو کل کتوں کا شکار ہو جائیگا“ میں اس رمز کو نہ سمجھا لیکن دوسرے دن اُس امیر نے صبح سے رات تک خوب ہی شراب پی اور نشہ میں چور ہو کر تنہا محل سے باہر نکل آیا۔ پاسبانی کی غرض سے جو خوشخوار کتے پیلے ہوئے تھے اُنھوں نے اپنے متوالے آقا کو نہ پہچانا اور باہر کا آدمی سمجھ کر خوب جھنجھوڑا اور شکار کی طرح ہٹکا بوٹی کر ڈالا۔ جب میں نے یہ واقعہ سنا تو کشفِ کرامات کے

کرتے معلوم ہوے اور اسی دن سے میں ارباب باطن کا ایک معتقد خد مثلاً رب بن گیا۔

حقیقت میں خد شناسی تصفیہ قلب اور تربیت روحانی کے واسطے صوفیائے کرام کی صحبت اسیہ کا حکم رکھتی ہے۔ لیکن فی زمانہ صوفی کے کھرے کھوٹے کی شناخت جو اس بات کے پکھنے سے بھی زیادہ دشوار ہے کیونکہ صوفیوں کے بجائے صوفی ناکر وہ حشرات الارض کی طرح بڑھتا جاتا ہے۔ اور درویشی کو یاروں نے معاش کا ایک آلہ بنا لیا ہے اسلیے طالبانِ طریقت کو سوچ سمجھ کر اس حلقہ میں قدم رکھنا چاہیے۔ وَلِلّٰهِ دَرَمَنْ قَالَ

ہوں یا نہ ہوں پیر اہل عرفان و یقین پر ڈر ہے کہ طالب نہ نوادان کین
گناہ کو بے احتیاج چار آنکھوں کی اور ایک کی بھی بیچنے والے کو نہیں

خواجہ نظام الملک جس زمانہ میں تھا وہ آج کل کے مقابلہ میں ست جگہ کا درجہ رکھتا تھا، کیونکہ صوفیوں کے قلب جیسے انوار تجلیات سے مالا مال تھے ویسے ہی اُنکے دماغ حکمت و فلسفہ اور علوم دینیہ کے انکشافات سے منور تھے۔ خواجہ نظام الملک کو جن ناموں صوفیوں نے عقیدت تھی وہ رکن شریعت اور مرکز طریقت تھے جب وہ مصلے پر بیٹھتے تو ہاتھ میں تسبیح ہوتی خانقاہ و مدرسہ میں جاتے تو قرآن و حدیث کا درس دیتے، جب ممبر پر جلوہ فرماتے تو عبادات اور معاملات پر تقریر کرتے۔ بادشاہوں اور وزیروں سے بھی ملتے تھے۔ اور انکو ایسی نصیحتیں کرتے تھے جو حکمرانی کے مفید ہوں اور انہیں جو عیوب دیکھتے تھے وہ بر ملا کہہ دیتے تھے۔ اور یہاں سوقت کے علما اور مشائخ کا خاصہ تھا۔

چھانوں میں ہم جا کے تلواروں کی کھاتے تھے حق غالب آتا تھا نہ ہمیر خوف سلطان و وزیر
ابن خلکان میں تحریر ہے کہ امام احرار اور ابوالقاسم شیری جب خواجہ کے دربار میں تھے
لاتے تو وہ انکی تعظیم میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھتا تھا اور اپنی مسند پر بٹھاتا تھا۔
نامہ دانشوران ناصری میں لکھا ہے کہ شیخ ابوالفتح فیروز آبادی کا اغزان دونوں بزرگوں
بڑھکرتھا۔ بہر حال جن مشائخ کی خواجہ کی نظر میں یہ عزت و عظمت تھی اب ہم اُنکے مختصر
حالات زندگی لکھتے ہیں۔ اور اگرچہ کسی مستقل سوانح عمری میں ضمنی تذکروں کا مفصل لکھنا
خلاف قاعدہ ہے مگر یہ حالات ایسے بزرگوں کے ہیں جنکی سوانح عمریان مذہباً اور اخلاقاً
ہماری حیات پر مفید اثر ڈال سکتی ہیں اسلئے امید ہے کہ ناظرین کے لیے یہ چند اوراق
باعث طائل نہ ہوں گے۔

شیخ ابوالفتح - فیروز آبادی

ابراہیم نام، ابوالفتح کنیت، اور جمال الدین لقب تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ ابراہیم بن علی
ابن یوسف شیرازی۔ اور نامہ دانشوران کی روایت کے مطابق سلسلہ نسب مولانا محمد الدین
ابن یعقوب فیروز آبادی، مصنف قاموس، پر منتہی ہوتا ہے۔ تاریخ میں شیخ ابوالفتح شیرازی
کے نام سے آپ کی شہرت ہے۔ اور ہم تعظیماً آپ کو صرف شیخ کے خطاب سے یاد کریں گے۔
صوبہ فارس کے شہروں میں فیروز آباد کو اپنے جن نامور بیٹوں پر قیامت تک فخر رہیگا
نامہ دانشوران ناصری جلد اول حالات ابوالفتح علی گور یا گور یا فیروز آبادی کی قدیم شہر کے نام میں جس کو
زانہ نے صفحہ ہستی سے مٹا دیا ہے البتہ قدیم شہر کے حدود سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر اب فیروز آبادی کا قصبہ ہے
قدیم فارسی نام گور یعنی قبر ہے جو عربی تاریخ اور جغرافیہ میں گور کے نام سے مشہور ہے صاحب مدنی نے (ما جہلین)

منجملہ مکے ایک شیخ بھی بین ۳۹۳ھ (۹۵۶ء) علی اختلاف الروایات میں شیخ کی ولادت ہوئی اور بچپن کا ابتدائی زمانہ اسی شہر میں گزرا۔ ۳۹۳ھ سے ۴۱۵ھ تک شیخ کی تعلیم و تربیت اور ابتدائی زندگی کا کچھ حال نہیں کھلتا ہے کہ کیونکر گزری؟ لیکن ۴۱۵ھ میں فیروز آباد سے رخصت ہو کر دارالعلوم شیراز کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ شیخ کا پہلا سفر تھا اور محض حصول علم کے لیے تھا۔

فارس میں شیراز ہمیشہ علمی مرکز رہا ہے۔ اور یہ تو وہ زمانہ تھا کہ جب شیراز کی ہر ہر گلی میں

(بقیہ صفحہ ۱۲۳) چور لکھا ہے (اسی نام کا نیشاپور میں ایک محلہ بھی ہے) چور کا پہلا بانی گشتا پ کیا تھی، لیکن سکتہ عظیم ہندوستان سے واپس جاتے ہوئے عجیب حکمت سے اس شہر کو پانی میں ڈبو کر بھیر دینا چاہتا تھا۔ لیکن آردشیر لسانی نے کمال فن انجینیری سے پانی کو خشک کر کے قدیم نمونہ پر پھر شہر آباد کیا۔ یہ شہر قدرتی پہاڑوں کے مابین دائرہ کی شکل میں آباد تھا۔ فیروز شاہ (نوشیروان کا دادا) نے اپنی عہد سلطنت میں قدیم آبادی پر بہت کچھ اضافہ کیا اور بجائے گور کے فیروز آباد نام رکھا۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ عضد الدولہ دہلی تہذیب کی غرض سے یہاں جایا کرتا تھا اور جب بادشاہ یہاں ہوتا تو لوگ کہا کرتے تھے کہ "ملک بگور رفتہ" چنانچہ عضد الدولہ نے اس بد فالی سے بچنے کے لیے اسکا نام فیروز آباد رکھا۔ وسط شہر میں ایک پہاڑ کا درمیانی حصہ ہموار کر کے آردشیر نے اسپر او ان بنایا تھا چنانچہ اس کے کھنڈرات اور مینار، حوض، قلعہ آتشکدہ، عظیم اور خندق کے عجیب و غریب آثار آج تک باقی ہیں اور چور کا گلاب ضرب المثل ہے جس کے حوالے عربی اشعار میں آتے ہیں۔ عبدالصمد ابن عامر نے ۴۸۵ھ میں (عہد خلافت سوم) چند سال کے غزوات کے بعد چور کو فتح کیا تھا فارس کے نقشہ میں شیراز سے جانب مشرق ۳۵ میل کے فاصلہ پر یہ شہر درج ہے۔ آثار قدیمہ کے نقشچات و تصاویر اور تفصیلی حالات کے لیے کتب ذیل دیکھیے: فرماند ایران میرزا فرصت شیرازی صفحہ ۱۱۱، المسج دانش صفحہ ۳۴، فتح البلدان بلاذری مطبوعہ مصر ۳۹۷، آراء البلدان، ناصری حالات فارس دائرۃ المعارف جلد ۶ حالات چور نقشہ ایران مرتبہ مسٹر جان کری ۱۲۵۶ء

۱۔ شیراز صوبہ فارس کا صدر مقام ہے۔ اور شاہان ایران کی طرف سے شیراز میں گورزر ہا کرتا ہے (باقی صفحہ)

علم کی نہرین جاری تھیں۔ یعنی مختلف مدارس اور خانقاہوں میں فخر روزگار علماء و مدرس دیتے تھے۔ اور غالباً یہی مقناطیسی قوت شیخ کو شیراز میں کھینچ لائی تھی۔ چنانچہ ایک مستعد

بقیہ صفحہ ۱۲۲) نقشہ میں ۵۲ درجہ ۴۰ دقیقہ طول بلد اور ۲۹ درجہ ۲۰ دقیقہ عرض بلد پر واقع ہے قدیم زمانہ کی عظمت و جلال کی تاریخ لکھنا فضول ہے صرف صدی اور حافظ کا نام شیراز کے زندہ رکھنے کے لیے کافی ہے۔ یہ شہر بارہ دروازوں پر تقسیم تھا اب صرف چھ باقی ہیں۔ اور شہر نیادہ کی دیوار کا محیط ۱۲۰۰۰ گز اور عرض ۸ گز تھا۔ شیراز میں تہمورس پشیدای شہر شیراز کا بانی ہے یہ شہر چند بار تباہ و برباد ہوا لیکن سب سے اخیر مرتبہ خلیفہ عبدالملک اموی کے عہد حکومت میں آباد ہوا۔ اور آج تک قائم ہے۔ نہرین بافراط ہیں۔ جنکا پانی ذائقہ میں سبیل اور تسنیم سے ٹکر لکھا ہے۔ چنانچہ نہر رکن آباد زنگی آباد نہر سعدی مشہور ہیں اور رکن آباد کی تو تعریف ہی نہیں ہو سکتی سے حافظ فرماتے ہیں۔

بدہ سانیئے بانی کہ درخت نخواستی یافت کنار آب رکن آباد و گلگشتی مصطرا
پانی میں جو پتھر قدرتی صفتیں ہیں وہ سب اسمین موجود ہیں شیراز کی ہوا معتدل ہے۔ تھانی نے کیا خوب لکھا ہے
بزر بقعہ گردون برویے رقعہ خاک ندیدہ دیدہ بینا چنان خجستہ دیار
نسیم او ہمہ دلکش تراز نسیم بہشت ہولے او ہمہ غرم تراز ہواسے بہار
زلالہ ہر دین اوست کو ہی از یاقوت زلالہ ہر چین اوست کانے از زنگار
ز بسکہ ز قمر سار خیسندہ از ہامون ز بسکہ قفقہ کبک آید از کسار
شیراز میں آج بھی ہر علم و فن کے اہل کمال موجود ہیں چنانچہ تھانی کا قول ہے
منجانش بیرنج ز بیج و اصطرلاب زار تفارح تعاویم و اختران ہشیار
ندیدہ ہض یکمانش از کمال قوت خبر دہشت ز رنج نہان ہر بیمار
زلجن مرثیہ خوانان او گدا ز سنگ چو چشم عاشق بیدار دوری دلدار
ہزار مفضل و در ہر یکے ہزار اویب ہزار مدرس و در ہر یکے ہزار اسفار
محلات دارالعلوم، مشاجد مزارات دارالشفاء، قبوہ خانجات بازار و مقامات، کاروانسرا، باغات، مکتبہ
مکانات قدیم قبرستان، حمامات، اکثر موجود ہیں۔ جنہیں سے ہر نہر کی تفصیل کے واسطے ایک دفتر چاہیے۔
ماظن میرزا فرصت شیرازی کا سفر نامہ ملاحظہ فرمائیں جو اس زمانہ میں سب سے اخیر سفر نامہ ہے۔

طالب علم کی حیثیت سے شیخ نے بھی تمام شیراز کا چکر لگایا اور تمام علمائے شیراز کی محبت کی اور انکی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔

شیخ کے اساتذہ شیراز میں ابو عبد اللہ محمد بن عبد امجد بڑیاوی، ابو احمد عبد الوہاب بن راین نہایت نامور علمائے ہن۔ اور جب ایک عرصہ کے بعد فقہ، اصول فقہ، اور استخراج مسائل میں کافی مہارت ہو گئی تو شیراز کو خیر باد کہہ کر بصرے کا رخ کیا۔ یہاں علامہ ابن جوزی کی درس گاہ سے فائدہ اٹھایا۔ لیکن چونکہ تحقیقات علمی سے طبیعت ہنوز مستغنی نہ ہوئی تھی اور آتش علم سینہ میں مشتعل تھی اس لیے چند روز کے بعد بصرے کو الوداع کہہ کر دارالسلام بغداد کو روانہ ہوئے اور شوال ۳۵۱ھ میں داخل بغداد ہو گئے۔

اس وقت قادر باللہ عباسی تخت سلطنت پر حکمران تھا اور آل بویہ کے امرا کا زور تھا۔ آل عباس کی سلطنت کمزور ہو گئی تھی لیکن بغداد کی علمی شہرت میں کوئی زوال نہیں آیا تھا اور اس وقت تک دنیا کے اسلام میں علم و فن کا مرکز مانا جاتا تھا۔

بغداد میں دار الخلافہ ہونے کے لحاظ سے سیکڑوں باپ علم کھلے ہوئے تھے، مگر سب سے رفیع الشان، قاضی ابو طیب طبری کی محفل درس تھی، اور اسی اکمال کی شاگردی پر شیخ کی تعلیم کا خاتمہ ہو گیا۔ اور قاضی صاحب کے فیض تعلیم سے شیخ ابواسحق بحر العلوم بن گئے اور زمانے نے انکو علمائے شافعیہ کا ایک اعلیٰ رکن تسلیم کیا۔ فقہ اور اصول فقہ میں مجتہدانہ حیثیت سے وہ امام مانے گئے۔ صحت روایت میں محدثین، اپنا پیشوا جانتے ہیں جماعت متکلمین، انکی وقت نظر اور بلند خیالی کے قائل ہیں علمائے اصول انکی تصنیفات سے

قائدہ اٹھاتے ہیں۔ استنباط احکام اور استخراج مسائل میں فقہائے ہر قول کو آیت حدیث سمجھتے ہیں۔ اور سب سے بڑھکر یہ ہے کہ صوفی اپنا شیخ جانتے ہیں۔ ہر حال شیخ لجاظ صفات ظاہری اور باطنی قابل فخر و عزت ہیں۔

خواجہ نظام الملک کی طبیعت میں سوز و گداز اور خدا کا خوف بہت تھا۔ اور آخرت کا کھٹکا اُسکو دنیا سے زیادہ رہا کرتا تھا۔ اسلئے خواجہ نے ارادہ کیا کہ ایک محضر تیار کروں جس پر تمام رعایا اور اہل علم و دتھظ ہوں اور اگر وہ تصدیق کر دیں کہ میں نے کوئی ظلم و زیادتی نہیں کی ہے تو قیامت کے دن یہ محضر میرے حق میں رہائی کا پروانہ ہوگا چنانچہ اس خیال کے مطابق اُس نے دتھظ بنوانا شروع کیے۔ لوگوں نے بڑے لمبے چوڑے الفاظ میں خواجہ کی تعریف لکھی۔ لیکن جب وہ محضر شیخ ابواسحق کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے مختصر جملہ لکھا ”کَیْفَ الظُّلْمَةِ حَسَنٌ“ یعنی اور سب ظالموں میں حسن (خواجہ نظام الملک کا نام حسن تھا) اچھا ہے۔ جب خواجہ نے یہ فقرہ دیکھا تو اُسکو نہایت رقت ہوئی اور کہنے لگا کہ ابواسحق سے زیادہ کسی عالم نے سچ نہیں لکھا ہے۔

روایت ہے کہ خواجہ کے انتقال پر کسی نے اُسے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ پروردگار عالم نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا تو اُس نے جواب دیا کہ خدا نے مجھے ابواسحق کی سچی تحریر کے صلے میں بخش دیا۔

بہر حال خواجہ کی بخشش کا سبب اُس کے اعمالِ حسنہ ہوں یا شیخ کی تحریریں ہیں اس سے

کوئی بحث نہیں ہے مگر اس واقعہ سے شیخ ابواسحق کی راستی و دیانت کا حال کھلتا ہے اور ابن خلکان کے اس مقولہ کی تصدیق ہوتی ہے کہ ”وَكَانَ فِي عَايَةِهِ مِنَ الْوُضْعِ وَالْكَشَادِ فِي الدِّينِ“

شیخ کے مزاج میں انصاف پسندی از حد تھی چنانچہ مشہور ہے کہ ایک بار لوگوں نے تنقید پیش کیا معلوم نہیں اس وقت آپ کس خیال میں تھے کچھ کا کچھ لکھ گئے۔ امام ابو نصر بن صباغ نے جو ان کے ہم عصر تھے اس فتوے کو دیکھ کر صاحب تنقید سے کہا کہ ”یہ غلط ہے ابواسحق کے پاس نظر ثانی کے واسطے لجاؤ“ چنانچہ آپ نے دیکھا تو حقیقت میں غلطی تھی اپنے قلم سے فتویٰ صحیح کیا اور اس پر اس قدر عبارت اور لکھ دی ”أَلْحَقْتُ مَا قَالَهُ الشَّيْخُ بْنُ صَبَاغٍ وَأَبُو الْحَقِّ غُطِّي“ یعنی ابن صباغ کی تحریر صحیح ہے اور ابواسحق غلطی پر ہے۔

یہ واقعہ زمانہ حال کے علماء کے واسطے ہدایت ہے کیونکہ اکثر مدعیان علم کا یہ حال ہے کہ ایک جھوٹ کے بیج ثابت کرنے کے لیے انکو تلو جھوٹ بونا گوارا ہو گا مگر خطا کا اقرار شاید ہی زبان یا قلم سے ہو سکے !!

شیخ ابواسحق نہایت روشن خیال اور مدبر علمائے میں سے تھے چنانچہ ۶۷۷ھ میں خلیفہ قائلہ بامر اللہ کے انتقال پر مقتدی بامر امد کا انتخاب محض آپ کی رے سے ہوا تھا اور اس انتخاب سے ملک کا ایک بڑا فتنہ دب گیا۔ اور اس سے متم بالشان شیخ کی وہ سفارت ہے جو خلیفہ مقتدی بامر امد نے ملکشاه سلجوقی کے دربار میں بھیجی تھی۔ جب یہ سفارت نیشاپور پہنچی تو امام الحرمین

اور تمام اہل نیشاپور نے استقبال کیا اور ملکشاہ نے خاص دربار منعقد کر کے شیخ کو بلایا اور خلیفہ مقتدی کی طرف سے جو شرائط شیخ نے پیش کیں وہ سب ملک شاہ نے بلاخر تسلیم کر لیں خواجہ نظام الملک نے ملکشاہ سے بھی زیادہ شیخ کی تعظیم و تکریم کی۔ کیونکہ وہ اول سے شیخ کا معقد تھا اور اہم معاملات میں اکثر شیخ سے مشورہ کیا کرتا تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ علما کی قوت سلطنت کی طاقت سے بڑھ کر ہے۔ بشرطیکہ علما میں روشن خیالی آزادی اور صلح کل ہونے کا مادہ ہو۔ مگر علما نے اپنے ہاتھ سے اپنی قوت کو کھو دیا ہے اور انھوں نے سمجھ لیا ہے کہ ہمارا کام صرف فتویٰ دینا ہے اور کچھ نہیں۔ برخلاف اسکے اُس عہد کے علما میں یہ تمام صفیتیں موجود تھیں۔ وہ ضرورت کے وقت سلطنت کے اہم خدمات کو نہایت قابلیت سے انجام دیتے تھے جسکے مصداق خود شیخ کے حالات ہیں۔ شیخ ابوالفتح نے چند تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ پانچ سب سے مفید اور بیش قیمت کتاب تنبیہ فی فرج الشافعیہ ہے یہ کتاب علم فقہ میں ہے اور اس قدر جامع ہے کہ مصنف کا یہ فخر یہ عمومی تھا کہ میں ہر مسئلہ کا جواب کتاب تنبیہ سے دے سکتا ہوں۔ دوسری کتاب فقہ میں المہذب فی المذہب ہے تیسری کتاب اصول فقہ میں ”لمع“ ہے۔

علاوہ اسکے کتاب ”الکتک (خلات میں) تبصرہ (اصول فقہ میں) المعونہ، التلخیص (جدل میں) طبقات الفقہاء تاریخ میں مشہور کتابیں ہیں۔

۲۱ جمادی الاول ۷۸۶ ھ میں چار شنبہ کی رات کو ابوالمظفر بن رئیس اروسا کے مکان پر

۱۵ آداب الوزراء میں خواجہ نظام الملک اور شیخ کی ایک تقریر درج ہے۔

۲۵ تصنیفات کے مفصل حالات کے لیے دیکھتے ہیں الظنون جلد ۲۱۔

جانب شرقی بغداد میں شیخ کا انتقال ہوا۔ ابوالوفاء بن عقیل نے غسل دیا اور تجسیر و تکفین کی، جنازہ کی نماز دو مرتبہ ہوئی جس میں خلیفہ مقدسی ہمارا اللہ خود بھی شریک ہوا۔ باب آب زر“ میں فن کیے گئے ابوالقاسم ابن ناقیہ شاعر نے مرثیہ لکھا جسکے بعض اشعار ابن خلکان نے نقل کیے ہیں شیخ نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ مگر تصنیفات جو انکی فضل و کمال کی ایک دائمی یادگار ہے اور اسی باقیات الصالحات میں شیخ کے نامور شاگرد بھی داخل ہیں۔

(۲) ابوالمعالی، امام الحرمین، عبدالملک جوینی

خواجہ نظام الملک کی صوفیانہ مجلس کے دوسرے رکن امام الحرمین ہیں، دربار ملکشاہ سلجوقی اور بارگاہ خواجہ میں امام الحرمین کا بڑا اعزاز کیا جاتا تھا۔ اور خواجہ سے خاص اوقات میں تخلیہ کی صحبت رہتی تھی۔

امام الحرمین کی کنیت ابوالمعالی لقب ضیاء الدین، اور نام عبدالملک تھا۔ اور پورا نام مع مختصر نسب نامہ کے یہ ہے۔ امام الحرمین ابوالمعالی، ضیاء الدین، عبدالملک بن شیخ ابو محمد عبدالسند بن ابویعقوب یوسف بن عبداللہ بن محمد بن یحییٰ جوینی۔

امام صاحب کا خاندان ہمیشہ علم و فضل کا مرکز رہا ہے۔ چنانچہ انکے دادا شیخ ابویعقوب یوسف علمائے شافعیہ میں ایک ممتاز عالم تھے۔ اور والد شیخ ابو محمد تفسیر فقہ اصول، عربیت اور ادب میں امام تھے۔ ابن خلکان کی روایت ہے کہ مینا پور میں مدتوں درس و افتاء کا سلسلہ

۱۔ جوینی بسطام سے مینا پور کو جو قافلہ کی طرح پے پیسہ جوین واقع ہے۔ یہ نہایت سرسبز اور آباد پرگنہ ہے آبادی بشکل متطیل دو پہاڑوں کی فصائی میں واقع ہے جسکی ایک حد جانب قبلہ ہیچ سے اور جانب شمال دوسری حد جاجرم سے ملتی ہے۔ مینا پور سے ۲۰ میل کا فاصلہ ہے۔ مراصد الاطلاع و گنج دانش۔ حالات تبریز صفحہ ۲۰۲۔

شیخ ابو محمد کی ذات سے جاری رہا۔ ۳۸۴ھ میں انتقال فرمایا تصنیفات میں تفسیر کبیر تبصرہ تذکرہ مختصر مختصر کتاب الفرق والمجموع وغیرہ یادگار ہیں۔

امام احرار میں بمقام جوین محرم کی اٹھارہویں تاریخ ۱۱۹۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اور اب تدائی کتابین اپنے والد سے پڑھیں۔

اُنکے انتقال پر مدرسہ ہیثمیہ میں داخل ہو گئے یہ وہ نامور مدرسہ ہے جو تمام اسلامی دنیا میں سب سے پہلے اعلیٰ تعلیم کے واسطے بمقام نیشاپور کھولا گیا۔ اندون ابوالقاسم اسکافی اس مدرسہ کے مدرس اعظم تھے۔ یہاں امام صاحب نے علم اصول میں کمال حاصل کیا۔ اسکے بعد بغداد گئے اور وہاں کے مشاہیر علماء سے مستفید ہوئے۔ جب تحصیل علم سے فراغ ہو گیا تو نیشاپور چلے آئے اور علمی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ لیکن ایک خاص واقعہ نے امام صاحب کو نیشاپور چھوڑنے پر مجبور کیا اور آپ حجاز کو چلے گئے۔ چنانچہ چار سال تک مکہ معظمہ میں قیام فرمایا اور جب مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہاں حلقہ درس قائم کیا۔ اور جب قدر فتوے آتے تھے اُنکے جواب بھی تحریر فرماتے تھے۔

ان مقدس مقامات میں امام صاحب کی بڑی عزت ہوئی اور امام احرار میں کا قیمتی خطاب انھی گھروں کا عطیہ ہے۔

یہ وہ زمانہ ہے (۵۴۵ھ) کہ سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے عمید الملک کندری کو قتل کر کے خواجہ نظام الملک کو وزیر اعظم کر دیا تھا۔ اور چونکہ خواجہ خود صاحب فضل و کمال تھا۔ اسوجہ سے اُسکی علمی قدردانی اور اہل و انصاف کی شہرت اطراف عالم میں بہت

جلد پھیل گئی۔ اور عید الملک کی تحریک سے مساجد میں امام ابو الحسن اشعری پر خطبہ میں جو لغت پڑھی جاتی تھی وہ بند کرادی گئی تھی چنانچہ خواجہ کی یہ بے تعصبی امام صاحب کو بہت پسند آئی اور مکہ معظمہ سے پھر نیشاپور واپس آئے۔ یہاں خواجہ نظام الملک نے امام الحرمین کا وہ اعزاز کیا جو انکی شان کے لائق تھا اور محض انکی خاطر سے نیشاپور میں ایک عظیم الشان مدرسہ تعمیر کیا جو نظامیہ نیشاپور کے نام سے مشہور ہے (نظامیہ کے تفصیلی حالات اپنے موقع پر تحریر ہیں) چنانچہ امام الحرمین اس مدرسہ کے مدرس اعظم مقرر کیے گئے۔ اور شہرت عام کی وجہ سے حلقہ درس میں اکثر ائمہ علم و فن جمع ہوا کرتے تھے کیونکہ امام الحرمین کی تقریر بڑی دلکش ہوا کرتی تھی اور روانی کا یہ عالم تھا کہ گھنٹوں کی تقریر میں بھی سلسلہ زیر بحث میں بے ربطی نہونے پاتی تھی۔ بلکہ دل سے آخر تک سلسلہ کلام کیساں رہتا تھا۔

وعظ کے واسطے صرف جمعہ کا دن تھا۔ اور یہ مجلس بھی نہایت پر لطف ہوتی تھی۔ غرض کہ کامل تین سو تک امام الحرمین نے علم و مذہب کی خوب خدمت کی۔ اسکے علاوہ سرکاری حیثیت سے تمام مذہبی صیغوں کے افسر تھے۔ وعظ امامت خطابت اور اوقاف کے شرعی احکام آپ کے حکم اور دفتر سے جاری ہوتے تھے۔ اور مفتی عدالت کی حیثیت سے ملکشاہ کی نظر میں بڑی عزت بھی جسکے ثبوت میں صرف ایک واقعہ لکھنا کافی ہے۔

علامہ جلال الدین محقق دہلوی اپنی کتاب اخلاق جلالی میں لکھتے ہیں کہ ”ایک دفعہ سلطان ملکشاہ سلجوقی کے حکم کے مقابلہ میں امام الحرمین نے منادی کرادی کہ ”سلطان کا حکم غلط ہو اور وہ حکم دینے کا منصب نہیں رکھتا ہے“ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ رمضان المبارک کی

۱۹۹۹ء میں تاج کو عید الفطر کے سبب سے سلطان نے اپنا ملکی دَوَرہ ملتوی کر دیا۔ اور دارِ سلطنت
 نیشاپور میں قیام فرمایا۔ اور شام کے وقت مع ارکانِ دولت کے چاند دیکھنے میں مصروف ہوا
 اگرچہ آسمان پر چاروں طرف سے انگلیاں اٹھیں۔ مگر ہلالِ عید نے مشتاقانِ عید کو اپنا چہرہ
 نہیں دکھایا۔ مگر جن مصاحبوں کو تئیس کی عید کی خوشی تھی انھوں نے بغیر کمالِ شرائطِ مذہب
 سلطان سے کہہ دیا کہ حضور چاند بنگل آیا ہے اور سلطان کو رویتِ ہلال کا یقین دلا کر تمام شہر
 میں ڈھنڈھوڑا پٹوایا۔ کہ کل عید ہے جب امامِ احرارین کے کانوں تک یہ صدا پہنچی تو
 انھوں نے دوسری منادی کا یامین الفاظِ حکم دیا: ”ابو المعالی کہتا ہے کہ کل تک ماہِ رمضان ہے
 جو میرے فتوے پر عمل کرنا چاہتا ہے اسے لازم ہے کہ وہ کل بھی روزہ رکھے“ قبل از وقت
 عید کی خوشی منانے والوں نے جب مفتیِ شرع کی منادی سنی تو سلطان کی خدمت میں
 حاضر ہوئے۔ اور بڑے عنوان سے منادی کے الفاظ کا اعادہ کیا۔ اور سلطان کو سمجھایا کہ
 ابو المعالی کے خیالاتِ سلطنت کی طرف سے اچھے نہیں ہیں اور عوام اُنکے معقد ہیں۔ اگر
 بندگانِ عالی کے حکم کے مطابق کل عید نہ ہوئی تو بڑی توہین اور ذلت ہوگی ملکِ شاہ کو
 امامِ احرارین کا اعلانِ ناگوار تو ضرور ہوا مگر چونکہ مزاجِ کانیک اور مذہب کا پکا تھا۔ اور
 علمائے ملت کی عظمت اُسکے دل میں بہت کچھ تھی اسیلے چند ارکانِ دولت کو حکم دیا کہ
 ”امام صاحب کو ادب اور تعظیم کے ساتھ اپنے ہمراہ لاؤ“ مفسدِ بیان بھی باز نہ آئے اور عرض
 کیا کہ ”جس شخص نے حکمِ شاہی کی عزت نہیں کی وہ واجبِ الاحترام نہیں ہے“ اس پر
 سلطان نے فرمایا کہ ”جب تک امام صاحب سے دو بد و گفتگو نہ ہو ایسے رفیع القدر کی

بے حرمتی نہیں ہو سکتی ہے“

القصد درباری امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بادشاہ کا پیام سنایا۔ امام صاحب اُس وقت جیسے کپڑے پہنے ہوئے تھے اسی طرح اٹھ کھڑے ہوئے اور در دولت پر حاضر ہوئے جب صاحب نے دیکھا کہ امام صاحب درباری لباس میں نہیں ہیں تو اُس نے اطلاع کی کہ پہلی عدول حکمی کے قطع نظر دوسری گستاخی امام صاحب نے یہ کی ہے کہ بارگاہ سلطانی کا ادب بھی بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ اور معمولی لباس پہن کر تشریف لائے ہیں۔ اس فقرے نے ملک شاہ کو اگرچہ گرا دیا تھا مگر پھر بھی امیر حاجب کی توسط سے دریافت کیا کہ ”جب امام صاحب کو معلوم ہے کہ دربار کا ایک خاص لباس مقرر ہے تو پھر اس ہیئت کدائی سے آپ کیون تشریف لائے ہیں؟“ امام صاحب نے اونچی آواز سے کہا کہ سلطان کو مجھے گفتگو کرنا چاہیے کیونکہ میری تقریر دوسرے شخص سے ادا نہیں ہو سکتی ہے۔ چنانچہ سلطان نے اپنے سامنے بلایا اور امام صاحب نے سلطان کو مخاطب کر کے کہا کہ ”اے سلطان! میں اُس وقت جس لباس میں ہوں اسی سے نماز پڑھتا ہوں اور وہ شرعاً جائز ہوتی ہے۔ پس جبکہ خدا کے سامنے میں اُطرح جاتا ہوں تو آپ کے سامنے آنے میں کیا قباحت ہے۔ البتہ دستور کے مطابق میرا لباس درباری نہیں ہے۔ اور میں نے چاہا تھا کہ لباس تبدیل کروں پھر خیال ہوا کہ میں ایسا نہ کہ فرادیر کی غفلت میں فرشتے میرا نام نافرمانوں کی فہرست میں لکھ لیں اور بادشاہ اسلام کے حکم کی مخالفت ہو۔ لہذا میں جس طرح بیٹھا تھا اسی طرح سے چلا آیا۔“

سلطان نے فرمایا کہ ”جب بادشاہ اسلام کی اطاعت آپ کے نزدیک اس قدر واجب ہے“

تو پھر بادشاہ کے حکم کے خلاف منادی کرانے کے کیا معنی ہیں؟ امام صاحب نے فرمایا کہ ”جو امور فرمان سلطانی پر موقوف ہیں اسکی اطاعت ہم پر فرض ہے اور جو حکم فتوے سے متعلق ہے وہ بادشاہ کو مجھ سے پوچھنا چاہیے کیونکہ حکم شریعت علماء کا فتویٰ حکم شاہی کے برابر ہے روزہ رکھنا، عید کرنا، یہ امور فتوے پر موقوف ہیں بادشاہ وقت کو اسنے کوئی تعلق نہیں ہے“ جب ملک شاہ نے امام صاحب کی تقریر سنی۔ تو اسکا غصہ جاتا رہا اور بہت خوش ہوا اور اعزاز سے رخصت کیا اور اعلان کر دیا کہ ”میرا حکم و حقیقت غلط تھا اور امام الحرمین کا حکم صحیح ہے“ ملک شاہ کی انصاف پسندی اور امام الحرمین کی آزادی ہمارے زمانہ کے علماء اور مسلمان حکمرانوں کے واسطے ایک قیمتی نصیحت ہے۔ امام الحرمین بڑے پایہ کے مصنف تھے۔ اور مختلف علم و فن میں انکی تصانیف حسب ذیل ہیں۔

نایب المطلب، شامل، برہان، الخیض، التقرب، ارشاد، عقیدۃ النظامیہ، مدارک العقول، غیاث الامم، مغنیۃ الخلق، غنیۃ المشرعین وغیرہ۔

ان تصنیفات کے علاوہ علوم الصوفیہ میں خاص ملکہ تھا۔ اور جب کبھی تصوف پر وعظ فرماتے تھے تو مجلس کو ٹٹا دیتے تھے یہ سب سے پہلے میں ربیع الآخر کی پچیسویں تاریخ چارشنبہ کی رات کو بعد نماز عشاء امام الحرمین نے انتقال فرمایا۔ بیماری کی حالت میں لوگ قریہ بستان میں اٹھا لے گئے کیونکہ نوح نیشاپور میں اس جگہ کی آب و ہوا ضرب المثل ہے۔ مگر انتقال کے بعد رات کے وقت جنازہ نیشاپور آیا۔ اور اپنے گھر میں دفن کیے گئے پھر چند سال کے بعد مقبرہ حسین میں نعش منتقل کر دی گئی اور اپنے والد کے پہلو میں ہمیشہ کے واسطے آرام فرمایا۔

امام صاحب کے حلقہ درس میں چار سو طلباء تعلیم پاتے تھے۔ انہیں سے تین سب سے ممتاز تھے۔
 کیا تھرا سی احمد بن محمد خوانی اور امام غزالی۔ مگر آخرین امام غزالی خود امام الحرمین سے بڑھ گئے۔
 جسکی تصدیق امام غزالی کے حالات سے ہوتی ہے۔

امام الحرمین کی وفات کے بعد نیشاپور کے تمام بازار بند ہو گئے اور جامع مسجد کا ممبر توڑ دیا گیا
 اور تمام شاگردوں نے دوات اور قلم توڑ ڈالے اور ایک سال تک ماتم میں مصروف رہے
 شعرا نے متعدد مرثیے لکھے ہیں۔

خواجہ علاء الدین عطاء ملک جوینی مصنف تاریخ جہانگشا اور خواجہ شمس الدین محمد وزیر ابقا خان
 امام الحرمین کے پوتے ہیں۔

(۱۳) امام ابوالقاسم قشیری

تیسرے رکن اس مجلس کے امام ابوالقاسم ہیں۔ پورا نسب نامہ آپ کا یہ ہے۔
 ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک بن طلحہ بن محمد قشیری۔ امام ابوالقاسم فقہائے
 شافعیہ کے مشہور رکن ہیں۔ اور طبقہ صوفیہ میں بلحاظ عظمت و شان امام وقت سمجھے جاتے ہیں
 خواجہ نظام الملک کو بھی امام صاحب سے بہ حیثیت ایک عالم باعمل اور عارف کامل خاص
 عقیدت تھی اور امام صاحب بھی خواجہ کی مجلس میں کبھی کبھی تشریف لے جاتے تھے اور
 اپنے مفید خیالات اور وعظ و نصیحت سے خواجہ کو فائدہ پہنچاتے تھے۔

ابن خلکان کی روایت ہے کہ امام صاحب فقہ حدیث تفسیر اصول ادب شعر اور کتابت
 میں علامہ روزگار تھے۔ اور تصوف میں خاص پایہ تھا چنانچہ امام صاحب نے شریعت

طریقت کو ملا کر ظاہر و باطن کا رشتہ ثابت کر دیا تھا اور اس اجتہاد سے امام صاحب کی بڑی شہرت ہو گئی تھی۔

امام صاحب عربی النسل تھے۔ اور قشیر بن کعب آپ کے جد اعلیٰ تھے اور اسی نسبت سے آپ قشیری مشہور ہیں۔ عرب سے نکل کر آپ کے بزرگ اسٹوا کے کسی گائون میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔ مگر امام صاحب نے نیشاپور میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اور عمر طبعی کی تمام منزلیں نیشاپور میں طے کیں۔

باپ کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اُٹھ گیا تھا۔ اسوجہ سے ابتدائی تعلیم و ترتیب نہیں ہوئی۔ بلکہ جو ان ہو کر طالب علمی شروع کی اور آخر کو کامیاب ہوئے اور مقتداے ملک و ملت قرار پائے۔ اور سب سے پہلے نظر تعلیم آپ ابو بکر محمد طوسی کے حلقہ درس میں شریک ہوئے اور فقہ سے ابتدا کی۔ جب اس میں فراغ حاصل ہو گیا تو اشاذ ابو بکر بن فورک کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

۱۔ اسٹوا نیشاپور کے ایک مشہور و معروف پرگنہ کا نام ہے جس میں ۹۲ گائون تھے اور اس کا مشہور قصہ "خوشان" ہے امام قشیری اسی پرگنہ کے کسی موضع میں رہتے تھے مراد اطلاع صفحہ ۳۰۔

۲۔ ابو بکر محمد بن حسین بن فورک اصفہانی مشہور متکلم ہیں لیکن اصول ادب انھیں بھی کیٹا تھے۔ واعظ بھی اول درجہ کے تھے ابتدائے ایک عرصہ تک عراق میں قیام کیا پھر رے سے نیشاپور تشریف لائے یہاں کے علم دوست لوگوں نے خاص آپ کے لیے ایک مدرسہ بنایا اور آپ اس میں درس دیتے رہے صرف اصول فقہ اور معانی القرآن کے متعلق ایک سو کنائیں تصنیف کی ہیں۔ مناظرہ میں خاص کمال تھا نہ تکلم میں نہ روایا گیا اور یہی باعث موت ہوا۔ حیرہ میں دفن ہوئے (نیشاپور کے ایک محلہ کا نام حیرہ ہے) ابن فورک بھی خواجہ کے درباریوں میں تھے اور کتاب "النظام فی اصول الدین" خواجہ نظام الملک کے واسطے تصنیف کی تھی۔ ابن خلکان صفحہ ۴۸۲۔

آثار الادب صفحہ ۳۷۳ جلد اول مطبوعہ بیروت ۱۸۷۷ء۔

اور علم الاصول میں کمال حاصل کیا۔ اسکے بعد ابو اسحق اسفرائینی کے مدرسہ میں داخل ہوئے اور ایک مدت تک تکمیل علوم و فنون میں مصروف رہے اور آخرین میں اسی درس گاہ سے فہرغ حاصل کیا۔ اور تفسیر میں کتاب التیسر لکھی۔ عبدالکریم قشیری بجا طفضل و کمال چونکہ بامور علما کے درجہ پر پہنچ گئے تھے اسلئے شیخ ابو علی دقاق نے جو واقعہ اسرار شریعت اور رہنمائے طریقت تھے اپنی بیٹی کا عقد امام صاحب سے کر دیا۔ تھوڑے زمانہ کے بعد جب شیخ کا انتقال ہو گیا تو امام صاحب نے مجاہدہ اور تجربہ کا مسلک اختیار کر لیا اور ہمہ تن تصوف پر چمک پڑے! اور اسی زمانہ میں رجال طریقت کے حالات میں ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام ”رسالہ“ ہے۔ پھر حج کو تشریف لے گئے۔

امام ابو محمد جوینی اور ابو بکر احمد بن حسین بھتی جیسے فخر روزگار علما کے علاوہ ایک جماعت ہمراہ تھی۔ اس سفر میں فرض حج کے علاوہ بغداد اور حجاز میں متعدد شیوخ سے حدیث کی عمت کی اور آخرین گوشہ نشین ہو گئے۔ مگر وعظ و تذکر کا سلسلہ جاری رہا۔

ابو الحسن علی الباہرزی نے اپنی کتاب دمیۃ القصص میں امام صاحب کی بڑی تعریف کی ہے۔ اور وعظ کے پرانے جلسہ پر نہایت مختصر مگر فصیح و بلیغ رائے لکھی ہے چنانچہ فرماتے ہیں

۱۵ ابو اسحق اسفرائینی حالات نظامیہ نیشاپور میں آپ کا تذکرہ تحریر ہے ۱۶ ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن علی بن عبد اللہ ابن مولیٰ بھتی: نامور حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ جامع علوم و فنون تھے۔ مگر حدیث میں خاص شہرت ہوئی کیونکہ عراق، حجاز، خراسان کا سفر کر کے ان مقامات کے شیوخ سے حدیث حاصل کی تھی۔ امام ابو حنین، احمد کے فضل و کمال کی شہادت دیتے ہیں۔ سنن کبیر، سنن صغیر، لآل النبوة، سنن والانتار، شعب الایمان، مناقب ائمہ وغیرہ تصنیفات میں مشہور ہیں ۱۷ ۱۸ ۱۹ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰ ۱۰۱ ۱۰۲ ۱۰۳ ۱۰۴ ۱۰۵ ۱۰۶ ۱۰۷ ۱۰۸ ۱۰۹ ۱۱۰ ۱۱۱ ۱۱۲ ۱۱۳ ۱۱۴ ۱۱۵ ۱۱۶ ۱۱۷ ۱۱۸ ۱۱۹ ۱۲۰ ۱۲۱ ۱۲۲ ۱۲۳ ۱۲۴ ۱۲۵ ۱۲۶ ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۴ ۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰

”لوقوع الضرب بصوت تحانیہ الذاب ولوربطا بلیس فی مجلسہ لتاب“ یعنی اگر امام قشیری کی ڈرانے والی آواز پتھر سے ٹکرا جائے تو وہ گھل کر بہ جائے اور اگر بلیس انکی مجلس میں شریک ہو تو وہ اپنی شیطانیت سے توبہ کرے۔

امام قشیری اصول میں اشعر یہ اور فروع میں شافعیہ تھے۔ شعر و سخن سے بھی ذوق تھا۔ شہسوار سی اور استعمال اسلمہ میں امام قشیری قابل تعریف مہارت رکھتے تھے ۶۵ھ ۶۶ھ ۶۷ھ ربیع الآخر کی سولہ تاریخ پندرہ کے دن قبل طلوع آفتاب یہ فضل و کمال کا سورج غروب ہو گیا ربیع الاول ۶۸ھ میں ولادت ہوئی تھی۔ نیشاپور میں شیخ ابوعلی دقاق کے پہلو میں یہ نامور خواب استراحت میں ہے۔

امام صاحب نے اپنے انتقال پر بڑا کنبہ چھوڑا۔ لیکن آپ کی اولاد میں جو سب سے نامور ہوا وہ انکا بیٹا ابو نصر عبدالرحیم تھا۔ مورخین نے شیخ ابو نصر قشیری کے بھی حالات لکھے ہیں اور علوم حال قال اور مجالس تحذیر و تذکیر میں انکے والد کا پہلہ بتایا ہے۔

(۴) ابوعلی فارمدی

چوتھے رکن اس مجلس کے صوفی ابوعلی فارمدی ہیں۔ پورا نام یہ ہے فضل بن محمد بن علی

بقیہ صفحہ ۱۳۸) بہت مین دفن کیے گئے۔ ابن خلکان جلد اول صفحہ ۲۰۔ ۳۱۱ ابو الحسن علی بن حسن بن علی بن ابوالطیب البخاری = نہایت نامور ادیب اور فصیح و بلیغ شاعر ہوا ہے ابتدا میں طفول یگ سلجوقی کا کاتب تھا۔ پھر لازمت چھوڑ کر گوشہ نشین ہو گیا۔ عربی فارسی کا دیوان موجود ہے۔ ۵۸۰ھ میں شہید ہوا ملک شاہ سلجوقی کی مح میں یہ رباعی مشہور ہے۔

نیشاپور

خاقان طم و کوس ملک شاہ کشد
فیصل سراپردہ خرگاہ کشد
فقور بساط شاہ برماہ کشد
قیصر بتورگاہ درگاہ کشد

المشہور شیخ ابوعلی فارمدی۔ شیخ ابوعلی طبقہ صوفیہ میں شیخ الشیوخ کا درجہ رکھتے ہیں علوم ظاہری میں امام ابو القاسم قشیری کے شاگرد تھے۔ اور ابو القاسم علی بن عبد اللہ کرمانی سے بیعت تھی۔ شیخ ابوعلی نے جو کچھ پایا وہ اسی قطب زمانہ کی فیض صحبت کا نتیجہ تھا۔ اور شیخ کی فضیلت میں شاید اس قدر لکھنا کافی ہو گا کہ جب امام غزالی علیہ الرحمہ کو علوم معرفت کی ضرورت محسوس ہوئی تو انھوں نے ابوعلی کو اپنا شیخ بنایا اور مرید ہوئے جو لوگ امام صاحب کے فضل و کمال سے واقف ہیں وہ اس انتخاب سے ابوعلی فارمدی کا درجہ قیاس کر سکتے ہیں۔

کا کل ابن اثیر کی روایت ہے کہ شیخ ابوعلی جب خواجہ نظام الملک کے دربار میں تشریف لاتے تھے تو خواجہ اپنی جگہ سے اٹھ کر شیخ کا استقبال کرتا پھر اپنی مسند پر بٹھا کر خود اگاہ ہو جاتا اور شیخ کے سامنے بیٹھ کر ادب سے گفتگو کرتا تھا چنانچہ خواجہ کے اس ادب کو دیکھ کر کسی نے پوچھا کہ آپ دیگر صوفیوں کی ایسی عزت و تعظیم کیوں نہیں کرتے ہیں؟ کہا کہ اور حضرات جب مجھے ملنے آتے ہیں تو وہ میری تعریف کرتے ہیں۔ کہ آپ ایسے ہیں۔ اور ایسے ہیں بلکہ ان صفات سے یاد کرتے ہیں کہ جو مجھ میں نہیں ہیں۔ اور ایسی محسراتی سے ظاہر ہے کہ نفس مغرور ہو جاتا ہے برخلاف اسکے شیخ ابوعلی مجھے میرے عیوب سے آگاہ کرتے ہیں اور میں انکی ہدایت سے مستفید ہوتا ہوں۔“

حقیقت میں ایک ماریٹ کامل اور گوشہ نشین زاہد اگر کسی بادشاہ یا امیر کبیر سے ملے تو اسکی ملاقات کا منشا بجز ہدایت اور پند و نصیحت کے اور کچھ نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ دنیا کے خود غرض بندوں میں یہ جسارت نہیں ہو سکتی ہے کہ وہ ایسے رفیع الشان لوگوں کو نصیحت کریں۔ اور اقدس لوگوں کی ہدایت کا جیسا اثر ہوتا ہے وہ تاریخ سے ظاہر ہے۔ مگر ہمارے زمانے کے

صوفیہ کا ایسی صحبتوں میں بھی وہی حال ہے جسکی خواجہ نظام الملک نے شکایت کی ہے۔

نصیحت پیری | خواجہ نظام الملک چونکہ ان بزرگوں سے بہ تکلف ملا کرتا تھا لہذا یہ حضرات بھی جو عیب خواجہ میں دیکھتے تھے وہ اُسکے منہ پر صاف کہہ دیا کرتے تھے اور خواجہ اُس سے متنبہ ہو جاتا تھا چنانچہ انہی واقعات کے ذیل میں روضۃ الصفا میں ایک طویل روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

۱۶۰۰ء ہجری میں سلطان ملک شاہ جب اول مرتبہ بغداد گیا ہے تو خواجہ بھی ہمراہ تھا چنانچہ مقدس مقامات کے زوار اور دیگر ارباب حاجت نے جب خواجہ کو گھیر لیا تو اُس نے بھی کہی سائل کو اپنی فیاضی سے محروم نہ رکھا لیکن واپسی پر جب فرد حساب ملاحظہ کی تو واضح ہوا کہ برعظمت دو لاکھ روپے (۲۰ ہزار دینار) صرف ہو گئے ہیں۔ اس لیے خواجہ نے حکم دیا کہ فی الحال مفاہٹ ملتوی کیے جائیں۔ اور کوئی سائل میرے پاس نہ آنے پائے۔

چنانچہ شیخ ابوسعید و اعظم کو جب یہ حال معلوم ہوا تو وہ خواجہ سے ملے اور اپنی کتاب موسومہ ”فیض النظمیہ“ کے ایک باب پڑھنے کی اجازت چاہی اور خواجہ کی اجازت پر شیخ نے پڑھنا شروع کیا۔ جسکے بعض فقرات کا ترجمہ یہ ہے۔ حاجتمند اگر کسی امیر کے پاس جائے اور وہ انکی خواہش نہ پوری کرے تو آپسہ کوئی عذاب نہیں ہو سکتا ہے لیکن وہ شخص جسکو باری تعالیٰ نے اپنے بندوں اور وسیع دنیا پر حکمران فرمایا ہے۔ اگر وہ حوادث کا اشد ادا و مساکن کی امداد نہ کرے یا وقت کا استعمال ٹھیک طور پر نہ کرے دیکھو نہ کہ یہ شخص حقیقت میں مزدور ہے۔

له روزنه الهفا صفحه ۶۷-۱۶۹- حالات نظام ۵۵ چوتھی ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ میں ملک شاہ داخل بخت اور ہوا تھا تاریخ
آل سلجوق مطبوعہ ۱۳۵۲ھ صفحہ ۷۲۔

جسے اپنے قیمتی وقت کو بیچ ڈالا ہے اور اسکی ہجرت چاہتا ہے تو وہ نہ تو اہل و عیال میں نہ دلی سے بیٹھ سکتا ہے نہ مطالعہ کا لطف اٹھا سکتا ہے نہ اعتکاف و تلاوت کر سکتا ہے۔ اسکے یہ افعال و اعمال و افعال سے مشابہتیں اور بندگان خدا کی غمخواری کرنا واجب ہے اور اجمالِ اسپر ہے کہ اداے واجب کے لیے نفل کو ترک کر دینا چاہیے۔ خواجہ اگرچہ وزیر ہے مگر حقیقت میں وہ ایک امیر ہے جسکو ملک شاہ نے اپنے نیابت کے لیے ایک خاص ہجرت پر لے لیا ہے تاکہ دنیا میں شہرون اور رعایا کا انتظام اور آخرت میں سلطان کی جانب سے جواب دہی کرے۔ کیونکہ قیامت کے دن ملک شاہ کو خدا کے سامنے کھڑا ہونا پڑیگا اور سوال کیا جائیگا کہ ”ملک شاہ! میں نے تجھ کو ایک عظیم الشان سلطنت کی حکمرانی بخشی تھی اور اپنے بندوں کی سمات کو ترے سپرد کر دیا تھا۔ تو نے اُنکے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟“

ملک شاہ جو اب عرض کر گیا۔ خداوند ا تو ظلام الغیوب ہے۔ میں نے تیرے بندوں کا انتظام ایک فرزانہ و عاقل اور مدبر و زیرک سپرد کر دیا تھا کہ وہ عدل و انصاف کرے میں نے اسکے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قلم دے دیا تھا۔ تاکہ وہ قلم سے حکم لکھے اور تلوار سے ملزموں اور ظالموں کو سزا دے۔ اب اسکو حضور میں پیش کرتا ہوں۔ ہر قسم کی جوابدہی کا یہ ذمہ دار ہے۔ اے فخر اسلام! غور فرما کہ اسوقت سب سے اچھا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یا تو آپ کہیں گے کہ ”جب انتظام سلطنت میرے سپرد ہوا تو میں نے مکان کا دروازہ کھول دیا اور حاجب و دربان کو اٹھا دیا۔ جو مجھے طالب ہوئے میں نے اُسے احسان و سلوک کیا۔“ یا آپ یوں عرض کریں گے کہ ”میں نے دروازے پر حاجب و دربان مقرر کیے اور انکو ہدایت تھی کہ بیچ

کوئی آنے نہ پائے قاصدا ورسفر واپس کر دیے جائیں اور امیدواروں کو جواب دیدیا جائے۔
 نو شیروان مذہبِ آتش پرست تھا لیکن فریادیوں کے لیے اُسکا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا
 دروازہ پر پاسبان نہ تھا۔ چنانچہ سفیرِ روم نے ایک بار عرض کیا کہ ”جہان پناہ نے تو دشمنوں پر
 بھی راستہ کھول دیا ہے اور اپنے بچاؤ کا کوئی ذریعہ نہیں رکھا ہے“ نو شیروان نے کہا کہ
 صرف ”عدل میرے لیے حصار ہے“

خواجہ ایہ تو ایک آتش پرست بادشاہ کا حال تھا۔ تجھے خدا نے خلعتِ اسلام سے محروم کیا ہے۔
 اس لیے تمام حکام سے بڑھ کر تجکو عادل ہونا چاہیے اور اُس دن کو یاد کرو جس دن پروردگارِ عالم
 اپنے بندوں کو اعمال کا صلہ دیگا۔ لوگ آفتابِ محشر کی حرارت سے عرق عرق ہو گئے اور
 خواجہ اپنی نصف شعاری کے طفیل سایہ میں کھڑا ہو گا۔ بلند مٹی اور نفس کی پاکیزگی بدلی
 کے مشابہ ہے مگر یہ زمین کی بدلی ہے۔ جب کہ آسمان کے بادل ساری دنیا میں میٹھ برساتے
 ہیں تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ زمین کے بادل بارش میں کالی کوئین؟ اور مروت کے مذہب میں
 بھی یہ کب جائز ہو سکتا ہے؟ کہ حق سبحانہ تعالیٰ ایک صاحبِ تدبیر و زیرِ کور و زمین کی
 حکومت عطا کرے اور وہ دارالسلام بغداد کو اپنی فیاضی سے محروم رکھے اور یہ مسلم ہے
 کہ انسان اس وارفانی میں ہمیشہ نہیں رہیگا لہذا بہتر ہے کہ اس چند روزہ زندگی کو غنیمت
 جانے اور حیاتِ ابدی کے حصول میں کوشش کرے۔ میں نے اس وقت جو کچھ نصیحتاً
 کہا ہے یہ گویا ایک امانت تھی جو میں نے ادا کر دی ہے اب اس پر عمل کرنا آپ کا کام ہے۔

جب خواجہ نظام الملک شیخ ابوسعید کی تقریر سن چکا تو بہت خوش ہوا اور بطریقِ مذاکرانہ ایک نذر

دینار پیش کیے لیکن شیخ نے! یہ لکرواپس کر دیے کہ زمین باغ و اراضی کا مالک ہوں مجھے اسکی حاجت نہیں ہے۔ البتہ آپ کی نیک نامی اور قیام دولت مطلوب ہے۔
اسکے بعد خواجہ نے اپنا پہلا حکم منسوخ کر دیا۔ اور ابوسعہ کی فصاحت کے مطابق عمل کیا،^۱ کمال شیر و غیرہ میں اس قسم کے واقعات اور بھی تحریر ہیں جسکو ہم نے نظر انداز کر دیا ہے۔
حلم و خنوع | امیر ابو نصر بن ابولاکا بیان ہے کہ میں ایک دن نظام الملک کی مجلس میں حاضر تھا اور امام الحرمین بھی تشریف رکھتے تھے کہ ایک حاجت مند آیا اور اُس نے اپنی عرضی نظام الملک کی جانب پھینکی جسکے ٹکڑے سے بھری ہوئی دوات مسند پر پڑ گئی اور عرضی سیاہی میں ڈوب گئی۔ خواجہ نے ہاتھ بڑھا کر عرضی کو پڑھا اور فرمایا کہ ”یہ شخص عمامہ اور لباس چاہتا ہے“ لیکن سائل کی اس حرکت پر تو چہرہ پر شکن آئی اور نہ کسی قسم کی ناراضی کا اظہار کیا مجھے خواجہ کے اس حلم پر بہت تعجب ہوا اور میں نے اس واقعہ کا استاد الدار سے تذکرہ کیا تو اُس نے کہا کہ میں آپ کو اس سے بھی عجیب تر واقعہ سناتا ہوں اور وہ یہ ہے۔

۲۔ میری نگرانی میں چالیس فراش ہیں (ہر وقت کے واسطے جدا گانہ فرش مقرر تھے) کل شب کو یکایک آندھی آئی اور خواجہ کی بستر پر گرد کی چادرین بچھ گئیں۔ فراشوں کو آواز دی ”گر صبح برخواست“ تب تو دنیا میری آنکھوں میں تاریک ہو گئی۔ اور میں نے دلپنے دل میں کہا کہ ہم سب عذاب کے مستحق ہیں اور جو عذاب ہم پر نازل ہو وہ کم ہے کیونکہ کوئی ایک بھی نہیں ہے جو بستر کو چھاڑ کر بچھائے اور اس خیال سے میرا غصہ بہت بڑھ گیا۔

۱۔ کمال شیر صفحہ ۲۵۲ جلد ۱۰ واقعات ۶۶۵ ۲۔ طبقات الکبریٰ ابن سنی حالات نظام الملک۔

جب خواجہ نے میرا بڑا سنا تو فرمایا کہ ”وہ کسی کام سے باہر چلے گئے ہونگے اور بھلا ایسا کون انسان ہے جسکو ذاتی کام نہوں اور یہی اسباب میں جنسے اولے فرائض میں کوتاہی نہ جاتی ہے۔ اور فراش بھی تو آخر ہمارے جیسے انسان ہیں۔ جیسے ہم دکھ پاتے ہیں ویسے ہی وہ بھی تکلیف اٹھاتے ہیں جن چیزوں کی ہمیں حاجت ہے انکے وہ بھی آرزو مند ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ خدا نے ہمارے فیضیت بخشی ہے۔ اسلئے خدا کی نعمتوں کا یہ شکر یہ نہیں ہے کہ ہم انکو ایسی خفیف باتوں پر نرا دین۔“

۳۔ ابن ہبار یہ خواجہ نظام الملک کا وظیفہ خوار اور دربار کا مشہور شاعر تھا ایک مرتبہ تاج الملک ابوالغنائم بن دارست نے جو خواجہ کا مشہور دشمن تھا۔ ابن ہبار سے کہا کہ اگر تم خواجہ کی ہجو لکھو تو میں تمکو مال کر دوں۔ ابن ہبار یہ جو ہجو گوئی میں ضرب المثل تھا اُسے کہا کہ میں ہجو تو آج لکھ دوں، مگر میرا دل مجکو ملامت کرتا ہے۔ کیونکہ میں اپنے گھر کی جس چیز کو دیکھتا ہوں وہ خواجہ کی عطیہ نظر آتی ہے پھر ایسے محسن کی ہجو کیونکر قلم سے نکلے گی۔ مگر خانہ طمع سیاہ باد آخر دینی زبان سے چند اشعار لکھے جسکا اخیر شعر یہ ہے۔

فالدهر کالدا ولا بلیہ سید ورا لا بلقر

آخر زبا نون پر گھوسے پھرتے یہ اشعار خواجہ کے بھی کان تک پہنچے۔ خواجہ نے سنا تو بھرا سکے اور کچھ نہ کہا کہ ابن ہبار نے اس مشہور مثل کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ”اٹھل طوس بقرا“ اور یہ میرے طوسی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ خواجہ نے ابن ہبار سے نہ تو کوئی جواب

۱۔ ویسا کہ کتاب الصالح والاعمال مصنفہ سید شریف نظام الدین ہباری صفحہ ۵۷ طبعیہ بیروت ۱۳۸۵ء تاج الملک کے تفصیلی حالات حصہ دوم میں لکھے گئے ہیں۔ ۲۔ ہندوستان میں بھی بہت سے موصوعات و قصبات ایسے ہیں جہاں کے باشندے ہجو گوئی میں ضرب المثل ہیں اسطرح فارس میں باشندگان طوس کو لوگ لاحق سمجھتے ہیں اور اپنی زبان میں انکو گاکا طوسی کہتے ہیں۔ خواجہ کے دشمن سپر ہی تھی کہ اگر تھے دارا سیکو ابن ہبار نے نظم کو اپنی اور یہ ظاہر ہو کہ دولا ب کو صرف بل ہی کہتے تھے۔

طلب کیا نہ اُسکو بُرا بھلا کہا۔ بلکہ انعام اور صلے میں بہ نسبت سابق کے اضافہ کر دیا۔ سچ ہے
 وہن سگ بلقمہ و ختمہ بہ خواجہ نظام الملک کے مکارم اخلاق اور وسعتِ حلم کا یہ
 ایک مختصر خاکہ ہے جس سے اسلامی اخلاق اور مذہبی تعلیم کی خوبیوں کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

مذہبی زندگی

مذہب دنیا کا کوئی فرد بشر ایسا نہیں ہے جو مذہب نہ رکھتا ہو۔ کیونکہ مذہب انسان کی
 فطرت میں داخل ہے۔ اور اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جس شخص میں مذہبی روح نہ ہو وہ انسان
 نہیں ہے۔ توحید، نبوت، عبادت، معاد، جزا و سزا، اور تمام اخلاقی امور کی تعلیم تکمیل صرف
 مذہب ہی کے ذریعے سے ہوتی ہے۔

مذہب ہی ایک ایسی چیز ہے جو ازل سے اور اب بھی ہے اور کوئی قوت ایسی نہیں ہے جو اُسکو دنیا
 سے معدوم کر دے۔ ہاں یہ ممکن ہے اور ہزاروں مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ مذہب کی سرسبز اور پھل
 پھولی شاخیں کاٹ ڈالی گئی ہیں۔ مگر آج تک یہ کسی نے نہ دیکھا ہو گا کہ مذہب کا استیصال
 ہو گیا ہو۔ البتہ عقل کی بھڑوی اور نورایان کی کمی سے مثل دیگر قوتوں کے اس میں بھی ضعف
 آجاتا ہے۔ مگر پوری طور پر صفحہ دل سے وہ کبھی نہیں مٹتا ہے اور نہ انسان اُسکو مٹا سکتا ہے۔
 دنیا کی ہر قوم ہر نسل اور ہر طبقہ کسی نہ کسی مذہب کا پابند ہے۔ مگر ان میں ایسے لوگوں کی تعداد
 ہمیشہ محدود رہا کرتی ہے جسکا ہر قول اور ہر فعل مذہب کے مطابق ہو۔ اور مذہب ہی اُسکا
 اوڑھنا بچھونا ہو۔ لیکن پھر بھی علمی طور پر جب قدر مذہب کی پابندی ہے وہ غریب نہیں ہے، اور

اور امین اس عنصر کی بہت کمی ہے اور امر کے مقابلے میں بادشاہوں اور وزیروں میں تو مذہب برائے نام ہوتا ہے۔ لیکن افراد مذکورہ بالا میں سے اگر کوئی اس کلیہ سے مستثنی ہو تو اس کی زندگی کا یہ واقعہ نہایت مہتمم بالشان ہے۔

مذہب اسلام میں مذہبی زندگی کے یہ معنی ہیں کہ اس کے عقائد، عبادات، اور اخلاق کا ہر جزو قانون مذہب کے مطابق ہو۔ اور اس کا کوئی فعل مذہبی معیار سے باہر نہ ہو۔ چنانچہ خواجہ نظام الملک بھی قرون اولی کے اُن خوش قسمت مسلمان وزراء میں سے ایک ہی شخص ہے جس کی زندگی کو ہم مذہبی زندگی کہہ سکتے ہیں۔

مذہب | نظام الملک شافعی تھا۔ اور سخت متعصب، مگر اس تعصب و بغض و عداوت، اور نفرت مراد نہیں ہے، جو دوسرے مذہب والے کے ساتھ برتی جائے (نمودار بنیام) بلکہ شدت فی المذہب مقصود ہے۔

ذکر و عبادت | ذکر و عبادت کے لحاظ سے خواجہ نظام الملک کو زاہد کہنا چاہیے اور وہ نہایت متواضع تھا۔ نازیہجگانہ ہمیشہ جماعت سے پڑھتا تھا اور یہ اس کی عادت تھی کہ ہمیشہ با وضو رہتا تھا اور ہر وضو کے بعد نماز نفل ادا کرتا تھا۔ قرآن مجید کی تلاوت کبھی ناغہ نہوتی تھی۔ اور یہ بھی التزام تھا کہ تلاوت کے وقت کبھی تکیہ لگا کر نہیں بیٹھا۔ کیونکہ ایسی نشست کو قرآن مجید کے عظمت و شان کے خلاف جانتا تھا۔ اور کلام مجید کو سفراء و حضرات اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ جس وقت کان میں اذان کی آواز آتی تھی، دنیا کے تمام کاروبار چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوتا تھا۔

لہ طبقات الکبریٰ ترجمہ نظام الملک۔

اور اذان کا جواب دیتا تھا (جیسا کہ تب فقہین نہ کر رہے) اور اگر کبھی اذان میں دیر ہو جاتی اور نماز کا وقت آجاتا تو فوراً موزن کو حکم دیتا تھا اور غلط اوقات میں اس قدر توجہ صرف انہی لوگوں کو ہوتی ہے جسکو نماز سے خاص دل چسپی ہو۔ ہر دو شنبہ اور پچھشنہ کو روزہ رکھتا تھا۔

اور ایک موقع پر خواجہ نے شرعی قسم کھا کر بیان کیا ہے کہ اُسے تمام عمر میں ایک مرتبہ بھی ہاکا از کتاب نہیں کیا۔ حج و زیارات خواجہ نظام الملک کو حج بیت اللہ کی بہت آرزو تھی۔ مگر افسوس ہے کہ وہ زیارت

خانہ کعبہ سے تمام عمر محروم رہا۔ الپ ارسلان کے دور حکومت میں تو خواجہ کو ایک دن کی بھی ملت نہ تھی کہ وہ گھر سے باہر قدم نکالتا۔ البتہ ملک شاہ کے زمانے میں خواجہ کو کافی موقع اس فرض کے ادا کرنے کا تھا۔ چنانچہ پہلے جہان بین مقام بغداد ملک شاہ نے خواجہ کو روانگی مکہ معظمہ کی اجازت بھی دیدی تھی اور سفر کی غرض سے خیمے ڈیرے بھی دریائے دجلہ کے کنارے

لگا دیے گئے تھے۔ مگر پھر نہیں معلوم کہ کن اسباب سے روانگی قافلہ کی ملتوی رہی۔ تاریخی واقعہ تو صرف اس قدر ہے۔ مگر قبول شخصے بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیب داستان کے لئے

روضۃ الصفا اور طبقات الکبریٰ میں عبداللہ ساوجبی سے یہ روایت ہے کہ ”جس زمانہ میں خواجہ حازم حج تھا انہی ایام میں ایک پیر مرد نے جسکی پیشانی سے نور چمک رہا تھا ہایک بندہ خواجہ کے پاس بھیجا۔ اور عبداللہ سے کہا کہ یہ خاص امانت ہے اسکو بجز خواجہ کے

اور کوئی نہ پڑھے۔ چنانچہ وہ خط خواجہ کی حضور میں پیش کر دیا گیا۔ جب خواجہ خط کو پڑھ چکا تو شدت سے رویا چنانچہ عبداللہ کا بیان ہے کہ مجھے بڑی ندامت ہوئی اور میں نے

اپنے دل میں کہا کہ ”اگر میں جانتا کہ اس خط کا یہ اثر ہوگا تو میں ہرگز پیش نہ کرتا۔ چنانچہ خواجہ نے وہ خط پڑھ کر مجھے واپس کر دیا اور کہا کہ ”جو شخص لایا ہے اسکو واپس کر دو۔“ میں نے خیمے کے دروازے پر دکھا تو وہ شخص بھکونہ لڑتا بین نے خط لاکر خواجہ کے سامنے رکھ دیا اور خواجہ نے خط کو میرے سامنے ڈال دیا۔ میں نے اسکو پڑھا تو اسکا یہ مضمون تھا کہ ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے اور حضور نے فرمایا ہے کہ حسن سے جا کر کہو تھیں کہ جانے کی ضرورت نہیں ہے، تمہارا حج یہی ہے کہ اس ترک (ملک شاہ) کی خدمت کیے جاؤ۔ اور میری امت کے لوگوں کی حاجتیں پوری کیا کرو۔ چنانچہ خواجہ نے روانگی مکہ منظم کی ملتوی کر دی۔“ خواجہ نظام الملک حج سے محروم رہا۔ مگر بغداد میں جب قدر بزرگانِ دین اور اولیائے کرام کے مزار میں اُن سب کی زیارت کی اور اسی سال مہینہ ذی الحجہ میں موسیٰ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے مزار پر انوار پر حاضر ہو کر فاتحہ پڑھا۔ ملک شاہ بھی خواجہ کے ہمراہ تھا۔ چنانچہ اس واقعہ پر ابن زکریا واسطی نے بطور تہنیت کے ایک قصیدہ لکھا۔

اس حجاج کی تجیز و کفین | فقیہ ابوالقاسم (برادر خواجہ) کی روایت ہے کہ ”میں مکہ منظم میں موجود تھا۔ اور عرفات جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ اطلاع ہوئی کہ ایک خراسانی کا کسی زاویہ میں انتقال

لائے جانے کا حال اشیرو میں اس قصیدہ کے حسب ذیل تین شعر تحریر ہیں۔

مزارت المشاہد و رة مشہودۃ	ارضت مضامیج من بہامدانون
فکانک الغیت استہل بتربہا	وکا نہا بک روضۃ و معین
فانزلت قداحک بالثواب انجحت	ولک الامالہ علی النجاج ضمین

کامل اشیر صفحہ ۵۳ جلد ۱۰۔

۱۵۔ یہ ہر سہ واقعات طبقات الکبریٰ سے منقول ہیں۔

ہو گیا ہے اور اسکی نقش پھول گئی ہے۔ چنانچہ اسکی تجنیز و تکفین کی غرض سے میں نے عرفات کا جانا ملتوی کر دیا۔ جب میرا ارادہ اُس امیر کو معلوم ہوا جو خواجہ کی طرف سے حجاج کی خبر گیری کے مقرر تھا تو اُس نے کہا کہ آپ جاؤ میں تمام قافلہ روانہ ہو چکا ہے۔ خراسانی کے جنادہ کا میں انتظام کر دینگا۔ کیونکہ خواجہ نظام الملک کی طرف سے پچاس ہزار گر کپڑا میرے پاس موجود ہے جو صرف تکفین موتے کے واسطے ہے۔

۲۔ حجاز کا راستہ | زائد سابق میں جو مصیبتیں حاجیوں کو پیش آتی تھیں آج اُنکا عشر عشر بھی نہیں ہے۔ اور سب سے زیادہ تکلیف راستے کی بدبختی کی وجہ سے ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ خواجہ نظام الملک نے اپنے عہد وزارت میں مکہ معظمہ کے راستوں کو خوب صاف کیا۔ اور جو دشواریاں تھیں اُنکو دور کر دیا۔ اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی آبادی میں خاص کوشش کی اور حاجیوں کی راحت رسانی کے واسطے متعدد دسا مان کیے۔

۳۔ بے تعصبی | ابو نصر محمد بن منصور بن محمد طغلبہ عمید الملک کنہری وزیر طغرل بیگ بلجونی نے اپنے عہد وزارت میں سلطان کی منظوری سے یہ حکم جاری کیا تھا کہ ”خطبہ میں روافضیہ لعنت کی جائے اور جب تمام ملک میں اسکا عملد رآمد ہو گیا تو اشاعرہ کی نسبت بھی یہی حکم

سلطانیہ فرقہ امام اشعری سے منسوب ہے۔ جبکا امام ابو الحسن علی بن اسماعیل ہے۔ امام صاحب شمسہ میں بمقام بصرہ پیدا ہوئے اور شمسہ میں بمقام بغداد وفات پائی۔ اشعر ملک یمن کے ایک قبیلے کا نام ہے۔ اور آپ ابو موسیٰ اشعری کے اولاد میں یمن جو مشہور صحابی تھے۔ امام ابو الحسن نے ابتدا میں عبد الوہاب مجتہبی سے تعلیم پائی تھی۔ اور چالیس برس تک معتزلی ہے اور امام مانے گئے۔ پھر کایک خواب میں ہدایت ہوئی جسکی بنا پر جامع بصرہ میں جا کر اعلان کر دیا کہ میں نے معتزلہ کے عقائد سے توبہ کی۔ اور معتزلہ بجمیہ خوارج اور تمام اہل بدعت کے (باقی آئندہ)

صاد رہا۔ چنانچہ عید الملک کے زمانہ میں دونوں فرقوں کے امون پر نصرت کی بارش ہوتی رہی۔ افسوس!!

عید الملک کی اس متعصبانہ کارروائی سے ملک کے نامور ائمہ امام الحرمین اور ابوالقاسم قشیری وغیرہ ناراض ہو کر مکہ معظمہ کو ہجرت کر گئے یا کسی اور طرف چلے گئے۔ لیکن طفول بیگ کے انتقال پر جب الپ ارسلان تخت نشین ہوا اور خواجہ نظام الملک مستقل وزیر تو خواجہ نے سب سے پہلے یہ فرمان جاری کیا کہ ”اشاعرہ اور روافض پر جو لعن کجاتی ہے وہ بند کی جائے“ جب یہ خبر اطراف عالم میں شائع ہو گئی تو تمام علما اپنے وطن میں واپس آئے اور خواجہ نے انکا دنیا ہی خیر مقدم کیا جسکے وہ مستحق تھے۔

شوق عبادت | خواجہ نظام الملک کا قول ہے کہ ”ایک وقت میں میری یہ تمنا تھی کہ کاش میں ایک گاؤں کا زمیندار ہوتا اور اُس میں ایک مسجد ہوتی جس میں بیٹھ کر دُعا کی کرتا۔ پھر یہ خواہش ہوئی کہ نہیں! میرے لیے تو مسجد کا ایک گوشہ اور چند بسوسے زمین کافی ہے“ اور اب تو

بقیہ صفحہ ۵۰، رو میں نہایت کثرت سے کتابیں لکھیں۔ شافعیہ میں امام صاحب کی بڑی قدر و منزلت ہوئی اور ہزاروں علماء انکے شاگرد ہوئے جن میں سے ابوسل وصلوکی، ابوبکر قتال، ابوزید مروزی، زہر بن احمد، حافظ ابوبکر جہانی، شیخ ابو جہر طبری، ابو عبد اللہ طائی، ابوالحسن بابلی، بندار بن حسن صوفی، نہایت نامور ہیں۔ لیکن شاگردی کے دوسرے دور میں ابوبکر باقلانی، ابوالحاق اسفرائینی، ابوبکر بن خورک، اور امام الحرمین وغیرہ اپنے اساتذہ سے بھی بڑھ گئے۔ بلکہ امام الحرمین کی توجہ اور اقتدار سے امام اشعری کی تصنیفات تمام دنیا میں پھیل گئیں۔ اور انکا مرتبہ علم کلام تمام دنیا کا علم بن گیا ہے۔“

تفصیل کے لیے دیکھو علم الکلام شمس العلماء شبلی نعمانی، الملل والنحل، طبقات الکبریٰ، کمال اثیر صفحہ ۷۲، جلد ۱۰ لے کمال اثیر۔

صرف یہی آرزو ہے کہ تمام دن مین کھانے کو ایک روٹی مل جائے اور مسجد کا ایک زاویہ ہو۔
جس میں بیٹھا ہوا اللہ اللہ کیا کروں“

یہ خیال خواجہ کی مذہبی زندگی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اور مصنف آثار الوزراء کے اس قول کا مویہ ہے
کہ ”خواجہ نظام الملک باوجود دولت و عظمت بسیار و اشتغال بے شمار و انہماک بر حال مضاعف
رعیت و بیچارگان ہر ولایت رسیدے۔ و باز ہاد و مشاغل و علما صحبت داشتے۔ و اوقات
و ساعات را مستغرق طاعات و عبادت گردانیدے“

عام حالات

ترجمہ | انقیہ ابو القاسم (برادر خواجہ) کا بیان ہے کہ ”میں ایک لڑکتہ خواجہ کا مہمان تھا،
جب کھانے کے لیے دسترخوان بچھایا گیا تو خواجہ نے جگہ بھی شرکت کی عزت بخشی نشست
اس طرح پڑھی کہ خواجہ کے ایک طرف مین تھا اور دوسری طرف عمید خلیفہ اور عمید کے پہلو
میں ایک مسکین فقیر جکا وایان ہاتھ کٹا ہوا تھا۔ چنانچہ فقیر نے جب بائیں ہاتھ سے کھانا شروع
کیا تو عمید کو اس کا یہ طرز ناپسند ہوا جب خواجہ نے عمید کی تیوریوں پر بل دیکھا تو عمید سے کہا کہ
آپ دوسری طرف پھر جائیں اور فقیر سے کہا کہ یہ تو بڑے آدمی ہیں باقم میری طرف
چل آؤ اور پھر اپنے ساتھ کھانا کھلایا“

کامل بن شیر کی روایت ہے کہ خواجہ کے دسترخوان پر ہمیشہ مساکین و فقرا کھانا کھاتے
تھے اور خواجہ کے قریب بیٹھا کرتے تھے۔

رقت طبع | ابو الخیر ولف بن عبد اللہ بن محمد البنان بغدادی (بروایت امام عبد الرحیم بن شافعی قزوینی) بیان کرتے ہیں کہ ”خواجہ نظام الملک بیمار پڑا ہوا تھا کہ ابو علی القورسانی خواجہ کی عیادت کے واسطے تشریف لے گئے اور انھوں نے یہ اشعار پڑھے۔

اِذَا امْرِئُضًا نَوَيْتُ اَعْلًا صَالِحًا	جب ہم بیمار ہوتے ہیں تو نیک کاموں کی نیت کر لیا کرتے ہیں
فَاِنْ شَفَيْتُنَا قَسَمْنَا الزَّيْغُ وَالْزَّكْلُ	مگر تندرست ہونے پر ان ارادوں میں تغرش ہو جاتی ہے
نَسْجَالَا كَهْ اِذَا امْرِئُضًا وَكُنْصُطُ	حالت غم میں تو ہم خدا سے لیدہ لکھتے ہیں اور حالت امن میں اُسکو
اِذَا اَمْنًا اَعْمَايْزُ لَوْ كُنَّا عَمَلُ	بیماروں کہتے ہیں میں تمہاری نصیحتوں کو ہمارے عمل پاک مانتے ہیں

یہ اشعار سن کر خواجہ کو رقت طاری ہوئی اور کہا کہ ”جیسا آپ فرماتے ہیں یہ بالکل سچ ہے۔“
 ایک مذہبی | خواجہ کے دروازے پر بھی معمولاً حاجب و دربان مقرر تھے۔ مگر انکو یہ ہدایت تھی کہ کسی وقت کوئی آنے والا نہ روکا جائے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ ”خواجہ دسترخوان پر تھا کہ ایک عورت (باتھ مین پالہ لیے ہوئے) آئی دربان نے اُسکو ٹوٹا دیا۔ جب خواجہ نے چشم خود اُسکو واپس جاتے ہوئے دیکھا تو دربان پر بہت خفا ہوا اور کہا کہ ”تم صرف اسلئے نوکر ہو کہ دروازے سے کوئی مسکین و محتاج خالی ہاتھ نہ جائے۔ البتہ صاحبان جاہ و حشم محض اپنی ذاتی راحت کے لیے نوکر رکھا کرتے ہیں۔“

فیاضی | خواجہ نظام الملک کی عادت تھی کہ جب وہ گھر سے باہر نکلتا تھا تو روپوں کی تھیلیاں غلاموں کے ساتھ ہوتی تھیں اور راستہ میں جس محتاج پر نظر پڑتی تھی اُسکو انعام دیا جاتا تھا۔

۱۵۴ یہ ہر سہ واقعات طبقات الکبریٰ سے منقول ہیں۔ ۱۵۵ آثار الوزارہ سعید الدین۔

چنانچہ ایک دن کا واقعہ ہے کہ خواجہ کی سواری کسی سبزی فروش کی دکان کی طرف سے نکلی وہ تھیلے
 اٹھ کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ محتاج ہوں، موجودہ معاش کی آمدنی اہل و عیال کے لیے کافی
 نہیں ہے۔ خواجہ نے غلام کی طرف اشارہ کیا اُس نے ایک تھیلی دیدی سبزی فروش نے
 دعا دی۔ اور دکان سے اٹھ کر دوسرے راستہ پر جا بیٹھا اور دامن سے پاؤں چھپا کر مفلوج
 بن گیا۔ اور خواجہ سے ظاہر کیا کہ پانچ ہون لڑکے بچے بہت ہیں، روٹیوں سے محتاج ہو رہا ہوں
 خواجہ نے غلام کو اشارہ کیا اُس نے پھر ایک تھیلی دیدی۔ چنانچہ سبزی فروش زرفند لیکر بیان سے
 بھی اٹھا اور آگے بڑھ کر نئے روپ سے خواجہ کو سلام کر کے کہنے لگا کہ مجھ پر دنیا تنگ ہو رہی ہے
 چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کا بار سر پر ہے۔ خواجہ نے غلام سے اشارہ کیا۔ اس کے بعد آواز بد کر چو تھی
 مرتبہ خواجہ کے سامنے آیا اور بیان کیا کہ میں اسپیکالٹ کا باشندہ ہوں اور غازی ہوں۔
 افسوس ہے کہ میری فوج نے شکست کھائی اور ہزار خرابی زندہ بچ کر یہاں تک آیا ہوں۔ ہمت
 بھی خواجہ نے انعام کا حکم دیا مگر یہ کہہ کر کہ ”اے بوڑھے سبزی فروش، مفلوج، لڑکیوں والے،
 غازی اسپیکالٹ اپنا انعام لے اور رخصت کر دیا۔“

طیفہ سلطان الپ ارسلان کے زمانہ میں وزارت سے قبل، خواجہ نظام الملک کی
 دیانت و کتابت، اور ریاست کا دفتر انشا میں سکھ بیٹھ گیا تھا۔ چنانچہ اسی زمانہ میں سلطان کو
 سفر کا اتفاق ہوا۔ لیکن وزیر السلطنت عمید الملک کندری علالت کے باعث سلطان کے
 ہمراہ نہیں جاسکتا تھا اور سفر میں کم از کم ایک کاتب کا ہمراہ جانا ضرور تھا۔ چنانچہ منظم
 لے اسپیکالٹ (پہلا اور آخر کا مشہور شہر ہے۔

دو فتر نے خواجہ حسن کو انتخاب کیا اور سلطان نے بھی اس انتخاب کو منظور فرمایا۔ چونکہ اس وقت خواجہ کی معمولی حالت تھی، اسوجہ سے سامان سفر کے لیے متروک ہوا۔ اور اداسے نماز اور عرض نیاز کے لیے داخل مسجد ہوا کہ اتنے میں ایک اندھا بھی آیا اور پکارا کہ کوئی ہے؟ خواجہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر اندھے نے لٹھی کے سہارے سے مسجد کا ایک ایک گوشہ ٹولا۔ جہیناں ہو گیا کہ کوئی نہیں ہے، تب جا کر مسجد کا دروازہ بند کیا۔ اور محراب کے سامنے کا فرش ہٹا کر زمین کھودی، اور ایک آنچورے سے روپے نکالے، اور تھوڑی دیر تک اُن روپوں سے اپنا دل خوش کرتا رہا۔ پھر روپوں کو آنچورے میں بھر کر اُسی جگہ دفن کر دیا اور چلا گیا۔ چنانچہ خواجہ نے کمال مسرت و اطمینان قرض حسنہ کے طور پر اس روپیہ کو لے لیا اور سامان سفر درست کر کے سلطان کے ہمراہ روانہ ہو گیا۔ چنانچہ عہد وزارت میں ایک دن خواجہ کی سواری شاہانہ جاہ و جلال سے جا رہی تھی کہ راستے میں وہ اندھا نظر آیا۔ خواجہ نے ایک خادم کو حکم دیا کہ وہ مکان پر حاضر کیا جائے، پُچھا نہ جب وہ پیش ہوا تو خواجہ نے اسکی بڑی خاطر کی، اور ادھر ادھر کی باتوں کے بعد پوچھا کہ ”جو روپیہ تم نے محراب مسجد میں دفن کیا تھا وہ نکلو یا نہیں؟“ روپوں کا ذکر سن کر اندھا اچھل پڑا، اور خواجہ کا دامن کپڑے کے کینے لگا کہ ”ہاں صاحب! میں نے اپنا لکھو یا ہوا روپیہ آج پالیا؟“ خواجہ نے کہا کہ کیونکر؟ اندھے نے کہا کہ ”جس دن سے میرا روپیہ گیا ہے، میں نے اس واقعہ کا کسی سے ذکر نہیں کیا ہے خواجہ یہ سن کر ہنس پڑا اور جب قدر روپیہ لیا تھا اُسکا دو چندان ہونے کو دلا دیا۔ اور پر گئے مرد میں ایک گاؤں اُسکی اولاد کے نام ہبہ کر دیا، اور غریب اندھا تمام عمر کے لیے مال مال ہو گیا۔ اس حکایت کو روضۃ الصفا وغیرہ نے بھی لکھا ہے

اور خواجہ کے آئندہ اقبال اور علامات سعادت کے واقعات میں شمار کیا گئے۔

۳۲ | نظام الملک کا دستور تھا کہ جب اسکی حضور میں کوئی ہدیہ پیش ہوتا تو وہ حاضرین مجلس کو تقسیم کر دیا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ باغبان نے تین لوکیان ڈالی میں پیش کیں خواجہ نے ایک نزار درہم انعام دیکر اسکو تو رخصت کر دیا اور تقسیم کی غرض سے ہر لوکی کے متعدد ٹکڑے کراڈالے۔ لیکن پھر تقسیم نہ کیا۔ ایک مصاحب نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ ”یہ شیریں نہ تھیں۔ اور کڑوی شہ قابل ہر یہ نہیں اور انعام اسوجہ سے دیا گیا کہ غریب مالی محروم نہ رہے۔“

خواجہ نظام الملک بالطبع فیاض تھا۔ مگر اسکی فیاضی اعتدال کے ساتھ تھی۔ علماء، مشائخ، حکماء، شعراء، اطباء، مصاحبین اور خدام کو عیدین اور نوروز وغیرہ کے موقع پر انعام دیا کرتا تھا۔ مگر یہ انعامات براکمہ کے ہم پلہ نہ تھے کہ ایک دن میں پورے صوبہ کا خرارج ایک اعلیٰ (بدو) یا کسی شاعر کو دیدیا جاتے۔ خواجہ کے انعام اور صلہ کی تعداد ہمیشہ ایک محدود مقدار میں ہوتی تھی اور اگر زمانہ حال کے اصول کے مطابق دیکھا جائے تو بقول ایک ظریف کے کہہ سکتے ہیں کہ خواجہ نظام الملک بھی انجمن ”صلح تمدن“ کا ایک رکن تھا جسکا ہر کام افراط و تفریط سے پاک تھا اور ایسے ہی نونے زمانے حال کے مسلمانوں کے لیے باعث خیر و برکت ہو سکتے ہیں۔

صبر و شکر | ایک شخص راوی ہے کہ ”میں خواجہ نظام الملک کی مجلس میں موجود تھا اور وہ زمانہ تھا جب کہ خواجہ نظام الملک کی وزارت عروج پر بھی اور ملک شاہ خواجہ کے اشار و نپر چلتا تھا کہ عراق عجم سے ایک نام آ یا جسکا بیضیوں تھا کہ ”ایک پہاڑی چراگاہ میں پانٹو عربی گھوڑے

چر رہے تھے کہ ناگاہ ایک جھنڈ پڑنے کا پہاڑ کی چوٹی سے اوڑھ لایہ پرندہ سرور عقاب کے برابر
 تھے جنکے پروں کی ہمیتناک آواز سے گھوڑے بھٹک کر بے اختیار بھاگے۔ اور ایک درے
 میں جا کر۔ اس بندہ مقام سے ایک بڑی ندی نکل کر شیب میں گرتی تھی۔ چنانچہ بہت سے
 گھوڑے اس پانی میں گر کر غرق ہو گئے۔ اور جو باقی رہے ان میں سے اکثر کے اعضا ٹوٹ
 گئے۔ خواجہ یہ خبر پڑھ کر چپ ہو رہا۔ پھر کچھ عرصے کے بعد بہت رویا۔ حاضرین مجلس نے
 تسکین و تسلی کی باتیں شروع کیں۔ خواجہ نے فرمایا کہ "میرا گریہ و زاری کرتا اس نقصان کی
 وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ شوق اور شکر یہ کار و نامہ کیونکہ اس واقعہ سے بھلا بتائی زمانہ کا
 ایک واقعہ یاد آگیا۔ اور وہ یہ ہے کہ میں غزنین سے خراسان جا رہا تھا، اور میرے پاس
 صرف تین دینار تھے چنانچہ چار دینار اور قرض لیکر میں نے ایک گھوڑا خریدا مگر وہ اسی دن
 مر گیا اور میں سخت پریشان ہوا۔ اور آج خدا کے فضل سے پاس گھوڑوں کے تلف ہونے پر
 بھی میرے دل و دولت میں کوئی کمی نہیں ہوئی ہے۔ چنانچہ مجھے وہ وقت یاد آگیا کیونکہ خدا نے
 مجھے درجہ ادنیٰ سے کیسے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا دیا ہے۔ اور اس خوشی میں میرے آنسو نکل آئے۔
 خیرات | خواجہ نظام الملک کا دستور تھا کہ "ہر روز صبح کے وقت ایک دینار (پانسو روپیہ)
 مساکین و فقرا کو تقسیم کیا کرتا تھا۔ اور اس صدقہ کو ان عطیات سے کوئی تعلق نہ تھا جبکہ
 سلسلہ صبح سے شام تک بحیثیت ایک وزیر کے جاری رہتا تھا۔

عفو جہاں | خواجہ نظام الملک نہایت متواضع اور حلیم تھا۔ چنانچہ خواجہ کے ذاتی ملازم اکثر

لکھنؤ دانش صفحہ ۳۵۱، دروشتہ الصفا حالات خواجہ، ملہ طبقات الکبریٰ۔

تصور کیا کرتے تھے، مگر وہ اپنی نیک مزاجی اور خوش اخلاقی سے معاف کر دیتا تھا اور اس صفت میں وہ مامون الرشید عباسی کا ہم خیال تھا کیونکہ مامون الرشید کا قول ہے کہ نیک مزاجی ہی بڑی آفت ہے کہ نوکر و غلام شریار و بد خو ہو جاتے ہیں لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ انکی نیک خو کرنے کے لیے میں بد مزاج بنوں۔“

خواجہ کلید تا و عام تھا اور لوگوں کی خطائیں معاف کرنے سے اسکو مسرت ہوتی تھی چنانچہ علامہ ابن اثیر جزری خواجہ کی نسبت تحریر فرماتے ہیں۔ كَانَ عَلَمًا دَيِّنًا جَوَادًا عَادِلًا حَلِيمًا كَثِيرًا الصَّحْحَ عَنِ الْمَذْنِبِينَ۔

باوجود قدرت انتقام کے خواجہ اپنے دشمنوں کے بھی قصور معاف کر دیا کرتا تھا اور یہ وہ وصف ہے جو اپنے موصوف کو دنیا میں ہر دل عزیز بنا دیتا ہے اور خدا بھی خوش ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ روایت مشہور ہے کہ ۷

موسےؑ نے یہ کی عرض کہ لے بار خدا مقبول تر ا کون ہے بندوں میں سوا ارشاد ہوا، بندہ ہمارا وہ ہے جو لے سکے اور نہ لے، بدی کا بد لا حسن بن صبلح نے خواجہ کے ساتھ منافقانہ کارروائیاں کیں اسکا اسناد یوں ہمہ گستاخا کہ وہ قتل کر دیا جاتا مگر نہیں، خواجہ نے ملک شاہ سے سفارش کر کے اسکی جان بچا لی اور دارالسلطنت سے باہر چلے جانے کا حکم دیا اور اس سے بڑھکر یہ ہے کہ اپنے قاتل کا بھی خون معاف کر دیا۔ البتہ اگر خواجہ کے دامن پر عمید الملک گندری کے خون کا دھبہ نہ ہوتا۔ تو انصاف یہ ہے کہ اس صفت میں وہ تمام وزرا سے ممتاز ہوتا تاہم ایک خاص واقعہ سے اسکی

سیکڑوں نیکیاں برباد و نین ہو سکتی ہیں۔

خاموشی | خداوند عالم نے حیوان پر انسان کو جن اسباب سے فضیلت بخشی ہے، منجملہ اسکے ایک سبب نطق (گویائی) بھی ہے۔ بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ انسان اور حیوان میں یہی حد فاصل ہے۔ مگر انسان جب طرح سے خدا کی اور نعمتوں کا قدر شناس نہیں ہے، اسی حیثیت سے اس نعمت کو بھی برباد کر رہتا ہے۔

عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ لوگوں میں خاموشی کی صفت کمتر ہوتی ہے۔ اور فضول کی بکریک میں زیادہ وقت ضائع کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ مدبر ہیں اور حکیمانہ دماغ رکھتے ہیں خاموشی کا وصف ضرور ہوتا ہے۔ تاریخ کامل میں خواجہ کوٹویل القصمت کے خطاب سے یاد کیا ہے یعنی وہ اکثر خاموش رہتا تھا۔ بات نہایت کم کرتا تھا۔ اور غیر ضروری باتوں میں کبھی غلطی نہ دیتا تھا۔

حکمت علی (۱) | الپ ارسلان کے انتقال پر جب ملک شاہ تخت نشین ہوا، تو سب سے پہلے اُسکو اپنے عزیزوں سے خانہ جنگی کرنا پڑی۔ چنانچہ ۵۷۵ھ کا واقعہ ہے کہ ملک شاہ کا چچا قادر بیگ تاج و تخت کا دعویٰ دہا کر رہا۔ ان سے رے کی طرف بڑھا۔ جب ملک شاہ کو اس فوجی نقل و حرکت کی اطلاع ہوئی تو وہ بھی مدافعت کے لیے تیار ہو کر نکلا۔ خواجہ نظام الملک بھی ہمراہ رکاب تھا۔ چنانچہ شعبان کے مہینے میں بمقام ہمدان دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ اور تین رات دن کی لڑائی کے بعد قادر و گرفتار ہو گیا۔ جب فوجی سردار مبارکباد کے لیے

۵۷۵ھ کا تاریخ حالات خواجہ۔ و آثار الوزرا۔ ۵۷۵ھ الپ ارسلان کو یوسف خوارزمی نے ساتویں بیچ الاول ۵۷۵ھ کو قتل کیا تھا جو مطابق ہے ۱۷ ستمبر ۱۱۸۱ھ کے دیکھو کتاب التوفیقات الامامیہ مصنفہ ابوالمصبر محمد مختار یا شاہانی کشف مصر صفحہ ۲۳۳۔

حاضر ہوئے تو انھوں نے خود اور نیز سپاہیوں کی طرف سے خواجہ کو یہ پیام دیا کہ اس فتح کے صلے میں بقدر مراتب انعام دیا جائے۔ اور اگر سلطان نے اس درخواست کو قبول نہ فرمایا تو بلحاظ اس عام ہمدردی کے جو فوج کو قاور کے ساتھ ہے کچھ عجب نہیں ہے کہ تاج شاہی قاور کے سر پر ہوا اور چتر بھی اُسی کے تخت پر سایہ افکن ہو۔ خواجہ نے ارکان فوج کا یہ پیام نہایت تحمل سے سنا مگر غصہ میں مٹلن کر دیا کہ میں آج ہی بارگاہ سلطانی میں عرض کروں گا۔ اور شب کو سلطان سے مشورہ کر کے قاور کو گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ علی الصباح جب فوجی سردار سلطان کا جواب سننے کو حاضر ہوئے تو خواجہ نے کہا کہ قاور دبیگنے رات کو زہر کھا کر خودکشی کر لی ہے اور سلطان اپنے عم مکرم کے ماتم میں مصروف ہے۔ یہ موقع عرض حال کا نہیں ہے۔ چنانچہ سب سردار چپ چاپ رخصت ہو گئے۔ اور ایک عظیم الشان خطرہ ٹل گیا۔

(۲) قاضی ابن خلکان لکھتے ہیں کہ جب قاور د ملک شاہ کے سامنے آیا تو اُس نے جرم بغاوت سے معافی چاہی مگر ملک شاہ نے کوئی عذر نہ سنا۔ تب قاور د نے صفائی میں ایک خریطہ پیش کیا۔ جو ارکان سلطنت کے خطوط سے بھرا ہوا تھا۔ اور ہر خط میں قاور د یہ استدعا کی گئی تھی کہ وہ ملک شاہ پر فوج کشی کرے۔ اس طومار کو دیکھ کر سلطان نے خواجہ کو طلب کیا اور خریطہ دیکر حکم دیا کہ ”ایک ایک خط پڑھ کر سناؤ“ خواجہ نے سلطان کے ہاتھ سے خریطہ لے لیا۔ اور خیمے کے اندر جوا بگٹھی دھاک رہی تھی وہ تمام خطوط اُسمین ڈال دیے۔ جو

آن واحد میں جکڑ کر رکھ ہو گئے۔ اس عجیب و غریب کارروائی سے اُمرائے دربار کو تسکین ہو گئی۔ کیونکہ انہیں وہ اکثر اُمراموجود تھے جنہوں نے قاور دے خط و کتابت کی تھی۔ اگر یہ خطوط پڑھے جاتے جو اشتعال طبع کی حالت میں معلوم نہیں کہ طرفین سے کیا کارروائی ہوتی اور اسکا اثر سلطنت پر نہایت خراب پڑتا۔ مگر خواجہ کی اس عاقلانہ کارروائی کا یہ نتیجہ ہوا کہ تمام ارکان سلطنت نے کامل وفاداری کا اظہار کیا اور دلی عوش سے سلطنت کی خدمت کی تاکہ بگمائی کا دھبہ باقی نہ رہے۔

مؤرخ مذکور لکھتا ہے کہ اس قسم کے متعدد واقعات خواجہ نظام الملک کے ہیں۔ اور صرف یہی ایک کارروائی ایسی دوراندیشی پر مبنی تھی جسکی وجہ سے ملک شاہ کی سلطنت کو استقلال اور استحکام ہو گیا۔ اور آئندہ اسقدر فتوحات ہوئیں کہ تاریخ اسلام میں خلفائے متقدمین کے بعد کوئی سلطنت اس وسعت کو نہیں پہنچی۔

خواجہ کے اخلاق و عادات کے متعلق جب قدر لکھنا چاہتے تھے اسکا دسواں حصہ بھی نہیں لکھا گیا ہے۔ جبکہ باعث یہ ہے کہ اس عنوان پر مورخین نے بہت کم لکھا ہے۔ جبکہ روایات موجودہ تاریخین میں ملے وہ ہمنے لکھ دیے ہیں۔ لیکن اگر کوئی مبصر خواجہ کی تصنیفات اور خطوط کو پڑھے (جو اسنے اپنے بیٹوں کو لکھے ہیں) تو اسکے طرز معاشرت اور اصول زندگی سے واقف ہو کر مفید نتائج اخذ کر سکتا ہے۔

۱۵ ابن خلکان صفحہ ۱۲۳ جلد ۲۔ ۱۶ خواجہ نظام الملک کے تصنیف کے پورے خلاصہ دو کے

حصہ میں موجود ہیں۔ ۱۷ اور خطوط ناظرین پڑھ چکے ہیں

خواجہ نظام الملک کی خانگی زندگی

شادی | خواجہ نظام الملک کی پہلی شادی کس خاندان میں ہوئی اسکی صحیح تاریخ بہت نا مشکل ہے لیکن کامل اثیر کی روایت سے پایا جاتا ہے کہ جب خواجہ نظام الملک، ابوعلی احمد بن شاذان والی بلخ کے دربار سے بھاگ کر سلطان چغریگ داد و پلجوتی کے دربار میں بمقام مرو پہنچا ہے۔ اسوقت خواجہ کے دولٹ کے چٹیدار المدد مود الملک ابو بکر عبید اللہ اور مظفر فخر الملک ابو الفتح مظفر موجود تھے۔ اور یہ دونوں لڑکے غالباً خواجہ کی پہلی بی بی سے ہونگے۔ اگرچہ خواجہ کی شادی کے تفصیلی حالات ہکوکین نہیں ملے۔ مگر واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شادی وطن میں ہوئی ہوگی۔ جبکہ خواجہ امام موفق کی درسگاہ سے واپس آیا ہے۔ یا یہ وہ زمانہ ہوگا جب کہ دارالعلوم بخارا سے خواجہ اور اراکین کے سفر کو روانہ ہوا ہے لیکن دوسرا عقد خواجہ کا ۵۲۵ھ میں ملکہ گرجیہ سے ہوا جسکی تفصیل یہ کہ سنہ مذکور میں جب سلطان الپ ارسلان سلجوقی عیسائیوں سے جہادی لڑائی لڑتا ہوا بخارا میں پہنچا تو وہاں کے حکمران، بقرط بن کیورکی نے جو عیسائی تھا صلح کا پیام دیا اور اپنی بیٹی کا عقد سلطان سے کر دیا۔ اسکے معاوضہ میں سلطان نے بقرط کو امان دی۔ اور جو تحائف اُسے پیش کیے وہ منظور کیے گئے۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد سلطان نے اس

صفحہ ۲، جلد ۱ کا لائبریری صوبہ ازمین میں ٹھکانے کی تزیینات کی گئی تھی کہ ایمن یہ ناحیہ واقع تھا اور جسکے راستے پیدار سے تھے۔ اُن دنوں یہ عیسائیوں کا ایک محفوظ مقام تھا اب اس نام کا کوئی مقام نہیں ہے اور یہ علاقہ گورنمنٹ روس کے قبضے میں ہے۔ مراد از اطلاق، تزیینۃ القلوب۔

بیگم کو طلاق دیدیا اور اپنی خوشی سے خواجہ نظام الملک کے ساتھ عقد کر دیا۔ چنانچہ ملکہ گرجیہ سے خواجہ کے کئی بیٹے پیدا ہوئے۔ جن میں سے ایک خواجہ احمد رضا، الملک ابو نصر احمد بھی ہے۔ اسکے علاوہ خواجہ نظام الملک کے اور کسی عقد کا حال معلوم نہیں ہوا۔ اور نہ اسکی تفصیل معلوم ہے کہ کون لڑکا یا لڑکی کس بیگم کے بطن سے ہے۔

خواجہ نظام الملک کی اولاد

یہ مسلم ہے کہ دنیا کی کوئی خوشی اور نعمت، سلطنت اور وزارت کے برابر نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی اُسے بڑھکریا ہم تلہ اگر کوئی مسرت اور دولت ہو سکتی ہے، تو وہ صرف اولاد ہے؟ جس گھڑین دو چار بچے ہوں وہ ان کی چیل پیل اور رونق پھولوں کے تختے سے کم نہیں ہوتی ہے۔ اور جس گھڑین یہ نہوں اُس گھر کو قبر کننا زیادہ مناسب ہے۔

تمنے اکثر شاہوں اور وزرا وغیرہ کے حالات میں پڑھا ہوگا کہ اولاد کی تمنائیں انھوں نے کیا کیا، مصیبتیں اٹھائی ہیں، منزوں پیدل چلکر درگاہوں پر چادرین چڑھائی ہیں، روزے رکھے ہیں اور منتیں مانی ہیں اور اس خاک چھانٹے پر بھی نخل آرزو بار آور نہیں ہوا ہے۔ لیکن خواجہ نظام الملک کو اس حصے میں بھی ہم خوش نصیب پاتے ہیں۔

خواجہ نظام الملک بیٹوں کی طرف سے حضرت یعقوب علیہ السلام کا ہم طالع تھا۔ خواجہ کا باپ علی، دولت بلوچیہ میں صاحب الخراج کے عہدے سے آگے نہیں بڑھا اور وہ بھی چمت رسال۔ لیکن خواجہ اس درجہ پر پہنچا کہ اُنکی ناموری نے علی کے نام کو بھی چمکا کر تاریخ میں داخل کر دیا۔

لیکن باپ کے مقابلہ میں خود ایسا خوش نصیب ہوا کہ اسکے متعدد بیٹے اور پوتے شاہان سلطنت اور خلفائے عباسیہ کے وزیر ہوئے اور خاندان میں باؤں برس تک وزارت کا سلسلہ قائم رہا۔ حقیقت میں نظام الملک نہایت خوش قسمت باپ تھا جو خود جوہر کمالات سے آراستہ تھا اور بیٹوں کی شہرت نے اُسکے نام کو اور بھی دنیا میں روشن کر دیا تھا۔

جس قدر تاریخین (اس وقت تک) ہماری نظر سے گزری ہیں اُن میں خواجہ کے دس بیٹوں کے نام ملتے ہیں حالانکہ صحیح روایتوں کے مطابق خواجہ کے بارہ بیٹے تھے چنانچہ اخیر زمانہ میں ترکان خاقان (ملک شاہ کی بیگم) نے جب ملک شاہ کو خواجہ کی طرف سے امور سلطنت میں بدظن کیا ہے تو بمحکمہ ہم شکایتوں کے ایک شکایت یہ بھی تھی کہ ”نظام الملک کے بارہ بیٹے ائمہ اثنا عشر کی طرح تمام سلطنت پر حکمران ہیں“

اُن وزیر زادوں کے حالات بہت کم تاریخوں میں تحریر ہیں لیکن پھر بھی جس قدر روایات و حالات ملتے ہیں۔ انکو ہم تفصیل سے تاریخ آل سلجوق میں اُن بادشاہوں کے تحت میں لکھ دیا ہے جنکے عہد میں وہ درجہ وزارت یا امارت پر ممتاز تھے۔ لیکن اس جگہ سببیل تذکرہ صرف انکے ناموں کی فہرست پیش کی جاتی ہے۔

۱۔ فخر الملک ابوالفتح مظفر۔ ۲۔ جمال الملک ابو منصور۔

۳۔ ضیاء الملک ابو نصر احمد۔ (۱) سعد الملک قوم الدین ابو نصر احمد۔
۴۔ مویذ الملک ظہیر الدولہ ابو بکر عبید اللہ۔
۵۔ نظام الملک صدر الاسلام۔

۶۔ اتابک وزیر بھی خواجہ کے بارہ بیٹے تھے جن خواجہ کے دو بیٹوں کا نام ابو جود تلاش کے اس وقت تک نہیں معلوم ہوا۔

۵۔ شمس الملک عثمان - ۶۔ عماد الملک ابوالقاسم -

۷۔ عز الملک ابو عبد اللہ بحسین - ۸۔ عبد الرحیم -

۹۔ ابوالبرکات عماد الدین - ۱۰۔ علی - ۱۱۔ صفیہ -

آلِ اولاد سے محبت | خواجہ کے خانگی زندگی کے عام حالات کسی مورخ نے نہیں لکھے ہیں۔

لیکن بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکو اپنی اولاد سے از حد محبت تھی لیکن کاروبارِ سلطنت کی وجہ سے خواجہ کے بیٹے اکثر دور دراز ممالک میں رہا کرتے تھے اور وہ ان کے فراق میں بیقرار ہو جایا کرتا تھا۔ اور جب یہ لڑکے سامنے آتے تو بعض اوقات سینے سے لگا کر روتا اور اسکو اپنی قید کی زندگی (تعلقات و زارت) پر افسوس ہوتا تھا۔

خواجہ نظام الملک کی وزارت کا خاتمہ -

ملک شاہ سے مخالفت اور قتل کے مفصل حالات

خواجہ نظام الملک کے قتل کا واقعہ بھی، تاریخ کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ اور یہ بالاتفاق ثابت ہے کہ خواجہ کا قاتل فرقہ باطنیہ کا ایک فدائی تھا۔ لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ فدائی نے

۱۔ خواجہ کی بیٹیاں بھی لگی تھیں۔ مگر تصفیہ کے اور کوئی نام نہیں ملا تصفیہ خاتون کی شہر میں بمقام بندہ عمید الدین و ملا محمد بن فخر الدین بن جہیر سے شادی ہوئی اور شہر جہین اسی جگہ انتقال ہوا۔ عمید الدین و ملا خلیفہ القندی کا وزیر تھا جو قوت ہوئے پر خواجہ کی سفارش پر حبیب دوبارہ مقرر ہوا تو ابن ہبیریہ نے عمید الدین کو لے کر جہین میں شہر لکھا۔

۲۔ تصفیہ ما استوزرت ثانیۃ فاشکو حرا صرت مولانا وزیر بہ خواجہ کے پوتے کا حال بھی اپنے موقع پر تاریخ آلِ بلوچ میں تحریر ہے۔ لغوی صفحہ ۴۷۵ مطبوعہ صدر تاریخ آلِ بلوچ صفحہ ۴۷۵۔

۳۔ حسن صلیح کے حالات میں لفظ باطنیہ اور فدائی کی تشریح کی گئی ہے (دیکھو دوسرا حصہ)

کسکے حکم سے خواجہ پر حملہ کیا تھا۔ مورخین میں ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ ”خود ملک شاہ کے حکم سے خواجہ قتل ہوا“ دوسرا اسکا قائل ہے کہ ”تاج الملک ابوالغنائم کی سازش کا یہ نتیجہ ہے۔“ تیسرا راوی ہے کہ ”حسن بن صباح کے اشارے سے خواجہ کا کام تمام ہوا لیکن تا وقتیکہ مفصل طور پر اسباب مخالفت معلوم نہوں کسی فریق کی نسبت کوئی صحیح رے قائم نہیں ہو سکتی ہے۔ لہذا اول اُن اسباب کو ہم مستند تاریخوں سے نقل کرتے ہیں۔ جس سے امر متنازعہ کے فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی۔

اصول عامہ (۱)۔ سب سے پہلے بطور اصول ہوضہ مان لینا چاہیے کہ جب بادشاہ کسی امیر یا وزیر السلطنت سے ناراض ہوتا ہے تو اسکا ہر فعل گناہ اور ہر کام معیوب سمجھا جاتا ہے۔ ابتداءً جزئی جزئی واقعات سے اشتعال بڑھتا ہے۔ اور اخیر میں جب وزارت سلطنت پر پورا قبضہ کر لیتی ہے اور بادشاہ برے نام رہ جاتا ہے تو اسوقت بادشاہ کی طرف سے جو کارروائی وزیر کے خلاف عمل میں آتی ہے وہ عام نظروں میں ظالمانہ سمجھی جاتی ہے مگر حقیقت میں بقاے سلطنت اور دوام حکومت کے لیے اسکا ہونا ضروریات سے ہے۔ اور یہ وہ مستحکم قانون ہے کہ جو نہ صرف سلطنت میں بلکہ دنی سے ادنیٰ حاکم اور محکوم میں بھی جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہیگا۔ جسکے نظائر ہر قوم اور ہر ملک کی تاریخ میں موجود ہیں۔ اور خواجہ نظام الملک کے قتل کا واقعہ بھی انھی نظائر کا ایک جز ہے۔

ملک شاہ سے خواجہ ۲۔ طبقات الکبریٰ کی روایت ہے کہ سب سے پہلے ۶۸۳ھ میں ملک شاہ نے کی پہلی شکایت
۳۔ طبقات الکبریٰ حالات خواجہ نظام الملک و کمال شیر صفحہ ۴۴۔ جلد ۱۰ تاریخ آل بلوچ عداد الدین اصفہانی حالات خواجہ، و آثار الورزا سیف الدین سے یہ واقعہ کھل گیا ہے۔

خواجہ نظام الملک کی شکایت ہوئی جسکی تفصیل یہ ہے کہ سلطان کا ندیم خاص اور رازدار اور تمام امرا سے زیادہ مقرب خواجہ نظام الملک کا داماد سیدارؤسا ابوالحسن محمد تھا چنانچہ ابوالحسن نے سلطان سے یہ شکایت کی کہ ”خواجہ نے تمام سلطنت پر قبضہ کر لیا ہے اور امصار و دیار کو ویران کر کے اپنا گھرال و دولت سے بھر لیا ہے۔ اگر سلطان خواجہ کو میرے حوالہ کر دے تو اس معاوضہ میں دس لاکھ دینار (ایک دینار پانچ روپیہ کا ہوتا ہے) داخل خزانہ کروں“

ملک شاہ نے تو اس شکایت اور درخواست پر کوئی توجہ نہیں کی۔ لیکن جب خواجہ کو اپنے سعادتمند داماد کی مخبری کی اطلاع ہوئی تو اس نے سب سے پہلے اپنے ترکی غلاموں کو جمع کیا، جو تعداد میں کئی ہزار تھے۔ پھر انکو اصطبل خاص سے گھوڑے دیکر آلات حرب سے مسلح کیا۔ اور جب یہ ترکی رسالہ تیار ہو گیا۔ تو خواجہ نے ملک شاہ کی دعوت کی اور رخصت کے وقت نفیس اور بیش قیمت ہدیہ پیش کیے اور سب سے اخیر میں غلاموں کا معائنہ کرایا۔ اور ملک شاہ کو مخاطب کر کے کہا کہ ”اے سلطان! میں نے آپ کی اور نیز آپ کے بزرگوں کی خدمت کی ہے۔ میرے حقوق آپ پر بہت کچھ ہیں۔ آپ سے کہا گیا ہے کہ میں نے آپ کی دولت سے اپنا خزانہ بھر لیا ہے، یہ مجھے تسلیم ہے اور بالکل سچ ہے۔ لیکن اُس دولت سے میں نے یہ فوج تیار کی ہے، علاوہ برین صدقات خیرات اور اوقات میں بھی ایک کثیر رقم خرچ ہوتی ہے اور ان تمام مصارف کا منشا صرف آپ کی شہرت اور ناموری ہے۔ اور آخرت میں اسکا ثواب بھی آپ ہی کو ملیگا۔ اسوقت میری تمام دولت

اور جاگیر آپ کے سامنے ہے۔ اور میں صدق دل سے کہتا ہوں کہ

سپر دم ہو مایہ خویش را تو دانی حساب کم و بیش را

پھر عارض کو حکم دیا کہ ”ان فلامون کا نام فہرست سلطانی میں درج کرو“ اور اپنی نسبت کہا کہ ”مجھے اوڑھنے کو ایک گدڑی اور پڑ رہنے کو ایک گوشہ کافی ہے“

جب خواجہ نے یہ تقریر کی تو ملک شاہ کا دل صاف ہو گیا۔ لیکن ابوالحسن کی نسبت حکم دیا کہ سکی آنکھوں میں گرم لہے کی سلائی پھیری جائے اور قلعہ سا وہ میں قید رہے۔

جب ابوالحسن کے والد نکال الدولہ بن ابورضا کو اس حکم کی اطلاع ہوئی تو اُس نے خواجہ معافی مانگی۔ اور تین لاکھ دینار بطور جرمانہ داخل خزانہ شاہی کر کے اس کا طالب ہوا۔ مگر خواجہ نے ابوالحسن کا قصور معاف نہیں کیا۔ بلکہ کمال الدولہ کو بھی ”دیوان الانشا والطرغ“ کی خدمت سے موقوف کر دیا۔ اور اس عہدے پر اپنے بیٹے مویہ الملک کو مقرر کیا۔ گو یہ سچ ہے کہ ابوالحسن کی شکایت پر ملک شاہ نے خواجہ نظام الملک سے بظاہر مخالفت نہیں کی لیکن حقیقت میں اُس کے آئینہ دل پر بدگمانی کا ایک ہکا سا غبار ضرور چھا گیا تھا۔

۳۔ تاریخ نگارستان میں لکھا ہے کہ ”جب مویہ الملک کو دیوان الانشا کی خدمت سپرد ہوئی تو اول اُس نے اپنے نائب ابوالخوار زوزنی (ملقب بہ ادیب) کو موقوف کر کے اوستاد اسماعیل اصفہانی کو مقرر کیا۔

۱۔ دیوان الانشا و طغرائی ایک بڑے فقر کا نام ہے جو وزیر کے تحت ہوتا تھا۔ جس کی تفصیل حصہ دوم میں تحریر ہے۔
۲۔ ابواسمعیل حسین بن علی بن محمد بن عبدالصمد الملقب مویہ الدین طغرائی اصفہانی اپنے زمانہ کا نہایت نامور ادیب اور شاعر ہے۔ ابن خلکان نے قصیدہ لامیہ لہجہ نقل کیا ہے۔ جس سے طغرائی کے (باقی آئندہ

ادیب نے بہت کوشش کی کہ موید الملک خدامند ہو، اور وہ پھر اپنی جگہ پر مقرر ہو جائے، مگر موید الملک نے کوئی سماعت نہیں کی تب مجبور ہو کر ادیب، ملک شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور سلام کر کے مڑب کھڑا ہو گیا۔ سلطان نے ادیب کو پریشان حال دیکھ کر فرمایا کہ کچھ کہنا چاہتے ہو تو عرض کرو؟ چنانچہ ادیب نے تمام واقعات سلطان کے گوش گزار کیے۔ چونکہ ادیب و فرائشا کا قدیم اہل کار تھا۔ اور سلطان اُس کے فضل و کمال سے خود بھی واقف تھا۔ لہذا سلطان نے قاضی مظفر دیہ فوج کا قاضی تھا جسکو زمانہ حال کی اصطلاح کے مطابق مجسٹریٹ چھاونی کہنا چاہیے، کو بلا کر حکم دیا کہ ”تم اسی وقت موید الملک کے پاس جاؤ، اور مابعد دولت کی جانب سے کہو کہ ”خدا کے فضل سے سلطنت بہت وسیع ہے۔ اور دیوان الانشا میں ادیب ایسے متعدد و شخاص کی جگہ مل سکتی ہے۔ یہ سلطنت کا قدیم نکتہ وار ہے۔ اسکو کسی خدمت پر مقرر کرو“ چنانچہ قاضی مظفر ادیب کو موید الملک کے پاس لے گئے اور سلطان کا حکم سنایا۔ جسکے جواب میں موید الملک نے کہا کہ ”خداوند عالم دہاک شاہ کا ارشاد میں بسیر و چشم منظور کرتا مگر میں نے قسم کھائی ہے کہ ابوالختیار کو کوئی خدمت نہ دوں گا“ اب اگر اس کے خلاف کروں تو میری قسم ٹوٹ جائیگی“ موید الملک کا جواب سن کر قاضی مظفر حیرت زدہ رہ گیا۔ اور موید الملک سے نصیحتاً کہا کہ ”آپ کا یہ جواب سلطان سے عرض کرنے کے لیے لائق نہیں ہے اور اس کے نتائج نہایت خراب ہونگے“ مگر موید الملک نے کچھ پروا نہ کی۔ تب مجبور ہو کر قاضی مظفر نے موید الملک کا جواب سلطان سے عرض کر دیا۔ قاضی صاحب کا قول ہے کہ ”موید الملک سے

بقیہ صفحہ ۱۶۸) زور قلم کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ نظام الملک کی طرح میں بھی قصائد لکھتے ہیں۔ اخیر عمر میں سمود بن محمد بلوچی کا وزیر ہو گیا تھا۔ سلاطین میں قتل ہوا ابن خلکان جلد اول صفحہ ۱۵۹۔

ایسا خلعت امید جواب شکر سلطان کا رنگ غصہ سے متغیر ہو گیا اور اسی حالت میں فرمایا کہ سوید نے
ابو القمار کو جگہ دینے سے قسم کھائی ہے۔ مگر میں نے قسم نہیں کھائی ہے۔ پھر محتاج حاجب کو بلا کر حکم دیا
کہ نابہ دولت نے ابو القمار کو سوید کی جگہ پر دیوان الانشا کا افسر مقرر کیا۔ خلعت پہنا کر اسی وقت
دار الانشا میں لے جاؤ اور خلعت کے ساتھ کمال الملک کا خطاب بھی مرحمت فرمایا۔

سوید الملک نے ملک شاہ جیسے عظیم نشان خود مختار بادشاہ کو جو گستاخانہ جواب دیا اس کی معمولی سزا
تو قتل تھی۔ مگر یہ نظام الملک کی وزارت کا اقتدار تھا کہ ملک شاہ نے سوید الملک کو صرف معزول
کر دیا۔ اور یہ پہلا موقع تھا کہ خواجہ کے تحت عملہ میں ملک شاہ نے دست اندازی کی تھی۔

ترکان خاتون کی خفیہ کارروائیاں ۴۔ اخیر زمانے میں ملک شاہ کو "ترکان خاتون" نے بدن کر دیا تھا۔ اور کوئی دن
ایسا نہ ہوا تھا جو خواجہ اور اسکی اولاد کی برائیاں ملک شاہ سے نہ کی جاتی ہوں۔ اور اسکی سبب تھا
کہ خاتون اپنے بیٹے محمود کو ولیعہد سلطنت کرنا چاہتی تھی۔ مگر بغیر اعانت خواجہ یا مرہال تھا۔
اور خواجہ نے خاتون سے صاف کہہ دیا۔ "اگر" ولیمیدی شاہزادہ پر کیا رقص کا حق ہے۔ کیونکہ

سلطان ترکان خاتون جو حرم بزرگ اور خاتون جلالت کے نام سے مشہور ہے۔ عہد والدہ ملکہ حفصہ خاتون ابو القمار کے عہد میں
ابن نصر الملک کی بیٹی تھی۔ یہ خاندان نسل افرا سیاب سے ہے۔ جو بحر قند اور فرغانہ میں طکران تھا۔ اس عہد میں
ملک شاہ نے ترکان خاتون سے عقد کیا تھا۔ ترکان خاتون دنیا دہ ان ممتاز عورتوں میں سے ایک ہے جو عقل و فراست
میں ضرب اشل تعین۔ معاملات ملی میں اسکی چالیں نہایت زبردست و پرتی تعین۔ اور ملک شاہ اسکی کسی بات کو
مدد نہ کرتا تھا۔ ملی مشورہ میں بھی شریک نہ رہتی تھی۔ خلفائے بغداد سے ملک شاہ نے جو رشتہ داری پیدا کی یہ بھی خاتون
کی ایک حکمت عملی تھی۔ رمضان ۸۸۴ھ میں بمقام صفہ ان انتقال کیا استخارہ و المنثور فی طبقات بات احمد و
صفحہ ۱۰۶۔ ملک شاہ کے انتقال پر کچھ بیٹے برکیارق، محمد بن محمد اور محمود و مہر تھے۔ برکیارق ۸۸۴ھ میں
محمود ۸۸۴ھ میں پیدا ہوا تھا۔ چنانچہ برکیارق سب سے بڑا اور محمود سب سے چھوٹا۔ لیکن دباقی آئندہ صفحہ

برکیارق مین علاوہ اولاد اکبر ہونے کے عقل و دانش کی طاقتیں اور جہانداری کے آثار موجود ہیں۔ اور اسکی والدہ زبیدہ یا قوتی بن داؤد کی بیٹی ہے (ملک شاہ کے چچا کی لڑکی تھی) اور سلجوقیہ ہونے کی وجہ سے ہر طرح اسی کا حق ہے۔ اسکے مقابلہ میں محمود کو اول تو حق نہیں ہے اور باسوا اسکے وہ بالکل بچہ ہے۔ مین کسی طرح ملک شاہ سے محمود کی ولیمہ کی سفارش نہیں کر سکتا ہوں، چنانچہ خاتون خواجہ کے اس جواب سے سخت ناراض تھی۔ اور ہر وقت خواجہ کی فکر مین رہا کرتی تھی۔ مگر جب اسکو برائی کا کوئی پہلو نہیں ملا تب سلطان سے کہا کہ ”نظام الملک نے اپنے بارہ بیٹوں کو ائمہ اثنا عشر کی طرح تمام ملک پر حکمران کر دیا ہے اور وہی تمام سلطنت کے مالک ہیں“

آخر کو یہی فقرہ کار گر ہو گیا۔ اور خواجہ کے زوال و زارت کا یہی سبب ہوا جسکی تصدیق خواجہ کی

بقیہ صفحہ ۱۷۰) ترکان خاتون کے زور سے ملک شاہ محمود کے حق مین وصیت کر گیا تھا۔ چنانچہ ۵۸۵ھ مین جب ملک شاہ کا انتقال ہو گیا تو برکیارق نے اصفہان پر فوج کشی کی کیونکہ اسوقت ترکان خاتون مع محمود کے یہاں مقیم تھی، لیکن خاتون نے ڈر کر سلطنت کو تقسیم کر دیا۔ یعنی اصفہان مع متعلقات محمود کے قبضہ مین رہے اور باقی سلطنت پر برکیارق حکومت کرے مگر برکیارق کی قسمت سے محمود کا انتقال ہو گیا (اسوقت محمود کی عمر سات برس کی تھی) اور برکیارق کل سلطنت کا مالک قرار پایا۔ یہ واقعہ ۵۸۵ھ کا ہے چار برس کے بعد برکیارق کے دوسرے بھائی محمد نے سرکشی کی اور عراق پر قبضہ کر لیا لیکن مسلسل خانہ جنگیوں کے بعد ۵۹۹ھ مین دونوں بھائیوں نے صلح کے ذریعے سے پھر سلطنت کو تقسیم کیا۔ چنانچہ شام عراق، موصل، آذربایجان، ارمنیہ کا ملک محمد کے حصے مین آیا۔ اور بقیہ ملک پر برکیارق کی حکومت رہی۔ ۵۹۹ھ مین بمقام بروجرد برکیارق کا انتقال ہو گیا اور سلطان محمد بلا شرکت غیرے حکمرانی کرنے لگا۔ اور اسی کی اولاد مین اخیر تک حکومت رہی ملک شاہ کا سب سے بڑا لڑکا احمد تھا اور یہی ولیمہ بھی تھا مگر ۵۸۵ھ مین گیارہ برس کا ہو کر فوت ہو گیا تب تک برکیارق کی ولیمہ ہوا تھا۔ ملک شاہ کے انتقال پر جو بھائیوں مین خانہ جنگی ہوئی ہے اسکی تفصیل ہننے تاریخ آل سلجوق مین لکھی ہے ہادی بنیہ

حسب ذیل تحریر سے بھی ہوتی ہے۔ مدتی سنت کہ حرم بزرگ (ترکان خاتون) را از من ملال واقع ست (بواسطہ آنکہ میخواست تا پادشاہ ولایت عہد خود بفرزند او محمود دہد) و خاطر می آرد و محزون و ہر چند بر اطراف و جوانب میگرد و میخواست تا مفسدہ بہن اسناد کند کہ موجب تغیر مزاج سلطان باشند و از جمیع بد سنگلان من و مخالفان من ہتھنطاق میکنند بیچ طریق میسر نمیشود و بیچ نمیتواند گفت الا آنکہ خواجہ مملکت را بر فرزند ان خود قسمت نموده اگر چہ کسی دیگر مطلع نیست ولیکن ہمین مرا معلوم است کہ این سخن در باطن سلطان تاثیر کرده۔ انشاء اللہ تعالیٰ محمود العاقبتہ باشد و بخیر بگذرد۔

مخالفت کا جو پہلو ترکان خاتون نے تلاش کیا تھا وہ بہت زبردست تھا اور نظام الملک کو بھی معلوم ہو چکا تھا کہ صرف یہی ایک سبب اُسکے زوال حکومت کا باعث ہوگا۔ جسکے انجام بخیر ہونے کی اُس نے خدا سے دعا مانگی تھی۔

سلجوقی ملک کی سازش | ۵۔ تاج الملک ابوالغنائم المرزبان بن خسرو فیروز قہر کا باشندہ تھا۔ اور اُسکے بزرگ سلاطین فارس کے دربار میں وزارت پر ممتاز تھے۔ چنانچہ اسی خاندانی وجہ بہت اور شرافت کی وجہ سے امرائے سلجوقیہ مرزبان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ابستدائے مرزبان سرہنگ ساکین (دولت سلجوقیہ کا ایک امیر الامراء) کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ مگر امیر مذکور نے اُسکو ایک جوہر قابلِ سمجھ کر ملک شاہ کی حضور میں پیش کیا۔ اور یہ سفارش کی کہ "مرزبان دربار سلطانی کے لائق اور ہر طرح سے قابلِ اعتماد ہے" چنانچہ سلطان نے مرزبان کو ناظر

بقیہ صفحہ ۱۷۱ | انتخاب از زبدۃ القصصہ و کمال الثیر۔ در خصوصہ الصفاحات نظام الملک۔

۱۔ کتاب الوصایا خواجہ نظام الملک۔

حرم سرا اور منتظم خزانہ مقرر کر دیا۔ اسکے سوا کچھ حصہ ملک اور فوج کی نگرانی بھی سپرد کی گئی۔ اور سب سے بڑھ کر جو اغراض کا ذریعہ ہوا وہ ترکان خاتون کی نیابت (پرائیوٹ سکرٹری) تھی اور انہی خدمات کے صلہ میں تاج الملک کا خطاب بھی مرحمت ہوا تھا۔ اور چونکہ انتظامی قابلیت کے ساتھ فصاحت و بلاغت کا بھی جوہر رکھتا تھا اسلئے اخیر زمانہ میں ملک شاہ نے دیوان الانشا والطر کا افسر بھی مقرر کر دیا تھا اور خاتون کی حمایت کے بل پر وزارت عظمیٰ کا بھی امیدوار تھا۔ اور چونکہ دیوان الانشا کی فہمی کی وجہ سے سلطنت اور وزارت کے اہم معاملات سے قوت نہو گیا تھا۔ اسلئے تاج الملک خواجہ کے اسباب انقلاب وزارت پر غور کیا کرتا تھا۔ اور جب کوئی مفید مطلب پہلو ملتا تو ترکان خاتون سے کہہ دیتا تھا۔ اور خاتون موقع محل سے واقعات پر طبع کر کے سلطان کی حضور میں پیش کر دیا کرتی تھی۔ چنانچہ محل کے اندر تو یوں کارروائی نہوتی تھی۔ اور باہر کا یہ حال تھا کہ تاج الملک نے خواجہ نظام الملک کے ماتحت عملدین سے مجد الملک مستوفی اور سدید الملک عارض وغیرہ کو اپنے گرد و میں شامل کر لیا تھا۔ اور اب متفقہ مشورے سے نظام الملک کی وزارت کا نظم مقرر کیا جاتا تھا مگر یہ وجود ان کو ششونکے خود ملک شاہ اور تاج الملک کی طاقت سے یہ باہر تھا کہ فوراً نظام الملک کو معزول کر دیں۔ کیونکہ خواجہ سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک تھا اور تمام مملکت پر اسکا سکہ بیٹھا ہوا تھا مگر ان ان کارروائیوں سے یہ ضرور ہوا کہ آہستہ آہستہ سلطان کا مزاج بگڑتا گیا۔ مگر خواجہ نظام الملک کو عقل و فراست اور خفیہ تحقیقات سے جہاں تک تاج الملک کے جوڑے تو معلوم ہو جاتے تھے۔ وہ اپنی حکمت عملیوں سے انکو دفع کر دیتا تھا۔ مگر جو کارروائیاں درپردہ ہوتی تھیں انکا خواجہ کو

پتہ بھی نہ لگتا تھا جب تاج الملک کا کوئی عمل کار گزرا تو اس نے حسن بن صبلح سے سازش کی جس کا خاتمہ خواجہ کے قتل پر ہوا۔ (تفصیل آئندہ باب میں ہے)

۴۔ خواجہ نظام الملک چونکہ ایک مذہبی شخص تھا لہذا اس کی نظر میں خلفائے عباسیہ کی حمایت

کی بڑی عظمت تھی۔ گو اس عہد میں دنیاوی جاہ و جلال اور حکومت کے لحاظ سے خلفا کا درجہ اکبر ثانی اور بہادر شاہ (شاہان دہلی) سے کچھ زیادہ نہ تھا۔ مگر مذہبی حیثیت سے اس ضعیف اور ناتوان خلیفہ کے سامنے بڑے بڑے مغرور اور متکبر بادشاہوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں اور آستانہ بوسی کو اپنا خزانہ اور مصافحہ کی عزت کو سعادت عظمیٰ سمجھتے تھے۔ چنانچہ خلفا بھی خواجہ کے فضل و کمال اور اقتدار و وزارت کی وجہ سے اس کی غایت درجہ عزت کرتے تھے۔ چنانچہ رمضان ۴۹۳ھ میں دوسری مرتبہ خواجہ نظام الملک ملک شاہ کے ہمراہ بیٹا دیا گیا ہے تو خلیفہ مقتدی بامر اللہ خواجہ کو تخت خلافت کے سامنے بیٹھنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ ”اے حسن! تجھے خدا بہت خوش ہوگا۔ کیونکہ امیر المومنین تجھے رضامند ہے۔“ خواجہ نے یہ مژدہ سن کر عرض کیا کہ ”خداوند تعالیٰ امیر المومنین کی دعا کو مستجاب فرمائے۔“

جب ملک شاہ کو اس قرب و ختمت خاص کی اطلاع ہوئی تو اس کو بہت ناگوار ہوا کیونکہ ملک شاہ مقتدی کو معزول کرنا چاہتا تھا اور اس فکر میں چند سال سے تھا۔ مگر خواجہ ملک شاہ کو ہمیشہ اس کاروائی سے روک دیا کرتا تھا۔ اور اگر خلیفہ سے کوئی لغزش ہو جاتی تھی تو درپردہ اس کو ہوشیار کروا کرتا تھا۔ اور ایسے مشورے دیتا تھا جس سے سلطان رضامند ہو جائے۔ چنانچہ ۵۰۱ھ میں جب ملک شاہ مقتدی سے ناراض ہوا تو خواجہ نے سلطان کو

بیٹی کا خلیفہ سے عقد کر دیا جسکی وجہ سے بہت سی پیچیدگیاں نفع ہو گئیں۔ غرض کہ خواجہ اس قسم کی کاروائیاں کر کے ملک شاہ کا عضو دھما کر دیا کرتا تھا۔ اور یہ تمام حکمت عملیاں محض

۱۔ ترکان خاتون اور خواجہ نظام الملک کے مشورے اور دباؤ سے ملک شاہ نے اپنی بیٹی کا عقد خلیفہ مقتدی بامر اللہ سے کیا تھا۔ چنانچہ تاریخ آل سلجوق اور کامل اثیر وغیرہ میں لکھا ہے کہ جب ملک شاہ بغداد جاتا تھا تو بیگناہ جم بھی ساتھ جایا کرتی تھیں اور ترکان خاتون کے ہمراہ شہزادی بھی ہوتی تھی۔ اور اسکے حسن و جمال کی کیفیت سے بھی خلیفہ آگاہ تھا اور جب ضرورت ملے بھی اسکی تفتی ہوئی کہ ملک شاہ سے شادی کا پیام دیا جائے تو خلیفہ نے شوال ۷۸۷ھ میں اپنے نامور وزیر ابو نصر فخر الدین محمد بن ہبیر کو اصفہان روانہ کیا چنانچہ ملک شاہ سے خلیفہ کا پیام لیا۔ سلطان نے فرمایا کہ اس معاملہ میں ترکان خاتون مختار ہیں اور انھی کو "خاتون" کے عقد کا اختیار ہے۔ آپ یہ پیام یکم سے کہیں۔ چنانچہ ابو نصر خواجہ نظام الملک کے ہمراہ لیکر "خاتون بزرگ" کی خدمت میں حاضر ہوا اور "عاس" دلی کا اظہار کیا۔ خاتون نے فرمایا کہ شاہان غزنین اور اراک و انہر نے بھی اپنے شاہزادوں کی شادی کا پیام دیا ہے۔ اور چار لاکھ دینار نقد مہر اور زچا ہتے ہیں۔ اگر یہ شرط منظور ہو تو مقتدی بامر اللہ کو میں سب سے تیر سمجھتی ہوں، "لیکن جب اسرسلان خاتون (زوجہ القائم بامر اللہ و خیر بیگ داؤد سلجوقی) کو اطلاع ہوئی تو اس نے ترکان خاتون کو سمجھایا کہ بغیر کسی شرط کے یہ شادی کر دی جائے۔ یہ رشتہ آل سلجوق کے حق میں فخر و مباحات کا باعث ہوگا۔ چنانچہ بغداد مشورہ طے پایا کہ پچاس لاکھ دینار مہر محل پر عقد کر دیا جائے اور یہ بھی شرط رہے کہ خلیفہ کسی دوسری منکوحہ یا کنیز سے تعلق نہ رکھیں گا۔ چنانچہ یہ تمام شرطیں طے کر کے صفر ۷۸۷ھ میں فخر الدین بغداد واپس گیا اور مقتدی نے تمام شرائط کو منظور کر لیا۔ اور عقد ہو گیا۔ لیکن ملک شاہ نے اپنی بیٹی کو صفر ۷۸۷ھ میں شاہانہ جلوس کے ساتھ بغداد روانہ کیا جسکی تفصیل یہ ہے کہ ایک سو تیس اونٹوں پر چنگی جھولیں دیباے رومی تھیں، اسباب غلا و فقرہ تھا۔ اور چوتھیں خچروں پر (چنگی گردون میں چاندی سونے کی گھنٹیاں لٹکتی تھیں) بیش قیمت اور نفیس اسباب تھا۔ اور منجملہ چوتھیں کے تھہر بارہ صندوق قیمتی جواہرات اور زیورات سے بھرے ہوئے تھے۔ اور اس قطار کے آگے تینتیس سوار تھے (جو شایستہ گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور جبکہ زمین قلع تھے) اور تین حامی تھیں جو لاگت اور صنعت کے لحاظ سے الجواب تھیں۔ اور اس جلوس کے پیچھے دو گھنٹہ تھا۔ اور اس کے بعد خواتین بغداد اور ترکان خاتون کے حلقہ تھے۔ انکے علاوہ تین سو کنیزوں کے ڈولے تھے (باقی در صفحہ آئندہ)

اسلامی ہمدردی کی وجہ سے تھین۔ ورنہ حقیقت میں خواجہ کی شانِ شوکتِ خلیفہ سے بجا بھارتی
 حسن بن صباح کا دربار | حسن بن صباح اور خواجہ نظام الملک میں جن اسباب سے عداوت
 اور ملک شاہ کی سفارت

بقیہ صفحہ ۱۷۵) اور خواجہ سراؤن کی تصدیق سے ہمار تھی۔ اور اس قافلہ کے نگران وزیر سعد الدولہ کوہر آئیں۔ اور امیر مسوق
 اور خواجہ نظام الملک تھے۔ اور رعایا کے سلطان دو لہن کے محضر پر دینار وغیرہ تیار کرتی جاتی تھی غرض کہ بڑی
 شان و شوکت سے یہ جلوس بغداد پہنچا۔ خلیفہ کی طرف سے استقبال کے لیے وزیر ابو شجاع اور دیگر خواص
 روانہ ہوئے۔ جسکے جلوس میں تین سو مشعل دار سوار تھے۔ اور حریمِ خلافت کی کوئی دکان ایسی نہ تھی کہ حسین بن ایک
 شمع نہ جلتی ہوں (بغداد میں ہزاروں جشن ہوئے ہوئے۔ اور ہزاروں مرتبہ روشنی بھی ہوئی ہوئی مگر خلافت کے
 اخیر دور میں جب کہ دولتِ عباسیہ کا چراغ خود بجھلا رہا تھا یہ روشنی بھی ”ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح“
 کی مصداق تھی، وزیر ابو شجاع کے ہمراہ خلیفہ کا خاص خادم مظفر بھی تھا جسکی سپردگی میں وہ بے نظیر حصہ تھا جو دو لہن کیلئے
 بھیجا گیا تھا جس پر مرکز اور طلا کار پردے پڑے تھے۔ اور اس قدر چراہرات تھے ہوئے تھے کہ نظیرِ خیرہ ہوتی تھی۔ جب
 ترکان خاتون کی سواری قریب آئی تو ابو شجاع آداب بجالایا اور عرض کیا کہ سیدنا و مولانا امیر المومنین نے پیام دیا،
 ان الله يامر سكتن تود ولا مانات الى اهلها، چنانچہ ترکان خاتون نے مطلب سمجھ لیا اور جلوس
 محلہ کی طرف روانہ ہوا۔ اور ارام لے بغداد اور ارکانِ سلطنت کی سیگات نے ترکان خاتون کا استقبال کیا
 اور معزز مہمان بیہوش کو سوار یوں سے اتارا۔ اور جب سوار یوں نے ترچکین تو اخیر میں دلسن کی باری آئی
 جسکے حصہ کے گرد و پیش دو سو قلائدیناں (ترکی عورتوں کا مسلح گروہ) تھیں۔ چنانچہ تمام سیگات نے خاتونِ دلسن
 کو صفحہ سے اتارا اور سند پر جا بیٹھایا۔ جب صبح ہوئی تو خلیفہ مقتدی بامراسہ کے حضور میں ارکانِ سلطنت
 (ملکی و قومی) پیش ہوئے اور سب خلعت سے سرفراز ہوئے۔ اسی طرح ترکان خاتون اور ان تمام خواتین کو جو
 بیگم کے ہمراہ آئی تھیں خلعت دیئے گئے اور ہنسی خوشی سے یہ تقریب ختم ہو گئی۔ سامانِ دعوت میں کس قدر
 جنس خرچ ہوئی اسکی تفصیل مورخین نے نہیں لکھی ہے البتہ صرف شکر کی نسبت لکھا ہے کہ چالیس ہزار
 من صرف ہوئی تھی، خلیفہ کی اس بی بی سے جو بیٹا ہوا اسکا نام ابو الفضل جعفر تھا اور اسی کی ولیمہ
 پر ملک شاہ اور خلیفہ میں مخالفت ہوئی۔

انتخابِ اکامل اثر صفحہ ۵۵ جلد ۱۰ در المنثور۔ و بحارِ رستان وغیرہ۔

پیدا ہوئی تھی وہ اپنے موقع پر تفصیل سے تحریر ہیں۔ لیکن خواجہ کے قتل کی علت غائی یہ ہے کہ جب فرقہ اسماعیلیہ کا زور ہوا اور حسن بن صباح نے قلعہ الموت پر قبضہ کر کے اطراف کے شہروں میں اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ اور حسن کے مریدوں کی تعداد بھی روز بروز بڑھنے لگی۔ تب ملک شاہ اور نظام الملک کو اس طرف خاص توجہ ہوئی۔ لیکن چونکہ سلطان الپ ارسلان کے عہد میں اس خوفناک فرقہ کا کوئی انسداد نہیں کیا گیا تھا۔ اسوجہ سے حسن بن صباح کا استیصال اب مشکل نظر آتا تھا۔ لہذا نظام الملک نے حکمت علی سے کام لے لیا تھا۔ اور اسکی یہ تدبیر کی کہ پہلے عہد میں سلطان کی طرف سے ایک سفارت حسن بن صباح کے پاس روانہ کی۔ جسکا یہ منشا تھا کہ سلطان کے شاہانہ جاہ و جلال سے حسن کو ڈرا کر اطاعت پر آمادہ کیا جائے اور فوج کشی کی ضرورت نہ واقع ہو چنانچہ سفیر نے الموت پہنچ کر حق سفارت ادا کیا۔ مگر حسن پر سفیر کی تقریر کا اثر بھی نہ ہوا، اطاعت کا اقرار کرنا تو امر محال تھا۔ رخصت کے وقت سفیر کو مخاطب کر کے حسن نے کہا کہ "آپ ملک شاہ سے کہدین کہ ہکو نہ ستائے۔ ورنہ مجھ کو ہر مقابلہ کرنا پڑیگا۔ مگر یہ معلوم رہے کہ ملک شاہ کی فوج ہمارے مقابلہ کے قابل نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارے لشکر کا

سلہ اس قلعہ کی مختصر تاریخ حسن بن صباح کے حالات میں تحریر ہے۔ سلہ تاریخ آمل بلوق (واقعات ظہور اسماعیلیہ) اصفہانی میں لکھا ہے کہ سلاطین و علم و اراکین قبل جو حکمران تھے۔ انکا یہ دستور تھا کہ وہ تمام ملک میں خبر رسائی کے واسطے جاسوس مقرر کرتے تھے۔ اور ملک کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جسکے صحیح واقعات سلطان تک نہ پہنچتے ہوں۔ مگر الپ ارسلان نے اپنے عہد میں یہ حکم توڑ دیا تھا جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ آہستہ آہستہ فرقہ باطنیہ ترقی کر گیا اور سلطنت کو انکی سازشوں اور خفیہ کارروائیوں کی اسوقت خبر ہوئی جب حسن نے قزوین اور رودبار وغیرہ کے قلعوں پر پورا قبضہ کر لیا۔

ہر سپاہی (مرید) جان بازی میں فرو ہے۔ اُسکے نزدیک اپنی جان دینا اور دوسرے کی جان لینا دو دون کے ایک ہی معنی ہیں۔“

حسن بن صباح نے اپنے مریدوں کی جو تعریف کی تھی گو وہ بالکل سچ تھی۔ مگر فرق مخالفت اسکو تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ لہذا حسن نے بطور علی ثبوت کے ایک مرید کو حکم دیا کہ ”خنجر مار کر مر جاؤ“ دوسرے سے کہا کہ ”الموت کی چوٹی سے اپنے تئیں گراؤ“ تیسرے سے فرمایا کہ ”پانی میں ڈوب مرو“ چنانچہ ایک ہی وقت میں (حکم کے مطابق) تینوں مرید اپنے شیخ پر قربان ہو گئے۔“

جب سفیر یہ تماشا دیکھ چکا تو حسن بن صباح نے سوال کیا کہ ”ملک شاہ کی تمام فوج میں ایک سپاہی بھی ایسا ہے جو میرے مرید کی طرح جان باز ہو؟ اور اسی بائین میں کسی شرعی حکم کی خلاف ورزی میں حسن کے سامنے اُسکے دو بیٹے پیش ہوئے۔ چنانچہ حسن نے ان کو درے لگائے جانیکا حکم دیا اور وہ دونوں اسی صدمہ سے سفیر کے سامنے ٹپ ٹپ کر مر گئے۔“

جب سفیر نے واپس آکر یہ چشم دید واقعات ملک شاہ اور خواجہ سے بیان کیے تو دوبرس کے واسطے فوج کی روانگی ملتوی کر دی گئی۔ لیکن انقضائے میعاد پر وہ پہنچے۔ میں جب بادشاہی فوج کی نقل و حرکت کی حسن کو اطلاع ہوئی تو جنگ کے فیصلے سے پہلے اُسے نظام الملک کی حیات کا فیصلہ کر دیا۔ یعنی ایک فدائی نے حسن کے حکم سے خواجہ کو خنجر سے شہید کر ڈالا۔

یہ نہایت صحیح قول ہے کہ ”جب انسان کا اقبال یا ورہوتا ہے تو اسکی ہر خواہش

نظام الملک کی معذرتی

لے گنج دانش فہرست و ملک شاہ صفحہ ۴۱۴۔

عقل کی ماتحت رہتی ہے۔ اور جب ادبار کا زمانہ آتا ہے تو عقل خواہشات کی تابع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ نظام الملک بھی اسی کا مصداق ہے، کیونکہ مویدا الملک کی معذولی خواجہ کی ہدایت کے لیے کافی تھی۔ مگر خواجہ نے ملک شاہ کی رضا مندی کا کچھ بھی خیال نہ کیا۔ اور سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں پر اپنے بیٹوں پوتوں اور غلاموں کو بدستور سابق مقرر کرتا رہا چنانچہ ۸۵۸ھ میں خواجہ نے اپنے پوتے عثمان بن جمال الملک کو مرو کا والی مقرر کیا۔ اور عثمان نے مرو پر پورا پورا ہاں کے تختہ سے احقانہ چھڑیٹھ شروع کی (یہ تختہ جس کا نام قودن تھا ملک شاہ کا خاص غلام تھا چنانچہ عثمان نے تختہ کو جب زیادہ ستایا تو اس نے سلطان کی خدمت میں ایک شکایت آمیز درخواست بھیجی۔ چونکہ ملک شاہ کو مویدا الملک کے واقعہ سے خواجہ کے عزیزوں کے خیالات کا اندازہ ہو گیا تھا اس لیے براہ راست عثمان سے دریافت نہیں کیا بلکہ امر لے دربار میں سے تلج الدولہ مجد الملک تاج الملک اور امیر بلبر کو اپنے سامنے طلب کیا اور فرمایا کہ "مبادولت کی جانب سے نظام الملک سے کہو کہ آپ نے تمام ملک قبضہ رکھا ہے، اور سلطنت کے ہر صوبہ پر اپنے بیٹوں دامادوں اور غلاموں کو حکمران بنا دیا ہے، تو گویا آپ میرے سلطنت کے شریک ہیں؟ اگر یہ سچ ہے تو ویسا انتظام کروں۔ اور اگر آپ وزیر السلطنت ہیں تو نیابت کے درجہ پر نظر رکھنا چاہیے۔ لیکن موجودہ حالت اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ کی اولاد تمام سلطنت پر حکومت کر رہی ہے۔ اور یہ لوگ ہمارے خاص آدمیوں کے اعزاز کا بھی کچھ لحاظ نہیں کرتے ہیں۔ بہر حال تیندہ مگر

سلہ کامل اثیر و طبقات الکبریٰ۔

آپ نے اسکا مناسب انتظام نہ کیا تو مین حکم دوں گا کہ سر سے دستارِ تاج وزارت، اور سلطنت سے دواتِ دقلمدان وزارت، ہٹا لی جائے۔“

جب خواجہ نے ملک شاہ کا پیام سنا تو اس سے مخاطب ہو کر کہا کہ ”آپ سلطانِ گدین کہ یہ بات آپ کو آج معلوم ہوئی ہے کہ مین ملک و دولت میں برابر کا حصہ دار ہوں۔ بلکہ واقعہ نفس الامری یہ ہے کہ دولتِ بلوقیہ کا قیام محض میری تدابیر سے ہے۔ کیا سلطان کو وہ وقت یاد نہیں ہے؟ جب الپ ارسلان کو شہادت نصیب ہوئی تھی۔ اور چاروں طرف سے سلطنت پر دعوی داروں نے خروج کیا تھا خواجہ نے نام بنام عزیز اور اغیار کا ذکر کیا، اس وقت سلطان نے میرے دامن میں پناہ لی تھی۔ اور مین نے فوجوں کو جمع کر کے کس طرح دشمنوں کو ہال کر دیا تھا۔ اور کیونکر جیون عبور کر کے ملکوں کو فتح کیا تھا؟ جب سب مشکلیں حل ہو گئیں اور بلا شرکتِ غیر سلطنت پر قبضہ ہو گیا اور فتوحات ملک شاہی کے دنیا میں سکے بیٹھ گئے۔ تو اب مین گنہگار قرار پایا۔ اور میرے خلاف جج بختاؤں ہوئی ہیں وہ بھی سنی جاتی ہیں لیکن یہ ضرور عرض کروں گا کہ اگر سلطان کو موجودہ انتظام میں کوئی تبدیلی کرنا منظور ہے، تو سوچ سمجھا کر کرنا چاہیے۔ کیونکہ کارکنانِ قضا و قدر نے میری صلہ عباد الدین اصفہانی نے چند نظروں میں خواجہ کا جواب لکھا ہے جو لحاظِ اختصار یاد رکھنے کے لائق ہے۔
 ”قولوا للسلطان کانک الیوم عرفت انی فی الملائک مسأھک، و فی الدالۃ مقاسمک، و انّ دواتی مقترنة بتلجک فتی رفعتھا رفع ومتی سلبتھا سلب“ اسی قسم کے اور واقعات ”مار یخن مین تحریرین لیکن ہنر و ضمتہ اصفاء کال طبقات، آثار اوزرا۔ بگراستان سے خواجہ کا پورا جواب مرتب کر کے لکھا ہے۔“

دوات اور سلطان کے تاج کو ساتھ ساتھ رکھا ہے۔ اگر میرے سامنے سے دوات اٹھائی جائیگی تو یاد رہے کہ سلطان کے بھی سر سے تاج اٹھ جائیگا۔

روضۃ الصفا کی روایت ہے کہ جب خواجہ نظام الملک کا غصہ دھیم ہوا تو اسکو اپنی تقریر کا افسوس ہوا۔ اور امراسے کہا کہ حالت اضطراب میں خدا جانے میں کیا کچھ کہ گیا ہوں آپ جو مناسب سمجھیں وہ سلطان سے عرض کر دیں۔

چنانچہ ان امیروں میں باہمی مشورہ سے طے پایا کہ کل صبح کو دربار میں سلطان سے عرض کیا جائیگا کہ ”خواجہ کتنا ہے۔ میں شہر یا عالم کا ایک ادنیٰ فرمانبردار ہوں اور میرے سب بیٹے سلطان کے غلام ہیں سلطان کا حکم ہمارے جان و مال پر نافذ ہے۔ فرمان عالی سے کبھی تجاوز نہ کیا جائیگا۔ اور میں عثمان کو ایسی سزا دوں گا جو دوسروں کے لیے باعث عبرت ہوگی۔“ مگر افسوس ہے کہ اس گروہ میں سے تاج الملک نے اول تمام حالات میں کان خاتون سے بیان کیے۔ اور خاتون نے خدا جانے کن شرر بار الفاظ میں سلطان کو سمجھایا۔ اسکے علاوہ امیر یلیر و نے بھی شب کو خود ملک شاہ سے خواجہ کی اس تقریر کا اعادہ کیا۔ چنانچہ خواجہ کے جواب سے ملک شاہ غضبناک ہو گیا اور اسنے وزارت کے تبدیل کرنیکا فیصلہ کر لیا۔ کامل اثیر کی روایت ہے کہ جب سلطان کے حضور میں امرائے خواجہ کا جواب بیان کیا تو سلطان نے فرمایا کہ آپ لوگ خواجہ کی خاطر سے اصل واقعہ کو چھپاتے ہیں نظام الملک کا یہ جواب نہیں ہے بلکہ اسنے تو کچھ اور ہی کہا ہے۔ چنانچہ پتہ کی بات سنکر سب خاموش ہو گئے اور ملک شاہ نے خواجہ کو وزارت سے معزول کر دیا۔

۹۔ تاج الملک
کی وزارت

خواجہ نظام الملک کی معزولی کے بعد سلطان ملک شاہ نے تاج الملک کو
ترکان خاتون کی سفارش پر وزیر مقرر کیا۔ اور خواجہ کے ماتحت عملہ کو بھی موقوف کر کے جدید
انتظام کر دیا۔ مثلاً بجائے شرف الملک مستوفی کے ابوالفضل مجد الملک مقرر ہوئے۔ اور بجائے
کمال الدولہ عارض کے سدید الدولہ ابوالمعالی کو مقرر کیا۔ اور اسی قسم کی اور بھی تبدیلیاں
کیں۔ جسکو عام طور سے ملک نے ناپسند کیا اور خود ملک شاہ کو بھی یہ نظم و نسق مبارک نہ ہوا۔
شعربے و بارے انہیں سے بعض کی ہجو بھی لکھ ڈالی۔ چنانچہ کمال الدین ابوطاہر خاتونی،
مجد الملک کے حق میں کہتا ہے۔

می تبا ز د بہ نخل مجد الملک چون بکا و رش گرسنہ قمری

گر ہمہ قیام، چین با شنند تم رفیقا و برہمہ قم۔ ری

اور ابوالمعالی نحاس نے بھی اس جدید نظام پر نکتہ چینی کی ہے۔ چنانچہ اسکا قول ہے۔

ز بولعی بدو۔ از بولرضاد از بولستد شہاکہ شیمہ بہ پیش تو پھمیشش آمد

درین زمانہ زہر چہ آمدی بخد مت تو مبشر خلف و فتح نامہ پیش آمد

ز بولانغنم و بولافضل بولمعالی باد زمین مملکت را بنات نمیش آمد

۱۰۔ تاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۶۰ ۱۱۔ مجمع الفصحا صفحہ ۶۴ ۱۲۔ ایک قسم کا غلہ جسکو ہندی میں چینیہ یا باجرہ
کہتے ہیں۔ ۱۳۔ الپ ارسلان کے دربار کا مشہور فاضل اور شاعر ہے۔ نہایت دو لغت نہ تھا۔
اور ملک شاہ نے عارض کے عہدے پر مقرر کر دیا تھا۔ امیر مغری سے اکثر مقابلہ رہتا تھا۔
۱۴۔ ہمدان فوت ہوا۔ مجمع الفصحا صفحہ ۷۸۔

۱۵۔ آثارالوزرا نسخہ قلمی۔ ان اشعار کا ترجمہ عماد الدین اصفہانی نے اپنی تاریخ
آل سلجوق میں بھی لکھا ہے۔

گرا ز نظام و کمال و شرف تو سیر شدی ز تلخ و مجد و سدیدت نگر چه پیش آمد
تاج الملک کا تقریر چونکہ ترکان خاتون کی سفارش سے ہوا تھا اسوجہ سے ملک شاہ نے
اپنی چند روزہ زندگی میں وزیر سے خوشنودی مزاج کا اظہار کیا اور بغداد پہنچکر
خلعت و زارت مرحمت فرمایا۔

۱۰۔ قول فیصل | اسباب مندرجہ بالا سے ثابت ہے کہ ملک شاہ خواجہ سے ناراض تھا اور
چند سال تک دونوں میں کشیدگی رہی۔ جسکا اخیر نتیجہ یہ ہوا کہ خواجہ منصب وزارت سے
معزول کر دیا گیا۔ اور صرف مغزولی سے ملک شاہ کا مطلب پورا ہو گیا۔ لیکن مغزولی
کے بعد یہ کہنا کہ خود ملک شاہ کے حکم سے خواجہ قتل ہوا۔ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ مستند روایتوں کا
یہ فیصلہ ہے کہ ملک شاہ کا واسن انصاف نظام الملک کے خون کے دھبے سے پاک
جسکی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ملک شاہ نہایت عادل اور حق شناس بادشاہ تھا
اور خواجہ کو ہمیشہ (باپ) کہہ کے خطاب کیا کرتا تھا۔ لہذا ایسے شریف اور کریم النفس پر
بدگمانی بھی نہ کرنا چاہیے۔ علاوہ برین تمام مورخوں کو تسلیم ہے کہ خواجہ کا قاتل ایک
قدائی تھا۔ اور اُسے حسن بن صباح کے حکم سے خواجہ کو شہید کیا تھا۔ لہذا اصلی قاتل
حسن بن صباح ہے۔ اور چونکہ تاج الملک بھی حسن کا مشیر اور مددگار تھا لہذا قانون
تغزیرات کے مطابق اعانت کے جرم سے وہ بھی بری نہیں ہو سکتا ہے اور قیامت
کے دن احکم الحاکمین کی عدالت میں ان لمز مون کو جواب دہی کرنا پڑے گی اور یہ اپنے
لے کامل اثبات و قہات شکہ ہے۔ ۱۱۔ آثار الوزراء نسخہ قلمی۔

کرتوتوں کی سزا پانینگے۔ کیونکہ جھوٹی شہادت اور کیلون کی نطق بیان کچھ کام نہ دیگی۔ بلکہ ۵

جو چپ رہیگی زبان نجس رہے اور پکارے گا آستین کا

نواجہ نظام الملک کا قتل مع دیگر واقعات

جس طرح خدا کو (حالانکہ وہ ذات بے نیاز ہے) اپنی خدائی میں کسی دوسرے کی شرکت گوارا نہیں ہے۔ اسی طرح دنیا کی بادشاہت میں بھی کوئی حکمران یہ نہیں چاہتا ہے کہ کوئی ہمارا سیم و شریک ہو۔ اور محض اسی خیال سے ملک شاہ نے نظام الملک کو معزول کر دیا تھا۔ مگر اُنکے ظاہری اعزاز اور خاطر داری میں کوئی کمی نہیں کی گئی تھی۔ چنانچہ ۸۹۲ھ میں ملکی ضرورت سے مجبور ہو کر جب ملک شاہ نے صفہان سے بغداد کا سفر کیا تو خواجہ نظام الملک بھی ہمراہ تھا۔ ماہ صیام کی وجہ سے یہ موقع سفر کا نہ تھا۔ مگر جب نصف مسافت طے ہو گئی تو چند روز کے لیے ملک شاہ نے ہناؤ دین قیام کیا۔ اور خیام شاہی کے اطراف و جوانب میں اراکین سلطنت اپنی اپنی بارگاہوں میں ٹھہرے۔ اور خواجہ نظام الملک کے ڈیرے موضع سخنے میں نصب کیے گئے۔

۱۰ خلیفہ مقتدی بامر اللہ نے اپنے بیٹے مستظہر باللہ کو ولید کر کے ملک شاہ کے نواسہ ابو الفضل جعفر کو محروم کر دیا تھا۔ (جعفر کی والدہ باہ و بقعدہ ۸۸۵ھ بمقام اصفہان فوت ہو چکی تھی) اس لیے ملک شاہ نے قطعی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ مقتدی کو معزول کر کے دمشق یا بصرہ بھیج دے گا۔ اور سخت خلافت اپنے نواسہ کو دے گا۔ چنانچہ ملک شاہ نے مقتدی کو یہ پیام بہت سختی سے بھیجا تھا۔ اور خلیفہ نے دشل دن کی مہلت مانگی تھی۔ مگر اتفاق سے انھیں ایام میں غزوہ ملک شاہ فوت ہو گیا۔ اور بغداد کی حکومت بستمور آل عباس کے قبضہ میں رہی۔ اس واقعہ کو بعض مورخوں نے مقتدی کی کرامات میں شمار کیا ہے۔

۱۱ روزمرہ کے کوچ و مقام سے پریشان ہو کر آرام کی غرض سے ملک شاہ ہنادن میں ٹھہرا تھا۔ اور سیر و شکار کے لیے بھیجی ہوستانی سلسلہ نہایت موزون تھا۔

طبقات الکبریٰ کی روایت ہے کہ پیشینہ کا دن اور رمضان المبارک کی دسویں (مطابق ۱۲ اکتوبر ۱۹۲۷ء) تاریخ تھی کہ خواجہ نے روزہ افطار کر کے مغرب کی نماز پڑھی۔ اور بعد نماز حسب معمول فقہاء اور علماء سے باتیں کرتا رہا۔ اثنائے کلام میں ہناوند کا تذکرہ شروع ہوا تو خواجہ نے فرمایا کہ یہ مقام امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتح ہوا تھا۔ پھر ان صحابہ کے حالات بیان کیے۔ جو معرکہ ہناوند میں شہید ہوئے تھے۔

اس جلسہ کے بعد خواجہ نے تراویح پڑھی۔ اور بعد فراغ ایک محفہ (ہوادار) پر سوار ہو کر حرم سرا کو روانہ ہوا۔ جب قیام گاہ پر پہنچا تو فرمایا کہ ”یہی وہ مقام ہے کہ جہاں ایک کثیر جماعت مسلمانوں کی شہید ہوئی تھی فطویٰ لمن کان معہو روہ لوگ بڑے خوش نصیب ہیں جو انے جا ملین)۔

غرض کہ خواجہ اپنے خیال میں محو تھا، سواری جارہی تھی، کہ ایک نوجوان دہلہ کا باشندہ (جس کا لباس صوفیانہ تھا) محفہ کی طرف بڑھا۔ اور مستغیث کی حیثیت سے اپنی عرضی پھینکی۔ جب خواجہ عرضی کی جانب متوجہ ہوا۔ تب موقع پا کر دہلوی نے خواجہ کے قلب میں چھری بھونکی۔ چونکہ وار بھر پور تھا لہذا اٹھوڑی دیر میں خواجہ کا کام تمام ہو گیا۔

حملہ کے ہوتے ہی تمام لشکر میں کھرام مچ گیا۔ اور جب یہ غلغلہ ملک شاہ تک پہنچا، تو وہ بھی غمزدہ اور روتا ہوا آیا، اور خواجہ کے سرھانے آن کر بیٹھ گیا۔

۱۔ ہناوند پر پہلے میں فتح ہوا تھا۔ اور اس فتح سے پورے عراق عجم پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا چنانچہ تاریخ میں اس فتح کا نام ”فتح الفتوح“ ہے۔ اس فوج کے سردار حضرت حذیفہ بن الیمان تھے۔ اور تقریباً تین ہزار عجمی مارے گئے تھے۔ فتوح البلدان بلاذری فتح ہناوند۔

بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ اس وقت تک خواجہ کے ہوش و حواس درست تھے لہذا ملک شاہ کو مخاطب کر کے اپنی موت کا واقعہ ایک برجستہ قطعہ میں عرض کیا اور جب اس مصرع پر پہنچا کہ سہ
 بگذاشتم این خدمت دیرینہ بفرزند

تو خواجہ کی زبان بند ہو گئی اور دم کل گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

خواجہ کا قاتل خواجہ کے قاتل کا نام ابوطاہر حارث (ایوانی) تھا۔ چنانچہ حملہ کے بعد وہ ایک خیمہ کی آڑ میں چھپ گیا تھا۔ جسکو خواجہ کے غلاموں نے گرفتار کر کے (باوجود ممانعت خواجہ قاتل کر ڈالا۔ نظام الملک کے قتل میں چونکہ غیر معمولی کامیابی حسن بن صباح کو ہوئی تھی۔ لہذا اس نے دشمنوں پر فتح و نصرت کے لئے، یہی طریقہ پسند کیا کہ جو اسکے کاموں میں فراحت کرے وہ اسی طرح خاموشی سے قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ حسن اور اسکے جانشینوں نے اپنے عہد حکومت میں کتنے ہی بادشاہ وزیر، امیر اور نامور علماء و فقہاء قتل کر اے۔ چنانچہ علمائے تاریخ کا یہ فتویٰ ہے کہ باطنیہ کا سب سے

سلاہ پر قطعہ خواجہ کی شاعری کے تذکرہ میں صفحہ ۶۷ (حصہ اول) میں درج ہے ناظرین اس موقع پر وہ قطعہ پڑھیں جس وقت میں یغمون لکھ رہا تھا جس اتفاق سے اس وقت ”بیاض صائب“ کا ایک قلمی اور نایاب نسخہ ملا جس میں صائب نے خواجہ نظام الملک کے حسب ذیل اشعار انتخاب کیئے تھے۔ لہذا نقل کرتا ہوں۔ مذکورہ بالا رباعی اور قطعہ پر بیاضانہ بہت غنیمت ہے۔ (دیکھو صفحہ ۶۷ حصہ اول)۔

تا از شب من سپیدہ دم، برزد، دم	معتوقہ ز شب کشید بر روز۔ رسم
شد آمدن نگار من اکنون کم	زیر اکہ شب در دنیا بسند بہم
چنبر زلفی کہ ماہ در چنبر اوست	فرماندہ روزگار فرمان بر اوست
نرسم کہ بسنا گاہ بریزد۔ خونم	کاین مشورخ دلم بخون من یا در اوست

طبقات الکبریٰ و گنج دانش حالات نظام الملک۔ و نگارستان صفحہ ۱۷۷۔

ایک روایت یہ ہے کہ حسن بن صباح نے فوج کشی کی خبر نہ کر سفارت روانہ کی تھی۔ (دیکھو صفحہ ۸۷)

پہلا شکار خواجہ نظام الملک تھا۔ اور خواجہ کے قتل کے بعد ان چھری بند قادیون میں بہت
قرار پائی کہ اسی آلہ سے بیگناہ مسلمان شہید کئے جائیں۔

خواجہ کا دفن | انتقال کے بعد جس قدر جلد ممکن ہو سکا خواجہ کی نعش اصفہان روانہ کر کے گیا۔ یوں
رمضان المبارک کو ملک شاہ بغداد چلا گیا۔ مگر کسی تاریخ سے یہ نہیں معلوم ہوا کہ ہناوند سے
اصفہان، خواجہ کی نعش کے دن میں پہنچی اور کس دن دفن ہوئی؟ لیکن ایران کا نقشہ دیکھنے
سے معلوم ہوا کہ مقامات مذکور کا درمیانی فاصلہ دو سو پینتیس میل ہے اور عہد قدیم میں اصفہان سے
بغداد کو جاتے ہوئے جس قدر رنٹرلین ٹرینی تھیں انکی معمولی مسافت بارہ میل سے سولہ میل تک
تھی چنانچہ اوسط رفتار اگر سولہ میل قرار دیا جائے تو اس حساب سے پندرہویں دن خواجہ کی
نعش اصفہان پہنچی ہوگی۔ اور اگر دو منزلہ کوچ کیا ہوگا تو آٹھویں دن تک بغیر وقفین کی نوبت
آئی ہوگی۔ بہر حال اصفہانیوں نے بڑی دھوم سے خواجہ کا جنازہ اٹھایا۔ اور محلہ کران ریہ
محلہ نہر کے کنارہ آباد تھا کے قبرستان میں دفن کر دیا۔ چنانچہ زمانہ دراز تک یہ مقام ”تربت نظام“
کے نام سے مشہور رہا۔

(نوٹ۔ متعلقہ صفحہ ۱۸۶) اور اسی سفر نے خواجہ کو قتل کیا۔

۳۳ طبقات الکبریٰ۔

۱۵ ایران کا نقشہ طر جان کر نے مشہور کیا ہے۔ اس میں انگریزی اور ایرانی حساب سے شہر کی مسافت
لکھی ہے۔ چنانچہ انگریزی پیمانہ سے ۲۱۰ میل اور ایرانی پیمانہ سے ۵۵۰ کا فاصلہ ہناوند سے اصفہان تک ہے۔ لیکن بعض
سٹیژن آفلس کے مطابق جو زمانہ حال کا سب سے پچھلا اور مکمل آفلس ہے یہ تعداد درج کی ہے۔

۳۴ نہر بہت القلوب حمد المہدین ان منزلوں کی صراحت ہے۔

۳۵ گنج دانش صفحہ ۳۵۰۔

رسم تعزیت

جب خواجہ کے انتقال کی خبر دار السلام بغداد میں پہنچی تو خلیفہ مقتدی باورلہ کو نہایت صدمہ ہوا۔ اور خلیفہ کے حکم سے وزیر عمید الدولہ بن جہیر تعزیت کے واسطے مٹیٹھا چنانچہ ارکان سلطنت اور علما، اور بغداد کے ہر طبقہ کے مشاہیر عمید الدولہ کی خدمت میں حاضر ہو کر خواجہ کی تعزیت کرتے تھے خواجہ کی عمر تاریخ انتقال تک خواجہ نظام الملک، عمر کی ستر منزلیں طے کر چکا تھا کیونکہ خواجہ کی ولادت ۶۱۰ھ میں ہوئی تھی۔ اس حساب سے جن تذکروں میں خواجہ کی عمر کم یا زیادہ لکھی ہے وہ غلط ہے۔ اور خواجہ کے قطعہ میں جو دو شش لکھا ہے۔ یہ بھی کتابت کی غلطی ہے۔

ایام وزارت

خواجہ نظام الملک، سولہویں ذی الحجہ ۷۴۴ھ کو سلطان الپ ارسلان کے حکم سے وزیر مقرر ہوا تھا۔ اور شعبان ۷۸۵ھ کی کسی تاریخ میں سلطان ملک شاہ کے حکم سے معزول ہوا۔ اس حساب سے خواجہ نے تقریباً ۲۸ برس ۷ مہینے وزارت کی۔ اور یہ وہ قیمتی ایام ہیں کہ جسکی نظیر تاریخوں میں بہت کم ملتی ہے ۷

خواجہ نظام الملک کی موت کی پیشین گوئی

خواجہ نظام الملک کا مصنف (جوالجمع النواور) لکھتا ہے کہ خواجہ نظام الملک کے نزدیکوں میں ایک منجم بھی تھا۔ جو وطن کی نسبت سے ”موصلی“ مشہور تھا چنانچہ سفر و حضر میں موصلی خواجہ کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ اور خواجہ بھی اسکی ٹبری خاطر کرتا تھا۔ لیکن ضعف پیری سے موصلی کا کوب اقبال جب سرحد احراق میں پہنچ گیا۔ تو خواجہ نے نیشاپور میں اسکی جاگیر مقرر کر دی۔

خواجہ نظام الملک مذہبی شخص تھا، اور اسکا یہ عقیدہ تھا کہ کل من علیہا فان یبغی وجہ تالیف

ذو الجلال والاکرام مگر بقضاءِ فطرت انسانی خواجہ نے چلتے وقت موصلی سے پوچھا کہ دو تین
کبھی میرا زائچہ کیا ہے، اور یہ بھی دیکھا ہے کہ اس دارِ اعلیٰ سے میرا کوچ کب ہوگا؟
موصلی نے کہا ہاں! میرے انتقال کے چھ مہینے بعد آپ بھی دنیا سے رخصت ہونگے اور وہ
وقت آجائے گا کہ

گرد و بردی صفحہِ خاک، استخوانِ دست
از ہیرِ حرفِ تجربہ دیگرانِ مسلم

الغرض موصلی خواجہ سے رخصت ہو کر نیشاپور چلا گیا اور جب تک زندہ رہا خواجہ کا وظیفہ خمار رہا۔
مگر خواجہ کی یہ حالت تھی کہ نیشاپور کے آنے والوں سے موصلی کی سلامتی دریافت کیا کرتا تھا۔
آخر چند سال کے بعد مکہ میں کسی نے اطلاع دی کہ ربیع الاول کی پندرہویں تاریخ کو
غریب موصلی مر گیا۔

خواجہ نظام الملک کو موصلی کے انتقال سے اپنی موت کا بھی زمانہ یاد آگیا۔ اور اسی وقت سے
سفرِ آخرت کی تیاریاں شروع کر دیں چنانچہ کتاب الوصایا میں لکھا ہے کہ مکہ کے اخیرین
خواجہ نظام الملک بہت بیمار ہو گیا تھا۔ اور جب اسکو صحت ہو گئی تو ایک دن اپنے
”صرف خاص“ کے منظم سے دریافت کیا کہ ہماری سرکار سے جن لوگوں کی سالانہ تنخواہیں

۱۔ وصایا خواجہ نظام الملک۔

۲۔ تاریخ کامل اثیرین لکھا ہے کہ خواجہ بقیام بغداد بیمار ہوا تھا۔ اور زمانہٴ علالت میں بڑے صدقہ دیے گئے تھے۔
اور فقرا و مساکین اس قدر جمع ہوئے تھے کہ جبکا شمار نہیں ہو سکتا تھا۔ غسلِ صحت پر خلیفہ مقتدی بامرِ اہل
نے خواجہ کو خلعتِ مرحمت فرمایا تھا۔

اور وظیفہ مقررین کو سال پہنچے ہیں یا نہیں، چنانچہ تحقیقات سے دریافت ہوا کہ سیکو کچھ نہیں دیا گیا ہے۔ تب خواجہ کو شیخ مہمنہ کا بھی قول یاد آیا۔ اور سمجھ لیا کہ اب رخصت کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ چنانچہ جو ضروری انتظام کرنا تھے وہ خواجہ نے کر دیے اور خواجہ خضر الملک کو بہت سی نصیحتیں کیں۔ اور ٹھیک چھ مہینے کے بعد خواجہ کا انتقال ہو گیا۔ جیسا کہ مولانا جامی نے تحریر فرمایا ہے۔

۱۔ دیکھو سنیو، یہ کتاب ہذا۔

۲۔ مولانا جامی نے خواجہ نظام الملک اور مخم موصلی کے واقعہ کو سلسلۃ الذہب میں اس طرح نظم کیا ہے کہ۔

بود در دولت نظام الملک	آن فلک بحر فضل اور اُفلک
موصلی نسبت بہ فیشا پور	بہ نجوم و اصول آن مشہور
پشت او چون کمان قبضۂ شیب	متصل در کمانش، سم القیب
ہر چہ از آسمان خبر دادی	تیر حکمش خطا نیفا دے
بود در شہر خدام خواجہ	در سفر ملازم خواجہ
ضعف پیری بر و چو زور آورد	روے در عالم سرور آورد
خواست روزی ز خواجہ اذن نہاد	از نشا پور، روے در بغداد
خواجہ وقت وداع با او گفت	کے دلت، گنج را ز ہای نہفت
گفت چون من روم پس از شہماہ	صدت پر گھر شکستن من
دست ادا کارو بار بستہ شود	رخت بندی ازین نشین گاہ
خواجہ این را از راہ نگمیداشت	صدت پر گھر شکستہ شود
از نشا پور ہر گرا دیے	چشم بر دوا صلاں رہ۔ میداشت
ہر کہ از شغش خبر گفتے	خبر موصلی بہر سیدے
موصلی را بنامہ کر دے باد	ہچو گل از نشاط بشکفتے
	خاطرش را ز تحفہ کر دے شاد

خواجہ نظام الملک کی وفات پر شعرا کے مرثیے

خواجہ نظام الملک کے قتل کے پینتیس دن بعد شب جمعہ پندرھویں شوال کو مطابق ۱۸ نومبر ۱۸۹۲ء کو بغداد میں مقام بغداد سلطان ملک شاہ نے بھی بعارضہ حمی محرکہ (تب شدید) انتقال فرمایا۔ اور خواجہ کا یہ قول صادق آیا کہ ”جب میرے سامنے سے دو ات اٹھائی جائیگی تو ملک شاہ کے بھی سر سے تاج اٹھ جائے گا۔“ چنانچہ امیر شہرزی نے اسی مضمون کو ایک رباعی میں اس طرح پر ادا کیا ہے۔

بقیہ اشعار متعلق نوٹ صفحہ ۱۹۰۔

زین حکایت گذشت سالے چند	بود خواجہ بحال خود حسر مند
ناگمان قاصدے رسید از راه	از نشا پور و اہل ان تا گاہ
خواجہ احوال موصلی پر رسید	گفت، سکین بخواجه جان بخشید
زان خبر وقت خواجہ در ہم شد	دل شادش نشانہ، غم نہ شد
سچے خواست از ستم زدگان	شادمان ساخت جان غمزدگان
وقفہا کرد و وقف نامہ نوشت	تخم چندی ہزار نیکی کشت
کرد او آنقدر کہ واکش بود	وام داران شدند از ان خوشنود
بوصایا زبان درازی کرد	بس کسان را کہ کار سازی کرد
شست از کار و بار بنیادست	دیدہ بر راہ انتظار نشست
تا بہ تیغ جاعے بیا ک	لوح جان شان ز حرف ایمان پاک

کرد و جا د خطیرہ شہدا

رُوحَ اللہِ مُرَدِّحاً اَبَدًا

سلسلۃ الذہب دفتر سوم صفحہ ۴۶۰۔ لہ تذکرہ دولت شاہ سمرقندی۔

نہ شناخت ملک سعادت اختر خویش در منقبت وزیر خدمت گر خویش
 بگماشت بلاے تاج بر لشکر خویش تا در سرتاج کرد آخر سر خویش
 ملک شاہ اور نظام الملک کی وفات پر شعراء عجم اور عرب نے بہشت مرثیے لکھے ہیں
 لیکن بہ نظر طوالت ہم صرف ملک الشعراء امیر معزی اور حکیم انوری اور شبلی الدولہ
 مقاتل بن عقیطہ کے مختصر مرثیوں پر اس واقعہ کو ختم کرتے ہیں۔ اور خواجہ سےخصت
 ہوتے ہیں۔

مرثیہ امیر معزی

شغل دولت بخیر شد کا رملت باخطر تا تہی شد دولت و ملت ز شاہ داد و گر
 مردمان گفتند شوریدہ است شوال ابو عجب بود ازین معنی اول معنی شناسان را خبر
 در یکی نہ شد بفرودس برین دستور پیر شاہ برنا از پس اورفت در ماہ و گر
 کرد یاری قمر زیدان، عجز سلطان کشاکش قمر زیدانی ببین و عجز سلطانانی نگر
 خسرو اگر مستی افسستی بہ ہشیاری اگر لے در نجواب خوش دری از خواب خوش بن داسر
 تا بہ بینی باغ ملت راشدہ بیزنگ و بے تا بہ بینی شاخ و دولت راشدہ بے برگ و بر
 بر زمین چون حکمران گشتی گرفتگی کاستی بر فلک چون بدر گرد و کاستین گیر و قمر
 رفتی و گزشتی در ویدہ من اشک خویش تا چو خاتم مدح تو بر من ہی بار و در
 خاطر من نظم فتوح را گم در رشتہ کرد رشتہا بگست دار چشمم بر دہ آمد گم

سہ تذکرہ محبی الغصاء

امیر معزی کا یہ مرثیہ اگرچہ مختصر ہے۔ مگر چونکہ غم زدہ دل سے نکلا ہے، لہذا درد انگیز اور حسرت خیز ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ ایک ہی لے میں شاعر نے دو وزن کا ماتم کیا ہے۔

حکیم انوری نے بجائے مرثیے کے ایک رباعی لکھی ہے۔ مگر وہ بھی سوز و گداز سے خالی نہیں ہے۔

حکیم انوری

ان جان جهان زہور اخلاک برفت بنیاد نظام ملک اور خاک برفت
ان زہر زمانہ را چو تریاک برفت اور فت وسعادت انہما پاک برفت
شبل الدولہ

(۱)

کان الوزير نظام الملك لولوة يتيممة صاغها الرحمن من شرف
عزت فلم تعرف الايام تيممتا فزدها غيرة منه الى الصدف

۱۔ جامع التواريخ صفحہ ۲۸۵، فصل ۱۰، بطوہ کلکتہ۔ ۲۔ المستطرف فی کل فن مستطرف صفحہ ۲۸۶۔ جلد ۲
مضمون کے لحاظ سے یہ اشعار بھی لا جواب ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ خواجہ نظام الملک حقیقت میں
ایک سوگند گیت تھا۔ ارباب زمانہ اسکی قیمت کا جب صحیح اندازہ نہ کر سکے تو آزار و غیرت یہ انول موقی پھر
صدف کو واپس کر دیا گیا۔

(۲)

وقبرت وجهك وانصرفت مودعا باہی واهی وجهك المقبور
 وارمی دیارک بعد وجهك قفرو والقبر منك مشید معصو
 فالتاس کلہم لفقدك ، واحد فی کل بیت سنة وزعیر
 عجبک لاریع اذ لریح فی خمسة فی جوفها جبل اشمر کبیر

اس شاعر خواجہ نظام الملک کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ میرے مان باپ۔ تجھ پر قربان ہوں۔ میں تجھ کو دفن کر کے
 گورستان سے واپس آگیا ہوں۔ مگر حال یہ ہے کہ تیرے بغیر ساری سستی و بیان پڑی ہوئی ہے۔ البتہ قبر تجھے
 آباد ہے۔ تیرے انتقال سے ہم سب اکیلے رہ گئے ہیں۔ اور ہر گھر سے گریہ و زاری کی آواز آرہی ہے۔
 اور سب سے عجیب بات جو میں دیکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ قبر جیسے تنگ مکان میں ایک مرفع اور طولانی پہاڑ کی طرح
 سامن گیا ہے۔

ہملا حصہ ختم ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دوسرا حصہ

مہتد

تبارک اللہ! ازاں بادشہ کہ دلکش
زباں اداں تواند حساب شکرش را
وزیر عقل تصرف نہ کردہ بی تقصیر
وگر بہ ہر نفسہ صد سخن کس نہ تقریر

خونِ غلبہ ام المملک کی سوانح عمری کا پہلا حصہ ختم ہو چکا۔ یہ حصہ جن معتمد اور مستند تاریخوں سے
ماخوذ ہے۔ اسکا صحیح اندازہ حوالہ جات مندرجہ حاشیہ سے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ غوجہ کی
زندگی کا ہر واقعہ خواہ وہ مجمل ہو مفصل، انہی تاریخوں کا ایک جامع انتخاب ہے۔ تاہم اس
حصہ میں جن واقعات کی تفصیل ہے وہ عنوان یہ ہیں۔

خواجہ کا خاندان اور وطن۔ عہد طفولیت اور عام ابتدائی حالات۔ تعلیم و تربیت شیوخ
و اساتذہ، طالب علمانہ سفر۔ ذاتی فضل و کمال۔ اخلاق و عادات، خانگی زندگی۔ واقعہ
قتل کی مفصل تاریخ۔

عنوان مذکورہ بالا میں سے، ہر ایک کے تحت میں جو واقعات تحریر ہیں وہ بھی صفحات

تاریخ میں ”زریں یادگار“ کا درجہ رکھتے ہیں۔ لیکن ان اوراق کو اگر کوئی نکتہ سنج ملاحظہ
تفتیش کی عینک لگا کر دیکھے تو کھسکتا ہو کہ ”یہ تو نظام الملک کے عہد وزارت کی ایک رسمی
تصویر ہے۔“

لہذا ہمارا فرض ہے کہ ناظرین کو خواجہ کا ایسا موقع دکھائیں جس میں اس متعہد صورت کا
ایک ایک خال و خط نمایاں ہو اور اصلی تصویر کا جلوہ آنکھوں میں پھر جائے۔

وزراء اسلام کی فہرست (طبقہ سلاطین عجم) میں خواجہ نظام الملک کا نام واضح
قانون سلطنت کے لحاظ سے سرے پر ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ جس درجہ کا وہ قانون
داں ہے، ویسا ہی مدبر عظم بھی ہے۔ اپنے طبقہ میں صد نشینی کا امتیاز رکھتا ہے۔

خواجہ نظام الملک نے جس طرح دنیا میں اپنی فنی فتوحات کی ایک زندہ اور محسوس
یادگار چھوڑی ہے۔ اسی طرح میدان کارزار میں بھی اُس کی تلوار کے جوہر نمایاں ہوئے
ہیں۔ اور مستوحہ مقامات پر نظام الملکی پھر یہ آج تک اُڑ رہا ہے۔ اور انصاف یہ ہے کہ
یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ”السيف والقلم توأمان“ کی ضرب لمشل کو حیات جاودید بخشی ہے۔

ان خوبیوں کے علاوہ علوم و فنون کی اشاعت میں جس فیاضی، دریا دلی، اور
بلند ہمتی سے خواجہ نظام الملک نے کام لیا ہے وہ بھی اسکا خاص حصہ ہے۔ بلکہ بعض اُمور
(صیغہ تعلیمات) میں تو اولیت کا تاج اس کے سر پر ہے۔

اسی طرح نظارتِ نافعہ (صیغہ پبلک ورکس) میں بھی خواجہ نے کارہائے نمایاں کئے
ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ اُس کی بنائی ہوئی شاندار اور سرفراز عمارتوں میں سے آج

کسی ایک نہ بھی عکسی تصویر ہم پیش نہیں کر سکتے ہیں۔ لہستہ عراق عرب وغیرہ کا ویرانہ اپنے دامن میں ٹوٹی پھوٹی اینٹوں کو امانت کی طرح اسوقت تک چھپاے ہوئے ہے۔ اور ارباب بصیرت کے کانوں میں ان کھنڈرات سے یہ صدا آتی ہے۔

کہاں ہیں ؟ وہ اہرام مصری کے بانی	کہاں ہیں ؟ وہ گردان زابستانی
گئے پشدادی کہ ہر اور کیانی	مٹا کر رہی سب کو دنیاے فانی

لگاؤ کہیں کھوج کلدانیوں کا
بتاؤ نشان کوئی ساسانیوں کا

علیٰ ہذا القیاس خواجہ نظام الملک کے اور بھی کارنامے ہیں، جو اس حصہ میں دکھائے جائیں گے۔
حصہ اول میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ خواجہ کی وزارت سولہویں ذی الحجہ ۸۵۴ھ سے شروع ہوئی اور بارہویں رمضان ۸۵۵ھ کو ختم ہو گئی۔ اس حساب سے ایام وزارت کے تخمیناً اُنیس سال ہوتے ہیں۔ وقائع نگار کی حیثیت سے فرض ہے کہ کم و بیش ہر سال کے واقعات پر تبصرہ لکھا جائے۔ لیکن ترتیب سینین واقعات لکھنے میں بہت سے شکلات کا سامنا تھا۔ لہذا قدیم مورخوں کی تقلید چھوڑ کر یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ ہر مہتمم ہاشمیانہ واقعہ ایک خاص عنوان سے لکھا گیا ہے۔ عام اس سے کہ اسکا تعلق عہد الپارسلان سے ہو یا ملک شاہ سے ؟

۱۶۔ ذی الحجہ ۸۵۶ھ لغایت ۶۔ ربیع الاول ۸۵۷ھ عہد الپارسلان۔ اور ۷۔ ربیع الاول ۸۵۷ھ لغایت ۱۲۔ رمضان ۸۵۸ھ عہد ملک شاہ میں خواجہ وزیر رہا۔ اس حساب سے مجموعی تعداد ایام وزارت کی اٹھائیس برس۔ سات مہینے اور پچیس دن ہوتے ہیں۔

مورخین کے نزدیک خواجہ نظام الملک سے جو سب سے بڑی خدمت دولت سلجوقیہ کی ہوئی
ہی۔ وہ قوانین ملکی کا وضع کرنا ہو جس کی نسبت ملک شاہ کا یہ فخر نہ دعویٰ تھا کہ آئندہ
یہی میرا دستور العمل ہوگا۔

تجما طہ تقسیم خدمات ملکی اگرچہ یہ قانون خواجہ کی سب سے اخیر کارگزاری ہی مگر چونکہ امور وزارت
میں یہ کام سب سے زیادہ قابل قدر اور لائق تحسین ہے لہذا سب سے پہلے قانون سلطنت
پیش کیا جاتا ہے۔

آس عہد میں نوع انسان نے فضائل و کمالات اور تمدن و معاشرت میں چونکہ غیر متناہی ترقی
تک ترقی کر لی ہے۔ لہذا اُسی پیمانے پر قانون سلطنت بھی وضع کیا گیا ہے۔ اور علوم و فنون
کی فہرست میں قانون بھی مستقل علم کی حیثیت سے داخل ہے۔ چنانچہ عہد قدیم سے اب تک
اہستہ بہستہ مدبران مشرق و مغرب نے قوانین پر جتنی قدر اضافہ کیا ہے۔ اُس کی تشریح
جب ہی ہو سکتی ہے کہ قانون کی تاریخ لکھی جائے۔ لیکن دزمرہ کا مشاہدہ اور تجربہ بتاتا ہے کہ
سلطنت کا کوئی صیغہ ایسا نہیں ہے۔ جو قانون کی حکومت سے آزاد ہو۔ چنانچہ اسی ترقی
کے دور میں تعین یافتہ کردہ کی نظروں میں خواجہ نظام الملک کے قانون سلطنت کی کیا
عظمت ہوگی۔ مگر نہیں؛ بڑھتے وقت اُنکو یہ خیال کرنا چاہیئے کہ یہ تحریر آج سے آٹھ سو
چالیس برس قبل کی ہے۔ اور حکومت اسلام کا زمانہ ہی۔ مذہب کا عمل دخل ہے۔ طرز زندگی

خواجہ نظام الملک سے پہلے یہ قانون مرتب کر کے ملک شاہ کے حضور میں پیش کیا تھا جس کا نام میر الملک
(سیاست نامہ) تھا۔ اُس وقت ہندوستان میں سلطان سعود ثانی بن ابراہیم بن سعود بن محمود غزنوی کی حکومت تھی
اور افغانستان میں غلام ثانی ملقب بہ دوش حکومت کر رہا تھا۔ تاریخی حیثیت سے ناظرین اب خود مقابلہ کریں۔

بالکل سادہ ہے۔ اور شریعت کے مطابق ہر مقدمہ کا فیصلہ ہوتا ہے۔ باوجود اسکے یہ قوانین زمانہ موجودہ کے اصول حکمرانی سے کس درجہ مطابق ہیں۔ اگر جزئیات سے قطع نظر کچھ بڑے نوکلیات میں برائے نام اختلاف رہتا ہے اور بالآخر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ زمانہ حال کا قانون اور ضابطہ سلاطین سابق کے قوانین کا خوش چین ہے۔ اور یہ ایک ایسا دعویٰ ہے کہ جس کے لیے کسی مثال کی ضرورت نہیں ہے۔

اب ناظرین بنظر غور و تعمق خواجہ نظام الملک کے قانون سلطنت کو ملاحظہ فرمائیں خاتمہ پر ہم بھی ایک مختصر تبصرہ (ریویو) لکھینگے۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۖ وَهُوَ نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَ نِعْمَ النَّصِيرُ

خواجہ نظام الملک کا قانون سلطنت

بادشاہ اور رعایا کے فرائض

- ۱ [] (عادت الہیوں ہی جاری ہے) کہ وہ ہر زمانہ میں اپنے بندوں میں سے ایک شخص کو انتخاب کر لیتا ہے، پھر شاہانہ قانون سے آراستہ کر کے اپنی مخلوقات کا انتظام اُسکے سپرد کر دیتا ہے، جس سے فتنہ و فساد کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور بادشاہ کی ہمتیت و شہمت کا سب کے دلوں میں سکھ بٹھا دیتا ہے۔ تاکہ اُسکے عہد دولت میں خدا کی مخلوق چین سے زندگی بسر کرے، اور بے کھٹکے ہو کر بادشاہ کے دوام سلطنت کی دعا مانگتی رہے۔
- ۲ [] جب لوگ شریعت کی پابندی چھوڑ کر دین و مذہب کا خاکہ اڑانے لگتے ہیں، اور خدا کے احکام کی تعمیل نہیں کرتے ہیں اسوقت وہ انکے اعمال کی سزا دینا چاہتا ہے۔ اور بجا عادل اور مہربان بادشاہ کے ظالم حکمران مسلط کرتا ہے۔ اس دور انقلاب میں خون کی ندیاں بہ جاتی ہیں، اور گناہگار اپنی کرتوتوں کی سزا پاتے ہیں۔ اس کی مثال عبینہ سی ہے کہ

سیاست نامہ فصل اول صفحہ ۶۷-مطبوعہ پریس دار السلطنت فرانس مرتبہ پروفیسر فریدرک راسلہ مشرقیہ پریس

جب کسی نیتاں میں آگ لگتی ہو تو اول وہ شک چیزوں کو جلاتی ہو پھر مسائیگی کے طفیل میں ترو تازہ چیزیں بھی جلکر راکھ ہو جاتی ہیں۔“

۳ جب خدا اپنی مہربانی سے کسی کو صاحب تاج و تخت کرتا ہو تو اُسکے اقبال کے انداز پر علم و عقل بھی مرحمت فرماتا ہو۔ اور صرف یہی دو چیزیں ہیں کہ جس نے رعایا پر (بلحاظ کمی و بیشی مراتب) حکومت کی جاتی ہو۔

۴ بادشاہ کا فرض ہو کہ وہ اپنی رعایا کو جانے پہچانے اور اُس کی قدر و مرتبہ کے مطابق درجہ و منصب عطا کر کے دین و دنیا کے کاموں میں اُن پر ہمدرد ہو کر رہے۔

۵ جبے عایا بادشاہ وقت کی اطاعت اور اپنے فرائض پورے طور سے ادا کرتی ہو تو خدا کی طرف سے بھی اُسکو امن و چین کی زندگی ملتی ہو۔ ایسے عہد سعادت میں اگر قائم مقامان سلطنت سے ناشائستہ افعال سرزد ہوں، یا وہ ملک پر دست درازگی میں تو پہلے اُنکو تادیب و نصیحت سے سمجھانا چاہیے۔ اگر وہ غفلت کی نیند سے جاگ اُٹھیں تو اپنے عہدوں پر قائم رکھے جائیں اور اگر اگلے رنگ میں ڈوبے رہیں تو بلاتامل وہ شخص مقرر کر دیا جائے جو اُس خدمت کی صلاحیت رکھتا ہو۔

۶ رعایا میں جو لوگ حقوق نعمت کو نہ پہچانیں، اور پُر امن زمانہ کی قدر نہ کریں، بلکہ بنیستی سے سرکشی پر آمادہ ہوں تو اُنکو سزا دی جائے لیکن سزا کا پیمانہ مجرم کے مطابق رہے۔

۷ جن بادشاہوں نے نہریں جاری کیں، تالاب کھدوائے، دریاؤں پر پل باندھے، شہر، گاؤں، پُروے آباد کیے، نئے قلعے بنائے، یا عام بہتوں پر مسافرخانے جاری کیے۔

اُن کا نام ہمیشہ زندہ رہیگا اور وہ آخرت میں بھی ان نیکیوں کا صلہ پائینگے۔

(۲) بادشاہ کا برتاؤ رعایا اور ہر کام کا باقاعدہ انجام دینا

اسماں ہمیشہ نئے رنگ لایا کرتا ہے اور سلطنت کو ایک خاندان سے دوسرے میں منتقل کر دیتا ہے۔ اس دور انقلاب میں شریف پامال اور مفند طاقتور ہو جاتے ہیں۔ اور جو چاہتے ہیں کہ گزرتے ہیں۔ امارت کا درجہ برے نام رہتا ہے، کیونکہ ہر فرد مایہ چاہتا ہے کہ میں بادشاہ اور وزیر کا لقب اختیار کروں۔ اور اس کا کچھ خیال نہیں ہوتا ہے کہ ہم اسکے مستحق بھی ہیں یا نہیں جب ایسا ہنگام ہوتا ہے تو سلطنت اور شریعت میں ضعف آ جاتا ہے اور مدتوں نظام سلطنت درہم برہم رہتا ہے لیکن پھر خدا کی مہربانی سے وہ ناگوار زمانہ گزر جاتا ہے۔ اور کوئی عاقل و عادل بادشاہ تخت نشین ہوتا ہے اور وہ اپنی عقل سے ہر چیز میں تمیز کرتا ہے۔

ہمیشہ وہی بادشاہ کامیاب ہوئے ہیں جنہوں نے حکمرانی میں اصول سلطنت اور قوانین مملکت کو بات سے نہیں چھوڑا ہے۔ دشمنوں کو مقہور کرنا سلطنت کے جمع و سرچ کو دیکھنا اور بدعت کا دور کرنا بادشاہ کا کام ہے۔ بادشاہوں کو اس پر بھی ہمیشہ توجہ رہی ہے کہ قیام خاندان اور شاہی سلسلے امیرانہ ٹھاٹھ سے زندگی بسر کریں اور جب تک وہ زندہ رہیں اُنکے وظائف بند نہوں۔ تحقیق کو بیت المال سے اُن کا حصہ برابر پہنچا رہے۔ تاکہ یہ لوگ دعاے خیر سے یاد کریں۔

فصل ۴۰ - صفحہ ۱۲ - بیت المال (پبلک ٹرژری) خزانہ کا نام ہے۔ یہ صیغہ بھی فاروق عظیم کی ذات سے موجود میں آیا۔ اس خزانہ میں وہ رو قعات اور شہاد داخل ہوتی تھیں جنکے مسلمان مستحق ہوں اور اس کا کوئی خاص مالک متعین نہ ہو اسی طرح اس خزانے سے خیرین بھی ہوتا تھا جو مسلمانوں کی ضروریات سے متعلق ہو۔

مثال

چند لوگوں نے جو مغز خاندان سے تھے ہرون الرشید کو یہ درخواست دی کہ ہم آپ کی رعایا ہیں ہم میں سے بعض عالم اور حافظ ہیں اور بعض وہ ہیں جنکے بزرگوں کا اس سلطنت پر حق ہو اور ہمارا حصہ بیت المال میں بہت کچھ ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ خلیفہ کی ذاتی خواہشوں میں سارا خزانہ لٹ رہا ہے، اور ہم لوگ روٹیوں سے محتاج ہو رہے ہیں۔ اگر بیت المال سے ہمارا حصہ

سلخہ خلیفہ ہمدی کا چھوٹا بیٹا تھا۔ پورا نام الرشید ہرون ابو جعفر بن ابی خریزہ بن ابی ہاشم میں بمقام سے پیدا ہوا۔ اسکی ماں کا نام خیزراں تھا۔ ابو جعفر منصور (دادا) اور ہمدی نے اپنے خوش نصیب بیٹے کی تعلیم و تربیت میں خاص انتظام کیا تھا چنانچہ کوئی فن ایسا نہ تھا کہ جس میں ہرون الرشید کو مجتہد نہ کمال حاصل ہو۔ ۲۲ برس کی عمر میں بمقام عباسی آبا واپسے بیٹے جعفر بن خلیفہ ہمدی کے انتقال کے بعد شنبہ کی رات سطوہیں تاریخ ربیع الاول ۲۳۹ھ میں بیٹے شان و شکوہ سے تخت نشین ہوا اس عہد میں سلطنت عباسیہ کمال عروج پر تھی۔ رقبہ حکومت کی حد ہندوستان اور تاتار سے بحر اوقیانوس تک تھی۔ اور سولے اسپین کے کل اسلامی دنیا تک فرمان تھی یورپ چین و ترکستان تھا وہ صرف دم دیوان کا ملک تھا اور دونوں ہرون الرشید کے باجگزار تھے۔ سالانہ خراج آسان بندوبست کے مطابق (آجکل کے حساب سے) کہیں کہیں دو سو پچاس لاکھ روپیہ تھا۔ فوج کی تعداد قریباً دو لاکھ سو اور پادہ کی تھی۔ اور وقت ضرورت کے دوسری قسم کی فوج متعومہ (والیٹر) بھی تھی۔ ملکی فتوحات سے زیادہ اس عہد میں علمی فتوحات ہوئیں۔ اس زمانہ پر سلمان جعفر فرم کریں کہ کم ہو۔ امام مالک امام موسیٰ کاظم کاظمی ابو یوسف امام محمد عبداللہ بن مبارک عباس بن جعفر شاعر افضل بن عباس ابن سماک سیبویہ کسائی، یونس بن حبیب نحوی جیسے فخر و درگاہ مشاہیر علمی عہدیں تھے اس نیکو خلیفہ میں حقیقت و تہمتیں جمع تھیں جو ایک ناک بار اور دیندار سلمان بادشاہ میں ہونا چاہئیں۔ جانتا تھا کہ قول ہو کہ جیسا راب کمال ہرون کو میر ہوئے وہ دوسرے خلیفہ کو نہیں ملے۔ کیونکہ وزارت میں برکت و عہد تھا پر امام ابو یوسف شاعر و سنن بن ابی حنفہ مذہبیوں میں عباس بن محمد عباسی حاجوں میں فضل بن ابی ریحہ مغیبتوں میں براہیم الموصی۔ اسکے عہد کا سب سے اہم تاریخی واقعہ خاندان براہمہ (بچی) افضل جعفر بنی دراز سلطنت کی بنیاد پر تفصیل کے لیے دیکھو ہماری کتاب البراہمہ مطبوعہ ۱۸۹۶ء پریس کانپور) تئیس برس دو مہینے اٹھارہ دن حکمرانی کر کے عام برس مہینے کی عمر میں سجاد بن ابی لاری ۲۴۰ھ میں بمقام طوس انتقال کیا اور میں فن ہوا۔ باوجود فیضی کے انتقال کی وقت خزانہ عاموں میں اٹھا اور فقیر و پیر چھوڑا۔ اکل سوانح عمری کے لئے ناظرین کو ہماری کتاب رشید عظمیٰ کا منتظر رہنا چاہئے جسکی اشاعت کا انشاء اللہ تعالیٰ جلد انتظام کیا جائیگا۔ اور اس ہرون الرشید کو ہون الرشید عظمیٰ کے جو خوش قسمتی سے ملے ہیں

نہ دلایا جائیگا تو ہم خدا سے فریاد کریں گے۔ کہ وہ ایسا خلیفہ مقرر کرے جو مسلمانوں پر مہربان ہو۔
یہ درخواست پڑ کر خلیفہ بہت ہی متاثر ہوا جب مجلس میں پہنچا تو زبیدہ خاتون نے افسردہ خاطر دیکھ کر
پوچھا کہ خیر تو ہے؟ خلیفہ نے واقعہ بیان کیا تو خاتون نے کہا کہ ”امیر المؤمنین کو اس مسئلہ میں وہی
کرنا چاہیئے جو اگلے خلفائے کیا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بیت المال مسلمانوں کی
ملکیت ہے اور آپ اُس میں سے بہت زیادہ خرچ کرتے ہیں اُن کی شکایت حق بجانب ہے۔“
اتفاقاً دونوں نے یہ خواب دیکھا کہ ”وہ میدان قیامت میں کھڑے ہیں۔ اور ہر ایک شخص حساب کے
بعد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر) داخل بہشت ہو رہا ہے۔ لیکن ہماری نسبت رسول اللہ
صلعم نے فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ یہ پیش نہ کیئے جائیں۔ کیونکہ انکے سبب سے مجھے خدا کے حضور میں
شرمندہ ہونا پڑ گیا۔ اور میں انکی شفاعت نہ کروں گا۔ کیونکہ انھوں نے مسلمانوں کے مال کو اپنا
سمجھ رکھا ہے اور مستحقین کو محروم کر دیا۔“ چنانچہ یہ ہولناک خواب دیکھ کر دونوں جاگ اُٹھے اور خدا کا
شکر کیا۔ اور دو سکر دن بیت المال سے تحقیق کو نہرا رہا درہم و دنیا تقسیم کیے۔ اور زبیدہ علیہ السلام

امامہ العزیز لقب بزبیدہ (دبنت جعفر بن منصور عباسی) لہرون الرشید کی سب سے ممتاز اور سیاری بی بی
کا نام ہے۔ اس خلیفہ کے چھ نکاح ہوئے تھے، مگر شرافت نسب اور دیگر خصوصیات کی وجہ سے کوئی دیگر زبیدہ کے
ہم پائے نہ تھی۔ کیونکہ زبیدہ کا چچا مہدی خلیفہ تھا، باپ کو اگرچہ خلافت میسر نہیں ہوئی مگر ابن خلیفہ ہونے سے
اسکو انکار ہو سکتا ہے۔ جسکے ساتھ عقد ہوا وہ خلفاء عباسیہ میں واسطہ خلفاء کے لقب سے ممتاز ہے۔ اور خود اسکا
نعت جلالہ امین الرشید بھی خلیفہ ہوا۔ شمس العلماء شبلی غفائی المامون میں تحریر فرماتے ہیں کہ زبیدہ خاتون
کی ایجاد پسند طبیعت نے زیب و زینت کے متن پر بہت سے حاشیے اضافہ کیے جو نہایت ذوق و مسرت سے
قبول کیے گئے اور تمام اُمراء و عائد میں رواج پائے گئے غنیمتیں اور جو اہر کی مرصع جوتیاں اسی کی ایجادات
سے ہے۔ چاندی، آبنوس، صندل کے پتے اول اُسی نے طیار کر لے اور انکو دیا و سمجھو اور مختلف رنگ کے

اپنے ذاتی مال سے ہزار ہا دینار صدقہ کیے۔ اور کوفہ اور مکہ معظمہ کے راستے میں پختہ چاہات اور
سرحدوں پر مستحکم قلعے بنائے اور مذہبی لڑائیوں کے لئے اسلحہ اور گھوڑے خرید کیے اور ان مصارف
کے واسطے جاگیریں وقف کر دیں۔ اور پھر بھی جو روپیہ بچ رہا اُس سے کاشغری سرحد پر
شہر بخشاں و تبریز آباد کیا۔ علاوہ اسکے خوارزم اور اسکندریہ کی حدود میں مستحکم قلعے اور جا بجا
مسافرخانے بنائے۔ اور ایک کثیر رقم مجاورانِ مدینہ منورہ و بیت المقدس پر تقسیم کی گئی۔
شاہانِ بیدار کی یہ حالت یہی ہو کہ دیرینہ سال اور فوجی تجربہ کاروں کی عزت کیا کرتے تھے۔
اور ہر ایک کا درجہ و مرتبہ خاص تھا۔ اور جب کوئی مهم پیش آتی تو انھیں سے مشورہ کیا کرتے تھے۔
لڑائی کے موقع پر ہمیشہ وہی لوگ بھیجے جاتے جو آزمودہ کار ہوتے تھے لیکن اسپر بھی یہ خاص احتیاط
کیجاتی تھی کہ ایک دیرینہ سال ضرور ہمراہ کر دیا جاتا تھا جو ہر موقع پر بغرضوں سے بچاتا رہتا تھا۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۰۴ حریر سے آراستہ کیا۔ کپڑوں کی ساخت میں یہ ترقی ہوئی کہ زبیدہ کے استعمال کے لیے ایک ایک تھان
پچاس ہزار اشرفی کی قیمت کا طیارہ ہوا۔ عیشِ طرب کا تو یہ رنگ تھا جو تم بڑے چلے ہو۔ اب مذہبی رنگ میں زبیدہ کو دیکھو تو
وہ اپنے زمانہ کی رابعہ بصری معلوم ہوگی۔ کیونکہ اسکے محل میں ایک سو کمینز حافظ قرآن تھیں جنہیں سے ہر ایک کو صرف
۱۰ پائے سنا پڑتے تھے۔ تلاوت قرآن کے وقت قصر زبیدہ میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا شہد کی کھیاں گن گنا رہی ہیں۔
(وكان يسمع في قصرها كل ذي الفحل من قراءة القرآن) ابن جوزی کی روایت ہے کہ شہر مکہ میں پانی کا
کال رہتا تھا اور حج کے زمانہ میں ایک شگ پانچ روپیے میں آتی تھی۔ لیکن زبیدہ نے سب سے پہلے ۸۰ لاکھ روپیہ صرف
کر کے ۱۲ میل کے فاصلے سے ارضِ حجاز میں ایک نہر جاری کی جسکے فیض سے ہر گھر میں چھتے بننے لگے۔ اس نہر کا نام
عَيْنُ الْمَشْأَسْ تھا۔ اب نہر زبیدہ کے نام شہر ہوا جو جبکی مرمت کے لیے اسال چندہ ہو رہا ہو) زبیدہ کی ۱۲۵
میں شادی ہوئی تھی۔ ۲۸ برس تک بلند اقبال شوہر کا ساتھ رہا ۳۱۵ قمری میں بیوہ ہوئی۔ اور بقا م بعد از در شاہ
باہ جادی الاولیٰ ۳۱۵ قمری میں انتقال کیا۔ انتخابِ ذکر کتاب لد المنثور فی طبقات ربات الخدوم مصنفہ سیدہ
زینب مصری و شریعی شرح مقامات حریری۔ ابن خلدون صفحہ ۱۸۹۔ جلد اول۔

(۳) بادشاہوں کو خدا کی نعمت کا قدر شناس ہونا چاہیے

بادشاہوں کو خدا کی رضا مندی حاصل کرنا چاہیے۔ مگر یہ رضا مندی جب ہی ہو سکتی ہے کہ بندگان خدا پر عدل و احسان کیا جائے۔ عدل کا ثمرہ بادشاہ کو یہ ملتا ہے کہ رعایا ٹھنڈے دل سے دعائیں مانگتی ہے، جس سے سلطنت مستحکم اور ملک میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور دین و دنیا کی نیکنامی حاصل ہوتی ہے۔ اور آخرت کا حساب ہلکا ہو جاتا ہے چنانچہ مشہور قول ہے کہ الملک یتقی مع الکفر ولا یتقی مع الظلم یعنی سلطنت کفر سے تو باقی رہ جاتی ہے مگر ظلم و ستم سے نہیں رہتی۔

(۱) حضرت یوسف علیہ السلام نے انتقال کے وقت وصیت فرمائی تھی کہ مجھے داد ابراہیم علیہ السلام کے پہلو میں دفن کرنا۔ چنانچہ جب تابوت حطیرہ ابراہیمی کے قریب پہنچا۔ اس وقت حکم الہی نازل ہوا کہ ”یوسف یوسف کے واسطے نہیں ہے۔ کیونکہ انھوں نے سلطنت کی ہے۔ جبکی جوابدہی ہونو رہا ہے“ مقام غوری ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ حال ہو تو پھر ما و شما کس گنتی ہیں۔

(۲) احادیث سے ثابت ہے کہ جو صاحب تاج و تخت ہیں یا کسی قسم کی حکومت رکھتے ہیں (مثلاً بزرگ خاندان جنگلوں پر گھر حکومت حاصل ہے) اُن کے قیامت کے دن سب سے پہلے ہی پریش ہوگی

لے فضل ہم سفر ہو دو سیاست نامہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر عدل کی تاکید ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: وَإِذَا حُكِمَ مِنْ شَيْءٍ النَّاسِ أَنْ يَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (اور جب لوگوں کے جھگڑے فیصلہ کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو) دوسرے حکم پر ان اللہ یا امہ بالعدل کا ارجحان۔ اور ارشاد نبوی ہے: كَلِمَ رَاجِعٌ وَكَلِمَ مُسْتَوِلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔ عَلَّ سَاعَةِ خَيْرٍ مِنْ عِبَادَةِ سَبْعِينَ سَنَةً یعنی شخص انسان ہے اور قیامت کے دن اُس کا اپنی رعیت کی جوابدہی کرنا پڑے گی۔ اور ایک ساعت کا انصاف ستر برس کی عبادت سے بہتر ہے۔ اور اس فضیلت کا سبب یہ ہے کہ عبادت کا نتیجہ عابد کی ذات تک محدود ہوتا ہے۔ اور عدل کا فائدہ تمام مخلوق کو پہنچتا ہے۔ اور حکما کے نزدیک بھی عادل ہونا انسان کی سب سے بڑی صفت ہے۔“

حتیٰ کہ چرواہے کو اپنی بکریوں کے یوڑ کی جوابدہی کرنا پڑیگی۔

اے میرے شہنشاہ (خطاب از ملک شاہ) خوب سمجھ لیجیے! کہ قیامت کے دن تمام حکمرانوں سے انہی رعایا کے متعلق سوال ہوگا۔ اور یہ عذر کسی کا نہ سنا جائیگا کہ یہ کام فلاں شخص کے سپرد تھا۔ پس جبکہ خیال ہی تو بادشاہ کو اپنی ذمہ داریوں اور حقوق رعایا سے غافل نہونا چاہیئے۔“

(۴) عدل و انصاف

کم سے کم یہ تو ضرور ہے کہ ہفتہ میں دو دن تصفیہ مقدمات کے لئے بادشاہ خود اجلاس کرے اور رعایا کی شکایتوں کو بلا واسطہ سن کر ہر معاملہ میں حکم صادر کرے اور جب یہ خبر ملک میں پھیل جائیگی کہ بادشاہ عدالت میں بیٹھ کر ہفتہ میں دو دن مظلوم اور فریادیوں کو اپنے سامنے بلا کر ان کے حالات سناتا ہے، تو ظالموں کو خود ہی خوف اور سزا کا کھٹکا ہوگا۔ اور ستم آزاری گھٹ جائیگی۔ چنانچہ میں نے کتب قدیمہ میں پڑھا ہے۔

(۱) کہ قدیم شاہان عجم کا دستور تھا کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر جنگل کے کسی اونچے ٹیکرے پر کھڑے ہوتے تھے، تاکہ تمام دادخواہوں کو اپنی آنکھ سے دیکھ کر ان کی داد دے سکیں۔ اور یہ طریقہ اس لیے اختیار کیا تھا کہ بادشاہ قلعوں میں رہتے ہیں اور وہاں تک پہنچنے میں کتنے ہی حجاب کے پردے طے کرنے پڑتے ہیں، اور حاجب دربان بھی مظلوم کو بادشاہ تک نہیں پہنچنے دیتے ہیں۔

(۲) ایک بادشاہ کچھ اونچا سنتا تھا۔ اُسے خیال کیا کہ مترجم فریادیوں کی شکایتیں صحیح طور پر

مجھے نہیں بیان کرتے ہیں، ایسے میرا حکم بھی ٹھیک نہ ہوتا ہوگا۔ چنانچہ اُس نے عام حکم جاری کر دیا کہ گنہگار سیدوں کے سوا کوئی سُرخ لباس نہ پہنے۔ تاکہ مجھے شناخت کرنے میں دقت نہ ہو۔ یہ بادشاہ ہاتھی پر سوار ہو کر جنگل میں گھڑا ہو جاتا تھا۔ اور جن لوگوں کو سُرخ کپڑے پہنے دیکھتا۔ اُن سب کو پہلے ایک جگہ جمع کرتا، پھر تخلیہ میں ایک ایک کا حال پوچھتا اور وہ چلا چلا کر اپنا حال کہتی تھے۔ اور بارود دعائیں دیتے ہوئے واپس جاتے تھے۔

شامان سامانیہ بن اسماعیل بن احمد مقلب بہ امیر عادل بڑا منصف، نیک سیرت، پاک مذہب اور غریب نواز بادشاہ گزرا ہی جیسے واقعات زندگی مشہور ہیں۔

اس امیر کا دار السلطنت بنجارا تھا اور خراسان، عراق اور ماوراء النہر اسکے بزرگوں کے علاقے تھے۔ چنانچہ سیستان سے یعقوب بن لیث نے خروج کیا۔ اور تمام سیستان پر قبضہ کر لیا۔ چونکہ داعیان مذہب اسماعیلیہ کا یعقوب پر جادو چل چکا تھا۔ لہذا خلفاء بغداد سے اُسکو بد اعتقاد دی پیدا ہوئی۔ اور دار الخلافہ پر حملہ کر کے حضرت عباسؑ کے خاندان کو مٹانا چاہا۔ جب یعقوب کے

سلطان اسماعیل بن احمد مقلب بہ امیر عادل، آل سامان میں پہلا بادشاہ ہوا ہی۔ اسکا سلسلہ نسب بہرام چوہین پر ختم ہوتا ہے۔ اُنھیں برس دو بیسے حکومت کر کے ۳۹۹ھ میں فوت ہوا۔ اس بادشاہ کا حافل، عادل، عظیم ہونا مشہور ہے اور اس کی سوانح عمری نہایت دلچسپ ہے۔ ازنگارستان و تاریخ الدول میں درج و حلال۔ ۴۰۰ھ یعقوب۔ شامان صفاریہ میں صرف تین چاروں ہوئے ہیں اول لیث دوم یعقوب قیسر آئمہ و خراسان، سیستان، ماوراء النہر، فارس و خوزستان، ہاکرمان میں ان کی حکومت تھی ۴۰۱ھ لغایت ۴۰۴ھ حکومت رہی۔ یعقوب بن لیث ابتدا میں محنت مزدوری کرتا تھا۔ مگر اپنی بہادری سے چھ لاکھ روپے کا سردار بن گیا۔ اور جب فوجی قوت اعلیٰ دہی کے ہو گئی تو محمد بن طاہر گورنر خراسان پر فوج کشی کر دی۔ اور اس کو ۴۰۵ھ میں شکست دیکر قید کر لیا اور خود حاکم بن گیا۔ خلیفہ معتز باللہ کو یہ امر نہایت ناگوار معلوم ہوا۔ مگر ایک لڑائی کے بعد مجبوراً صلح پر آمادہ ہوا۔ بقیہ حالات اُس واقعہ میں تحریر ہیں۔ یعقوب نہایت بہادر اور مستقل مزاج سپاہی تھا ۴۰۶ھ میں فوت ہوا۔

ارادے سے خلیفہ کو خبر ہوئی تو اُسے سفارت روانہ کی اور پیام بھیجا۔ کہ تمکو بغداد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ کوہستان، عراق اور خراسان پر قبضہ کھو۔ اور اسکا انتظام کرتے رہو۔ تاکہ دل میں دوسرے خیالات ہی نہ پیدا ہوں۔ لیکن یعقوب نے کہا بھجیا کہ ”میری تویہ آرزو ہے کہ حاضر دربار ہو کر شہر الخاضعت بجالاؤں۔ اور تجدید بیعت کروں۔ اور جب تک یہ تمنا پوری نہ ہوگی واپس نہ ہوں گا۔“ چنانچہ بارگاہ خلافت سے بار بار قاصد روانہ ہوئے مگر ہر بار ایک ہی جواب لائے۔ اور آخر الامر یعقوب نے بغداد کی طرف کوچ کر دیا۔ بس اطلاع سے خلیفہ کو بدگمانی ہوئی اور ارکان دولت کو جمع کر کے کہا کہ ”مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یعقوب باغی ہو گیا ہے۔ اور نیت مجرمانہ سے ادھر آ رہا ہے کیونکہ میں نے حاضری کی اجازت نہیں دی ہے۔ میں حکم دیتا ہوں کہ لوٹ جاؤ مگر وہ نہیں ملتے۔ بہر حال بدعتی معلوم ہوتی ہے۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ وہ مذہب باطنیہ میں داخل ہو گیا ہے۔ لیکن جب تک وہ بغداد میں پہنچ نہ جائیگا اسکا اظہار نہ کریگا۔ اس لیے اب ہلکے ہوشیار ہونا چاہیے اور تمہارے نزدیک جو تدابیر مناسب ہوں بیان کرو۔“ چنانچہ بالاتفاق طے پایا کہ خلیفہ کو شہر چھوڑ کر جنگل میں ڈیرے ڈالنا چاہیئے۔ اور اعیان دولت بھی ہمراہ ہوں۔

یعقوب خلیفہ کو آبادی سے باہر اپنی توفج کو دیکھ کر لڑائی قیاس کریگا اور اسوقت اُس کی سرکشی کا حال معلوم ہو جائیگا۔ لیکن دوطرفہ فوج میں لوگوں کی آمد و رفت جاری ہے تاکہ حالات معلوم ہوتے رہیں۔ اگر یعقوب بغاوت پر آمادہ ہوگا تو یہ ممکن نہیں ہے کہ تمام عراق اور خراسان کے سردار اُس کی طرف ہو جائیں اور جنگ کی اجازت دیں اور اگر لڑائی نہ ملے تو کسی نہ کسی تدبیر سے ہم یعقوب کی فوجوں کو واپس کر دیں گے۔ اور اگر شکست پائی تو بھی ہم قیدیوں کی طرح زندان میں نہ رہیں گے

بلکہ زندہ و سلامت کسی نہ کسی طرف چلے جائینگے، چنانچہ امیر المومنین کو یہ تدبیر پسند آئی اور اسی رائے پر عمل کیا گیا۔ اس نامور خلیفہ کا نام ^{۱۱}المعتد علی اللہ احمد تھا۔ چنانچہ یعقوب کی فوجیں خلیفہ کی برابر خیمہ ہوئیں اور منزل پر پہنچ کر امیر نے خلیفہ سے کہلا بھیجا کہ ”آپ بغداد کو خالی کر دیں اور جہاں جی چاہے تشریف لیجائیں۔ چنانچہ خلیفہ نے دو ہفتے کی مہلت مانگی اور وہ نامنظور ہوئی۔ اور خلیفہ نے رات کو امیر کے افسران فوج سے کہلا بھیجا۔ کہ ”یعقوب باغی ہو کر ملاحظہ سے مل گیا ہے اور اسکے آنے کا نشانہ یہ ہے کہ ہمارے خاندان کو مشاگرد دشمنوں کو ہمارا جانشین کرے۔ اب تباؤ کہ تم بھی یعقوب کے بھیجی ہو یا نہیں؟“ چنانچہ ایک گروہ نے کہا کہ ”ہم تو امیر کے نمک خوار اور حکم کے تابع ہیں، مگر فوج کے بڑے حصہ نے کہہ دیا کہ ”ہم کو ان واقعات کی کچھ خبر نہیں ہے۔ اور جہاں تک ہم کو علم ہے امیر ہرگز امیر المومنین کا مخالف نہیں ہے۔ اور اگر مخالفت کا اعلان ہوا تو ہم ہرگز اجازت نہ دینگے۔ رزم اور بزم دونوں میں ہم خلیفہ کے ساتھ ہیں۔“

۱۱ المعتد علی اللہ ابو العباس (ابو جعفر احمد) ابن متوکل۔ تاجداران بغداد میں تیر مہینوں خلیفہ ہے۔ محمدی باللہ کے قتل ہونے پر جو جس کے قید خانے سے نکال کر اگلے دربارے بیٹھنے میں تخت نشین کیا۔ اسکا بھائی موفی نہایت قابل اور نیک شخص تھا۔ کل کار و بار سلطنت کو دہی انجام دیتا تھا اور خود عیش و عشرت میں پڑا رہتا تھا۔ موسیقی اور شاعری سے بہت شوق تھا۔ کاتب اسکے اشعار سونے کے پانی سے لکھا کرتے تھے۔ اور بیٹھ کر جبر میں یعقوب صفار اور احمد بن طولون (حاکم مصر) نے بغاوت کی بلکہ احمد سے یہاں تک بگاڑ ہوا۔ کہ مصر میں معتد پر اور بغداد میں احمد بن طولون پر سب مہر لعنت کیجاتی تھی۔ اسکے عہد میں سب بڑا واقعہ سب و خارجی کا خروج ہے۔ جس نے لاکھوں مسلمان اور سادات کو قتل کر دیا۔ صرف بصرہ میں تین لاکھ آدمی ایک دن میں قتل ہوئے۔ علوی عورتیں دو روپیہ سے تین روپیہ تک اسکے لشکر میں بیلاام ہو کر تھیں۔ لیکن موفی نے بڑی بہادری سے سب کو مقابلہ کیا اور آخر کو اسکا سر کاٹ کر بغداد میں لایا۔ تاہم بغداد میں مثل عید کے یہ خوشی کا دن تھا۔ محمد کے اخیر در حکومت میں بمقام کوذ قرامطہ کا زور ہوا جعفر محمد المصطفیٰ ابو معتز بنی نجاشی ہی دربار سے متعلق تھا۔ ۱۱۹۶ھ میں المعتد نے انتقال کیا۔ ازبیل طبری صفحہ ۱۲۷ مطبوعہ مصر و مختصر لدول ابن

یہ قول اُمراءِ خراسان کا تھا۔ خلیفہ کو جب سردارانِ فوج کی ہمدردی کا علم ہوا تو مطمئن ہو گیا۔ اور دوسرے دن دلیرانہ امیر یعقوب کو پیغام بھیجا کہ تمہاری طرف سے ناسپاسی اور کفرانِ نعمت کا اعلان ہو چکا ہے۔ اب صرف تلوارِ جدِ فاضل ہے۔ اور مجھے سرتلوار کا خوف نہیں ہے کہ تمہاری فوج کثیر اور میری قلیل ہے۔ اس کے بعد فوج کو طیاری کا حکم دیدیا۔ اور لڑائی کا نفاذ ہجاء دیا گیا۔ جنگل میں فوجیں صف آرا ہو گئیں۔ امیر بہ طیاریاں دیکھ کر بول اٹھا کہ بس اب میں کامیاب ہو گیا۔ اور اپنی فوجوں کو بھی صف بندی کا حکم دیدیا۔ لڑائی کے موقع پر خلیفہ فوج کے وسط میں تھا۔ چنانچہ عین وقت پر خلیفہ نے ایک نقیب کو حکم دیا کہ ”وہ دونوں فوجوں کے مابین اپنی آواز سے لٹکا کر کہے۔ کہ ”لے گروہ سلام! واقف ہو جاؤ کہ یعقوب باغی ہو گیا ہے، اور اس کی فوج شمشیر کا یہ مطلب ہے کہ حضرت عباس کے خاندان کا استیصال کرنے۔ اور کسی کو مدد سے لاکر تختِ عرش کرے اور بجائے سنت کے بدعت پھیلائے۔ جو شخص خلیفہ رسول کی اطاعت نہ کرے گا وہ خدا کا نافرمان بندہ ہوگا۔ اور دائرہ اسلام سے بے گناہ ہوگا۔ اور یہی حکم خدا کا ہے کہ ”أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأَطِيعُوا الْأَمْرَ مِنْكُمْ“ اب وہ کون شخص ہے جو بہشت چھوڑ کر دوزخ میں جانا چاہتا ہے۔ اور حق کی مدد کرو اور باطل کو چھوڑ دو۔“

جب امیر کی فوج نے یہ کڑا کاسنا تو اُمراءِ خراسان اُدھر سے اُدھر لڑ گئے۔ اور سب نے بالاتفاق کہا کہ ”ہم کو یقین تھا کہ امیر بنظرِ اطاعت حسبِ حکمِ عالی حاضر ہوا ہے۔ اب چونکہ وہ باغی ہو گیا ہے لہذا

سَلَامٌ عَلَى الْمُهَلِّدِينَ“ (افقہ بربر) کا مشہور شہر ہے۔ قیروان سے جانب جنوب و مدی کے فاصلہ پر ہے۔ ایک نامور ازبک خلیفہ فاطمہ کا دار السلطنت ہے لیکن یہ ۱۱۱۱ھ میں بنو فاطمہ کی کزوریوں سے عیسائیوں نے چھین لیا۔ نقشہ میں ۱۱۱۱ھ میں بنو فاطمہ اور ۱۱۱۱ھ میں بنو فاطمہ کا دار السلطنت ہے۔ ازبک دار السلطنت و جامع حج

جب تک دم میں دم ہی ہم آپ کے ساتھ ہیں اور لڑنے مرنے پر تیار ہیں۔ اس اعانت سے خلیفہ کو بڑی قوت پہنچ گئی اور پہلے ہی حملہ میں امیر یعقوب شکست کھا کر خوزستان کو چلا گیا۔ خلیفہ کی فوج نے کل خزانہ امیر کا لوٹ لیا۔ اور مال غنیمت سے فوج کو مال مال ہو گئی۔ لیکن امیر نے خوزستان پہنچ کر ہر طرف آدمی دوڑا کر فوجوں کو جمع کیا۔ اور عراق اور خراسان کے خزانے سے درہم و دینار منگائے۔ خلیفہ نے ان طیاروں کا حال سن کر ایک قاصد مع نامہ کے روانہ کیا جس کا مضمون یہ تھا۔ ”مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم سیدھے سادے آدمی ہو۔ مگر مخالفوں کے بہانے سے مغرور ہو گئے تھے اور انجام کار پر کچھ نظر نہ تھی۔ آخر دیکھ لیا کہ خدائے کیا کر دکھایا۔ خود تمہاری فوج سے تمکو شکست ملا دی۔ خیر میں اسکو ایک سہو سمجھتا ہوں۔ اور یقین کرتا ہوں کہ اب تم بیدار ہو گئے ہو گے۔ اور اپنے کیے پر پشیمان ہو گے۔ عراق اور خراسان کی امارت کے لیے تم سے شائستہ ترکوئی دوسرا نہیں ہو اور میرے نزدیک تمہارے حقوق نعمت بھی بہت یاد ہیں لہذا میں اعلیٰ خدمات کے معاوضے میں پہلی خطا کو معاف کرتا ہوں اور جو کچھ ہو اس کو سمجھتا ہوں کہ کچھ بھی نہیں ہوا۔ اب اس قصے کو بھول جاؤ۔ اب فرمان عالی یہ ہے کہ بہت جلد عراق و خراسان میں پہنچ کر ملکی انتظام میں مصروف ہو۔ اس فرمان کے مطالعہ سے بھی امیر کا دل کچھ نرم ہوا اور نہ اپنے فعل پر پشیمان ہوا۔ اور حکم دیا کہ ”امیک خوان (چوبی کشتی) میں کچھ ساگ پات اور کچھ مچھلیاں، اور چند گرہیں پاز کی رکھ لادیں۔“ جب یہ خوان سامنے آگیا تب حکم دیا

۱۔ جو سب خواجہ نے اس فتح کا لکھا ہے اگرچہ وہ بھی سچ ہو گا مگر خلیفہ معتمد کے سپہ سالار اور بھائی موفق کی ببادی و حکمت علی کو بھی اس میں بڑا دخل ہے۔“

کہ خلیفہ کے قاصد کو بلاوا اور قاصد سے مخاطب ہو کر کہنا کہ ”تم رخصت ہو اور میری جانب سے خلیفہ کے حضور میں عرض کرو کہ میں ذات کا کسیر ہوں اور اپنے موروثی کام سے واقف ہوں۔ میری غذا جو کی روٹی، مچھلی، ساگ، اور پیاز ہی۔ سلطنت خزانہ، اور فرج و ختم میری عیادی اور بہادری کا نتیجہ ہے۔ اسکو نہ تو میں میراث میں پایا ہوں اور نہ آپ کا عطیہ ہے۔ میں اسوقت تک بچلا نہیں بیٹھ سکتا ہوں جب تک سر مبارک قہمدیہ میں نہ بھیجوں اور خاندان کو تباہ نہ کر ڈالوں۔ یا تو میں اپنا قول پورا کرونگا یا پھر وہی جو کی روٹی اور ساگ پر گزارا رہی۔ میں نے خزانہ کا مونہ کھول دیا ہے اور فوج کو بلایا ہے۔ اور قاصد کے قدموں کے نشان پر میں بھی آرہا ہوں۔“ یہ کہہ کر قاصد کو رخصت کیا اس کے بعد بھی اگرچہ خلیفہ نے نامہ و پیام اور خلعت سے کام نہ لیا چاہا۔ مگر امیر اپنے ارادے سے باز نہ آیا۔ اسوقت اگرچہ وہ عارضہ قلع میں مبتلا تھا۔ اور درمیں تڑپ رہا تھا مگر پھر بھی فتح بغداد سے غافل نہ تھا۔ چنانچہ اپنے بھائی عمرو بن لیث کو ولیعہد کر کے خزانے کی یاد دہشتیں سپرد کر دیں اور مر گیا۔“

اس نئے امیر نے بغداد کا خیال نہیں کیا اور کوہستان میں چلا گیا اور کچھ عرصہ تک وہاں ٹھہر کر غر اسان کو روانہ ہوا۔ عمرو بن لیث نہایت زندہ دل فیاض، ہوشیار اور صاحب اثر تھا۔ اور اس کی مروت اور ہمت کا یہ حال تھا کہ باور چنانے کا اسباب چار سو اونٹوں پر چلتا تھا۔ بانی سامان کا اسی سے اندازہ کر لو۔ لیکن خلیفہ کو عمرو بن لیث کی طرف سے بھی ڈی ہر تحاشا

۱۔ امیر یعقوب کی موت اور عمرو بن لیث کی تخت نشینی کی ایک ہی تاریخ ہے یعنی ۲۰۶ھ۔ امیر اسماعیل بن احمد سامانی کی قید میں بمقام بغداد ۲۰۶ھ میں خلیفہ معتضد بالله کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔ اسکے انتقال کے بعد بغداد سامان کو بہت مزاج ہوا۔ (ازدول سید احمد دحلان حالات بنی صفار۔)

کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بھی اپنے بھائی کا چلن اختیار کرے اور پھر وہی دن دیکھنا پڑیں اس لیے خلیفہ
 ہمیشہ اسماعیل بن احمد سامانی کو ابھارا کرتا تھا اور اس قسم کے پیام بھیجا کرتا تھا کہ عمرو بن لیث حیرہ
 کر کے اسکا ملک چھین لو اور خراسان و عراق کی امارت کے واسطے تم زیادہ موزوں ہو، کیونکہ
 یہ ملک تمھارے اجداد کا ہے۔ اور انکا قبضہ غاصبانہ ہی۔ اول تو تم حقدار ہو، دوسرے نیک صفات
 تیرے یہ کہ میں عاگوں۔ اسلئے کوئی شبہ نہیں ہے کہ خدا تمکو عمرو بن لیث پرستج دیگا۔ یہ خیال چھوڑ
 کہ میری فوج قلیل ہے خدا فرماتا ہے کہ مِّنْ فَتٰیةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً کَثِیْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰلِحِیْنَ
 اسمیر اسماعیل خلیفہ کی باتوں میں آگیا۔ اور فوج جمع کر کے حیون سے اُتر ا اور اپنے چابک کی نوک سے
 جب فوج کا جائزہ لیا تو کل دو ہزار سوار تھے۔ اور فوج کی حالت یہ تھی کہ فی دو سوار ایک کے پاس
 سپر تھی۔ اور سپر میں سے ایک کے پاس آہنی جال۔ اور پچاس میں سے ایک کے پاس نیزہ تھا
 (اور رکاب میں کپڑے لکڑی کی تھیں) غرض کہ اس حال سے یہ فوج نہر امویہ اُتر کر مرو پہنچی۔ جب عبد
 بن لیث کو نیشاپور میں اطلاع ہوئی کہ اسمیر اسماعیل حیون اُتر کر مرو پہنچ گیا ہے۔ اور وہاں کا شیعہ بغیر
 مقابلہ بھاگ گیا ہے اور فوجیں دار السلطنت کی طرف آرہی ہیں۔ اُس وقت عمرو مہنسا اور ستر ہزار سوار
 کا جائزہ لیا۔ (جو آہنی لباس میں ڈوبے ہوئے تھے) غرض کہ یہ فوج کو روانہ ہوئی اور مقابل میں
 پہنچ کر اڑائی شروع ہو گئی، لیکن نصاف سے عمرو بن لیث کو بلخ کے دروازے پر شکست ہو گئی

۱۷۔ یہ لڑائی ربیع الآخر ۲۴۷ھ میں ہوئی تھی۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اسماعیل کی فوج بارہ ہزار اور عمرو کی فوج اسی
 ہزار تھی۔ ۱۸۔ پندرہویں ربیع الآخر ۲۴۷ھ بروز منگل عمرو بن لیث کو شکست ہوئی۔ اور شکست کا سبب یہ ہوا کہ جنگی
 باجوں کی آواز سے عمرو کا گھوڑا بگڑ گیا تھا اور بال اُسکے ہات سے چھوٹ گئی تھی عمرو نے بہت کوشش کی مگر ناکام رہا
 رہا۔ اور گھوڑا ہنٹوں میں اسید اسماعیل کی فوج میں پہنچ گیا۔ اور وہاں گرفتار ہو گیا۔ اور یہی عظیم الشان جنگ کا چند

اور لطف یہ ہو کہ تمام فرج میں سے نہ کوئی رنجی ہوا اور نہ کوئی مفید، مگر صرف عمرو بن لیث قید ہو گیا اور جب سمیع کے سامنے گرفتار ہو کر آیا۔ تو حکم ہوا کہ ”چلتے والوں (یوزبانان) کے سپرد کر دو۔“

اسی جنگ کا یہ واقعہ ہوا اور عجائبات عالم میں سے ہو کہ دوپہر کے وقت عمرو بن لیث کا ایک فراس لشکر میں گھوم رہا تھا کہ اُس کی نظر عمرو پر پڑ گئی (جو ایک خیمہ میں قید تھا) فراس اپنے مہر کی یہ حالت دیکھ کر بہت متاثر ہوا اور واپس جا کر عرض کیا کہ ”آج کی رات آپ میرے مہاں ہو گئے کیونکہ میں بالکل تنہا ہوں۔“ امیر نے فراس سے کہا کہ ”جب تک زندگی ہی بغیر کھانے کے گزرنے لگی ہے۔“

لہذا کھانا طیار کر کے چنانچہ فراس ایک سیر گوشت لایا۔ اور دو تین ڈھیلے مٹی کے جمع کر کے چلھا بنایا اور کڈے سلگا دیئے، اور کسی سپاہی سے دیگی مانگ کر گوشت کے پائے بھونچا، اور خشک ٹکڑوں کو دیگی میں رکھ کر نمک کی فکر میں چلا گیا۔ دن ڈھل رہا تھا کہ ایک کُٹا آیا اور دیگی سے ایک ہڈی نکالی۔ جب مومنہ جلنے لگا تو ہڈی چھوڑ کر بھاگنا چاہا مگر دیگی کا حلقہ گردن میں لگ گیا اور وہ بدحواس ہو کر بھاگا۔ عمرو نے یہ حال دیکھ کر اپنے نگہبانوں سے کہا کہ ”مجھے دیکھو اور عبرت پذیر ہو میں وہ ہوں کہ جسکے باور چھینانہ کا سبب آج صبح چار سوانٹوں نے اُٹھایا تھا (اور پھر بھی خوان کو کمی اونٹوں کی شکایت تھی) اور آج رات کو یہ عالم ہو کہ تمام باور چھینانہ ایک کتے کی گردن پر ہو۔“

پھر کہا کہ ”أَجَبْتُ أَمِيرًا دَامَسِيْتُ أَسِيرًا“ صبح کو امیر تھا اور شام کو اسیر ہوں۔“

عالم گرفتاری میں عمرو بن لیث نے اپنے خزانے کی فہرستیں ایک معتمد کے ذریعے سے امیر سمیع

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۱ منٹوں میں دارانیا راہو گیا۔ اس واقعہ پر کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔
 بید و عزید چوں تو بہ یک چشم زخم شکر چوں کہ راکس بخدا شکست
 تاریخ نگارستان صفحہ ۱۱۰۔

کے پاس بچدیں، مگر امیر نے یہ حکم واپس کر دیا کہ ”یہ درہم و دینار وہ ہیں جو بڑی عورتوں کی سوت کی کٹائی اور مسافروں، یتیموں، ضعیفوں، کے مال سے ظالمانہ طریقہ سے جمع کیے گئے ہیں۔ اور جس کی جوابدہی خدا کے سامنے خود تجھ کو کرنا پڑیگی، وہ تو میری گردن پر ڈالنا چاہتا ہے، قیامت کے دن جب دعویٰ رکھنے ہونگے کہ ہمارا مال واپس کر دو جو ناحق لیا گیا ہے۔ اسوقت تم کہہ دو گے کہ میں نے اسمعیل کے سپرد کر دیا ہے اس سے مانگو میں اُنکے جواب اور خداوند عزوجل کے عقاب کی طاقت نہیں رکھتا ہوں۔“ چنانچہ محض دیانت اور خوف خدا سے یہ خزانہ اسمعیل نے قبول نہیں کیا اور یہ ساری احتیاط محض اس لیے تھی کہ قیامت کے مواخذے سے بچیں۔

دہ اعمال و وزراء اور غلاموں کی نگرانی

بابشاہ کا یہ بھی فرض ہے کہ وقت تفرغ اعمال کو نصیحت کرے کہ وہ رعایا سے اچھا برتاؤ کریں۔ اور صرف جائز رقم زمی اور رعایت سے آمدنی کے وقت وصول کریں کیونکہ قبل از وجوب مطالبہ وصول کرنے میں عایا کو سخت تکلیف پہنچتی ہے اور لوگ ضرورتاً اپنا مال وہ سباب و دوائے کو بیچتے پھرتے ہیں اور آخر کو تباہ و خانہ برباد ہو جاتے ہیں جب رعایا میں سے کوئی شخص بل، بیل، اڈ، تخم ریزی کے قابل نہ ہے۔ اور بالکل محتاج ہو جائے اسوقت تقاوی سے مدد کی جائے۔ اور سرکار کی جانب سے وہ بالکل سبکبار کر دیا جائے تاکہ وہ اپنے گھر میں آرام سے رہے اور پریشانی صحت نہ دیکھے۔“

مثال کے طور پر میں چند واقعات بیان کر دینگا۔

(۱) قبائلی ملک کے عہد حکومت میں سات برس تک قحط رہا۔ اور آسمان سے برکتوں کا نازل ہونا بند ہو گیا۔ اُس وقت بادشاہ نے عاہلوں کو حکم دیا کہ ”غلہ کے ذخیرے بیچ ڈالے جائیں اور محتاجوں کے واسطے بیت المال کھولا جائے۔“ چنانچہ تمام سلطنت میں ایک شخص بھی ورنہ قحط میں بھوک کی شدت سے فوت نہیں ہوا۔ اور یہ نتیجہ صرف بادشاہ کی نگرانی کا تھا کہ اُس نے عامل کی پوسے طور پر دیکھ بھال کی تھی۔

(۲) عامل کی نگرانی ہمیشہ کی جائے اگر وہ اس طرح پر رہیں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے تو خیر و شر وہ برطرف کر دیے جائیں۔ اور اگر جس محل کی رعایا سے زیادہ وصول کریں تو واپس لیکر ان کو ویدیا جائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔ اور وہ دراز دستی چھوڑ دیں۔“

(۳) وزراء کو بھی دیکھنا چاہیے کہ وہ اپنے فرائض ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں یا نہیں کیونکہ سلطنت اور حکومت کا نظام صحیحہ وزارت سے وابستہ ہے۔

سلطنت کا جبکہ لقب ”نیکورٹے“ ہے۔ ساسانیوں میں انیسواں بادشاہ ہے۔ اس کے عہد میں دزیر سوخرا (دہر برز جہر) کا پورا عمل دخل تھا جب وہ بہت حاوی ہو گیا تو قبائلی سپہ سالار شاپور کی مدد سے اسکو قتل کر دیا۔ حکومت کے دس برس بعد مزک کا ظہور ہوا۔ اس بادشاہ کو عمارت سے خاص ذوق تھا۔ اس کے عہد میں چند شہر آباد کیے گئے جن کے نام یہ ہیں۔ شاہ جورہ۔ کارون۔ جلوان۔ ارغان۔ شہر آباد۔ برقع۔ گنج۔ اور موصل کی تجدید کی۔ اور شہر مل کو مستحکم کیا۔ بلستان میں متعدد عمارتیں بنائیں۔ اناس۔ فی، ہسی، بیس، قیصر روم سے متعدد لڑائیاں ہوئیں اور کامیاب ہا۔ اس کے شاہیے تھے: نوشیروان، فیروز، سم، زرداد، آردشیر، کاوس، یزدگرد، وزیر، مکرسیہ نامور نوشیروان ہوا۔ ۴۳ برس سلطنت کر کے فوت ہوا۔ انتخاب زناغ الخواریج جلد دوم صفحہ ۳۲۰-۳۲۱۔ نامہ خسروان صفحہ ۱۳۰۔ تاریخ ملوک صاحب عہد قباقو۔“

(۴) جب وزیر نیک چلن اور مدبر ہوتے ہیں۔ تب ہی ملک آباد اور فرج در عایاشا دہتی ہے۔ اور خود بادشاہ کو بھی اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے۔ اور اگر وزیر ایسے نہوے تو نتیجہ برعکس نکلتا ہے۔ چنانچہ بہرام گور اور اسکے وزیر راست ووش کا واقعہ مشہور ہے۔

بہرام گور کے وزیر کا نام راست ووش تھا اور کل انتظام سلطنت اُسکے سپرد تھا۔ اور اس قدر معتد علیہ تھا کہ ہر گور کسی کی بات اُسکے مقابلہ میں نہ سنتا تھا۔ اور خود دن رات سپرد کار میں بڑا بچتا تھا۔ بہرام گور کا ایک شخص اور بھی بسے نام جشین تھا۔ جس کو خلیفہ بہرام گور کہتے تھے چنانچہ راست ووش نے اُس شخص سے کہا کہ چونکہ میرے مزاج میں عدل بہت ہے اس وجہ سے رعایا بے ادب ہو گئی ہے اور بادشاہ کو عیش و طرب دے چکی ہے۔ اس لیے جب تک اے عایا کو قرار دینی سزا نہ دیا جائیگی اس وقت تک بربادی کا احتمال ہے۔ لہذا جسکے واسطے جو سزائیں تجویز کروں اُسکا عملدرآمد آپ کی طرف ہونا چاہیئے۔ اور میری رسل میں سزا کے دو اصول ہیں ایک یہ کہ بد اعمالوں کی تعداد گھٹا دی جائے۔ دوسرے یہ کہ نیک آدمیوں سے مال دولت چھین لیا جائے۔ چنانچہ جس کو خلیفہ گرفتار کرتا تھا رہت دس اسکو رشوت لیکر چھوڑ دیتا تھا۔ غرض کہ تمام سلطنت میں کسی کے پاس گھوڑا، غلام، خوبصورت کینز، یا عمدہ جاگیر باقی نہیں رہی تھی جس پر وزیر نے بد رشوت قبضہ نہ کر لیا ہو۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا برباد ہو گئی اور ملک کے معزز و سربراہ درہ اشخاص جلا وطن ہو گئے اور خزانہ شاہی خالی ہو گیا۔ چنانچہ ایک ماہ دراز اسی طرح پر گزر گیا۔ اور ایک غنیمت ملک پر چڑھ آیا۔ تب اس موقع پر بادشاہ نے چاہا کہ صلہ انعام و کرفج کو دشمن کے مقابلہ پر روانہ کیا جائے۔ اس لیے خزانہ کا جائزہ لیا تو وہاں پر بجائے فم کے صرف خانا، امرا اور وسا ہنر کو دریافت کیا تو لوگوں نے کہا "موت ہوئی کہ فلاں رئیس فلاں شہر کو چلا گیا ہے" سبب پوچھا تو وزیر کے خوف سے سمجھوں نے کانوں پر ہات دھر لیے۔ بہرام گور نے بہت غور کیا۔ لیکن جب کچھ پتا نہ چلا تب علی الصبح تنہا صحرائی طرف نکل گیا چونکہ خیالات میں ڈوبا ہوا تھا لہذا اکلیں میل تک چلا گیا اور کچھ معلوم نہ ہو کہ میں کہاں جا رہا ہوں لیکن جب تمارت آفتاب سے پائیس کی شدت ہوئی اس وقت ہوش آیا اور پانی کے لیے جگہ میں چاروں طرف نظر دوڑائی تو در سے کچھ دھواں سا اٹھتا ہوا معلوم ہوا۔ اس لیے آبادی کا یقین کر کے اُدھر چل پڑا۔ قریب پہنچ کر دیکھا کہ بکریاں سو رہی ہیں اور ایک اڈی ٹکڑی ہوئی ہے اور سولی پر ایک کتا لٹک رہا ہے۔ اس منظر نے بہرام گور کو حیرانی میں ڈال دیا جب اڈی کے دروازے پر پہنچا تو ایک گڈیہ نے اندر سے ٹکڑے سلام کیا۔ اور بہرام گور کو گھوڑے سے اُتارا۔ گور حاضر سامنے رکھ دیا۔ اسے بائیں خبر نہ تھی کہ یہ ہمارا شہنشاہ بہرام گور ہے۔ بہرام نے کہا "اے فیاض خاں فرما

سکندر نے جو دارا پرستخ پانی اُسکا بڑا سبب یہ تھا کہ دارا کا وزیر سکندر سے سازگار کیا تھا جب دارا مارا گیا تو نزع کے وقت کہا کہ ”غفلت امیر و خیانت وزیر پادشاہی ببرد“

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۱۸۔ دعوت قبول کرنے سے پہلے مجھے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس فتنے نے کیا کیا تھا جس کی یہ سزا دی گئی ہو؟ چرواہے نے کہا کہ ”یہ گناہی سیری ریوڑ کا چوکیدار تھا اور اسقدر دلیر تھا کہ اکیلا دس ہزار بھڑوں (دراگ) کا مقابلہ کرتا تھا اور ان کی یہ مجال نہ تھی کہ ریوڑ میں پھٹک سکیں۔ میں اکثر اسکے بھروسے پر دو دو دن تک شہر میں رہا کرتا تھا۔ یہی انکو خواتین اور اپنی جگہ پر واپس لے آتا تھا۔ مدت تک اس کا یہی حال رہا۔ ایک دن مینے بکریوں کو شکار کیا تو کچھ کم معلوم ہوئیں یہاں تک کہ دن بدن تعداد گھٹتی گئی اور میں کسی طرح سے اس کی کاسبب دریافت نہ کر سکا اور بظاہر کوئی چرائے والا بھی نہ تھا جناب من! آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ جب عامل صدقات (کس کلکٹر یا تحصیلدار) محصول کے لیے آیا تو بقیہ بکریاں کس کے نذر ہو گئیں۔ اب میں عامل کی طرف سے رکھوالی کرتا ہوں۔

اب اسکا قصہ سنئے کہ اسکو ایک بھڑی (مادہ گرگ) سے دلی لگاؤ ہو گیا تھا اور مجھے کچھ خبر نہ تھی۔ اتفاق سے ایک دن میں لکڑیوں کی تلاش میں جنگل میں گیا لوٹ کر ایک بلنڈ ٹیکر سے بکریوں کو دیکھا تو وہ چر رہی تھیں۔ مگر ایک دشمن جان ان کی تنگ دو میں لگی ہوئی تھی۔ جب اس نے اُسے دیکھا تو دم ہلاتا ہوا چلا اور وہ بھی اپنے چکر سے رُک کر چُپ چاپ کھڑی ہو گئی۔ ایک جھاڑی کی آڑ سے میں یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ اب میں آپ سے کیا کہوں کہ اس بدچلن نے اُسے ساتھ کیا کیا؟ اسکے بعد میں نے دیکھا کہ یہ کونے میں جا کر سو رہا۔ اور اُسے ایک بکری کو چیر بھاڑ کر اپنا پیٹ بھرا۔ اور چلتی ہوئی۔ اور اس ننگم نے ذرا بھی غرض نہ کی۔ جب مینے جان لیا کہ یہ ساری تباہی اسکی مگر اہی اور ننگم لہی سے پیدا ہوئی ہے۔ تب مینے اسکو سولی کی نذر کر دیا۔ اور اس کی خیانت کی یہی سزا تھی جو آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ بہرام گور کو اس وقت سے نہایت تعجب ہوا۔ اور اسے مرے اپنی کیوقت سوچتا رہا۔ آخر اُسکے خیال میں آگیا کہ۔ رعیت مثل ریوڑ کے ہو اور وزیر اسکا چرواہا ہو۔ اسوقت تمام ملک میں سخت پریشانی پھیلی ہوئی تھی۔ جس سے پوچھتا ہوں کوئی صحیح حال نہیں بتاتا ہے۔ بلکہ سب چھپاتے ہیں۔

چنانچہ گھر پہنچ کر حاجی شریع کی تو جی طرح معلوم ہو گیا کہ یہ ساری خرابیاں راست روش کی کج روی سے ہیں۔ اس نے رعایا سے بڑا سنو لیا ہے اور برعکس اپنے نام کے اسکا چلن ہے۔

بزرگوں نے سچ کہا ہے کہ کسی کے نام پر فریفتہ نہ ہونا چاہیئے۔ ”مینے چونکہ وزیر کو صاحب اختیار کر دیا ہے اسلئے اُسکے

بادشاہ کو کسی وقت اپنی قائم مقاموں سے غافل نہ رہنا چاہیئے اور ہمیشہ انکے چال چلن کی ٹوہ میں رہا کرے۔ جب ان کی خیانت اور کج روشی ظاہر ہو جائے تو ان کی معزولی میں ذرا بھی توقف نہ کرے اور اس پر بھی کفایت نہ کیجائے بلکہ باندازہ جرم سزا دی جائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۱۹۔ ڈسے کوئی سچی بات نہیں کہتا ہی۔ اب تدبیر یہ ہے کہ کل صبح کو جب وہ حاضر دربار ہو تو سب کے سامنے اُسکو ذلیل کروں۔ اور حکم دوں کہ فوراً پابز تحیر کر دیا جائے۔ اسکے بعد قیدیوں کو بلا کر ان کی کمائی منوں اور عام منادی کرادوں کہ راست و شوش وزارت سے معزول کیا گیا ہے اور پھر کبھی اپنے غم پر پروہ بجال نہ کیا جائیگا۔ جو اسکے مظالم کا داد خواہ ہو وہ دعویٰ پیش کئے اور انہما رے۔ اگر ان سے حکومت انصاف سے کی ہوگی اور کسی سے مال ناجائز نہ لیا ہوگا اور لوگ اسکے مدراج ہونگے تو خلعت وزارت سے سرفراز کرونگا ورنہ سزا دوں گا۔ چنانچہ دوسرے دن بہرام گورنے دربار عام کیا۔ جب بہت روش حاضر ہوا تو بہرام نے اُسکو مخاطب کر کے کہا کہ یہ کیا تمکیر ہو جو تونے میری سلطنت میں بچا رکھا ہے۔ فوج کو مفلس اور رعایا کو پریشان کر دیا ہے۔ مینے حکم دیا تھا کہ سب کی تحویلیں اور وظیفے وقت معینہ پر نہیں اور ملک کی آبادی سے غفلت نہ کیجائے اور رعایا سے صرف جائز خراج لیا جائے اور خزانے میں بھی روپیہ داخل نہ ہو۔ لیکن اب جو میں دیکھتا ہوں تو خزانہ خالی پڑا ہے اور فوج تباہ حال ہو رہی ہے اور رعایا اپنی طرف بھاگی پھرتی ہے اور تو سمجھتا ہے کہ میں شراب و شکر کے نشہ میں مست ہو رہا ہوں اور ملکی معاملات سے غافل ہوں۔ یہ کہہ کر راست دوش کو ذلت کے ساتھ دربار سے نکال دیا۔ اور پاؤں میں بھاری بیڑیاں لادی گئیں اور قید کر دیا گیا اور شاہی محل کے دروازے پر معزولی کا ڈھبند و راہیں الفاظ پٹا دیا گیا کہ بادشاہ نے راست دوش کو وزارت سے موقوف کر دیا ہے اور کبھی وہ اس خدمت پر مقرر نہ کیا جائیگا جس جس کو اس نے ستایا ہو وہ بے کھلے حاضر دربار ہو کر ہتھافہ کریں۔ بادشاہ انصاف کے واسطے تیار ہے۔

چنانچہ سب سے پہلے قیدیوں کی تحقیقات شروع ہوئی۔ انہوں نے اپنی اپنی دہستان سنانی، جالنج کی گئی تو منجملہ سات سو قیدیوں کے ٹھکانا میں ایسے تھے۔ جو خوشنایا چور یا واقعی ملزم تھے اور باقی سب بیگناہ تھے جنکو وزیر نے مال و زر کے لالچ سے قید کر رکھا تھا۔ اور انکے باغ مکانات و جاگیر کو ضبط کر لیا تھا۔ ان میں بعض سات سات برس کے قیدی تھے کچھ غیر ملک کے سوداگر تھے جو محض ہس جرم پر گرفتار تھے کہ اپنے مال کی قیمت چاہتے تھے چونکہ منادی عام ہو گئی تھی اسلئے اطراف و جانب سے بکثرت فریادی آئے۔ جب بہرام گورنے وزیر کے

جب کسی کو کوئی بڑی خدمت سپرد ہو تو اس کے معاملات کی تفتیش کے لیے اپنا ایک خاص آدمی مقرر کر دیا جائے کہ وہ اس کے رنگ و دھنگ سے آگاہ کرنا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس کو خبر نہ ہو کہ تجھ پر نگران (خفیہ پولیس) مقرر ہے۔“

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۲۰ غلط دیکھے تو مزید تحقیقات کی غرض سے خانہ تلاشی کا حکم دیا چنانچہ کاغذات کے بستے میں ایک خط انس بادشاہ کا برآمد ہوا جو اس وقت حملہ آور ہوا تھا۔ اور ایک تحریر دستخطی راستہ ویش کی ملی جکا یہ مضمون تھا کہ اس قدر آہستہ کیوں ہے غفلت کا قول ہے کہ دولت کو غفلت اڑا لی جاتی ہے۔ میں فرمانبرداری کے اس درجہ پر ہوں کہ جیسر ہونا چاہیئے۔ افسران فوج کو مینے (اپنی سرکار سے) باغی اور حضور کا ہوا خواہ بنا دیا ہے اور کل فوج کو مفلس کر دیا ہے۔ اور آپ کے واسطے غزلے لبریز ہیں۔ تاج۔ ٹپکا۔ اور تخت ایسا گراں بہا بنا کر رکھا ہے کہ جس کی نظیر آج تک نہیں دیکھی ہے۔ اس وقت میدان خالی ہے اور دشمن غافل، جہاں تک جلد ممکن ہو لیئے۔ ایسا نہ کہ مرد خواہید بہیداً ہو جائے۔“

جب بہرام نے یہ خط پڑھا تو معلوم ہوا کہ دشمن اسی کے بل پر آ رہا ہے اب اس کے کینہ پن میں کوئی شک نہیں ہے۔ چنانچہ حکم دیا کہ کل جاؤ اور منقولہ وغیرہ منقولہ ضبط کر لی جائے اور نیلام کر کے جو جکا نہایت سی ہو وہ اس کو دیدیا جائے جب یہ سب ہو لیا تو راستہ ویش کو مع اس کے تیس ہر دگاہوں کے قصر شاہی کے سامنے سولی دیدی گئی۔ اور سات روز تک منادی ہوا کہ یہ سزا اس شخص کی ہے جو بادشاہ وقت سے مخالفت اور اس کے دشمنوں سے موافقت کرے۔“ صرف اس ایک سیاست سے کل ملک درست ہو گیا۔ اور دشمن ہر حد سے بھر گیا۔ اور بہرام کو معذرت کیساتھ دو شاہی تحائف بھیجے اور چونکہ یہ اسے انتظام چرواہے کی کارروائی دیکھ کر کیے گئے تھے لہذا اس کے صلہ میں اس کو سات سو گہریاں شاہی گھلے سے دی گئیں اور محصول معاف کر دیا گیا۔ اور خلعت سے سرفراز ہوا۔“

چونکہ یہ واقعہ بہرام گور کا تھا۔ لہذا ناظرین کی دلچسپی کے لیے بہرام کے بھی مختصر تاریخی حالات لکھے جاتے ہیں۔ یہ درجہ و ساسانیوں میں تیر ہواں تاجدار تھا۔ چونکہ اول درجہ کا ظالم تھا لہذا عہدوں نے اس کو افسانہ کا خطاب دیا تھا چونکہ ظالم کبھی بھولا نہیں پھلتا نہیں ہے اس وجہ سے اس کی بھی کوئی اولاد زندہ نہ رہتی تھی اور عموماً خود سالی میں بچے شل کیوں کے مچا کر رہ جاتے تھے جب اس کا بیٹا بہرام چار برس کا ہو گیا تو یہ بہت خوش ہوا اور دربار کے بچوں سے جن کا نام سر ویش، اور ہوشیار تھا رانچہ بنوا یا انھوں نے پیشین گوئی کی کہ یہ صاحب تاج و تخت ہوگا۔ مگر ملائین ہنس کر

حکیم ارسطاطالین نے سکندر کو نصیحت کی تھی کہ جب تو اپنی سلطنت کے اہل قلم کو ناراض کر دے تو پھر ان کو کوئی خدمت ندینا کیونکہ یہ اس سلطنت سے دشمنوں کو آگاہ کر دینگے اور تیرے قتل کی فکر کریں گے۔ اور حسب ذیل مجرم بغیر سزا کے نہ چھوڑے جائیں۔

بیشہ حاشیہ صفحہ ۲۲۱۔ اس میں عرب کی سرزمین میں یہ نہال بار آور ہوگا۔ چنانچہ بزجر دے نغان بن منذر بن عمرو بن عدی کو جو تیرہ کا فرمانروا اور سلطنت عجم کا تحت تھا بلایا اور بہرام کو سپرد کر دیا۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ اُس بچہ کی پرورش ایسے مقام پر کی جائے جو آب و ہوا کی لطافت میں ضرب اہل ہو۔ اور اس کی سکونت کے واسطے ایسے دو محل بنوائے جائیں جس میں دیکھی کے پوسے سامان ہوں۔ چنانچہ نغان نے بغض سکونت ایک محل بنوایا جس میں تین گنبد تھے اور اس مناسبت سے اسکا نام شہ دیر (سید مرعب) رکھا اور دوسرے محل کھانا کھانے اور معمولی نشست و برخاست کے لئے بنایا اور اسکا نام خوردن گاہ (خورنی مرعب) قرار پایا۔ ان محلوں کا معمار اور مہندس سنار رومی تھا۔ خوردن گاہ (خورنگاہ) مخففت میں حیرت انگیز صنعت یہ تھی کہ وہ طلوع آفتاب کے وقت سفید چاشت کے وقت سرخ، دوپہر کے وقت سبز، غروب آفتاب کے وقت زرد ہو جاتا تھا۔ اور رات کو مثل ماہتاب کے چمکتا تھا۔ نغان نے سنار کو بہت بڑا صلہ دیا۔ چونکہ یہ نغان اسکے اندازہ سے بہت زیادہ تھا لہذا اُس نے کہا کہ میں ایسا مکان بھی بنا سکتا ہوں جو سورج کبھی کی طرح آفتاب کے ساتھ چکر لگاتا ہے۔ نغان نے اس خیال سے کہ اگر ایسا مکان تیار ہو گیا تو خوردنگاہ کی عیدیم المثنیٰ میں فرق آجائیگا لہذا اُس نے شہ دیر کی چھت سے سنار کو گرا دیا اور وہ مر گیا۔ عربی، فارسی، علم ادب میں سید اور خورنی کے حوالے بکثرت آتے ہیں۔ مثلاً سلمان ساوجی کہتا ہے: خورم تراز خورنی و خوشتر از سیدر + و نگہ برین سخن مودید اور گوگوار اسود بن یعفر سے ارض الخورنی والسید و بارق + والقصر ذی الشرفات من سدا و

غزنی تین محلوں کی اتالیقی میں بہرام نے دس برس کی عمر میں فارسی، عربی، ترکی میں کمال حاصل کیا اور شکار و شہسور میں بھی جوعب کا حصہ بخوبی مہارت کی۔ اور نغان نے اُسکو ملک ایران کی تاریخ اور خاندانی حالات بھی واقف کر دیا تھا لیکن بزجر دے مرنے پر ارکان دولت نے ایک دوسرے شانہ زادے کو جبکا نام کسے تھا اور جو خاندان آردشیر بابکان سے تھا تخت نشین کر دیا۔ لیکن بہرام نے ایک سخت امتحان کے بعد کسے سے سخت چھین لیا۔ یہ بہرام شکار کا بڑا شائق تھا۔ اور گورخر کا خاکسار شکار کرتا تھا۔ اسوجے بہرام گور مشہور ہوا۔ قوت کا یہ عالم تھا کہ ایک بار شیر نے گورخر کا رکیا۔ لیکن بہرام نے ایسا تیرا کہ جو دونوں کو نشانہ کرتا ہوا زمین میں ہی پوریت ہو گیا

(۱) جو سلطنت کا آرزو مند ہو۔ (۲) یا حرم میں بنتی کرے۔ (۳) یا سرکاری راز فاش کرے
(۴) یا ظاہر میں بادشاہ کا دوست اور باطن میں دشمن ہو۔

اور خلاصہ سب کا یہ ہے کہ جب بادشاہ بیدار ہوتا ہے تو سلطنت کا کوئی کام اُس سے پوشیدہ نہیں رہتا،

(۶) مشاہیر اور کاشتکاروں کے تعلقات

دیہات کے ٹھیکہ داران کو چاہیے کہ وہ کاشتکاروں سے صرف اس قدر وصول کریں کہ جس قدر

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۲۲ تاریخ اور تذکرہ میں اسکے فارسی و عربی اشعار تحریر ہیں۔ راست دشن کے وزیر کا نام تھا۔ جو
خاقان چین مسیحی ایدی سے مل گیا تھا۔ لیکن بہرام نے ایک حکمت عملی سے خاقان کو گرفتار کر کے اپنے ہات سے بمقام
قتل کر دیا۔ خاقان نے ۲ لاکھ فوج سے براہ ترکستان، خراسان پر حملہ کیا تھا۔ لیکن بہرام نے بمقام کرکان جب خاقان پر
چھا پانا راہی اسوقت تیرہ سو سال پہلے تھا۔ علاوہ فوج کے قارن، گستم، مہر، فریز، فرہاد، فیروز بہرام،
خزاد، سات، عجی شاہزادے۔ اور بہرام، فیروزان، داد بریز، عاملان، گیلان، زابلستان بہرام تھے۔ فوج کے
بعد بہرام دار السلطنت کو واپس آیا۔ اور اس عظیم الشان فتح کی خوشی میں تمام مملکت کا سہ سالہ خراج معاف کر دیا۔ جسکی
میزان کیسے چالیں کرور دینار زر خالص تھی۔ اور راست دشن کو موقوف کر کے مہرزی کو وزیر کیا۔ انتخاب زباغ التواریخ
صفحہ ۲۸۰ جلد دوم نامہ خسروان صفحہ ۱۸۰۔ ملحق حالات بہرام۔ و میر الملوک نظام الملک۔

۱۔ فصل پنجم صفحہ ۲۸۔ ۳۔ ساریت نامہ ۵۲۔ وصول لگزار کی کا طریقہ کہ تمام دیہات ٹھیکہ پر دے دیے جائیں اور مستاجروں سے
معاملہ کیا جائے۔ زمانہ حال کے عقلا کے نزدیک غیر مستحسن ہے۔ اور ہندوستان کی جن بیستوں میں فی زمانہ یہ طریقہ جاری ہو گیا
جہنمندی کے مطابق پوری رقم بلکہ نصف قرضی سالانہ ریاست کو وصول نہیں ہوتی بوقت البتہ ہمارے دفتر انشا اور وزیر
(جو خائن در قمری ہوں) کے آہنی صندوق روپے اور اشرفیوں سے بھر جاتے ہیں۔ کیونکہ بقایا لگزار کی کی شلک سون، ابر
رہتی ہیں اور ناشی طریقے وصول لگزار کی کے دکھائے جاتے ہیں لیکن اخیر میں تمام بقایا غیر ممکن الوصول قرار پاتا ہے اور شلک داخل
کر دیا جاتی ہے۔ ہندوستان میں جو قانون وصول لگزار کی کا گورنٹ میں جاری ہو وہ علی درجہ کا ہو۔ اور مایستوں کے لیے قابل تقدیر
البتہ جمع کا پرہ اور معیاد بندوبست قابل ترمیم ہے۔

وصول کرنے کا حکم ہے۔ اور وہ بھی عمدہ طور پر جس میں اُن کا مال مہاسباب سلامت ہے۔ اور زن و فرزند امن سے رہیں اور اس سے زیادہ اُن پر کوئی حق نہیں ہے۔

جب کاشتکار عرض حال کے لیے دربار میں آنا چاہے تو اُن کو روکنا نہیں چاہیے۔ اور جو ٹھیکہ دار اسکے خلاف کرے اُس کا ٹھیکہ فسخ کر دیا جائے اور سزا دی جائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔ اور اُن کو جاننا چاہیے کہ رعیت اور ملک سب بادشاہ کا ہے۔ اور ٹھیکہ دار بھی کاشتکار کے لیے مثل والیان ملک کے ایک شعبہ ہے جس طرح کہ خود بادشاہ یعنی دونوں رعایا کی راحت و آرام کے واسطے ہیں۔ جن بادشاہوں کی رعایا آرام سے رہتی ہو لگنے واسطے آخرت کا عذاب نہیں ہے۔

مثال قبائل کے انتقال پر جب اُس کا بیٹا نو شیروان عادل تخت نشین ہوا، اُس وقت وہ اٹھارہ برس کا تھا اور سلطنت کا کُل کام کرتا تھا۔ انصاف گویا اُس کی گھٹی میں پڑا تھا۔ اور ایک وید کو خوب سمجھتا تھا۔ اُس کا قول تھا کہ ”میرا باپ ضعیف الرے، سلیم دل، اور بھولا شخص ہے اُس نے ملک کو گماشتوں پر چھوڑ رکھا ہے۔ وہ جو چاہتے ہیں کہتے ہیں اور خود مفت میں بدنام ہوتا ہے۔ اور مزدک کے طلسمات پر فریفتہ ہو گیا ہے۔“

غلام اور والی رجونا جائز وصول تحصیل سے ملک کو ویران اور رعایا کو فقیر کر رہے ہیں، جب وہ سپہ کی تھیدیاں سامنے بھر کر لاتے ہیں تو وہ اُسے خوش ہوتا ہے کیونکہ زر پرست ہے اور اُسے کبھی نہیں پوچھتا کہ یہ بیشی جو محاصل میں ہونی کُنائی سے ہوئی؟ کیونکہ ملک کی آمدنی صرف عامل کی تنخواہ اور مصارف فوج وغیرہ کے واسطے کافی ہے اور پھر جو رقم کثیر لایا ہے تو آخر میراث پدر سے تولایا ہوگا؟ بہر حال یہ وہ زمین ہیں جو ناجائز طور سے وصول کی گئی ہیں۔ لیکن کسی عامل سے نہیں کہا گیا کہ محاصل ملک صرف اس قدر ہیں جس میں

خینچ ہو اور یہ داخل خزانہ ہوا ہوتا کہ دوسروں کو بھی خیال ہوتا۔“

چنانچہ عہد نوشیروانی میں بھی تین چار سال تک ٹھیکہ داروں اور عاملوں کی طرف سے یہ اودھم مچا رہا تھا۔ ایک دن دیبا رعام میں عامل کے روبرو نوشیرواں نے یہ تقریر کی۔

”اول میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھے بادشاہ بنایا۔ اور پھر سلطنت بھی کیسی دی کہ موردوشی! میرے چچائے مجھ پر چڑھائی کی خدا نے مجھے کامیاب کیا۔ اور میں نے بھی بزور تلوار ملک فتح کیا جب مجھے خدا نے بادشاہ بنایا۔ تو میں نے بھی تم کو حکومت میں حصہ دیا۔ اور کسی تھی تو محروم نہیں رکھا۔ جو اہلکار میرے والد کے عہد سے حکومتوں پر ممتاز نہیں بنے اُنکو بجال خود پہنے دیا ہے۔ اور اُنکی جاگیر و اعزاز میں مطلق کی نہیں کی گئی ہے۔ میں ہمیشہ تم سے ہی کہتا ہوں کہ رعایا سے نیک سلوک کرو۔ اور اُن سے ناجائز رقم وصول کرو۔ میں تمہاری عزت کی قدر کرتا ہوں۔ مگر تم خود اپنی عزت نہیں کرتے ہو۔ نہ کسی کی بات سنتے ہو۔ نہ خدا سے ڈرتے ہو۔ نہ خلق خدا سے شرماتے ہو۔ لیکن میں خدا سے ڈرتا ہوں (کیونکہ وہ گناہوں کی سزا دیتا ہے) کہیں اب انہو کو تمہارے ظلم اور شامت اعمال کا اثر میری سلطنت پر پڑے۔ خدا کی مہربانی سے کوئی دشمن سر پر نہیں ہے۔ اور چین کے ساتھ معاش حاصل ہے۔ اس لیے بہت ہی اچھا ہوتا کہ ہم اور تم خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے۔ کیونکہ ناشکر بھی اور ظلم سے ملک کو زوال ہوتا ہے۔ اور نعمتیں بھی چھین لی جاتی ہیں۔ اس لیے بندگان خدا سے اچھا برتاؤ کرو۔ بزرگوں کی عزت کرو۔ کمزوروں کو نہ ستاؤ اور نہ نہر

۱۰ خواجه نظام الملک نے بطور خلاصہ نوشیرواں کی تقریر لکھی ہے۔ تاریخوں میں نوشیرواں کا یہ پورا خطبہ موجود ہے۔ اور جنگ و ظلم سے ذوق ہر وہ اس حصہ کو شاہنامہ فردوسی میں ملاحظہ فرمائیں۔

اپنا بوجھ ڈالو، اچھے لوگوں کی صحبت میں بیٹھیو۔ بدوں سے پرہیز کرو۔ میں خدا اور اُس کے فرشتوں کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ اگر تم میں سے کسی نے بھی ان اصول کے خلاف عمل کیا تو پھر میں تعزف نکلروں گا۔“

سب سے کہا کہ ہم فرمانبردار ہیں۔ حکم کی تعمیل کریں گے، مگر چند روز کے بعد پھر سب اپنے اپنے ڈھنگ پر آگئے اور ٹوٹ مار کرنے لگے۔ کیونکہ وہ نوشیرواں کو نادان بچہ سمجھتے تھے۔ ہر سرکش کا یہ خیال تھا کہ خود ہم نے نوشیرواں کو تخت پر بٹھایا ہے۔ جب چاہیں اُتار دیں۔

۱۷ چونکہ اس کتاب میں متعدد مقامات پر نو شیرواں کا ذکر آچکا ہے لہذا مزید تاریخی حالات ناظرین کی اطلاع کیلئے لکھے جاتے ہیں۔“

قبائلیوں کو لڑنے کی اولاد میں سے روشن خیال صرف نوشیرواں تھا۔ اس کا لقب کسریٰ تھا۔ اور اسی وجہ سے تمام ساسانیوں کو اکاسرہ کہتے ہیں۔ قبائلی نے اپنی حیات میں ولیعہد کر دیا تھا۔۔۔ شاہ ہوکرو نوشیرواں نے مدائن میں سکونت اختیار کی اور ایوان کسریٰ تعمیر کرایا جو عمارت العجم میں ایک تاریخی عمارت ہے۔ نوشیرواں کے تاج میں اسقدر جواہر نصب تھے کہ وہ کبھی سر نہیں رکھا گیا بلکہ وزن کی وجہ سے وہ تخت کے اوپر لٹک دیا گیا تھا چنانچہ جب نوشیرواں تخت پر بیٹھا تو تاج سر پریش چیز کے قربان ہوتا تھا۔ نوشیرواں کا اُستاد تیشا رسا سان تھا۔ جو اپنے زمانے میں ایک نامور حکیم کا درجہ رکھتا تھا۔ اسکے دربار میں وزرائے تین ہوتے تھے حکماء عجم اور دیگر ارباب کمال جمع ہوتے تھے اور سلطنت کے اہم معاملات انہیں کے مشورے سے طے ہوا کرتے تھے۔ خاص خاص رکان سلطنت حسب ذیل ہیں۔

وزیر اعظم	بہبود	نائب وزیر	بزرگ چہر
میرمنشی سنہ	یزدگرد	موبد موبدان	اردشیر
حاجب اعظم	دزدان	وزیر فرج	بابک
افسر الاطبا	برزویہ	مصاحبین	متعدد دیکھے

مگر بسے نادر و نگر سائبانی تھا جو علم قیام (فرنیالوجی) میں ضرب المثل تھا۔ تخت نشین کے بعد بسے پہلے نوشیرواں نے صوبوں میں والی مقرر کیے۔ چنانچہ بسے سے بڑے حسب ذیل پانچ صوبے تھے۔

نوشیرواں یہ واقعات خاموشی سے دیکھ رہا تھا اور صلح و آشتی کی حکمت عملی سے سلطنت کی جاتا تھا۔ چنانچہ اسی طرح پانچ برس گزر گئے، لیکن ایک بڑھیا کی فریاد پر جب لائی آذربائیجان قتل کیا گیا۔ اور اس کی ساری جائیداد ضبط کی گئی تب جلد انتظام درست ہو گیا۔

ہر دوسرے تیسرے سال عمال اور ٹھیکہ دار بدل دینا چاہیے تاکہ ان کے قدم مضبوط نہ ہو جائیں اس انتظام سے ملک بھی آباد رہے گا اور دین و دنیا کی نیکنامی بھی حاصل ہوگی۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۲۶ (۱) خراسان - نیشاپور - ہرات - مرو - مرو و - قاریاب - آذرب - طاقان - بلخ - بخارا - باغیس - تاورو - جوخستان - طوس - نسا - ترس - تہجان - جوشج - آلبوزجان - خور و - زوزن - قان - اسفہان - شہرستان - ہلا و - جرمقان - زرم - اسفہار -

(۲) آذربائیجان - طبرستان - تے - قزوین - زنجان - قم - اصفہان - تہران - نماند - دیور - خلوان - ہاسندان - تہرجان - شہر زور - صامغان -

(۳) فارس - قنطر - شیراز - توبندجان - جور - کازرون - قسا - دارابجرد - اردشیر خورہ - سیاہور - اہواز - بزو - جندے - ساہور - تہتری - سنادر - تشر - آہنج - رام ہرمز - عسکر کرم - آرجان - توس - ابرقہ - قیر ذرا باد - سیران -

(۴) کرمان - بردسیر - جیرت - سیرجان - زرنہ - ہرموز -

(۵) عراق - ہیبت - حلب - قادسیہ - حیرہ - کوفہ - انبار - عکبر - سامہ - (سرمین رے) - سائر - سام - سرہ - ساہمن - سائر - (بابل) - سرمین - لاد - (مدو و الآخر) - ساہمن - لاد - بابل - نمران - جلول - واسط - حلوان - بصرہ - عبادان - بردان - صرصر - بغداد - وائل - یہ سلسلہ صد روم پر ختم ہوتا ہے) چنانچہ عمال میں فارس کا عالی ہزاریدہ - کرمان کا آذرہان - حیرہ کا مندراہ - السامناہیت مشہور و معروف ہیں۔

نوشیرواں کو جس چیز نے حیات جاودہ بخشی ہے وہ اس کا عدل و انصاف اور قانون سلطنت ہے اگر کوئی ان حالات کو لکھنا چاہے تو اہل کمال کا ذکر تیار ہو سکتا ہے۔ عدل کے متعلق مسلمانوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کافی ہے کہ "ولدت فی زمن الملیک العادل" اور قانون سلطنت میں یہ کہ جزیہ اور زمین کی پائش اور لگان وغیرہ کے متعلق جو قواعد سے اس نے بنائے تھے وہ حضرت محمد رضی اللہ عنہ جیسے نامور مدبر اور فاتح عظیم نے

(۱) قاضی خلیفہ و محاسب کے فرائض

قاضی بادشاہ کو چاہیے کہ تمام ملک کے ایک ایک قاضی (منصف رنج) سے واقفیت

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۲۷۔ بجنہ یا بادنے تغیر قائم رکھے۔ بلکہ عراق کے بعض شہروں میں نوشیروانی اصول مالگداری کے مطابق آج تک عملدرآمد ہوتا ہے۔ علاوہ اسکے فوجی سپاہیوں اور عہدہ داروں کا رجسٹر سی عہد میں طیار ہوا ہوا اور پیادے کی تختا و مقرر کی گئی یعنی سوار کی جاگیر ہزار درہم اور پیادہ کی سو درہم۔ روم پرنس لاکھ کی جمعیت سے حملہ آور ہوا اور قریبی زمین سلطانین کو باجگزار بنالیا۔ ہا کر در دینار زر خالص اور ۲۰ کروڑ درہم خراج ٹھہرا دے علاوہ کائنات ۴۷ برس زندہ رہا ۴۸ برس حکومت کی۔ اسکے اقوال حکمت بکثرت ہیں۔ ہم صرف ایک مقولہ لکھتے ہیں۔

سلطنت کا قیام فوج سے ہوا و فوج کا خزانے سے اخراج کا خراج سے۔ اور خراج کا عمارت (آبادی) سے اور عمارت کا عدل سے اور عدل کا صلح عمال پر موقوف ہو۔ اور عمال کی صلح وزراء کی استقامت پر منحصر ہو۔ اور ان سب کا خلاصہ یہ ہو کہ بادشاہ اپنے فرائض سے واقف ہو، نوشیروانی ۳۵۴ء میں تخت نشین ہوا تھا۔ اور ۴۸۴ء میں سلطنت کر کے ۴۷ برس کی عمر میں ۳۵۴ء میں انتقال کر گیا، انتخاب زماخ التواریخ جلد دوم صفحہ ۳۵۵ و کسری نامہ متفرق مقامات کشف الطہ صفحہ ۲۸۹-۲۹۰۔ مطبوعہ بغداد۔

۱۔ فضل ششم صفحہ ۲۸۴-۲۸۵۔ سیاست نامہ۔ اسلام نے امور مذہبی کے قیام اور سیاسی حیثیت سے جو عہدے قائم کیے ہیں۔ وہ قاضی خلیفہ و محاسب، مفتی، موزن، اور امام مسجد کا عہدہ ہے۔ خلفائے راشدین اور شاہان اسلام کے عہد میں ان عہدہ داروں کے انتخاب میں خاص توجہ کی جاتی تھی۔ لیکن ہندوستان میں باستثنا بعض ریاستوں کے نہ اب یہ عہدے ہیں اور نہ انہ کو کچھ لکھنے کی ضرورت ہے۔ البتہ قاضی کی تعریف میں حکام مآل فوجداری اور دیوانی داخل ہیں کیونکہ انفضال مقدمات کا کام لگنے بات میں ہوا و یہ گروہ رعایا کی جان و مال پر حکومت کرتا ہے۔ لہذا عہدہ قضا کے متعلق چند الفاظ لکھے جاتے ہیں جب کا تعلق ہر فیصلہ کنندہ سے ہے۔

بادشاہ کی طرف سے جو تراز و رعایا کے اعمال تولنے کے لیے ہر وہ قاضی کی ذات ہو اس لیے جس شخص کو یہ عہدہ سپرد کیا جائے نہیں کم از کم ان صفات کا ہونا لازمی ہے یعنی متقی، پرہیزگار، صاحبِ قارا، رہنما، ذکی، لطیف، سخی، مزانج، فیتہ، (قانون دان) اور اپنے عہد کے فرائض سے پورے طور پر واقف ہو۔ ثبوت کے قبل فیصلہ

حاصل کرے۔ اور ان میں سے جو عالم (قانون دان) اور متدین ہوں وہ مقرر کئے جائیں۔ اور جو ایسے نہ ہوں وہ برطرف کیے جائیں۔ ہر ایک کی تنخواہ باندازہ مصارف مقرر کی جائے تاکہ رشوت کی جتا نہ ہو۔ یہ سبے نازک اور مشکل خدمت ہو۔ کیونکہ یہ طبقہ رعایا کی جان و مال پر حکومت کرتا ہو۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۲۸۔ سنانے میں جلدی نہ کرے اور ثبوت ختم ہونے پر فیصلہ لکھنے میں توقف بھی نہ کرے۔ رعایا کے مذاہب کے قومی رسم و رواج سے واقف ہو۔ اور سب سے بڑے کچھ کی احتیاط بنکر فرض کے جو وہ یہ ہو کہ ہجر بادشاہ وقت کے کسی کا بدیدہ اور تحفہ قبول نہ کرے۔ خلفاء اور شاہان اسلام کو اس حصہ پر خاص توجہ تھی اور جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ کتب سیاست کے ذیل میں خاص اس عنوان پر بھی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ چنانچہ ”فصل المقال“ نے ہدایا العمال“ مشہور کتاب ہی۔ خلفائے عباسیہ کے عہد میں قاضیوں کی تنخواہ ترقی کر کے ۲۰۰ دینار دہائیہ (۲۰۰) ٹیک پہنچی تھی۔ اور حضرت فاروق عظیم نے سواد تہتم تنخواہ مقرر فرمائی تھی۔ نفس مقدمہ میں کسی کی سفارش نہ مٹے اور دوران تحقیقات میں فریقین کے عزرات پر خاص توجہ کرے اور ایک کے مقابلے میں دوسرے پر اپنے عہدہ کا اثر نہ ڈالے نہ انکو دبائے۔ اور معمولی لغزشوں کی گرفت نہ کرے۔ قاضی کا یہ بھی فرض ہو کہ گواہوں اور وکلاء کی تہمتیں شکر کرتا ہو۔ چنانچہ اس غرض کے لیے خلفائے عباسیہ کے عہد میں قاضی کے ماتحت ایک معدل کا عہدہ تھا۔ اس عہدہ دار کے پاس ایک رجسٹر رہتا تھا جس میں نقد اور مرقعہ العدالت لوگوں کے نام درج ہوتے تھے۔ اور مقدمہ کی پیشی کے وقت گواہوں کے اعتبار اور عدم اعتبار کا مدار بہت کچھ اس کے رجسٹر پر ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ عام حقوق اور مشتبہ جالداؤں و قرضوں کے کاغذات مرتب لکھتا تھا۔ اور عموماً دستاویزات کی رجسٹری اس کے دفتر میں ہوتی تھی۔ بڑی ذمہ داری کا عہدہ تھا۔ اور اس لیے نہایت مشہور اور سہ تبار اور ثقہ لوگ اس منصب کے لیے انتخاب کئے جاتے تھے۔ لیکن فی زمانہ کوئی شہر یا نہیں ہے کہ جس میں پیشہ ور گواہ اور بد اعمالوں کی ضمانت کرنے والے موجود نہ ہوں۔ اکثر اوقات حکام فریب میں آجاتے ہیں اور صلی ملزم ان گواہوں کے صدقہ میں چھوٹ جاتے ہیں۔ علاوہ معدل کے قاضی کے ماتحت حسابیل عہدہ تھا۔

کاتب القاضی۔ حاجب القاضی۔ نقیب القاضی۔ آئنا القاضی۔

قاضی کے لیے یہی لازمی ہے کہ فیصلہ کی وقت سبھی مذاق نہ کرے بلکہ چہرہ پر ایسا سکوت اور تحمل معلوم ہو کہ گویا کچھ غور کر رہا ہو اور فیصلہ سنانے سے پہلے یہی سائے کا انظار نہ کرے جس سے معلوم ہو کہ مدعی یا مدعا علیہ کے حق میں مقدمہ کا فیصلہ ہو گا۔

جب قاضی غلط فہمی یا لالچ وغیرہ سے فیصلہ کریں۔ تو دوسرے حکام کو اس کی سماعت کرنا چاہیئے اور بادشاہ سے اطلاع کرنا چاہیئے کہ وہ موقوف کیے جائیں یا انکو سزا دی جائے
 عمال کے فرائض میں یہ بھی ہو کہ وہ قاضیوں کو مدد دیتا رہے تاکہ انکے ظاہری اعزاز کی کساد بازاری نہ ہو۔ اور اگر کوئی شیخی یا دولت مند کی وجہ سے قاضی کے حکم سے حاضر عدالت نہ ہو تو
 عمال انکو بوجہ سختی حاضر عدالت کر دیں اور یہ عہدہ اسقدر مغرر ہو کہ خلفائے راشدین نے
 نفس نفیس خدمات قضا کو انجام دیا ہو۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۲۹۔ یہ چند باتیں یہی ہیں کہ فصل خصومات میں عموماً حکام کے لحاظ کے لائق ہیں۔ لیکن جن
 مالک میں اسلامی حکومت ہو وہاں قاضی کو فیصلہ مقدمات کے علاوہ یتیموں اور محبوزوں وغیرہ کی جائداد کا
 انتظام اور مغسولوں کی خبر گیری، وصیتوں کی تعمیل، بیواؤں کی تربیت (جب کوئی والی نہ ہو) اس قسم کے کام سپرد
 ہیں۔ بہت قاضیوں کے فیصلہ کا اپیل قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے یہاں ہوتا تھا۔ اور جس عدالت میں
 ایسے مقدمات پیش ہوتے تھے اسکا نام تاریخ میں ”دیوان المظالم“ ہو اور عربی میں بزمانہ حال مجلس استئناف
 (عدالت اپیل) کہتے ہیں۔

عربی میں متعدد کتابیں قضاۃ کے حالات میں تحریر ہیں۔ جسٹس اٹلی روشن خیری اور ذہانت اور فیصلہ مقدمات کا ملکہ
 ظاہر ہوتا ہو چنانچہ کتاب عقد الفریہ للملک السعیدی قاضی محمد بن عمران۔ عاقبتہ بن یزید۔ شریک بن عبداللہ کوئی
 سعید بن قلیسیان وغیرہ مشاہیر قاضیوں کے واقعات درج ہیں۔ کتاب لا ذکیا ابن جوزی۔ اور المستطوف میں بھی
 بکثرت روایتیں موجود ہیں۔ شائقین یہ کتابیں مطالعہ کریں۔ انتخاب از سلوک المالک فی تدبیر المالک۔ ومعید النعم
 سبکی۔ و مقدمہ ابن خلدون۔

۱۵ قاضی اور قضاۃ یہ دو لفظ اسقدر جامعیت رکھتے ہیں کہ جنہیں مستقل کتاب لکھی جاسکتی ہو لیکن ہمارے زمانہ میں
 قاضی وہ کہلاتے ہیں جو بیخ پر ہاتھ ہیں۔ اور جسکو گورنمنٹ ایکٹ قاضیان کے مطابق مقرر کر دیتی ہو۔ مگر افسوس
 ہو کہ جس عہدہ کی ابتدا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ہوئی تھی اسکو بعض حضرات نے خوب ہی
 دھیل کیا ہو مسلمانوں پر گورنمنٹ کا خاص احسان ہوگا۔ اگر وہ اسکے متعلق ایک مکمل دستور العمل مقرر کر دے

شاہان عجم کا دستور تھا کہ وہ نوروز اور مہرجان کے زمانے میں ایک جشن عام کرتے تھے جس میں کل عایا کو شریک ہونے کی اجازت تھی۔ اور کسی کے واسطے روک ٹوک نہ تھی۔ اور انعقاد دربار سے چند روز قبل منادی ہو جاتی تھی۔ کہ فلاں تاریخ مقرر ہوئی ہو۔ اور تاریخ معینہ پر بازار میں ایک خاص منادی ہوتی تھی کہ اگر کوئی شخص کسی فریادی کو حاضری دربار سے روکیگا تو بادشاہ اسکو قتل کر دیگا۔ غرض کہ تاریخ معینہ پر بادشاہ سب کے واقعات سنتا تھا۔ اگر کسی کو محض بادشاہ کی ذات سے شکایت ہوتی۔ تو بادشاہ تخت سے اُتر آتا تھا۔ اور موبد موبدان (مذہبی سردار) کے سامنے دو زانو ہو بیٹھتا اور کہتا کہ سب سے پہلے اس شخص کا فیصلہ میرے مقابلہ میں بلار و رعایت کیا جائے۔ اور منادی پھر بکارتا کہ جو بادشاہ پر ناشی ہوں وہ سب ایک جگہ بیٹھ جائیں تاکہ انکا فیصلہ کر دیا جائے۔ پھر بادشاہ موبد سے مخاطب ہو کر کہتا کہ خدا کے

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۳۰۔ اور ان کے جبر میں بکارتا کہ جس میں جل و فرب اور ترمیم و تیج کا موقع نہ ہو۔ اگر سرکاری حیثیت سے ایسے جبر مرتب ہوں تو نکاح و طلاق وغیرہ کے مقدمات میں حکام کو بھی آسانی ہو جائے۔“

۱۰ نوروز، ماہ فروردین (۲۱ مارچ) کا پہلا دن ہے کہ جہن آفتاب عالم تاب برج حمل کے نقطہ اول میں قدم رکھتا ہے اور فصل بہار کی آمد ہوتی ہے۔ ایرانیوں کے عقائد کے مطابق یہ دن نہایت مقدس ہے کیونکہ خداوند عالم نے حضرت آدم اور دنیا کو اسی دن پیدا کیا ہے۔ اور سب سے تیارہ کو گردش کرنے کا ہی دن حکم ملا۔ اور یہی وہ تہذیب نوروز کی ہے۔ لیکن مومنین کا قول ہے کہ جب جمشید پیدا ہوئے اسی طرح میں قصر شاہی سمی بہ تخت جمشید بنایا اور علی الصبح تخت پر بیٹھ کر مشرق کا نظارہ کیا تو سب سے پہلے سورج کی کرن جب تخت و تاج پر پڑی اور جرات کی جگہ گاہٹ سے لوگوں کی نظر خیرہ ہونے لگی تو انھوں نے نعرہ خوشی بلند کیا اور سہس رانی صبح کا نام نوروز رکھا۔ اور عام طور پر جشن عظیم منایا گیا۔ چنانچہ پارسیوں میں ہنوز یہ یادگار مانی جاتی ہے۔

مخبرین کے نزدیک نوروز کی دو قسمیں ہیں ایک کا نام نوروز عامہ اور دوسرے کا نام نوروز خاصہ ہے چنانچہ

نزدیک بادشاہوں کے گناہوں سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں ہے۔ بادشاہ رعایا کی نگہداشت کریں
انکو ظالم سے بچائیں۔ اس سے وہ گویا خدا کی نعمتوں کا حق ادا کرتے ہیں۔ جب بادشاہ ظالم ہوتا
ہی تو فوج کا ہر سپاہی ظالم ہو جاتا ہے۔ اور خدا کو بھول جاتا ہے۔ تب اپنی خدا کا عتاب ہوتا ہے اور
انکی شامت اعمال سے سلطنت اُس خاندان سے بھج جاتی ہے۔

”اے موبد! میرے معاملے میں رعایت نہ کرنا۔ جب مجھ سے پوچھ گیا تو میں تجھ سے سول کروں گا۔“
اسکے بعد موبد معاملے پر نظر ڈالتا، اگر دعویٰ سچا ہوتا تو اُسکا انصاف کیا جاتا۔ اگر بادشاہ پر چھوٹا
دعویٰ دائر ہوتا اور مدعی ثابت نہ کر سکتا، تو اُسکو سخت سزا دی جاتی تھی۔ کہ آئندہ اوروں کھجسارت
نہو۔ جب بادشاہ کے معاملات ختم ہو جاتے۔ تب پھر بدستور بادشاہ تخت پر جلوہ افروز ہوتا،

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۳۱ جو دن تحویل آفتاب کا برج حمل میں ہو اسکا نام نوروز عام ہے اور اس سے زیادہ ساعت سعید
کوئی نہیں ہے۔ اور چھٹی تاریخ ماہ فروردین کا نام نوروز خاصہ ہے۔ کیونکہ اسدن جمشید نے دوبارہ تخت پر اجلاس کیا اور
خاص جشن کیا۔ اور غسل و طہارت کے بعد عبادت میں مشغول ہوئے اور خاص خاص رسموں کی بنیاد
ڈالی گئی چنانچہ اکسیر میں مسلسل چھ دن کا جشن کیا جاتا تھا اور عام طور سے قیدیوں کی رہائی اور حاجتمندوں
کی حاجت روائی انہیں ایام پر موقوف ہوا کرتی تھی اور عیش و عشرت کا بھی خاتمہ ہو جاتا تھا۔

مہرجان۔ مہرگان (مہرجان) میدنہ مہر (اکتوبر) کی سولہویں تاریخ کا نام مہرجان ہے۔ اور یہ وہ تاریخ ہے کہ جب
آفتاب برج میزان میں آتا ہے اور خزاں کو موسم بہار کا جانشین کرتا ہے۔ نوروز کے بعد لیرانیوں میں اس سے بڑا
کوئی اور جشن نہیں ہے۔ اکی بھی مثل نوروز کے دو تیس ہیں ابتدائے تاریخ ۱۶۔ اور انتہائے تاریخ ۲۱۔ ہے۔ مذہبی
فضیلت اس تاریخ میں یہ ہے کہ گویا خدا نے اسی دن زمین کو پیدا کیا۔ اور تمام روحیں اپنے قالب میں آئیں۔ اور اُنکی
یڑواں لے اپنے فرشتوں کے ذریعہ سے کا وہ آہنگ کی مدد کی تھی جسے ضحاک پر فوج پائی۔ اور جو جشن اس یادگار میں
منایا گیا وہ قومی مہر و محبت کا دیباچہ تھا۔ ایسے مہرگان نام قرار پایا۔ علاوہ اسکے اور بھی متعدد سبب ہیں جس کے
لیے تاریخ عجم دیکھنا چاہیے اور بعض ارباب لغت کے لکھا ہے کہ برہمنیہ کی سولہویں تاریخ کو مہرجان کہتے ہیں۔ انتخاب از
انجن رائے ناصر دہران قاطع و تاریخ عجم۔“

اور سب کو مخاطب کر کے بیان کرتا کہ میں نے سب سے پہلے اپنی ذات سے اس لیے کارروائی شروع کی تھی کہ تم کو ظلم کرنے کی جرات نہ ہو۔ پھر بلا دروغی رعایت معاملات کا تصفیہ ہوتا تھا۔ چنانچہ اردشیر کے عہد سے یزدگرد تک یہ قاعدہ جاری رہا لیکن یزدگرد نے اس قدیم رسم کو چھوڑ دیا اور ظلم و ستم کا بانی ہوا۔

بادشاہ کو ان انفصال مقامات کے لیے خود بیٹھنا چاہیئے۔ اور سب کی درخواستیں سننا چاہیئے۔ بادشاہ ترک ہو یا عہد جب وہ قانون شریعت سے واقف نہ ہوگا تو نائب کی ضرورت پڑے گی۔ اور

سلطنت میں اردشیر بن بابک بن ساسان اصغر (سلسلہ نسب منفذ یا پر ختم ہوتا ہے) پہلا بادشاہ ہے۔ اسکی ماں کا نام گمر آفرین تھا ۱۲۷۷ عین تخت نشین ہوا۔ اور سام بن رزیع کو جو مشہور مدبر تھا وزیر بنایا۔ تاریخ ایران میں اس کی سلطنت سے ایک نیا زمانہ شروع ہوتا ہے۔

اردشیر کو شہنشاہی کا لقب ملا۔ اردشیر کی سوانح عمری بہارِ اودمخت کا سب سے پہلا باب ہے۔ کیونکہ اردشیر نے نہایت ادنیٰ درجہ سے ترقی حاصل کر کے بادشاہی پائی تھی۔ اردشیر کو عمارت سے بہت ذوق تھا۔ اور اسکے عہد میں متعدد شہر آباد ہوئے مثلاً کورہ اردشیر۔ اردشیر آباد۔ (متصل ہاں) ہرمز اردشیر متصل ہوا۔ (اشارہ اردشیر۔ متصل صطخر) ہرمز اردشیر کو شیر پانچو چوں شہر اور چھتو قصبہ پر اسکی حکومت تھی اور ہرمز شہر اسی کی اور تھی۔ جو قانون سلطنت اس بادشاہ نے بنایا وہ صدیوں ایران کا دستور العمل رہا۔ اس کی تصنیفات میں سے دو کتابیں مشہور ہیں ایک کا نام کارستان (کارنامہ) اس کتاب میں مہمات ملکی اور سر و سیاحت کی کیفیت درج ہے۔ دوسری کتاب دلب لعلیں۔ اس میں حسن معاشرت کے طریقے ہر درجہ کے آدمی کے لیے بتائے ہیں۔ نوشیرواں نے اس کی متعدد نقلیں ملک میں شائع کی تھیں تاکہ رعایا میں حسن اخلاق قائم رہے فیضِ روم اور فخرِ چین۔ اردشیر کے باجگزار تھے۔ ۸۸ برس کی عمر ہوئی۔ ہم برسِ نبیہ سلطنت کی اسکا احوال تاریخ اور ادب کی کتابوں میں بکثرت درج ہیں۔ انتخاب از تاریخ التواریخ و نامہ خسروان۔

یزدگرد

یزدگرد (یزدجرد) خسرو پرویز کا بیٹا اور ایران کا آخری بادشاہ ہے۔ اسکے زمانہ میں مسلمانوں نے ایران پر فتح پائی تفصیل کے لیے الفاروق علامہ مشبہی نعمانی دیکھو۔

ملک کے تمام قاضی و حقیقت نائب سلطنت ہیں۔ اسلئے بادشاہ پر واجب ہے کہ وہ قضاۃ کی عزت

و تکریم اعلیٰ درجے کی کریں۔
(۸) خطیب

مثل قضاۃ کے خطیب جامع مسجد کا بھی انتخاب ہونا چاہیے جو پارسا اور مفسر ہوں۔ کیونکہ اہمیت
کا مسئلہ نازک ہے اور مقتدیوں کا تعلق امام سے وابستہ ہے جب امام کی غار میں خسل ہو تو
مقتدیوں کا خدا حافظ ہو۔

(۹) محاسب

ہر شہر میں محاسب مقرر کرنا چاہیئے۔ تاکہ وہ بازار میں باٹ (اوزان) اور نرخ کی جانچ کرتا ہے۔ اور
لین دین کی نگرانی رکھے، تاکہ کوئی شکایت نہ ہو جو چیزیں دہات سے فروخت کے لیے آئیں انہیں
جیتا یا طے ہے کہ آمیزش نہ ہونے پائے اور کم وزن تولنے کی زیادہ جانچ ہوتی ہے۔ اس عندہ
کی غرت و قمار کا قائم رکھنا بادشاہ اور اسکے نائبوں کو ضرور ہے۔ کیونکہ یہ اصول سلطنت میں داخل
ہے۔ اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو غریبوں کو تکلیف اٹھانا پڑے گی اور بازاروں کا کام درہم برہم ہو جائیگا۔
بیٹے، بقال، جیسا چاہیں گے من مانا بیچیں گے۔

یہ عندہ بادشاہ کی جانب سے کسی خواص یا خادوم یا بوڑھے ترک کو ملا کرتا تھا۔ جسے لوگ ڈرتے
تھے۔ چنانچہ ذیل کا واقعہ مشہور ہے۔

سلطان محمود غزنوی اندیمان خاص میں ایک شب محوشتا تھا۔ اور اسکے دو ندیم علی نوشنگس
و محمد بنی (یہ دونوں سپہ سالار تھے) بھی حاضر مجلس تھے۔ چنانچہ علی نوشنگس نے کھانے کے وقت

گھر جانے کی اجازت مانگی۔ چونکہ دن زیادہ چڑھ گیا تھا۔ اور پرنسہ میں چور ہو رہا تھا۔ سلطان نے کہا کہ اس وقت گھر سے باہر قدم رکھنا خلاف مصلحت ہے یہیں آرام کرو۔ نماز پڑھ کے بعد چلے جانا اس وقت تک طبیعت سنہل جائیگی۔ اگر محتب ان حالوں سے دیکھ لے گا تو وہ حد جاری کرے گا، اور ساری عنت ناک میں بھجائیگی۔ اور مجھ کو بھی صدمہ ہوگا۔ لیکن میں شیع کے حکم میں دم نہ ماروں گا۔ علی نوشتگی میں پچاس ہزار فوج پرافسری کرتا تھا۔ اور خود بھی ایک مینچلا بہادر تھا۔ ہزار پھلوانوں کی برابر اس کی طاقت مشہور تھی۔ اُسکے خیال میں نہ آیا کہ محتب کون ہوا در کیا کر سکتا ہو؟ اور سیاہینا جو شہ میں کہا کہ میں تو بغیر گھر جاے نہیں ہ سکتا ہوں اور آخر کو اپنے جلوس کے ساتھ نکل کھڑا ہوا۔ محتب نے دیکھا کہ سو سواروں کے جھرمٹ میں سپہ سالار صاحب مہمست جا رہے ہیں، چنانچہ اُسی وقت حکم دیا کہ اسکو گھوڑے پر سے اتار لو۔ اور اسکے بعد خود گھوڑے سے اتر کر اپنے ہات سے دُڑے لگائے اور وہ بھی اس سختی سے کہ زمین پر مونچھ کے بل گر پڑا تھا۔ اُردوئی کو سوار پیادے کھڑے مونچھ تکتے تھے اور دم نہ مار سکتے تھے۔ چونکہ محتب سلطان کا خادم دُ

۱۵ علاوہ اُمور مندرجہ بالا کے محتب کو ان اُمور کی نگرانی کرنی پڑتی تھی۔ بازار یا مجمع میں کوئی امر خلاف شریعت نہ ہونے پائے۔ جانوروں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ لاداجاے۔ کشتی میں زیادہ آدمی سوار نہ ہونے پائیں۔ ہمارا دروازہ پر مقدار مقررہ سے زیادہ وزن نہ ہو۔ راستہ یا سڑک پر جو مکانات محدود ہوں انکو مالکوں سے گردادے۔ جو معلم لڑکوں پر زیادہ سختی کرتے ہوں انکو سزا دے۔ نان یا بیویں کی دوکانوں کی پکی ہوئی روٹیاں بھی وزن کر کے دیکھتے تھے۔ اور گوشت کا نرخ روزانہ درج کتاب کیا جاتا تھا۔ نائب محتب مع سپاہی پیادوں کے دن رات بازاروں اور گلیوں میں گشت کرتا رہتا تھا۔ اب محتب کی اکثر خدمات ناظم مجلس بلدیہ (میونسپل بورڈ) کے سکریٹری (انجام دیتے ہیں سلطنت اندلس میں اسی عہد کا نام خطہ لاصتہ) تھا۔ اور دراصل یہ عہدہ بھی عہدہ قضا کی شاخ ہی۔ محتب کا اجلاس روزانہ جامع مسجد میں ہوا کرتا تھا۔

بڑا ترک تھا اور تہذیب و تمدن کو اس لیے اس کے مقابلے میں کوئی چوں و چرا نہ کر سکا۔ سپہ سالاروں کو سخت نہمت تھی اور رہتہ میں کتا جاتا تھا جو ”بادشاہ کا حکم نہ مانگا اس کا حال مجھ جیسا ہوگا۔“ دو ستر دن سلطان نے پیٹھ کھوکھو کر دیکھی تو وہ ٹکڑے ٹکڑے تھے۔ ہنسنے فرمایا کہ ”تو بہ کرو اب کبھی گھر سے جھومتے ہوئے نہ نکلتا۔“

چونکہ محمود اصول سیاست اور نظام حکومت کا پابند تھا۔ اس وجہ سے اس کے زمانے میں انصاف خوب ہوتا تھا۔

دہلائیہ عہدہ داروں کی نگرانی

بہشت میں بادشاہ کو اول ایسا دیندار اور خدا ترس آدمی تلاش کرنا چاہیئے، کہ جو صاحبِ غرض نہ ہو اور جب ایسا شخص مل جائے تو شہر کی امانت اُس کے سپرد کر دی جائے۔ اور حکم دیا جائے کہ ”اُس شہر اور اس کے نواح کی عام نگرانی تمہارے سپرد ہے، عامل، قاضی، محتسب اور تمام ہر عیال کے حالات سے واقفیت پیدا کرو۔ اور نیچے اطلاع دو۔“ ایسے بزرگ جو ان صفات سے متصف ہوں۔ اور ان خدمت کو خوشی سے قبول کریں تو اپنا زور ڈالاجائے۔

(۱) چنانچہ امیر عبداللہ بن طاہر جس کی قبر کی نشا پوری میں زیارت ہوتی ہے) کا دستور تھا کہ وہ

۱۔ فصل متعین ص ۴۴۔

۲۔ طاہر بن عیسیٰ بن عقبہ بن العیسیٰ بن خلیفہ۔ مامون الرشید عباسی کا نامور سپہ سالار ہے جسکو فتح بغداد اور قتل امین کے بعد مامون الرشید نے بہشتیہ میں صوبہ خراسان کا گورنر کر دیا تھا لیکن جس دن مامون کے خلاف طاہر نے بغاوت کا خیال ظاہر کیا اُس دن اُسے زہر دیدیا گیا۔ یہ واقعہ جاوی الثانی عشرہ کا ہے لیکن چونکہ طاہر مامون کا قدیم دشمن اور تھا اس وجہ سے اُس کے حقوق کا بھانڈا کیا گیا اور خراسان کی حکومت اُس کے بیٹے طلحہ کو دی گئی۔ غرض کہ

ہر کام دیندار اور پارسا لوگوں کے سپرد کیا کرتا تھا۔ جب کیا کرتا تھا کہ مال طیب خزانہ میں جمع ہوتا تھا

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۳۶ اسی طاہر کا ایک دوسرا نامویشا عبداللہ تھا۔ جو صاحب الشرطہ (افسر محکمہ پولیس) کے عہدہ سے سنہ ۱۸۸۴ء میں مصر کا منتقل گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ اور اس کے قتل و کما کا اندازہ سطح پر کیا جاسکتا ہے کہ تقریر کے بعد مومن نے

عطائے سند کے لیے عبداللہ کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ ”یوں تو ہر شخص اپنی اولاد کی نسبت حسن ظن رکھتا ہو۔ لیکن طاہر نے جو کچھ تمہاری تعریف میں کہا اُس سے کم کہا، جسکے تم دراصل مستحق ہو۔“ طاہر نے یہ مرثوہ سنا تو بیٹے کو ایک نہایت مفصل خط لکھا۔ (عبداللہ بن طاہر جب مصر کا گورنر ہوا ہی اس وقت طاہر فوت ہو چکا تھا اسلئے طاہر نے یہ خط سنہ ۱۸۸۴ء میں لکھا ہی جبکہ عبداللہ رقبہ کا گورنر تھا۔ اور نصر بن شیش کے مقابلے میں

نمایاں کارگزاری کر چکا تھا) جو آئین حکومت، انتظامات ملکی، رفاہ رعایا، کے متعلق ایک نہایت مدبرانہ دستور لکھ لیا ہے۔ یہ خط اس قدر مقبول ہوا کہ تمام لوگوں نے اس کی نقلیں لیں اور خود مومن نے بھی باضابطہ نقلیں

عموماً حکم سلطنت کے پس منظر میں اور کہا کہ طاہر نے دنیا و دین، تدبیر رائے، سیاست، اصلاح ملک، و حفاظت سلطنت اور قیام خلافت کے متعلق کوئی بات اٹھانیں رکھی، چونکہ خواجہ نظام الملک کی سوانح عمری کو قانون سلطنت اور سیاست سے خاص تعلق ہے۔ لہذا ترجمہ اس خط کا لکھا جاتا ہے کہ یہ عجب ہی کہ ہندستان کی اسلامی اور غیر اسلامی ریاستوں کے والی ملک اور ان کے عامل اس دستور العمل سے فائدہ اٹھائیں اور ہماری گورنمنٹ کے عہدہ دار بھی محروم نہ رہیں۔ اس خط کے بعض مضامین خالص اسلامی ہیں اور ان کے مخاطب مسلمان ہیں۔ تاہم باستثنا اس کے عام مضامین ایسے ہیں جن سے ہر شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

امیر عبداللہ شجاع تادہ تدبیر کے علاوہ بڑا ادیب، محدث، شاعر، اور موسیقی داں تھا۔ اسکی فیاضیوں کے سامنے خود مومن الرشید کی دریا دی بھی کچھ حقیقت نہ رکھتی تھی۔ ابو تمام طائی صاحب الحامیہ اسکے دربار کا شاعر تھا تمام خاندان شاہی اسکی عزت کرتا تھا۔ چنانچہ ۱۲۸۳ھ میں جب امیر عبداللہ داخل بغداد ہوا۔ تو خود معتمد باللہ اسکے استقبال کو نکلا۔ مرنے سے پہلے بین الاکھ درہم خرچ کر کے غلام آزاد کر لے۔ اور ان مصارف پر جب ہر اتچار کرو درہم خاص اسکے خزانہ میں موجود تھے۔ امیر عبداللہ ۱۲۸۴ھ میں خراسان کا گورنر مقرر ہوا اور ۱۲۸۵ھ میں فوت ہوا۔ اسکے بعد طاہر بن عبداللہ در محمد بن طاہر حکمران ہوئے۔ اور اسے طاہر حسین بن

اور رعایا کسی قسم کی سختی بھی نہ ہوتی تھی۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۳۷۔ لوگ طاہرہ کہنا چاہتے ہیں ان کی حکومت خراسان میں شیعہ پیر سے شروع ہوئی۔ اور مسلسل پانچ حکمرانوں کے بعد شیعہ پیر میں ختم ہو گئی۔ یہ خاندان اگرچہ خلفاء کا ماتحت تھا مگر برائے نام۔ تمام مورخین کی رائے ہے کہ دولت عباسیہ کے زوال کا دیباچہ آل طاہرہ کی مسلسل حکومت تھی۔

چنانچہ اس خاندان کا اخیر حکمران محمد بن طاہر یعقوب صفائے مات گرفتار ہو گیا اور خاندان کا خاتمہ ہوا لیکن جو طرہ عمل ان افراد کا تھا وہی صفاریوں کا رہا اور یہ سلسلہ تباہی بغداد تک برابر قائم رہا۔ انتخاب المامون تاریخ الدول

الاسلامیہ - ۱۲

طاہرہ کا خط عبداللہ بن طاہر کے نام

میرے عزیز بیٹے! میں سب سے اول تم کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ تم ہمیشہ خدا سے ڈرتے رہو جو ایک ہی اور جبکہ کوئی شریک نہیں ہے۔ تمکو رات دن اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ انہی مرنی پر چلو اور اس کے غصہ سے ڈرتے اور کھنپتے رہو۔ تمہارا فرض ہے کہ تم اپنی رعیت کی نگہبانی اور حفاظت میں شب و روز سرگرم رہو جو سخت اور نڈرستی خدا نے تمکو عنایت کی ہے اور اس کو غنیمت سمجھو اور آخرت کو پیش نظر رکھو۔ یاد رکھو کہ ایک دن خدا کے حضور میں جاؤ گے اور تم سے تمہارے افعال کی نسبت سوال کیا جائیگا، ایسے جو کام تم شروع کرو، اسکو ایسی طرح انجام دو کہ قیامت کے دن تمکو عذاب الہی میں گرفتار نہ مانا پڑے۔

یاد رکھو کہ خدا نے پیر احسان کیا ہے اور رعیت کے ساتھ مہربانی سے پیش آنا تمہارا واجب کیا ہے۔ تم خدا کے بندوں پر حکومت کرتے ہو۔ تمہارا لازم ہے کہ ان کے ساتھ انصاف کرو اور اسکا پورا پورا حق ادا کرو اور اس کی حدود سے ستر تجاوز نہ کرو۔ انکی غوث اور جان و مال کی حفاظت کرو۔ ملک میں امن و امان قائم رکھو اور اہل ملک میں عام راحت و آسودگی پھیلاؤ۔ خدا نے جو فرائض تمہارے ذمہ واجب کیے ہیں انکے انجام دینے یا نہ دینے کی نسبت تم سے ایک دن ضرور باز پرس کی جائیگی اور تمہاری نیکیوں اور بدیوں کا موازنہ کیا جائیگا اور انکا بدلہ دیا جائیگا۔ پس تمہارا لازم ہے کہ اس بات کے سوچنے اور سمجھنے کے لیے اپنے دماغ پر زور دو اور عقل و فہم سے اچھی طرح کام لو۔ یہ وہ اصول ہے جس پر تمہاری زندگی کا مدار ہونا چاہیے میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تمکو اس اصول پر عمل کرنے کی توفیق دے اور تم اس پر عمل کرنا

(۲) حدیث شریف میں آیا ہے کہ ”العدل عز الدینا وقوت السلطان وفيه صلاح العمة“

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۳۸ لازم جانو اور اپنے تمام کاموں کی بنیاد اسی اصول پر رکھو۔

پانچ نمازیں جو خدا نے تم پر فرض کی ہیں، انکو ٹھیک وقت پر اور جماعت کے ساتھ ادا کرو۔ وضو اور طہارت کے جو شرائط ہیں ان سب کا لحاظ رکھو۔ نمازیں جو سوئیں پڑھو، ان کو مستحکم اور ترتیل کے ساتھ ادا کرو۔ رکوع اور سجود کرنے میں کوئی گھبراہٹ نہیں ہونا چاہیئے۔ غرض کہ نماز کے جتنے ارکان ہیں، ان سب کو نہایت اطمینان انجام دو جو لوگ تمہارے مصاحبوں اور بندوں میں داخل ہوں، یا تمہارے خدمتگار اور ملازم ہوں، انکو بھی بات کی ترغیب دو کہ وہ جماعت کی نماز پڑھا کریں۔ نماز سے جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے، نیکیوں کی تحریک ہوتی ہے اور ان بدیوں اور گناہوں سے محفوظ رہتا ہے۔ تم پر بھی لازم ہے کہ روحی اصول اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرو اور خلفائے راشدین اور سلف صالح کے طریقہ زندگی کو اختیار کرو۔ جب کئی مشکل کا پیش کئے، تو خدا سے دعا کرو کہ وہ تمہیں اس کے حل کرنے کی توفیق دے اور وہ پہلو سمجھائے جو سراسر نیک ہو۔ پھر اس بات کی کوشش کرو کہ وہ کام ایسے طریقے سے انجام دیا جائے، جو خدا کے احکام اور رسول اللہ کی ہدایتوں اور نصیحتوں کے خلاف نہ ہو۔ اس کے بعد اس کام پر بات ڈالو اور انصاف کو کبھی اور کسی معاملہ میں بات سے منہ دو۔ ہر معاملہ کا، جو تمہارے عزیزوں اور دوستوں سے تعلق رکھتا ہے، یا جنہی لوگوں کے متعلق ہو، انصاف کے موافق فیصلہ کرو۔ اسکا بالکل خیال نہ کرو کہ تم اس فیصلہ کو پسند کرتے ہو یا ناپسند کرتے ہو۔

شریعت کے عالموں اور قرآن مجید پر عمل کرنے والوں کو سب لوگوں پر ترجیح دو اور انکو اپنی صحبت میں شریک کرو، کیونکہ ایسا ان کے لیے جو چیز سب سے بڑھ کر ماننا ہو سکتی ہے، وہ دینداری اور خدا شناسی ہے۔ یہ چیز ہے جو نیکیوں اور بھلائیوں کی ہدایت کرتی ہے اور مملکت برائیوں اور بدیوں سے باز رکھتی ہے۔ جب خدا کسی انسان کی توفیق دیتا ہے، تو وہ خدا کی عظمت اور جلال کو ہمیشہ پیش نظر رکھتا ہے اور آخرت میں بلند ترین درجات پر پہنچنے کی تمنا کرتا ہے۔ اگر تم بھی اس ہدایت پر عمل کرو، تو آخرت میں وحانی ترقی تم کو نصیب ہوگی، دنیا میں ہر شخص تمہارے ساتھ عزت و توقیر سے پیش آئے گا، تمہارا رعب اہل دنیا پر طاری ہوگا، وہ تمہارے ساتھ محبت اللہ کے پیش آئینگے اور تمہارے انصاف پر بھروسہ کرینگے۔

وَالْخَاصَّةُ "اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے" اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ "

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۳۹ ہر ایک کام میں جب کو تم شرع کرو، یا انجام دو، اعتدال کو کبھی بات سے نڈا اور ہمیشہ خیر الامور اور وسطیہ پر عمل کرو۔ افراط و تفریط سے بچنا اور ہر کام میں توسط اختیار کرنا ایسا عمدہ طریقہ ہے کہ اس سے زیادہ مفید اور عمدہ طریقہ ان بخش کوئی طریقہ نہیں ہے۔ اعتدال ہدایت کی طرف رہبری کرتا ہے اور ہدایت اس بات کی دلیل ہے کہ خدا نے خوش قسمتی اور کامیابی کا منظر اُس شخص کی آنکھوں کے سامنے پیش کیا ہے جو ہدایت کے طریقے پر چلتا ہے۔ اعتدال ہی پر نہر سب کا مدار ہے اور شریعت بار بار اسی کی تاکید کرتی ہے تم بھی دنیا میں اعتدال و توسط اختیار کرو۔

عزیز بیٹے! تم ہمیشہ آخرت کی طلب میں ہو اور نیک کام کرنے میں ہمیشہ آمادگی ظاہر کرو اور یاد رکھو کہ دنیا میں کوشش کرنے کی کوئی انتہا نہیں ہے یہ نیکی کرنے سے کوئی مقصد اس کے سوا نہیں ہے کہ تم خدا کی خوشنودی حاصل کرو اور آخرت میں خدا کے دوستوں اور اُس کے نیک و مقبول بندوں کا قرب تکملاً حاصل ہو۔ اگر تم اعتدال اور توسط اختیار کرو گے تو دنیا میں تمہاری عزت ہوگی اور تم گناہوں اور بدیوں سے بچو گے۔ اس سے بہتر کوئی طریقہ ایسا نہیں ہے جس سے انسان کے تمام کام درست ہوں پس تم کو بھی اسی طریقے پر چلنا چاہیے تاکہ تمہارے سب کام درست ہوں اور تمہاری عزت و روقت لوگوں کی نگاہوں میں زیادہ ہو۔ خدا کی نسبت تم ہمیشہ نیک گمان رکھو۔ تمہاری رعیت بھی ہمیشہ تمہاری نسبت نیک گمان رکھیں گی۔ ہر کام میں خدا سے عجز و نیاز کے ساتھ التجا کرنے کو اپنی کامیابی کا ذریعہ تصور کرو، تاکہ ہمیشہ اُس کی نعمتیں اور برکتیں تم پر نازل ہوں، ہر شخص کی نسبت جب کو تم کوئی کام سپرد کرو، نیک گمان کرو اور بغیر کسی محمول و جب کے اُس کے کام کی نسبت بگمانی نہ کرو۔ تمہارا فرض یہ ہے کہ الزام لگانے سے پہلے ہر کام کا امتحان کرو اور اُسکی حقیقت معلوم کرو۔ یہ معنی اسلئے کہا کہ لوگوں کی نسبت بگمانی کرنا اور اُن پر بیجا طور سے الزام لگانا شریعت میں سخت گناہ ہے پس تم اپنے دوستوں اور ملازموں کے ساتھ ہمیشہ حسن ظن سے پیش آؤ۔ بغیر تحقیق کے کبھی اُن کے کاموں کی نسبت بگمانی نہ کرو اور اُن پر الزام نہ لگاؤ۔ دیکھنا شیطان تمہارے طریقہ زندگی میں کوئی خیر نہ پائے ورنہ وہ تمہاری ادنیٰ کمزوری کو کافی سمجھ گا اور تم کو بگمانی میں ڈال کر غم میں مبتلا کر دیگا۔ اور

(۳) حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کہیں میری دعا مستجاب ہو تو میں

سلہ ابو علی فضیل بن عیاض نہایت مشہور و معروف صوفی ہیں۔ ابتدائیں ایورہ اور سرخس کے مابین راہزنی کیا کرتے تھے۔ لیکن یکایک خدا کی طرف سے ہدایت ہوئی۔ توبہ کر کے مقام کو ذرا ریاضت میں مشغول ہوئے۔ اور زمرہ کا ملین اور رباب طریقت میں شمار ہوئے۔ کتاب المعارف میں اصحاب الحدیث کے ذیل میں ابن قتیبہ نے آپ کا تذکرہ لکھا ہے۔ ہارون الرشید عباسی کے عہد میں مقام مکہ معظمہ (بحیثیت ایک مجاور) باہر محرم شہادہ اشغال فرمایا تفصیلی حالات کے لیے تذکرہ صوفیہ اور ابن خلکان دیکھو۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۰ تمھارے عیش کو مکڈار اور تمھاری زندگی کو تیرہ و تار کو ڈالیکا۔ خوب سمجھ لو کہ جنہ سے ایک عجیب طاقت اور راحت انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اگر تم لوگوں کی نسبت نیک گمان رکھو گے تو تمھاری تمام غمیں پوری ہوئیں گی اور بے کام درست رہیں گے اور لوگ تم سے محبت کریں گے۔ مگر یہ بھی خیال رہے کہ اگر شخص عیش پر مجبور نہ ہو کر گئے اور اپنے ملازمین کے ساتھ حد سے زیادہ مروت اور مہربانی سے پیش آو گے اور اپنے ہاں پر اس نہیں کرو گے اور اپنے کاموں پر نظر نہیں رکھو گے۔ تو اسکا انجام یہ ہوگا کہ تمھارے ہر انتظام میں خلل آجائے گا اور تمھارا ہر کام نادرست ہوگا۔ تمھارا فرض یہ کہ اپنے ماتحتوں اور ملازموں کے کاموں پر نظر رکھنے اور رعیت کے باب میں حسیما ط کرنے اور انکی اصلاح و بہبودی پر متوجہ ہونے اور ان کی ضرورتوں اور حاجتوں کو پیش نظر رکھنے کو سب کاموں سے زیادہ مقدم سمجھو۔ یہ وہ طریقہ ہے جس سے دین قائم رہتا ہے اور سنت نبوی زندہ ہوتی ہے۔ جب تم اس طریقہ پر عمل کرو، تو اپنی نیت کو ہر حال میں خالص رکھنا۔

عزیز بنے! تم کو سب سے پہلے اپنے نفس کی اصلاح کرنی چاہیے اور ہمیشہ اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ کل تمھارے بٹے اور بھلے کاموں کی نسبت سوال کیا جائے گا۔ براہیوں پر تم کو سزا دی جائیگی اور نیکیوں پر تم انعام پاؤ گے۔ خدا نے دین کو دنیا کی امن و امان اور حفاظت اور اہل دنیا کی بہبودی اور آسائش کے لیے پیدا کیا ہے۔ جس پر تمھارا فرض یہ ہونا چاہیے کہ تم جن لوگوں پر حکومت کرتے ہو، انکے ساتھ دینداری کے طریقے سے پیش آؤ اور شریعت کی ہدایتوں کے بموجب اپنے برتاؤ کرو۔ خدا نے جرائم کی جو حدیں قائم کر دی ہیں، انکو جاری کرو اور مجرموں کو انکے جرموں کے موافق سزا دو اور اس میں ذرا غفلت اور کوتاہی نہ کرو۔ اگر تم مجرموں اور بدکاروں کے سزا

یہی دعا مانگوں کہ خداوند اس سلطان عادل مرحمت فرمائے،

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۱- دینے میں کوتاہی کر دے، تو عام آدمی تمہاری نسبت مہنگائی کرینگے اور ان کا خیال تمہاری نسبت اچھا نہیں رہیگا۔

دین کے احکام پر عمل کرنے میں تم ہمیشہ اس بات کا خیال رکھو کہ جو ہدایتیں واضح اور روشن ہیں انکو اختیار کرو اور جن باتوں میں شبہ ہو انکو بالکل ترک کر دو اس سے فائدہ یہ ہے کہ تمہارا ایمان قائم رہیگا اور تمہاری دینداری میں کوئی فرق نہیں آئیگا۔

جب تم کوئی معاہدہ کرو تو اسکو ضرور پورا کرو۔ اور کسی آدمی سے نیکی اور بھلائی کا وعدہ کرو، تو اسکا پورا کرنا بھی تم پر لازم ہے۔ نرمی کی باتوں کا ہمیشہ نرم جواب دو۔ اپنی رعیت کے عیبوں سے چشم پوشی کرو۔ جھوٹ بولنے اور فریب کی باتیں کرنے سے زبان کو بند رکھو۔ جو لوگ جھوٹ بولنے اور فریب کی باتیں کرنے کی عادت رکھتے ہوں ان سے تم ہمیشہ دشمنی رکھو۔ چغلیوں کو بدگوئی اور غیبت کی سزا دو، کیونکہ ایسے آدمیوں کو صحبت میں رکھنے اور انکو جھوٹ بولنے پر حرات دلانے تمہارے موجودہ اور آئندہ کاموں میں ضرور خلل آئیگا۔ جھوٹ بولنا تمام گناہوں کی ابتدا ہے اور تمہارا لگانا اور غیبت کرنا انکی انتہا ہے۔ چغلی آدمی کا کوئی دوست نہیں ہوتا اور جس شخص میں یہ سہوہہ اور خراب عادت ہوتی ہے اسکا کوئی کام پورا نہیں ہوتا، نیکچل اور استیلا آدمیوں سے تمکو ضرور محبت کرنی چاہیئے۔ شریفیوں کی اعانت کرو، مگر اسی حالت میں جبکہ وہ حق پر ہوں۔ کمزوروں کی غواہی کرو۔ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ غرض کہ ہر ایک گروہ کے اور ہر قسم کے آدمیوں کے ساتھ عمدہ برتاؤ کرو مگر ہر وقت اور ہر حالت میں یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے خدا کی خوشنودی اور اس کے احکام کی فرمانبرداری کرنا مقصود ہے اور تم اپنے حسن سلوک کی جزا اہل دین سے نہیں بلکہ آخرت میں خدا سے پاؤ گے۔

نا جائز ارادے اور ظلم و ستم کے دلو لے اپنے دلیں پیدا نہ ہونے دو اور اپنے تئیں ہمیشہ اُن سے دور رکھو اور رعیت پر ظاہر کرو کہ تم ظلم و ستم نہیں کرو گے اور اپنے کسی ناجائز ارادہ کو پورا کرنا نہیں چاہو گے۔ سیاست کے ساتھ ہمیشہ انصاف کو مدنظر رکھو۔ اور رعیت کے معاملات کا جو فیصلہ کرو، وہ ہمیشہ حق پر ہو اور انکی نسبت پہلے سے

(۱۱) شریعت

بادشاہ پر واجب ہے کہ فرض و سنت اور احکام شریعت کے قائم رکھنے کی کوشش کرے۔ اور علمائے ملت کی رغبت و حرمت کرتا ہے۔ اور بیت المال سے انکو وظائف دیئے جائیں اور یہی طریقہ پرہیزگاروں سے برتے۔ اور یہ معمول کرے کہ ہفتہ میں دو ایک مرتبہ علمائے دین سے

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۲ ایسی معلومات حاصل کر لو جو راہ راست سے تمکو منحرف نہ ہونے دے غصہ کی وقت ہمیشہ اپنے نفس کو قابو میں رکھو اور تحمل اور بردباری کو ہر کام میں ترجیح دو۔ خود بینی اور غور سے اپنے تئیں محفوظ رکھو، اور کبھی یہ خیال نہ کرو کہ میں جو حکومت کرتا ہوں جو چاہوں کر سکتا ہوں، کیونکہ یہی وہ چیز ہے جس سے ارادے کا فاسد ہونا اور خدا کی عظمت و جلال پر یقین نہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ خدا کی نسبت تم ہر وقت اپنی نیت کو خالص رکھو اور اس کی عظمت و مجربوت کو ہمیشہ پیش نظر رکھو اور یہ خوب جان لو کہ اس دنیا کی حکومت خدا کے کسی کے لیے نہیں ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے سلطنت اور حکومت عطا کرتا ہے۔ اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے جو لوگ دنیا میں حکمرانی کرتے ہیں اور اسودگی اور دولتندی میں ڈوبے ہوئے ہیں جب وہ خدا کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں اور اس کے ساتھ نافرمانی اور سرکشی سے پیش آتے ہیں تو بہت جلد ان کی حسرت اور ثروت پر زوال آتا ہے اور بہ جنتی کا عذاب ان پر نازل ہوتا ہے

محرم و طبع کو اپنے پاس نہ لے دے اور جو غزلے اور ذخیرے تم جمع کرتے ہو، وہ ایسے ہونے چاہئیں کہ تم انکو حقداروں میں تقسیم کرو اور رعیت کی بہبودی اور آسائش میں انکو صرف کرو۔ نیکیوں اور بھلائیوں میں انصاف اور عدالت میں، رعیت کی اصلاح اور ملک کی آبادی میں لوگوں کی جاتیں محفوظ رکھنے اور مظلوموں کی فریاد سننے میں جانتک تم سے ہو سکے کوشش کرو اور کبھی ان امور سے غافل نہ ہو۔ جب دولت کے اتنا لگاتے ہیں اور خزانوں میں وسیع کثرت کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے تو اس میں کبھی ترقی اور پیشی نہیں ہوتی جب تک کہ انکو رعیت کی بہبودی اور حق رسائی میں صرف نکلیا جائے۔ اگر تم میری اس ہدایت کا خیال نہ رکھو گے تو رعایا کی حالت

حاکم سے اور رائے قرآن و حدیث سیکھے اور شاہان عادل کے قصص و حکایات سنے۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۴ درت ہوگی، ملک کو رونق اور سرسبزی حاصل ہوگی اور تمھاری حکومت مضبوط اور تمھاری مملکت محفوظ ہو جائیگی۔ تمکو ہمیشہ اپنے خزانوں کو سلام اور اہل اسلام کی حمایت اور حفاظت میں صرف کرنا چاہیے۔ جو لوگ سیر المؤمنین کے غیر خواہ اور وفادار ہیں انکا اور رعایا کا حق تمکو اپنے خزانوں سے نکالنا چاہیے اور ہمیشہ ایسی تدبیر کرنی چاہیے جس سے رعیت کو آسائش اور بہبودی حاصل ہو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو خدا کی نعمت جو تمکو دی گئی ہے پائدار اور برقرار رہیگی، بلکہ وزیر و ناس میں اضافہ ہوگا اور خراج کے وصول کرنے اور رعیت سے مطالبہ کار میں حاصل کرنے پر تم پہلے سے زیادہ قادر ہو گے اور تمھارے احسان و انصاف کے سبب تمام آدمی تم ہی اطاعت اور فرمانبرداری پر پہلے سے زیادہ کمر بستہ ہونگے اور جو انتظام تم جاری کرنا چاہو اُسکو وہ نہایت آسانی سے قبول کرینگے نئے نصیحت اس لیے کی ہے کہ تم اُس پر اپنی پوری توجہ مبذول کرو اور اپنی فضیلت اور خوبی سب اسی نصیحت پر عمل کرنے میں تصور کرو۔ تمکو سمجھنا چاہیے کہ جو مال خدا کی راہ میں صرف کیا جاتا ہے وہ کبھی رائیگاں نہیں جاتا، بلکہ باقی اور پائدار رہتا ہے۔

تمکو لازم ہے کہ جو لوگ تمھارے احسان کا شکر یاد کریں اور تمھارے ساتھ اطاعت و رخصت کا اظہار کریں، انکے ساتھ تم بھی جس سبک اور فیاضی سے پیش آؤ۔ اور ایسا نہ کہ دنیا تمھیں دھوکا دے اور ناز و نعمت میں پڑ کر اپنی عزت کو بھول جاؤ اور ان حقوق کے پورا کرنے میں سستی کرو جو تمھاری گردن پر ہیں۔ یاد رکھو کہ سستی کرنے کا نتیجہ افراط و تفریط ہے اور افراط و تفریط کا نتیجہ ہلاکت ہے تمھارا ہر کام صرف اس غرض سے ہونا چاہیے کہ تم اُسکے ذریعے سے خدا کو راضی کرو اور اُسی سے ثواب کی توقع رکھو یہیں بار بار اسیلے کہتا ہوں کہ خدا ہی نے تم پر اپنی نعمتیں نازل کی ہیں اور وہی تم پر کامل مہربانی کر سکتا ہے۔ وہ ان لوگوں کو جو اُس کا شکر نہ ادا کرتے ہیں زیادہ نعمت عطا کرتا ہے اور دنیا کی کرنیوالوں کو ان کی نیکی اور بھلائی کی عمدہ جزا دیتا ہے۔

کسی گناہ کو تمھارے لئے، تھوڑا جو کسی حاسد کے ساتھ نرمی اور دجلوںی سے پیش نہ آؤ۔ کسی بدکار پر جرم نہ کرو کسی ناشکیبے کے ساتھ فیاضی سے پیش نہ آؤ۔ کسی دشمن کے ساتھ چکنی چٹری باتیں نہ کرو، کسی بدگو اور جھوٹو کی بات میں ہاں نہ ملاؤ، کسی جھوٹا و گھڑا احسان نہ کرو۔ کسی گنہگار آدمی کے دوست نہ بنو۔ کسی ریاکار کی تعریف نہ

جب یہ صحبت ہو، اس وقت دنیاوی مشاغل سے اطمینان ہونا چاہیے۔ اور ایسے جلسہ میں علی کو حکم دے

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۴۔ کسی غیور کو محروم اور نا اُمید نہ جانے دے۔ ایسی انسان کو تحارت اور ذلت کی نظر سے نہ دیکھو۔ یہودہ باتوں سے ہمیشہ نفرت کرو کسی کے ساتھ ملہنی اور دل لگی سے پیش نہ آؤ۔ جو وعدہ کر دیا سکو پورا کر کے رہو اور فضول باتوں اور حقائق باتوں میں اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ کبھی غصہ کا اظہار نہ کرو۔ کبھی تعریف کی خواہش نہ کرو۔ جب جیلو تو اکڑ کر نہ چلو۔ آخرت کی باتوں میں اس قدر منہمک نہ ہو جاؤ کہ دنیا میں کوئی کام نہ کر سکو کسی ظالم سے ڈر کر اس کے افعال سے چشم پوشی نہ کرو۔ جو انعام ملے آخرت میں ملیگا، ایسی دنیا میں خواہش کرنا طاقت ہی جو لوگ حق میں کامل مہارت رکھتے ہیں ان سے ہمیشہ مشورہ لیتے رہو اور ان کے مشورہ کو تحمل سے سنو۔ جو لوگ تجربہ کار اور دانشمند ہیں ان کی رسلے پر عمل کرو۔

تحمل سے زیادہ کوئی چیز یہی نہیں ہے، جس سے رعیت کی مصلح و انتظام کے کاموں میں خلل واقع ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی تم یہ بھی یاد رکھو کہ اگر تم جہلیں ہو گے تو رعیت سے زیادہ وصول کرو گے اور ان کو بہت کم دے گے اس صورت میں تمہاری بہت ہی کم کام پورے ہوں گے، کیونکہ رعیت تمہارے ساتھ اسی حالت میں محبت کر سکتی ہے جبکہ تم ان کی دولت کی پروا نہ کرو، ان کے ساتھ ظلم و ستم سے پیش نہ آؤ سب سے پہلے تم ان لوگوں کے ساتھ احسان کرو جو تمہارے دوست اور وفادار ہوں اور تمہاری حکومت کے خیر خواہ ہوں۔ ان کے ساتھ خوب فیاضی سے پیش آؤ اور اس موقع پر ہرگز بخل نہ کرو۔ یاد رکھو کہ یہی سب سے پہلی نافرمانی ہے جو انسان سے ظہور میں آتی ہے اور جو لوگ نافرمان ہیں، وہ یقیناً ذلیل و خوار ہوں گے۔ خدا فرماتا ہے کہ جو لوگ اپنے نہیں بخل سے بچتے ہیں وہی کامیاب ہوتے ہیں۔ تم اس آیت کو بہر وقت مد نظر رکھو اور مسلمانوں کا حصہ اپنے خزانے میں سے ہمیشہ نکالتے رہو اور اس بات پر یقین کر لو کہ فیاضی خدا کے بندوں کے سب سے عمدہ اور پاکیزہ افعال میں سے ہے۔ تم بھی اسکو اپنی عادت اور خصلت بنا لو۔ مگر تمہاری کوئی فیاضی بے محل اور بے موقع نہیں ہونی چاہیئے۔

فوج کے متعلق جو امور دفتروں اور رجسٹروں میں درج ہوں، ان پر ہمیشہ تم اپنا خیال رکھو۔ ان کی تنخواہیں وقت پر ادا کرو۔ ان کی خدمات کے لحاظ سے ہمیشہ ان کی تنخواہوں میں اضافہ کرتے رہو، تاکہ وہ فاقہ زدہ اور تنگ حال نہ ہوں۔ اس سے ان کی قوت اور سمیت میں ترقی ہوگی اور وہ نہایت خلوص اور وفاداری کیساتھ تمہارے حکموں پر گردن جھکا دینگے۔ حکمرانوں کے لیے اس سے بڑھ کر کامیابی اور خوش قسمتی کی کوئی دلیل نہیں ہو سکتی کہ

کہ وہ مناظر ہمدرد کریں اور جس مسئلہ کو نہ جانتا ہو وہ دریافت کرے اس اصول کی پابندی

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۵۔ وہ اپنی فوج اور رعایا کے ساتھ رحم و انصاف اور نیکی و فیاضی سے پیش آئیں۔ اگر تم اس نصیحت پر عمل کرو گے اور اس ہدایت کو اپنا شعار بنا لو گے، تو تم کامیابی اور بہبودی سے محروم نہیں ہو گے انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا خدا کو اس قدر پسند ہے کہ اس کے مقابلہ میں نہ کوئی چیز وقعت رکھتی ہے نہ کوئی چیز اس قدر مقبول ہے۔ انصاف وہ میزان ہے جس میں خدا کے بندوں کے افعال تو سے جالتے ہیں۔ انصاف پر فیصلہ کرنی اور انصاف کے موافق کام کرنے سے رعیت کی حالت درست ہوتی ہے ملک میں امن و امان کی روشنی پھیلتی ہے غلطیوں میں اپنی بے کسی اور غفلت و غیبت کی دوا ہوتے ہیں۔ لوگوں کے حقوق ضائع نہیں ہوتے۔ ان کی زندگی آسائش اور بہبودی سے بھر پور ہوتی ہے۔ وہ حکمرانوں کے فرمانبردار ہوتے ہیں۔ ان کی غزنیوں و جانبیں محفوظ ہو جاتی ہیں اور مذہب کے احکام پر ہر شخص کی گردن جھکنے لگتی ہے۔

یہ سب عین نیچے! تم بھی خدا کے احکام پر گردن جھکاؤ اور انکو جاری کرنے میں سعی سے کام لو۔ ظلم و ستم سے اپنے آپ محفوظ رکھو۔ شریعت کی حدیں قائم کرو، مگر کسی کام میں جلدی نہ کرو اور گھبراہٹ اور بے قراری کی علامتیں اپنے چہرہ پر نہ بظاہر نہ ہونے دو جو تجربے تکون صل ہو چکے ہیں اسے فائدہ اٹھانے میں ذرا غفلت نہ کرو۔ خاموشی میں چوکتے اور ہوشیار رہو اور بولنے میں ہمیشہ سچائی اور سنجیدگی سے کام لو۔ دشمنوں سے بھی انصاف کے ساتھ پیش آؤ جب کسی معاملے میں شک و شبہ ہو تو اس میں تامل کرو اور صبر و محبتوں اور روشن اور واضح دلیلوں کی تلاش میں ہونا اپنی رعیت میں سے کسی شخص کی جنبہ داری اور بیجا حمایت نہ کرو۔ نہ کسی شخص کی طعن اور ملامت کی پروا کرو۔ تمکو ہمیشہ ہر کام میں استقلال سے کرنا چاہیے اور فیصلہ کرنے سے پہلے خوب سوچنا اور سمجھنا اور اس کے بہرہلو کو ٹھونکنا چاہیے۔ تمہارے دل میں اس کے سوا کوئی خواہش نہیں ہونی چاہیے کہ جو معاملہ تمہارے سامنے پیش کیا جائے اس میں حق کو معلوم کر کے اس کے موافق فیصلہ کرو اور جو بات ناحق ہے اس کو رد کرو۔ تمہارا نام کو تم اپنی تمام رعیت کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ اور جس طرح تم اپنے حکومت کرتے ہو وہی طرح ہمیشہ یہ خیال کرو کہ حق تمہارے حکومت کرتا ہے۔ کسی شخص کی جان لینے میں جلدی نہ کرو، کیونکہ ناحق کسی کی جان لینا خدا کے نزدیک ایسا بڑا گناہ ہے جس کی برابر کوئی گناہ نہیں ہو سکتا۔

چند روز میں خود بخود ہو جائیگی۔ اور بہت مانہ نہ گزرنے پا سکا کہ اکثر احکام شریعت اور تفسیر القرآن و

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۶ جو خراج زمینوں سے وصول کیا جاتا ہے اور ملکی انتظامات میں صرف کیا جاتا ہے، اس پر اپنی پوری توجہ مبذول کرو۔ یہی وہ چیز ہے جس سے رعیت کی حالت درست ہوتی ہے۔ اسلام کو ترقی ہوتی ہے اور اسلام قوت اور عظمت حاصل کرتے ہیں۔ لہٰذا مخالفوں کا حد شعلہ زن ہوتا ہے۔ اور جو کفار مسلمانوں کے دشمن ہیں ان کی ذلت ہوتی ہے جن لوگوں سے خراج وصول کیا جاتا ہے وہ اپنا اس طرح لگنا چاہیے کہ انصاف کے خلاف نہ ہو۔ خراج عام طور پر سب سے وصول کرنا چاہیے اور کسی کو معاف نہیں کرنا چاہیے۔ نہ کسی شریف کو اس سبب کہ وہ شریف ہے، نہ کسی دولت مند کو اس سبب کہ وہ دولت و ثروت رکھتا ہے، نہ کسی کاتب کو اس سبب کہ وہ تعماری پیشی میں رہتا ہے، نہ کسی اپنے بھتیجا یا ملازم کو اس سبب کہ وہ تمہارا مصاحب یا ملازم ہے، مگر اسکے ساتھ ہی یہ خیال رکھنا چاہیے کہ خراج کی جو مقدار کسی شخص سے وصول کرو وہ ایسی ہوئی چاہیے جو اس کی طاقت اور استطاعت کے موافق ہو، اور اسکے وصول کرنے میں جبر و زیادتی نہ ہو، نہ کسی چاہیے۔ اس برباد سے ہر شخص ضامن ہو گا اور سب یہ سمجھیں گے کہ اگر خراج کے وصول کرنے میں کسی سختی ہوتی ہے تو وہ حقیقت کسی ایک پر نہیں ہے، بلکہ سب پر ہے۔

خوب یاد رکھو کہ جن لوگوں پر تم حکومت کرتے ہو لہٰذا تم ہی فضا اور خراج مقرر کیے گئے ہو۔ جو لوگ تمہاری حکومت کے سایہ میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ رعیت اس لیے کہلاتے ہیں کہ تم ان کے راعی اور نگہبان ہو وہ اپنی آمدنی میں سے جو کچھ تم کو دیتے ہیں اس سے یہ غرض ہے کہ تم ان کی اصلاح حالت اور ان کی بہبودی میں صرف کرو جن لوگوں کو تم پر حکومت کرنے کے لیے مقرر کرو، وہ ایسے ہونے چاہئیں جن کی رسلے صاف ہو، جو تجربہ کار ہوں، جو اپنے فرائض منصبی سے کامل طور پر واقف ہوں۔ جو سیاست اور حکومت کی قابلیت رکھتے ہوں، اور جو دیندار اور نیکدل ہوں۔ ان کی تنخواہیں پیش قراں مقرر کرو اور یہ ایک ضروری بات ہے جس سے تم کو کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔ اگر تم میری نصیحت پر عمل کرو گے اور اپنے فرائض کو جو تمہارے ذمہ ہیں نہایت مستعدی اور سرگرمی سے انجام دو گے تو خدا اپنی برکتیں تم پر نازل کرے گا۔ اس کی نعمتیں تمہارے لیے روز افزوں ہوں گی۔ غدا ہی شہرت اور ناموری تمام دنیا میں پھیل جائیگی۔ تمہاری رعیت تم سے محبت اور الفت کیساتھ پیش آئیگی۔ ان کی عام بہبودی اور آسائش کو

احادیث نبوی سے واقفیت پیدا ہو جائیگی۔ اور پھر اگر کوئی چاہے کہ عقائد مذہبی سے اُسکو برگشتہ
 بقیہ نون صفحہ ۳۴۳ ترقی ہوگی۔ نیکیاں اور بھلائیوں تمھارے ملک میں پھیل جائیں گی۔ آبادی اور سرسبزی عام طور
 پر تمام ملک میں نظر آئے گی۔ تمھاری حکومت کی آمدنی میں ہر روز اضافہ ہوتا رہے گا۔ تمھارے خزانے بھر پور ہوں گے
 تمھاری فوج طاقتور ہوگی۔ عام لوگوں کو اپنی فیاضی کے ذریعہ سے تم مسخر کر سکو گے۔ تمھارے انصاف اور تمھاری سچائی
 کا چرچا دشمنوں میں بھی پھیل جائیگا اور وہ تمکو رشک و حسد کی نظر سے دکھیں گے۔ ہر ایک ملکی انتظام کے سر انجام دینے
 کے لیے تمھارے پاس کافی سامان اور کافی قوت مہیا ہوگی۔ پس تمکو لازم ہو کہ میری اس ہدایت کو پیش نظر رکھو اور
 اس طریقہ پر کسی اور طریقہ کو ترجیح نہ دو، کیونکہ اگر خدا نے چاہا تو اُسکے سب سے تمھاری تعریف ہر شخص کی زبان جاوے گی
 اپنے ملک کے ہر ضلع میں تم ایک ایسے مستعد شخص کو مقرر کرو، جو وہاں کے حاکم کی طرز حکومت اور طریقہ انتظام اور اُسکے
 چال چلن اور دیگر ضروری حالات سے تمکو ہمیشہ مطلع کرتا رہے۔ اس سے فائدہ یہ ہو کہ ہر حاکم اور عامل جو بطور سب
 کے تمھاری طرف سے کسی ضلع پر حکومت کرتا ہوگا، وہ ہمیشہ یہ خیال کرے گا کہ تم ہر وقت اُسکے سر پر ہواؤں گے کی کوئی بات
 ایسی نہیں ہے جس سے تم غرور و ابرو نہ ہوتے ہو، اپنے نائبوں اور ملازموں کو جب تم کوئی حکم دو، تو ہمیشہ یہ خیال کرنا چاہیے
 کہ اُسکا کیا انجام ہوگا۔ اگر اُسکا انجام تمکو اچھا دکھائی دے، تو اُسکو فوراً جاری کر دو، ورنہ نال کر دو اور اُن لوگوں سے
 مشورہ کرو جو اہل بصیرت اور صاحب علم ہوں۔ غرض کہ ہر حکم سچ سمجھ کر دینا چاہیے۔ کیونکہ اکثر ہوتا ہے کہ جب انسان
 کسی کام کو شروع کرتا ہے تو اُسکا اپنی عقل کے موافق اندازہ کرتا ہے اور وہ اندازہ غلط ہوتا ہے۔ پھر اُسکو اپنی مرضی کی موافق
 سر انجام دیتا ہے اور وہ سر انجام دینا اُس کام کو تباہ کرنا ہوتا ہے۔ انجام پر نظر ڈالنے کا ہمیشہ یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ کام کو بجا
 نہ آوے اور اُس کی درستی اور صلاح کا وقت بات سے سلجھتا ہے۔ پس تمکو لازم ہو کہ جس کام کو کرو، احتیاط اور ہوشیاری
 سے کرو۔ ہر کام کو بذات خود انجام دو۔ ہر کام کے شروع کرنے سے پہلے تمھارا یہ فرض بھی ہونا چاہیے کہ تم اُسکے
 انجام پانے کی خدمت سے دعا مانگو اور اُس سے نیکی اور بھلائی کی درخواست کرو۔ آج کا کام تم کو آج ہی انجام دینا چاہیے
 اور اُسکو کل پر چھوڑنا نہیں چاہیے۔ کیونکہ کل جو کام تمکو کرنا ہو وہ آج کے کام سے تمکو باز رکھتا ہے اور اتنی مہلت نہیں دیتا
 کہ تم اُسکے ساتھ اُسکو بھی انجام کر سکو گے۔ خوب یاد رکھو کہ جو دن گزر گیا وہ اپنا کام بھی ساتھ لے گیا۔ اگر ایک دن کام میں
 بھی تاخیر ہوتی ہے، تو دوسرے دن وہ کام کرنے پڑتے ہیں اور اُن دنوں کا انجام دینا مشکل جلتا ہے۔ اگر تم ہر دن

کر دے تو نہ کر لگے گا۔ اور رعایا کو بھی حصول علم دین کی رغبت پیدا ہو جائیگی۔ حدیث میں آیا ہے کہ بادشاہ

بقیۃ نوح صفحہ ۲۴۸ کام اسی دن کرتے رہو گے، تو اپنے نفس اور بدن کو آرام دو گے اور تمہارا کوئی کام ادھورا نہیں رہے گا۔

جو لوگ شریف سن سیدہ اور تجربہ کار ہوں جن کی نیک نیتی خیر خواہی اور محبت کا ثبوت بار بار مل چکا ہو انکو اپنا خالص دست اور خیر خواہ سمجھو اور انکے ساتھ حسن سلوک اور فیاضی سے پیش آؤ۔ جو شریف آدمی تباہ حال اور غلس چوچے ہوں، انکی اصلاح حالت کی کوشش کرو۔ اور ان کی پرورش اور خبر گیری کرتے رہو۔ محتاجوں اور مسکینوں اور ان لوگوں کو بھی ہمیشہ عطا رکھو جو اپنے معاملے کو تمہارے سامنے پیش کرنے کی قدرت نہیں رکھتے اور جنگو اپنے حقوق سے آگاہی نہیں ہے اسنے نرمی اور دیکھ بھال کے ساتھ انکا حال پوچھو اور انکے معاملے کی تحقیق کرو اور ان کی خبر گیری کے لیے ایسے شخصوں کو مقرر کرو جو نیک نیت اور نیک دل ہوں اور ان کو حکم دو کہ وہ کامل تحقیق کے بعد انکے معاملات کا انصاف اور رحمدلی سے فیصلہ کریں اور ان کی ضرورتوں کو پورا کریں یا مناسب حکم کے لیے انکے معاملے کی رپورٹ تمہارے پاس بھیجیں۔ جن لوگوں پر کوئی سختی اور مصیبت نازل ہوئی ہو، انکے اور یتیموں اور بیوہ عورتوں کے لیے اپنے خزانے سے روزیہ مقرر کرو۔ اس باب میں تمکو امیر المؤمنین کے طریقہ کی پیروی کرنی چاہیئے۔ تم انکے ساتھ معاہدہ بانی سے پیش آؤ اور انکو بددعا اور انکے ساتھ دلی پھردی کا اظہار کرو۔ تاکہ انکی زندگی تلخی اور تکلیف میں بسر نہو اور تمہاری زندگی اور مال میں خدا برکت دے اور تمہیں قیامت کے دن اسکا ثواب ملے۔

جو لوگ قرآن مجید کے حافظ ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں انکو بہ نسبت دوسروں کے بہت المال سے حصہ دینے میں ترجیح دو اور ان کی خبر گیری اور دیکھ بھال کو مقدم جانو۔ بیماروں کے لیے شفا خانے تعمیر کرو، جن میں وہ آرام سے رہ سکیں اور ان کی خدمت اور خبر گیری کے لیے شفا خانوں میں ملازم مقرر کرو۔ تاکہ جس چیز کی ان کو ضرورت ہو، وہ فوراً اس کو مہیا کریں۔ انکے علاج کے لیے ایسے طبیب ملازم رکھو۔ جو تجربہ کار ہوں اور جو اپنے فن میں کامل مہارت رکھتے ہوں۔ ان تمام امور میں تمکو خرچ کرنے کی اجازت ہے، جب تک کہ فضول خرچی اور اسراف کا الزام تم پر نہ لگایا جائے۔

یاد رکھو کہ لوگوں کے حقوق جب بالواسطہ ادائیگے جاتے ہیں تو وہ اس بات پر قانع نہیں ہوتے، بلکہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ بذات خود حاکموں کے روبرو پیش ہو کر اپنے معاملہ کو پیش کریں۔ کیونکہ اس طرح ان کو یہ امید ہوتی ہے کہ انکی چھی طرح

کے وسط سے اچھی چیز امریکا پاکیزہ مذہب ہے۔ کیونکہ ملکیت اور مذہب مثل دو بھائیوں کے ہیں۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۹۔ حق رسی ہوگی اور انکے معاملے پر کا حق توجہ کی جائیگی۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ حکومت کرتے ہیں اور لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرتے ہیں جب انکے سامنے بہت سے معاملات پیش ہوتے ہیں۔ اور بہت سے مقدمات کا انبار ہو جاتا ہے تو وہ انکی کثرت کو دیکھ کر گھبراجاتے ہیں اور پوری توجہ سے ہر معاملے کو طے نہیں کرتے۔ اور محنت اور شفقت کرنے سے جی بچاتے ہیں، مگر ملکویاد رکھنا چاہیئے کہ جو شخص خدا کے بندوں سے بے پروائی کرے ساتھ پیش آتا ہے اور انکے معاملات پر پوری توجہ نہیں کرتا، وہ اس شخص کے برابر کبھی نہیں ہو سکتا جو انصاف کے درپے ہو اور جو نیک نامی اور ثواب کا خواہاں ہو۔ پس تکو لازم ہے کہ تم لوگوں کو بے تکلف اپنے پاس لائے اور عرض معروض کرنے کی اجازت دو اور بالمشافہ اپنے گفتگو کرو اور انکے معاملات اور مقدمات پر توجہ کرنے کے لیے اپنے حواس کو جمع رکھو۔ اور ان کی ہر بات کو اطمینان سے سُنو اور انکے ساتھ نرمی اور مہربانی اور خندہ چہنپی سے پیش آؤ جو سوال تم اُسے کرو وہ نرمی اور آہستگی سے کرو۔ اگر وہ جانتے ہوں تو اُنکے ساتھ فیاضی کا برتاؤ کرو اور جب کسی کو کچھ دے تو ہمیشہ ہنس مکھ ہو کر دے۔ اور سپر خرمی کا اظہار کرو اور اُسے نہ کسی معاذ خدا کی توقع رکھو، نہ ان پر کوئی حسد جتاؤ۔ اگر تم ایسا کرو گے، تو یہ ایک ایسی تجارت ہوگی، جس کا فائدہ تم آخرت میں پاؤ گے۔

جو حکماء تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور جو قومیں زمانہ سلف میں برباد ہو چکی ہیں، اُنکے حالات کو مطالعہ کرو اور اُسے عبرت حاصل کرو۔ پھر اپنے ہر کام کو خدا کی مرضی اور خوشنودی کے دائرے میں محدود کرو۔ اُسکے احکام پر گردن جھکاؤ اُس کی شریعت پر عمل کرو۔ اُسکے دین کو قائم کرنے میں سرگرم رہو۔ جو بات سنت الہی کے برخلاف ہو اور جس سے خدا کی ناراضی اور ناخوشی کا اندیشہ ہو، اُسکو بیک سخت ترک کرو۔ تمہارے نائب جمیع کرتے ہیں، سپر ہمیشہ نظر رکھو۔ ناجائز طریقے سے جمع نہ کرو اور بیجا طور پر سپر نہ کرو۔ علماء کو اپنی مجلسوں میں شریک کرو اور اپنے مشرہ کرتے رہو۔ اپنی خواہشوں کو شریعت کے تابع کرو اور نیکیوں کے پھیلائے میں مستعدی کے ساتھ کوشش کیے رہو۔ تمہارے سب سے زیادہ مقرب اور عزیز دوست وہ لوگ ہوں، جو تمہارے عیبوں کو دیکھ کر اُنکے ظاہر کا نہیں کبھی بالکل نہیں اور خلوت و جلوت میں ہمیشہ حق بات کہیں اور اس کی پروا نہ کریں کہ نکتہ چینی کرنے سے تم اُسے ناراض ہو جاؤ گے۔ اگر ایسے آدمی ملو مستیاب ہوں۔ تو یہ سمجھ لینا کہ وہ تمہارے نہایت خیر خواہ دوست ہیں اور

جب ملک میں انقلاب ہوگا تو مذہب میں بھی رخنہ پڑے گا۔ اور جب مذہب میں فتور ہوگا تو سلطنت پر بھی اس کا اثر ہوگا۔
حضرت شفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب سے اچھا بادشاہ وہ ہے جو اہل علم سے صحبت رکھتا ہو اور سب سے بُرا وہ عالم ہے کہ جو بادشاہ سے ملتا جلتا ہو۔
لقمان حکیم کا قول ہے کہ دنیا میں انسان کا سب سے اچھا دوست علم ہے۔ اور علم غفلت سے بہتر ہے۔ کیونکہ ہلکے غفلت کی نگہبانی کرنی پڑتی ہے اور علم خود ہمارا محافظ ہوتا ہے۔

۱۷ حضرت شفیان ثوری اپنے زمانے کے مشہور امام اور مجتہد ہیں، اور ان مشاہیر میں کچھوں نے ابتداءً علم حدیث کی تدوین کی منصوبہ عباسی کے عہد میں بمقام بصرہ ۱۷۱ھ میں انتقال کیا۔ تاریخ انتقال یہ ہے
آگے شفیان ثوری نام است مرشد خاص و رہبر عام است
مرقد عیش بصرہ ہاں سال ترحیل او ہمای چہاں
ابن خلکان جلد اول صفحہ ۴۱ و مفتاح التواریخ صفحہ ۴۰

۱۸ لقمان، موزن نے صراحت کی ہے کہ لقمان بنی نہ تھے بلکہ نہایت نامور حکیم تھے جس کے باشندے تھے۔ اور بنی اسرائیل میں کسی کے غلام تھے۔ لیکن ان کے مالک نے دولت کثیر دیکر آزاد کر دیا تھا۔ یہ زمانہ حضرت داؤد علیہ السلام کا تھا۔ لقمان کا یہ قول حکمت اور نصیحت ہے: "معارف ابن قتیبہ دنیوی صفحہ ۱۹ بقیہ نوٹ صفحہ ۲۵۰۔" انکی قدر کرنا تھا اور فرض ہے۔

تجو عال اور محاسب اور کاتب تھا اسے پاس روزانہ لاتے ہوں، انکے لیے دن کا ایک خاص وقت مقرر کرو۔ تاکہ وہ اپنی ضرورتوں کو تمھارے سامنے پیش کر سکیں اور رعیت اور اضلاع کے حالات سے ملکہ مطلع کر سکیں جب کوئی معاملہ تمھارے سامنے پیش کیا جائے، تو اپنی پوری قوت لے کر سمجھنے اور اس کی نسبت حکم دینے میں صرف کرو اور پوری قوت اس بات پر مبذول کرو کہ اسکا فیصلہ کیا ہو نا چاہیے۔ بار بار اُس پر غور و فکر کی نظر ڈالو اور انصاف اور مہوشیاری سے اُسکو طے کرو جس معاملہ میں کوئی شبہ ہو، اُسکو سوچنے اور تحقیق کرنے کے لیے دوسرے وقت پر بٹھا رکھو۔
اپنی رعیت میں سے کسی آدمی پر احسان نہ جتاؤ اور اپنے احسان کا جو صلہ تم رعیت سے چاہو، وہ یہی ہونا چاہیے کہ

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ”میں اسکو قاتل نہیں سمجھتا ہوں جو عربی علم ادب کا مہر ہو بلکہ عاقل وہ ہے جو مختلف علوم جانتا ہو۔ اگر ایک شخص ترکی، فارسی یا رومی زبان میں تفسیر قرآن کا عالم ہو۔ مگر عربی زبان نہ جانتا ہو تو وہ بھی عالم ہی۔ ہاں اگر اس مقدس زبان سے واقف ہو تو بہت اچھا ہے۔ کیونکہ کلام مجید عربی میں نازل ہوا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی زبان تھی۔“
چونکہ بابر شاہ ظل اللہ تھا تو ہاں لہذا اسکو صاحب علم ہونا چاہیئے تاکہ کوئی حکم جہالت پر محمول نہ ہو۔ جو بادشاہ دانشمند ہوے ہیں دیکھو انکا نام آجتا کیسا مشہور ہے! اور حقیقت میں یہی وہ ہیں کہ

۱۵ حضرت حسن بصری مشہور تابعین میں سے ہیں۔ علاوہ تبحر علمی کے زہد و پارسائی کا بھی نمونہ رکھتے تھے اور اپنے ہمدر کے ممت افصحا میں شمار کیے گئے ہیں۔ یہ زمانہ یزید ابن عبدالملک کی حکومت کا تھا۔ چنانچہ عمر ابن حبیرہ والی عراق و خراسان کے دربار میں جواب سوال اطاعت یزید اور تفرج حسن بصری نے کی ہے وہ ان کی آزادی اور حق پسندی کی بڑی دلیل ہے۔ **مسئلہ** بمقام بصرہ انتقال فرمایا۔ ابن خلکان صفحہ ۱۲۸ جلد اول۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۵۱۔ وہ امیر المومنین کی حکومت کے خیر خواہ اور وفادار ہوں۔ تمھاری تمام فیاضیاں جو رعیت کے ساتھ ہوں وہ صرف اسی بات پر محدود ہونی چاہئیں۔

میں آخر میں یہ بات لکھنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ تم میرے اس خط کو بار بار پڑھو اور خوب سمجھ کر پڑھو اور جو نصیحتیں اور ہدایتیں میں نے اس میں درج کی ہیں ان پر عمل کرو اور ہر کام میں جسکو تم انجام دینا چاہو، خدا سے مدد مانگو اور اس سے نیکی اور بھلائی کی درخواست کرو۔ کیونکہ خدا کی رحمتیں اور برکتیں انھیں لوگوں پر نازل ہوتی ہیں جو نیک عمل کرتے ہیں۔ غرض کہ تمھاری زندگی کا ہر کام ایسا ہونا چاہیئے جس سے خدا کی رضا مندی اور خوشنودی حاصل ہو۔

غیر مذہب اور غیر قوم کے جو لوگ تمھاری حکومت کے سایہ میں زندگی بسر کرتے ہیں انکو یہودی اور فرقاؤ آسائش حاصل ہو۔ ملک میں انصاف و امان و امان کی روشنی پھیلے۔ اب میں دعا کرتا ہوں کہ خدا ان نصیحتوں پر عمل کرنے والی لوگوں کو توفیق دے اور تم اپنی زندگی اور حکومت میں کامیاب ہو۔ والسلام۔ منقول از معارف جلد ۱۴ نمبر ۱۔ مستحضر مولوی محمد عزیز الرحمن عزیز اصل خط کے سے دیکھو تاریخ کامل ابن اثیر

جنکے کارنامے قیامت تک بانی رہیں گے۔ اس فہرست میں فریدوں، سکندروں، اردشیر، نوشیروان، عالم
امیر المومنین فاروق اعظم، حضرت عمر بن عبدالعزیز، خلیفہ ہرون الرشید، مامون الرشید، معتمد بالله،
امیر اسماعیل بن احمد ساسانی، اور سلطان محمود غزنوی کا نام اہل ہجو۔

یہ وہ جلیل القادریں ہیں جنہوں نے دنیا میں تھے، جنکے واقعات سے تاریخ کے صفحات مزین ہیں۔ لوگ ان کے
حالات پڑھتے ہیں اور وہ عاقلانہ یاد کرتے ہیں۔ (فصل آٹھویں سیاست نامہ)

(۱۲) نظارت

ناظر (اشراف) وہ مقرر کیا جائے جس پر پورا بھروسہ ہو۔ تاکہ وہ دربار کے واقعات کو سمجھ بوجھ کر
ضرورت کی وقت بیان کیا کرے۔ اطراف و جوانب میں یہ خبر اپنے ماتحت خود روانہ کر لیا۔ مگر جو لوگ
بھیج جائیں وہ اپنے رسلے کے مستحکم اور دیانتدار ہوں تاکہ انکو ہر قسم کا علم ہوتا رہے۔ انکے مصارف
میت المال سے وقت معینہ پر ادا کیے جائیں، ایسا نہ کہ ان کی تنخواہوں کا بار رعیت پر پڑے اور
وہ رشوت لینے لگیں۔ (فصل نہم سیاست نامہ)

(۱۳) محکمہ وقائع نگاری و چرچہ نویسی

بادشاہ پر واجب ہو کہ وہ اپنی رعایا اور فوج کے حالات سے کچھ نہ کچھ ضرور واقف ہو۔ عدم تفتیش
کے لیے قرب و بعد کا عذر معیوب ہو۔

جن بادشاہوں کو اپنی رعایا اور فوج کا حال معلوم نہیں ہو، ان پر غفلت اور مستحکم نگاری کا الزام عائد

کیا جاتا ہے۔ کیونکہ جو بدہنسیاں اور دست بردازیاں اسکے عہد سلطنت میں موتی ہیں۔ ان کی نسبت کھ سکتے ہیں کہ ان حالات سے بادشاہ واقف ہوا یا بیخبر ہے۔ اگر اسکو علم ہے اور پھر بد نظمیوں کا تدارک نہیں کر سکتا ہے تو اوروں کی طرح وہ بھی ایک ظالم ہے۔ اور گویا خود اسنے علانیہ ظلم کرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ بادشاہ واقف نہیں ہے، تو اس سے زیادہ خفیت اور کیا ہو سکتی ہے؟ بہر حال یہ دونوں صورتیں ناپسندیدہ ہیں۔ اسلئے ضرور ہو کہ واقعہ نگاری کا دفتر قائم کیا جائے۔

زمانہ جاہلیت اور اسلام میں یہ طریقہ جاری تھا کہ ہر کاروں کے ذریعہ سے ہر قسم کی خبریں جلد جلد بادشاہ تک پہنچا کرتی تھیں۔ چنانچہ ہندوہ سومیل کے فاصلہ پر اگر ایک پولا گھاس یا ایک مرغ کوئی زبردستی

۱۔ واقف حالات کے لیے پرچہ نویس اور واقعہ نگاروں کی ابتداء ان اسلام میں امیر المومنین فاروق عظیم کے عہد میں ہوئی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کی بڑی کوشش اس بات پر مبذول رہتی تھی کہ ملک کا کوئی واقعہ اسنے نہ بھٹے اور انھوں نے انتظامات ملکی کے ہر حصہ پر پرچہ نویس اور واقعہ نگار مقرر کر رکھے تھے۔ جسکے سبب ملک کا ایک ایک جزئی واقعہ ان تک پہنچتا تھا۔ بلکہ گھروں کی چار دیواری کے اندر کسی ملکی معاملہ پر گفتگو ہوتی تھی تو وہ بھی آپ کو معلوم ہو جاتی تھی۔ اسی طرح پر خفا سے عباسیہ کے عہد میں بھی انتظام تھا۔ چنانچہ مامون الرشید کی نسبت مورخوں نے لکھا ہے کہ سرے سے جو غور و خوض مقرر تھیں جو تمام دن شہر میں پھرتی تھیں اور شہر کا کچا چھٹا اسکو پہنچا کرتی تھیں لیکن مامون کے سوا کسی کو انکے نام و نشان سے اطلاع نہ تھی۔ ایسا ہی زبردست انتظام دور دراز کے صوبوں اور بڑے بڑے اضلاع کے متعلق تھا اور روزانہ ڈاک براہ راست مامون الرشید تک پہنچتی تھی۔ چنانچہ یہ سلسلہ تمام پچھلے مسلمان و ہونو میں جاری رہا۔ اور عہد مغلیہ میں بھی الدین اورنگ زیب عالمگیر پر اس انتظام کا خاتمہ ہو گیا۔ چنانچہ دربار میں عالمگیر کی زبان سے ایسے فقرے نہ بجاتے تھے جہاں ظہور کچھ دنوں کے بعد ہوتا تھا۔ اور اکثر شاہان مامون کے محاصرے خطوط۔ اور احوال کے افسانوں کا مضمون لفظ طوطے سے پہلے بتا دیتا تھا۔ جس کی وجہ سے لوگ عالمگیر کو ایک شہر و خیمہ والی اور عارف بانہ سمجھتے تھے۔ تاہم ہندوستان کی سرحدوں اور محاذ و مشن مقامات پر اسکے پرچہ نویس مقرر تھے جن میں اکثر صوفی ہوتے تھے اور بعض مجنون و مجذوب کے لباس میں ہا کرتے تھے۔“

چھین لیتا۔ تو اس کی بھی خبر بادشاہ کو ہو جاتی تھی۔ اور محض اطلاع پر یہ واقعہ ختم نہ ہوتا تھا بلکہ ملزم سزا پایا ہوتا تھا۔ اور تمام ملک میں بادشاہ کی بیداری کی دہوم بچ جاتی تھی۔

لیکن فی حقیقت یہ کام بہت نازک ہے۔ واقعہ نگاری کی خدمت ایسے لوگوں کے سپرد ہونا چاہیے کہ کب زبان اور قلم بگمائی کے دہسوں سے پاک ہوں۔ اور ان میں خود غرضی نہ ہو، کیونکہ اس گروہ سے ملک کا امن و امان قائم رہتا ہے اور یہ گروہ خاص بادشاہ کی ذات کا نوکر ہے۔ ان کی تنخواہ بھی ٹھیک وقت پر دینا چاہیے تاکہ دلی اطمینان سے یہ اپنا کام کیے جائیں۔ اور تمام حوادث کی اطلاع کرتے رہیں۔ ایسے بادشاہ کے عہد سلطنت میں کسی کو بغاوت کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہ بادشاہ کی تادیب سے ڈرتے ہیں۔ بہر حال پرچہ نویسوں کی تقرری بادشاہ کے عدل اور بیدار مغزی اور قوت فیصلہ پر دلالت کرتی ہے۔ اور اس صیغہ کو ملک کی آبادی میں بڑا دخل ہے۔

مثال جب سلطان محمود غزنوی نے عراق پر قبضہ کیا تو کچھ دہلوچ کے قزاقوں نے رباط دیکر چین پر ڈاکہ ڈالا چنانچہ ایک بڑبیا کا بھی مال و سبابٹ گیا۔ اُسے اگر سلطان سے فریاد کی

لے کر مان کے پاڑی جرگوں میں کچھ دہلوچ چوری اور غارتگری میں ضرب المثل میں چنانچہ فردوسی طوسی اور حکیم قطران کے یہ شعرا سندا پیش کئے جاتے ہیں

فردوسی

ہم از پہلوی پارس کچھ دہلوچ ز گملاں جنگی دوشست سہلوچ
سپاہے بکر دار کوچ دہلوچ سگالندہ جنگ مانند کوچ
ذکوہ دہلوچ دوشست سہلوچ برفتند خنجر گزاران کوچ

حکیم قطران

ہستند اہل فارس ہراساں زکاہرین زانسان کہ اہل کراماں ترسان دزد کوچ

کہ "یا تو میرا مال دلا دے یا اسکا معاوضہ ادا کر" سلطان نے کہا مجھے خبر نہیں ہو کہ دیر کچیں کہاں ہو؟
 بڑھیا بولی کہ اے سلطان! اس قدر ملک فسخ کر جسکے جغرافیہ سے تو واقف ہو سکے۔ اور اسکا انتظام
 کر سکے۔ اس عاقلانہ جواب کو سلطان نے تسلیم کیا اور کہا کہ ہاں تو بیچ کھتی ہو۔ لیکن یہ بتا کہ یہ ڈاکو
 کس طرف سے آئے تھے، اور کون تھے؟ بڑھیا نے کہا کہ یہ کوچ پلوچ کے جرگے تھے جو کرمان کے قریب
 رہتے ہیں۔ یہ سن کر سلطان نے کہا کہ کرمان تو میری سرحد سے باہر اور میرے ملک سے بہت دور ہے
 میں انکا کوئی انتظام نہیں کر سکتا ہوں۔

بڑھیا نے کہا ہاے افسوس!! اسی برے پرہشتا ہی کا دعویٰ ہے۔ وہ بادشاہ کیا جو اپنی سلطنت
 کا انتظام نہ کر سکے۔ اور وہ چرواہا کیا جو اپنی بکریوں کو بھیریے سے نہ بچا سکے؟ پس میرا تنہا اور
 ضعیف ہونا۔ اور تیرا فوج و لشکر رکھنا دونوں برابر ہیں، یہ جواب سن کر محمود آبدیدہ ہوا اور بڑھیا کو
 اطمینان دلایا کہ میں ان ڈاکوؤں کا انتظام کرتا ہوں اور تیرا مال واپس دلاتا ہوں۔ بعد ازاں بڑھیا
 کو بہت کچھ دے دلا کر رخصت کر دیا۔ اور بوعلی الیاس امیر کرمان کو حسبِ قیل نامہ لکھا۔

بنتِ عراق نے کی خواہش نہ تھی۔ میں تو ہمیشہ سے ہندوستان کے جمادین مشغول تھا۔ لیکن جب
 میرے پاس متواتر عرضیاں پہنچیں کہ دیالمہ نے عراق میں غدر مچا رکھا ہے اور مسلمانوں کے گھر لوٹ
 رہے ہیں اور ان پر طرح طرح کے ظلم کرتے ہیں۔ علاوہ اسکے مذہبی معاملے میں بے اعتدالیاں کر رہے
 ہیں۔ اور سال میں دو تین مرتبہ رعایا سے خراج وصول کیا جاتا ہے۔ مجد لدولہ اپنے کوشا ہنشاہ کہلاتا

سلطہ دیر کچیں۔ اصفہان کے قریب ایک پڑاؤ کا نام ہے۔ اور یہ وہ مقام ہے جس جگہ بہرام گور کے واسطے اس کے تابق
 نمان بن منذر نے مشہور معروف محل شہ در (سدیر) تعمیر کیا تھا۔ لیکن اس کے بعد عوام نے اسکا نام دیر کچیں
 رکھ دیا۔ ہجرتی آثار عجم حالات بہرام گور۔

چاہتا ہے۔ مذہب زمانہ دہ اور بواطنہ ہر شہر و نواح میں پھیل رہا ہے۔ صنایع مطلق کا انکار ہے۔ نماز و روزہ حج۔ زکوٰۃ، سب کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ ایسے ایسے ہندوستان کے غزوات کو چھڑ کر عساکر کا قصد کیا ہے۔ میری تلوار لے کر دیا لہ، زمانہ دہ، بواطنہ کی بیخ کنی کر دی ہے۔ چنانچہ بہت قتل ہو چکے ہیں۔ اکثر بھجائے گئے ہیں، بعض گرفتار ہیں۔ اور خراسان کی حکومت ان بزرگوں کے پڑ کر دی ہے جو ان کے دشمن ہیں اور عراقیوں سے دفتر پاک کر دیا گیا ہے۔ اور مجھے خدا نے محض اس لیے پیدا کیا ہے کہ ملک کو مفندوں سے پاک و صاف کر کے چھپے لوگوں سے دنیا کو آباد کروں۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مفندان کو حج بلوج لے کر رباط دیکھین پڑا کہ ڈالا ہے۔ لہذا میں چاہتا ہوں کہ تم انکو گرفتار کرو اور دیکھتی کا مال برآمد کر کے قزاقوں کو پھانسی دیدو۔ یا ان سب کو گرفتار کر کے ہمارے حضور بنیام سے بھیجو۔ تاکہ ان کے حوصلے آئندہ کو پست ہو جائیں اور کرمان سے چلکر میرے ملک میں لوٹ مار نہ کریں۔ اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل نہ کی تو یاد رکھو کہ کرمان بمقابلہ سومنات بہت قریب ہے۔ ابوعلی ایاس سلطان کا نامہ پڑھ کر خوف زدہ ہو گیا۔ اور قاصد کو بہت کچھ انعام دیا۔ اور اپنی عرض کے ہمراہ جو اہرات خوش رنگ و ظرافت دریا، اور سونے چاندی کی بدیاں بھی روانہ کیں۔ عرضی کا مضمون یہ تھا۔ میں تو سلطان کا فرمانبردار غلام ہوں۔ مگر کرمان کی کیفیت اور میری حالت سلطان کو معلوم نہیں ہے۔ میری طرف سے لیٹروں کو کسی قسم کا ایما نہیں ہے۔ اور کرمان کی رعایا سنی المذہب ہے۔ اور کوچ بلوج کی پہاڑیاں کرمان سے علیحدہ ہیں اور اسکا راستہ بھی پہاڑوں اور دریاؤں کے سبب بہت دشوار گزار ہے۔ ان ڈاکوؤں سے میں بھی عاجز ہوں۔ کیونکہ عموماً چوراہے مفند ہیں اور انکی وجہ سے تجھ کو میل راستہ پر خطر ہے۔ اور دن رات لوٹ مار کیا کرتے ہیں۔ چونکہ بڑا جتھا ہے میں تنہا مقابلہ نہ

طاقت نہیں رکھتے ہوں۔ اس کی تدبیر سولے سلطان کے اور کوئی نہیں کر سکتا ہے۔ میں ہر حال میں فرمانبردار ہوں جو حکم ہو اس کی تعمیل کروں۔

سلطان نے بوعلی کا جواب پڑھ کر سمجھ لیا کہ جو کچھ لکھا ہے وہ سچ ہے۔ اور قاصد کو خلعت دیکر خدمت کیا اور امیر سے کھلا بھیجا کہ تم کرمان کی فوجوں کو اکٹھا کر کے انکو جاجا سردار پھیلادو۔ اور فلاں مہینے کے خاتمے پر کرمان کی سرحد پر پہنچ جاؤ۔ اور جس طرف کوچ بلوچ ہوں اُسی جانب قیام کرو جس وقت ہمارا قاصد مع فلاں نشان کے تم سے ملے اُسی وقت کوچ کر دینا۔ اور ان پہاڑیوں میں گھسکر چھوٹے بڑوں کو قتل کرنا، اور عورتوں اور بوڑھوں سے جس قدر مال ملے وہ سب انہیں کر کے بھیج دینا تاکہ انکے مالکوں کو دیدیا جائے۔ غرض کہ جب قاصد چلا گیا تو سلطان نے منادی کرانی کہ جو سودا گریز دار کرمان کو جانا چاہتے ہیں۔ وہ سامان سفر درست کریں۔ اور میں انکے ہمراہ بدرقہ روانہ کروں گا اور یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ جسکا مال کوچ بلوچ غارت کرینگے اسکا تاوان خزانہ شاہی سے دیدیا جائیگا۔ منادی کے ہوتے ہی بمقام سے بے انتہا سوداگر جمع ہو گئے اور سلطان نے وقت معین پر قافلہ روانہ کرادیا۔ اور ایک سردار کو مع ڈیڑھ سو اوروں کے بطور بدرقہ کے روانہ کر کے سمجھا دیا کہ میں تمہارے پیچھے فوج روانہ کرتا ہوں مطمئن رہنا۔ اور رخصت کے وقت ایک شیشہ زہر قاتل کا اُس سے سپرد کر دیا اور یہ ہدایت کی کہ وہ جب تمہارا قافلہ صفحہ پہنچ جائے تو وہاں ٹھہر جانا اور تھینا دس خروا سیب اصفہانی خرید کر کے اپنے ہمراہ رکھ لیں۔ جب دیکھنا کہ کوچ بلوچ کی سرحد قریب آگئی ہو اور صرف ایک ات کی منزل باقی ہو اُس وقت کسی تیز آلے سے سیبوں میں سوراخ کر کے زہر پھینک کر دینا۔ اور جن دس اونٹوں پر سیب لکھ دیے

انکو چھوڑ دینا کہ وہ تمام قافلہ میں پھینچیں اور خوجوں میں سیب اس انداز سے رکھنا کہ سب کو
 نظر آئیں جب دیکھتوں سے سامنا ہو تو لڑائی کو مال دنیا کیونکہ ان کی تعداد زیادہ ہوگی اور
 جو سیب ہی مسلح ہوں وہ قصداً ڈیرہ میل پیچھے رہیں مجھے یقین ہے کہ بڑا حصہ انکا سیب کھاتے ہی پاک
 ہو جائیگا۔ تھوڑی دیر کے بعد ملواریں دشمن کا مقابلہ کرنا۔ اور یہ انکو بھی دیتا ہوں بوعلی کے پاس
 بزرگ خاص سوار کے بھیج دینا۔ اور جہاں تم ٹھہرنا وہاں بوعلی کو بلانا۔ وہ مع فوج پہنچے گا۔
 میر قافلے نے عرض کیا کہ "میرادل گواہی دیتا ہے کہ سلطان کی حکمت عملی کارگر ہوگی اور ملک
 ان کئیڑوں سے پاک ہو جائیگا۔" اور قافلے کا کوچ کر دیا۔ اصفہان پہنچ کر سیب خریدے گئے پھر
 قافلہ یہاں سے کرمان چلا گیا۔ قافلے کی آمد سنکر بلوچی بھی اول سے تیار بنے تھے۔ اور چونکہ
 قافلہ نہایت عظیم الشان تھا۔ یہ لوگ بھی چار ہزار مسلح جوانوں سے مقابلے کو تیار ہوئے۔ جب چوڑے
 گھاٹی پندرہ میل رہ گئی اسوقت لوگوں نے میر قافلے کو اطلاع دی کہ بلوچی جرگے آپ کے نظر بیٹھے
 ہیں۔ سو اگر یہ خبر وحشت اثر سنکر ڈر گئے۔ مگر میر قافلے نے انکو اطمینان دلایا اور کہا "تمھارے نزدیک
 جان بہتری یا مال۔ سب نے کہا کہ جان کے مقابلے میں مال کیا مال ہے۔ میر قافلے نے کہا کہ میں
 تمھارے مال پر اپنی جان فدا کر نیو موجود ہوں اور جبکہ سلطان کی جانب سے تمکو مال کا پورا معاوضہ
 ملے گا تو اب تردد کس بت کا ہے۔ خدا نخواستہ سلطان کو تم سے یا مجھ سے عدوت نہیں ہے کہ وہ ہلکے معر
 بلاکت میں ڈالنا۔ تم مطمئن رہو علی الصباح دیکھنا کہ کیا ہوتا ہے۔ اور انشاء اللہ ہم ہی کامیاب ہوں گے
 لیکن تم سب میرے کہنے پر عمل کرنا۔ چنانچہ میر قافلے نے سب کو اپنی کارروائیوں سے مطلع کر دیا
 اور شب کے وقت تمام سیب ہر لوڈ کر لائے۔ اور ساربانوں کو ہدایت کر دی کہ جب تفرق قافلے میں

گھس پڑیں اور میں بھاگنے کا قصد کروں۔ اُس وقت تم سیب نے میں پر پھینک دیا اور خود بھی بھاگ جانا۔“ غرض کہ میرے قافلے نے انتظام کر کے اُدھی رات کو کوچ کر دیا۔ سوچ بچنے پر لیسروں نے تیس طرف سے حملہ کیا۔ میرے قافلے نے ناشی طور پر دو تین تیر چلائے اور آخر کو مقابلے سے گریز کیا۔ اور جوج ڈیڑھ میل کی مسافت پر پڑی ہوئی تھی اُس سے جا ملا۔ اور سب سپاہیوں کو جمع کر کے مقابلے پر آمادہ کیا اور ہذا قوتوں نے میدان صاف دیکھ کر اطمینان سے سیب کھانا اور گٹھریاں کھول کر دیکھنا شروع کیا بلکہ جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے اُنکو بھی اُنھوں نے سیب تقسیم کیے۔ غرض کہ سبھوں نے سیب کھائے مگر ایک گھنٹہ نہ گزرا تھا کہ سب غش کھا کر گرے لگے۔ جب ہدایت سلطان جب میرے قافلے نے اُن کو جا کر دیکھا تو اکثر کومرہ پایا۔ اور چونکہ امیر ابوعلی الیاس کی بھی فوج پہنچ گئی تھی۔ لہذا اٹھینا دس ہزار بوجی قتل ہوئے اور بے انتہا مال غنیمت ہات لگا۔ امیر ابوعلی نے یہ سب باب سلطان کی خدمت میں بھیج دیا۔ اور سلطان نے منادی کرادی۔ چنانچہ تمام ملک سے لوگ آتے تھے۔ اور اپنا مال بچاؤں خوش خوش لے جاتے تھے۔

اسکے بعد سلطان نے پرچہ نویسوں کو مقرر کر دیا۔ تمام ملک سے ہر قسم کی خبریں پہنچتی تھیں اور سلطان اُنکی تدانی کرتا تھا۔

زمانہ قدیم سے حکمران خبر رسانی بادشاہوں کے یہاں قائم تھا۔ لیکن سلجوقیوں نے اس طرف توجہ نہیں کی جو جس کی تصدیق ذیل کے واقعہ سے ہوتی ہے۔

سلطان شہید الپ ارسلان سے ایک دن ابو الفضل سکری نے پوچھا کہ حضور نے پرچہ نویسوں کو کیوں نہیں مقرر کیا؟

فرمایا تم چاہتے ہو کہ میرا ملک برباد ہو جائے، اور میرے خیر خواہ مجھ سے چھوٹ جائیں؟
ابو الفضل نے کہا کہ یہ کیونکر ممکن ہے۔ کہا سُنو جب میں اُنکو مقرر کروں گا تو جو میرے دوست ہیں
وہ یہ سبب اتحاد اور سچی محبت کے اُن کی کچھ بھی پروا نہ کریں گے اور جو حقیقت میں دشمن ہیں وہ
اس گروہ سے دوستی پیدا کریں گے۔ جبکہ یہ نتیجہ ہو گا کہ قانع نگاہ رہنما دوستوں کے مخالف اور
دشمنوں کے موافق خبریں سنائیں گے۔ اور خبریں خواہ اچھی ہوں، یا بُری، میں دونوں کو منسلق
کے سمجھتا ہوں، کیونکہ جب متواتر تیر اندازی کی جائیگی تو اخیر میں کوئی نہ کوئی تیر نشاہ پر لگ جائیگا
یعنی دوستوں کی طرف سے دل میں کدورت اور دشمنوں کی جانب سے محبت بڑھتی جائیگی
اور آخر کو یہ نوبت پہنچے گی کہ جو دوست ہیں وہ دل سے دور ہو جائیں گے اور بجائے اُنکے دشمن قریب
پہنچ جائیں گے۔

(اے نظام الملک) لیکن میری رائے میں اس گروہ کا رکھنا اصول سلطنت میں داخل ہے اور لبتہ
یہ ضرور ہے کہ لوگ اعتبار کے ہوں۔ (فضل ہم سیاست نامہ)

(۱۴) محکمہ جاسوسی

بادشاہ کو چاہیے کہ تمام اطراف سلطنت میں سوداگروں، سیاحوں، صوفیوں، دوا فروشوں

۱۵۔ دیکھ گیارہ میں جو کچھ خواجہ نظام الملکؒ لکھا ہے اُن کا ایک ضمیمہ ہے جاسوسی کا محکمہ آج بھی تمام مہذب ممالک میں ہے۔ اور اُن کی کارروائی
نہایت حیرت انگیز ہوتی ہے۔ چنانچہ دولت عثمانیہ میں بھی اس صنف کی کارروائی اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے اور ہماری گورنمنٹ کی طرف سے ہندوستان
میں بھی یہ محکمہ ہے۔ مگر ورکے مقابلے میں ابھاری حالت میں ہے۔ اور ہندوستانی رہائشیوں میں سرکار نظامِ عثمانیہ ملک کی اہمیت
نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے۔ گزشتہ دربارِ عثمانیہ ۱۲۹۷ء میں اس محکمے نے قابل تعریف کام کیے ہیں۔ عربی تاریخوں میں یہ محکمہ
جبریل اور صاحب البرید کے نام سے موسوم ہے اور جس کے ذمہ ڈاک کا بھی انتظام تھا۔

درویشوں کے لباس میں جاسوس نہ لایا گیا کرے۔

اور انکا یہ فرض ہونا چاہیے کہ وہ تمام ملک کی خبریں بادشاہ تک پہنچائیں، اور کوئی واقعہ پوشیدہ نہ رہے۔

اس محکمہ کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ ملک میں نئے نئے فتنے نہیں اٹھ سکتے ہیں، کیونکہ اکثر ہوا ہی کہ عمال وغیرہ نے دہر سر اٹھایا اور جاسوس کی اطلاع پر یکا یک بادشاہ نے موقع پر پہنچ کر تدارک کر دیا۔ یا اگر کسی بادشاہ نے دوسری طرف سے ملک گیری کا قصد کیا تو اس بادشاہ نے پہلے سے اپنا انتظام کر لیا ہے۔ اور بسا اوقات رعایا کے بہت سے بگڑے ہوئے کام جاسوسوں کی خبر پر پہنچ گئے ہیں جیسا کہ صدر الدولہ کا واقعہ مشہور ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بادشاہوں نے عدل و انصاف کے واسطے بڑی بڑی کوششیں کیں ہیں۔

سلطان دہلی میں عضد الدولہ سے زیادہ بیدار، زیرک، اور مدبر کوئی بادشاہ نہیں ہوا ہی چنانچہ اس بادشاہ کا یہ قسم مشہور ہے کہ ایک دن کسی خزانے نے بادشاہ کو پرچہ لکھا کہ بجا سرکار فلاں ہم پر ہیں جارہا تھا۔ شہر کے چھانکے ٹھکانے ٹھکانے دو سو قلم لکھا ہو گا کہ راستے میں ایک جوان سے ملاقات ہوئی جسکا چہرہ زرد تھا۔ اور گردن و رخساروں پر زخموں کے نشان تھے۔ مجھے دیکھا کہ اس نے سلام کیا۔ جواب کے بعد میں نے پوچھا کہ حضرت آپ یہاں کس لیے کھڑے ہیں؟ جواب دیا کہ مجھے ایک شخص کی ضرورت ہے۔ جو ایسے شہر میں لے چلے جہاں کا سلطان عادل اور قاضی منصف ہو۔

میں نے کہا آپ یہ کیا فرماتے ہیں؟ عضد الدولہ سے عادل اور قاضی شہر سے زیادہ ایماندار اور کون ہو سکتا ہے؟ اس نے کہا کہ اگر فی حق بادشاہ عادل اور حالات ملک کا خیر ہو تو اس کے حکام بھی نیک چلن ہوتے۔ لیکن جب کہ اس کے حکام میں میں تو یہ دعویٰ کیونکر کیا جا سکتا ہے کہ عضد الدولہ عادل بادشاہ ہو میری رے میں وہ ضرور غافل ہے۔

میں نے کہا کہ آپ اپنے واقعات بیان کیجئے جس نے بادشاہ و قاضی کی غفلت ثابت ہو۔ اس نے کہا کہ میرا فسانہ طولانی ہے لیکن اب میں اس شہر سے جاتا ہوں تو قصہ مختصر بیان کیا۔ اگر آپ میری کما فی سندا چاہتے ہیں۔ تو چلیے راہ میں عرض کروں گا۔ غرض کہ میں اس سفر کے ساتھ ہوا۔ ایک منزل پر ٹھہر کر اس نے کہا کہ شیخے جناب! میرا مکان اسی شہر کے خان محمد میں ہے۔

تب کہیں ارباب فساد سے دنیا پاک ہوئی ہے۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ بادشاہ کی مستقل رائے خواہ وہ کبھی ملے ہو
بقیہ نوٹ صفحہ ۲۶۲۔ اور اپنے بپ کا نام بتا کر کہا کہ آپ جانتے ہیں وہ کیا امیر اور کس تیر کا شخص تھا؟ جب وہ انتقال
کر گیا تو چند سال تک میں عیش و طرب کے جلسوں میں بڑا رہا۔ اور اسی زمانے میں ایک مملک عارضہ میں مبتلا ہو گیا۔ چونکہ
امیر نہایت منقطع ہو چکی تھی۔ لہذا میں نے منت مانی کہ اگر خدا نے مجھے تندرست کر دیا تو حج و حاکم کو دیکھا جائے۔ خدا نے مجھے
اچھا کر دیا۔ بعد غسل صحت میں نے زیارت خانہ کعبہ کے واسطے سامان سفر درست کیا۔ اور چونکہ شوق جہاد بھی دہس گیا تھا اس لیے
لوٹنے والوں کو بھی (ایک ایک مکان مع دیگر سامان کے دیکر) آزاد کر دیا۔ اور بقیہ سب سب دخت کر کے پاس ہزار دینار
نقد کر لینے۔ پھر خیال آیا کہ سفر خطر پر اس قدر نقدی ہمراہ لیجانا صحت کے خلاف ہے۔ لہذا یہ فیصلہ کیا کہ تیس ہزار دینار کافی
ہیں۔ بقیہ چھوڑنا چاہیے۔ غرض کہ میں نے تانبے کے دو کسے خریدے اور دس دس ہزار دینار دس دو لون میں رکھ دیے
اور اس امانت کے لیے میں نے قاضی القضاۃ کو انتخاب کیا۔ کیونکہ بادشاہ کی طرف سے وہ مسلمانوں کی جان مال کا مالک
اس لیے اس کی جانب خائنیت کا شبہ تک نہیں ہوا۔ اور زراعت قاضی صاحب کے پروردگار کے میں حج کو روانہ ہو گیا۔ حج کے
بعد مدینہ منورہ کی زیارت کی پھر روم کو چلا گیا۔ وہاں مذہبی لڑائی میں چند سال تک الجھا رہا۔ آخر ایک لڑائی میں فتح ہو کر
گرفتار ہو گیا۔ دو چار برس تک وہاں قید رہا۔ لیکن قیصر کے غسل صحت میں تب قیدی رہا ہوئے اُن میں سے بھی چھٹ گیا۔
غرض کہ دس برس کے بعد بحالت تباہ قاضی صاحب کی حضوری نصیب ہوئی۔ دو دن تک قاضی صاحب نے میری طرف
کچھ التفات نہ کیا۔ تیسرے دن جب مجمع کم ہو گیا تو میں قاضی صاحب کے بہت ہی پاس جا بیٹھا اور اپنی معافی خواہی کر لیا
جب میں اپنا سفر نامہ بیان کر چکا اور زراعت طلب کیا اس وقت قاضی صاحب بغیر جواب دیے مجھ سے منٹھے چلے گئے
اور میں غمزدہ چلا آیا۔ چونکہ میری حالت یقیناً تھی لہذا نہ تو میں اپنے گھر جا سکا اور نہ کسی دوست عزیز کے گھر جانے کی جرات
ہوئی۔ اور میری حالت یہ تھی کہ رات کو کسی مسجد میں اور دن کو کسی گوشے میں چھپ کر گزارتا تھا۔ قصہ مختصر کہ دو تین بار
قاضی صاحب سے عرض کیا۔ مگر جب کچھ جواب نہ ملا۔ تب ناچار ہو کر ساتویں دن میں تھکی کی۔ جواب میں ارشاد ہوا کہ تیرے معزز
چل گیا ہے۔ اور مانگوں ہو گیا ہے۔ صعوبت سفر سے واپس میں خشکی آگئی ہے اس لیے مذاہن کا مادہ ہیجان میں آگیا ہے۔ نہ میں
تجھے پہچانتا ہوں اور نہ نفس معاملے کی خبر ہے۔ یاں جس شخص کا تو نام لیتا ہو اُس سے واقف ہوں مگر وہ تو ایک خوب صورت
نوجوان تھا۔ اور عمرہ کپڑے پہنا کرتا تھا۔ میں نے کہا جناب عالی میں وہی بد نصیب شخص ہوں۔ بہتہ زرخوں نے میری صورت

ایک نے بدست فوج سے زیادہ طاقتور ہے۔“

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۶۳ پر۔ بجز وہی ہو۔ لیکن اس کا جواب قاضی صاحب نے یہ دیا کہ ”تیری بکواس سے مجھے درد سر ہوتا ہی نہیں۔ اسی میں ہے کہ چپ چاپ چلا جائے۔ اسکے بعد میں نے عذابِ ثواب پر طولانی تقریر کی اور یہ بھی کہہ دیا کہ مجھے سینس ہزار کے پانچ سو روپے کی نذر ہے جس پر بھی حامی نہ بھری تو میں نے کہا کہ خلاۃً علیہا نصف قبول فرمائیے۔ اور نصف مجھے دینے کے اس وقت نہایت حاجت مند ہوں۔ اگر میرا کہنا باور نہ ہو تو دستاویز لکھا لیجیے، مگر قاضی صاحب کچھ ایسے سنگدل تھے کہ سلطان نہ لے سکیے۔ اور گنا تو دیوانہ ہو گیا ہو۔ میرا کہنا مان اور چلا جاوے نہ دیوانہ قرار دیکر ابھی ہیا رستان (ہسپتال) میں بھجوا دو گئے۔ جہاں تیرے پاؤں میں پیریاں ڈال دی جائیں گی اور جہم بھر دیاں تو پڑاں گے۔

چونکہ اب مجھے مایس ہو گئی تھی۔ لہذا جہم قیدی ہونے کے ڈر سے میں نے ہلکے ہلکے قدم اٹھائے اور رخصت ہوا اور سمجھ لیا کہ قاضی صاحب ایک جہد میں لے گئے البتہ جو حکم دینگے اُس کی فوراً تعمیل ہو جائیگی اور دل کو یوں سمجھا لیا کہ جب قاضی خود ہی ظالم بن جائے تو پھر گونا گیا ہی جو قاضی کی پریش کرے۔

خیال کرنے کی بات ہے کہ اگر عضد الدولہ عادل ہوتا تو آج میری بیس ہزار کی رقم قاضی کے ہات میں نہ پڑی رہتی۔ اور میرا یوں نہ لگا، بھوکا، خانقاں برباد ہو کر دیس سے پردیس کو بن جاتا۔“

جب یہ واقعہ جاسوس نے سنا تو اسے مسافر کی حالت زار پر اس کا دل بھر آیا اور کہا کہ اسے بندہ خدا نامید یوں کے بعد امید پوری ہو اگر کئی ہی تو خدا سے لو لگا وہ سبب لاسباب ہے۔

پھر کہا کہ یہ گناؤں جو سامنے ہی ہیں ایک میرا ہماں نواز دوست بہت ہی براہ مہربانی آپ بھی میرے ساتھ چلے ایک اور تن میں ٹھہر کر گئے چلے گئے۔ غرض کہ یہ دونوں گناؤں میں ٹھہر گئے اور حاضر کھا کر اپنے کمرؤں میں جا کر آرام کرنے لگے اور جاسوس نے یہ کارروائی کی کہ کل واقعات لکھ کر عضد الدولہ کے پاس پرچہ بھیج دیا۔ پرچہ کو پڑھ کر عضد الدولہ نے حکم دیا کہ فوراً مع اُس شخص کے حاضر ہو۔ چنانچہ جاسوس نے مسافر سے کہا کہ چلیے بادشاہ نے یاد فرمایا ہے۔ اور مجھے لیا معلوم ہوتا ہے کہ جو واقعات آپ نے دستے میں بیان کیے ہیں وہ کسی نے بادشاہ تک پہنچا دیئے ہیں۔ اب مجھے تعین ہے کہ آپ کا کام ہو جائیگا۔ غرض کہ بادشاہ نے خلوت میں کل حال سُنا کر مسافر سے کہا کہ آپ اطمینان رکھیں قاضی میرا ہی ہے۔ میں آپ کے کام کی خود فکر کروں گا۔ مگر بدست آپ اصفہان چلے جائیں۔ جب میرا حکم پہنچے اسی وقت آنا چاہیئے۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۶۴۔ چنانچہ دوسو دینار سفر خرچ اور پانچ جوڑے کپڑے دیکر مسافر کو نصبت کر دیا۔ ورقاضی سے حصول مال کی فکر میں کرنے لگا۔ لیکن منظور یہ تھا کہ ملک میں بدنامی نہ ہو کیونکہ قاضی علاوہ دیرینہ سال ہونے کے صاحب فضل و کمال بھی تھا۔ اگر شاہی خیمہ رات برے جاتے تو تمام ملک میں یہ واقعہ مشہور ہو جاتا۔ اس لیے عضدالدولہ نے حکمت عملی سے کام لیا۔ یعنی ایک دن دوپہر کو قاضی صاحب کو طلب کیا اور خلوت میں بلا کر حسب ذیل گفتگو شروع کی۔

عضدالدولہ : قاضی صاحب آپ کو معلوم ہوا کہ سینے کیوں آپ کو تکلیف دی۔ ؟

قاضی : اسکا علم تو بادشاہ ہی کو ہے۔

عضدالدولہ : مجھے اندون طرح طرح کی فکریں رہتی ہیں۔ جس کی وجہ سے رات کی نیندیں اُچاٹ ہو گئی ہیں۔ دنیا اور اسکی سلطنت سچ نظر آتی ہے۔ حیات مستعار کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ اب اس سے چھٹکارا دو وہی طرح ہو سکتا ہے۔ یا تو کوئی غنیمت ملک پر حملہ کرے اور ہم سے ملک چھین لے جس طرح ہم نے اوروں سے چھین لیا ہے۔ یا موت آجائے اور وہ ناشاد و نامراد اٹھائے مگر تھہ تمام ہو۔ اس پھیلی صورت سے کسی کو منفعت نہیں ہے۔ اگر میں اپنی اس قلیل زندگی میں لوگوں سے اچھا برتاؤ کر دینگا تو لوگ مجھے کاذبیر سے یاد کریں گے اور عذاب قیامت سے بچکر داخل بہشت ہو جائیں گے اور اگر بدی کروں گا تو سوائے دوزخ کے اور کمانا ہو سکیے جہاننگ ہو سکے مجھے نیکی کرنا چاہیئے۔ مگر جس چیز میں مجھے آپ کے مشورے کی حاجت ہے وہ شہزادوں اور شہزادیوں کا معاملہ ہے۔ لڑکوں کا چنداں خیال نہیں ہے وہ تو پرندوں کی مثال ہیں کہ ایک ملک سے دوسرے ملک تک جاسکتے ہیں۔ مگر لڑکیوں کی عزابی ہے اور لڑکوں پر اثر کر کے بھی نہیں مل سکتا ہے۔ اس لیے میں اپنی حیات میں اُنکے لیے کچھ بندوبست کرنا چاہتا ہوں اور جہاننگ سینے غور کیا ہے آپ جیسا پارسا شقی۔ متدین، ملنا دشوار ہے۔ لہذا علاوہ جواہرات کے دوسرا روینا رفتاد آپ کے سپرد کرنا ہوں مگر اس واقعہ سے سوائے علام الغیوب کے اور تیرا واقعہ نہ ہو۔ اور اگر وہ زمانہ آجائے جسکا مجھے خدشہ ہے اور لڑکیوں پر مصیبت پڑے تو آپ انھیں اپنے گھر ملا کر عقد کریں اور یہ مال انکو تقسیم کر دیں کہ کسی دوسرے کی دست نگرانیوں اور اس کی تدبیر پر ہر ایک آپ ایک وسیع تھانہ جو ان میں تاکہ میں چپ چاپ وہاں خزانہ رکھوا دوں اور اس غرض کے لیے اول دوسو دینار مغربی دیے جلتے ہیں۔

قاضی : میں تو حضور کا غلام ہوں۔ جہاننگ ہو سکیگا یہ خدمت انجام دوں گا۔ اور تیاری سردابہ کے لیے حضور سے کسی عطیہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کام کو میں لینے صرفہ سے کر سکتا ہوں۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۶۵

عضدالدولہ۔ نہیں نہیں آپ کی پاک کمائی کا روپیہ میں صرف کرنا نہیں چاہتا۔ اور یہ کوئی شرط مردت ہو کہ میرے ذاتی کام کے لیے آپ کا روپیہ صرف نہیں۔ یہی وائزیشن کیا کم ہو کہ جو خدمت پہنچی گئی ہو وہ انجام دیں۔“ غرض کہ قاضی صاحب و تلود بنا رہا کہ خوشی خوشی رخصت ہوے اور دل میں کہنے لگے کہ پیرانہ سالی میں قسمت نے بیٹا کہا یا بیڑا کہا، شاہ مرگیا تو یہ مال میرا ہو۔ کیونکہ کوئی دستاویز بھیجے سے نہیں لکھا لی گئی ہو۔ اور دو کچے علاوہ اس رقم کے اور موجود ہیں۔ گو اگر مالک زندہ ہو کر استقامت اللہ وہ مجھ سے ایک جہت لے نہیں سکتا ہے۔“

اس وقت کے خیال تو گئے گزرنے ہوئے اور قاضی صاحب نے ایک مہینہ کے اندر ترخانہ طیار کرالیا۔ اور ایک نئے عضدالدولہ سے شہ کے جاکر عرض کیا کہ مطابق ارشاد عالی خزانہ کامکان تیار ہو گیا ہے۔ یہ پیام سن کر عضدالدولہ بہت خوش ہوا اور قاضی صاحب سے زراعت کی تفصیل بیان کر دی اور کہا کہ میں کل رات کو ملاحظہ کر کے حکم دوں گا۔

اب عضدالدولہ نے اصفہان سے اس نوجوان کو طلب کیا۔ اور قاضی سے کہا کہ آپ منگل کو تشریف لائیں۔ اور خزانہ کو حکم دیا کہ ایک سو چالیس آفتابوں میں دینا اور تین ڈبوں میں مروارید اور چند پالوں میں بایقوت، بعل، فیروزہ، بھر کر خانے میں رکھ دے۔ قاضی صاحب یہ زرو جو اہر دیکھ کر ہمال ہو گئے اور یہ کہ رخصت کر دینے گئے کہ آپ میری آواز کے منتظر رہیں۔ آج ہی رات کو امانت پہنچ جائیگی۔

اس اثنا میں اصفہان سے وہ جوان بھی آگیا۔ اسکو عضدالدولہ نے حکم دیا کہ اب تم قاضی کے پاس جاؤ اور کہو گئے۔ مدتوں صبر کیا۔ اور آپ کی عزت و حرمت قائم رکھی گو اب مجھ سے صبر نہوگا۔ سا شہر جانا ہو کہ میرے باپ کے پاس کس قدر دولت تھی۔ اور تمام شہر میری گواہی بھی دے سکتا ہو۔ لہذا اب میری امانت و حرمت فرمائے ورنہ آج ہی عضدالدولہ کو فرما دیا کرتا ہوں۔ وہ آپ کے اعزاز کو خاک میں ملا دیگا۔ اور ایسی سزا دیگا کہ لوگوں کو عبرت ہوگی۔ دیکھو تو سہی اب قاضی کیا جواب دیتا ہو۔“

چنانچہ نوجوان نے یہی کیا۔ قاضی نے خیال کیا کہ خدانخواستہ اگر شخص میری بُرائی عضدالدولہ سے جاکر بیان کرے تو اسکو میری ایمانداری میں شبہ پڑ جائیگا۔ اور میں اس خزانے سے محروم رہوں گا۔ لہذا مناسب یہ ہو کہ اسکا مال آپس اگر دوں۔ دو آفتابوں سے ایک سو چالیس آفتابے مع جواہرات کے کہیں یادہ لاگت کے ہیں۔ غرض کہ یہ سوچ کر آپس نوجوان کو اپنے حجرے کے اندر لے گئے، اور بنگلہ ہو کر کہا کہ پیارے عزیز! میں نے تیرے تلاش میں ساری دنیا چھان اٹی تو اب تک کہاں تھا۔ میں تو بچہ کو اپنے بیٹے کے برابر سمجھتا ہوں اب تک جو کچھ کیا وہ بقصد اسے احتیاط تھا۔ یہ دونوں

(۱۵) تقرری ہر کارہ انتظام کو تیران مہر

مشہور مقامات پر ہر کارہ رکھنا چاہیے۔ اور انکی تنخواہیں مقرر کی جائیں تاکہ دن اٹ میں ٹیڑھ نہ
میل کی خبریں پہنچ جایا کریں۔ اور ملک کا کوئی نیا واقعہ پوشیدہ نہ رہے۔“

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۶۶۔ آفتاب موجود ہیں۔ لو اور جو چاہو کرو۔ فوجان نے فز وروں کے سر پر آفتاب رکھو دیئے اور
دولت پر حاضر ہو گیا۔ جب عضد الدولہ نے فوجان کو دیکھا کہ وہ مع آفتابوں کے حاضر ہوا اور قاضی کی خیانت
ثابت ہو چکی ہے تب قاضی کا مال و سہا ب ضبط کر لیا گیا۔ مگر بڑا پالے کی وجہ سے اور کوئی سزا نہیں دی البتہ اپنے عہدے
سے برطرف کر دیا گیا۔“

عضد الدولہ فنا خسرو شاہنشاہ بن بویہ، دولت بنی بویہ میں سے بڑا بادشاہ تھا۔ یہ ۳۳۳ھ میں تخت نشین ہوا۔ اور
۳۳۶ھ میں فوت ہو گیا۔ مستقل سوانح عمری لکھنے کے لائق ہے۔

۱۵ عربی تاریخوں میں ہر کارہ کا نام ”سعادۃ“ ہے۔ اور اس طریقہ ڈاک کا موجب سلطان معز الدولہ ہے۔
۱۶ اسوس ہے کہ خواجہ نظام الملک نے اپنے زمانہ کی محکمہ ڈاک کا پورا انتظام نہیں لکھا ہے بلکہ اس کے ایک جز پر
نظر ڈالی ہے۔ حالانکہ ۶۹۹ھ میں خلیفہ مدی عباسی نے سب سے پہلے باضابطہ یہ محکمہ جاری کیا۔ اور خلفائے
بنو امیہ کے عہد میں اپنے عروج پر پہنچا۔ چنانچہ محکمہ ڈاک کا نام دیوان البرید تھا۔ اور ناظم اعلیٰ اپوسٹ ہاٹر
جنرل صاحب البرید کہلاتا تھا۔ جس کی مصنف آثار الاول نے یہ تعریف لکھی ہے۔ ”الْبُرِيدُ فَاهَا وَلاَیَةُ حَبِلَّةُ
خَطْبُ نَزْعٌ وَمَقْلَدٌ هَائِلٌ لِّجَاعَةِ كَثِیْفَةٍ وَآلِ الْمَوَادِّ الْعَزِیْزَةِ التَّوَسُّعَةُ عَلَیْهِ“ یعنی یہ عظیم الشان خدمت ہے
اور اس افسر کے متعلق ایک بڑا علمہ رہتا ہے۔ چنانچہ زمانہ موجودہ میں جس وسیع پیمانہ پر یہ محکمہ ہے اس سے کیتھدر عہد
قدیم کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ صاحب البرید کے فرائض میں شاہی ڈاک کے اہتمام کے علاوہ اور کام بھی سپرد تھے
مثلاً شہر کے اہم واقعات سے روزانہ خلیفہ کو اطلاع دینا، اور سیعہ و معینہ پر وزارت عظمیٰ اور عمال اور اہل ان
کے چال چلن اور خاص خاص حالات کی اطلاع کرنا، دارالضرب (نکسالی) کا معائنہ اور موجودات نقدی کی تالیف

بقیہ نوٹ نمبر ۲۶، فرج کا جائزہ لینا اور تقسیم تنخواہ کے وقت موجود ہونا۔ زراعت کے حالات معلوم کر کے خلیفہ سے اطلاع کرنا۔

اگرچہ ناظم ڈاک خانے کے اب یہ فرایض نہیں ہیں لیکن پھر بھی اکثر راز کے معاملات قبل از وقت اس محکمہ کے ذریعہ سے معلوم ہو جاتے ہیں۔ (یورپ کے قصہ نگاروں نے عجیب و غریب واقعات لکھے ہیں۔)

شاہی ڈاک کے ہمراہ رعایا کے خطوط اور ہر قسم کی مراسلتیں روانہ ہوتی تھیں۔ مگر کسی قسم کا محصول لیا جانا ثابت نہیں ہے۔ ایک مقام سے دوسرے مقام تک پیک (ہر کارہ) ڈاک پہنچاتا تھا۔ اور بعید مقامات کی ڈاک گھوڑے پتھر۔ اونٹ پر جاتی تھی۔ چنانچہ مالک فارس میں گھوڑوں اور تجار میں خچروں۔ اور شام میں اونٹوں پر ڈاک جاتی تھی۔ اور ان جانوروں کے گلے میں زنجیر یا گھنٹی لٹکا دی جاتی تھی۔ جس کی آواز سے معلوم ہوتا تھا کہ ڈاک آرہی ہے۔ اور اس آواز کا نام بقیقہ البریدی ہے۔ اب صرف بگل بجایا جاتا ہے۔ اور ہر چوکی پر بکثرت جانور بستے تھے چنانچہ صوبے کے والی (گورنر) اور اعلیٰ عہدہ دار ڈاک گاریوں کے ذریعہ سے اپنے صدر مقام تک سفر کیا کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی فرج کو یہ محکمہ دیتا تھا۔ ڈاک کے ہر جانور پر (مثل فرج کے) فرق امتیاز کے لیے داغ دیا جاتا تھا۔ تمام مالک محروسہ میں سقد خرچ اس محکمہ کا تھا اس کی تفصیل نہیں معلوم ہو سکتی۔ لیکن عہدہ میں صرف صوبہ عراق میں عمدہ ڈاکخانہ، خرمادری جانوران، اور ان کی خوراک میں ایک لاکھ چوں ہزار دینار (۲ لاکھ فرانک) مطابق ۵ لاکھ ۵۰ ہزار سکہ انگریزی) کا خرچ تھا۔ اور ۳۹ چوکیاں قائم تھیں۔ اور ہشام بن عبد الملک کے وقت میں محض عمدہ کا خرچ چار لاکھ درہم (ایک لاکھ روپیہ تھا) چنانچہ ناظرین ایک صوبے کے خرچ سے تمام محکمہ کے خرچ کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

عمدہ کی تقرری، موقوفی، اور تقسیم تنخواہ ناظم کے مات میں تھی۔ اہم معاملات کے کاغذات ناظم خلیفہ کے روبرو پیش کرتا تھا۔ اور وہاں سے حکم ہوتا تھا۔ اور ایک صحیفہ ہرست (پوسٹل گائیڈ) تمام مقامات کے ڈاکخانوں میں موجود رہتی تھیں جس میں ایک مقام سے دوسرے مقام کا فاصلہ بھی تحریر ہوتا تھا۔ فی زمانہ سہ کارہ ڈاکخانہ جاتا میں بھی اس کی تقلید کی گئی ہے مگر فاصلہ تحریر نہیں ہے۔ نہ یہ لکھا ہے کہ ایک ڈاکخانے کے متعلق کس قدر مواضع ہیں۔ (یقین ہے کہ یہ نقص جلد رفع کیا جائیگا۔)

جہاں سے جہانک ڈاک کا سلسلہ تھا ان تمام راستوں کی حفاظت بھی ناظم کے سپرد تھی اور تمام علاقے کے اندر جو قابل آباد تھے انکی بھی خبر رکھنا پڑتی تھی کہ وہ برسر طاعت ہیں یا مادہ بغاوت ہیں، خلفا سے عبا سہ میں

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۶۸ - برون الرشید مقتسم بادشاہ المتوکل، المعتضد کو حکم داک پر خاص توجہ تھی :-

دوسرے ذریعہ خاص شاہی ڈاک کی روانگی کا نامہ بر کبوتر تھے۔ اور ملکا کے عہد میں بھی اسے کام لیا جاتا تھا مگر خواجہ نے معمول بات خیال کر کے صرف عنوان قائم کر دیا ہی اور تفصیل نہیں لکھی ہو۔ لہذا ناظرین کی اطلاع کے لیے چند سطریں بطور تاریخی واقعہ کے لکھی جاتی ہیں۔ کہ نامہ بر کبوتر کس قسم کے ہوتے تھے۔ اور وہ کیا کام کرتے تھے۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ کبوتروں سے خبر رسانی کا کام اول یونان اور دوم نے لیا ہی۔ لیکن مسعودی کی روایت ثابت ہے کہ جب خلیفہ المعتضد بادشاہ ابوالفتح محمد بن الرشید (۲۲۶ھ - ۲۳۲ھ) نے نابک کے مقابلے میں فتح پائی تو بغداد میں سب سے پہلے یہ خبر کبوتر لایا تھا۔

چنانچہ اس واقعے کے بعد جو خلفا ہوئے انہوں نے اس پر خاص توجہ کی۔ اور یہ سلسلہ برابر جاری رہا یہاں تک کہ نورالدین محمود بن زنگی نے توجہ کی جبکہ تفصیل یہ ہے کہ نورالدین کی حکومت ایران کی مشرق سے توبہ کی سرحد تک پھیل گئی تھی۔ مسر اور شام کے بندر گاہ جو بحر روم کے مشرقی اور جنوبی سواحل پر تھے ان پر ان کے دیناروں کی فوجیں عداور ہوئی تھیں اور نورالدین کی قلمرو میں قتل و غارت کا سیلاب مباتی تھیں اور اس سے پہلے کہ ان کے حملے کی خبر موافقہ اور مدافعت کے لیے سرحد پر فوج کشی کی جانے لگی اور پناہ کام کر کے واپس چلے جاتے تھے۔ ۲۶۶ھ میں نورالدین نے اپنی وسیع قلمرو کا انتظام کرنے اور اس کو یورپ کے حملوں سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ تجویز کی کہ کبوتروں سے جنکو مناسبت سمجھتے تھے پیغام رسانی کا کام لیا جائے اس لیے تمام ملک میں جا بجا چوکیاں مقرر کیں اور ان کی غورو پرداخت اور لٹنے مخبری کا کام لینے کے لیے ایک وسیع محکمہ قائم کیا۔ چوکیوں پر جو اخبار نویس تھے ان کی پیش وارتخا میں مقرر کیں اخبار نویس کو حکم تھا کہ جب کوئی غنیمت اُس کی چوکی کے قریب حملہ آور ہو یا کوئی ضروری اور اہم واقعہ پیش آئے تو فوراً ایک کاغذ کے پرے پر اُس کی خبر لکھنے اور اگلی چوکی کے کبوتر جو اس کے پاس ہیں اُن میں سے ایک کے بازو میں۔ وہ کاغذ کا پرزہ باندھ کر چھوڑ دے۔ کبوتر نہایت تیزی سے اڑتا تھا اور سیدھا اگلی چوکی پر پہنچ جاتا تھا جہاں اُس کبوتر کا پہلے مقام ہی اس چوکی کا نگہبان اُس کبوتر کے بازو سے کاغذ کو لے کر دوسرے کبوتر کے بازو میں باندھ دیتا تھا جو اس سے اگلی چوکی کا ہوتا تھا۔ اسی طرح منزل بہ منزل ایک کبوتر کے بازو سے کاغذ کو لایا جاتا اور دوسرے کبوتر کے بازو میں باندھ دیا جاتا اور نورالدین کے پاس نہایت سرعت سے خبر پہنچ جاتی تھی اور اس سے پہلے کہ غنیمت اسکے ملک میں کسی قلعہ یا بندر گاہ پر حملہ آور ہو نورالدین کی فوج جو مقام حملہ سے قریب ہوتی تھی اس کا حکم پاتے ہی فوراً اس مقام پر

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۶۹۔ پہنچ جاتی تھی۔ اور دشمن کی غافل اور خیر فوج کو سپا کر دیتی تھی۔ اس عمدہ تدبیر کا اثر یہ ہوا کہ نور الدین کی تمام قلمرو اندرونی اور بیرونی خطروں سے بالکل محفوظ ہو گئی اور اُس کی حکومت اور سیاست کا رعب خاص عام کے دلوں میں دوڑ گیا۔

مصر میں خفائے فاطمین نے اس حکمران کی طرف خاص توجہ مبذول کی تھی۔ نامہ بر کبوتروں کے پالنے اور اُن کی خوب دیردخت کے لیے ایک مستقل دفتر تھا۔ بہت سے دفتر تھے جن میں کبوتروں کے نسب نامے درج ہوتے تھے۔ ناصر الدین شہ جو بغداد کے نہیں خفایا میں نامور ہوا ہوئے بھی ۱۱۹۵ء میں نامہ بر کبوتروں کے لیے ایک وسیع محکمہ قائم کیا اور اپنی قلمرو میں اخبار نویس بھیلادینے۔ اعلیٰ نسل کے کبوتر نہایت تلاش اور تحقیق سے خرید کیے جاتے کتابوں میں ان کے نسب نامے نہایت غور و تفتیش سے لکھے جاتے تھے۔ کبوتروں کے پالنے اور فروخت کرنیوالے خوب جانتے تھے کہ کون کون سے کبوتر کس کس نامی کبوتر کی نسل سے ہیں۔ اعلیٰ نسل کا ایک کبوتر ہزار دینار دے ہزار روپیہ) تک قیمت پاتا تھا۔ ناصر الدین شہ کی اس کوشش اور حسن تدبیر کا یہ اثر تھا کہ اُس کی تمام قلمرو میں اس سے اُس سے تک کوئی نیا واقعہ یا حادثہ ایسا نہیں ہوتا تھا جسکی اُس کو خبر نہ ہو۔ مصر اور ہندوستان والے اُس کے نام سے ایسا ہی ڈرتے تھے جیسا کہ بغداد کے باشندے (جو اُس کی حکومت اور سلطنت کا مرکز تھا) چین کی حد سے اندر تک اُس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اور اس کا رعب حکومت تمام ملکوں پر چھا گیا تھا۔

قاضی محمد الدین بن عبد اللہ ظاہر نے ایک مستقل کتاب نامہ بر کبوتروں کے حالات پر لکھی جو حکام نامہ تمام اہل کمال نامہ بر اُس میں نامہ بر کبوتروں کے نسب نامے۔ اُن کی عادات و خصائل۔ پیغام رسانی اور پیغام نویسی کے طریقے اور ان کے متعلق بہت سے دلچسپ حالات قلمبند کیے ہیں۔ جلال الدین سیوطی نے حسن الحاضرہ فی اخبار مصر واقعہ ہرہ میں چند دلچسپ باتیں اس کتاب سے نقل کی ہیں وہ لکھتے ہیں کہ خبر جس کا غدر لکھی جاتی تھی اُس کو کبوتر کے بازو میں باندھتے تھے تاکہ بارش سے محفوظ رہے۔ امین سلطنت تھا کہ جب کبوتر آسمان سے شاہی محل پر اترتا تھا فو آئینہ کو خبر کی جاتی تھی خود خلیفہ خبر کے پڑھنے میں ایک ساعت توقف نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ اگر ایک غلط بھی غفلت کیجاتی تو بہت سے مہمات ملکی کے فوت ہو جاتے کا اندیشہ تھا۔ خود خلیفہ اپنے ہاتھ سے کاغذ کھولتا اور پڑھتا تھا اس وقت اگر خلیفہ کے سامنے خاصہ چٹا ہوتا تو فوراً کھانے سے دست بردار ہوتا۔ حکم تھا کہ اگر خلیفہ اس وقت بستر خواب پر ہوں تو فوراً جاگ دیے جائیں۔ سو کر اٹھنے کا انتظار نہ کیا جائے۔ خبر ایک خاص قسم کے کاغذ پر لکھی جاتی تھی جو درویشی الطیر کے نام سے مشہور تھا۔ خبر لکھنے کے وقت کاغذ پر حاشیہ نہیں چھوڑتے تھے

معمود خبر کے بول سہم شدہ نہیں لکھتے تھے۔ آخر میں دن و رات کے سوا سنبہ بھی نہیں لکھتے تھے۔ حتیٰ طلب کی نسبت تعریف اور القاب کے لیے جوڑے الفاظ نہیں لکھے جاتے تھے۔ صرف واقع کو مختصر الفاظ میں لکھتے تھے اور عبارت متوزن و المذہب سے بالکل پاک بیوقوفی۔ عبارت کے آخر میں بطور تعادل کے یہ الفاظ لکھے جاتے تھے "حسبنا و نعمد الوکیلین" اگر وہ کبوتر ایک ساتھ چھوڑے جاتے تھے تو ایک کبوتر کا حال دوسرے کے کاغذ میں درج کرتے تھے تاکہ اگر ان میں سے کوئی کبوتر وقت پر پہنچے تو اسکے آنے کا انتظار کیا جائے۔

قاضی محمد الدین بن عبد الغفار۔ قاضی فاضل اور عدا کا تب نے جو فن شاہ کے اہم خیال کیے گئے۔ نامہ بر کبوتروں کی تعریف اور ان کے حالات میں قلم کا زور دکھایا اور نگین مجمع طراز کی نہایت فصیح و بلیغ نثر میں لکھی ہیں۔ قاضی فاضل نے نامہ بر کبوتروں کو مملکت الملوک۔ انبیاء الطیر۔ خطباء الطیر۔ وغیرہ کے القاب سے ملقب کیا ہے جو ان کے لیے بہت موزوں ہیں۔ ابو محمد احمد بن علوی بن ابی عقیل قیروانی نے متعدد نظمیں ان کبوتروں کے حالات پر لکھی ہیں جس کا ایک مختصر نمونہ یہ ہے۔

خضر تفریق الریم فی طیراھا یا بعد بین غدا وھا ورواھا
تانی باخبر الغدا و عشیة لمسیر شہر تحت ریش حناھا
دکا نا الروح الامین و حیدہ نفث الہدایۃ مند فی ازلھا

کبوتروں کی ڈاک مصر و شام میں نور الدین زنگی کے وقت سے حاکم بامر اللہ کے زمانہ تک جو مصر میں خلفائے عباسیہ کی یادگار تھا بارہ سو برس تک جاری رہی ہے۔ ابن فضل اللہ دمشقی جو اس خلیفہ کے دربار میں تھا اور جس نے ۱۱۱۸ء میں وفات پائی التعریف بالمصطلح الشریف میں لکھا ہے کہ میرے زمانے میں مصر کے جنوب اور ملک نوبہ کی سرحد پر قوص۔ آسوان۔ عین اب۔ تک جو کبوتروں کی ڈاک جاری تھی بند ہو گئی ہے۔ لیکن شام اور مصر میں اب بھی کبوتروں کی ڈاک کی بہت سی منزلیں آباد ہیں اور ان میں ڈاک جاری ہے اس کے بعد ابن فضل اللہ نے اپنے زمانے کی منزلیں لکھوائی ہیں جن کو ضروری اور دلچسپ سمجھکر ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

کبوتروں کی ڈاک کی منزلیں

کیفیت

نام مقام

قاہرہ سے اسکندریہ تک۔

نام مقام	کیفیت
قاہرہ سے دمیاط	
قاہرہ - سویز	
قاہرہ - بلبیس	بلبیس مصر کا شہر ہے اور شام کے راستہ پر فسطاط سے تیس میل کے فاصلے پر ہے
بلبیس - صاعیہ	
صاعیہ - قطیا	صاعیہ فرات اور دجلہ کے درمیان دو آبیں واقع ہیں۔
قطیا - واروہ	قطیا مصر کی راہ میں ایک قصبہ ہے جو رگیتان میں واقع ہے۔
واروہ - غزہ	
غزہ - بلد الخلیل	غزہ شام کی انتہائی سرحد پر ہے جو مصر سے ملتی ہے۔
غزہ - بیت المقدس	
غزہ - نابلس	نابلس فلسطین میں بیت المقدس سے ۳۰ میل پر ہے۔
غزہ - لد	
لد - قاقون	لد - بیت المقدس کے قریب ایک قصبہ ہے
قاقون - جنین	قاقون - فلسطین میں رملہ کے قریب ایک قلعہ ہے۔
جنین - صفہ	صفہ حمص کی حد پر ایک پہاڑی قصبہ ہے
جنین - بیان	بیان صوبہ اردون کا ایک شہر ہے۔
اردب - حمص	اردب، بھیریہ کے قریب صوبہ اردون میں ایک قریہ ہے۔
حمص - ضمین	
ضمین - دمشق	ضمین دمشق سے دو منزل کے فاصلے پر ہے
بیان - اذرعات	اذرعات ملک شام میں ایک قصبہ ہے۔
حمص - اذرعات	
دمشق - بلعک	
دمشق - قارا	

نام مقام	کیفیت
دشمن سے قریب	قرتین تدمر سے دو منزل کے فاصلے پر ہے
قارا - حمص	اگر حمص سے دمشق کو جائیں تو قارا پہلی منزل پر آتا ہے
حمص - حماہ	
حماہ - معرہ	معرہ حلب کی نواح میں اُس سے پندرہ میل کے فاصلے پر ہے
معرہ - حلب	
حلب - بصرہ	بصرہ حلب کے قریب ایک قلعہ ہے
حلب - قلعہ المسلمین	
حلب - بحبنی	بحبنی ایک قلعہ ہے جو دریائے فرات کے مغربی کنارے پر سیماط کے قریب واقع ہے
قرتین - تدمر	
تدمر - سخنہ	تدمر حلب سے ۵ دن کی راہ پر قدیم شہر ہے۔ سخنہ تدمر کے قریب ہے
سخنہ - قباقب	سخنہ اور قباقب کے درمیان چند روز سے کبوتروں کی ڈاک بند ہو گئی ہے۔ اور
قباقب - جبہ	تدمر سے قباقب اور قباقب سے جبہ کی طرف کبوتر اڑائے جاتے ہیں۔ (ابن فضل اللہ)
	اس میں شک نہیں کہ مصر و شام میں کبوتروں کی ڈاک ابن فضل اللہ کے زمانے تک جاری تھی اور اُس سے سلطنت کے
	انتظام میں برابر مدد کی جاتی تھی لیکن نہیں معلوم ہوا کہ کب بند ہوئی اور اس وقت سے کب تک جاری رہی؟
	خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے بھی اپنے عہد سلطنت میں صد ہا سال تک کبوتروں سے پیغام رسانی کا کام لیا ہے اور نظام
	سلطنت کے لیے شہنشاہ کی تدبیر کا کوئی دقیقہ نظر انداز نہیں کیا ہے۔ زمانہ موجودہ میں جرمنی اور فرانس وغیرہ کی نسبت جو
	شہرت ہے کہ وہ نامہ بر کبوتروں سے میدان جنگ میں کام لیتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔
	انتخاب و نقل از کتاب آثار الاول فی ترقیب الدول صفحہ ۱۰۰ و معید انعم سبکی صفحہ ۴۱۔ مسعودی صفحہ ۶۶۔ حاشیہ کامل
	اثر جلد ۶۔ حسن المحاضرہ فی اخبار مصر و القاهرہ۔ صفحہ ۱۰۶ جلد دوم۔ ان سائیکو پیڈیا برطانیکا۔ اخبار چودہویں
	عصر ۶۲۔ مطبوعہ ۱۵ جون ۱۸۵۹ء بحوالہ علی گڑھ گزٹ مضمون نوشتہ مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی۔ ادبیہ معارف۔

۱۶۱۔ وکیل خاص

بادشاہ پھانچانہ، شہر انجانہ، صطبل، مجلس لے شاہی اور شاہزادوں کے محل کی نگرانی جس معتمد کے سپرد ہوا کرتی ہو۔ وہ وکیل خاص کہلاتا ہو۔ اس خدمت کے لئے مشکل سے کوئی ملتا ہو۔ کیونکہ یہ کام نہایت نزاکت اور ذمہ داری کا ہو۔ اس عہدہ دار کا فرض ہو کہ وہ روزانہ دربار شاہی میں حاضر ہو کر تمام کاموں کی اطلاع کیا کرے اور بادشاہ کو جاہلیہ کہ انکی عزت و حرمت قائم رکھے۔

۱۶۲۔ ندیم و مصاحب

بادشاہوں کے لیے قابل مصاحبوں کا رکھنا بھی ضرور ہو۔ کیونکہ بادشاہ، امراء، دربار اور سپہ سالار

۱۔ فصل ۱۰۰ صفحہ ۱۰۰۔ بہت نامور۔ وکیل خاص اعزاز و مرتبہ میں وزیر اور حاجب کا ہم پلہ ہو۔ عہد سلجوقیہ میں نامور امراء اس عہدے پر مقرر ہو کر رہے تھے۔ اور انھیں کی تفصیل خواجہ نے کر دی ہے لیکن خلفائے عباسیہ و سلطانین ایران و ہندوستان کے عہد حکومت میں مثل شرف اور ستونی کے وزارت کے ماتحت ہی ایک عہدہ تھا اور جو بعض وکیل خاص کے خواجہ بنے تھے میں اپنے خدا گانہ افسر مقرر تھے جنکے نام حسب ذیل ہیں۔

- ۱۔ خوان سالار۔ میر بکاول۔۔۔ داروغہ بادشاہ پھانچانہ ۲۔ شہر امدار۔ شہر بدار۔ آبدار۔۔۔ داروغہ شہر بکاول
- ۳۔ میر انور، آختہ بیگی۔۔۔ داروغہ صطبل ۴۔ میر بختی۔۔۔ داروغہ شہر خانہ
- ۵۔ استاد الدار۔۔۔ ناظر حرم۔

تفصیلی عدوت کے واسطے امین اکبری علامہ ابو الفضل و معید النعم سبکی و سلوک الملائک شہاب الدین دیکھنا چاہیئے۔

۱۶۳۔ فصل ۱۰۱۔ ص ۱۰۱۔ ۱۔ ظل اللہ فی الارض (زمین پر خدا کا سایہ) جیسا معزز خطاب بادشاہ کو دیا گیا ہو اسلئے وہ شخص میں بڑا خوش نصیب ہو جو بادشاہ کے سایہ میں ہو لیکن اس سایہ میں ہر چار راحت اٹھانا معمولی آدمیوں کا کام نہیں ہے کیونکہ حقیقت میں بادشاہ کی ذات و پختہ پار کی ایسی چوٹی سے شاہ پہنچ جس کی سطح پر سبز و زمرہ دیں کا فرش، اور

فوج کے ساتھ بے تکلفی ہو بلکہ ضبط نہیں کر سکتا ہو۔ اور اگر اس طرح پرے جئے تو رعب و داب میں فرق پڑ جائیگا۔

جبکہ سرکاری خدمتیں سپرد ہوں وہ مصاحب نہ بنائے جائیں۔ اور جو مصاحب ہیں وہ ملکی عہدوں پر نہ مقرر کئے جائیں۔ کیونکہ ایسے لوگوں سے رعایا کو بہت نقصان پہنچ جاتا ہے۔ عامل کی

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۷۴۔ اور ہر سے بھرے میوہ دار درختوں کی قطار بھی ہو۔ صاف و شفاف پانی کی نہریں بھی جاری ہیں۔ خوبصورت خوش رنگ چڑیاں بھی اور ہر ادھر چھپاتی پھرتی ہیں اور ہزاروں طرح کی دیکھیاں ہیں۔ لیکن ہر گوشے میں خیر و نیکی اور محرابی درندے بھی اپنی ناک میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایسے مردہ دل اس منظر کو حسرت کی نگاہوں سے دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ دزدانہ دل اپنی جواغردی سے اس سرسبز اور سرخشاں چوٹی تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور وہاں ہتھیار حفاظتی اٹھاتے ہیں۔ غرض کہ یہی مثال بادشاہ اور ندیم کی ہے۔ ایسے ندیم (اڈیا ننگ) کا عہدہ نہایت بزرگ و خطرناک ہے۔ کیونکہ بادشاہ خرد سال بچوں کی طرح بگڑ جاتے ہیں۔ اور شیروں کی طرح غضبناک ہو جاتے ہیں چنانچہ کسی حکیم کا قول ہے: "مَنْ ارَادَ صِحَّةَ الْمَلِكِ فَلْيَدْخُلْ كَالْاَعْمٰی وَ لْيَخْرُجْ كَالْاَحْمٰی خَوْطَرِیْنِ الْمَلِكِ"۔ یعنی بادشاہوں کے دربار میں غلط واسن کا صرف یہی طریقہ ہے کہ اندھوں کی طرح داخل ہوا اور گونگوں کی طرح نکلے خواجہ نے ندیم کی خدمات کی صراحت کی ہے۔ اور کتبہ خلاق و سیاست میں طویل طویل ہدایتیں مصاحبوں کو پیش کرتی ہیں۔ مگر چونکہ مشرق اور مغرب کے بادشاہوں کے آداب میں اختلاف ہے۔ ایسے زیادہ کہنے کی حاجت نہیں ہو البتہ ندیم میں اوصاف ذیل کا ہونا ضروری ہے اور یہ وہ صفات ہیں جو مشرق اور مغرب میں مشترک ہیں۔

(۱) خاندان و شرافت کے لحاظ سے معزز ہو، دینداری اور ناپارسانی کے ساتھ خفیہ اور سنجیدہ ہو۔

(۲) صحیح الاعتدال ہو۔ وجہ میں اعتدال ہو۔ حسن صورت کے ساتھ زندہ دلی کا بھی جوہر رکھتا ہو۔

(۳) خوش پوشاک ہو۔ حلیہ اچھا ہو۔ اور معائب سے پاک ہو، اور لباس خلاق و ادب سے آراستہ ہو۔

(۴) رازدار ہو۔ غیبت سے متفرغ ہو۔ اور اشاروں پر کام کرنے والا ہو۔

(۵) سخن و لغت، علم الاشعار، تاریخ، سیر، نوادرات، حکایات، ضرب الامثال اور لطائف کا ماہر ہو۔

۱۶) وکیل خاص

باد و چرخیانہ، شہر انجیانہ، صہیل، مجلسرے شاہی اور شاہزادوں کے محل کی نگرانی جس معتمد کے سپرد ہو کر کرتی ہو۔ وہ وکیل خاص کہلاتا ہو۔ اس خدمت کے لیے مشکل سے کوئی ملتا ہو۔ کیونکہ یہ کام نہایت نزاکت اور ذمہ داری کا ہو۔ اس عہدہ دار کا فرض ہو کہ وہ روزانہ دربار شاہی میں حاضر ہو کر تمام کاموں کی اطلاع کیا کرے اور بادشاہ کو جابینہ کہ اسکی عزت و حرمت قائم رکھے۔

۱۷) نذیم و مصاحب

بادشاہوں کے لیے قابل مصاحبوں کا رکھنا بھی ضروری ہو۔ کیونکہ بادشاہ، امراء، دربار اور سپہ سالار

۱۔ فصل ۱۰۔ سیاست نامہ۔ ۲۔ وکیل خاص اعزاز و مرتبہ میں دربار و صاحب کام پلہ ہو۔ عہد سلجوقیہ میں نامور امراء اس عہدے پر مقرر ہو کر لے تھے۔ اور فرائض کی تفصیل خواجہ نے کر دی ہے لیکن خلفائے عباسیہ و سلطانین ایران و ہندوستان کے عہد حکومت میں نسل حشراف اور ستونی کے وزارت کے ماتحت بھی ایک عہدہ تھا اور جو فرائض وکیل خاص کے خواجہ نے لکھے ہیں ان پر خدا کا نافرمانی تھے جنکے نام حسب ذیل ہیں۔

- ۱۔ خوان سالار۔ میر بجاول۔۔۔ دار و غدہ باد و چرخیانہ ۲۔ شہر ابدار۔ شہر تہ ار۔ آبدار۔۔۔ دار و غدہ شہر ابغیرہ
- ۳۔ میر اخور، آختہ بیگی۔۔۔ دار و غدہ صہیل ۴۔ میر بختی۔۔۔ دار و غدہ شہر خانہ
- ۵۔ استاد الدار۔۔۔ ناظر عہد۔

تفصیل خدمت کے واسطے آئین اکبری علامہ ابوالفضل و معیہ النعم سبکی و سلوک الممالک شہاب الدین دیکھنا چاہیئے۔

۱۸۔ فصل ۸۔ ۱۔ ظل اللہ فی الارض زمین پر خدا کا سایہ جیسا معزز خطاب بادشاہ کو دیا گیا ہے اسلئے وہ شخص جس پر اغوش نصیب ہو جو بادشاہ کے سایہ میں ہو لیکن اس سایہ میں پہنچ کر راحت اٹھانا معمولی آدمیوں کا کام نہیں کیونکہ حقیقت میں بادشاہ کی ذات اوپنے پھاڑ کی ایسی چوٹی سے مشابہ ہو جس کی سطح پر سبز ہزار ہا زمین کا فرش، اور

فج کے ساتھ بے تکلفی ہو ربط ضبط نہیں کر سکتا ہو۔ اور اگر اس طرح پرستے جتنے تو رعیت و اب میں فرق پڑ جائیگا۔

جنکو سرکاری خدمتیں سپرد ہوں وہ مصاحب نہ بنائے جائیں۔ اور جو مصاحب ہیں وہ ملکی عہدوں پر نہ مقرر کئے جائیں۔ کیونکہ ایسے لوگوں سے رعایا کو بہت نقصان پہنچ جاتا ہے۔ عامل کی

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۷۷۔ اور ہرے بھرے سیوہ دار دفتروں کی قطاریں بھی ہر صاف و شفاف پانی کی نہریں بھی جاری ہیں۔ خوبصورت خوش رنگ چڑیاں بھی ادھر ادھر چھپاتی پھرتی ہیں اور ہزاروں طرح کی دیکھیاں ہیں۔ لیکن ہر گوشے میں شیر و بیلنگ اور صحرائی درندے بھی اپنی تاک میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایسے مردہ دل اس منظر کو حسرت کی نگاہوں سے دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ دزد و دال اپنی خواہزادی سے اس سرسبز اور سرسبز ملک چوٹی تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور وہاں تک کہ حفظ نفسانی اٹھاتے ہیں۔ غرض کہ یہی مثال بادشاہ اور ندیم کی ہے۔ ایسے ندیم (ادیکانگ) کا عہدہ نہایت بزرگ و خطراتناک ہے۔ کیونکہ بادشاہ خرد سال بچوں کی طرح بگڑ جاتے ہیں۔ اور شیروں کی طرح غضبناک ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ کسی حکیم کا قول ہو کہ من اراد حجة الملوك فليدخل كالا عني وليخرج كالا حرس خوطريق السلطان۔ یعنی بادشاہوں کے دربار میں غلط و امن کا صرف یہی طریقہ ہے کہ اندھوں کی طرح داخل ہوا اور لوگوں کی طرح بھٹکے خواجہ نے ندیم کی خدمات کی صراحت کی ہے۔ اور کتب اخلاق و سیاست میں طویل طویل ہدایتیں مصاحبوں کیوں ملتی تھیں مگر چونکہ مشرق اور مغرب کے بادشاہوں کے آداب میں اختلاف ہے۔ ایسے زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں ہی البتہ ندیم میں اوصاف ذیل کا ہونا ضروری ہے اور یہ وہ صفات ہیں جو مشرق اور مغرب میں مشترک ہیں۔

(۱) خاندان اور شرافت کے لحاظ سے معزز ہو، دینداری اور پارسائی کے ساتھ فہیدہ اور سنجیدہ ہو۔

(۲) صحیح الاعضا ہو، اوچھم میں اعتدال ہو جس صورت کے ساتھ زندہ دلی کا بھی جوہر رکھتا ہو۔

(۳) خوش پوشاک، عیب لاریختی، اور معائب سے پاک ہو، اور لباس اخلاق و ادب سے آراستہ ہو۔

(۴) راز دار جو غیبت سے متنفر ہو۔ اور شایروں پر کام کرنے والا ہو۔

(۵) سخن، لغت، علم الاشعار، تاریخ، میر، نوادرات، حکایات، ضرب الامثال اور لطائف کا ماہر ہو۔

یہ صفت ہو کہ وہ ہمیشہ بادشاہ سے خائف ہے اور ندیم کو یہ زیبا ہو کہ وہ شوخ و طرار ہو جس کی بذلہ سنجیوں سے بادشاہ کا دل بہلے۔ مگر ایسی باتوں کے لیے بھی فرصت کا وقت چاہیے تاکہ سلطنت کے ضروری کاموں میں ہرج نہ واقع ہو۔

مصاحبوں اور ندیموں کا رکھنا فائدے سے خالی نہیں ہے۔ اول یہ کہ ندیم بادشاہ کا مولیٰ ہو تاہی۔ دوسرے یہ کہ وہ شب و روز ہمراہ رہتے ہیں اس لیے حفاظت جان بھی کرتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ اگر خدا نخواستہ کوئی خطرہ پیش آئے تو وہ بادشاہ پر جان فدا کریں اور سپر کا کام دیں چوتھے یہ کہ ندیموں سے ہر قسم کی گفتگو ہو سکتی ہے۔ پانچویں یہ کہ مثل جاسوس کے بادشاہوں کے حال سے خبر دار رہتے ہیں۔ چھٹے یہ کہ بحالت مستی، وہ ہوشیاری، ندیم بہت سی اچھی بری باتیں کہہ جاتے ہیں جو مصلحت سے خالی نہیں ہوتی ہیں۔

ندیم کے لیے شرط ہو کہ وہ شریف، فاضل، خوش اخلاق، زندہ دل، راز دار، پاک مذہب، اور واقفِ قصص و حکایت ہو۔ نزد و متبطلج کا کھیل جانتا ہو، موسیقی کا بھی ماہر ہو۔ اور اگر مرد میدان ہو، تو اور بھی بہتر ہے۔ اور سب بڑی ضرورت یہ ہے کہ بادشاہ کے مزاج کے موافق اور اس کے ہنجیال ہو۔ ندیم کو معلم نہ بننا چاہیے کہ بادشاہ کی ہر بات پر کھٹے اٹھے کہ حضور یہ کیجئے اور یہ نہ کیجئے اور یہ کیوں ہوا یا کیوں نہ ہوا یہ ایسی باتوں سے یا ر شاطر بار خاطر نجاتا ہو۔

مجلس شیش طرب، سیر و شکار، اور چوگان بازی کے (پولو) تمام سامان مہیا کرنا ندیم کا فرض ہے۔ علاوہ بریں سفر و حضر، جنگ و جدال، شادی بیاہ، اور دیگر ملکی معاملات میں بھی اگر وہ وزراء اور وغیرہ سے مشورہ کرنے کی تدبیر کریں تو بہتر ہے۔ بعض بادشاہ اپنے مصاحبوں میں منجم اور

طبیعیات بھی کہتے تھے جس سے یہ تجربہ کرنا مقصود تھا کہ دیکھیں وہ اپنا اپنا کیا کام کرتے ہیں

۱۔ ارکان سلطنت میں طبیب (ڈاکٹر) موضوع فن اور علمی شرافت کے لحاظ سے ایک ضروری عنصر ہے، گوشاہن سچو قیہ کہ ذوق و انکساف نہ ہو یہ دوسری بات ہے۔ مگر زمانہ گزشتہ کی تاریخ بتاتی ہے کہ سربادشاہ اور شہنشاہ کے دربار میں منتخب و برگزیدہ اطباء ہوتے تھے، شہادت کیواسطے مسلمان بادشاہوں میں صرف دربار بغداد اور اندلس کی تاریخ کافی ہے۔ ان باروں میں ہندو، عیسائی، یہودی طبیب موجود تھے۔ اور جو اخلاقی برتاؤ لے کر کیا جاتا تھا آج انکا کوئی ہم مذہب بھی سہذا نہیں کر سکتا ہے۔ ان کی سوانح عمریاں اگر دیکھنا چاہتے ہو تو ابن ابی اصیبعہ کی کتاب طبقات الاطباء دیکھو۔ بہر حال طبیب بادشاہوں کے دربار میں ایک ضروری رکن ہے۔ البتہ طبیبیں اوصاف ذیل کا ہونا لازمی ہے۔

(۱) طب کی علمی اور علمی شایخ اور تصنیفات قدیم پر عبور رکھتا ہو۔

(۲) کثیر العلاج ہو۔ اور غور و فکر کا عادی ہو۔

(۳) حاسد اور طامع نہ ہو۔ مزاج کا فیاض ہو۔

(۴) خوش خلق و شاک ہو اور عطا بیت سے ذوق رکھتا ہو۔

(۵) عطا قیہ (جڑی بوٹی) اور ادویہ، اغذیہ سے واقف ہو۔

(۶) ہمزوات اور مرکبات کی اعلیٰ اور اعلیٰ شایخوں سے بہرہ ہو۔

(۷) موسم کی فصل سے عموماً اور اعتدال کے زمانے سے خصوصاً باخبر ہو۔

(۸) پانی اور مہول کے علم سے واقف ہو۔ اور کم از کم جغرافیہ کا وہ حصہ جانتا ہو جو کائنات کا تعلق علم طب سے ہے

(۹) بعض علماء کے نزدیک طبیب کو نجوم کا جانا بھی ضروری ہے (زمانہ حال کے اطباء کو ان امور کی طوفت و توجہ نہ کرنا چاہیے) اور تمام مذہبے نیاں نہایت وسیع پیمانے پر آج نہ صرف محکمہ طبابت قائم ہے بلکہ ہر شاہی خاندان میں نامور اور مستند طبیب موجود ہیں۔ لیکن منجم کے معاملے میں جو اختلاف زمانہ سابق میں تھا۔ میری رسلے میں وہ آج بھی ہے۔ لیکن قول فیصل سے پتہ نجوم کی ماہیت پر چند سطریں لکھنا ضروری ہیں۔

علوم و فنون کی ہر تاریخ میں علم نجوم کا نام ہمیشہ ملتا ہے۔ لیکن علوم طبیعیہ (سائنس) کی تاریخ میں حساب اور نجوم پر (جو لازم و ملزوم ہیں) حکمران نے محفل بحث کی ہے۔ جبکہ خلاصہ یہ ہے کہ دارالعلوم سکندریہ میں جب علوم طبیعیہ کا درس

کیونکہ طبیب کا تو یہ کام ہی کہ وہ بادشاہ کی صحت کو ہر وقت دیکھتا ہے۔ اور نجومی بتائے کہ

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۷۔ شروع ہوا اور علی فائد کا ظہور ہوئے لگاؤ ایک گروہ نے یہ جدت کی کہ عالم اسباب کے ہر قسم کو بجائے اسکے کہ محسوسات اور مشاہدے کے تغیرات سے مطابقت کرتے۔ انھوں نے روحانیات اور علویات کے مطابق کرنا شروع کیا۔ چنانچہ افلاطون نے نہایت بلند آواز سے اپنے شاگردوں کو تعلیم کیا کہ حقائق اعداد کا مطالعہ انسان کے دماغ کو سچے تخیل کا عادی کرتا ہے اور اس کی پرواز ہشیاء مادی اور اجسام سے بالاتر ہے۔ تم علم الاعداد کو تجارت کی غرض سے نہ سیکھو بلکہ عالم ظاہری کے تغیرات سے قطع تعلق کر کے روحانیات کی طرف متوجہ ہو۔“

متاخرین۔ بے جو شخص متقدمین کے روایت کش ہیں۔ ایک کو دس اور دس کو سو کر دکھایا۔ اور اعداد کو تقسیم کر کے ہر عدد کے خواص طبعی لکھنا شروع کر دیئے۔ مثلاً عدد کے چار مراتب احاد، عشرات، مآت، الوف، (اکائی دہائی، سیکڑہ ہزار) قرار دیئے گو یہ تقسیم نہایت دانشمندی اور اصولی طریقہ پر کی گئی تھی مگر شادین نے عدد کی طبیعت میں چار مراتب کا ہونا لازمی قرار دیا اور اگر یہ نہ کہتے تو امور طبعیہ سے نہ عدد کے رموز کی مطابقت ہوتی اور نہ یہ کہنے کی جرات ہوتی۔ کہ خدا کو چار کا عدد (مرحیات) پسند ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ عنصر چار ہیں (آتش، باد، آب، خاک) طبائع بھی چار ہیں (حرارت، برودت، رطوبت، یبوست) خلط بھی چار ہیں (دم، بلغم، صفراء، سودا) زمانے بھی چار ہیں (ربیع، خریف، صیف، ہشتا) سمت بھی چار ہیں (مشرق، مغرب، شمال، جنوب) علی ہذا الفیاس چار کی کوئی حد نہیں ہے اور بطور یہی کے بوجھ تو لاکھوں چار نکلیں گے بقول شخصے ”چار اگر چار سے جائیں تو رہیں چار کے چار، غرض کہ اسی حیثیت سے ہر عدد کے خواص مرتب ہوئے۔ اور امور طبعیہ اور امور روحانیہ میں جہاں تک ہو سکامطابقت کی گئی۔ اور انھیں اعداد نے ہجراں نصیب شاق کو اپنے معنوتوں سے ملا دیا۔ اور انہی نے ہجراں شکروں کو ان کی آن میں پامال کر دیا اور خدا جانے کیا کچھ کیا بھر حال یونان کے اس جدید فلسفے سے ہندوستان بھی نہ بچ سکا۔ اور ان اعداد نے نقش سیلہائی اور لوح سلہائی کے رُپ میں بڑے بڑے کشتے دکھائے اور آخر کو علم الاعداد کا دوسرا نام سحر اور جادو قرار پایا۔

متاخرین کا طبقہ اگر متقدمین کے نقش قدم پر نہ چلتا تو علوم طبعی کو جو معراج اٹھاریں اور انیسویں صدی میں ہوئی ہے۔ یہ بات اب سے چھ سات سو برس پہلے حاصل ہو جاتی۔ اور موسیقی جیسے متعدد علوم و فنون انھی

کون کام کس ساعت میں کیا جائے جو مبارک ہو۔ لیکن بعض سلاطین اس کے خلاف ہیں اور

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۸۔ اعداد سے پیدا ہوتے۔

اعداد کے بعد نجوم کا وقت آیا اور خلافت وضع و وضع کے اسکے ساتھ بھی وہی سلوک کیا گیا۔ اگرچہ نجوم کی ایجاد کا
غزابل در عراق عرب کو ہے۔ مگر چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی میں یونانیوں نے اسکو اوج کمال پہنچا دیا۔ اور
سے پہلے انھوں نے جہنم پر بنا دیا۔ مگر زمانہ بعد میں جب مشاہدہ اور تجربہ کی ترقی ہوئی تو نجوم کی روشنی دہندگی
پر نے لگی۔ چنانچہ اٹلی کی سلطنت (شخصی درجہ بوسی) نے نجومیوں کو خارج از بلد کرنیکا قانون پاس کیا۔ مگر چونکہ نجوم
دلوں پر پورا قبضہ تھا اسلئے قانون کچھ نہ کر سکا۔ اور سلطنت دوم کے اطراف و جوانب میں نجومی شل سیاروں کے
چلتے پھرتے رہے۔

بادشاہوں میں سے تائی برس اور حکیموں میں سینکڑوں نجوم کے معتقد اور تاثیر کو اکب کے قائل تھے لیکن سرور
نے عراق عرب (کا لڈیا) کے نجومیوں پر متواتر اعتراض کیے۔ منجملہ انکے ایک یہ ہو کہ جب کہ ایک ہی ساعت میں
بادشاہ تاج و کاشتکار اور فقیر کے گھر لڑکے پیدا ہوتے ہیں۔ اور باوجود اتنا دطالع (وقت) کے پھر ان سب کا حال
مختلف ہوتا ہے جس سے ثابت ہو کہ کو اکب کی سعادت اور خوش کو کوئی اثر وقت و لا دت پر نہیں ہوتا اگر
کو اکب کا اثر سچا ہوتا تو تمام بچوں کی حالت یکساں ہوتی۔ دوسرا اعتراض یہ تھا کہ آفتاب درماہتاب کے مقامے
میں سیارے لاکھوں میل کے فاصلے پر ہیں اسقدر بعد سے انکی تاثیر ہم تک متعدی نہیں ہو سکتی ہے۔ غرض کہ اسی
قسم کے متعدد عقلی اعتراضات تھے۔ نجومیوں نے اسکے جواب بھی دیئے اور سب سے بڑے کہ جواب ہو سکتا تھا وہ
یہ تھا کہ آئندہ کے متعدد واقعات پر اپنی تحریری رائیں دیں اور پیشین گوئیاں کیں جو انکے قول کے مطابق ہوئیں۔ اسکا
یہ اثر ہو کہ مخالفت کم ہو گئی اور کہتے ہی لوگوں کے عقائد ستر لزل ہو گئے اور عام رے یہ قرار پائی کہ بحیثیت ایک
علم کے نجوم صحیح ہے اور اس پر غلطی کا اطلاق ظلم ہو۔ لہذا حکام میں جو غلطیاں ہوتی ہیں یہ نجومی کی بھول اور قوت عقلی
کی کمزوری کا نتیجہ ہے لیکن دنیا سے یہ فرقہ نابینا نہیں ہوا۔ البتہ اسلام نے نجوم کا قطعی استیصال کر دیا۔ اور یہ اثر اس درجہ
مستحکم تھا کہ باوجود انقصائے تیرہ سو برس کے مسلمانوں کے عقائد میں ذوق نہیں آیا اور کبھی دل سے نجوم کے معتقد نہیں
ہوئے۔ مگر باوجود اسکے بھی نجوم آج تک باقی ہے۔ اور اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جب تک آسمان پر چاند سورج اور

انہی یہ مقولہ ہے کہ طبیب بہ کوفیس اور خوش ذائقہ کھانوں اور دیگر لذائذ سے روکتا ہو اور بلا سبب بھی وہ انہیں پلاتا ہو۔ اور نجومی عیش کو تلخ کر دیتا ہو اور ان کاموں سے روکتا ہو کہ حقیقت میں کرنے کے لائق ہیں۔ لیکن قول فیصل یہ ہے کہ دونوں اپنی اپنی ضرورت کی وقت بلاے جائیں۔ اگر ندیم کہن سال صحبت یافتہ ہو تو بہت اچھا ہے۔ بادشاہوں کی عادت و خصائل کا اگر اندازہ کرنا چاہو تو ان کے مصاحبوں کو دیکھلو۔ ان لوگوں کی خوش طبعی، فروتنی، اور معاملات وغیرہ سے بادشاہوں کے افعال کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

ندیموں کے بھی مختلف درجے ہوتے ہیں۔ بعضوں کو بیٹھنے کی اجازت ہوتی ہے اور بعض کھڑے رہتے ہیں۔ شاہ غنیم کے مین مصاحب تھے جنہیں دس بیٹھے ملے اور دس کھڑے ہونے ملے۔ اور شاہان غنیم نے یہ رسم سامانیوں سے سیکھی تھی۔ لیکن شاہان سلف اور خلفاء کا یہ دستور تھا۔ کہ وہ اندر ندیم رکھتے تھے جس قدر ان کے بزرگوں کے عہد میں ہوا کرتے تھے۔ بادشاہ کے ندیم کو معاش سے مستغنی اور دیگر نوکروں کے مقابلے میں معزز ہونا چاہیے۔ لیکن زیادہ ضروری یہ ہے کہ ان میں خود داری، تہذیب، رجاں نشاری کا مادہ ہو۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۹۔ ستارے قائم ہیں۔ علم نجوم بھی قائم رہیگا۔ خلفاء عباسیہ ورشاہاں اسلام کہیں۔ ہندوستان بھی داخل ہی میں ہی دو گروہ پائے جاتے ہیں۔ ایک گروہ نجوم کا معتقد رہا ہے۔ اور ایک مخالفت۔ خلاصہ یہ ہے کہ بادشاہ کے دربار میں نجومی کھڑا رہا ہے، اور آج بھی مذہب سلطنتوں میں موجود ہیں مگر نہ وہ ضمیر بتاتے ہیں نہ انسان کے واقعات زندگی پر مشین گونیاں کرتے ہیں۔ بلکہ انہی اصطلاح، دُور بین، اور گروہ اجرام فلکی کے اصلی حقائق سے آگاہ کرتا ہو اور علوم طبعیہ کے معارف اور حقائق دنیا پر نظر کرتا ہو جس کے فوائد اصطلاحی نجوم کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں۔

(۱۸) فوج خاصہ

ہمیشہ دو منتخب سواروں کو بارگاہِ سلطانی میں حاضر باش رہنا چاہیے جو قدرِ قامت، شکل، صورت، اور قوت و جسارت میں خاص طور سے ممتاز ہوں۔ اور یہ سپاہی خراسانی اور دہلی ہوں اور دونوں کی تعداد برابر ہو۔ ہر حالت میں خواہ سفر ہو یا حضر یہ ساتھ رہینگے۔ انکی وردیاں خوبصورت ہوں، اور اسلحہ سے آراستہ ہوں۔ چنانچہ میٹل ڈھال اور پرتے طلائی ہوں اور انکی سوارشی لفرنی اور نیزے بھی اعلیٰ قسم کے ہوں۔ اور پھر ہر پچاس پر ایک افسر مقرر کیا جائے جو انکو کام تقسیم کرے۔ اور پیدل بقدر چار ہزار کے ہوں۔ جنکا نام درج رجسٹر ہو۔ اور ہر ہزار کی عجات ایک جداگانہ قوم سے ہونچیں۔ سے ایک ہزار خاص بادشاہ کی خدمت کے لیے رہیں اور بقیہ امیروں سپہ سالاروں کی ماتحتی میں دیدیئے جائیں تاکہ ضرورت کے وقت کام آئیں۔

۱۵۔ روم اور یونان کی فوجی نظام کی بھرتے تحقیق نہیں کی ہو کہ ان شاہوں نے فوج خاصہ (بادی گارڈ) مقرر کی تھی یا نہیں۔ لیکن یزید و گروہ شہنشاہ عجم کے حالات میں تحریر ہو کہ اسنے خاص اپنے واسطے دیلم کی فوج سے ایک دستہ مقرر کیا تھا۔ جس کی تعداد چار ہزار تھی۔ اور وہ جُند شہنشاہ۔ یعنی فوج خاصہ کہلاتا تھا۔ چنانچہ قس و سپہ کی لڑائی کے بعد یہ فوج ایرانیوں سے ملحدہ ہو کر اسلام کے حلقے میں آگئی۔ اور سعد بن ابی وقاص گورنر کو فز نے انکو فوج میں داخل کیا اور کو فز نے آباد کر کے ان کی تیخو اہیں مقرر کر دیں۔ اور حضرت فاروق عظیم کی فوج میں عجمی۔ رومی۔ یونانی۔ ہندوستانی۔ یودی۔ مجوسی، داخل تھے۔ گو یہ عام فوج تھی مگر فوج خاصہ کا پہلا عنوان اسی جگہ سے قائم ہوا۔ اور تمام قوموں کے اشخاص فوج میں داخل کیے گئے۔ ملک شاہ کے عہد میں ان سپاہیوں کا نام فوجی اصطلاح میں ”مفردان“ تھا۔

۱۶۔ فصل ۱۹ صفحہ ۶۵۔

(۱۹) فرامین و احکام شاہی کی عظمت

بارگاہ سلطانی سے فرمان بکثرت جاری ہوتے ہیں۔ اور جس چیز کی کثرت ہوتی ہے، پھر اُس کی عظمت بابتی نہیں ہوتی ہے۔ ایسے جب تک کوئی خاص مہم نہ ہو مجلس عالی سے کوئی فرمان شائع نہ ہونا چاہیے اور شاعت کے بعد اُس کی یہ عزت ہونا چاہیے کہ جب تک حکم کی تعمیل نہ ہو جائے کوئی شخص اس کو بات سے زیں پر نہ رکھ سکے۔

اگر یہ معلوم ہو کہ کوئی شخص فرمان شاہی کو بنظر حقارت دیکھتا ہے یا اُس کی تعمیل میں لیت و لعل کرتا ہے تو اُس شخص کو پوری سزا دینا چاہیے اگرچہ وہ بادشاہ کا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

بادشاہ اور عوام کے مکتوبات میں جو فرق ہے اس کی نہایت صحیح مثال یہ ہے کہ ایک عورت نے نیشاپور سے غزنیں پہنچی سلطان محمود سے فریاد کی کہ تیرے عامل نے میری زیں چھین لی ہے اور اسپر مارا کہ قبضہ کر لیا ہے۔ سلطان نے عامل کے نام پر وادہ جاری کیا اور کہ اس عورت کی زیں واپس کرنے لیکن عامل نے بجائے تعمیل حکم کے اُس عورت سے حُجبت کی اور کہا کہ میں سلطان کی اس زمین کے حالات سے اطلاع دوں گا۔ کیونکہ یہ تیری ملکیت نہیں ہے، مجبوراً اس عورت نے پھر سلطان سے جا کر عرض کیا۔ تب سلطان نے ایک غلام کو عامل کی گرفتاری کا حکم نامہ دیا۔ جب وہ حاضر ہوا تو حکم دیا کہ ایک ہزار ضرب بید کی سزا دیجائے۔ عامل نے بہت کچھ عذر کیا اور اپنے شفع پیش کیے اور ہر ضرب بید کو ایک دینار نیشاپوری کے عوض خریدنا چاہا۔ مگر سلطان نے

ایک سماعت نہ کی۔ سزا کے بعد لوگوں نے عامل کو سمجھایا کہ اگرچہ زمین تمہاری تھی تاہم سلطان کے حکم کی تعمیل کیوں نہ کی۔ زمین کی سپردگی کے بعد جو صحیح واقعہ تھا وہ عرض کرنا چاہیے تھا۔ اُس پر حکم عالی صادر ہو جاتا۔ ”سلطان محمود نے یہ سزا ایسے دی تھی کہ دوسروں کو عبرت ہو۔ اوّل آئندہ عامل ایسی سرکشی نہ کریں۔

جو حکام بادشاہ کا ہی وہ اسکو خود کرنا چاہیے، یا حکم دینا چاہیے۔ مثلاً سزا دینا، قتل کرنا وغیرہ اوّل اگر بغیر حکم بادشاہ کے کوئی شخص اپنے نوکر یا غلام کو بھی سزا دے تو بادشاہ کو چاہیے کہ اُس کی تنبیہ کرے۔

بہرام چوہیں، خسرو پرویز کا بڑا پیارا وزیر اور سپہ سالار تھا۔ خلوت و جلوت میں ساتھ رہتا تھا ایک مرتبہ کا ذکر ہو کہ عامل ہرات درختس نے تین سوانٹ (سُرخ بال ولے) جن پر بیش قیمت اور روزمرہ کی ضرورت کی چیزیں لدی ہوئی تھیں نذر کیے۔ پرویز نے سب بہرام کو بخش دیئے تاکہ مصارف باد چھینانے میں وسعت پیدا ہو۔ اُسکے دوسرے دن پرویز کو اطلاع ہوئی کہ بہرام نے کل اپنے غلام کو بیس بید لگائے ہیں۔ یہ خبر سنکر اُسی وقت بہرام کی حاضری کا حکم دیا۔ اور جب ہ سامنے آیا تو سلاح خانے سے پانچ تواریں منگوائیں۔ اور بہرام سے کہا کہ ان میں سے جو اعلیٰ درجے کی ہوں وہ علحدہ کرو۔ بہرام نے ڈیرہ سو پسند کیں۔ پھر حکم دیا کہ انکا بھی انتخاب کرو۔ غرض کہ اخیر میں صرف دو تواریں رہ گئیں۔ تب پرویز نے حکم دیا کہ اب انکو ایک نیام میں رکھو یہ سنکر بہرام نے عرض کیا کہ ”دو تواریں ایک نیام میں ٹھیک طور سے نہیں آئیں گی۔“ پرویز نے کہا کہ ”پھر دو بادشاہ ایک ملک میں کیونکر رہ سکتے ہیں؟ چنانچہ بہرام فوراً بچھ گیا اور خطا کا اتوار کھا

پرویز نے کہا کہ اگر تو میرا خدمت گزار اور آوردہ نموتا تو میں کبھی معاف نہ کرتا۔ خدے کے غرور نے زمین کی حکومت صرف مجھ کو مرحمت فرمائی ہے اور میں فیصلے کا مجاز نہیں، آئینہ اگر کسی غلام سے قصو ہو جائے تو اول مجھ سے کہو میں اسکو مناسب سزا دوں گا۔“
اور مقتضائے احتیاط یہ ہے کہ شاہی ذامین صرف وہی شخص لیا جائے جو اس کام کے لیے مقرر ہیں۔ ایسا نہ کریں کہ اپنے نابوں کو دیدیں۔

(۲۰) بادشاہ کو حکما اور عقلا سے مشورہ کرنا چاہیے

جو شخص کا عقل تجربہ کار، اور اپنی رسلے کا مستحکم ہو اس سے مشورہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ نیکو تو ہر شخص میں عقل ہوتی ہے مگر کمی بیشی کا ضرور فرق ہوتا ہے۔ جو شخص عاقل، تجربہ کار ہو وہ عاقل

۱۔ فصل ۱۰، صفحہ ۸۱۔ ۲۔ فصل ۱۸، صفحہ ۸۵۔ ۳۔ جہاں انسان مشکلات میں گھرجاتا ہے تو اپنی مدد کے واسطے دوسروں کے خیالات سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے اور تبادلہ خیالات کے بعد جو رسلے قائم ہوتی ہے اسی کا نام مشورہ ہے۔ دنیا میں فقیر سے بادشاہ تک کوئی بھی ایسا نہیں ہے جسکو کم و بیش شکلات کا سامنا نہوتا، بلکہ بادشاہ تو ہر دم نئی آفتوں میں مبتلا رہتا ہے۔ مذہب اسلام نے اپنے پیغمبر کو ”شاورہم فی الامر“ کی سی وجہ بدایت کر دی ہے تاکہ پیغمبر کا فعل امت کی واسطے سنت قرار پا جائے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی طرز عمل یہ تھا کہ آپ ہم معاملات میں صحابہ کرام سے مشورہ فرماتے تھے۔ چنانچہ مشورے کے متعلق متعدد احادیث ہیں مثلاً المشورۃ حصن من الملامۃ وامان من الملامۃ (۲) المستشار مشیر اور المستشار موقن۔ اسی طرح پر حکما، علما، صحابہ کرام اور سلاطین وغیرہ کے متعدد اقوال کتب اخلاق میں تحریر ہیں۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ مشاورے اور مناظرے کو باب رحمت اور مفتح برکت سمجھو ایک حکیم کہتا ہے کہ ”من استعان بذوی العقول فازید بمرک المامول“

نا آزمودہ کار سے کہیں بڑھ کر ہی جس کی یہ مثال ہو کہ ”ایک شخص نے کسی مرض کا علاج طب کی کتاب میں دیکھا ہے اور دواؤں کے نام سے بھی واقف ہے۔ مگر دوسرے شخص نے علاج کر کے تجربہ حاصل کیا ہے۔ یا ایک سفر کردہ اور تجربہ کار ہی اور دوسرے نے کبھی گھر سے باہر قدم نہیں نکالا ہے۔ اس صورت میں ان دونوں بہت فرق ہے۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۸۔ بہر حال اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو کام مشورہ سے کیا جاتا ہے اس میں ناکامی اتفاقیہ ہوتی ہے اور اگر ہو تو ارشاد نبوی کے مطابق ندامت اور ملامت سے تو بلاشبہ چھٹکارہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ انسان کیسا ہی دانشمند اور فرزاد کیوں ہو؟ لیکن اس کی شخص رائے تمام مشکلات کے اطراف و جوانب کا احاطہ نہیں کر سکتی ہے۔ چنانچہ یورپ میں مجلس شوریٰ عمومی (پارلیمنٹ) و مجلس لائبرٹ (ہاؤس آف لارڈز) و مجلس العموم (ہاؤس آف کامنز) کا وجود فقط پادشاہوں کی مشکلات اور معاملات کے آسان کرنے کے واسطے ہوا ہے۔ اور روزمرہ کا تجربہ شاہ ہے کہ ان مجالس کا فیصلہ ہر پہلو سے مفید، مستحکم اور صحیح ہوتا ہے۔ اور انھیں مشاہدات کا نتیجہ ہے کہ ناپاشا ایران نے بھی مجلس شوریٰ قائم کر لیا حکم صادر فرمایا ہے۔ اور رعایا سے روس بھی انصاف و مجلس کے واسطے بغاوتیں کر رہی ہے جو ایک نئے وز کا میاب ہو گی۔

بہرام گور نے اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی کہ ہر معاملے میں عقلا سے مشورہ کرنا کیونکہ جو تدبیر مشورہ سے ہوتی ہے وہ مردہ کامیاب ہوتی ہے اور اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شکاری سے اکثر شکار بچا رہتا ہے اور نشانہ خطا کرتا ہے لیکن جب چند شکاری ہوتے ہیں تو اسکو گھیر کر مارا ہی دالتے ہیں۔

بادشاہ کو جن لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے انکی خواجہ نے صراحت کر دی ہے لیکن عام طور سے مشورے میں مؤثر و قابل عمل ہیں (۱) مشیرانہ سچا دوست ہو۔ اور معاملات میں تجربہ رکھتا ہو۔

(۲) سلیم الفکر ہو۔ اور اسکو نقص معاملے سے کوئی تعلق نہ ہو۔

(۳) رائے دینے کے وقت اسقدر متوجہ ہو کہ اسکا ذہن یا خیال کسی اور طرف منتقل نہ ہو

(۴) حاسد، کاذب، معلم، اور جاہل عورتوں سے مشورہ نہ کیا جائے۔

عقد کا قول ہے کہ ایک شخص کی تدبیر ایک مرد کی قوت اور دس کی تدبیر دس مردوں کی قوت کے برابر ہے۔ اور اس پر تو تمام دنیا کا اتفاق ہے۔ کہ انسانوں میں کوئی بھی آنحضرتؐ سے زیادہ صالح صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہوا لیکن باوجود اس قتل و دانتش کے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ شَاوِدُ رُحْمُ فِي الْاَهْلِ يَأْمَحُّ جبکہ پیغمبر علیہ السلام مشورے سے بے نیاز نہ تھے تو پھر ماؤشما کی کیا حقیقت ہے۔ اس لیے بادشاہ جب کوئی کام کرنا چاہے یا کوئی معاملہ پیش آجائے تو اسکو اپنے کہن سال خیر خواہوں سے مشورہ کرنا چاہیے لیکن عمل اُس رسلے پر کیا جائے جو متفق علیہ ہو۔ اور جو لوگ مشورہ نہیں کرتے ہیں انکو سمجھنا چاہیے کہ وہ ضعیف الرسلے ہیں۔ اور ایسے ہی لوگ خود کام کہلاتے ہیں۔“

(۲۱) سفارت

مالک غیر کے سفیر کا ایک آج ہے ہیں، اور کسی کو خبر نہیں ہوتی ہے۔ اور نہ خود بادشاہ انکی آفت کی اطلاع دیتے ہیں۔ بلکہ اسکو برا جانتے ہیں۔ ایسے والیان سرحد کو حکم دیا جائے کہ جب کوئی باہر سے لنگے علاقے میں داخل ہو تو فوراً بدیع خاص سوار کے مفصل حالات سے اطلاع دیں۔ کہ کون آیا ہے اور کہاں سے آیا ہے اور اسے کا مقصد کیا ہے؟۔ سو روپایا دوں کی تعداد سقد رہی ظاہری شان و شوکت کا کیا حال ہے؟ اور اسی مقام سے سفارت کے ہمراہ اپنا

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۸۷۔ ۳۔ خاصہ یہ ہے کہ حکمران کی رسلے کے مطابق محض اپنی رسلے پر بھروسہ کرنا داخل عملات ہے۔ انتخاب کتاب: ب لدینا واندین یوحسین مصری۔ کتاب الذریعہ راغب اصفہانی وغیرہ۔

۴۔ فصل ۳۔ صفحہ ۳۸۷۔ ۴۔ سقد رہی یہ سقد رہی نے لکھا ہے موجودہ زمانہ کی کوئی سفارت یا کمیشن بھی اس سے زیادہ تحقیقت نہیں کر سکتی ہے۔ نیز کوئی سفارت بلا اجازت نہیں جاتی ہے۔ اور عہد قدیم میں کسی اطلاع کی ضرورت نہ تھی

ایک معتمد کرے تاکہ وہ دوسری منزل تک پہنچا دے۔ غرض کہ اسی طرح سے ہر ہر شہر و ناہیکے
حاکم اپنے معتمد کے ہمراہ مغارت کو دار السلطنت تک پہنچا دیں۔ راستے میں خاطر مدارات کی
کوئی بات اٹھانہ رکھی جائے۔ اور واپسی کے وقت بھی یہی طرہ بڑھا جائے کیونکہ مغارت کے
ساتھ اچھا یا بُرا جو برتاؤ کیا جائیگا وہ فی الحقیقت اُس ملک کے بادشاہ کے ساتھ سمجھنا چاہیے
جس کی مغارت ہے۔

بادشاہوں کا ہمیشہ یہ اصول رہا ہو کہ وہ اپنے ہمعصروں کی عزت اور انکے سفارت کی قدر
کیا کرتے ہیں یا نہ کیا کرتے ہیں اگر لڑائی کے زمانے میں سفیر آیا ہو اور اُس نے اپنی سفارت کا مہیض حق ادا
کیا ہو جیسا اُس کو حکم ملا ہو تب بھی اُس کو آزدہ خاطر نہیں کیا ہو۔ کیونکہ سفارت کا آزدہ کرنا
پسندیدہ نہیں ہے۔ اور خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمَا عَلَى الْمُرْسَلِينَ الْاِذَا الْبَلَاءُ الْمُبْتَلٰی
اور یہ بھی سمجھ لو کہ شاہوں میں جو ظاہر طور پر سفیر آیا جاتا کرتے ہیں۔ اس سے انکا مقصد صرف
نامہ و پیام ہی نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ درپردہ سیکڑوں راز ہوتے ہیں۔ وہ یہ دریافت کرنا چاہتے
ہیں کہ راستے، گزرگاہیں، گھاتیان، نہریں، اور تالاب کس قسم کے ہیں۔ فوج اس طرف سے
گزر سکتی ہے یا نہیں۔ چارہ گھاس کہاں مل سکتا ہے اور کہاں نہیں۔ ان مقامات کا حاکم کون ہے
اور فوج کی تعداد کتنی ہے۔ اور دوسرے ساز و سامان کے کیا اندازے ہیں۔ دربار کا کیا
ڈھنگ ہے۔ علاوہ اسکے طریقہ نشست و برخاست، سیر و شکار، چوگان بازی، اور دیگر آداب
سلطنت اور عام اخلاق و آداب کا بھی اندازہ کرتے ہیں۔ اور یہ دیکھتے ہیں کہ بادشاہ کون سا
ہو یا جوان، عالم ہے یا جاہل، عام قریب حکومت آباد ہے یا ویران، فوج و رعیت اپنی بادشاہ

رضا مند ہو یا ناراض۔ اور ملک کے متول کی کیا حالت ہو۔ بادشاہ فی نفسہ بیدار ہو یا غافل ہو۔
 راج میں سخاوت ہو یا بخلت ہو۔ عام رجحان طبعی کا کیا حال ہو یعنی جدوجہد پر مائل ہو یا
 ہزنیات کا شید ہو۔ عورتوں کی رغبت رکھتا ہو یا غلاموں کا شیدائی ہو۔ اسکے بعد وزیر کو دیکھتے
 ہیں کہ کس تہہ کا ہو؟ آیا عقل و تدبیر کے ساتھ متدین بھی ہو یا نہیں۔ سپہ سالاران فوج تجربہ کار
 ہیں یا نوآموز۔ مصاحبین کس رنگ و ہنگ کے ہیں کس چیز کو دوست رکھتے ہیں اور کس کو دشمن
 جانتے ہیں۔

نتیجہ اس سچان بین کا یہ ہوتا ہو کہ اگر کسی وقت میں اُس بادشاہ سے مخالفت ہو جائے یا اسکے
 ملک پر قبضہ کرنے کا ارادہ ہو تو آسانی سے کامیابی ہو سکتی ہو۔ اس موقع پر میں اپنا ذاتی واقعہ
 بیان کرتا ہوں، اور وہ یہ ہو کہ سلطان سعید لپا سلطان حنفی المذہب تھا۔ اور اکثر کہا کرتا تھا۔
 کہ کاش! میرا وزیر بھی حنفی المذہب ہوتا۔ کیونکہ ساقی ہونے کی وجہ سے اس میں سیاست
 و ہیبت نہیں ہو۔“

چونکہ سلطان متعصب تھا اس وجہ سے میں ہمیشہ اُس سے ڈدا کرتا تھا جس اتفاق سے سلطان کو
 شمس الملک نصر بن براہیم (خان سمرقند) کی سرکشی کی وجہ سے ماوراء النہر کا سفر درپیش آیا۔ او
 سلطان نے سفارت روانہ کی۔ چنانچہ میں نے بھی اپنی جانب سے دانشمندانہ شتر کو سفیر کے ساتھ
 کر دیا تاکہ جو اتفاقات پیش آئیں وہ براہ راست مجھے معلوم ہو جائیں چنانچہ وہی سفارت پر
 شمس الملک نے اپنا سفیر سلطان کی خدمت میں روانہ کیا۔ چونکہ یہ بھی آئین سفارت میں داخل ہو
 کہ سفیر وزراء سے ملاقات کر کے عرض مطلب کرتے ہیں۔ تاکہ وزیر کے ذریعے سے بادشاہ تک

حالات پہنچ جائیں، اور رخصت کی وقت بھی ملکر جاتے ہیں۔ چنانچہ شمس الملک کا سفیر بھی مجھے ملنے آیا۔ میں اس وقت جلسہ اجاب میں بیٹھا ہوا شطرنج کھیل رہا تھا۔ اور ایک بازی میں انگوٹھی جیت چکا تھا۔ مگر یہ انگوٹھی بائیں ہات کی انگلی میں ڈھیل ہوتی تھی۔ ایسے مینے داہنے ہات میں پھنسی لی تھی۔ جب اطلاع ہوئی کہ سفیر دروازے پہ پہنچ گیا ہو۔ اس وقت باطل الٹ دی گئی۔ اور سفیر بلایا گیا۔ اور ہر دہر کی باتیں ہو اکیں۔ چونکہ میں اس انگوٹھی کو انگلی کے چاروں طرف گھما رہا تھا سفیر نے بھی اسکو دیکھا تھا۔ غرض کہ وقت خاص کا یہ معاملہ تھا۔ سفیر رخصت ہو کر چلا گیا۔ اور سلطان نے دوبارہ اپنا سفیر بحجاب سفارت شمس الملک سمرقند روانہ کیا۔ اس مرتبہ بھی میں دانشمندانہ اثر کو ساتھ کر دیا تھا۔ اور یہ دونوں شمس الملک کے روبرو دربار عام میں پیش ہوئے اس وقت خان نے اپنے سفیر سے پوچھا کہ سلطان کو عقل و تدبیر میں کیسا پایا، فوج کس قدر ہو۔ اور دیوان و دفتر کی ترتیب کا کیا حال ہے؟ سفیر نے ہر چیز کی مدح کر کے کہا کہ ”میں نے صرف ایک عیب پایا۔ اگر یہ نہوتا تو کسی کو مجال سرکشی نہوتی، خاں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ سفیر نے کہا کہ وزیر شیعی مذہب ہے۔ کیونکہ وقت ملاقات کے مینے دیکھا کہ وہ انگوٹھی داہنے ہات میں پہنے ہوئے تھا اور اسکو گھما رہا تھا اور مجھ سے باتیں کرتا جاتا تھا۔ جب اس واقعہ کی مجھے اطلاع ہوئی تو نہایت صدمہ ہوا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ میرا شافعی المذہب ہونا ہی سلطان کو ناگوار ہے۔ اگر کہیں اسکو یہ معلوم ہو جائیگا کہ میں شیعہ ہوں تو پھر وہ مجھے زندہ نہ چھوڑیگا۔ ایسے مینے تیس ہزار دینار صرف کئے اور ہمیشہ کے لیے کچھ لوگوں کا وظیفہ مقرر کر دیا کہ اس واقعہ کی سلطان تک اطلاع نہو۔“

نتیجہ اس حکایت کا یہ ہے کہ سفیر اکثر عیب جو ہوا کرتے ہیں۔ اور ان کی نظر عیب نہ ہر یک بیان کرتی ہے۔

جواب دشاہ عاقل ہیں وہ اس قسم کی نکتہ چینیوں سے اپنے اخلاق درست کر لیتے ہیں اور مہذب ہو جاتے ہیں۔

سفیر ایسا شخص ہونا چاہیے جسکو بادشاہوں کی صحبت میں مہربانی ہو اور اسے مطلب میں توفیق ہو اور نہ فضول گو ہو۔ کمال علمی کے ساتھ سفر کا تجربہ کار اور وجاہت ظاہری سے آراستہ ہو نہ بیرون سال عالم کو دوسروں پر شرف ہی۔

اگر بادشاہ اپنے کسی مصاحب کو سفارت پر روانہ کرے تو زیادہ عہت بار کے قابل ہی۔ اگر سفیر نوجوان اور فوجی تجربہ کار ہو تو زیادہ مناسب ہی۔ کیونکہ اس ایک شخص سے ہم سب کا اندازہ ہو جائیگا خلاصہ یہ ہے کہ سفیر بادشاہ کی عقل و سیرت کا آئینہ ہوتا ہے۔

ایسے موقعوں پر جب کسی ملک سے سفیر آئے اس وقت (کم از کم) بیس غلاموں کو پیش قیامت لباس اور مہر مع اسلحہ سے آراستہ کر کے تخت کے گرد کھڑا کرنا چاہیئے۔

بردہشت خانوں میں چارہ جمع کرنا

حالت مغرب میں جس منزل پر بادشاہ کا قیام ہوئے والا ہی وہاں پہلے سے چارہ گھاس نہیں مل سکتا

۱۵ فصل ۲۰ صفحہ ۸۶۔ ملک شاہ نے تمام ممالک محدودہ کا پانچ مرتبہ دورہ کیا تھا۔ اور بڑی شان و شوکت سے گھرے نکلتا تھا۔ لہذا ان لحکامات کا جاری کرنا ضروری تھا۔ مگر اس زمانے میں نہ بادشاہوں کو فوج و شہم کے ساتھ طولانی سفر کرنے کی ضرورت پڑتی تھی۔ اور نہ وہ اپنی مجبوریوں سے دار السلطنت سے باہر جاتے تھے۔ انکی سب سے بڑی جولا گناہ چند سہل کی شکا رہا ہوتی تھی۔ اور اس کے واسطے تمام سامان دار الحکومت سے روانہ ہوتا تھا۔ البتہ فوجوں کے کوچ و مقام پر رسیدنی کا انتظام نہایت وسیع چاہیے پڑتا تھا۔ ہر شہر پر وہی بندوبست کیا جاتا تھا جیسا کہ خواجہ نے لکھا ہے۔ اور تحصیلداروں کے

اور ایک دن کے چارہ لگاس کے لیے بڑی کوشش کرنا پڑیگی۔ لہذا جن رستوں سے آئندہ گزرنا ہو یا جن پڑاؤ میں ٹھہرنا ہو وہاں اسکا خاص انتظام پہلے سے کرنا چاہیئے۔ تاکہ اس نقص سے اصل مہم میں نا کامی نہ اٹھانا پڑے۔ اور اگر یہ ذخیرے کام نہ آویں تو بعد کو فروخت کر کے اگلی قیمت مثل دیگر محاصل کے داخل خزانہ سرکاری کر دی جائے۔ اس انتظام سے قطع نظر سہولت کے رعایا کو بھی آرام ملتا ہو

قاعدہ تیسم نخواستہ فوج (۲۳)

تمام فوج کی نخواستہ نقد ادا کر دیجائے جو جاگیر دار ہیں انکو بھی فوج کے اندازے پر حساب کر کے نقد دیدیا جائے۔ اور یہ حکم کبھی مذاںجا جائے کہ خزانے سے اسقدر روپیہ برآمد کر لو۔ بہتر یہ ہے کہ نخواستہ بادشاہ اپنے ہات سے تیسیم کرے تاکہ دلیں بادشاہ کی محبت پیدا ہو جائے اور وقت پر وہ اچھی طرح سے کام کریں۔

قدیم بادشاہوں کا دستور تھا کہ سپاہیوں کو نخواستہ کے عوض میں جاگیر نہیں دیا کرتے تھے بلکہ سال میں چار مرتبہ ان کی نخواستہیں خزانے سے دیجاتی تھیں جس سے وہ اپنی حالت کو درست رکھتے تھے۔ ملکی حکام ہر قسم کی آمدنی خزانے میں داخل کیا کرتے تھے اور تین مہینے کے بعد انکی نخواستہ دیجاتی تھی۔ دفتر کی صہطلوح میں اسکو پیشہ گانی کہتے ہیں۔ یہ قاعدہ محمود غزنوی کے خاندان میں

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۹۰۔ داخل میں یہ اہم خدمت ہے، البتہ جو دشواریاں اس انتظام میں تحصیلداروں کو پیش آتی ہیں، اس پر ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے۔

۱۵ فصل ۳ صفحہ ۹۱۔ ۱۵ خراج نظام الملک نے بعد پورا اس قانون کے یہ قاعدہ توڑ دیا تھا۔ اور سپاہیوں کو بجائے نقد نخواستہ کے جاگیریں دیدی گئی تھیں۔ یہ بحث خواجہ کے اولیات میں کھدی گئی ہے۔

تک جاری ہے۔ اور جاگیر داروں کو ہدایت کیجئے کہ اگر ایک گھوڑا مر جائے یا کہیں غائب ہو جائے تو اس کی اطلاع کیا کریں۔ اور ہر مہم میں انکو مدد کرنا چاہیئے۔ اور اگر کوئی گزیر کرے تو تنبیہ کے ساتھ ملنے آدا ان وصول کر لیا جائے۔

(۲۴) فوج بھرتی کرنے کا قاعدہ

فوج میں جب ایک جنس کے سپاہی ہو گئے تو ان میں خطرے کا احتمال ہو اور اُنے جفاکشی بھی نہ ہو سکے گی۔ اسلئے فوج میں ہر جنس کے سپاہی یعنی دہلی، خراسانی، گرجی وغیرہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ سلطان محمود غزنوی کی فوج میں ترکی، خراسانی، عربی، ہندی، دہلی، غوری سپاہی بھرتی تھے۔ اور سرگجھات میں مختلف ممالک کے سپاہیوں کا پہرہ رہتا تھا۔ جبکہ یہ اثر تھا کہ ہر گروہ دوسرے سے ڈرتا رہتا تھا۔ اور جس کی نوکری جس جگہ ہوتی تھی وہ صبح تک اسی مقام پر ڈٹا رہتا تھا اور جب ن کو کوئی لڑائی ہوتی تھی تو ہر ملک کا سپاہی اپنی تعریف کے خیال اور بدنامی کے ڈر سے

۱۔ فصل ۲۴، صفحہ ۹۔ ۲۔ مختلف اقوام سے فوج بھرتی کرنے کا اصول نہایت مفید ہے۔ اور میں متعدد ملکی حکمت عملیاں ہیں جسکی طرحت کا یہ موقع نہیں ہو سکتا۔ ان اسلام اصول پر صدیوں سے عملد آ رہے ہیں۔ چنانچہ ۱۰۰۰ء میں محمود غزنوی نے سبجو تیکے مقابلے میں جو فوج بھیجی تھی اس میں ہندوستان کی ایک پٹن موجود تھی جکا نامور سپاہی لارے سنگھ تھا۔ اسکے بعد مورخ نے یہ رسلے لکھی ہیں۔ روباہت نیکیو پریست کہ دریں عہد سلاطین اسلامیہ افواج جنگی را از طبقہ ہندوستان نگاہ داشتن آغاز کرده بودند، و ہندوستان در جمہور کردن رود و سندھ از برسلے جنگیدن از طرف شاہان مظفر اسلامیہ باک مفید استند۔، کتاب آثار الاول میں ایک پورا باب ان قوموں کے افعال و عادات اور خواص میں موجود ہے جو فوج میں بھرتی کرنا چاہیئے۔“

یورپ اور ہندوستان میں اسی اصول کی پابندی کی جاتی ہے۔ الفاروقی شبلی نعمانی بحوالہ فتوح البلدان۔ سیاست نامہ۔“

تاریخ ہندوستان مصنفہ جان سی مارشمن ترجمہ فارسی مولوی عبدالرحیم مطبوعہ مکتبہ صفحہ ۱۸۹۔

جان لڑا دیتا تھا تاکہ کسی فریق کے مقابلے میں غفلت و سستی کا الزام عائد نہ ہو۔ جب فوج میں اصول سے کام لیا جائیگا تو یقین ہی کہ ہر سپاہی تلوار کے قبضے پر ہات رکھ کر قدم پیچھے نہ ہٹائیگا تا وقتیکہ وہ اپنے دشمن کو شکست نہ دیدے۔

اور یہ بھی قاعدہ ہی کہ جب فوج ایک و مرتبہ نمایاں فتح حاصل کر لیتی ہے تو اس فوج کے ایک سو سو اپنے مقابلے میں ایک ہزار کو کوئی مال نہیں سمجھتے ہیں۔ اور دشمن کو بھی یکا یک ایسے فتیاب شکر کے مقابلے کی جرات نہیں پڑتی ہے۔

شیخ عرب، سرداران کرد، دہلی درومی اور ایسے اشخاص جنہوں نے حال میں اطاعت کا حلف اٹھایا ہو۔ انکو حکم دینا چاہیے کہ وہ اپنے لڑکوں اور بھائیوں کو (بطور اول کے) حاضر دربار رکھا کریں۔ اور ایک سال کے بعد یہ نصرت کر دیے جائیں لیکن جب تک اپنے قائم مقاموں کو حاضر نہ کریں ہرگز نہ جانے پائیں۔ اس اصول کی پابندی سے بغاوت نہیں ہو سکتی ہے۔ اور بڑا فائدہ یہ ہے کہ ضرورت کے وقت ہر قبیلے کے سردار موجود ملیں گے۔ یہ جماعت پانچ سو آدمیوں کم نہ ہونا چاہیے۔

(۲۵) خدمتگارا اور غلاموں سے کام لینے کا طریقہ

ہر وقت اور بلا ضرورت نوکروں کے پیچھے نہ پڑنا چاہیئے، کیونکہ کسی وقت اگر سب کے سب تنہا ہو جاتے ہیں تو تھوڑی دیر بعد پھرتے ہیں۔ ایک بار کام بگاڑیں تو دوسری مرتبہ اچھی طرح سمجھا دینا چاہیئے۔ تاکہ بار بار کہنا نہ پڑے۔ اور جو غلام، امیر حاجب، وغیرہ کی ماتحتی میں ہوں۔

اُنکے افسروں کو حکم دیا جائے کہ ہر روز اس قدر غلام کا رخصت کے لیے بھیجے جائیں۔

زمانہ سابق میں جہدن غلام خرید ہو کر آتا تھا۔ اُس دن سے بڑھاپے تک ہر روز اُس کی تعلیم و تربیت کیجاتی تھی۔ اور بلحاظ تعلیم و تربیت اُنکے درجے مقرر ہوتے تھے۔ مگر ہمارے زمانہ میں اُن قاعدہ کی پاسبندی نہیں ہوتی ہی مثال کے طور پر مختصر اُبیان کرتا ہوں۔

سامانیوں میں یہ قاعدہ جاری تھا کہ آہستہ آہستہ خدمات اور شانستگی کے لحاظ سے غلاموں کا درجہ بڑھاتے تھے۔ چنانچہ جو غلام نیا خرید کیا جاتا تھا وہ ایک سال پایہ رکھا جاتا تھا اور سواری کے ہمراہ زندہ بچھی پہن کر چلتا تھا۔ اور اُنکو سخت تاکید تھی کہ چوری چھپے سے بھی ایک سال تک گھوڑے پر سوار نہ ہو۔ اور بحالت خلاف درزی اُنکو سزا دی جاتی تھی۔ ایک سال کے بعد وثاق باشی کی تحریر پر حاجب سواری کے لیے ترکی گھوڑا دیتا تھا۔ مگر لگام اور دول سادہ ہوتی تھی۔ پھر ایک سال بعد قراچوری دی جاتی تھی کہ وہ کمزور بند ہیں۔ اور پانچویں سال عمدہ زین و لگام و قبائے دارنی اور آہنی گرز دیا جاتا تھا۔ چھٹے سال جامہ عنوان ملتا تھا۔ اور ساتویں سال خیمہ لکیری (جس کی طنابیں سولہ مسخوں میں کھینچی جاتی تھیں) اور تین غلام اُسکو اور دیئے جاتے تھے۔ اور لقب وثاق باشی ہوتا تھا۔ ہندسیہ کی ٹوپی ہوتی تھی جس پر ہلکی سنہری تحریر کر دی جاتی تھی۔ اور قبائے گنچہ کا لباس ہوتا تھا۔ غرض کہ اسی طرح ہر سال درجہ بڑھتے بڑھتے خیل باشی سے حاجب کے مرتبے پر پہنچ جاتا ہے۔

لہ زندہ بچھی = سوزن کا رسیفہ موٹا کپڑا۔ قراچوری = لالہ بنی تلوار دارانی = ایک قسم کا ریشمی کپڑا۔ جامہ عنوان اس اصطلاح کے معنی لغت میں نہیں ملے۔ ۱۱۔

اگر ہر موقع پر اُسکے ہات سے بڑے بڑے کام ہوتے اور وہ اپنی شانگی اور قابلیت کے جوہر دکھاتا تب کس مہینے ۳ برس کی عمر میں مارت اور حکومت کا آغاز بخشنا جاتا تھا۔

۱۷۔ اُسپتگیس نے جو خاندان سامانیہ کا پروردہ تھا اسی عمر میں خراسان کی سپہ سالاری پائی تھی۔ عتقا کا قول ہے کہ لائق خدمت گار اور شائستہ غلام بیٹے سے کہیں بڑھ کر ہی۔ اور خدا نکرے کہ اچھے نوکر اور تعلیم یافتہ غلام ہات سے بچ جائیں جیسا کسی شاعر کا قول ہے۔
 یک بندہ مطاع باز صد فرزند کین مرگ پدر خواہد و آن عمر خداوند

غلاموں کی نگرانی اس امر میں بھی کیجاے کہ وہ بغیر حکم شاہی (اور وہ بھی بحالت خاص ضرورت کسی ہم پرندہ روانہ کیے جائیں کیونکہ ان کی ذات سے رعایا کو سخت تکلیف پہنچتی ہے۔ اگر کسی سے دُور دینار وصول کرنے کا حکم ہو تو دیہاتوں وصول کر لاتے ہیں۔“ (فصل ۱۱ صفحہ ۶۸)

۱۸۔ امیر محمد بن اسماعیل سامانی کا پروردہ اور جان نثار غلام تھا اور ترکی نسل سے تھا۔ جو طریقہ اس عہد میں غلاموں کی تعلیم اور تربیت کا تھا اُسکا اپٹگیس اُسکا پورا نمونہ تھا۔ خراسان میں اس کی گورنری کا زمانہ یادگار ہے۔ سبکتگیس درتکی لفظ ہے ”دوڑ پٹے“ اسکا ترجمہ ہے) کو اسی جگہ خرید لیا تھا۔ اور اسکا مختصر واقعہ یہ کہ ایک دن تیس غلام بکے کو اُسے اپٹگیس نے بک کر خرید کر لیا ان میں سے متا سبکتگیس تھا۔ چنانچہ تیسرے دن حاجب نے اطلاع کی کہ ایک واقعہ باہمی مر گیا ہے۔ اُسوقت سبکتگیس سامنے تھا۔ اپٹگیس نے کہا کہ اسی کو مقرر کرو۔ حاجب نے عرض کیا کہ یہ خدمت قبل از وقت ہے۔ اپٹگیس نے کہا کہ میں حکم دیدیا ہوں اور اسنے سُن لیا ہوا ہے اس عہد کو واپس کرنا نہیں چاہتا ہوں۔ خوشگذاٹھارہ برس تک سبکتگیس معزز درجن پر مقرر ہوتا رہا اور ہر خدمت پر اعلیٰ درجے کی کارگزاری دکھائی۔ اور اپٹگیس کی موت تک ساتھ رہا۔ پچھترہ سال میں جب امیر عبدالملک سامانی چوگان کھیلنے ہوئے گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ اُسوقت اپٹگیس دنیا پور میں تھا۔ اُس نے دار السلطنت سے قاصد بھیجا کہ اپٹگیس سے مشورے کیا کہ آپ کی سلاہ میں کس کو بادشاہ مقرر کیا جائے۔ اپٹگیس نے دُور اُنس دیں۔ قاصد ہنوز واپس نہیں آیا تھا کہ اُمراء نے منصور برا در عبدالملک کو تخت نشین کر دیا۔ چونکہ منصور کا انتخاب اپٹگیس کے

(۲۶) دربار

دربار عام [۱] دربار کی ترتیب اس طرح پر کی جائے کہ اول بادشاہ کے عزیز و اقارب آئیں اُس کے بعد ملک کے معزز سردار اور ارکان فرج۔ پھر دیگر اشخاص، اور جب تمام گروہوں کا دخلہ ایک ہی مرتبہ ہو، تو وضع و شریف کا ہستیاز کر لینا چاہیئے جب دربار شروع ہو تو پرودہ اٹھا دیا جائے۔ اور حاجب کی روک ٹوک نہ ہے کیونکہ یہی شناخت دربار عام کی ہے۔ اور اس علامت کا ہونا ضرور ہی کیونکہ امر اکو بغیر شرف ملازمت بادشاہ واپس جانا نہایت گراں

بقتیر نوٹ صفحہ ۲۹۵۔ خلافت تھا اسوجہ سے اُمرار دربار نے بادشاہ کو الپ تگیس سے ناراض کر دیا جب یہ خبر پرا خراسان تک پہنچیں تو ازراہ دُراندیشی الپ تگیس نے خراسان چھوڑ دیا۔ اور ہندوستان کو غزوات کے ارادے سے روانہ ہوا لیکن چونکہ غزنویں الپ تگیس کا مولہ اور منشا تھا اسوجہ سے اسی کو دارالحکومت بنایا۔ اسوقت غزنویں ایک معمولی گاؤں تھا۔ یہاں تک پہنچو میں مضور کر پڑے سخت کٹاؤں پیدا کی گئیں اور لڑائیاں ہوئیں مگر اخیر کو الپ تگیس کا میا بیچا۔ اور شاہ برس اپنے قاتلوں کی خدمت کر کے زاندا زہی برس کا ہو کر ۶۶۳ھ میں فوت ہوا۔ اگل سامان کا یہ وفادار صادق القول شجاع، مدبر، فیاض، خداترس اور خدمت گزار غلام تھا۔ خود مختار ہو کر صرف تیرہ برس زندہ رہا۔ چنانچہ غزنویں میں سلطنت کی بنیاد اس کی ذات سے پڑی۔ مورخوں کا بیان ہے کہ تین ہزار قواعداں غلام خراسان سے الپ تگیس کے ہمراہ پہلے آئے تھے۔ اول انھیں کی ذات سے غزنویں کی آبادی ہوئی۔ اسکے بعد افغانی جو گئے فرج میں بھرتی کئے گئے۔ اسکے انتقال پر ابو اسحاق امکا میا تخت نشین ہوا لیکن یہ کمزور، ناتوان اور عیاش شاہزادہ ۶۷۶ھ میں فوت ہو گیا اور ملک نے بے سبک گئیں کو اسکا جانشین بنا دیا چنانچہ اسی نامور کامیاء محمود غزنوی ہی جو شان غزنویں میں کے نامور شاہنشاہ تسلیم ہوا ہے۔ یہی ہے جو کہ اسلام کی تعلیم و تربیت نے اپنے عہد میں جس شان و شکوہ کے غلام تیار کیے اور جس در کی انھوں نے حکومت کی ہو اسکی نظیر کج آندا بادشاہوں میں بھی نہیں ملکتی ہے۔ ”انتخاب ادماء تاریخ نامہ خسروان حکم لغزشن سیاست نامہ“۔

گزرنا ہی۔ اور دربار میں پہنچ کر شرفِ حضور ہی حاصل نہو اس سے بھی بادشاہ پر بدگمانیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ اور بہت سے جھگڑے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور درباروں کے کم ہونے سے لوگوں کے کاروبار بند ہو جاتے ہیں۔ اس لیے بادشاہ کو اکثر دربار منعقد کرنا چاہیئے بیٹھے یہ ایک دروز عام جلب ہونا چاہیئے اور داخلے میں کسی کی روک ٹوک نہ کی جائے۔ جسدِ دہا میں خواص کے جانے کا دن ہوا سدن عوام نہ جائیں۔ مگر دونوں کو ایسی تارخوں سے اطلاع ہونی چاہیئے تاکہ یہ نوبت نہ کہ ایک بلایا جائے اور دوسرا نکالا جائے۔ اور آنے والوں کے ہمراہ ایک غلام سے زیادہ نہ ہو۔

دربارِ خاص عیش و طرب کی مجلس میں یہ نہایت ناپسندیدہ ہے کہ کئے و لے جام و صراحی اور ساقی لیکر حاضر ہوں۔ کیونکہ یہ رسم قدیم ہے چلی آتی ہے کہ تمام خور و نوش کا سامان اُترا بادشاہ کے گھر سے پہلے گھر لیجاتے ہیں نہ برعکس اسکے۔ کیونکہ بادشاہ اور رعایا میں آقا اور غلام کی نسبت ہے۔

اس مجلس کے ارکان صرف ندیم ہونا چاہئیں۔ مگر جیسا کہ میں اول بیان کر چکا ہوں، غلام اور سپہ سالاران فوج یا معزز طبقہ کے لوگ اس زمرہ میں داخل نہ کیئے جائیں۔

بادشاہ کے حضور میں بیٹھنے اور کھڑے ہونے دونوں کی جگہیں مقرر ہیں۔ لہذا اس میں بھی پہلی ترتیب کا خیال رکھنا چاہیئے اور تخت کے گرد معزز طبقہ کے ارکان کھڑے ہوں۔ اگر ان میں کوئی اور شامل ہو جائے تو حاجب کو چاہیئے کہ علیحدہ کر دے اسی طرح ہر درجے میں

نظر رکھنا چاہیے تاکہ کوئی نا اہل شریک نہ ہو جائے۔

(۲۰) اہل فوج کی حقیر

تمام سپاہیوں کی عرصہ اشتیاق اور اُن کی خواہشات کی اطلاع انہوں کے ذریعے سے بادشاہ تک ہونا چاہیے تاکہ جو نیکی ہو وہ اُنکے ہاتھ سے ہو۔ اس کارروائی سے فوجی سرداروں کی عزت بڑھ جاتی ہے۔ اگر کوئی سپاہی اپنے انہرے بہ زبان کرے تو اُسکو سزا دی جائے تاکہ چھوٹے بڑے کا فرق معلوم ہوتا رہے۔

(۲۱) صاحبان جاگیر و منصب

جن افسروں کو بڑی بڑی جاگیریں اور منصب دیے جائیں اُنکو یہ بھی تاکید کی جائے کہ اعلیٰ درجے کا فوجی سامان رکھیں۔ اور غلاموں کو خرید کریں، کیونکہ ان کی شان و شوکت کا فوجی بیعہ ہیں۔ اور محض اپنے مکان کی آرائش سے اُن کی زینت نہیں ہو سکتی ہے جس جاگیر دار کو پہلی بات کا خیال ہوگا۔ اُس کا قرب اختصاص بادشاہ سے اپنے ہچکچٹوں کے مقابلے میں بڑھتا جائیگا

(۲۲) اُن لوگوں کے قصوں کی نثر جنکو سلطنت نے درجہ اولیٰ سے اعلیٰ پر پہنچایا ہے

جن لوگوں کو خود ہی بادشاہ درجہ اولیٰ سے اعلیٰ پر پہنچایا ہے۔ اُن کی تربیت میں ایک نامزد دار

۱۔ زمانہ حال میں دربار داروں کے حق و امتیاز ہر عہد قدیم سے بالکل جدا گانہ ہیں اور ان آداب سے قریباً ہر تعلیم یافتہ واقف ہے

لہذا کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ۲۔ فصل ۳۱۔ صفحہ ۱۱۱۔ ۳۔ فصل ۳۲۔ صفحہ ۱۱۲۔ ۴۔ فصل ۳۳۔ صفحہ ۱۱۳۔

صرف ہوتا ہی جب ایسے لوگوں سے کوئی قصور ہو جائے تو علانیہ عتاب کرنے سے انکی آبرو ریزی ہوتی ہے۔ اور پھر بہت کچھ عزت افزائی سے بھی وہ اپنے اصلی درجے پر نہیں پہنچ سکتے ہیں ایسے انب طریقہ یہ ہے کہ اُن کی خطاؤں کو پول حشم پوشی کیجائے اور بلا کر سمجھا دیا جائے کہ سنجوئی اتنے یہ حرکت نہایت ناشائستہ کی ہی چونکہ ہم اپنے پروردہ کو ذلیل نہیں کرتے ہیں ایسے دیگر زکیا جاتی ہے۔ مگر خبردار اب آمیزہ ایسا نہ ہو۔ ورنہ تم اپنے درجے سے نیچے آتا رہ جاؤ گے۔ اور ہمیں ہماری طرف سے کوئی قصور نہ ہوگا بلکہ وہ تمھارے ہی کرتوتوں کی سزا ہوگی امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے نزدیک سب سے زیادہ نیا

۱۔ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہاشم کے پوتے اور ابو طالب کے نامور بیٹے ہیں، آپ کی والدہ کا نام فاطمہ تھا (جنت اسد بن ہاشم) اور ہاشمیوں میں سے سب سے ہاشمی حضرت علی ہیں۔ فضائل میں سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچ سے بھائی اور داماد ہیں اَنَّامِدَ نِسَّةَ الْعِلْوِ عَلٰی کُلِّ بَآئِحًا آپ ہی کی ذات پاک کی تفسیر ہر خلافت کے دنیاوی انتظام میں اگرچہ آپ کا چچ تھا درجہ ہی۔ مگر سلسلہ امامت میں آپ رکن اول ہیں۔ عالم قبل کے تینوں بریں ہوں رجب کو مقام مکہ معظمہ کی ولادت ہوئی اور چھ ماہ میں منہ خلافت پہلوہ فرما ہوئے۔ آپ کے عہد کے اسم واقعات میں سے جنگ جمل اور جنگ صفین ہو۔ اور مسلمانوں کی بے بسی سے پہلی نزاع تھی جو خانہ اسلام میں پیدا ہوئی اگرچہ ملکی فتوحات میں اضافہ ہوا مگر دعائی فتوحات میں بڑی ترقی ہوئی۔ شجاعت، ہمت، فیاضی، اور صاف دلی میں آپ کی ذات عظیم المثال ہے۔ جو بڑی پہچان میں مقام کو فداء، ۱۔ رمضان المبارک یوم جمعہ جبکہ آپ نماز صبح کے واسطے مسجد جا رہے تھے عبدالرحمن بن ملجم نے ذہراؤ تلوار سے زخمی کیا۔ اور اسی صبح شہید شہیدہ میں تیار ہوئے، رمضان المبارک سفر آخرت قبول فرمایا۔ اور نجف شرف میں دفن ہوئے جو مسلمانوں کا مرجع و مآب ہے تاریخ وفات میں یہ شعر مشہور ہے

ابن ملجم سر پہ چو برید سال فوٹش از ان عیاں گردید

از آنجا فت و معارف ابن قتیبہ و سیوطی التوفیقات الاطالیہ۔

اور بہادر کون ہی؟ آپ نے فرمایا کہ جو غصے کی حالت میں اپنے تئیں سنبھالے اور ایسی حرکت نہ کرے جسے بعد پشیمانی اٹھانا پڑے۔

انسان کی عقل کا مقصد یہ ہے کہ اول تو غصہ نہ آئے۔ اور اگر آجائے تو پھر عقل پر غالب نہ ہونے پائے۔ کیونکہ جب اہشت نفسانی کا عقل پر غلبہ ہوتا ہے تو آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں۔ اور اُس سے دیوانوں کے سے افعال سرزد ہونے لگتے ہیں۔ اس لیے سمجھدار آدمیوں کو ایسی حالت سے بچنا چاہیے۔

(۱) روایت ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ معزز لوگوں کے ہمراہ خاصہ نوش فرما رہے تھے

امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے تیرا بیٹے اور اٹھارہ بیٹیاں تھیں مگر حضرت امام حسن و لاہ اکبر اور حضرت امام حسینؑ فرزندانی سے مشہور تھیں۔ وہ شعبان ۱۰ پہنچے میں مقام مدینہ منورہ آپ کی ولادت ہوئی۔ امیر معاویہ کے انتقال کے بیسے بڑے سے خلافت پر نزاع پیدا ہوئی جبکہ آخری نتیجہ یہ ہوا کہ مقام کربلا (ارض عراق ناحیہ کوفہ) بروز جمعہ ۱۰ محرم ۶۱ مطابقی کلم اکبر پر منسلک ہوئے آپ مع کثیر رفقاء اور غریزوں کے شہید ہوئے۔ شہادت سے تھوڑی یہ قبل آپ یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان جنگ میں تشریف لائے۔

انا ابن علی الحب من الہاشم کفائی بھلا مصفی احین اخضر

وجدی رسول اللہ اکرم مریشی ونحن سراج اللہ فی الارض نیہما

دفاطمة امی سلالۃ اسما وعی بدیع ذالکبا حین جعفا

وفینا کتاب اللہ نازل صادقاً وفینا الہدی والوحی الخیر بدی کس

اس رجز کا آغاز و اواخر پر علاوہ موصوفین کے عربی، عجم، روم، شام اور ہند کے شعراء نے بقدر مرثیے لکھے ہیں آپ کی اضافہ کی ضرورت نہیں ہو اور میر کمال درمزا و بیہ رحم نے بقدر رکھا ہی وہ عام طور سے مشہور ہے۔ مگر آنحضرت ناصر الدین محمد شاہ ایران نے اپنے شاہنشاہ کے غم میں چند اشعار لکھے ہیں اُنکے لکھنے کو بے اختیار دل چاہتا ہے۔

خبر شمر، خون شہ، خواباں تشنہ خجرتہ، بزم خجرتہ ایں تشنہ

اور نہایت بیش قیمت لباس پہنے ہوئے تھے۔ اور عمامہ بھی بہت موزوں اور خوبصورت بندھا تھا کہ پیچھے سے غلام نے ایک کھانے کا پیالہ اٹھا کر سامے رکھنا چاہا مگر اُسکے ہاتھ یکایک پیالہ چھوٹ گیا۔ جس سے تمام چہرہ اور سر مبارک آلودہ ہو گیا۔ بقتضای بشریت آپ کو غصہ آیا اور چہرہ سرخ ہو گیا اور اُسی حالت میں غلام کی طرف دیکھا وہ کانپ کر فوراً بول اٹھا کہ اَلْكَافِرُ الظَّالِمُ الْغَيُّ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْخٰسِرِيْنَ خدا کا حکم سنتے ہی آپ کا غصہ جاتا رہا اور چہرہ سے فرحت اور مسرت کے آثار نمایاں ہو گئے۔ اور غلام سے فرمایا کہ جائینے تجھ کو آزاد کر دیا۔ اب تو ہمیشہ کے واسطے میرے غصے اور تہنید سے بے خوف رہیگا۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰۰

من چو خضرم و فرقت اگر آجیات	خضرم کے مائدہ پر چہرہ جیوں تشنہ
آہ ازاں خطہ کہ اصغر برونش	داد خنجر بزم غم چہ پریں تشنہ
کو دکا تم کہ ہمہ شہد و شکر بخورید	حال طوطی صفتند در شکرستان تشنہ
گفت شاہ شہد با سپر سعیدیں	آب در کوزه روا داری ہموں تشنہ
مہر زہرا بود این آب ہمہ ولادت	کشتہ گشتہ دفنا دند بمیدان تشنہ
دیو دہ جملہ ازین آب ہمہ سیرابند	کس نیرست لب آب بیدان تشنہ
گہر و ترسا و نصار ہمہ زین آب خج رند	بلب نہر جگر گشتہ بکراں تشنہ
اکبر گشتہ شد از تیغ شہا در میدان	رفت در غلہ برین شاہ جوانان تشنہ
دستا از تن عباس نکلند نہ بجاک	کس نہ پرست کہ تقاہر و جان تشنہ

ناصر را آب خوری یا دکن از شاہ شہید

ز آنکہ شد گشتہ شہشاہ شہیدان تشنہ

۳) امیر معاویہ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ انتہا درجے کے حلیم تھے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ دربار عام میں ایک نوجوان شکستہ حال آیا اور سلام کر کے گستاخانہ امیر کے سامنے پہنچا اور اس طرح گفتگو کرنے لگا۔

نوجوان امیر المؤمنین ایک نہایت مشکل کام لیکر آیا ہوں اگر آپ اسکے ایفا کا وعدہ کریں تو عرض کروں۔

امیر معاویہ ہاں! تم اپنی حاجت بیان کرو جہاں تک ممکن ہوگا اُسکے پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔
نوجوان میں ایک مفلس آدمی ہوں۔ اور میری بی بی نہیں ہے۔ اور آپ کی والدہ بیوہ ہیں۔ اگر آپ انکا عقد مجھ سے کر دیں تو میں بی بی والا ہو جاؤں! وروہ شوہر والی۔ اور آپ داخل ثواب ہوں گے۔

اور ایک دیکھنے والے کے جسکے لکھنے سے تہذیب مانع ہے۔ مگر امیر کے مزاج میں کسی طرح کا

۴) معاویہ بن ابوسفیان، اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں اور خدمت کتابت پر ممتاز رہے ہیں۔ گرسفیان اور ان کی بی بی ہند نے جو بے سلوکیاں حضرت سے کی ہیں وہ ظاہر ہیں۔ معاویہ نے محض اپنی قابلیت سے سپہ سالاری سے امارت کا درجہ حاصل کیا۔ اور خلفائے امویہ میں سب سے پہلے امیر ہیں۔ امیر المؤمنین حضرت علی کے انتقال اور امام حسن کی شہادت کے بعد بلا فراغت امیر بن گئے۔ چنانچہ ۴ ربیع الثانی یوم ہایک شنبہ ۳۶ھ میں بمقام دمشق تخت نشین ہوئے۔ اور دار الخلافہ کو دمشق سے شام میں منتقل کر دیا۔ ۱۹ برس ۵۶۳ھ یوم حکومت کر کے ۶۷ برس کی عمر میں ۳۶ھ میں فوت ہوئے اور زیر تخت نشین ہوا۔ ساریست اور قدن میں ہزاروں قسم کی ترقیاں اسی عہد میں ہوئیں جس کی تفصیل کے واسطے ایک مستقل کتاب چاہیئے۔ فتوحات بھی بہت ہوئیں۔ کابل فتح ہوا۔ اور سندھ تک فوج آکر واپس ہو گئی۔ قسطنطنیہ پر حملہ ہوا۔ یونان کو باج گزار بنایا۔ اور اس شرط پر صلح ہوئی کہ ۲۷ من ۲۰ سیر سونا سالانہ دیا کرے۔ سیوطی وغیرہ۔

تغیر واقع نہیں ہوا اور اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ اور سب نے تسلیم کر لیا کہ مسیہ معاویہ سے زیادہ حلیم اب کون ہو سکتا ہے؟

عقلاً کا قول ہو کہ علم اچھی چیز ہے لیکن اقبال کے زمانے میں اعلیٰ تر ہی۔ اور نعمت بھی عمدہ شے ہو لیکن بجا لشکر گزاری اعلیٰ تر ہی۔ مگر جب علم اور خدا ترسی بھی ہو تو سبحان اللہ

(۳۰) پاسبان اور دربان

پاسبان اور دربان اور نوبت بجانے والوں پر جو ناظر ہوئے چاہیئے کہ ان لوگوں کے معاملات میں خاص احتیاط رکھے اور سب کو پہچانے۔ اور روزانہ اندرونی طور پر تحقیقات کرتا رہے۔ کیونکہ یہ معمولی آدمی ہیں ذرا سے پلایح میں آجاتے ہیں جب کوئی غیر شخص اس گروہ میں پامال جائے تو فوراً اس کی تحقیقات کر لیا جائے اور شب کے وقت ہر نوبت والے کو بنظر تحسّس دیکھ لینا چاہیئے۔ اور کسی وقت بھی غافل نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ خدمت نازک اور خطرناک ہے۔

(۳۱) دسترخوان شاہی

پادشاہوں کے سامنے طرح طرح کے کھانوں کے خوان سجائے جاتے ہیں اور وہ ہمیشہ اُسکے پر تکلف کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو لوگ صبح کو حاضر خدمت ہوں انکو ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ ناشتے میں شریک ہونا چاہیئے، اور اگر کسی وجہ سے کوئی شریک نہ ہو تو بطور خود

وقت مقررہ پر بادشاہ کو کھانا چاہیے۔ لیکن یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا ہو کہ صبح کے وقت عام دسترخوان نہ بچھایا جائے۔

سلطان مغزل سلجوقی صبح کے کھانے میں خاص تکلف کیا کرتا تھا۔ جسے کہ اگر جنگل میں کاٹا کھیتا ہوتا تو اُسی جگہ پر دسترخوان بچھایا جاتا۔ اور اس کثرت سے خوان لگائے جاتے تھے کہ دیکھنے والے حیرت زدہ رہ جاتے تھے۔ یہی اصول خوانین ترکستان کا تھا اور ان کے بادشاہوں کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا تاکہ سب فیضیاب ہوں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ہر شخص کی ہمت اور مردت اُسکے درجے کے مطابق ہو کر تھی۔ اور بادشاہ کا مرتبہ ظاہر ہوندا اُسکو اپنی شان کے موافق دسترخوان رکھنا چاہیے۔ بلکہ اس معاملے میں اگلے بادشاہوں سے سبقت لی جانا چاہیے۔

حدیث شریف میں ہے کہ بندگان خدا کو جو بادشاہ فراخوصلگی سے کھانا کھلاتے ہیں اُنکے

اسے شاہانِ عجم کا دسترخوان جیسا وسیع اور پر تکلف ہوتا تھا اس کی تقلید تو کسی سے نہیں ہو سکی لیکن اسلامی تاریخ میں امیر معاویہ کے عہد سے خلفائے عباسیہ تک اور اُنکے بعد اُنکے جانشین حکمرانوں میں یہ صفت بہت تنہا بعض سلسل پائی جاتی ہو اور اُنکے واقعات سے تاریخ کے صفحہ مزین ہیں۔ ججاج ابن یوسف (جو کاظم، حاکم کی سخاوت سے زیادہ مشہور ہے) جو ولید بن عبدالملک اموی کی طرف سے عراق کا گورنر تھا۔ اسکے دربار میں ہزار خوان نفیس کھانوں کے اہل مجلس کے سامنے چنے جاتے تھے۔ حالانکہ یہ صرف ایک صوبے کا حاکم تھا۔ امیر معاویہ کے حالات میں لکھا ہے کہ کھانے کے وقت دربان و حاجب کا عمل دخل اُٹھ جاتا تھا اور صلاص عام ہوتا تھا۔ اور آج بھی غازی سلطان عبدالعزیز اور مظفر الدین شاہ ہشتاہ ایران خدا اللہ ملکم کا دسترخوان عمدہ قدیم کی فیاضیوں کا اصلی نمونہ ہے۔ اور چھوٹے پیمانے پر مسلمان حکمرانوں میں بکثرت نظائر موجود ہیں۔

ملک و مال اور عمر میں ترستی ہوتی ہے۔

یہ تاریخی واقعہ ہے کہ فرعونؑ بادشاہ مصر کے باورچینا نے بیس روزانہ چار ہزار بکریاں اور چار سو بیل اور دو سو اونٹ بیچ ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ طرح طرح کے حلوے اور غذائیں تھیں اور تمام اہل مصر اور فوج والے شربتیں سترخان ہوتے تھے۔ اور جب تک اس کی سلطنت یہی طریقہ جاری رہا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات میں مورخوں نے لکھا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی دعا پر وعدہ فرمایا تھا کہ ”میں فرعون کو دریائے نیل میں غرق کر کے اس کی سلطنت کا ٹکڑا ملک بنا دوں گا۔“ چنانچہ جب اس وعدے کو کئی برس گزر گئے اور فرعون کی فرعونیت میں کچھ کمی نہ ہوئی۔ تب حضرت موسیٰ نے چالیس دن روئے رکھے اور طور سینا پر جا کر مناجات کی اور عرض کیا کہ خداوند عالم تیرا وعدہ کب پورا ہو گا۔؟

۱۔ جس طرح فی زمانہ شاہان مصر کا لقب مذہبویہ ایسے ہی زمانہ قدیم میں ان کا لقب فرعون تھا۔ جس کے معنی جنگجو اور سرکش کے ہیں۔ قرآن کے بعد دیگرے دین ہوئے ہیں۔ بنی اسرائیل کو انھوں نے سخت تکلیف دی اور مصر میں دو اٹھ سو سالہ برس قید رکھا (یہ زمانہ حضرت یعقوبؑ کی آمد سے شروع حضرت موسیٰ تک ہے) فرعون کا سلسلہ نسب علی بن عوالم بن عاد پر ختم ہوتا ہے۔ کلام مجید میں فرعون اور حضرت موسیٰ کا جعفر واقعہ ہے جو صرف ایک ہی فرعون سے متعلق نہیں ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ بڑا حصہ ولید بن مصعب کے متعلق ہے اور بکراہ میں ہی فرعون غرق ہوا یعنی ناخ التیاج جلالہ ۱۷۔ موسیٰ بن عمران بن قاہت بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام۔ خدا کے ان حلیل الشان سولہ میں سے ہیں کہ جنہر تورات مقدس نازل ہوئی۔ (والدہ کا نام یوکیدہ، یو تانندہ، اباحتہ، یا یوخابث تھا) عمران کے آپ دوسرے بیٹے تھے جو ہارون کے بعد ان ہی برس میں پیدا ہوئے تھے۔ اور حضرت موسیٰ کو ان ہی برس کی عمر میں

غیب سے آواز آئی کہ اے موسیٰ! تم فرعون کو جلد ہلاک کرنا چاہتے ہو۔ لیکن اُسکے دم سے میرے ہزار مابندے پرورش پاتے ہیں۔ قسم یہ مجھے اپنے عزت و جلال کی جب تک اُسکا دسترخوان وسیع رہیگا، یاد رکھو! کہ میں اُسکو ہلاک نہ کروں گا۔ اور جب اس میں کمی دیکھو تو سمجھ لینا کہ اُس کی موت قریب ہی۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ نے فرعون کے مقابلے کی طیاریاں شروع کیں، اور یہ خبر فرعون کو پہنچی تو اُس نے ہانٹنے سے کہا کہ ”موسیٰ بنی اسرائیل کو میرے

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰۵۔ نبوت مرحمت ہوئی تھی اور چالیس برس بنی اسرائیل کو ہدایت و تلقین مذہب کے ایک سو تیس برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ اس وقت مصر کے تخت پر ذراعہ میں سے ولید بن مصعب حکمران تھا۔ جو مصر کا اخیر فرعون تھا اور ایران میں اس وقت تنوچہر کی حکومت تھی حضرت موسیٰ کی شادی شعیب کی بیٹی صفورا سے ہوئی تھی۔ قارون بن صاقر بن قاش بن لاوی آپ کا چچا زاد بھائی تھا جو اس وقت کے دو ممتاز لوگوں میں سے ایک تھا اور سامری جکا نام موسیٰ بن ظفر تھا۔ یہ بھی اسی زمانے میں تھا۔ تفسیر و تاریخ کی کتابوں میں ان کے حالات مفصل تحریر ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام طویل القامت تھے اور بال گھنگرولے مزاج میں غصہ بہت تھا اور زبان میں لگنت تھی۔ از معارف ابن قیمہ و ناسخ التواریخ جلد اول ابن خلدون خیمہ سار بنی اسرائیل علیہ بن مصعب کا نامور وزیر ہے جس طرح یہ فرعون دعویٰ الوہیت میں سرشار تھا ویسا ہی یہ زیر کمر و زور آدمی مبتلا تھا۔ حضرت موسیٰ کے وعظ سے فرعون ایمان لانے پر رضامند ہو گیا تھا۔ مگر ایمان لانے کا کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج تک تو خدائی کرتا تھا اور لوگ تیرے سامنے سجدہ کرتے تھے اور اب تو موسیٰ کے کہنے سے فرضی خدا کی عبادت کر گیا۔ اور خدائی کر کے بندوں میں شامل ہو گیا۔ اور اسی طرح سے موسیٰ کے ہر عجز کے تردید کرتا تھا۔ بحر احمر میں فرعون کے غرق ہونے کا سبب بھی یہی ایمان تھا۔“

سیاہ خضاب کا موجب بھی یہی ایمان ہے کہ چونکہ حضرت موسیٰ نے فرعون سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تو خدا پر ایمان لائے تو تیرا شہنشاہ لوٹ آئے گا۔ جب ایمان نے اُس کو کایہ تو میں کر سکتا ہوں اور خضاب لگا کر سفید لبوں کو سیاہ کر دیا۔ چنانچہ سیاہ خضاب لگانے والے فرعون کی سنت ادا کرتے ہیں۔ اور انصافاً ہے بھی فضول کیونکہ یہ

خضاب پردہ پیری نمی شود و صائب بہ مکر و حیثہ حسناں را بہا ز تو ان کرد

مقابلے کے لیے جمع کر رہے ہیں۔ انجام کی خبر نہیں ہو کہ کیا ہو۔ اسلئے خزانے کو معمور رکھنا چاہئے تاکہ کسی وقت ہماری قوت کم نہ ہو۔ اور اس کی تدبیر یہی ہو کہ باور چنچیلے کا پنج نصف کر دیا جائے چنانچہ اس سپرچ میں کمی ہوتی گئی حضرت موسیٰ اس خبر کو سنکر نہایت خوش ہوئے اور خدا کا وعدہ یاد آگیا۔ چنانچہ جن وز فرعون دریا سے نیل میں غرق ہوا ہی اُس دن اُسکے باور چنچیلے صرف دو بھیریں بچ ہوئی تھیں۔ اور اسی مہماں نوازی کے سبب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خداوند تعالیٰ نے تعریف کی ہے۔

حاکم طائی کا نام دنیا میں صرف اسی صفت سے زن ہے حق تعالیٰ سب کو اسی صفت سے بہرہ یاب کرے۔ آمین وَلِلّٰهِ دَرَبُ مَنْ خَالَ۔

جو افراد دی از کار رہا بہتر است	جو افراد دی از خوئے پیغمبر است
دو گیتی بود بر جوئے سرور است	جو افراد باشد دو گیتی تر است

تاریخ اسلام میں چند نامور حاکم گزرے ہیں، مگر سب میں ممتاز اور ضرب المثل حاکم طائی ہی۔ اور حاکم کو صرف فیاضی، مروت اور خلق نے عوام و خواص میں روشناس کر دیا۔ حالانکہ وہ ایام جاہلیت کا نامور شاعر بھی ہے۔ یہ نامور عجب مشہور قبیلے طے میں پیدا ہوا۔ عبداللہ کا بیٹا اور سعد کا پوتا اور حشر کا پوتا تھا۔ حاکم کی ماں عتبہ بنی فیاضی میں مشہور ہے۔ اسلئے یہ کننا مبالغہ نہیں ہو کہ حاکم مادر زاد فیاض تھا۔ حاکم کا باپ اپنے فتنال کو شیر خواہ چور کر مر گیا تھا۔ اسلئے دادا نے پرورش کیا ہوش سنبھالنے پر دادا نے اونٹوں کی نگہ رانی سپرد کر دی اور حاکم جگل میں رہنے لگا لیکن حضرت نے پہلی ہی فیاضی میں ۲۰۷ھ۔ اونٹ عبید بن اریض، بشر بن ابی حازم اور نابغہ دنیانی کو بہ حصہ برابر تقسیم کر دیئے اور اس جرم پر دادا نے گھر سے نکال دیا۔ مگر خدا نے حاکم کو مال و دولت سے بہرہ ور کر دیا۔ اور تمام عمر فیاضی کرتا رہا۔ اور اس کی فیاضی کا ہر واقعہ عجیب غریب ہے۔ یہ زمانہ جاہلیت کے مشاہیر میں سے ہے۔ ظہور اسلام سے قبل فوت ہوا۔ ولادت اور فوت کی تاریخ کا پتہ نہیں لگا۔ حاکم کا دیوان میرد میں

(۳۲) خدمتگارا ور شائستہ غلاموں کے حقوق

خدمتگاروں میں جو اچھا کام کرے اُسکو مدد ملنا چاہیے۔ اور جو قصور کرے اُسکو بازو قصور
مزد ایجابے تاکہ اوروں کو عمدہ کام کرنے کی رغبت پیدا ہو اور یہ دستور ہے کہ سزا یافتہ زیادہ
ڈرتا ہے۔ ایسے سب کام ٹھیک ہو جاتے ہیں۔

حکایت خردادیہ راوی ہے کہ ہلکے ویزے اپنے ایک مقرب خاص سے ناراض ہو گیا اور اُسکو
اپنے پاس لے کر روک دیا اور حکم دیا کہ کوئی شخص اس سے نہ ملے پائے، مگر بار بار بہرطرب

بقیہ نو صفحہ ۳۰۷ میں چھپک شائع ہوا ہے۔ سقائے اس کی بیٹی بھی نہایت مشہور فیاض عورت تھی اور جو
آنحضرت کے عہد میں گرفتار ہو کر آئی تھی اور آنحضرت کے روبرو ایسی فصیح و بلیغ تقریر کی جو اس کی قوم کی رہائی کا سبب بنی
حاکم کی تعریف میں جو فقرے سقائے استعمال کیے تھے اُسکو سن کر آپ نے فرمایا تھا کہ ”ہذا صفات المؤمنین“
شیخ سعدی نے بوستان میں یہ حکایت لکھی ہے۔ اولاد ذکر میں صرف ایک بیٹا تھا جس کا نام عدی تھا۔ اور جو اپنی بہن سقائہ
کی تحریک سے مسلمان ہوا۔ اور روادۃ احادیث میں سے ہو۔ انتخاب از بلوغ الارباب فی احوال العرب جلد اول صفحہ ۳۰۷
مطبوعہ بغداد و تذکرہ شعراء عرب۔ و در المنثور فی طبقات ربات الخد و صفحہ ۲۴۴ مطبوعہ مصر۔

۳۰۷ فصل ۳۶۔ صفحہ ۱۱۷۔ خسرو پرور کا نامور مفتی ہے۔ داد آفرید۔ پیگار گرش خسروانی وغیرہ گزشتہ
موجود ہے۔ مجرم (فارسی) کا باشندہ تھا خسرو کا امیر مفتی جس کا نام ”سرکش“ تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ بار بار دربار میں
داخل ہو۔ لیکن ایک باغبان کی مدد سے جس کا نام مردوی تھا اُسکو خسرو کی حضور کی نصیب ہوئی۔ اور ایک ہی ترانے
کے سنے میں پہلے ہی مرتبہ موتیوں سے موند بھر دیا گیا۔ بار بار کا دوسرا مفتی لکھا تھا۔ نظامی ۷

نیکسا چنگ اگر وہ خوش آواز قلندہ ارغنون را پردہ ساز

ناخ التواریخ جلد دوم صفحہ ۲۹۹ تفصیل کے لئے دیکھو شاہنامہ فردوسی حالات خسرو پرور۔

ہر روز اُسے شرابِ طعام پہنچا دیا کرتا تھا۔ جب پرویز کو یہ خبر ہوئی تو باربد سے کہا کہ جو شخص میری حراست میں ہو اُس کی خبر گیری کا تجھ کو کیا حق ہو۔ باربد نے عرض کیا کہ جو احسان حضور نے اُسکے ساتھ کیا ہی اتنا تو مجھ سے نہیں ہو سکتا ہے۔ پرویز نے پوچھا وہ کیا ہے؟ باربد نے کہا کہ حضور نے اُس کی جان بخشی کر دی ہے۔ ”یہ سن کر خوش ہوا اور امیر کو چھوڑ دیا۔ اُل سامان کا یہ دستور تھا کہ انکے سامنے اگر کوئی اچھی بات کہتا یا کوئی جوہر دکھاتا اور وہ کہتے کہ بہت خوب تو اُسی وقت خزانچی ایک ہزار درہم دیدیتا تھا۔

اور شاہان اکاسرہ عدل، مروت، ہمت میں تمام شاہان سلف سے فائق تھے اور اُن میں بھی نو شیر و اُل عادل سب سے افضل تھا۔

(۳۳) عمال کی شکایت کی خفیہ تحقیقات

اگر کسی گوشہ ملک سے یہ خبر پہنچے کہ وہاں کی رعایا پریشان ہے اور شبہ ہو کہ مخبر خود غرض ہے تو بادشاہ کو اپنے معتدین میں سے کسی شخص کو نامزد کر کے اس طرف خاموشی سے بھیج دینا چاہیے تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ وہ کس کام کے لیے جاتا ہے۔ اور وہ ایک مہینے تک اُن اہل اطمینان میں پھر کر شہر اور گاؤں کی آبادی اور دیرانی کی حالت دیکھے اور عامل کے متعلق جو خبریں سنائی دیں اُس کی جانچ کرے۔ کیونکہ عمال کا یہ بھی دستور ہے کہ ایسے موقع پر وہ کہا کرتے ہیں کہ مجھ سے لوگ رنج و عداوت رکھتے ہیں۔ لہذا اُن کی باتیں قابلِ سماعت نہیں۔ اگر ان کے

اقوال پر توجہ کیجائیگی تو وہ اور سرکش ہو جائیگے، ایسے خود غرضوں کی باتوں میں آجانیسے رعایا تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔

(۳۴) امور سلطنت میں بادشاہ کو جلدی نہ کرنا چاہیے

بادشاہ تک جب کوئی خبر پہنچے یا کوئی معرکہ پیش آئے تو اس میں عجلت سے کام لیا جائے بلکہ آستہلی سے جانچ کرنا چاہیے تاکہ جھوٹ اور سچ کی تصدیق ہو جائے۔ جب دو فریق حاضر ہوں اور اپنی رو داد بیان کریں اس وقت کسی طرح فریقین پر یہ ظاہر نہ ہونے پائے کہ بادشاہ کا میدان کس جانب ہے۔ کیونکہ در صورت اظہار جو فریق سچائی پر ہر وہ درجہ اور عرض و معاسے قاصر رہیگا مگر جھوٹے کا حوصلہ بڑھ جائیگا۔ چنانچہ یہی قرآن مجید میں ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا ۚ بزرگان دین کا مقولہ ہے کہ اَلْحَقْلَةُ مِنْ الشَّيْطَانِ وَالتَّائِي مِنَ الرَّحْمَنِ۔ بزرگ چہرہ کہتا ہے کہ کسی کام میں جلدی کرنا ہلکے پن کی دلیل ہے اور ایسے لوگ ہمیشہ پشیمان و غمناک ہوا کرتے ہیں اور اپنی حرکتوں پر خود ہی نادم ہو کر بار بار استغفار کرتے ہیں۔

(۳۵) امیر عرس و چوہدار کی خدمات

ہر دور سلطنت میں امیر عرس کا عہدہ نہایت مقتدر شمار کیا گیا ہے۔ اور حاجب کے بعد اس عہدہ دار کا مرتبہ ہے، کیونکہ امور سیاسی سے اسے زیادہ تعلق ہے۔ جب بادشاہ کسی غصہ

ہوتا ہی تو وہ اس عہدہ دار کو حکم دیتا ہی کہ فلاں شخص کو قتل کر، بات پاؤں کاٹ ڈال، پچاسی
نے، بید لگا، جلیغی نے میں لیجا، یا کنوئیں میں قید کر، اسوج سے سب لوگ امیر حرس سے
ڈرتے ہیں اور جان کے خوف سے مال و دولت اسپر نثار کرتے ہیں۔

امیر حرس ہمیشہ صاحب نقارہ و نشان رہتا ہی۔ اور اس کی سیاست کا لوگوں پر بادشاہ
سے زیادہ خوف ہوتا ہی اور یہ عزت اس کے عہدے کے لیے ضرور ہی۔

چو بدار [بارگاہ سلطانی میں کم از کم پچاس چو بدار ہر وقت حاضر رہنا چاہیے جنہیں سے بیس کے
عصا نقری ہوں اور بیس کے طلائی اور دس بہت ہی شاندار ہوں۔

(۳۶) خطاب القاب

بادشاہوں نے ہمیشہ کثرت سے القاب کے دینے میں نخل کیا ہی۔ کیونکہ جو چیز بافراط ہوتی
ہی اس کی قدر و قیمت گھٹ جاتی ہی ہر شخص کے درجے و مرتبے کا خیال رکھنا اور اس کو اُسی حیثیت
کا خطاب دینا معمولی بات نہیں ہی بلکہ یہ مومن سلطنت میں داخل ہی۔ کیونکہ اگر گنوار اور شہر کی
ایک ہی لقب سے یاد کریں یا جاہل اور عالم دونوں ایک ہی خطاب سے پکائے جائیں
تو پھر ان کے درجے میں کیا فرق ہوگا۔ اس لیے بادشاہ کے لیے جائز نہیں ہی کہ عطاے خطاب
میں فرق ہستی از باقی نہ رکھے۔ پہلے زمانے میں امراء اور ترکوں کا لقب حاتم الدین سیف الدین
وغیرہ ہوا کرتا تھا۔ اور ارکان سلطنت کا عمید الدولہ ظہیر الملک، قوام الملک وغیرہ لیکن ہمارے

زمانے میں یہ فرق اٹھ گیا۔ اور ایک دوسرے کے لقب باہم خلط ملط ہو گئے ہیں۔ ذیل کے واقعہ سے معلوم ہو جائیگا کہ القاب خطاب کیسی عزت کی چیز تھی۔

دار السلطنت غزنویں میں جب سلطان محمود تخت نشین ہوا تو مسلمانوں میں "القادر علیہ السلام" کا خطاب

عباسی سے عطا کیے خطاب کی استمداد کی۔ چنانچہ دربار خلافت سے عین الدولہ کا خطاب

مرحمت ہوا۔ لیکن جب سلطان نے ولایت یمرور، خراسان، ہندوستان (سومناٹ)

تک مع تمام عراق کے فتح کر لیا۔ اس وقت دربار کو ایک سفارت مع گراں بہا تحائف کے

روانہ کی۔ اور خلیفہ سے خواہش ظاہر کی کہ عین الدولہ کے لقب پر کچھ اور اضافہ کیا جائے

مگر درخواست نامنظور ہوئی۔ حتیٰ کہ سلطان نے دس مرتبہ اپنا قاصد بھیجا مگر کچھ کامیابی نہ ہوئی

اور سلطان محمود کی بیستابی کا یہ سبب تھا کہ خاقان سمرقند کو خلیفہ نے تین لقب دیئے تھے

یعنی "نھیدالدولہ"، "مُعین خلیفۃ اللہ"، "مَلِک الشَّرْقِ وَالصِّینِ" اور سلطان کو صرف

عین الدولہ کا تمغہ دیا گیا تھا۔ اسلئے سلطان نے پھر خلیفہ کو پیغام بھیجا کہ خاقان کو (جس کو

میں تخت پر بٹھایا ہی) حضور سے تین لقب عطا ہوئے ہیں اور مجھ کو صرف ایک حالانکہ میں

بڑا کفر توڑا ہی بلحاظ خدمات کاٹ فرمایا جائے۔ خلیفہ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ لقب حقیقت میں

ایک خلعت ہی جس سے مرد کی عزت و عظمت بڑھ جاتی ہے لیکن چونکہ تم خود ہی شریف اور مغرور ہو

لہذا القادر بادشاہ ابوالعباس احمد بن اسحاق بن مقدر ^{۳۹۱ھ} میں تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنی حکمت عملی سے امراء آل بویہ

زور توڑا اور عنان حکومت چلنے پھرنے میں لیکر دولت عباسیہ کو زندہ کر دیا۔ بہا الدولہ بن عضد لڑائی میں اسے خلیفہ

نے بعض ایک لاکھ دینار عہد کیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ دربار خلافت سے محمود کو سلطان اور عین الدولہ کا خطاب و خلعت

مرحمت ہوا۔ ^{۴۲۲ھ} میں یہ خلیفہ فوت ہوا، طبقات ناصری و المغیری۔

لہذا تمہارے واسطے ایک لقب کافی ہے۔ رہا خان سمرقند کا مقابلہ۔ تو وہ ایک نادان ترک ہے
 ایسے سینے اُس کی درخواست کو منظور کر لیا ہے۔ اور تمہاری جو عزت میرے دل میں ہو اُس کا
 اندازہ میں خود ہی کر سکتا ہوں۔ لیکن سلطان کی اس جواب سے تشفی نہ ہوئی بلکہ سخت صدمہ ہوا
 اور محل میں اگر ایک ترکی خواص سے جو اکثر اپنی خوش بیانی سے سلطان کو خوش رکھا کرتی تھی
 شکایت کیا گیا کہ ”میں نے اس امر میں کہ خلیفہ میرے لقب پر کچھ اضافہ کرے بہت کوشش کی مگر کامیابی
 نہ ہوئی اور خاقان سمرقند جو دراصل میری رعیت ہے۔ وہ کسی لقب سے تمنا نہ کرتا ہے۔ ایسے چاہتا ہوں
 کہ خاقان کے گھر سے وہ تمام سندیں جو امیر المومنین نے وقت عطاے لقب مرحمت فرمائی
 ہیں۔ کوئی چڑالائے۔ اسکا صلہ میں خاطر خواہ دوں گا۔“ چنانچہ اس خواص نے اقرا کیا کہ میں
 اس کام کو پورا کر دوں گی۔ سلطان نے خوش ہو کر سامان سفر درست کر دیا اور یہ خواص دہلی گئی
 اور وہاں پہنچ کر بعد سلطان سے اپنا سفر نامہ اس طرح سے بیان کرنا شروع کیا کہ میں حضورؐ سے
 رخصت ہو کر غزنہ سے کاشغر گئی اور وہاں سے چین و خطا کے ریشمی کپڑے وغیرہ خرید کر کے
 مع چند کنیز اور ترکی غلاموں کے ایک قافلے کے ہمراہ سمرقند روانہ ہوئی۔ اور منزل مقصود پہنچ کر
 تین روز کے بعد خاتون (بیگم) خاقان سمرقند کی خدمت میں سلام کے لیے حاضر ہوئی اور
 حضورؐ میں پہنچ کر ایک خوبصورت کینر پیش کی اور بولی کہ میں ایک سوداگر کی بی بی ہوں وہ مجھ کو
 اپنے ساتھ سفر میں رکھتا تھا۔ شہر خطا جانیکا قصد تھا۔ مگر ختن پہنچ کر اُسے عالم آخرت کا سفر اختیار کیا
 تب میں ختن سے کاشغر چلی گئی خان موصوف کو سینے نذر دی اور عرض کیا کہ میرا شوہر خاقان سمرقند
 کا غلام تھا۔ اور میں اُس کی کنیز چنانچہ یہ لڑکا اُس مرحوم کا یادگار ہے اور جب قدر سرمایہ باقی ہے وہ بھی

خاقان کا عطیہ ہے۔ ذرہ نوازی ہوگی اگر چند نیک آدمیوں کے ہمراہ مجھ بیوہ اور اس یتیم بچے کو حضور یوزکندہ سمرقند تک پہنچا دیں میں تمام عمر آپ کی دعا گو رہوں گی۔ چنانچہ خان کا سفر نے ایک رہبر ساتھ کر دیا۔ اور حاکم یوزکندہ کو حکم دیا کہ وہ مجھے اچھی طرح سے سمرقند پہنچا دے چنانچہ حضور کے صدقے میں خدا خدا کر کے یہاں تک پہنچ گئی ہوں۔ اب میری یہ آرزو ہو کہ سرکار مجھ شفیقت کا ہات رکھیں اور اپنی لوٹدی سمجھ کر حضور میں پڑا رہنے دیں۔ اور میرے شوہر کی بھی یہی آرزو تھی کہ سمرقند پہنچ کر تمام عمر یہاں سے قدم نہ نکالوں گا۔ اور میرے پاس جو سرمایہ ہے اُسکو بیچ کر کوئی جائیداد خرید لوں گی جو میرے اور اس یتیم بچے کے واسطے کافی ہوگی۔ خاتون نے کہا کہ نبی بنی اطمینان سے رہو جو کچھ مجھ سے ہو سیکے گا تمھارے لیے اٹھانہ رکھوں گی مکان اور کھانے پکڑے کا صرفہ میرے ذمے ہے۔ تم شوق سے میرے پاس رہا کرو۔ اور میں خاتون سے بھی تمھاری سفارش کروں گی۔ چنانچہ پہلے دن بیگم سے بات چیت کر کے چلی آئی اور دوسرے دن پھر حاضر خدمت ہوئی۔ بیگم کے ذریعے سے خاقان کا بھی سلام میسر ہوا۔ مینے اول ایک ترکی غلام اور ایک خوبصورت گھوڑا نذر کیا۔ اسکے بعد اپنا مختصر حال خاقان سے کہا۔ پھر آہستہ آہستہ تحفے تحائف اور لطائف و غرائب سے مینے دونوں کو اپنا کر لیا۔ اور خاقان سے باوجود اُسکے اصرار و تاکید کے کچھ نہیں لیا جب چھ مینے گزر گئے تو ایک دن مینے خاقان اور اُس کی بیگم کے سامنے بعد تمہید دعا و ثنا کے غرض کیا کہ ایک حاجت رکھتی ہوں اگر قبول ہو تو عرض کروں۔ دونوں نے کہا یہ تو ہماری عین خوشی ہے۔ مینے کہا کہ میری بڑی پونجی صرف میرا ایک بیٹا ہے۔ مینے اسکو علم القرآن اور علم ادب کی تعلیم دی ہے۔ باقبال خداوند تعالیٰ ہے کہ وہ بچہ ہو گا۔

اور یہ مسلمات میں سے ہے کہ خدا اور رسول کے احکام کے بعد امیر المؤمنین کے فرمان کا ذکر ہے اور دربار خلافت کا کاتب نہایت نامور ادیب ہے اگر مرضی مبارک ہو تو دو تین روز کے واسطے وہ فرامیں مرحمت ہوں تاکہ کسی ادیب سے حضور کا غلام اسکو پڑھ لے، میری استدعا شکر و دنوں نے کہا کہ یہ تو محض معمولی بات ہے۔ تمکو کوئی شہر اور جاگیر طلب کرنا چاہیے تھا۔ اور فرامیں تو مابعد ولت کے یہاں پچاس ہونگے چاہو تو سب لیلو مینے کہا نہیں صرف ایک کافی ہے۔ چنانچہ حسب الحکم خزانے سے وہ دستاویز برآمد ہو کر میرے حوالے کر دی گئی جب میں حصول مدعا میں کامیاب ہوئی تو مینے سفر کا سامان کیا اور اُنٹوں پر اسباب لا کر اہل محلہ سے ظاہر کیا کہ ایک ہفتہ کے واسطے پرگنہ میں دیہات خریدے جاتی ہوں۔ چنانچہ کڑی منتر لیس گرتی ہوئی ایک ہفتہ میں غمتیں پہنچی اور اب سلطان کی خدمت میں وہ فرمان پیش کرتی ہوں سلطان محمود نے اس فرمان کو ایک عالم کے ہات خلیفہ قادر بہ اللہ کے حضور میں بھیج دیا۔ اور عرفیے میں لکھا کہ میرا ایک نوکر عمر قند گیا تھا وہاں کے کسی مکتب میں ایک لڑکا یہ پڑھ رہا تھا اُسے لڑکے سے چھین کر میرے سامنے پیش کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ نامہ و فرمان ایسے شخص کے پاس بھیجنا چاہیے جو اسکو عزیز سمجھے اور اپنے سر کا تاج بنائے۔“

خلیفہ قادر باللہ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اُسے خاقان کو نہایت غصے سے لکھا اور سلطان محمود کا سفیر چھ مہینے تک بغداد میں پڑا رہا۔ اسکو اور کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ تب سفیر نے جو کہ خود بھی بڑا عالم تھا قاضی القضاۃ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک مسلمان بادشاہ جسے محض دین کے واسطے کفار پر جہاد کیا ہوا اور جسے دارالکفر کو دارالاسلام بنایا ہو۔ اور وہ خلیفہ سے ملنا چاہے

لیکن فسادِ مافع ہو تو اس صورت میں وہ کسی عباسی کو تخت پر بٹھا کر بطور خلیفہ کے الٹی بیروی کر سکتا ہو یا نہیں۔ قاضی القضاۃ نے لکھ دیا کہ ہاں وہ ایسا کر سکتا ہے۔“

اب اس سفیر نے اپنی عرضداشت کے ہمراہ فتوے کو خلیفہ کے حضور میں پیش کیا اور لکھا کہ میں عرصے سے در دولت پر پڑا ہوں سلطان محمود نے لاکھوں ہی منت سماجت سے اضافہِ لقب کی درخواست کی۔ مگر افسوس ہو کہ وہ نامنتظر ہوئی۔ اگر سلطان قاضی القضاۃ کے فتوے پر (جو شیعہ کا حاکم ہی) عمل درآمد کرے تو امیر المومنین کے نزدیک وہ معذور سمجھا جائیگا یا نہیں؟ خلیفہ نے عرضداشت پر پڑھنے کے ساتھ ہی حاجب کو حکم دیا کہ سفیر کو پیش کرو اور اسے مطمئن کر دو کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گا۔ اور محمود کو خطاب ملیگا۔“

غرض کہ محمود جیسے شخص کو باوجود خدمت ہائے پسندیدہ اَمِیْنُ الْمِلَّةِ کا لقب کنشکوں سے ملا تھا۔ سلطان جب تک زندہ رہا وہ یَمِیْنُ الدِّیْنِ اَمِیْنُ الْمِلَّةِ کے لقب سے مشہور رہا۔

۱۷ ایک مورخ نے لکھا ہے کہ سلطان محمود نے خلیفہ تاج الدین سے علاوہ اضافہِ القاب کے یہ بھی خواہش کی تھی کہ دارالخلافت بغداد کے سنی اور خطبے میں میرانام بڑا یا جائے لیکن خلیفہ نے یہ درخواست نامنتظر کی تب محمود نے غصہ ہو کر لکھا کہ میری درخواست منظور کیجائے ورنہ بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دو گھا اور عمارت کا ملبہ ہاتھیوں کی پیٹ پر لا دو کہ غرض لاڈ لگا۔ چنانچہ خلیفہ نے بجواب اس کے ایک ستر ہزار سکہ کے محمود کے پاس بھیج دیا جو خط لکھوا تو انھیں شہم اللہ کے بعد اقل الفت محدودہ (آ) اور وسطیں (ام) دل (ا) اور آدھیں (یم) دم (کھجوا تھا۔ اور خاتم پر تحریر تھا الصَّلَاةُ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ بِیْہ تحریر کیا کہ محمود اور اس کے ارکان حیرت زدہ رہ گئے۔ لیکن اتفاق سے اس وقت ابو بکر قسطنطینی دربار میں تشریف لائے اور انھوں نے محمود سے خط کا مضمون پوچھا جس کے جواب میں تحریر آئی ہو تو علامہ قسطنطینی نے بیان کیا کہ اس خط میں سورۃ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ اَتَمَّ پر اشارہ ہے۔ یہ برجستہ جواب محمود کی سمجھ میں آگیا اور اس کے دل پر خوف چھا گیا اور اپنی تحریر پر زبام ہو کر خلیفہ سے باادب پیش آیا (آثار الاولیاء حسن بن عبد اللہ صفحہ ۸۱) اس قسم کی تحریر کا نام ”رہز“ ہے۔ اور خود مسلمانین سلام اور ان کے کاتب درباری کے مواقع پر بھی تحریریں لکھا کرتے تھے جن کے نظائر تاریخوں میں موجود ہیں۔

آل سامان جنہوں نے عرصے تک سلطنت کی ہو۔ ان میں سے ہر ایک کا صرف ایک لقب تھا مثلاً امیر نوح کا شہنشاہ، اور اسکے باپ کا امیر سدید، اور اسکے دادا کا امیر حمید، اور سہیل بن احمد کا امیر عادل۔

قضاۃ اور ائمہ کے لقب اس طرح ہوا کرتے تھے۔ جیسے مُحَمَّدُ الدِّیْن، شَرَفُ الْإِسْلَام، سَیْفُ السُّنَّة، زَیْنُ الشَّرِیْعَةِ، فَخْرُ الْعِلْمِ، وغیرہ چونکہ شریعت کا تعلق خاص علماء سے ہوتا تھا ان کو ایسے لقب دیے جاتے تھے۔ اور اگر کوئی جاہل خود ہی صاحب لقب بن جائے تو اسکو سلطنت کے طرے سے سزا دی جائے۔ سپہ سالاران فوج اور عمال کو دولہ کا خطاب دینا چاہیئے۔ مثلاً سَیْفُ الدَّوْلَةِ، حَاسَمُ الدَّوْلَةِ، ظَمیر الدَّوْلَةِ اور وزیروں کو شرف الملک، عید الملک، نظام الملک، کمال الملک، وغیرہ۔

سلطان الپ ارسلان کے عہد حکومت تک خطابات باقاعدہ تقسیم ہوا کرتے تھے۔ لیکن اس عہد کے بعد پھر مستیازائے گھوڑا اور خطاب گدگد ہو گئے۔ اور اسی کثرت کی وجہ سے کوئی خطاب کا طالب نہیں رہا۔ حکمرانان عساق (قونینہ) کا لقب عضد دولہ اور رکن الدولہ تھا۔ اور انکے وزیر ہستیا جلیل اور ہستیا خلیل کے لقب سے سرفراز تھے۔

طبقہ وزراء میں سب سے زیادہ فاضل اور بزرگ صاحب بن عباد تھا۔ اس کا لقب صاحب کافئی الکفائۃ تھا سلطان محمود کے وزیر کا لقب شمس الکفائۃ تھا۔

بادشاہوں کے القاب میں دنیا اور دین کا لقب زمانہ سابق میں نہ تھا۔ لیکن سب سے پہلے خلیفہ الْمُقْتَدِرُ بَیْ اَمْرِ اللّٰہ نے سلطان ملک شاہ کو مُعِزُّ الدِّیْنِ وَالْاَیْمَانِ کا لقب عطا فرمایا۔ لیکن سلطان

الْمُقْتَدِرُ بَیْ اَمْرِ اللّٰہ نے سلطان ملک شاہ کو مُعِزُّ الدِّیْنِ وَالْاَیْمَانِ کا لقب عطا فرمایا۔ لیکن سلطان

کے انتقال کے بعد یہ لقب موروثی متعہ ہو گیا۔ کیونکہ سلطان برکیارق زکَن الدُّنْیَا وَالْدِّیْنِ اور مُحَمَّدُ عِیَاضُ الدُّنْیَا وَالْدِّیْنِ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ علیٰ ہذا القیاس نَاصِرُ الدُّنْیَا وَالْدِّیْنِ اور مُحَمَّدُ الدُّنْیَا وَالْدِّیْنِ بھی القاب تھے۔ اور بیگمات کو بھی لقب الدُّنْیَا وَالْدِّیْنِ دیا جاتا تھا۔ مگر حقیقت حال یہ ہے کہ یہ القاب خطاب بادشاہوں کو سزاوار ہیں کیونکہ دین و دنیا کی مصلحت انہیں کی ذات سے وابستہ ہیں۔ مجھے نہایت تعجب ہوتا ہے جب میں ایک معمولی غلام کا لقب معین الدین تاج الدین سنتا ہوں۔ حالانکہ مذہب کو ان حضرات سے نہایت نقصان پہنچتے ہیں اور اسنے زیادہ بد مذہب کوئی دوسرا نہیں ہے۔

جصل اسن بیان کا یہ ہے کہ صرف چار گروہوں کو لقب دین و اسلام کے سزاوار ہیں۔
 (۱) بادشاہ۔ (۲) وزیر۔ (۳) عالم۔ (۴) امیر۔ اور امیر بھی عام طور سے نہیں بلکہ وہ جو جہادی لڑائیوں میں مشغول رہتا ہو۔ اور اُنکے علاوہ جو کوئی دین و اسلام اپنے لقب میں اضافہ کرے اُسکو سزا دیا جائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔ اور عطاے خطاب سے صرف یہی غرض ہے کہ وہ شخص عوام سے ممتاز سمجھا جائے۔ مثلاً ایک مجلس میں دس آدمیوں کا نام محمد ہے اب اگر ہم ان میں سے صرف ایک کو پکاریں تو سب کے سب پکارا اُٹھیں گے کہ لُتْبِیْہُ گو خطاب ایک ہو گا مگر شخص سمجھے گا کہ مجھ کو بلاتے ہیں۔ اور جب ان میں سے ایک کا موافق۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۱۷۔ وقت میں دولت بنی بویہ کا تو خاتمہ ہو چکا تھا۔ مگر آل سلجوق اب بجائے اُنکے حکومت کرتے تھے خلفاء عباسیہ میں المقتدی ایک عالی ہمت اور دانشمند شخص تھا۔ مذہبی احکام کی اشاعت پر خاص توجہ دیتی ہے۔ یہی ایک انتقال کیا۔ سلطان ملک شاہ اور المقتدی کے تعلقات کو ہم نے کب قدر حصہ اول کے صفحہ ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷ میں لکھا ہے۔ لہذا اس موقع پر تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسرے کا کامل تیسرے کا سید چوتھے کا رشید لقب ہوگا تو آواز دینے پر صرف وہی ایک شخص بلے گا۔ اور لقب ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے ہر ایک جیسے و مرتبے میں بلحاظ خرد و بزرگ تیسرے ہوتی ہے۔ شاہان بیدار و عادل کو چاہیے کہ ان میں قدیم پر بھی نظر ڈالتے رہیں اور کوئی کام بغیر غرض و فکر نہ کریں۔

۱۱۔ جو شکایت پانچویں صدی ہجری میں خواجہ نظام الملک نے اپنی سلطنت سے کی ہو کہ وہ ہی شکایت آج بھی موجود ہے کیونکہ شاہی تقریبات پر جب خطاب یا پنوالوں کی فہرست تھی پتی ہی تو اس میں عجیب قسم کا ذوق نظر آتا ہے۔ اور کوئی خاص اصول خطاب ملنے کا سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ کیونکہ عام گاہوں میں جو شخص ہمہ وجہ خطاب کا مستحق ہوتا ہے وہ گورنمنٹ کی عزت افزائی سے محروم رہ جاتا ہے اور ایسے شخص کو خطاب مہیا نہا جاتا ہے جس کی نسبت وہ ہم و گمان بھی نہیں ہوتا ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ سلطنت نے عطاے خطاب کو اسطے کسی خاص سفارش پر کھانا یا ہوا جیسی عوام کو خبر نہو۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ جو جس خطاب کا مستحق ہے اسکو وہ خطاب نہیں ملتا ہے بلکہ دوسرا خطاب یا جاتا ہے جسکو پانے والا بھی پسند نہیں کرتا ہے۔ مثلاً علما کو بجائے شمس العلماء کے خان بہادر کا خطاب ملتا ہے اور جو خان بہادری کے مستحق ہیں شمس العلماء ہوجاتے ہیں۔ تمام ہندوستان اور عموماً ہر طبقے میں اسوقت ایسے بالکمال اور خیر خواہ سلطنت موجود ہیں جو قدردانی کے مستحق ہیں مگر وہ حکام ماتحت کے غلط انتخاب کی وجہ سے حشر محروم رہ جاتے ہیں۔

ایسی ہی شکایت ہم کو پانے علمائے بھی ہے کہ وہ خود اپنے بے چوڑے القاب تجویز کر لیتے ہیں اور بجائے مختصر ناموں کے مہر میں طولانی عبارتیں نظر آتی ہیں۔ اور نے زیادہ لکھنے کے حال پر افسوس ہوتا ہے جنکے ناموں کے قبل علامہ اور ابو الفضل وغیرہ لکھا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ القاب نہ سلطنت کی طرف سے عطا ہوئے ہیں نہ ملک کی طرف سے دیئے گئے ہیں بلکہ خود انھیں کے دماغ اور تسلیم کا نتیجہ ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانے میں بھی عطاے القاب میں نہایت ہی بخل سے کام لیا ہے۔ ہمارے زمانے کے فرضی علامہ اور ابو الفضل، بوعلی سینا سے بڑھ کر نہیں ہیں۔ جسکو باوجود اس فضل و کمال کے صرف ایک مختصر خطاب دیا گیا تھا۔ یعنی ”رشیخ“ مگر انصاف یہ ہے کہ جو عظمت و جلال ”رشیخ“ کے لفظ سے ہو رہا ہے وہ مطلقاً میسنا کا رشتوں میں بھی ڈھونڈنے سے نہیں مل سکتی ہے۔

(۳۷) ہر کسی اہرکاری ساختند

لَکَلْ عَلَی رَجَالْ

شاہان بیدار اور وزرائے تجربہ کار نے کسی زمانے میں یہ نہیں کیا ہو کہ ایک شخص کو خدمت پر ہر کی ہوں۔ کیونکہ اس صورت میں دو کاموں میں سے حسن و خوبی کے ساتھ صرف ایک ہی ہوگا اور ایک یا تو کلفت خراب ہو جائیگا یا اُس میں کوتاہی ہوگی۔ غرض کہ با اصول یہ نہ ہو اور نہ وہ۔ اور جب تم خود غور سے دیکھو گے تو اس قسم کے عہدے دار کو ہمیشہ حجال میں پنا ہو پایاؤ گے اور خرابی کام پر تم اُسکا یہ بھی عذر سنو گے کہ میں کیا کیا کروں؟ اور اس کی ٹھیک مثال یہ ہو کہ جس گھر میں دو بی بیاں ہوتی ہیں وہاں اچھی طرح جھاڑو نہیں دی جاتی ہے۔ (خانہ بد کو با تو نارفتہ بود) سلطان کی غفلت اور وزیر کی ناقابلیت کی ایک یہ بھی پہچان ہے کہ دفترو وزارت سے ایک عامل کو دو خدمتوں کا پروانہ دیا جائے۔ اس انتظام سے علاؤ دیکر مشکلات کے ایک وقت یہ بھی پیش آتی ہے کہ بہت سے کام ولے بیکار بیٹھے رہتے ہیں۔ زمانہ سابق میں ایک خاص اہتمام یہ بھی تھا کہ جو لوگ شریف خاندان، پارسا، اور مذہب میں راسخ الاعتقاد ہوتے تھے انھیں کو خدمتیں دی جاتی تھیں۔ اس معاملے میں میں پھر کہوں گا کہ ملک کا سب سے بڑا گروہ دشمن ہے کہ دس آدمی بیکار پڑے رہیں اور اُنکا کام تنہا ایک شخص کرتا ہے۔ سلطنت کے ایسے دشمن کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص بادشاہ سے یہ کہتا ہے کہ خداوند نعمت

ملک میں ہر طرف امن و امان ہو۔ اس وقت کوئی دشمن مقابلے پر آمادہ نہیں ہو۔ شاہی فوج کی تعداد قریب چار لاکھ کے ہو۔ مگر میرے نزدیک صرف تشرنار کافی ہو۔ اگر قبضہ رسالے اور پٹنیں توڑ دی جائیں تو خزانے میں اس قدر روپیہ کی توفیر ہو جائیگی اور چند سال کے بعد خزانہ پورے طور سے معمور ہو جائیگا۔

مثال کے طور پر سمجھ لو کہ ہمارے خداوند نعمت کے قبضہ حکومت میں آج ملک خراسان، ماوراء النہر، کاشغر، بلاساغون، خوارزم، نیروز، عراق، فارس، شام، آذربائجان، ارمن، انطاکیہ اور بیت المقدس ہو۔ اور فوج کی تعداد صرف چار لاکھ ہو۔ اگر بجائے چار لاکھ کے سات لاکھ سوار ہوتے تو سندھ، ہند، ترکستان، چین، جپن، حبش، برابر اور اقصائے مغرب پر ہمارا قبضہ ہوتا۔ اب ہم اگر ان میں سے بھی تین لاکھ تیس ہزار سواروں کے نام کاٹ دیں تو بتائے کہ آخر یہ لوگ کہاں جائیں گے؟ ضرور یہ کہ دوسری سلطنت میں جمع کریں گے۔ یا کسی کو اپنا افسر بنا کر سارے ملک میں تاخت و تاراج شروع کریں گے اور ان کی ذات سے اس قدر شورش پیدا ہوگی کہ بزرگوں کے جمع کیے ہوئے خزانے بھی خالی ہو جائیں گے۔ جیسا کہ فخر الدولہ کے عہد میں ہوا تھا۔

حقیقت یہ ہو کہ سلطنت کا قیام فوج سے ہو اور فوج روپیہ کے بل پر رکھی جاتی ہو۔ اب جو شخص اسکے خلاف ہو گا وہ ملک کا دشمن ہو۔

جس طرح فوج کی نگہداشت ضروری ہو اسی طرح ان عمال کی بھی جو اپنے فرائض سے سبکدوش کر دیے گئے ہیں۔ بڑے عہدہ داروں سے جب ان کی خدمتیں لے لی جائیں تو ان کی خورد و نوش کا بھی خیال رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ ان کے حقوق کو نظر انداز کرنا مصلحت ملک اور اخلاق و مروت کے بھی خلاف ہے۔

تیسرا گروہ علماء و فضلا کا ہے۔ یہ بھی بیت المال سے وظیفہ پانے کے مستحق ہیں۔ جس اُس وزیر کو اچھا نہیں سمجھتا ہوں جو اس گروہ کے حالات سے بادشاہ کو مطلع نہ کرتا ہے۔ کیونکہ جب انکا وظیفہ بند ہو جائیگا تو پھر سلطنت کے خیر خواہ نہ رہیں گے اور (ارباب عدالت پر علاوہ طعنہ زنی کی) ملک کے بیرونی دشمنوں سے سازش کر جائیں گے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ ”لِکُلِّ عَمَلٍ رَجَالٌ“ اسکا مطلب یہ ہے کہ سلطنت میں ادنیٰ، اوسط، اعلیٰ، درجے کے کام ہوتے ہیں ایسے ہر عامل کو حکمران کو بلحاظ اس کے علم و فضل اور شائستگی کے عہدہ دینا چاہیے۔ اگر کوئی عہدہ دار ایک کام کے ہوتے ہوئے دوسری خدمت کی درخواست کرے تو وہ ہرگز منظور نہ کی جائے۔

اس انتظام سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ لائق اشخاص برسرِ کار ہو جاتے ہیں اور ملک کی سرسبزی میں ترقی ہو جاتی ہے۔

وزیر جو تمام عامل اور دالیان ملک کا افسر اعلیٰ ہے۔ اس کے لیے بھی یہ شرط ہے کہ مہشی اور خاں بنوں کیونکہ افسر کا اثر ماتحتوں پر پڑتا ہے جو وزیر نیک نام اور نیک سیرت ہوتے ہیں۔ وہ بادشاہ کو اپنا جیسا کر لیتے ہیں، اور جن بادشاہوں کا آج ذکر خیر کیا جاتا ہے وہ اصل میں یہی ہیں جن کے وزیر نیک تھے۔ مثلاً۔

نام بادشاہ	نام وزیر
۱ حضرت سلیمان علیہ السلام	۱ آصف بن برخیا
۲ حضرت موسیٰ علیہ السلام	۲ ہرون علیہ السلام
۳ حضرت عیسیٰ علیہ السلام	۳ شمعون

نام بادشاہ	نام وزیر
۴ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۴ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
۵ کینخسرو	۵ گودرز
۶ منوچہر	۶ سام
۷ افراسیاب	۷ پیران پسر ویس
۸ گشتاسب	۸ جاماسپ
۹ بہرام گور	۹ خورددہ روز
۱۰ نوشیروان	۱۰ بزرجمہر
۱۱ ہرون الرشید	۱۱ براکمہ دیچی افضل جعفر
۱۲ سلطان محمود	۱۲ شمس الکفایۃ احمد حسن مہمندی
۱۳ فخرالدولہ دیلی	۱۳ اسماعیل عباد (ملقب بہ صاحب)
۱۴ سلطان طغرل سلجوقی	۱۴ ابوالنضر گنبدی

یہ چند نام مینے بطور مثال کے لکھ دیے ہیں۔ حالانکہ اس قسم کی طو لانی فہرست طیار ہو سکتی ہے۔

سلطہ وزرا اسلام وغیرہ کی یہ ایک مختصر فہرست ہے۔ اگر ملک کے نام و مصنف ان میں سے ایک ایک زیر کی سوانح عمری لکھنا شروع کریں تو نہایت بڑی قیمت تاریخ ذخیرہ جمع ہو جائے۔ خواہ نظام الملک بھی اسی فہرست میں داخل ہو اور براکمہ کی مکمل سوانح عمری اسکے قبل شائع ہو چکی ہو۔

اس فہرست میں جو بحث خواہ نظام الملک کے کی ہو زمانہ حال میں بھی مباحثہ طلب ہو اور ہندوستان کی مشہور و معروف انجمن "نیشنل کانگریس" کا بھی یہی دعویٰ ہو کہ جو حکام و قہم کے اختیارات رکھتے ہیں انکا جدا گانہ بندوبست کیا جائے۔

وزیر کے واسطے یہ بھی شرط ہے کہ وہ مذہب کا پکا، عقائد کا مستحکم، اور بادشاہ کا جان نثار ہو، اور اگر وزیر خاندان وزارت سے ہو تو سبحان اللہ!

چنانچہ ار و شیر باجگان کے زمانہ سے یزدجر و اخیر شہنشاہ عجم تک یہی سلسلہ جاری رہا جس طرح بادشاہ ابن بادشاہ ہوتا تھا۔ اسی طرح سے وزیر ابن وزیر ہوا کرتا تھا۔ لیکن زوال سلطنت کے ساتھ ہی وزراء عجم کے خاندان سے وزارت بھی جاتی رہی۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو کام جسکے سپرد کیا جائے وہ اُسکا اہل ہو۔ اور دو خدمتیں ایک شخص کو نہ دی جائیں بادشاہ ہمیشہ رعایا کے حالات کی تفتیش کرتا رہے اور لڑکوں کو کبھی اعلیٰ درجہ ندیوے اور بوڑھے اور عقل لوگوں سے صلاح اور مشورہ کرتا رہے اور عدل و سیاست کی ترازو سے تمام کاموں کو تولتا رہے۔

(۳۸) بیگمات شاہی کے اختیارات

بادشاہ کو چاہیئے کہ وہ اپنے زیر دستوں کو حاوی نہونے دے کیونکہ اس سے بڑی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور بادشاہ کی عزت و منزلت گھٹ جاتی ہے خصوصاً بیگمات کہ یہ پردہ نشینوں کا گروہ ہے اور ان میں اعلیٰ درجے کی عقل نہیں ہوتی ہے اور یہ سپیدیاں صرف موتیوں کے گون کی ہیں۔ (گوہنرل مقصود ہے) چنانچہ مشہور قول ہے کہ ہر چہ اہل تر شائستہ تر ہر چہ مستور مستودہ تر۔ بیگمات شاہی جو حکم دیتی ہیں یہ ہمیشہ اُسی ہوتے ہیں جو اہل غرض اُنکو سمجھا دیتے ہیں۔ کیونکہ مردوں کی طرح عورتوں کو برے لعین دیکھنے کا موقع نہیں ملتا ہے بلکہ اُن کی پیش خدمتیں

کان بھرتی رہتی ہیں۔ اسلئے عورتوں کے احکام اکثر راستی کے خلاف ہوتے ہیں، جسے فتنے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

زمانہ سابق میں بھی جب عورتوں کا سلطنت پر غلبہ ہوا ہو تو ایسے شور و شر پیدا ہوئے ہیں جسکی نظیر سودا بہ اور کیکاؤس کا معاملہ ہے۔

بادشاہوں کا ہمیشہ یہ اصول رہا ہے کہ وہ کبھی عورتوں کے فرمانبردار نہیں ہوئے ہیں اور کبھی انکے راز عورتوں کے کانوں تک پہنچے ہیں۔

سکندر عظیم نے جب دارائے عجم پر فتح پائی اور دارا کو اس کے ایک نکلورام خدنگار نے قتل کر ڈالا

شاہ ہاواران کی بیٹی اور کیکاؤس کی بی بی کا نام ہے۔ یہ اپنے سوتیلے بیٹے سیاوش پر زہنیہ ہو گئی تھی۔ پورا قہشاہتا مردود سی جس جرح ہے۔ ۳۵۰ دینکے مشہور ترین بادشاہوں میں سے ایک سکندر عظیم بھی ہے۔ یا موراد اور بلند اقبال فتح صوبہ مقدونہ (یونان کے شمالی حصے) کے شہر سیلاس ۳۵۵ برس قبل مسیح علیہ السلام پیدا ہوا۔ اس کا باپ فیلیپس مقدونہ کا بادشاہ تھا۔ اور اس کی ماں کا نام ایلینا تھا۔ سکندر بچپن ہی سے ہونا معلوم ہوتا تھا۔ اور اسکی تعلیم و تربیت شاہانہ طریقے سے کی گئی تھی۔ سکندر کی پہلی معلمہ سکیڈریہ (یونانی) تھی۔ اسکے بعد لیونٹس، سیمالوس، اناستیس مقرر ہوئے۔ اور انکیلارسطو کی تعلیم سے ہوئی جس میں بڑا حصہ فلسفہ اور ریاضی کا تھا۔ سکندر کی سوانح عمری میں سب سے تعجب انگیزہ یہ ہے کہ اُسے بیس سال کی عمر میں سلطنت شروع کی اور بیس سال کی عمر میں فوت ہو گیا اور صرف ۱۲ بارہ سال میں دنیا کا اس قدر حصہ فتح کر لیا جو آج ایک صدی میں بھی دشوار ہے۔ سکندر کی فتوحات میں سب سے عظیم الشان ارا کا مقابلہ جس میں گیارہ لاکھ پیدل اور دس ہزار ایرانی سوار تھے اور سکندر کی کل فوج پچاس ہزار تھی مگر دارائے عجم کو بھگامار بیل (اردبیل) ۳۳۰ قبل مسیح میں شکست ہوئی۔ اس فتح سے کل مغربی ایشیا پر سکندر کا قبضہ ہو گیا۔ اسکے بعد سکندر نے اُس علاقے پر قبضہ کر لیا جو دریائے ڈینیوب اور دریائے انڈس کے درمیان واقع ہے اور انہیں فتوحات کا سیلاب بیاں اور استیلا کے سلسلے میں پہنچا۔ اس وقت سکندر کی عمر ۲۶ برس کی تھی۔ فتوحات سے سکندر کا غور بڑھتا جاتا تھا۔ اور مزاج سے سپاہیانہ پن، سادگی، اعتدال، انصاف پسندی، رخصت ہوتی جاتی تھی (یعنی صوفیانہ) ۳۳۵ شاہان عجم کے سلسلہ کلاں میں اراؤواشی تاجدار رہے۔ یہ داراب کا بیٹا تھا۔ دنیا کی عظیم الشان سلطنت پر حکمرانی کرتا تھا۔ چودہ برس حکومت کر کے دنیا سے سدا ہوا۔

تو مصاحبوں نے سکندر سے کہا کہ دارا کا محل پر یوں کا مسکن ہو اور اُس کی بیٹی تو اس ملک کی خوبصورت ہو کہ جس کی نظیر دنیا میں نہیں ہو۔ سکندر نے جواب دیا۔ کہ ”میں نے اُنکے مردوں پر فتح پائی ہو ایسا نہ ہو اُنکی عورتیں مجھے شکست دیں“ چنانچہ محض اسی خیال سے سکندر نے دارا کے حرم سرا کی سیر نہیں کی۔ علیٰ ہذا القیاس نہانہ بنی اسرائیل میں یوسفؑ کو رُسوا در عجم میں شیریں خسرو اور فرہاد کا قصہ مشہور ہے۔ ہرزچہر سے لوگوں نے پوچھا کہ آل ساسان میں تجھ ایسا مدبر اور فرزانہ وزیر موجود تھا تو پھر اُن کی بربادی کا باعث کیا ہوا؟ حکیم نے جواب دیا کہ اس نوال کے دو سبب تھے ایک یہ کہ آل ساسان نے بڑے کام چھوٹوں کے سپرد کر رکھے تھے دوسرے یہ کہ ارباب انش کا کوئی خریدار نہ تھا اور سلطنت کے کام عورتوں اور لڑکوں پر چھوڑ دیے گئے تھے۔ اور جب اُمور سلطنت اس

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۲۵۔ لباس پوشاک طرز معاشرت اور عیش عشرت میں سکندر ایرانیوں کا مقدمہ ہو گیا تھا۔ اور قومی شعائر آہستہ آہستہ رخت ہو رہے تھے۔ سکندر کی سوانح عمری سے انسان کو نہایت مفید سبق حاصل ہو سکتے ہیں سکندر نے یونانی تہذیب و زبان کو فتوحات کے ساتھ ترقی دی۔ علم جغرافیہ اور خواص الاشیا کے عجیب و غریب نکات قدیم دنیا کو صرف سکندر کے ذریعہ ہی معلوم ہوئے ہیں۔ اُن کم از کم شہر آباد کیے اور ایسے موقع پر جسکے ذریعے سے تجارت اور شائستگی میں از حد ترقی ہوئی۔

دارا کی بیٹی کا نام روشنگ تھا۔ اور حقیقت میں یحسں و جمال کی دیوی تھی۔ اگرچہ لڑائی کے موقع پر سکندر نے دارا کے محسوس کو نہیں دیکھا لیکن بعد میں دارا کی وصیت کے مطابق روشنگ کو بی بی بنایا۔

یوسفؑ کو رُسوا کا قصہ فتویٰ مولانا روم میں مفصل تحریر ہے۔ اور اردو میں قدر بلگرامی مرحوم کی ایک مثنوی اس پر موجود ہے جو چھپ گئی ہے شیریں خسرو، فرہاد کے حالات بھی مشہور ہیں حاشیہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اسے ہمارے زمانے کے سعدی اور عمر و قیام شمس العلماء خواجہ الطاف حسین صاحب حالی مدظلہ العالی نے اس مضمون کو ایک باغی میں نہایت ہی خوبی سے ادا کیا ہے۔ فرمائے ہیں۔

دیکھو جس سلطنت کی حالت برہم
تجھو کہ وہاں ہو کوئی برکت کا قدم
یا کوئی ایسی گم ہو مشیر دولت
یا ہو کوئی مولوی وزیرِ عظم

گروہ کے سپرد ہوں تو جان لو کہ اب سلطنت اس گھر سے رخصت ہوا چاہتی ہے۔

ہامون الرشید عباسی کا قول ہے کہ ”کوئی بادشاہ ایسا نہونا چاہیے جو پردہ نشینانِ حرم کو سلطنت اور فوج اور خزانے کے معاملات میں گفتگو یا مداخلت کرنے کی اجازت دے۔ یا وہ کسی کی حمایت کریں یا ایک کو مقرر اور دوسرے کو برطرف کریں یا کسی کو سزا دیں۔ کیونکہ جب ایسی صورت ہوگی تو مردوں کا اس دربار میں ہجوم ہوگا۔ اس وقت اُس کے دماغ میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہونگے۔ اور اس کا اثر سلطنت پر پڑیگا۔“

کیخسرو کا قول ہے کہ جو بادشاہ یہ چاہتا ہے کہ اس کی سلطنت قائم رہے اور ملک تباہ نہ ہو اُنکو چاہیے کہ بیگمات کو سر نہ چڑھائے اور سولے اپنی لونڈی باندیوں کے اُنکو اس قدر موقع نہ دیا جائے کہ وہ کسی اور معاملے میں گفتگو کریں۔“

امیر المؤمنین فاروق عظیم فرماتے ہیں کہ ”عورتوں کا کلام بھی مثل عورتوں کے پردے میں ہونا چاہیے یعنی جس طرح علانیہ کوئی اُنکو نہیں دیکھ سکتا ہے۔ اسی طرح کھلم کھلا کوئی اُن کی بات بھی نہیں سُن سکتا ہے۔“ یہ چند نظائر اس مضمون میں کافی ہیں۔ زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں ہے۔

اب یہ سمجھ لو کہ زبردست اور زیر دست کے کیا معنی ہیں۔ خلاق عالم نے سب سے زبردست بادشاہ کو پیدا کیا ہے اور ساری دنیا اس کے ماتحت (زیر دست) اور وظیفہ خوار ہوتی ہے۔ لہذا اُنکے ساتھ ایسا برتاؤ رکھنا چاہیے کہ وہ ہمیشہ فرمانبردار رہیں اور حد سے زیادہ نہ بڑھنے پاتے۔ ایک دُن حکیم بزرگ چہر نے نو شیردانِ عادل سے کہا کہ ملک و سلطنت بادشاہ کے لیے ہے۔ لیکن

سلطان بزرگ چہر (بوز جہر، بوز جہر، بزرگ چہر) نو شیردانِ عادل کا مشہور وزیر ہے جو عام طور پر حکیم بزرگ چہر کے

بادشاہ نے ملک فرج کو دے رکھا ہی۔ حالانکہ یہ حق اہل ملک کا ہی۔ اگر فرج ولے رعایا پر مہربان نہوں اور صرف اپنے فرج کی خیر منائیں اور انکو ہر قسم کی سیاست کا حکم دیدیا جائے تو پھر بادشاہ اور فرج میں کیا فرق باقی رہیگا۔ احکام سیاست ہمیشہ بادشاہ سے متعلق ہوتے رہے ہیں۔ فرج کو کبھی حد سے زیادہ اختیار نہ دیا جائے۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۲۷۔ نام سے مشہور ہے۔ اسکے باپ کا نام ”سوخرا“ ہی اور لقب ”جنگاں“ اور اسی مناسبت سے بزرچمکر ابن جنگاں کہتے ہیں۔ سوخرا کا سلسلہ نسب طوس بن فوذر تک پہنچتا ہے۔

آثارالوزرا کی روایت ہے کہ دربار نوشیرواں میں بزرچمکر کی رسانی اس تقریب سے ہوئی تھی کہ نوشیرواں نے انکے پیش میں تین مرتبہ خواب دکھائے کہ ”اسکے سامنے ایک پیالہ شراب کا بھرا ہوا رکھا ہے۔ اور ایک سوراخ (خوک) آکر اس کو پی جاتا ہے“ یہ خواب دیکھ کر وہ بدحواس ہو گیا۔ اور موبدوں سے جو ملازم دربار تھے کوئی اس خواب کی صحیح تعبیر نہ بتا سکا۔ تب اطراف ملک سے اور معطل طلب ہوئے۔ چنانچہ سر و آزاد نامی ایک موبد بزرچمکر کو مودے لایا۔ اور اسے نوشیرواں کو بتایا کہ حرم سرا میں خواجہ سراؤں کے لباس میں ایک مرد چھپا ہوا ہے اور کوئی حکیم اسے ناجائز تعلق رکھتی ہے“ چنانچہ تحقیقات سے قیصر روم کی بیٹی پر (جو نوشیرواں کی انکے بیگم تھی) یہ جرم ثابت ہوا۔

اس واقعے کے بعد نوشیرواں نے بزرچمکر کو اپنا مصاحب بنالیا اور پھر آہستہ آہستہ ترقی دیکر درجہ وزارت تک پہنچایا۔ نوشیرواں کو خوش نصیبی سے جیسے ارکان سلطنت ملے تھے اس کی نظیر سے ساسانیوں کا اخیر دور خالی ہے۔ اس نامور اور مذہب و وزیر کے مشورے سے نوشیرواں نے بہت سے ایسے کام کیے ہیں جسکے سبب سے نوشیرواں کا نام ہمیشہ زندہ رہیگا۔ چنانچہ مزدک کا قتل اور مذہب مزدکیہ کا استیصال بھی اسی وزیر کے مشورے سے ہوا تھا۔

ہندوستان کے راجہ رتاپ چند نے بزرچمکر کے زمانے میں نوشیرواں کو شطرنج روانہ کی تھی جسکے جواب میں بزرچمکر نے ”نزد“ ایجاد کر کے بھیج دی تھی۔ اخیر زمانے میں ایک قصور پر نوشیرواں نے بزرچمکر کو پھانسی دیدی۔ اس حکیم کے اقوال کتب تاریخ اور کتب ادب میں بکثرت تحریر ہیں۔ چنانچہ علامہ بابا الدین حالی نے اپنی کتاب کشکول اور المخطا میں بہت سے اقوال نقل کیے ہیں۔

انتخاب از کتاب آثارالوزراء سیف الدین۔ و تاریخ الملوک جلد دوم صفحہ ۳۸۷۔

اگر کوئی بادشاہ چاہتا ہو کہ سلاطین سابق پر سبقت لیجائے تو اسکو اپنے اخلاق درست کرنا چاہیے۔ اور ایس طرح پر ممکن ہو کہ کینہ، حسد، کبر، غضب، شہوت، حرص، بجاہت، بغل، ظلم، خود کامی، ناپاسی، اور دروغ گوئی، کو چھوڑ دے۔ اور حیا، حلم، عفو، تواضع، سخاوت، راستی، صبر، شکر، عدل، انصاف، کو اپنا شعار بنائے۔ جو بادشاہ ان صفات آراستہ ہوتا ہو اسکو کبھی مشیر سلطنت کی حاجت نہیں ہوتی ہے۔

(۳۹) خزانہ

بادشاہوں کے ہمیشہ دو خزانے ہوا کرتے تھے۔ ایک خزانہ اصلی یعنی سرمایہ دوامی اور دوسرا خزانہ خرچ، جس سے روزمرہ صرف ہوتا تھا۔ ملک کا خرچ اور تمام آمدنیاں سرمایہ دوامی میں جمع کیجاتی تھیں اور بغیر خاص مجبوری کے اس خزانے سے نہیں لیا جاتا تھا اور اگر لیا جاتا تھا تو قرض کے طور پر اور جس بادشاہ کو یہ خیال نہوگا اسکا خزانہ ہمیشہ خالی رہیگا اور ہم کمبخت وقت اٹھانا پڑیگی۔

خزانے کے معاملے میں یہ بھی احتیاط رکھنا چاہیے کہ جو محصول وقت پر کرنے والے ہوں انکو کسی دوسری رقم میں محسوب نہ کیا جائے ورنہ اخراجات میں دشواری پیش آئیگی چنانچہ ایک تاریخی واقعہ بیان کرتا ہوں۔

سلطان محمود نے اپنے حاجب امیر التونتاش کو ولایت خوارزم پر نامزد کیا۔ سالانہ خرچ خوارزم کا ساٹھ ہزار دینار تھا اور التونتاش کا سالانہ وظیفہ ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ امیر مذکور کو جب ایک لاکھ ہو گیا۔ تو سلطان کی خدمت میں عرضداشت داندہ کی کہ ساٹھ ہزار دینار جو خوارزم کا خرچ ہے

دو مہینے دلیسے میں محسوس کر دیا جائے بجائے اس کے کہ خزانے سے یہ رقم ادا کی جائے، وزارت پر اس وقت شمس الکفاۃ احمد حسن ممیندی تھا۔ اُس نے عرضی کو پڑھ کر یہ جواب لکھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم! امیر التوٹناش کو وضع ہو کہ یہ امر کسی طرح پر بہتر نہیں ہے۔ جس قدر خزانہ کی ادائیگی تمہارے فتنے ہو وہ کبھی چھوڑا نہیں جاسکتا ہے۔ لہذا محصول ملکی خزانے میں دخل نہ کرو اور تمہارے دلیسے کی دہانید ملک سیستان سے کرائی جائیگی تاکہ آقا اور غلام میں فتنہ نہ پھیلے۔

مجھے امیر خوارزم کی عقل پر تعجب آتا ہے کہ اس نے یہی درخواست کرنے کی کیونکر جرأت کی یا تو اُس نے محمود کو نظر حشرات دیکھا ہے۔ یا احمد حسن کو غافل اور ناتجربہ کار سمجھ رکھا ہے۔ بہر حال اسے خیال سے تو بہر کرنا چاہیے۔ غلام کا اپنے آقا سے ساجھا کرنا نہایت خطرناک ہے۔ چنانچہ احمد حسن نے ایک سپاہی کے ہاتھ یہ خط بھیج دیا اور خوارزم شاہ نے ساٹھ ہزار دینار خزانے میں داخل کیے اور عامل سیستان کو لکھا گیا کہ وہ ماز و ادور پست انا را اور ردنی خوارزم کو بھیجے۔

(۴۰) فیصلہ مقدمہ

باو شاہ کے دربار میں ہمیشہ فریادی جمع رہا کرتے ہیں اور جب تک اُن کی داد و رسی نہیں ہوتی ہے وہ موجود رہتے ہیں۔ کوئی مسافر یا کسی ملک کا سفیر جب یہ حالت دیکھ گیا تو وہ خیال کرے گا کہ اس ملک میں یونہی ظلم و ستم ہوا کرتے ہیں۔ اس لیے ظلم کا دروازہ بند ہونا چاہیے۔ بعد ازاں

واقعہ و راجرے احکام فریادی فوراً رخصت کر دیئے جائیں۔

مشہور ہو کہ یزدگرد شہنشاہ عجم نے امیر المومنین فاروق اعظم کے دربار میں اپنا سفیر بھیجا۔ اور یہ کہلا بھیجا کہ "ساری دنیا میں میرے دربار سے زیادہ شان و شوکت کسی دربار میں نہیں ہے نہ مجھ سے زیادہ کسی کے پاس شکر و خزانہ ہو۔ اور جب قدر ساز و سامان ہو وہ بے نظیر ہے۔" امیر المومنین نے جواب میں کہلا بھیجا کہ "تیرا یہ کہنا سچ ہو کہ دربار میں لوگوں کی کثرت ہے، مگر وہ ستم سید فریادی ہیں۔ تیرا خزانہ بھی آباد ہی مگر وہ حرام کا مال ہے۔ فوج کے سپاہی دلیر ضرور ہیں، مگر نافان ہیں۔ یاد رکھ جب سلطنت جاتی رہیگی۔ تو کوئی ساز و سامان کام نہ آئیگا۔ جن چیزوں پر تجھے فخر ہو۔ یہ تیری بداقبالی اور زوال کی علامتیں ہیں۔"

بادشاہ کو چاہیے کہ خود عادل ہو اور طمع نہ کرے تب دوسروں پر اسکا اثر پڑیگا۔ جیسا کہ سلطان محمود غزنوی کا وقت ہے کہ ایک سوداگر نے سر دربار سلطان محمود سے شہزادہ مسعود کی شکایت کی اور کہا کہ "میں پر دیسی سوداگر ہوں۔ اور مدت سے اس شہر میں پڑا ہوا ہوں، مگر جانا چاہتا ہوں۔"

۱۵ اس نامور سلطان کا پورا نام بصراحت نسب نامہ یہ ہے "بین الدولہ نظام الدین ابوالقاسم سلطان محمود غزنوی بن اسیر

ناصر الدین سلجوق بن قراچک بن قرا ارسلان بن قرا ملت بن قرا لغمان بن فیروز بن یزدجرد شہزادہ فارس۔"

یہ بہادر فاتح جمہرات کی شب کو (شب عاشورا) بتاریخ نویں محرم الحرام ۴۸۵ھ (مطابق یکم اکتوبر ۱۰۹۲ء) پیدا ہوا۔ اور

اسیر سلجوق کے سایہ عاطفت میں سن ۵۰۰ھ کو پہنچا۔ اور امیر مذکور کے انتقال پر چھپیس برس کی عمر میں بمقام غنیم ۵۳۵ھ میں

تحت نشین ہوا۔ خراسان، بخارا، اور بلخ کی فتوحات کے بعد بروز یکشنبہ ماہ صفر ۵۳۵ھ (مطابق ۲۲ جنوری ۱۱۴۱ء)

سلطان نے امیر الامرائی کے درجے سے (مینصب سلاطین سامانیہ کی طرف سے تھا) اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ اور

خطبے سے عبدالملک بن فوج سامانی کا نام خارج کر کے اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ اور اسی سال خلیفہ القا در بلاغ عباسی

دو مہینے قلعے میں محسوس کر دیا جائے بجائے اس کے کہ خزانے سے یہ رقم ادا کی جائے، وزارت پر اس وقت شمس الکفایہ احمد حسن بمبئی تھا۔ اُس نے عرضی کو پڑھ کر یہ جواب لکھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم! امیر التوٹناش کو وضع ہو کہ یہ امر کسی طرح پر بہتر نہیں ہے۔ جب قدر خراج کی ادائیگی تمہارے فتنے ہو وہ کبھی چھوڑا نہیں جاسکتا ہے۔ لہذا محصول ملکی خزانے میں داخل کرو اور تمہارے قلعے کی دہانید ملک سیتان سے کرائی جائیگی تاکہ آقا اور غلام میں فرق باقی رہے۔

مجھے امیر خوارزم کی عقل پر تعجب آتا ہے کہ اس نے یہی درخواست کرنے کی کیونکر جرأت کی یا تو اُسے محمود کو نظر حثارت دیکھا ہے۔ یا احمد حسن کو غافل اور ناجذبہ کار سمجھ رکھا ہے۔ بہر حال اس خیال سے توبہ کرنا چاہیئے۔ غلام کا اپنے آقا سے ساجھا کرنا نہایت خطرناک ہے۔

چنانچہ احمد حسن نے ایک سپاہی کے ہاتھ یہ خط بھیج دیا اور خوارزم شاہ نے ساٹھ ہزار دینار خزانے میں داخل کیے اور عامل سیتان کو لکھا گیا کہ وہ بازو اور پوست انار اور روئی خوارزم کو بھیجے۔

(۴۰) فیصلہ مقدمہ

بادشاہ کے دربار میں ہمیشہ فریادی جمع رہا کرتے ہیں اور جب تک اُن کی داد و رسی نہیں ہوتی ہو وہ موجود رہتے ہیں۔ کوئی مسافر یا کسی ملک کا سفیر جب یہ حالت دیکھ گیا تو وہ خیال کرے گا کہ اس ملک میں یونہی ظلم و ستم ہوا کرتے ہیں۔ اسلئے ظلم کا دروازہ بند ہونا چاہیئے۔ بعد ازاں

واقعہ اور اجر لے احکام فریادی فوراً رخصت کر دیئے جائیں۔

مشہور ہی کہ یزدگرد دہشتناک و عجم نے امیر المومنین فاروق اعظم کے دربار میں اپنا سفیر بھیجا۔ اور یہ کہلا بھیجا کہ ساری دنیا میں میرے دربار سے زیادہ شان و شوکت کسی دربار میں نہیں ہے نہ مجھ سے زیادہ کسی کے پاس لشکر و خزانہ ہو۔ اور جب قدر ساز و سامان ہو وہ بے نظیر ہے۔“

امیر المومنین نے جواب میں کہلا بھیجا کہ تیرا یہ کہنا سچ ہی کہ دربار میں لوگوں کی کثرت ہی، مگر وہ تسمیہ فریادی ہیں۔ تیرا خزانہ بھی آباد ہی مگر وہ حرام کا مال ہی۔ فوج کے سپاہی دلیر ضرور ہیں، مگر نافرمان ہیں۔ یاد رکھ جب سلطنت جاتی رہیگی۔ تو کوئی ساز و سامان کام نہ آئیگا۔ جن چیزوں پر تجھے فخر ہو۔ یہ تیری بداقبالی اور زوال کی علامتیں ہیں۔“

بادشاہ کو چاہیے کہ خود عادل ہو اور مجمع نہ کرے تب دوسروں پر اسکا اثر پڑیگا۔ جیسا کہ سلطان محمود غزنوی کا واقعہ ہے کہ ایک سوداگر نے سر دربار سلطان محمود سے شہزادہ مسعود کی شرکت کی اور کہا کہ میں پر دیسی سوداگر ہوں۔ اور مدت سے اس شہر میں پڑا ہوا ہوں، گھر جانا چاہتا ہوں

۱۔ اس نامور سلطان کا پورا نام بھراحت نسب نامہ یہ ہے ”بین الدولہ نظام الدین ابوالقاسم سلطان محمود غزنوی بن مسیر

ناصر الدین سلگیس بن جوہر قراچکم بن قرا ارسلان بن قرا ملت بن قرا لغمان بن فیروز بن یزدگرد شہر یار فارس“

یہ بہادر فوج جمہرات کی شب کو (شب عاشورا) بتایا ج فوجیں محرم الحرام ۳۲۷ھ (مطابق یکم اکتوبر ۹۳۷ء) پیدا ہوا۔ اور

اسیر سلگیس کے سایہ عاطفت میں منہ رشد کو پہنچا۔ اور امیر مذکور کے انتقال پر چھتیس برس کی عمر میں بمقام عتیں ۳۸۵ھ میں

تحت نشین ہوا۔ خراسان، بخارا، اور بلخ کی فتوحات کے بعد بروز یکشنبہ ماہ صفر ۳۸۷ھ (مطابق ۲۲ جنوری ۹۹۷ء)

سلطان نے امیر الامرائے کے درجے سے (یعنی سلاطین سامانیہ کی طرح سے تھا) اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ اور

خطبے سے عبدالملک بن فوج سامانی کا نام خارج کر کے اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ اور اسی سال خلیفہ القادر باللہ عباسی

لیکن نہیں جاسکتا کیونکہ شہزادے نے ۶۰ ہزار دینار کا مجھ سے سودا خریدا ہوا اور قیمت نہیں ادا کرتا ہے، میں چاہتا ہوں کہ میرے مقابلے میں شہزادہ مسعود قاضی کے سامنے بھیجا جائے محمود کو سودا گر کا دفعہ منکر نہایت رنج ہوا اور مسعود سے کہلا بھیجا کہ ”یا تو سودا گر کا تصفیہ کرو“

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۳۱۔ سلطان کو یمن الدولہ کا خطاب مرحمت فرمایا جب ملک کے اندرونی انتظامات سے اطمینان ہو گیا تو سلطان نے ہندوستان کا رخ کیا اور متواتر حملے کر کے کامیابیاں حاصل کیں۔ چنانچہ فتوحات ہند میں سب مہم باشان سومات کا کارنامہ ہے۔ سلطان اس مہم پر ستمبر ۱۰۲۲ھ میں غزنی سے روانہ ہوا تھا اور اکتوبر ۱۰۲۳ھ میں بمقام ملتان پہنچا تھا چنانچہ مسلسل لڑائیوں کے بعد بروز دوشنبہ ۱۲ شعبان ۱۰۲۴ھ (مطابق ۲۷ ستمبر ۱۰۲۵ھ) سومات کا مندر فتح ہوا۔ شہزادے مبارکباد کے قصائد پڑھے۔ عسجدی غزوئی کے چند شعر پر ہم یہاں گفتا کرتے ہیں

تاشا و خرواں سفر سومات کرد	آٹا غنہ و را علم معجزات کرد
نبرد نام کشت جان از لوح دیں	شکوہ طے خوشیتن از واجبات کرد
شطرنج نمک باخت ملک باہر ارشاد	ہر شاہ را بلعبد گر شاہ مات کرد
محمود شہزاد ملک آنکہ ملک را	بنیاد بر محاسن و بر مکرمات کرد
شاہان از سکنہ ریشی بدان جہت	کو ہر سفر کر کرد بدیگر جہات کرد
مین الرضائل ایزد بجئے تو در سفر	بازاد سفر بجستن عین الحیات کرد

تو کار باہنسیزہ و تیر و کمان کنی

ادکار باہجیلہ و کلک و دوات کرد

سلاطین غزنویں میں محمود سے زیادہ جاہ و جلال والا کوئی اور بادشاہ نہیں گزرا ہے۔ خراسان، خوارزم، طبرستان، عراق، بلاد خوارزم، فارس، بختیار، غور، طارستان (ہندوستان صوبہ پنجاب) پر یہی حکومت تھی۔ اور ملوک ترکستان اسکے فرمانبردار تھے۔ دربار میں ہر علم و فن کے اہل کمال موجود تھے۔ ۳۶ برس سلطنت کر کے چہار شنبہ کے دن باہ ربیع الثانی ۱۰۲۵ھ (مطابق ۱۱ اپریل ۱۰۲۵ء) میں بمقام غزنی انتقال کیا۔

انتخاب لطیفات ناصری صفحہ ۹-۱۱ و مجمع الفصحی صفحہ ۳۳۰، تاریخ الفتن حالات محمود، والتوفیقات الالہامیہ

یا اس کے ساتھ کچہری میں قاضی کے سامنے حاضر ہوتا کہ شرعی حکم جاری کیا جائے۔ چنانچہ سوداگر قاضی کے سامنے حاضر ہوا جب سلطان کا پیام مسعود تک پہنچا اُس نے فوراً تھیلہ اڑا کر پوچھا کہ غزلے میں کس قدر نقد موجود ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ میں ہزار دینار شہزادے نے کہا کہ یہ رقم سوداگر کو دیکر بقیہ کے لیے تین دن کی مہلت مانگو۔ اور سلطان کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ میں ہزار دینار میں سے اس وقت ادا کر دیئے اور تین دن میں بقیہ بھی ادا کرونگا میں کپڑے پہن کر طیار بیٹھا ہوں کیا حکم صادر ہوتا ہے۔ آیا میں دارالعدالت کو جاؤں یا بجائوں؟ سلطان نے کہلا بھیجا کہ ”میں کچھ نہیں جانتا۔ جب تک سوداگر کا دوسرا پیہ بیاں نہ کر گیا میں تیری صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔“ مسعود بھی ان باتوں کی تاب نہیں رکھتا تھا۔ ادا ہر ادا ہر سے قرض لیکر دوسری ناز کے وقت تک ساٹھ ہزار دینار نقد سوداگر کو ادا کر دیئے۔ جب یہ خبر سوداگر دے کے غزلیے سے ملک چین، خطا، مصر اور دیگر اطراف عالم میں پہنچی تب ہر طرف کے سوداگر غزلیں میں جھک پڑے اور دنیا کی کوئی چیز ایسی نہ تھی جو غزلیں کے بازار میں موجود نہ ہو۔

شہر حمص کے عامل نے حضرت عمران بن عبدالعزیز کو درخواست بھیجی کہ شہر کی تفصیل کر گئی ہو مگر کے لیے جیسا حکم ہو اُسکی تعمیل کی جائے۔ خلیفہ نے جواب میں لکھا کہ پتھر، دامنٹ و چونے سے دیوار

۱۵ عمران بن عبدالعزیز بن مروان، سلسلہ خلفائے بنی امیہ میں ساتویں خلیفہ ہیں۔ لیکن عجائبات صفات و تقدس آپ کا درجہ خلفاء راشدین کے بعد سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ سفیان ثوری حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد آپ کو پانچواں خلیفہ قرار دیتے ہیں۔ ۱۶ ۶۶۴ء میں حضرت عمر کی ولادت موضع حلوان (مصر کا ایک مشہور گاؤں) میں ہوئی۔ آپ کی والدہ ام عاصم، فاروق اعظم کی پوتی تھیں۔ اور حضرت فاروق کی پیشین گوئی کہ سری اولاد میں ایک شخص ایسا عادل پیدا ہوگا کہ جس کے عدل سے دنیا بھر جائیگی۔ وہ عمران بن عبدالعزیز کے ذریعے سے پوری ہوئی۔ خلیفہ عبدالملک نے اپنی بیٹی فاطمہ سے مقام دمشق آپ کا

بنانا فضول ہے۔ شہر کی چار دیواری حد و انصاف سے بنا اور رہتوں کو عظیم و خوف سے پاک کر خداوند تعالیٰ نے حضرت داؤد سے فرمایا ہُوَ يَادَاوُدَّ اِنَّا جَعَلْنَا خَلِيفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ۔ یعنی ملے داؤد میں ملو اپنا خلیفہ بنایا ہے کہ تم میرے بندوں کی سچائی سے حکومت کرو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مَنْ اسْتَعْمَلَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ عَامِلًا وَهُوَ يَعْلَمُ اَنْ فِي الْمُسْلِمِينَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ فَقَدْ خَانَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُقْسِرُ

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۳۳۔ عقد کیا۔ اور سلیمان ابن عبدالملک کے انتقال پر ۱۱۱۱ھ میں تخت نشین ہوئے۔ حکمرانی میں فاروق عظیم کے مشابہ تھے اور سلطنت سے اپنے اہل و عیال کے واسطے صرف دو درہم (اٹھ انا) روز لیا کرتے تھے۔ بیت المال مسلمانوں پر وقت تھا۔ اور اُس میں یہاں تک احتیاط تھی کہ جب تک سلطنت کا کام انجام دیتے تھے سوقت تک شیعہ سامنے ملتی تھی اور بعد ختم کام گل کر دی جاتی تھی۔ آپ کی بی بی فاطمہ کو ہمیشہ تنگدستی کی شکایت ہی ملتی رہتی تھی۔ پسند و نضاع سے راضی کر دیا کرتے تھے۔ ایک دن تردمانہ انکو رہنے لگے بی بی سے کہا کہ ایک دینار ہو تو لاؤ۔ انھوں نے جواب دیا کہ جب آپ خلیفہ ہو کر ایک دینار پر فارغ نہیں ہیں تو میں کہاں سے لاؤں؟ تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ اپنے عزیزوں میں سے کسی سے ایک سیریک ہدیے میں قبول نہیں کیا۔ جو لباس زیب تن ہوتا تھا اُسیں اکثر پیوند ہوتے تھے۔ اور انتقال کے وقت جو بیس پہنے ہوئے تھے پیرائے کے دوسرا موجود نہ تھا۔ زمینوں کے ساتھ جو برتاؤ اس عہد میں ہوا وہ ضرب المثل ہے۔ مسجد نبوی کو بہت وسیع کیا۔ باغ فدک بنی فاطمہ کو دیدیا۔ اور امیر معاویہ کے وقت سے حضرت علی اور ان کے طرفداروں کی خطبہ جو یمن میں ہوا کرتی تھی وہ کلمہ بند کر دی اور یہی موت کا سبب ہوا۔ لوگوں نے غلام کو ایک ہزار دینار دیکر زہر دلوادیا۔ چنانچہ غلام نے جب تنہائی میں یہ واقعہ بیان کیا تو دینار لیکر بیت المال میں بھیج دیے اور غلام کو آزاد کر کے حکم دیا کہ بھاگ جا ورنہ لوگ تجھے قتل کر ڈالینگے۔ دیر بعد ان میں تباہی ۲۰ ماہ و رجب ۱۱۱۱ھ (مطابق ۷۱۰ء اجزوی ۱۱۱۱ھ) میں ۳۶ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ ۲ برس ۵ مہینے ۱۲ دن حکمرانی کی۔ آپ کی مفصل سوانح عمری "سیرۃ العرین" ہالینڈ میں چھپ چکی ہے جو کسی مسلمان کو تو قریب دے تو اردو میں بھی ایک مکمل سوانح تیار ہو سکتی ہے آپ کی بی بی کی مدح میں مشہور ہے "بنت الخلیفہ والخلیفہ جلد ہا" اخت الخلفاء والخلیفہ (زوجہا) اخت الخلفاء نبوی علی و خیر اللہ وغیرہ

اس کی یہ ہر کہ پار سالوگوں کو عامل مقرر کرنا چاہیے تاکہ بندگان خدا کو نہ ستائیں۔ اور اگر کوئی جان بوجھ کر ایسا نہ کرے تو گو یا وہ خدا اور رسول کے ساتھ خیانت کرتا ہو۔

یہ دنیا حقیقت میں بادشاہوں کا روزِ ناچ ہے اگر وہ یہاں نیکی کرینگے تو نیکی سے یاد کیے جائینگے اور اگر بد ہیں تو بُرائی سے یاد کیے جائینگے۔ اور لوگ اپنے نفس کی نیگے حکیمِ عمری نے خوب کہا ہے ہم عمر خواہی شدن گر سازی اذ گردوں سر ہم سخن خواہی شدن گر بندی اذ گردوں کمر جہد کن تا چوں سخن گوی قوی باش سخن بجز برتا چوں سرگردی نکو باش سر

(۴۱) داخل و خارج

ملک کی آمدنی و خرچِ قلبند کرنا چاہیئے، خاص کر خرچ کی رقموں کو نظرِ مائل دیکھنا چاہیئے۔ جو رقم قابلِ مجبرائی نہ ہو وہ کاٹ دیا جائے۔ اور اگر آمدنی میں تو فیروز ہو یا کمی تو عامل سے باز پرس کی جائے اگر اُس کا بیان صحیح نہ ہو تو دصورت کی مطالبہ کرنا چاہیئے۔ دنیاوی مال کے حصول میں بادشاہ کو مصنفی کے ساتھ میانہ روی اختیار کرنی چاہیئے اور حتیٰ الوسع اُس ملک اور قدیم اصولوں پر چلنا چاہیئے۔ اور خود کسی بدعت کا موجد نہ ہو۔ بادشاہ کا فرض ہے کہ وہ عمال کی جانچ کرے اور آمدنی و خرچ پر نظر رکھے۔ اور دشمنوں کی حفاظت بچاؤ کی غرض سے خزانہ معمولی سے بادشاہ کی زندگی یہی ہونا چاہیئے کہ نہ تو کوئی اُس کو بخیل کہے۔ اور نہ اس قدر صرف کرے کہ لوگ اُس کو فضول خرچ کہیں۔ فیاضی کے موقع پر لینے والے کی حیثیت پر نظر ہے۔ شخص ایک دینار کا مستحق ہو اُسے سو دینار نہ دینا چاہیئے۔ اور جو تلو کا مستحق ہو اُسے ایک دینار نہ دینا چاہیئے۔

کیونکہ اس سے بزرگوں کی قدر و منزلت میں امتیاز نہیں رہتا ہو۔ اور لوگ یہ کہنے لگتے ہیں کہ بادشاہ اہل فضل اور ارباب دانش کو نہیں پہچانتا۔ اور بلا سبب بخیدگی برہ جاتی ہے اپنے دشمنوں سے اس طرح لڑے کہ صلح کی جگہ باقی رہے اور دوست دشمن سے ایسا بلا جلا ہے کہ جب چاہے الگ ہو جائے۔ اور جب چاہے ملجائے۔ نہ ہمیشہ خوش طبعی کرے اور نہ ایک دم سے ترش و ہو جائے اور اگر کبھی سیر و مکار و لذات دنیاوی میں مشغول ہو جائے تو کبھی کبھی خدا کا شکر ادا کرے صدقہ دے روزے رکھے، قرآن شریف کی تلاوت کرے تاکہ دین و دنیا میں برابر حصہ لیتا ہے اور ہمیشہ خیر الاوصیاء وسطھا پر عمل کرے۔

حتی الامکان ایسی کوشش کرتا رہے کہ اگر کام دنیا میں یا دگار رہ جائے۔ اور انصاف یہ جو کہ دنیا کی ساری تکلیفیں صرف نیکنامی کے واسطے ہیں۔ مذہب کے معاملات میں بھی پوری کوشش کرتا رہے تاکہ خداوند تعالیٰ اُسکے سارے مقصد پورے کرے۔

خاتمہ قانون سلطنت ختم ہو چکا۔ قبل اسکے کہ اس مضمون پر ہم کچھ لکھیں۔ بطور یادگار ایک شاعر کے قصیدے چند اشعار نقل کرتے ہیں جبکہ نظم میں مختصر تقریظ لکھنا چاہیے وہو ہذا۔

بحریت این کتاب پراز گونہ گون گسر	یا باغ جاں منازے پراز گونہ گون مثر
باغست گر بباغ بود موضع شمار	بحرست گر بہ بحر بود موضع در
ہر فصل اندر و چو درختے سمت از ہناد	بارش ہمہ غراب و برگش ہمہ غر
گنجے سمت پر عجائب کائنیت پر طواف	در حبیت پر بدائع و در حست پر گھر
صالحش ہمہ نوا در و فرعش ہمہ مفید	فصلش ہمہ معانی و شرخش ہمہ عبر

جہت پند و حکمت و اشال و داستان
الفاظ او مہذب و عالی چو آسمان
آئین و رسم و سیرت شاہان تاجدار
بینی در عیساں صفت بزم و بارگاہ
تحصیل مال و ملک آئین و داد و دیں
پیدا در و طریقت بدخواہ و نیک خواہ
ہر لفظ و ہر معانی کا نذر فضول اوست
صافی نہزل و بدعت و پاکیزہ از ہوا
از خواندش نگیرد خوانندہ را ملال
ہر قصہ راز آیت قرآن یکے دلیل
از ہر سخن کہ یاد کنی اندر نشان
قانون رسم بزرگان نامدار
ہر کس کہ این بخواند و بود کار بندیں
اندر خورشمنشہ دیندار و دادو
ہرگز شہ نہید وزیرے دگر چنین
این فخر مبارک و دستور خسرواں

بے حسد در و حکایت و بزم در و سحر
معنی از و چرخہ فر تا باں گہ سحر
ترتیب ملک و ملت و تقدیر خیر و شر
یابی در و نہاں صفت رزم و کرد و فر
تدبیر کار لشکر و وقت دیر و روز گز
ہنجار جز منفعت و رائے دفع ضر
نیکو تر از جوانی و شیریں تر از شکر
شاہتہ ہجودانش و باشتہ چوں مطر
گر دو لبصیر ہر کہ گار و دبر و بھر
ہر فضل راز قول پیبر یکے خبر
از ہر ہنر کہ نام بری اندر و اثر
فہرت کار نامہ شاہان تاجور
اقبال جادواں بودش بگیان بر
تالیف یا دگار نظام نکو سیر
ہر گز کہ نہ کرد کتابے چنین دگر
فرخندہ باد بر شہ دیندار و داد گز

خاتمہ

سیاست ملی، اور تنظیم و نسق سلطنت پر، خواجہ نظام الملک نے جب قدر رکھا ہی۔ اگر آپس عہد ترقی میں اسکو کسی خاص صیغہ کا قانون یا ضابطہ نہیں کہہ سکتے ہیں۔ تاہم سلطنت اور رعایا کے جو حقوق ایک دوسرے پر ہیں، اُن کی صحیح تفسیر اور اوراق میں موجود ہی۔ اور نظام حکومت کے لیے جن محکموں کی ضرورت ہو بالاجمال وہ بھی خواجہ نے بتا دیے ہیں۔ البتہ وزارت اور اور اُس کی مشکلات و تعلقات پر خواجہ نے بحث نہیں کی ہے۔ بلکہ اس موضوع پر کتاب الوصایا میں اپنے خیالات ظاہر کیے ہیں۔ لہذا کتاب مذکور کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ جس کے مطالعے کے بعد، قانون سلطنت اور وزارت پر تفصیل سے گفتگو کرنے اور نتائج اخذ کر نیک موقع ملے گا۔

دستورالوزار

ترتیب

خواجہ خطبہ ام الملک طوسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرزندِ درجہ بند! میں تجھے چند نصیحتیں کرنا چاہتا ہوں۔ گو میں جانتا ہوں کہ تو انھیں کان لگا کر نہ سنے گا اور نہ ہی طرح سے تیری طبیعت اُن کو قبول کریگی (لیکن پھر بھی میں تجھ کو معذور سمجھتا ہوں) کیونکہ مجھ بوجھ کا زمانہ اخیر عمر میں ہوتا ہے۔ جب میں عمر میں تمہاری برابر تھا اگر اس وقت مجھ کو بھی تو بخیر عادل اور شہِ صادق سمجھاتے تو بھی میں اُن کی بات کو ہرگز نہ سننا اور نہ کچھ مجھے احساس ہوتا۔ لیکن تم میرے فرزند ہو! بخاطرِ مروت اور رشتہ دہری میرا فرض ہے کہ میں تم کو ان حقائق سے آگاہ کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔ لہذا ہر امر کو تفصیل سے بیان کرتا ہوں۔

(۱) ترک وزارت پہلی بات تو یہ ہے کہ میرے بعد وزارت اختیار نہ کرنا اور جہانگیر کے دورِ ولایت جاوید یعنی قناعت کے دامن کو ہات سے نہ چھوڑنا اور دنیا کی چالپوسی پر شید و فریفتہ نہ ہونا۔ کیونکہ اول کی لذتیں آخر کی حسرتوں کی برابری نہیں رکھتی ہیں۔ اور حقیقت میں دنیا ایک خواب کا خیال یا شراب کا غور ہے کہ فلاں دیر میں سب کچھ ہوا اور پھر کچھ بھی نہیں۔ اور آخرت کا مواخذہ صرف دنیا کی وجہ سے ہی لہذا خدا سے پناہ مانگنا چاہیئے۔

چونکہ اس مضمون کو بزرگان دین نے اپنی تصنیفات میں نہایت تفصیل اور تحقیق سے لکھا ہے، لہذا مجھے تفصیل کی ضرورت نہیں ہے صرف مقصود اصلی تمہیداً بیان کرتا ہوں۔

علی العموم ہر منصب میں ضرر اور خطر ہی خصوصاً وزارت کہ وہ مناصب کا مجموعہ ہے ایسے چاہتا ہوں کہ نیکو وزارت کی مضرتوں سے آگاہ کر دوں۔

یہ تو سہی جانتے ہیں کہ دنیاوی مراتب میں انسان کے لیے سلطنت کے بعد بے بڑے کفو وزارت کا درجہ ہو گا۔ مگر ساتھ ہی اسکے یہ منصب بے انتہا خطرناک بھی ہے۔ اگر الگ الگ ہر خطرے کی تفصیل کی جائے تو طوالت ہوگی۔ لہذا یہی کلیات بیان کرتا ہوں کہ جس کی ہر گلی میں بکثرت جزئیات شامل ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ اس مختصر بیان سے نہایت عمدہ نتیجے پیدا ہونگے ”انشاء اللہ تعالیٰ“

(۱) پہلا خطرہ صبح سے شام تک بلاناغہ لوگوں کے معاملات میں وزیر کو مختلف احکام صادر کرنا پڑتے ہیں اور حکم الہی یوں ہے ”فَلْيَحْكُمْ يُبَيِّنُ النَّاسَ بِالْعَدْلِ“ یعنی جو حکم ہو وہ کانٹے کی تول ہو ایسی صورت میں خدا تجھ سے اگر ان میں سے کوئی ایک بھی حکم خداوندی کے خلاف صادر ہو جا تو اس ایک لحظہ کے نقصان کی تلافی سو برس کی حکومت میں بھی نہیں ہو سکتی ہے۔

اگرچہ عقلاً یہ ممکن ہے کہ تائید الہی سے تمام احکام انصاف پر مبنی ہوں لیکن ہر موقع پر عدل قائم رہنا قریب قریب محال کے ہے۔ چنانچہ میں اپنا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔

(۱) مجھے ہمیشہ یہ خوف رہتا تھا کہ معاملات میں کوئی حکم شرع کے خلاف نہ صادر ہو۔ سلطان الپا رسلاں سلجوقی کے عہد میں بھی اگرچہ یہ خیال تھا۔ لیکن سلطان ملکشاہ کے زمانے میں یہ خیال بہت کچھ ترقی کر گیا تھا۔ اور اسکا یہ سبب ہوا کہ ”ایک عادل کے ذمے سرکاری مطالبہ تھا۔

اور وہ فوت ہو گیا۔ چنانچہ بعلت بقایا اس کا ایک انگور کا باغ ضبط کر لیا گیا۔ لیکن اُس کے اڑھ کوں نے دعویٰ کیا کہ یہ باغ ہکموماں کی طرف سے ورثا ملا ہے۔ اور اپنے ثبوت میں دستاویزات پیش کیے۔ تب میں نے حکم دیا کہ یتیموں کے حق میں باغ واگزار کر دیا جائے کیونکہ انگور کی پھلت سے سرکا فائدہ اٹھا چکی ہے۔ لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ انگوروں کا معاوضہ بھی یتیموں کو ملنا چاہیے لیکن چند روز کے بعد یہ خیال دل سے جاتا رہا۔ اور میں نے خواب دیکھا کہ گویا میں حشر کے میدان میں کھڑا ہوں اور نہایت سختی سے پوچھا جاتا ہے کہ تو نے یتیموں کا حق کیوں باطل کر دیا اس کے بعد مذاکے فرشتے مجھ کو ایک فار کے کنارے گھسیٹ کر لے گئے جو حد سے زیادہ تاریک، ہولناک اور عریق تھا۔ اور وہ چاہتے تھے کہ مجھے اُس فار میں دھکیل دیں تب میں نے اُنے پوچھا کہ یہ کون سا مقام ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس کو ویل کہتے ہیں (نام طبقہ جہنم) دیل کا نام سُکر میں چیخ اُٹھا اور فوراً اٹھ کھڑکی وکیل کی خوفناک تصویر چند روز تک میرے سامنے رہی۔ ایسے میں بیمار ہو گیا۔ اچھے ہونے پر بہت کچھ صدقہ اور خیرات دیا اور اُن یتیموں کو انگوروں کا بھی معاوضہ دلا دیا گیا۔ لیکن اس خواب کا میں نے کسی سے ذکر نہیں کیا۔

اس عہد میں (ایام حکومت ملکشاہ) عدالت کا کام بہت بڑھ گیا ہے۔ اور جب تک معاملے کی تحقیقات انتہا پر نہیں پہنچ جاتی ہیں قطعی فیصلہ نہیں سناتا ہوں۔ اور جب کسی مقدمے میں زیادہ الجھ پڑتی ہے تو اُس سے مشورہ کر لیتا ہوں۔

چونکہ میں شیخ ابوالفتح فیروز آبادی کا معتقد تھا ایسے ایک دن اُن نے عرض کیا کہ قبلہ عالم! میں

ان دنوں سخت تشویش میں مبتلا ہوں اور دن رات میرے دل پر خوف چھایا رہتا ہے۔ شیخ نے فرمایا کیا فکر ہے بیان کرو؟ میں نے عرض کیا کہ سلطنت کی وجہ سے مشرق و مغرب کے معاملات میرے سامنے پیش ہوتے ہیں اور ہر معاملے میں مجھے حکم کرنا پڑتا ہے۔ ڈرتا ہوں کہ کہیں انصاف کا خون نہو جائے۔“

شیخ نے فرمایا کہ اے خواجہ اگر یہ عقدہ درمیان میں نہوتا تو وزیر بھی طبقہ اولیاء اللہ میں شمار ہوتا۔ اور وزارت کرنا حقیقت میں خدا کے نیک بندوں کا کام ہی ایسے کہ ایک حکم (جو انصاف کے ساتھ دیا گیا ہے) عمل میں دور کثرتِ نفل کے برابر ہے لیکن سخت مشکل ہے کہ کبھی ایک آدمی صرف انگلوں کے غلط فیصلہ کرنے کے جرم میں جہنم کے طبقہ ذیل کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ اور اگر وہ کہیں باغ کا بھی حکم دیدیتا تو ضرور قعرِ جہنم میں ڈال دیا جاتا اور پھر کبھی رہائی نصیب نہوتی۔“

چونکہ شیخ نے میرا ہی معاملہ اپنے صفائے باطن سے بیان کر دیا تھا۔ لہذا میں نے ان کے مبارک ہاتھوں کا بوسہ لیا اور معلوم ہو گیا کہ شیخ بھی اصحابِ مقامات اور اربابِ کرامات میں سے ہیں اور صرف یہی واقعہ میرے مزید ارادت کا باعث ہوا۔

دوسرا خطرہ سب سے بڑھ کر خطرہ یہی کہ بعض اوقات محض ایک فرد واحد کی رضا مندی کے خیال سے ہزاروں آدمیوں کو جہنم میں ہر درجے اور مرتبے کے لوگ شامل ہوتے ہیں اور جو مختلف ملک دیا رہے ہیں، آزر دہ اور رنجیدہ کرنا پڑیگا اور پھر بھی یہ طینانِ نہوگا کہ دراصل وہ شخص دل سے بھی رضا مند ہی نہیں؟ بلکہ کیا اسے عافیت و عنایت کے ہمیشہ ملاوچہ ناراضی اور کدورت ہی پائی جائیگی اور یہی پلہ ہمیشہ گراں رہیگا۔“

ایک دن مینے ابوالمعالی امام الحرمین عبدالملک جوینی سے جن کی خدمت میں مجھے عالم شباب سے قرب و محبت کا اغوا حاصل تھا عرض کیا کہ اے امام مسلمانان! مجھ کو آپ کی کمال ذکاوت و ذہانت میں کچھ بھی شبہ نہیں ہے۔ ایسے اپنی ایک مشکل حسیں غرضہ دراز سے گرفتار ہوں اور جسکو مینے آج تک کسی سے کہا بھی نہیں ہی حل کرنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک نامزدار گز نہیں اس بادشاہ کی (ملک شاہ سلجوقی) خدمت کرتا ہوں اور انجام فرائض میں اس قدر سعی کرتا ہوں کہ جو طاقت لشبری سے زیادہ ہے۔ اور اپنی کارگزاریاں اس درجہ دکھلاتا ہوں کہ جو دوسرے نہیں ہو سکتی ہیں۔ اور جہاں تک غور و تامل سے دیکھتا ہوں تو مہمات ملکی میں (ظاہر و باطن) کسی قسم کی کوتاہی بھی نہیں پاتا ہوں، اور سلطان اظہار عنایت میں بھی کمی نہیں کرتا ہی بلکہ سالہا سال سے یہی عظیم الشان سلطنت کا انتظام میرے سپرد کر دیا ہے اور اپنی مہربانیوں سے مجھے محسوس و خلاق بنا دیا ہے۔ اور یقیناً واقعی ہے کہ اس حالت میں بھی ہرگز تغیر و تبدل نہوگا۔ لیکن جب میں نے گہری نظر سے جانچ کی تو معلوم ہوا کہ طبیعت سلطانی میں میری طرف سے کچھ غبار ہے۔ مگر اس دقیقے سے سوچا میرے کوئی اور وقت نہیں ہے۔ اب فرمائے کہ آپ کی رائے میں اسکا کیا باعث ہے؟

امام نے فرمایا کہ اے خواجہ! اگرچہ تو اوروں سے فضل عقل میں بہت براہ کبر ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ تو نہیں سمجھتا کہ مال ملک پر ہر انسان اپنا دل فدا کرتا ہے۔ خاص کر ملوک و سلاطین! پس حکم تو نے کسی کے معشوق و محبوب پر قبضہ کر لیا ہے تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ اسکا دل تجھ سے صاف ہو؟ اور خوب سمجھ لو! کہ ہر وقت بادشاہ کے دل میں یہ خیال گزرتا رہتا ہے کہ جو چیز میری ہے وہ تمام و کمال فلاں

شخص کے قبضہ تصرف میں ہی۔ کیس ایسا نہ کہ اس میں خیانت کر جائے چنانچہ اس تصور کے آتے ہی ایک ہلکا سا غبار لے سکے اُمنہ دل پر چھا جاتا ہے۔ اور پھر جلد رد کر دیتے جاتے ہیں یہ تصور تصدیق صفت ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ رضا مندی پر بُرائی اور صفائی پر کدورت غالب آجاتی ہے۔ مثلاً بیماری کہ ابتدا میں وہ طبیعت کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے اور بہت کچھ دبی رہتی ہے لیکن جب کہ نہ ہو کر طول پکڑ جاتی ہے تو پھر ہر چند طبیعت اُسکو دفع کرتی ہے، لیکن اُسکا اثر آہستہ آہستہ بڑھتا جاتا ہے اور یہی صورت ہے کہ وزیر اپنی کفایت شعاری اور توفیر خزانہ دکھلا کر بھی اسکا تدارک نہیں کر سکتا ہے۔ بلکہ یہ مادہ روز افزوں ترقی کرتا جاتا ہے۔ مثلاً بادشاہ کے کسی مدد میں پچاس ہزار دینار کا خرچ ہو لیکن اُسکو قین ہو کہ اس میں سے پانچ ہزار دینار اُٹالیے گئے ہیں۔ گو پانچ ہزار کی رقم بھی فوری خاطر کے لیے کچھ زیادہ نہیں ہے۔ لیکن اگر خیال پانچ ہزار سے بڑھتے بڑھتے ایک لاکھ تک پہنچ جائے تو خیال کرو کہ رنج کس قدر ترقی کر جائیگا۔

(۱) اور ایک بڑی دشواری یہ ہے کہ سلاطین بعض کام و زرائع سے اپنے لینا چاہتے ہیں کہ جو منبرِ ارجح کے ہوتے ہیں مثلاً وہ چاہتے ہیں کہ اعیانِ حضرت اور مقربانِ دولت ملک و سلطنت کے سامنے میں داخل ہونے پائیں اور شہزادے وغیرہ بھی مالی تصرفات سے روکے جائیں اور ان میں سے اگر کسی محلے کی وزیر کو اطلاع ہو تو وہ اُنے باز پرس بھی کرے۔ اور باوجود اسکے یہ شرط ہے کہ کوئی ناراض نہ ہو اور نہ بادشاہ سے شکایت ہو۔

(۲) دوسرے یہ کہ اگر کسی شخص سے متعدد ابواب میں عمدہ کام انجام پائیں اور اُسکی خدمات کے نتائج بھی سامنے ہوں اور بدیہی طور پر یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اس شخص کی درایت و فراست

مثلاً ایک سو ملکی انتظامات سُدھہر گئے ہیں اور اس کی حسن تدبیر سے غزلے میں بھی توفیر ہوئی ہے تب بھی اسکا شکر نہیں ادا کیا جاتا ہے۔ اور اگر کبھی اتفاق یہ کیا بھی تو اوپری دل سے۔ اور اگر شاہِ ذوالنا در حسن خدمات کا تذکرہ کیا بھی جاتا ہے تو وہ دیر پا نہیں ہوتا ہے۔ اور اگر بادشاہ کی زبان پر اسکی خدمات کا ذکر کیا تو ارکانِ مجلس خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔ اور خدا نخواستہ اگر اسکے برخلاف کوئی صوٹ ہوئی اور ذرا سا بھی اوضاعِ ملکی میں خلل پڑا یا جوئی نقصان اُٹھو رہا لی میں ہو گیا تو پھر شکایت کے ذکر کھجاتے ہیں اور تذاتوں نہیں بھولتے ہیں بلکہ بادشاہ کو بھولی بسری کہانیاں یاد دلانی جاتی ہیں۔ غرض کہ یہ وہ حالتیں ہیں جہاں اخیرِ تجسس نقصان و مضرت ہو۔ اسلئے قناعت بہتر ہے۔ کیوں کہ اسکے صدقے میں تمام ترددات سے کامل استغناء میسر ہو جاتا ہے۔ اور اگر قناعت کے ساتھ عبادت بھی شامل ہو تو نہ ہے قیمت۔

(۳) ”فضل بن ربیع“ کچھ دنوں کے لیے خلیفہ ہرون الرشید عباسی کا وزیر مقرر ہو گیا تھا۔ اتفاق سے اُسی زمانے میں حج کا موسم قریب آ گیا۔ خلیفہ نے فضل سے مشورہ کیا کہ امسال صاحبِ محل (قافلہ سالار حج) کون ہوگا؟ فضل نے کہا کہ اس میں مشورے کی کیا حاجت ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ سالارِ قافلہ ایسا ہونا چاہیئے کہ جبرست بار ہو، کیونکہ ناموس امیر المومنین اور بیگات شاہی کے محل بھی ساتھ ہونگے۔ اور عراق سے مکہ معظمہ تک کا سفر ہو، فضل نے عرض کیا کہ سچ پوچھیے تو مجھ سے زیادہ لوگوں اس عزت کا مستحق ہو سکتا ہے؟ امیر المومنین اپنی فیاضی سے اگر اجازت مرحمت فرمائیں تو ایک

امام ابو العباس فضل بن ربیع بن یونس بن محمد بن عبد اللہ دربار ہرون الرشید عباسی کا ایک نامور کاتب ہے۔ براۓ کہ کے عند وزارت میں حاجت کے لیے جے پر متمنا تھا۔ بعد کو چند روز کی واسطے وزیر بھی ہو گیا تھا۔ براۓ کہ کی تباہی و بربادی میں فضل نے خاص طور پر چھٹا لیا تھا۔ تفصیل کے لیے دیکھو البرامکہ و ابن خلکان جلد اول (ذیقعدہ ۳۶۶ھ میں انتقال کیا۔)

تقاضی بھی ادا ہو جائیگا۔ غرض کہ بڑی منت سماجت سے فضل کی درخواست منظور ہوئی۔ لیکن بعد واپسی حج کے فضل کی حالت کچھ اور ہی ہو گئی۔ اُسے وزارت چھوڑ دی تھی اور یاد الہی میں مصروف ہو گیا تھا۔

خلیفہ کا دستور تھا کہ وہ ایام متبرکہ میں درویشوں اور گوشہ نشینوں سے ملا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک دن اُسکو یہ خیال ہوا کہ فضل میرا قدیم خدمت گزار ہے اگر میں اس کو ایویشن سے جا کر ملوں تو میرا شہانہ سے کچھ بعید نہ ہوگا۔ چنانچہ خلیفہ فضل کے مکان پر گیا اور اثنائے گفتگو میں فضل سے پوچھا کہ تمہارے ترک وزارت کا کیا سبب ہے؟ فضل نے اسکا کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر پوچھا کہ اچھا بتاؤ اب تمہاری کیسی گزرتی ہے؟ فضل نے کہا بہ نسبت پہلے کے اب بہت اچھا رہتا ہوں۔ عند وزارت میں جس بادشاہ کا میں فرمان بردار تھا وہ میری دس خدمتوں کا صرف ایک صلہ دیتا تھا۔ اب ایسے شہنشاہ کی اطاعت کرتا ہوں کہ جو ایک خدمت کا دس گنا اجر دیتا ہے ”مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرٌ مِّثْلُهَا“ پہلے جب میں دربار خلافت میں کچھ عرض کرنا چاہتا تھا تو موقع محل کی دیکھ بھال میں بہت کچھ سختیاں اٹھانا پڑتی تھیں۔ اور آج اس کی کچھ پابندی نہیں ہے۔ جو میرے دل میں ہو وہ خود جانتا ہے ”إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ“ پہلے مجھ کو بادشاہ کے مہات اُمور کی تکمیل کرنا پڑتی تھی اور اب وہ خود میرے کاموں کا ذمہ دار ہے۔ پہلے جب بادشاہ خوب ہمت میں ہوتا تھا تو مجھے جاگنا پڑتا تھا۔ اب میں بے خبر سوتا ہوں اور وہ میری حفاظت کرتا ہے۔ ”لَا تَأْخُذْكَ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ“ پہلے میں یہ جانتا تھا کہ میرا رزق اس بادشاہ کے ہات میں ہے۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ ہم دونوں کا رزق اُس بادشاہ کے ہات میں ہے ”وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ

الاعلیٰ اللہ نے فرمایا، ”جب فضل نے ایسی طولانی تقریر کی تو خلیفہ ہرون الرشید کو رقت جاری ہوئی اور فضل کا ہات پکڑ کر کہا کہ خدا کی قسم! پہلے تو میرا خدمتگار تھا لیکن آج تو میرا بھائی ہے۔“
 فضل نے کہا ”خدا کا شکر ہے کہ آج میرے سوال کا جواب مرحمت ہوا۔ اگر میں تمام عمر نوکری کرتا تو بھی مجھ کو یہ عزت حاصل نہ ہوتی۔“

ایسے اے فرزند! قناعت کو غنیمت جان اور دنیا کی ابتدائی شیرینی پر آخرت کی تلخی کو قربان نہ کر۔ واللہ الموفق والمعين۔“

تیسرا خطرہ شاہزادوں کے ملال اور آرزوگی کا تدارک کرنا سخت مشکل ہے۔ کیونکہ بادشاہوں کا دستور ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تکمیل اور ان کی نگرانی خود کرتے ہیں۔ اور ان کے عروج و کمال کا ایک خاص وقت ہوتا ہے، ایسے شروع زمانے میں جب ان کی کامیابی میں دیر ہوتی ہے۔ (مثلاً مالی و ملکی اختیارات کا نہ ملنا جس کا اجرا خاص بادشاہ کے ہات میں ہے) تو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سارا قصور وزیر صاحب کا ہے۔ جس طرح طبیب شخص میں مادے کو بیرونی اسباب سے تیز نہیں کرتا ہے۔ عیاذ باللہ عنہا۔“

شاہزادوں کا میلانِ خاطر ہر روز کسی نہ کسی مقصد کی طرف ہوتا ہے۔ اور جب ان کی مراد پوری نہیں ہوتی ہے تو وہ خفا ہو جاتے ہیں۔ غرض کہ ہر خواہش کے بڑھنے پر سبج و ملال کا درجہ بڑھتا جاتا ہے اور بعض اوقات شاہزادے کو کسی شخص سے بدگمانی نہیں ہوتی ہے لیکن نوجوان اور نا تجربہ کا ملازم اپنے بیہودہ مقاصد کی کامیابی کی وجہ سے بہکا کر سید ہے رستے سے پھیر لاتے ہیں۔ یہ حال اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ شاہزادوں کی تالیفِ قلوب و رانگیِ رضا مندی حاصل کرنا

بہت مشکل ہے۔ کیونکہ ان کی کوشش خواہش ممکن الحصول نہیں ہوا کرتی تیں۔ مثلاً وہ چاہتے ہیں کہ ایک بزرگی ادنیٰ درجے سے مقربان حضرت پناہی کے مرتبے میں پہنچ جائیں یا مدارج مال و جاہ میں اُنکے ہم پلہ بن جائیں۔ علیٰ ہذا القیاس اور معاملات بھی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر شہزادوں کی کامیابی کی کوشش کی جائے تو پھر وزارت کی بڑی تعریف ہوتی ہے، لیکن تجربے سے ثابت ہے کہ اس گروہ کی متابعت ہمیشہ بادشاہ کی ناراضی کا باعث ہوتی ہے۔ **حکایت** سلطان ملکشاہ نے شمس الملک خاقان ترکستان کو بمقام ترمذ شکست دیکر یہ راہ دہ کیا

کہ ترکستان پہنچ کر پے طور سے خاقان کی قوت کا خاتمہ کر دیا جائے لیکن جب برہان الدولہ تگین سلطان نے ملکشاہ کو تخت تک پہنچا لیا۔ اور خاقان کی جانب سے معذرت کے ساتھ از سر نو معاہدہ کیا۔ اُس وقت سلطان کا غصہ دہمایا ہوا۔ اور تخت سے ملک شام کا قصد کیا۔

لیکن ملکی ضرورتوں سے یہ رستے قرار پائی کہ موسم سرما کے میں بسر کیا جائے، اور اسی مقام پر ہر طرف سے فوجیں اکڑ جمع ہو جائیں اور شروع فصل بہار میں شام کا سفر کیا جائے۔ خیر یہ تہمید تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ نفس مطلب یہ ہے کہ اسی زمانے میں بمقام بطنطام شہزادہ محمد کے یہاں بیٹا

شمس الملک ابو سنجر ابراہیم بن نصر الملک خان بادشاہ ماوراء النہر کا بیٹا تھا جسکو ملکشاہ نے اپنا جگہ دار بنایا تھا۔ یہ واقعہ ۶۲۱ھ کا ہے۔ الوانی جلد اول صفحہ ۴۷۹ و کامل الثیر صفحہ ۲۲۲ جلد ۱۱۱۵ ترمذیہ جیوں کے کنائے ماوراء النہر کے شہروں میں سے نہایت قدیم اور مشہور ہے، اس شہر کی آب و ہوا و ارضیہ شیل ہے کہ قفقز کے تخت بہشت سے سواد ترمذیہ گفت یعنی مشوار از رود روضوں گویا ہ۔ بازاروں کا ذریعہ اینٹ کا کھنجر تھا۔ ابوعلی محمد بن علی بن سواد ترمذی صاحب بیج ہی خاک میں مراد اللہ علیہ صفحہ ۲۹۹۔ گنج دانش صفحہ ۱۴۲ مجمع البلدان ثاقوت صفحہ ۲۸۶ جلد ۲ تخت ماوراء النہر کا مشہور شہر ہے دریا جیون اور سمرقند کے درمیان میں ہے۔ مراد اللہ علیہ صفحہ ۳۹۹ مجمع البلدان صفحہ ۲۷۴ جلد ۲ نظام کو تقویم البلدان ابو الفدا میں

پیدا ہوا۔ سلطان نے خوش ہو کر لڑکے کا نام پوچھا شہزادے نے کہا میں نے سلطان بایزید نام رکھا ہے۔ چنانچہ یہ نام پسند فرمایا اور حکم دیا کہ لڑکے کی کھلائی اور والی اور گہوارہ وغیرہ کے مصارف کے لیے بظام کی آمدنی مرحمت کیجاتی ہو۔ لیکن اتفاق سے دودن کے بعد لڑکا فوت ہو گیا۔ اور آج حساب سے پورے سات برس اس واقعہ کو ہو چکے ہیں لیکن شاہزادہ محمد چاہتا ہے کہ بچہ الٰہ فرمان سابق، اس آمدنی سے نفع اٹھاتا ہے۔ لیکن خود استدرجرات نہیں رکھتا کہ سلطان سے عرض کرے۔ اور نہ ارکان سلطنت سے کہنا چاہتا ہے (کیونکہ کھٹکا ہو کہ جواب باصواب نیک لگا) اور نہ اسپر رضا مند ہے کہ میں سلطان سے عرض کروں۔ اور مجھے بھی یہی مصلحت معلوم ہوتی ہے کہ سلطان سے اسکا کچھ ذکر نہ کروں کیونکہ سلطان کا جواب شاہزادے کے خلاف ہوگا اور وہ سمجھ لگا کہ میں نے کچھ سعی نہیں کی ہے۔ بلکہ سلطان سے الٹی شکایت کی ہے۔ غرض کہ ہر سال اپنی جاگیر قومس سے بظام کی آمدنی شہزادے کے نذر کیا کرتا ہوں لیکن پھر

بقیہ نوٹ صفحہ ۸۴۳۔ کورہ قومس کے مشہور شہروں میں شمار کیا ہوا بعض نے خراسان کے شہروں میں شمار کیا ہے۔ نیشاپور کی سرک پر واقع ہوا ایران کے آباد شہروں میں ہے۔ قطب العارفین حضرت بایزید کا مولود و مرن ہی شہر شیخ کے حالات تذکرہ صوفیہ میں لکھوا آپ کی رباعیات مشہور ہیں مثلاً اے عشق تو کشتہ عارف عالمی اے سودا تو کم کردہ کونامی فوق لب میگوں تو آدو وہ بڑوں اے از صومعہ بایزید بظامی اے تفصیلی حالات کے دیکھو مفر نامہ خراسان ناصر الدین شاہ مرحوم = از مراد صمدی مرآۃ البلدان ناصر صمدی و مجمع البلدان صفحہ ۱۸۰ جلد دوم۔

۱۔ قومس۔ پہلی نام قومس ہے عربوں نے قومس کر دیا ہے جبل طبرستان کے ذیل میں ہے اس میں متعدد شہر اور قصبے ہیں جنہیں سے نئے اور نیشاپور کے مابین قصبہ دامغان بہت مشہور ہے۔ اور دامغان سے دو متزل بظام ہی مرصد و مجمع البلدان صفحہ ۱۸۰ جلد ۲۔

میری طرف سے اُسکے تئیں پلچھے نہیں ہیں۔

میرے بیٹے تلخچہ یہ خیال پیدا ہوا ہو گا کہ شہزادوں کے حصولِ مقاصد کے لیے تکلیف اٹھانا چاہیے اور کسی طرح کا خیال نہ کرنا چاہیے تاکہ اُنکے ملال کا سمندر موجزن نہ ہو۔

سنو! اگرچہ عقلاً یہ محال نہیں ہے، لیکن عادتاً تمتعات سے ہے۔ کیونکہ جو صورتیں اُن کی رضامندی کی ہیں۔ اکثر انھیں سے اپنی کساد بازاری ہوتی ہے۔ اور کوئی انسان اپنے ہاتوں پر مالدہونا پسند نہیں کرتا ہے جس کی نظیر ذیل کا واقعہ ہے۔

جب سلطانِ اِلپ ارسلان کو معلوم ہوا کہ شام و روم اور فرانس کے عیسائیوں نے قیصرِ روم کے بل پر مسلمانوں کے خلاف یہ عہد کیا ہے کہ بغداد سے دولتِ عباسیہ کے تاجدار کو خارج کر کے بجائے اُسکے کسی جاثیق کو تخت نشین کریں۔ اور دارالسلام بغداد کی تمام مسجدیں، دیرو کلیسا کر دی جائیں، اور اسپر بھی بس نکلیا جائے، بلکہ تمام مالکِ اسلام

۱۵ قیصرِ رومانوس اور اِلپ ارسلان کا یہ تاریخی واقعہ بہت مشہور ہے۔ وہی قعدہ ۳۶۱ھ میں یہ لڑائی ہوئی تھی۔ تمام عربی تاریخوں میں تفصیل سے تحریر ہے اور مسرگین نے بصرحت لکھا ہے۔

۱۶ جاثیق = یونانی کٹکوس - Katholikos - فرقہ بیتِ ارضاری کہ مذہبِ قدیم سے بھاری کا تو لیک (کٹھک) خواندہ سوا اسپیل الی معرفۃ العرب والذیل صفحہ ۳۶، عیسائی علماء اور مجتہدین کے متعلق حسبِ ذیل الفاظ یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

(۱) بطرک و بطریق (معرب و می) Patricius سردارِ عظم، پوپ روم، دس ہزار پافر۔

(۲) جاثیق = بلا و سلام میں عیسائیوں کا مذہبی پیشوا، بطریق کا نائب۔

(۳) مطران رئیس الکمنہ۔ (۴) اسقف، مطران کا نائب (۵) طرکان، پانچزار پافر۔

(۶) قوس، دوسو پافر معرب Come = از نرائد اللغہ جلد اول مصنفہ ہنری کوس مطبوعہ بریتش مشین ۱۸۸۹ء صفحہ ۳۲-۳۳

مساجد کے ساتھ ہی سلوک کیا جائے، اُس وقت سلطان نے عیسائیوں کی مدافعت کے لیے دوبارہ روم کا قصد کیا۔ اور قیصر روم پر فتحیاب ہو کر اُسکو گرفتار کر لیا۔ جب قیصر سامنے آیا تو سلطان بہت دیر تک اُس سے مذاق کی باتیں کرتا رہا۔ قیصر کا مکالمہ تاریخوں میں لکھا ہوا ہے اور اُس کا یہ فقرہ جو اپنی رہائی کے واسطے سلطان سے کہا تھا۔ بہت مشہور ہے کہ ”اگر تو قصاب ہی تو فوج کو ڈال اور اگر سو داگر ہی تو بیچ ڈال اور اگر بادشاہ ہی تو بخشدے“ چنانچہ سلطان مرحمت شانانہ سے پیش آیا۔

ایک دن قیصر نے جبکہ فوجیں دار السلطنت کو واپس جا رہی تھیں سلطان سے کہا کہ میں تمہیں قید میں پڑا رہا ہوں۔ اور اس میں شک نہیں کہ کوئی ملک بغیر بادشاہ کے نہیں رہ سکتا ہے۔ اس صورت میں میرے ملک پر دوسرے کا قبضہ ہو جائیگا اور اُسکے دفع کرنے میں سلطان کو دوبارہ بھگینٹ اٹھنا پڑیگی۔ اور ابھی تو خیریت ہے کہ تمام ممالک میرے قائم مقاموں کی مات میں ہیں۔ اگر مجھ کو سلطان جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں تو مثل دیگر فرمانبرداروں کے میں بھی خراج ادا کرتا رہوں گا۔“

چنانچہ سلطان نے نہایت اعزاز سے قیصر کو رخصت کیا اور قیصر بھی مطابق معاہدے کے ہر سال مقررہ خراج بھیجتا کرتا تھا۔ اور اُسکے وزیر اعلیٰ ہیش قیث رومی تحائف اور زینت بھیجتے تھے۔

میری غرض اس تاریخی واقعہ کے بیان سے یہ ہے کہ ایک سال خیرہراج اور تحائف روم سے آتے تھے اور سلطان الپ ارسلان اُس وقت مرد میں مقیم تھا۔ اسلئے شہزادہ ملک شاہ (یہ واقعہ

عہد شباب کا ہی مصلحت ملکی کی وجہ سے مع مختصر فرج کے بقیام کے موسم سرما بسر کر رہا تھا۔ اور شہزادے کو حکم تھا کہ جب تک وہ اسے میں ہے، جو لوگ ممالک دم، ولایت کرخ، دیاشام اور بلاد عراق سے آویں انکے حالات کی تفتیش کرے اور ان کی معروضات کو سننا ہے اور اپنے معتمد کے ہمراہ انکو میرے پاس بھیج دیا کرے۔

چنانچہ اس زمانے میں ملک شاہ کا کاتب عمید منصور تھا۔ یہ شخص جسے زیادہ نادان و نا تجربہ کہا تھا۔ اور اس پر بھی اپنی عقل و دانش پر اسکو بڑا ناز تھا۔ غرض کہ اسی زمانے میں قصیر کی سفارت جب معمول پہنچی۔ یہ زمانہ بفضل بہار کا تھا۔ اور شہزادہ سلطان کی خدمت میں حاضری کے ارادے سے روانہ ہو چکا تھا۔ ایسے عمید منصور کو حکم دیا کہ سفارت کے ہمراہ سلطان کے حضور میں روانہ ہو جاوے اور تحائف کو دیکھ لے۔ چنانچہ عمید نے ہر چیز کو دیکھنا شروع کیا۔ تو تحائف میں ہر قسم کے صوف بھی تھے۔ اور ہر رنگ کے صوف کی گٹھریاں علیحدہ علیحدہ تھیں۔ چنانچہ اس کو تاہ اندیش نے سفید رنگ کا ایک صوف نکال لیا اور خیال کیا کہ یہ شہزادے کے واسطے کافی ہو۔ (مجھے یہ نہیں معلوم ہوا کہ شہزادے سے اس واقعہ کی اطلاع بھی کر دی تھی یا نہیں) لیکن سفارت کو کسی نہ کسی طرح رضا مندر کیا تھا کہ اسکا ذکر کسی سے نہ کریں گویا اسکو بھول جائیں۔ اور اس موقع سے پہلے مجھے اسے کے کاتبوں (پرچہ نویس) نے یہ اطلاع دی تھی کہ ”شہزادے کی مجلس میں ایک شب میری کارگزاری اور کفایت شعاری کا ذکر ہو رہا تھا۔ شہزادے نے فرمایا کہ نہایت تعجب ہو کہ باوجود اس قدر وسعت سلطنت کے یہ ممکن نہیں ہو کہ کسی گوشہ ملک میں کوئی ایک دینار پر تصرف کر لے اور وہ خواجہ (نظام الماک) کو معلوم نہ ہو جائے۔“ عمید نے کہا کہ یہ ب سلطان الپ ارسلان کے

اقبال کا نتیجہ ہو۔ ورنہ اگر کوئی اس طوس کے پل (گاؤ طوسی) کو پہنچ بھی ڈالے تو اسے خبر نہ ہو۔“

غرض کہ عیدِ سفارت کے ہمراہ مر و تپ پہنچ گیا اور سلطان کے حضور میں نذر لے کر اور تھکے پیش ہونے لگے۔ چنانچہ جب صوف کے تھان پیش کیے گئے اسوقت مجھے خیال آیا کہ اور توب رنگ ہیں مگر سفید رنگ کیوں نہیں ہیں چنانچہ مینے اپنی سے اسکا سبب پوچھا۔ اُس نے جواب دیا کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ نیچے والے جانیں؟ تب میں عید کی طرف متوجہ ہوا تو اُس کے چہرے پر مجھے کسی قدر تغیر محسوس ہوا۔ اور آپ ہی آپ بڑبڑانے لگا کہ رنگوں میں سفید کوئی رنگ نہیں ہے۔

مینے کہا کہ خواجہ صاحب! اسوقت مسائلِ حکمت سے کوئی بحث نہیں ہے کہ حکمانے باطنِ سفید کو الوان میں شمار کیا ہے یا نہیں؟ بلکہ اسوقت تو گفتگو اس پر ہے کہ جبکہ ایک بادشاہ نے محض زیبِ زمیئت کے خیال سے ہر رنگ کے نفیس صوف بھیجے ہیں تو سفید رنگ کا ہونا بھی ضرور تھا۔ اور محض میرا خیال ہی جو دل میں کھٹک رہا ہے۔ چنانچہ بعد از رخصت سفارت مینے فوراً واک ایک آدمی انکی قیام گاہ پر بھیجے اور قہرست تحائف لیکر ان میں سے ایک شخص میرے پاس آیا۔ اور رہتا اعتیاط سے باتوں باتوں مینے پوچھا مگر کوئی بات ایسی نہ معلوم ہوئی جس سے خیانت پائی جاتی غرض کہ مینے معذرت کے بعد اُسکو واپس کیا۔ لیکن عیدِ مغرور نے دربار کے واقعہ سے شہزاد کو بایں الفاظ اطلاع کی کہ ”طاؤس آنحضرت بجز بیل امین مناقشا نمود و بے دیگر از ہذباتاں باں اضافہ کردہ۔“

چونکہ میں اس تحقیقات میں ناکام رہا تھا اسوجہ سے تمام شب اسی ادھیرین میں صبح کی ناز پڑھ کر میں مصدے پر متفکر بیٹھا ہوا تھا کہ میں سے دل میں یہ خیال آیا کہ قیصرِ روم نے سلطانِ رسیگم

اپ (ارسلاں) کے لیے علیحدہ تحائف روانہ کیے ہیں۔ اور تحائف کی ایک فہرست بھی ان لوگوں کے پاس ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سفید صوف کا تذکرہ یہ لوگ اُس جاغت سے کر دیں اور کچھ رد و بدل ہو جائے۔ سلطانہ اندون مرغزار درگاہ میں جلوہ فرما تھیں۔ کیونکہ انھیں ضعف قلب ہو گیا تھا اور پہلے بھی یہ عارضہ اسی پر فضا جگہ میں جاتا رہا تھا۔ چنانچہ میں نے فوراً ایک تیز رفتار قاصد طوس کو روانہ کیا اور وہاں سے وہ اردوے حرم میں داخل ہوا۔ چنانچہ نواب حرم نے تمام کاغذات ایک خریطے میں سر بھر کر کے میرے پاس بھیج دیے اور سفارت کا ایک آدمی بھی ہمراہ کر دیا۔ سب سے پہلا کاغذ جو خریطے سے برآمد ہوا وہ تحائف کی مفصل فہرست تھی۔ انھیں بھی تمام صوف باعتبار رنگوں کے تھے۔ تب میں نے افسر سفارت کو طلب کر کے خلوت میں صحیح صحیح حال پوچھا۔ اب چونکہ انکار کا موقع باقی نہ تھا اس لیے اُس نے صاف صاف بتا دیا کہ میں نے خود اس معاملے کے انخفا اور اظہار میں تامل کیا۔ کیونکہ معاملے کے اظہار میں دلی عہد سلطنت کی ناراضی کا خوف تھا۔ لیکن یہ وہ فعل شایع تھا کہ اس کا چھپانا بھی مجھ پر مکمل تھا۔ پھر میں نے خیال کیا کہ یہ سفید صوف کیا عجب ہو کہ عمید کے تحت میں ہو۔ لہذا میں نے خصومت کا پہلو بچا کر عمید کو یہ رباعی لکھ بھیجی ہے۔

از سبب این نخوت کاوسی را بگزار بحسب ریل طاوسی را
یعنی ہمہ صونہاے قیروسی را پیش آر۔ دگر گاؤ گوطوسی را

۱۔ دیکھو حاشیہ صفحہ ۲۶ حصہ اول کتاب: معجم البلدان میں اس کو رازکان لکھا ہے۔ ابو محمد عبد اللہ بن ہاشم حیدر بن احمد بن محمد رازکانی مشہور محدث و فقیہ بیان کرتے ہیں۔ دیکھو صفحہ ۲۰۴ جلد ۲۔ معجم البلدان۔

باوجود ثبوت کے پھر بھی عہد کا وہی انکار رہا اور اپنی ہی کہے گیا۔ آخر میں مجبور ہو کر یہی فیصلہ کیا کہ یہ قصہ جوں کا توں طے کر دیا جائے کیونکہ زیادہ چھیڑ چھاڑ میں دلچسپی کی ناراضی کا کھٹکا تھا چوتھا خطرہ ہمیشہ دیوان و دفتر کے متم با نشان معاملات ارکان سلطنت اور اُمراء و دولتمند وابستہ رہا کرتے ہیں اور وہ مجلس میں برابر اُٹھتے بیٹھتے ہیں اور گفتگو کرتے ہیں اگر اُنہیں ان اُمروں میں وزیر تکلف کرے تو یہ ممکن نہیں ہو اور بڑی مشکل یہ ہو کہ اس گروہ سے نہ تو پوری پوری دوستی ہی ہو سکتی ہو اور نہ دشمنی کیجا سکتی ہو۔ بلکہ ان کی دوستی اور دشمنی دونوں پر نظر ہیں لہذا میں ہر دو پہلوؤں پر الگ الگ بحث کرونگا۔

دوستی کے خطرے یہ خوب سمجھ لو کہ اپنے سچے عشق، اور خالص محبت کی بنیاد صرف نہیں لوگوں میں متحکم طور پر پڑ سکتی ہے جیسے دلوں میں فی نفسہ وفاداری، سچائی اور نباہ کا خیال ہو لیکن جنگجو ہمیشہ اوروں کی زوال نعمت اور نقصان دولت کی فکر دامگیر رہتی ہو۔ اُن میں یہ رشتہ کیونکر جوڑ سکتا ہے؟ سچی محبت نہ توکل ایسے اشخاص سے ہو سکتی ہو اور نہ کسی فرد واحد سے۔ کیونکہ دوستی کا تو یہ تقاضا ہو کہ اپنے دوست کے دشمن کو بھی دشمن ہی سمجھے لیکن چونکہ یہ سب اصل مزاج میں ایک دوسرے سے بلحاظ غیرت و نفرت الگ تھلگ رہتے ہیں۔ ایسے عقلاً اس گروہ سے میل ملاپ کرنا گویا بیٹھے بٹھالے عدوت مول لینا ہو یعنی جس طرح جمع بین الضدین ممکن ہے اسی طرح ان میں محبت کا ہونا بھی محال ہو۔ اور نفاق خود ہی کیا کم بر ہی خصلت ہو۔ اور جب کوئی اُس پر آمادہ ہو جائے تو وہ زیادہ عرصہ تک چھپ نہیں سکتی ہو۔

مجموعی حیثیت سے جو نقصان اس محبت میں ہیں وہ میں بیان کر چکا۔ اب اُس محبت کی مضرت کا

بیان کرتا ہوں جو بالفردہ کیجاتی ہے۔

جب کسی ایک شخص سے محبت ہو جاتی ہے تو دوسرے لوگ خود اس کی عداوت پر نجاتے ہیں اور قبل اسکے کہ اس دوستی سے کوئی ثمرہ مترتب ہو اس دشمنی سے سوطح کے نقصان پہنچ جاتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر جو نقصان اس میں ہے وہ یہ ہے کہ بادشاہ کا مزاج بدل جاتا ہے کیوں کہ کبھی کوئی بادشاہ وزیر اور اعیان دولت کے میل جول سے راضی نہیں ہوا ہی بلکہ ان کے اتحاد و کو شک اور بدگمانی کی نظر سے دیکھتے رہے ہیں

حکایت الپ ارسلان کے ابتدائی دور حکومت میں قتلش سلجوقی نے باغی ہو کر تمام ملک سے پر قبضہ کر لیا تھا۔ ایسے سلطان نیشاپور سے اس بغاوت کے فرو کرنے کو روانہ ہوا جبکہ وادی الملح میں پہنچا تو حکم دیا کہ تمام خزانہ، جو فوج کے ساتھ جا رہا ہے وہ سپاہیوں کو تقسیم کر دیا جائے۔ میں سعید عارض کے ہمراہ فوج نظام کی جانچ پرتال میں ہر طرف گھومتا پھرتا تھا کہ اتفاق امیر التوتناش کے خیمے کی طرف جا نکلا چونکہ درباریوں میں یہ سب نہایت محترم اور معزز تھا اسلئے غیظاً اور نیز امیر کے فریاضے تھوڑی دیر کے لیے میں وہاں ٹھہر گیا۔ چنانچہ اس کی اطلاع اسی وقت سلطان کو کر دی گئی۔ اور میرے اس ذرا دیر کے قیام سے وہاں کچھ اور ہی خیال پیدا ہوا۔ حالانکہ التوتناش ایک نام تجربہ کار، کم عقل، اور سید ہا سادہ ترکان تھا۔ اور اکثر معاملات میں میری اور اس کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ میں نے قلمبندان وزارت اٹھا دیا۔ اور اس نے

سلجوقی قتلش برارسلان بن سلجوق۔ الپ ارسلان کا چچا زاد بھائی تھا۔ طغرل بیگ نے اسکو اپنی حیات میں دم پر بغض فرماتے ہوئے روایا کیا تھا۔ چنانچہ شاہان قونیز، قیصر، واطی، وادقصر کا یہ مورث اعلیٰ تھا۔ الپ ارسلان قتلش میں سب سے پہلے میں یہ لڑائی ہوئی تھی۔ ابوالنہادی روایت ہے کہ علم تجوہ میں اسکو بڑا ملکہ تھا۔ تفصیل حالات تاریخ آل سلجوق و کامل اثیر میں تحریر ہیں۔

مکرے تلوار کھوکھلو کر سلطان کے سامنے رکھ دی۔ مگر سلطان کو یقین نہ آتا تھا اور وہ بناوٹ سمجھتا تھا۔ اور میری طرف سے جو بدگمانی ہو چکی تھی وہ بدستور قائم رہی اور اُس کے نقصان کا اثر بھی محسوس ہونے لگا۔

عداوت کا نتیجہ جس طبقے میں دشمنی اور عداوت کا ظہور ہوتا ہے وہ کبھی سرسبز نہیں ہوتا۔ اور گو معمولی آدمیوں کی بھی عداوت کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ لیکن زبردست کی عداوت تو اور بھی خطرناک ہوتی ہے۔ اور خاص کر ایسی جماعت حکو در بارشا ہنشاہی میں فتنہ اور اعداؤ کا درجہ حاصل ہو۔ ایسے لوگوں سے دشمنی کرنا گویا جان بوجھ کر اپنی جان، مال اور عزت کا برباد کرنا ہے۔ کیونکہ معزز طبقے کے لوگوں کو جب غصہ آتا ہے یا کوئی بڑی ضرورت پیش آ جاتی ہے تو وہ اپنے دشمن پر غالب ہونے کے لیے تمام عمر کی دولت صرف کر ڈالتے ہیں۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود بادشاہ اس شخص کی غرض و غایت سے واقف ہو جاتا ہے اور دشمن کو شکایت کا موقع نہیں ملتا اس ذریعہ سے کچھ دنوں تک امن و امان رہتا ہے لیکن آخر کو بے نتائج ضرور پہنچتا ہے۔

حکایت سلطان محمود غزنوی کے ابتدائی دور حکومت میں خواجہ ابوالعباس فضل بن احمد اسفرانی عہدہ وزارت پر ممتاز تھا۔ اور سلطان کا ایک نہایت معتبر اور معتمد رشتہ دار امیر علی خورشیاوند حاجب تھا۔ چونکہ خواجہ سے امیر علی دشمنی رکھتا تھا اور سلطان بھی اس سے

سلطہ خواجہ ابوالعباس فضل بن احمد، اسفرانی، دربار عمید الملک فانی میں عہدہ کتابت پر مامور ہوا تھا۔ لیکن بعد زوال دولت فانی، امیر ناصر الدین سبکگس کے دربار میں آیا اور درجہ وزارت پر ممتاز ہوا۔ اور سلطان محمود نے بھی خلعت وزارت سے مشرف کیا۔ علاوہ علی فضل و کمال کے نہایت مامور رہا تھا۔ لیکن امراء کی سازش اور جوڑ توڑ سے عہدہ وزارت جلد ختم ہو گیا جیسا کہ خواجہ نے لکھا ہے۔

واقع تھا اسلئے امیر علی کی گہری چالیں خالی جاتی تھیں اور سلطان پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص خواجہ کی انتظامی غلطیاں بھی دکھلاتا تو سلطان اسکو حاجب کی شرارت سمجھتا تھا۔ غرض کہ جب امیر کو یقین ہو گیا کہ اب اس کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی ہو تب خاموش ہو کر موقع کا منتظر رہا۔ یہاں تک کہ خواجہ کی حالت خود ہی درجہ تترل کو پہنچ گئی۔ اور اس تنزل کا سبب یہ ہوا کہ خواجہ نے تمام اطراف سلطنت میں ظالم عامل مقرر کر رکھے تھے جنہوں نے رعایا کو انکی ظلمت اور قوت سے زیادہ سار کھا تھا۔ خصوصاً صوبہ خراسان کی حالت نہایت اتر تھی۔ علاوہ ظالم کے قضا کی شدت نے وہ مصیبتیں برپا کی تھیں کہ لعنۃ اللہ! غرض کہ جب قدر محصل درج جمع بندی تھے اُن سے ایک جتہ بھی سرکار کو وصول نہیں ہوا اور رعایا آوارہ وطن ہو کر خانہ بدوش ہو گئی۔ ان حالات کو دیکھ کر ابو العباس خود بھی پریشان ہو رہا تھا مگر وہ کیا کر سکتا تھا بجز اسکے کہ اپنی تدبیر میں کامیابی کا اقرار کرے۔ اور چونکہ آمدنی داخل خزانہ نہیں ہوتی تھی اسلئے سلطان کی ناراضی کی متواتر خبریں خواجہ تک پہنچ رہی تھیں خیر کہ وہ بتویر اور حیرت زدہ ہو کر خواجہ نے سلطان کی حضور میں وزارت سے استعفا بھیج دیا۔ سلطان نے فرمایا کہ ”خواجہ سے کہہ دو کہ میں تمہارے تو ظلم کرتا ہوں نہ کسی قسم کا دباؤ ڈالتا ہوں بلکہ صرف یہ کہتا ہوں کہ جب قدر رقم وصول کی گئی ہو اور جس کی تصدیق دفتر وزارت ہوتی ہو وہ خزانہ شاہی میں داخل کر دی جائے۔ اور وزارت سے علیحدہ ہو جائیے“ لیکن اسکے بعد خواجہ ابو العباس سے وزارت کا قلمدان ابو اسحق محمد بن الحسن بن یس بلخ کو دلا دیا گیا۔

شمس الکفا خواجہ احمد حسن ممیندی سلطان اور وزیر کے مابین سفارت کا کام کرتا تھا۔ غرض کہ بڑی کوششوں سے یہ طے پایا کہ خواجہ ابو العباس ایک لاکھ دینار طلائی داخل خزانہ کرے چنانچہ

عہد نیابت عمید الملک فائق سے ولایت خراسان، اور ایام وزارت تک جعفر نے کوٹھی و غلام اور دیگر جائیداد منقولہ و غیر منقولہ پیدا کی تھی وہ سب تادان میں سلطان کے نذر ہو گئی جب خواجہ ابو العباس مفلس ہو گیا۔ اور نوبت فائق کی پہنچ گئی تب سلطان سے اپنی تباہ حالت کا اظہار کیا۔ سلطان نے نوازش شاہانہ فرمائی اور اپنے روبرو طلب کر کے کہا کہ ابو العباس میری جان اور سر کی قسم کھا کر بیان کرو کہ اب تم بالکل محتاج ہو گئے ہو اور تمھارے پاس کچھ باقی نہیں ہے اگر سچ سچ کہو تو پھر تم سے بقیہ مطالبے کا کچھ مواخذہ نہ کیا جائیگا۔ خواجہ نے کہا کہ قسمت قسم کھانے سے معافی چاہتا ہوں دوبارہ اپنے اہل و عیال سے تحقیق کروں اگر انکے پاس کچھ بھی ہو گا تو میں داخل کر دوں گا۔ اسکے بعد قسم کھاؤں گا۔ چنانچہ گھر جا کر سب کو ڈرا دہم کر اور بڑی بڑی قسمیں دیکر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ایک ناکھدا لڑکی کا اسباب جہیز کسی سوداگر کے پاس امانت رکھا ہے چنانچہ وہ بھی لا کر داخل خزانہ کر دیا اور پھر بادشاہ کی جان و سر کی قسم کھائی کہ اب میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ لیکن میری علی خویشا و مذکورہ ہنوز غنایاں تھیں، اور وہ اس قسم کا حال بھی سن چکا تھا۔ اسلئے ایک دن تخیل میں جبکہ سلطان ہندوستان کا سفر کر رہا تھا۔ عرض کیا کہ مجھے مدت سے ابو العباس کی خیانت کا حال معلوم ہی ہے اور ہر وقت میں اسکے اظہار کی کوشش کرتا تھا لیکن سلطان کے نزدیک شکایت خود غرضی پر محمول سمجھی جاتی تھی۔ لیکن باقبال حضور بادشاہت میرے ابو العباس کی خیانت کھل گئی۔ اور اس پر بھی وہ شہنشاہ کی جھوٹی قسم کھا چکا ہے۔ حالانکہ چند چیزیں اس وقت بھی ایسی نادر الوجود اسکے پاس ہیں جسے اکثر شاہنشاہوں کے خزانے خالی ہیں۔ پس نگر سلطان نہایت متاثر ہوا۔ اور کہا کہ اگر تمھاری بات سچ ہوتی تو ابو العباس

ضروریات کا مستوجب ہوگا۔ امیر نے کہا کہ اگر ان چیزوں کے برآمد کر نیکام مجھ کو خستہ یا رو دیا جائے تو میں اپنے دعوے کو ثابت کر سکتا ہوں سلطان نے فرمایا منظور ہے مگر شرط یہ ہے کہ جب تک تمہارے قول کی سچائی ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی جان کے خواہاں نہ ہونا۔ چنانچہ معاہدے کے بعد امیر خستہ ہو گیا اور اس زمانے میں خواجہ ابوالعباس ایک قلعے میں قید تھا۔ اب امیر کا حال سُننے کہ ہندوستان کی کسی لڑائی میں اس کو ایک خنجر مل گیا تھا جس کے قبضے پر تانہ مشال کا یا قوت رمانی بڑا ہوا تھا۔ اور بنی سامان کے دینے سے ایک پایہ فیروزے کا اڑا لیا تھا جس میں ایک سیر شربت آجاتا تھا۔ اور بادشاہ کے خوف سے یہ دونوں چیزیں مخفی رکھتا تھا۔ غرض کہ ان چیزوں کو اپنے ہمراہ قلعے میں لیتا گیا اور خواجہ کو حراست میں لیکر اپنے سپاہیوں کے سپرد کر دیا۔ اور چند روز کے بعد سلطان کے حضور میں خنجر اور پایہ پیش کیا اور کہا کہ نہایت آسانی سے بغیر سختی اور تدارک کے یہ چیزیں مل گئیں ہیں جن میں سے ایک شانان ہند کا تحفہ ہے جو حضور میں پیش نہیں کیا گیا۔ اور دوسرا وقت ملنے دینے بنی سامان کے خیانت کیا گیا ہے۔ اب بقیہ مال کے لیے اگر حکم ہو تو سختی کیجئے سلطان نے ناراض ہو کر یہ چیزیں امیر علی خوشنود کو بخش دیں اور حکم دیا کہ جس طرح ہو بقیہ مطالبہ اس سے وصول کیا جائے چنانچہ جب سلطان ہندوستان کو روانہ ہو گیا اس وقت امیر علی نے خواجہ کو اُس کے دشمنوں کے سپرد کر دیا اور اسی کشاکش میں وہ مر گیا۔ اس واقعہ کے بیان کرنے سے امیر مطلب یہ کہ بڑے آدمیوں سے عداوت کرنے کا نتیجہ خیر فساد ہو کر رہتا ہے۔ واللہ اعلم فقط

پانچواں خطرہ وزیر کو ضرورتاً منافع ملکی اور اپنے مالی فوائد میں جن لوگوں کو اپنے سے زیادہ کا حصہ دار بنانا چاہیے وہ عامل، کاتب، سفیر، دبیر، اور اہلکاران دفترو ہیں۔ کیونکہ جس طرح نظام سلطنت بغیر سپاہیوں اور سپہ سالاروں کے محال ہے۔ اسی طرح وزارت کے مشکلات کا حل بغیر اس فرقے کے ممکن ہے۔ اگر اس جماعت سے رعایت نہ کی جائے تو یہ جان کج خواہاں ہو جاتے ہیں۔ عزت و دولت کا تو ذکر کرنا ہی فضول ہے۔ لہذا دوسرے گروہ کے مقابلے میں یہی مناسب ہے کہ ان لوگوں کا فقر، ثروت سے، عجز، قوت سے، محنت، دولت سے اور گنہگار شہرت سے تبدیل کر دی جائے اور انواع و اقسام کے انعام و اکرام سے یہ مالا مال کر دیے جائیں تاکہ ہلاکت اور استیصال کے درپے نہوں۔ اور اگر کبھی ان سے رعایتیں نہ کی جائیں یا ان کے جائز حقوق ہمیشہ کے لیے میٹ دیے جائیں تو بلاشبہ یہ سب کے سب تفاق و خلاف پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور ان کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور انکو بھر کا کرآمدہ فساد کر دیتے ہیں اور ایک شخص کے ٹوٹ جانے سے پھر اکثر متحد اور متفق ہو جاتے ہیں۔

میرے بیٹو! تمہارا یہ خیال کہ جب حکومت کی باگ عزیزوں، رشتہ داروں، اور معتمدان خاص کے ہاتھ میں ہوگی تو اس قسم کی خیانت نہ پیدا ہوگی اور یہ نقصانات وجود پذیر نہ ہوں گے؟ سراسر غلط ہے۔ کیونکہ عزیز و اقارب سے خدمات و مہمات ملکی کا سرانجام ہونا غیروں کی خدمات کے لیے کہیں بڑھ کر خطرناک ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ میں نے بسبب مزید اعتقاد امانت و دیانت کے تمہارے بھائی پر تمام سلطنت تقسیم کر دی ہے اور انکو بڑے عہدوں پر مقرر کر دیا ہے جس سے صرف یہی غرض ہو کہ وہ تمام مصالح و مفاسد سلطنت سے مجھے آگاہ کرتے رہیں اور ضرور یہی کہ وہ اپنے نام اور

خاندانی عزت میں داغ نہیں لگانے کے۔

بادشاہ بگم (ترکان خاتون) ایک عرصے سے مجھ سے ناراض ہیں اور وہ چاہتی ہیں کہ سلطان اُنکے بیٹے محمود کو ولیعہد سلطنت قرار دیں۔ مگر اس ارادے میں کامیاب نہیں ہوتی ہیں، کیونکہ سلطان کے نزدیک شہزادہ برکیارق میں عقل و دانش کی علامتیں اور جہان زاری آثار بہت زیادہ ہیں۔ اور بادشاہ بگم سمجھی ہوئی ہیں کہ میں اس ولیعہدی میں مانع ہوں ایسے وہ خفا ہیں اور چاہتی ہیں کہ کوئی الزام میرے سر منڈھ دیں جس سے سلطان کا مزاج برہم ہو جائے اور میرے مخالفوں سے اس قسم کی ٹوہ لیا کرتی ہیں۔ اور یہی ہی باتیں پوچھا کرتی ہیں لیکن ابھی تک کوئی نقص نہیں ملا ہے۔ اور وہ سلطان سے بچنے کے اور کچھ کھنکھن سکتی ہیں کہ سینے سلطنت کو اپنے بیٹوں پر تقسیم کر رکھا ہے۔ مگر یہ وہ دانا ہے کہ جسکو سولے میرے کوئی نہیں جانتا ہے۔ لیکن مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ صرف اسی ایک بات نے سلطان کے دل میں گھر کر لیا ہے جو خدا انجام بخیر کرے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عزیز درشتہ داروں کو خدمات سلطنت سپرد کر کے خود اپنی ذات کو اتمام کا نشانہ بنانا ہے۔ اور لوگ اسکو امانت کے خلاف سمجھتے ہیں۔

اور اگر غیروں کو انتظام سپرد کر دیا جائے تو اُس کی بھی مضرتیں بہت ہیں چنانچہ حسن بن صباح کی ذات سے مجھے جو مصیبتیں پہنچیں وہ پہنچ رہی ہیں اور آئندہ معلوم نہیں کہ اور کیا پیش آئیں وہ تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو۔

لے دیکھو نوٹ مندرجہ حاشیہ صفحہ ۱۰۱ حصہ اول جس میں محمود اور برکیارق کی ولیعہدی کی بحث ہے

اسباب وزارت

ابتک میں نے جب قدر بیان کیا ہی چونکہ وہ تمہارے عقیدے اور ارادے کے خلاف ہے (یعنی ترک وزارت کا وعظ) ایسے ارکا کوئی اثر قہر نہ پڑیگا۔ لیکن اب میں ایسے چند اسباب بیان کروں گا کہ جو لازماً وزارت میں اور انشاء اللہ تم اُن سے بہت کچھ فائدہ اُٹھاؤ گے۔

کوئی کام کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو: لیکن پھر بھی اُصول سے خالی نہ ہوگا۔ خصوصاً وزارت کا کام کہ جبہر ملک و ملت، اور دین و دولت کا انحصار ہے۔ اس میں بدرجہ اولیٰ فسرالطی کی پابندی چاہیے۔

منصب وزارت میں چار شرطیں ہیں جس کی بجا آوری واجباً ورجحاً لحاظ رکھنا فرض ہے اور وہ یہ ہیں (۱) خداوند تعالیٰ کے احکام کی حفاظت (۲) بادشاہ کے احکام کی تعمیل (۳) بادشاہ کی ملنے والوں کی رعایت (۴) عامہ صلاحیت کے حفظ مراتب کا خیال۔

سنو! انسان بقضاء فطرت کبھی ایسی چیز کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ہے، کہ جس میں اُس کا کوئی مطلب نہ ہو۔ اور عقلاً مقصود ہر کام سے اُس کا مناسب حال ہوا کرتا ہے۔ کوئی کام کرنے والا فضول محنت کرنا نہیں چاہتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ دس روز کے سفر سے جو قلیل منافع حاصل ہو سکتا ہے اس کے واسطے کوئی ہوشیار آدمی ایک سال کا سفر گوارا نہیں کریگا۔ لہذا ایسے بڑے منصب میں (جیسا کہ وزارت ہے) لباس، سواری، اور کھانے پینے کے تحفات پر نظر نہ ڈالنا چاہیے۔ کیونکہ اِن سے تیریں شخص کو بھی یہ چیزیں کوشش سے مل سکتی ہیں۔ لیکن مقصود اس منصب عالی ہے

یہ ہر کہ دین و دنیا کی نیک نامی حاصل ہو اور اس کا حصول بغیر پابندی شرائط مذکورہ بالا محال ہی پہلی شرط۔ اگر آج اس شرط کی تعمیل میں قصور و تقصیر ہو جائے تو کل قیامت کے دن حسرت و ندامت سے کہنا پڑیگا۔ یا حسرتی غلے کا قوطی فی جنب اللہ۔

اس شرط میں جو چیز سب سے ہتم بالشان ہے وہ یہ ہے کہ اپنے مذہبی عقائد میں استحکم و مضبوط ہو۔ ایسا نہ کہ اہل بدعت کی ملع ساز گفتگو اور گمراہ فرقوں کی سخن آرائی سے مرکز راستی سے دور جا پڑو کیونکہ اگر باب و دولت کی مجلس میں حکیم، صوفی، عارف، موحّد وغیرہ سب ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں لیکن بہت ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے کو محقق کہتے ہیں۔ اور حکمت، عرفان، توحید اور تحقیقات مذہب کے پیر ایسے میں بہت سے معتقدات باطلہ بیان کر جاتے ہیں۔ جسکے سُننے سے آہستہ آہستہ عقائد میں خلل پڑ جاتا ہے۔ لہذا اس امر کی ضرورت ہے کہ تم راسخ العقیدت بن جاؤ۔ اور فرض و سُنن کی پابندی میں مستعدی کرو۔ طاعت و عبادت میں کبھی کوتاہی نہو۔ اور مدراج دین کی ترقی اور شریعت کے زندہ رکھنے میں خوب ہی کوشش کرو۔ لوگوں کی تعریف و توصیف پر اپنے خالق کی رضامندی کو مقدم سمجھو۔ اور خوب سمجھ لو کہ جب تک عمدہ اخلاق نہوں اور بُری خصلتوں سے پرہیز نہ کیا جائے اُس وقت تک خدا سے پاک کی رضامندی حاصل نہیں ہو سکتی ہے اور ان اُمور میں کسی معلم و مرشد کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تو سب جانتے ہیں کہ علم اچھا ہے۔ جہل بُرا ہے۔ عدل محمود ہے، ظلم مذموم ہے، سخاوت مقبول ہے، اور بخل مکرہ ہے۔ اور نہ اس میں کئی شبہ ہے کہ اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہونا حیات جاوید کی دلیل ہے۔ اور ناپسندیدہ خصلت کا اختیار کرنا ہلاکت اور ابدی عذاب کا باعث ہے۔

حکایت جب سلطان ملک شاہ کی شادی خلیفہ بغداد کے یہاں قرار پائی اور سب جھگڑکی طے ہو گئے، تب سلطان نے حکم دیا کہ اطراف عرب و عجم میں تمام اکابر و اشراف کو نو تہ دیا جائے کہ وہ مجلس عقد میں شریک ہوں۔ چنانچہ مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ، بلا و تہام، روم، عراق، فارس، خراسان، ماوراء النہر وغیرہ میں قاصد بھیجے گئے کہ معزز میہمان براہ راست بغداد تشریف لائیں۔ چنانچہ اسقدر مجمع ہوا کہ کوئی زمانہ اس کی نظیر نہیں لاسکتا۔ بغداد کے مغربی حصے میں خیام سلطانی نصب ہوئے تھے، اور مشرقی حصے میں قصر خلافت واقع تھا۔ چنانچہ کنج کے دن سلطان نے حکم دیا کہ اول تمام اعیان دولت دارا بخاندہ کو روانہ ہوں اور ترکوں کے دستور کے موافق خلیفہ سے عقد کی رضامندی حاصل کریں (ترکوں کا دستور تھا کہ عین برات کے دن بیٹے کی طرف سے کچھ لوگ بیٹی والے کے گھر جا کر نہایت منت و سماجت سے عقد کی منظوری حاصل کرتے تھے اور اجازت کے بعد برات روانہ ہوتی تھی) چنانچہ اس رسم کے ادا کرنے کے لیے، ارکان دولت بجا طاعت حرم خلافت تک پیادہ روانہ ہوئے۔ جب خلیفہ کو اطلاع ہوئی تو فوراً ایک خادم سے کہلا بھیجا کہ نظام الملک کو روک کر لے، چنانچہ صرف میں سوار تھا اور چلہ اکابر میرے ساتھ پیدل تھے۔ جب آستانہ خلافت پہنچے

لے مقتدی باہر اللہ ابوالقاسم عبداللہ عباسی سے ملک شاہ نے یہ کہہ دیا کہ میں اپنی بیٹی کا عقد کیا تھا۔ اور شادی کے تفصیلی حالات ہم نے نظام الملک کے درقات قتل میں لکھے ہیں۔ مگر خود ملک شاہ کی شادی کا واقعہ صرف خواجہ کی روایت پر لکھا گیا ہے۔ کیونکہ تاریخ کامل اثر وغیرہ میں اس شادی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ لیکن قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی مقتدی کے خاندان میں ہوئی تھی۔ خلفائے عباسیہ میں مقتدی اٹھائیسواں خلیفہ تھا۔ جبکہ

عہد حکومت ۳۶۸ھ لغایت ۳۷۸ھ ہوا

پہنچے تو مجھے ایک مسند پر بٹھایا اور بقیہ حضرات میرے دائیں بائیں کھڑے ہوئے خلیفہ کی جانب سے سب کو خلعت تقیم ہوئے اور جو خلعت مجھے مرحمت ہوا اُس پر نقش تھا "الوزیری العالم العادل نظام الملک مرضی امیر المومنین"۔

ابتداءً دولتِ اسلام سے اس وقت تک کسی وزیر کو "رضی امیر المومنین" کا خطاب نہیں ملا تھا۔ میرا مطلب اس واقعہ کے بیان سے یہ ہے کہ "اس وقت شیطان میرے نفس میں غمٹ اور جبروت کے خیالات پیدا کر رہا تھا اور میں ان چیزوں کی یوفانی اور ناپائیداری کے خیال میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور باوجود اس اعزاز کے مجھے اپنا ضعف اور عجز نظر آ رہا تھا۔ اور یہ تو میں اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ منصب یا اسی قسم کے ایک لاکھ۔ ایک درجہ (ڈگری) بخاریا ایک مرتبہ کے درد سر کے لیے وجہ تسکین نہیں ہو سکتے ہیں۔ اور میری زبان پر اس وقت کلمہ لا حول جاری تھا۔ یہ واقعہ تو دن کا تھا جب ات ہوئی۔ تو میں نے خواب میں دیکھا کہ وہی مسند ایک بلند مقام پر بچھی ہوئی ہے۔ اور میں اُس پر وہی خلعت پہنے ہوئے بیٹھا ہوں۔ مگر تنہائی کی وجہ سے خوف وحشت میں مبتلا ہوں۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بڈکل اور کرمی نظر آدمی میرے برابر آنکر بیٹھ گیا جس کی بدبو سے میرا دم گھٹا جاتا تھا۔ اسکے بعد اور لوگ بھی اُسی شکل و صورت کے آئے اور مسند پر بیٹھتے چلے گئے، اور یہ آنے والے بد صورتی میں انگوں سے بھی فوق رکھتے تھے۔ غرض کہ اس قدر ہجوم ہوا کہ میں کشمکش میں پڑ گیا۔ بلکہ قریب تھا کہ میں مسند سے سر کے بل گر پڑوں اور اُن کی بدبو سے دم نکلیجائے، چنانچہ غایت اضطراب سے میں جاگ اُٹھا اور خدا کا شکر کیا، اور صبح کو صدقہ دیا گیا۔ لیکن جب رات آئی تو پھر وہی اگلا سماں پیش نظر تھا۔ اور آج میں مسند پر

جو اس ہوا کہ بدن کا پنے لگا اور اگر جاگ نہ پڑتا تو یقین تھا کہ تمام عمر سوتا ہی رہ جاتا۔ قصہ جب تیسری رات آئی تو میں ڈر کے مارے قصہ آجا گتا رہا۔ لیکن پچھلے پہر نیند کے حلوں نے مجھے مغلوب کر دیا اور وہی گزشتہ نظارہ سامنے آگیا۔ اور میں اپنے کو مسند سے گرایا ہی چاہتا تھا کہ ایک خوبصورت اور عطر میں ڈوبی ہوئی روحانی اور نورانی جماعت جلوہ فرما ہوئی۔ اوجھے ہی اس جماعت کا ایک شخص سلام کر کے میرے پاس بیٹھا بیٹھے ہی ان میں سے ایک شیطان رفوچکر ہوا، اور تھوڑی دیر میں آہستہ آہستہ سب سرک گئے اور نئے عہدوں کی ہم نشینی سے مجھ میں تازگی اور زندہ دلی پیدا ہو گئی۔ جب خاطر خواہ سکون ہو گیا تو میں نے پوچھا کہ آپ کون ہیں۔ اور وہ کون لوگ تھے؟ جواب دیا کہ ہم تمہارے اخلاق حمیدہ اور وہ عادات فہیمہ تھے۔ ہم دونوں کی مدت قیام کی کوئی میعاد نہیں ہے۔ بلکہ تمام عمر کا ساتھ ہے۔

اب یہ فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے کہ ”ہم میں سے کون ہے اور کون جائے؟ خواب و خیال کی باتوں میں جو لطف مینے اٹھایا اسکا پورا بیان کیونکر کروں۔

مختصر یہ کہ یہ واقعہ کچھ ایسا عجیب و غریب تھا کہ اس سے پہلے مینے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اور اسی حالت میں پڑا ہوا تھا کہ نوکروں نے سوتے سے جگا دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ صاحبان مسند وزارت، اخلاق حمیدہ کے حصول میں کوشش کریں، اور اسکو لوازمہ وزارت سمجھیں اور بری عادتوں سے ہمیشہ بچتے رہیں

طریق عبودیت ۲ دوسری بات واجب العمل یہ ہے کہ اتفاقات حسنہ کو اپنی تدبیر کا نتیجہ سمجھے گو حصول اسکا تدبیر کے بعد ہی کیوں نہ واقع ہوا ہو۔ بلکہ اسکو خدا کے فضل و کرم پر محمول نہ پائے

لیکن میرا یہ قول بھی نہیں ہو کہ کسی قسم کی تدبیر ہی نہ کیجائے بلکہ میں علانیہ کہتا ہوں کہ کیسا ہی چھوٹا کام کیوں نہ ہو قواعد عقلیہ سے جانچ کر اُس کی تدبیر کیجائے۔ اگر نتیجہ خاطر خواہ نکلے تو سمجھ لو کہ یہ بھی خدا کی مہربانی ہو۔ اس خیال کو اگر انسان اپنی سیرت بنالے تو ایک مبارک خاصیت بلکہ تکمیل ایمان کی علامت ہو۔ کیونکہ ہر مقصد میں تدبیر سے کامیابی نہیں ہوتی ہو اور یہ بھی بدیہی ہو کہ اگرچہ بغیر تدبیر کے کوئی کام نہیں ہوتا۔ لیکن با اوقات مجھے تجربہ ہوا ہے کہ وہ بغیر تدبیر کے ہوئے ہیں جسکو میں ”اتفاق حسنہ“ سے تعبیر کرتا ہوں۔

حکایت ۱۱ قزل ارسلان، امیر فارس و کرمان کی بغاوت کا حال سنکر جس سال سلطان الپ ارسلان نے فارس و کرمان کا سفر کیا ہو۔ اسوقت طنجہ کا حاکم فضلو تہا۔ چونکہ اُس نے اپنی اطاعت سے سلطان کو رضا مند کر لیا تھا۔ لہذا حکومت فارس کی سند بھی فضلو کو لکھی گئی تھی۔ لیکن جب سلطان کرمان ہو کر خراسان کو روانہ ہو گیا تو فضلو یہ فارس کے ایک استحکم قلعے میں اپنا تمام خزانہ اور فوج لیکر چلا گیا۔ اور سلطان سے بغاوت پر آمادہ ہوا۔ لہذا سلطان نے اس شورش کے مٹانے کے لیے مجھے مامور کیا۔ چنانچہ ہماری فوجیں فضیل قلعے کے نیچے بہت جلد پہنچ گئیں لیکن خیر خواہان سلطنت میں سے جو اس صوبے اور تیر قلعے کے حالات سے آگاہ تھے انھوں نے عرض کیا کہ قلعے کا محاصرہ کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ یہ قلعہ ناقابل فتح ہے۔ بلکہ مناسب ہے کہ فضلو کو خوف دلایا جائے، اسوقت باہستگی انتظام ہو جائیگا۔ چنانچہ میں نے بہت کچھ خور کیا اور دل ہی دل میں فیصلہ کرتا رہا کہ فضلو یہ کے پاس جانا چاہیے یا سفر کرنا

لے قزل ارسلان و فضلو کے واقعات، نہایت تفصیل سے فتوحات ملکی کے ذیل میں تحریر ہیں۔

لیکن میرا یہ قول بھی نہیں ہو کہ کسی قسم کی تدبیر ہی نہ کی جائے بلکہ میں علانیہ کہتا ہوں کہ کیسا ہی چھوٹا کام کیوں نہ ہو قواعد عقلیہ سے جانچ کر اس کی تدبیر کی جائے۔ اگر نتیجہ خاطر خواہ نکلے تو سمجھ لو کہ یہ بھی خدا کی مہربانی ہے۔ اس خیال کو اگر انسان اپنی سیرت بنالے تو ایک مبارک خاصیت بلکہ تکمیل ایمان کی علامت ہے۔ کیونکہ ہر مقصد میں تدبیر سے کامیابی نہیں ہوتی ہے اور یہ بھی بدیہی ہو کہ اگرچہ بغیر تدبیر کے کوئی کام نہیں ہوتا۔ لیکن بس اوقات مجھے تجربہ ہوا ہے کہ وہ بغیر تدبیر کے ہوئے ہیں جبکہ میں اتفاق حسنہ سے تعبیر کرتا ہوں۔

حکایت ۱۱ قزل ارسلان، امیر فارس و کرمان کی بغاوت کا حال سن کر جس سال سلطان الپ ارسلان نے فارس و کرمان کا سفر کیا ہے۔ اس وقت طنجہ کا حاکم فضلویہ تھا۔ چونکہ اس نے اپنی اطاعت سے سلطان کو رضامند کر لیا تھا۔ لہذا حکومت فارس کی سند بھی فضلویہ کو لکھی گئی تھی۔ لیکن جب سلطان کرمان ہو کر خراسان کو روانہ ہو گیا تو فضلویہ فارس کے ایک مستحکم قلعے میں اپنا تمام خزانہ اور فوج لیکر چلا گیا۔ اور سلطان سے بغاوت پر آمادہ ہوا۔ لہذا سلطان نے اس شورش کے مٹانے کے لیے مجھے مامور کیا۔ چنانچہ ہماری فوجیں فیصل قلعے کے نیچے بہت جلد پہنچ گئیں لیکن خیر خواہان سلطنت میں سے جو اس صوبے اور قلعے کے حالات سے آگاہ تھے انھوں نے عرض کیا کہ قلعے کا محاصرہ کسی طرح مناسب نہیں ہے، کیونکہ یہ قلعہ ناقابل فتح ہے بلکہ مناسب ہے کہ فضلویہ کو خوف دلایا جائے، اس وقت باہرنگی انتظام ہو جائیگا۔ چنانچہ میں نے بہت کچھ غور کیا اور دل ہی دل میں فیصل کرتا رہا کہ فضلویہ کے پاس جانا چاہیئے یا سفر کرنا

۱۔ قزل ارسلان اور فضلویہ کے واقعات، نہایت تفصیل سے فتوحات ملکی کے ذیل میں تحریر ہیں۔

چاہیے؟ لیکن مزاج پہلو نہ نکلا۔ تب میں فیصلہ کیا کہ اس صورت میں سلطان کا حکم مقدم ہو، اگر میری کوشش کامیاب ہو گئی تو بہتر ہی در نہ عدول حکمی کے مواخذے سے بری رہو گا۔ غرض کہ یہ رائے قطعی ہو گئی اور قلعے کا محاصرہ کر لیا گیا۔ محصورین مستغنی تھے اور وہ کسی طرح نظر نہ آتے تھے اور میں نے بھی مستحکم ارادہ کر لیا تھا کہ محاصرہ نہ اٹھاؤ گا۔ بلکہ اسی غرض سے ایک سال کی رسد کے لیے احکام جاری کر دیے تھے۔ مختصر یہ کہ صرف ایک ات محاصرہ رہا اور صبح کو پشت کے وقت یکا یک قلعے سے الامان کی صدا آنے لگی۔ تب میں امن و امان کا حکم جاری کیا۔ فضلوہ نے سالانہ خراج ادا کرنا منظور کیا۔ اور بہت سے تھے تحائف روانہ کیے۔ ہم لوگوں کو نہایت استعجاب تھا۔ اور وہاں کے باشندوں کو بھی حیرت تھی۔ کیونکہ یہ وہ قلعہ ہی جو برسوں کی لڑائی میں بھی فتح نہیں ہو سکتا تھا پھر کیا سبب ہوا کہ اس قدر جلد قبضے میں آگیا؟ لیکن تحقیقات سے معلوم ہوا کہ جس شب کا یہ واقعہ ہی اس رات کو خود بخود قلعے کے تمام تالاب اور حوض خشک ہو گئے تھے۔ اور کنوؤں کا بھی پانی سوکھ گیا تھا۔ اور ایک گھونٹ پانی بھی کہیں میسر نہیں آ سکتا تھا۔ اس لیے محصورین امان کے طالب ہوئے تھے جب مجھے یہ معلوم ہوا تو میں نے خدا کا شکر کیا اور سمجھ لیا کہ سب تدبیریں تقدیر الہی کے ماتحت ہیں۔ کیونکہ جو تدابیر فتح قلعے کے لیے کی گئیں تھیں اور جو واقعہ پیش آیا اُس میں مشرق و مغرب کا فاصلہ تھا میں نے اسے بہت کرشمے دیکھے ہیں مگر مناسب حال اسی قسم کا ایک واقعہ اور ہی۔

حکایت ۲ ^{۱۰۶۱ھ} ۱۰۶۱ھ میں سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے خراسان سے روم کا سفر کیا اور نواح کرخ میں پہنچ کر سلطان توروم کو روانہ ہو گیا۔ اور چونکہ کرخ کی فتح کا اہتمام شاہزادہ

ملک شاہ کے سپرد کیا گیا تھا، لہذا شاہزادہ کرخ کی طرف بڑھا۔ اور ایک قلعے کے قریب پہنچ گیا یہ نہایت بلند اور استحکم قلعہ تھا۔ اور اسکے چاروں طرف نہریں تھیں، نام اس قلعے کا مہریم نشین تھا، اور ملک کے مشہور علماء و شائخ (قیس رہبان) وہاں موجود تھے۔ لوگ کہتے تھے کہ قلعہ بھی عیسائیوں کا ایک گرجا ہے۔ اور کرخ و لے بھی اکثر عیسائی تھے۔ غرض کہ اس قلعے کے چاروں طرف گرد آوری کی گئی تو معلوم ہوا کہ سوار و پیادے دونوں قلعے کی برجیوں تک نہیں پہنچ سکتے ہیں۔ یہ حال دیکھ کر ملک شاہ کو بہت رنج ہوا۔ کیونکہ قلعہ کا بحال خود چھوڑ دینا اور اہالیان کرخ سے کسی قسم کی مزاحمت نہ کرنا، اور سلطان سے مدد مانگنا، اور قلیل فوج سو قلعے پر حملہ کرنا، یہ سب صورتیں تکلیف سے خالی نہ تھیں۔ اور جدال و قتال کا کوئی مفید نتیجہ نہیں نکلتا تھا۔ اور بے غری کا خیال ان سب پر مستزاد تھا۔ اسیلے سینے ملک شاہ کو سمجھا یا کہ آپ پریشان نہ ہوں بادشاہوں کی مہات اور ہی صورت سے سرمہ ہوا کرتی ہیں۔ اور ان کو عالمہ خلائق کے کاموں سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی ہی۔ کیونکہ اگر بادشاہوں کے کام معمولی آدمیوں کی طرح ہو جایا کریں تو پھر تائید و ابجلاں کیونکر معلوم ہو، اور کافہ انام پر ترجیح کا پہلو کیونکر نکلتے؟

العقہ دوسرے دن مقابلے کی طیاری کی گئی۔ اور بہادروں نے بزرگ کشتیوں کے خندق سے عبور کیا، اور بڑی کوششیں کیں، لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بلکہ بہت سے بہادر سپاہی ضائع ہو گئے اور ملک شاہ بغیر میری اطلاع چند آدمیوں کے ہمراہ ایک بیج کے نزدیک چلا گیا اور قلعہ سے

اس قلعے کے تفصیلی حالات اور اس جنگ کا پورا خلاصہ فتوحات کے ذیل میں درج ہے۔

کمزور پیکر گئیں یہ موقع نہایت خطرناک تھا۔ مگر خدا نے بچالیا۔ اور برج کے نیچے نکل کر یہ لوگ دوڑ چلے گئے۔ شاہزادے کی یہ حالت دیکھ کر میں حیرت زدہ رہ گیا اور مجھ سے کوئی تبصرہ نہ بن پڑی۔ ہنوز حیرانی رفع نہیں ہوئی تھی کہ زور شور سے آندھی آئی اور تاریکی نے ساری دنیا کو ظلمت زدہ بنا دیا۔ اور اسکے بعد ہولناک زلزلہ آیا۔ اور یہ معلوم ہوا کہ گویا قیامت آگئی ہے۔ جب مطلع صاف ہو گیا اور روشنی نمودار ہوئی تو دیکھا کہ قلعے کا مشرقی حصہ گر گیا ہے اور دیوار کے گرنے سے سارا خندق اٹ گیا ہے۔ چنانچہ فوج بلا تکلف قلعے میں داخل ہو گئی۔ فتح نصیب ہوئی اور اکثر عیسائی مسلمان ہو گئے۔ اور صرف اسی ایک فتح سے بقیہ بلا کچھ پر قبضہ ہو گیا۔

میرا مطلب اس واقعے کے بیان سے یہ ہے کہ سارے مقاصد تدبیر پر موقوف نہیں ہیں۔ بلکہ تائید آسمانی اور تقدیر ربانی بھی کوئی چیز ہے۔

(۳۴) اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ جل شانہ کی اطاعت، اور بادشاہ وقت کی اطاعت فرض ہے۔ اور جبکہ یہ فرمانبرداری عامۃً خلائی پر عموماً فرض کی گئی ہے۔ تو جو لوگ مقربین اور خاص الخاص ہیں۔ اُن پر تو بدرجہ اولیٰ ہونا چاہیئے۔ اور سب سے بڑھ کر اُس شخص پر جس کے ہات میں مالی و ملکی اختیارات اور حکومت کی باگ ویدی گئی ہو، اور جو سلطنت کے گھماؤ پڑاؤ اور امور مملکت کی سچیدگیوں کے سلجھانے کا ذمہ دار ہو۔ اس قسم کی اطاعت اس وقت تک نہیں ہو سکتی ہے جب تک کہ بادشاہ وقت کی عظمت و جلال کا سکہ دل پر نہ بیٹھ جائے۔ اور جب تک ایسا نہ ہوگا وہ خالص محبت کہ جو حقیقت میں اطاعت اور تعظیم و تکریم کا نتیجہ ہے طریقین میں پیدا ہوگی

اور انجام کار غیر مستحسن نتائج ظہور پذیر ہونگے۔ اب رہے تعظیم سلاطین کے اسباب وہ کئی نوع پر تقسیم ہیں۔

(۱) سب سے پہلے دفع مضرت ہی یعنی بادشاہ سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیے لیکن صفت عامہ خلایق میں مشترک ہے۔ ایسے وزیر کو بے زیادہ بادشاہ کی تعظیم کرنا کوئی خاص فائدہ نہیں بخشتا ہے۔

(۲) دوسرے جذب منفعت ہے جسکو کثرتِ امید کہتے ہیں اور جس طرح نوعِ اول میں ساری خلقت سبب و شرکات تھی اسی طرح اس نوع میں دربار کے تمام خاص و خواص مشترک ہیں اسلئے جب تک خوف و رجا کا پردہ درمیان سے نہ اٹھ جائے، اور خالص محبت اور سچی ارادت نہ پیدا ہو، اسوقت تک خاطر خواہ ثمرہ مترتب نہیں ہوتا ہے۔ اور جب عقیدت اس درجے پر پہنچ جائے اور پھر کسی مقصد میں خلل پڑ جائے تو نقصان کا خوف نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ کامیابی جلد ہو سکتی ہے۔

اب میں وہ تدبیریں بتاتا ہوں کہ جسکے ذریعے سے انسان راسخ العقیدت بن جاتا ہے۔

(۱) خوب سمجھ لو کہ بغیر توفیقِ الہی اور تائیدِ سماوی کے کوئی شخص بادشاہ نہیں بن سکتا ہے۔ اور نہ ساری دنیا کو وہ اپنا فرمانبردار بنا سکتا ہے، اگرچہ غلبہ و تسلط کے کتنے ہی اسباب موجود کیوں نہ ہوں؟ لیکن فی تحقیق سب کا مرجع تائیدِ غیبی ہے۔ اور صرف اس ایک سبب کے وجود پذیر ہونے پر دیگر اسباب خود بخود ہمیا ہو جاتے ہیں۔ اور یہ نتیجہ ارادتِ الہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اور اس میں بھی شبہ نہیں ہے کہ سلطان عادل کی اطاعت فرض ہے کیونکہ وہ زمین پر خدا کا سایہ ہے۔

(خل الله فی الارض)

حکایت روایت ہے کہ ابن اعلم رصدی سے جو شاہیر منجوں سے تھا خلیفہ ہنویہ ضمیر کے سوالات کیا کرتا تھا۔ اور استخراج ضمیر میں کوئی منجم ابن اعلم کا ہمپہ نہ تھا۔ اگر تھا تو صرف ہفتہ بنانی جو ابن اعلم کا ایک نہایت ذکی طبیب شاگرد تھا۔ ایک دن خلیفہ نے ایک پرچہ کاغذ پر کچھ لکھ کر قالین کے نیچے (جس پر بیٹھا ہوا تھا) دبا دیا اور ابن اعلم سے

سلطان امون الرشید عباسی کے بعد خلافت کی شان شوکت میں دال آگیا تھا اور خان حکومت مختلف شخصوں میں تھی چنانچہ خلیفہ العاقر بالله ابو منصور محمد کے زمانے میں بنی بویہ کی ابتدا ہوئی ابو شجاع بویہ بن فخر جو وزیر جوہر کی اولاد میں تھا اسکے تین بیٹے عماد الدولہ علی اور رکن الدولہ حسن اور معز الدولہ احمد بیٹے نامور ہوئے اولیٰ کا اقدار دربار میں بڑھنے لگا چنانچہ المستنکفی بالله کے دربار سے احمد کو امیر الامرا کا عہدہ ملا اور آئندہ ہی خاندان تخت بغداد کا مالک تھا جس کو چاہتے تھے تخت نشین کرنے تھے اور جس کو چاہتے تھے اتار دیتے تھے چنانچہ رکن الدولہ کا بیٹا عضد الدولہ بنی بویہ میں سب سے بڑھ کر نامور ہوا ہی۔ اور یہ فارس کا حکمران تھا (اسکا عہد حکومت ۳۲۹ھ تا ۳۳۹ھ لغایت ۳۴۹ھ) اسکا زمانہ علمی ترقیوں میں نہایت ممتاز تھا۔ اگر یہ بہادر حمایت علم کا علم لیکر نہ اٹھتا تو دسویں صدی عیسوی کے خاتمے پر علم کا چراغ گل ہو جاتا۔ چنانچہ اسکے دربار میں منجم شاہیر علمائے ہنویہ کے ایک ابن اعلم بھی تھا۔ اس شریف علوی کا نام ابو القاسم علی بن حسین بن محمد بن عیسیٰ تھا۔ اور تاریخ میں ابن اعلم کے نام سے مشہور ہوئے ہنویہ عضد الدولہ ابن اعلم کا شاگرد تھا۔ اور ہمیشہ اس شاگردی پر فخر کیا کرتا تھا۔ عضد الدولہ کے انتقال کے بعد مصمام الدولہ اسکے بیٹے نے ابن اعلم کی کچھ قدر نہ کی اور وہ ناراض ہو کر چلا گیا اور ۳۵۳ھ میں حج کو روانہ ہوا اور وہی کے وقت بمقام عید تھا کیا۔ خواجہ نظام الملک نے جن اقوال کو لکھا ہے خلیفہ المطیع یا الطائع کے وقت کا ہے "انتخاب منجمل الدولہ" عربی ۴۰۲ء تاریخ عربیہ سید یوسف زبیدی۔ بیان ترقی علم ہنویہ ۲۷۹ ضمیر سائل کا مافی الضمیر جب خود بخوبی بیان کرتا ہے تو اس سال کو ضمیر لکھتے ہیں ۳۷۳ بنان = مرو شاہجہاں کا ایک مشہور قریہ ہے، مراۃ البلدان ناصری صفحہ ۲۹۰۔ مجمع البلدان جلد ۲ صفحہ ۲۸۸

پوچھا کہ بتاؤ میں نے کیا لکھا ہے؟ (اس وقت ناصر بھی موجود تھا) ابن اعلم نے استخراج ضمیر کے قاعدے سے بتایا کہ ”اُس کا خد پر خداوند جل جلالہ کا نام لکھا ہوا ہے“ لیکن ناصر نے ابن اعلم سے اختلاف کیا اور کہا کہ اسپر بادشاہ کا نام نامی ہے“ تب خلیفہ نے ابن اعلم سے پوچھا کہ تم کس قاعدے سے کہتے ہو کہ خدا کا نام ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ ”دلائل اور علامات سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی رفعت و شان کا نام ہے اور تمام علامتوں سے خاص مہبت ٹپکتی ہے۔ اس لیے میں نے عرض کیا کہ وہ خدے تعالیٰ کا نام ہے“ پھر خلیفہ نے ناصر سے دریافت کیا کہ تمہاری کیا دلیل ہے؟ اُس نے کہا کہ ”جناب استاذی جو کچھ فرماتے ہیں اور جن دلائل کی بنا پر حکم لگایا ہو وہ مجھے بھی معلوم ہیں۔ اور میں بھی کہنا چاہتا تھا کہ خدا کا نام ہے۔ لیکن یہ دعویٰ صفات الہی کے مقابلے میں کچھ ٹوٹا ہوا معلوم ہوا۔ پھر میں نے سوچا کہ اگر خدا کا نام ہوتا تو امیر المومنین اُس کو قالین کے پینچے نہ دباتے۔ ایسے میں نہایت یقین سے کہا کہ اسپر بادشاہ کا نام ہے“ اس مباحثے کے بعد خلیفہ نے وہ کاغذ نکالا تو اسپر تحریر تھا ”سلطان عادل“ اس معرکہ الاراکم پر ساری مجلس کو تعجب ہوا۔ اور ناصر بُنائی کو خلیفہ نے صلہ و انعام سے مالامال کر دیا۔

اس روایت سے تم کو معلوم ہوا ہو گا کہ سلطان عادل کا یہ درجہ ہے کہ عقل نے صفات الہی سے اوصاف بادشاہی پر استدلال کیا۔ اور اقبال ربانی کی علامتوں کو اُس نے اوضاعِ سلطانی سمجھا۔ ایسے اُس شخص کو جس کی دانشمندی و فزائلی پر سلطان عادل نے اعما و کر کے دنیا کا سب سے بلند ترین درجہ (یعنی وزارت سپر) دے دیا ہو، زیبا ہے کہ وہ سچائی اور امانت کا مسلک

اختیار کرے۔ اور ایسے کام کر جس میں سلطنت کی مالی حالت ترقی پذیر ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ عدل و انصاف قائم ہے۔ اور دلچسپی کے بہودہ خیالات دل سے مٹا دیئے جائیں خصوصاً وہ کام جو حکومتِ شریعت نے منع کیا ہے۔ کیونکہ در اسی عیش پرستی میں بڑے بڑے کام بگڑ جاتے ہیں۔ اور تھوڑی سی جدوجہد میں معلوم نہیں کہ کیا کچھ ہو جاتا ہے۔

وزیر کو چاہیے کہ اپنے عیش و عشرت کو صرف بادشاہ کی رضا مندی پر منحصر رکھے۔ اور یقین کر لے کہ خدام کی کوئی خوشی بادشاہ کی خوشنودی مزاج کی برابر نہیں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ دنیا کی ساری لذتوں کا سرچشمہ یہی ہے۔ اور ساری کوشش اسی کے حصول کے لیے کی جاتی ہے، ابتداء سے ملازمت میں دل لگا کر کام کرنا چاہیے، کیونکہ آگے چلکر اُس کی لیاقت اور کارگزاری سے ہر قسم کی توفیر اور مالی ترقیاں ہوں گی جسکی اطلاع بادشاہ نکت پہنچگی۔ لیکن حکومت طے پر فوراً ہی اُن تمام تجاویز پر عمل درآمد نہ کرنا چاہیئے جو ترقی ملک کے لیے سوچی گئی ہوں بلکہ اُن کا نفاذ آہستہ آہستہ کیا جائے۔

(۲) جب معلوم ہو جائے کہ کسی خاص وجہ سے بادشاہ پریشان و متروک ہو تو اُسکی اصلاح کی فوراً فکر کی جائے اگر کامیابی ہو جائے تو وزیر کی یہی قابلِ شکر گزاری ہوگی۔

ایسے تفرقے جو وزیر کی تدبیر سے علاج پذیر ہو سکتے ہیں وہ نفع پر تقسیم ہیں ایک ملکی دوسرا مالی تفرقہ ملکی۔ ۱۔ تفرقہ ملکی کی تفصیل ایسے مختصر مضمون میں نہیں ہو سکتی ہے۔ لیکن سبیلِ اجمال سمجھ لینا چاہیئے کہ جس چیز پر ساری ملکی تدبیریں منحصر ہیں وہ یہ ہے کہ اپنے دوستوں کو رضا مند رکھے اور دشمنوں سے ہمیشہ بچا رہے۔ دوستوں کو تالیفِ قلوب اور مہربانی سے اس طرح

رکھنا چاہیے کہ وہ دن بدن خیر خواہ ہوتے جائیں اور کسی وقت میں بھی مخالف نمونے باقی رہے دشمن وہ جس عقل کے مطابق تین قسم کے ہوتے ہیں اعلیٰ مساوی۔ ادنیٰ۔ جو دشمن درجہ اعلیٰ کا ہی اُس سے حتی المقدور ہوشیار اور پُر حذر رہنا چاہیے۔ اور جو درجہ ادنیٰ کا ہی نہ اُس کو باقی رکھنا چاہیے نہ مہلت دینا چاہیے۔ اور برابر والے سے جہاں تک ہو سکے صلح و آشتی قائم رکھی جائے۔

بادشاہ کو عموماً بد عہدی اور نقض معاہدے سے بچانا چاہیے اور اہل اسلام سے خصوصاً۔ کیونکہ بد عہدی کا نتیجہ ہر عہد میں نامبارک ہوا ہی۔ جو بادشاہ مضبوطی سے معاہدے پر قائم رہے ہیں اُن کو مقابلے اُن فوائد کے جو نقض معاہدے سے حاصل ہوتے، اپنے قول پر قائم رہنے سے (مجانبات اللہ) کہیں بڑھ کر فائدہ ہوا ہی۔

حکایت نواح پنج میں جب امیر اسماعیل سامانی اور عمرو لیث کا مقابلہ ہوا تو یہ مشہور ہے کہ امیر اسماعیل نے عمرو لیث کو گرفتار کر لیا تھا۔ اور اُس کے خزانے کی تلاش شروع ہو گئی تھی لیکن جب کہیں سراغ نہ چلا تو خود عمرو لیث سے پوچھا۔ اُس نے کہا کہ ”مہتمم خزانہ میرا ایک عزیز تھا جس کا نام سامہ ہی۔ اگر وہ ہرات میں لوٹ آیا ہو تو معلوم ہوگا“ چنانچہ چند روز کے بعد امیر اسماعیل ہرات

لے آئے سامان۔ خراسان اور اراء النہر میں سامانیوں کی حکومت یہ ۳۶۰ھ لغایت ۳۹۰ھ رہی ہے۔ اس خاندان میں نو پادشاہ ہوئے ہیں چنانچہ کسی شاعر کا قول ہے

نہ تن بودند ز آل سامان مشہور ہر یک بجا موت خراسان مغرور

اسمعیل و حمادی و ضری و قنوج و دو عبد الملک و منصور

چنانچہ امیر اسماعیل اسی خاندان کا حکمران تھا اور عمرو لیث صفاریہ خاندان سے تھا۔ ازنگارستان

پہنچا۔ تو رعایا سے ہرات امن و امان کی طالب ہوئی اور اُن کی درخواست منظور کی گئی لیکن جب اُنے سام اور خزانے کا حال دریافت کیا گیا تو تمام رُوسا نے قیس کھائیں اور کہا کہ ہکو کچھ علم نہیں ہے۔ غرض کہ جب خزانہ ہات نہ لگا تو فوج میں بیدی پھیلنے لگی۔ کیونکہ شروع لڑائی سے اب تک کہیں ایسا مال غنیمت نہیں ملا تھا کہ جس سے اُنکے دل خوش ہوتے۔ اور نہ اہالیان ہرات نے نذرانہ پیش کیا۔ لہذا سب کی یہ رے ہوئی کہ ہرات والے حقیقت میں میطیع نہیں ہوئے ہیں، بلکہ آخر میں یہ ضرور بغاوت کریں گے۔ چنانچہ ارکان دولت نے متفق ہو کر امیر سمجیل سے عرض کیا کہ اس وقت ہرات کی مردم شماری تخمیناً ایک لاکھ ہے۔ بطور امداد اگر ہر شخص سے دو مثقال سونا لیا جائے تو تیس ^{۲۳} من سترہ سیر آٹھ چھٹانک سونا وصول ہوگا اور اگر اس کا نصف فوج کو دیدیا جائے تو بہت کچھ انکی حالت درست ہو سکتی ہے۔ امیر نے فرمایا: ”کہیں مسلمانوں کو امان دی ہے اور قسم کھا چکا ہوں اب اس کے خلاف کوئی تاویل نہ کر دنگا“ اور فوراً ہرات سے کوچ کر دیا تاکہ وہ شیطان کے مکر و فریب سے بچیں اور پھر اس قسم کا ذکر نہ کریں کہ جو بغض معاہدے کا باعث ہو؟ دوسری منزل پر پہنچ کر اعیان سلطنت نے پھر وہی ذکر شروع کیا۔ اور کہنے لگے معلوم نہیں اس ملک پر ہمارا قبضہ ہے یا نہ ہے۔ اس حالت میں یہاں ناکام جانا مصلحت ملکی سے بعید ہے۔ لیکن امیر نے پھر وہی جواب دیا اور کہا کہ جس کا مطلق نے عمر و لیث کو تازیانہ تقدیر کے بل پر میرے سامنے دوڑایا اور اُسکو گرفتار کرادیا۔ وہ اسپر بھی قادی رہی کہ بغیر کسی قسم کی تاخت و تاراج کے میری فوج کا کفیل ہو جائے۔ یا یوسی کا

۱۷ شرح فرخ موجود ہستائیں روپیہ فی تولہ میں لاکھ پچیس ہزار روپیہ ہوا

جواب سنکر ارکان دولت رخصت ہو گئے، اور اُسی وقت یہ معاملہ پیش آیا کہ ایک کثیر غلٹانی نے
 میں تھی اور اس کی مرضعہ حامل کپڑوں کے اوپر رکھی ہوئی تھی کہ ایک چیل حامل کے بعلوں کو
 گوشت کا ٹکڑا سمجھ کر لے اُداری۔ چنانچہ اسی وقت سوار دوڑے گئے۔ اُنھوں نے چیل کا تعاقب
 کیا۔ جب وہ ایک جگہ جا کر ٹھہری تو سواروں نے اُسکو گھیر لیا اور حامل تہجے سے چھوٹ گئی
 لیکن اس جگہ کنواں تھا وہ اُس میں جا گری۔ چنانچہ ایک شخص (رسیوں کے ذریعے سے) کنویں
 میں اُتار آیا۔ تو معلوم ہوا کہ ایک دوسرا کنواں اُسکے اندر اور ہوا اور اس میں صندوق رکھے
 ہوئے ہیں، پاس جا کر دیکھا تو خزانہ نکلا۔ اور معلوم ہوا کہ سام مذکور بلخ سے بھاگ کر لوگوں کی
 نظروں سے بچتا ہوا پہاڑی راستے سے اس طرف آیا اور اس مقام پر خزانہ لاکر چھپا دیا۔ غرض کہ
 جعفر عمر ولایت کے خزانے کی اُمید تھی اور قہنہ کہ فوج رعایا سے ہرات سے وصول کرنا چاہتی
 تھی اُنکا دو چند مل گیا۔ اور یہ عہد و پیمان پر قائم رہنے کا صلہ تھا۔

تفرقہ مالی - ۲ اگر بادشاہ مالی مشکلات سے متروک ہو۔ مثلاً فوجی مصارف زمانہ جنگ میں
 یا اسی قسم کے دیگر اخراجات۔ اس وقت وزیر کو سعی کرنا چاہیے کہ عہدہ ذریعوں سے یہ مصارف
 کھل آئیں۔ بلکہ وزیر کی غیبت میں اگر کوئی خیر خواہ اُن تدابیر کا بادشاہ سے ذکر کر دے تو
 بہت ہی مناسب ہے۔

حکایت سلطان الپ ارسلان سلجوقی کا منجملہ خزانوں کے ایک مخزن قلعہ گئو تھا قلعہ
 نواح فراہان میں واقع تھا اور سلطان کی اس خزانے پر خاص توجہ تھی۔ چنانچہ جب کبھی

لہ فراہان جاکو فراہان بھی کہتے ہیں نواح ہمدان میں ایک مشہور گاؤں ہے، ابونصر صاحب سی گاؤں کا باشندہ تھا

خراسان سے عراق یا عراق سے خراسان جانیکا اتفاق ہوتا۔ تو اس خزانے کا ضرور ملاحظہ ہوتا تھا۔ اور اس میں جب قدر کی معلوم ہوتی اسکا فوراً مذاکرہ کر دیا جاتا تھا۔

چنانچہ دوسری مرتبہ جب دم پر فوج کشی ہوئی۔ اور فوجیں بمقام لے پہنچیں اس وقت فوج کی تنخواہ اور وظیفہ بانی تھے۔ اور چونکہ سلطان نے کئی بار فرمایا تھا کہ جب تک ممالک دم پورا قبضہ نہ ہو جائیگا کاپسی نہوگی اور کم سے کم تین برس تک ان ممالک میں رہنا پڑیگا۔ اس لیے مشورہ کامل کے بعد سلطان نے حکم صادر فرمایا کہ قلعہ گیو سے یہ مصارت ادا کیے جائیں۔

چنانچہ جب یہ ختم ہو گئی تو وہاں کے وقت سلطان نے نواح خرابان میں قیام کیا۔ اور فرمایا کہ یہ بڑا بیش قیمت ذخیرہ تھا اور اس میں سے کثیر رقم ٹھنکلی ہو۔ اور جب دفتر سے حساب پیش کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہاں لاکھ صرف ہو چکے ہیں۔ لہذا سلطان نے حکم دیا کہ یہ کمی فوراً پوری کی جائے چنانچہ سلطان کو پریشان دیکھ کر میں خیمے سے باہر نکل آیا۔ اور جاگے خالصہ کے ایک تو علم کی فہرت مرتب کر کے لٹکے نام یہ حکم بھیج دیا کہ ہر حال دس ہزار درہم (یہ جدید اضافہ داخل جمعیت نہ تھا بلکہ متفرقات سائر پر جمع تشخیص کر دی گئی تھی۔ جو بندوبست سے چھوٹی ہوئی تھی) بمبعا دو تین ماہ داخل کرے اور چونکہ منسل فصولوں (فصل زائد یا دو فصول) کی ادلے لگان کا زمانہ تھا لہذا بمبعا د کے اندر خزانہ عامرہ میں یہ رقم داخل ہو گئی۔

اس کے بعد میں ایک ضرورت سے لے چلا گیا۔ اور میری غیبت میں سعید حاجب نے موقع

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۷۸ حقیقت میں یہ ایک جھیل کا نام ہے جو ۱۲ میل کی لمبی چوڑی ہے۔ ابام خلیل میں یہ پانی سے بڑا رہتی ہے۔ اس کے بعد جب خشک ہو جاتی ہے تو نمک کا ذخیرہ چھوڑ جاتی ہے صفحہ ۳۷۹ جلد ۶ - بحکم -

بیان کیا۔ تو وہ از حد خوش ہوا اور خواجہ ابو علی شاداں کو کلمات خیر سے یاد کیا۔

دوسری شرط - ۲ بادشاہ کے ساتھ یہ بھی بھلائی ہو کہ اُسکے حق میں وزیر کی سعی سے نیک دعاؤں کا ذخیرہ ہوتا ہے۔ مگر یہ مقصد عدل و احسان کی فیاضی سے حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ بھی کوشش کرے کہ صفحہ ہستی پر سلطان کا ذکر جمیل باقی رہے۔ لیکن یہ بقائے دوام حسن سیرت، عدالت اور سچائی سے ممکن ہی جن بادشاہوں کا نام صفحات ایام شریعت پر اور وہ نیکی سے یاد کیے جاتے ہیں یہ وزیر کے عدل کی برکت کا نتیجہ ہے۔ اور اگر برعکس ہو تو خود ہی قیاس کر لو۔

اور یہ بھی قابلِ لحاظ ہو کہ بادشاہ کتنا ہی مہربان ہوتا ہم اُسکے لطف و عنایت پر کسی طرح اعتماد نہ کرنا چاہیے بلکہ جہان تک ہو سکے ان امور میں احتیاط کیجئے۔ اور جو اسباب بادشاہ کی مہربانی کا باعث ہوں اُسکے بڑھانے کی فکر کیجئے۔

وزیر کو ہمیشہ یہ شکر رکھنا چاہیئے کہ بادشاہ کا میلان خاطر کس جانب ہو اور جب معلوم ہو جا تو اپنی پوری قوت حصول مقصود میں صرف کرے، اس سعی سے بادشاہ رضامند ہوگا۔

تم جانتے ہو! کہ اُس بادشاہ حقیقی جل شانہ کی (حسن کی ذات میں غایت درجے کا استعنا، اور انتہائے مرتبہ کا تقدس ہی خوشنودی بھی بغیر اس سیرت کے میسر نہیں ہو سکتی ہی، چہ جائیکہ بادشاہ مجازی، جو فی نفسہ ہر قسم کی حاجت اور احتیاج رکھتا ہی؟

جب بادشاہ کی نیت مصلحت ملکی یا انصاف پسندی کے مغائر معلوم ہو تو اُسکو کھلے ہوئے لفظوں میں نصیحت نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ اوپری مثالوں اور نظائر سے نقصان و مضرت سمجھا دینا چاہئے۔

تاکہ بادشاہ کا ادب بھی قائم رہے اور اُس کے مزاج کا رخ بھی اُدھر سے اُدھر مچر جاوے۔

حکایت ایک زمانے میں سلطان الپ ارسلان کے عزیز ورشتہ داروں کا دربار میں مجمع ہو گیا تھا۔ اور اُن کے انعامات و مصارف کی وجہ سے خزانے پر بار پڑتا جاتا تھا۔

لہذا اُمراءے دربار کی یہ رسلے قرار پائی کہ ہر عزیز کو کسی نہ کسی ضلع کی حکومت پر بھیج دیا جائے اس کا رروائی سے اُن کو بھی فارغ البالی نصیب ہوگی اور سالانہ خراج بھی خزانہ شاہی میں داخل کرتے رہیں گے اور مصارف بھی گھٹ جائیں گے۔ اس راے کو سلطان نے بھی مصلحت منطور فرمایا۔ لیکن جب مجھ سے مشورہ کیا تو مجھے تامل ہوا۔ کیونکہ یہ وہ لوگ تھے جو نہ اصول حکومت سے واقف تھے اور نہ اُن کے اخلاق ہی عمدہ تھے (بلکہ وحشی ترکوں کا ایک گروہ تھا) میری رسلے میں اُن کی حکومت سے اُس ملک کی رعایا کی کامل بربادی و تباہی متصور تھی اور خزانہ اُن کے ہاتھوں میں دیدن آئندہ کی خرابیوں کا باعث تھا۔ لیکن چونکہ میں سلطان کے مستحکم ارادے سے واقف تھا۔ اس لیے تردد نہ ہوا کہ آیا سلطان سے صاف صاف اس معاملے کو کہوں یا نہ کہوں؟

جب جواب دینے میں وقفہ ہوا تو سلطان نے فرمایا کہ آخر اس مسئلے میں تمہاری کیا رسلے ہی؟ میں نے عرض کیا کہ اسی کا ہم شکل ایک ائمہ خلیفہ منصور عباسی کا یاد آگیا ہی وہ عرض کرتا ہوں علامہ اجمعیؒ کی روایت ہے کہ عمر بن عُمید بغداد کے مشہور شائخوں میں سے تھا۔ اور خلیفہ

ابو سعید عبدالملک بن علی بن اصمعیہ مشہور اجمعی بصری۔ لغت بخوار۔ اخبار فوارات کا امام ہے۔ ۲۳۰ھ میں پیدا ہوا۔ ۲۶۱ھ میں فوت ہو گیا۔ عربی علم لغت کا ایک محسّس اسی کی روایت سے مدون ہوا ہے۔ بلا کا ذہن تھا۔ علاوہ متفرق تصنیفوں کے شعائر میں شہرت رکھنے والا ہوا۔ شعائر تھے تصنیفات میں سے ۴۰ مفید کتابوں کی فہرست ابن خلکان میں ص ۲۰۶ ذکر ہے شعرا سے عرب صفحہ ۱۰۴۔

منصور عباسی اسکا مدد کیا۔ اور سلطنت کے تمام معاملات میں شیخ کے مشورے پر عمل کرتا تھا اور یہ وہ زمانہ تھا جبکہ تمام مملکت میں آل عباس حکمراں تھے۔ اور ہمیشہ انکے ظلم و ستم کی شکایتیں ہوا کرتی تھیں لیکن رشتے کے سبب سے خلیفہ منصور انکے تدارک میں مستی کیا کرتا تھا۔

اُسی زمانہ میں شیخ نے منصور کے مشورے اور اجازت سے براہ بیت المقدس حجاز کا سفر کیا جب شیخ قدس شریف پہنچ گیا۔ تو وہاں کی رعایا نے نبوت و سماجت شیخ کو ٹھہرایا۔ اس درمیان میں متواتر قاصد خلیفہ کے آئے۔ مگر شیخ نے بغداد کا قصد نہیں کیا۔ تب مجبور ہو کر خلیفہ نے اپنا ایک معتبر روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ حضور کی نسبت میرا یہ عقیدہ ہے کہ جو آپ کے دل میں ہر وہی آپ کی زبان پر ہوگا۔ لہذا ارشاد فرمائیے کہ بغداد سے بیزاری کا باعث کیا ہے؟ جب معتبر حق سفارت ادا کر چکا اور شیخ کی خدمت میں چند روز تک حضوری رہی تو ایک دن عرض کیا کہ بغداد جناب کا اصلی وطن ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ سفر کی غربت کو وطن کی مفارقت ترجیح دی گئی ہے؟ شیخ نے فرمایا کہ ”وقت طبع اور ضعف قلب میں مبتلا ہوں۔ اور وہاں ہمیشہ فریادی آیا کرتے ہیں۔ اب مجھ میں اسقدر قوت نہیں ہے کہ بالترتیب منصور سے اُس کی شکایت کروں، اور عدا کے ظلم سے مظلوموں کو بچاؤں۔ اور فی سبیل اللہ منصور کی خیر خواہی کا جسقدر خیال ہو اس اعتبار سے

لے ابو جعفر منصور دو اہم خلافت عباسیہ میں دوسرا تاجدار تھا۔ ۱۳۱ھ میں بعد انتقال اپنے بھائی سفاح کے تخت نشین ہوا۔ یہ خلیفہ نہایت بہادر، منتظم، اور شائق علم و کمال تھا۔ مریضین نے اسکو فاتح الخلفاء کا لقب دیا ہے۔ اسکے عہد میں ملک اور فرج کا باقاعدہ بندوبست ہوا ہے۔ مزاج کا سخت اور غریزہ تھا۔ انتہائے عمل کی وجہ سے دو اہم کلمات تھا۔ مگر اہل علم کے واسطے فیاض تھا۔ اسنے اس عقیدے پر بہت زور دیا کہ خلیفہ نائب خدا ہے۔ اسکے عہد کا مشہور واقعہ بغداد کی تعمیر ہے ۱۵۶ھ میں فوت ہوا۔

اشارتاً و گناہی کہتا ہوں مگر مقصود نہ اس پر التفات کرنا ہی اور نہ توجہ سے سننا ہی چند مرتبہ تنبیہاں میں لکھا کہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک ظالم اپنے طریقے سے دست کش نہ ہو مگر وہ دوسروں کو منع کر سکتا ہے کہ تم ظلم نہ کرو۔ اور جو شخص دفع ظلم پر قائم ہو کر تدارک نہ کرے وہ قیامت کے دن جواب دہ ہوگا اور سزا پائیگا۔ اور عالم آخرت میں سب سے بڑی حسرت کی یہ بات ہوگی کہ میں نے اوروں کے قصور میں سزا بھگتنا پڑے۔“

القصد خلیفہ کا معتمد واپس گیا۔ اور جب شیخ کا یہ واقعہ بیان کیا تو خلیفہ نے معتمد کو پھر واپس کیا اور بڑی معذرت کی اور پچھلے جرائم سے توبہ کی اور قول و قسم کے بعد کھلا بھیجا کہ آئندہ شیخ کی تمام تعریفوں اور اشارات پر فوراً عمل کیا جائیگا۔ اور جیسا کہ مریدوں کا دستور ہے۔ ہمیشہ شیخ کے مقصود کے مطابق عمل کریگا۔ شیخ محرم اور اکابرین قدس سے بھی سفارش کرائی کہ وہ حضرت کو دہلی بغداد کے لیے مجبور کریں۔ غرض خدا خدا کر کے عمرو بن عمید نے بغداد کا قصد کیا۔ اور جہدن تشریف لائے اسی دن خلیفہ زیارت کے واسطے حاضر ہوا۔ اور ادمر اُدھر کی باتوں کے بعد جو پچھلے زمانے میں پیش آئی تھیں، خلیفہ نے شیخ کے ہمراہیوں اور راستے کا حال دریافت کیا شیخ کی عادت تھی کہ وہ ہمیشہ پیادہ پا چلتا تھا، شیخ نے فرمایا کہ میرے ہمراہ اس سفر میں تین چار رفیق تھے۔ نہایت افسوس ہے کہ ان میں سے ایک ضائع ہو گیا۔ اور باقی خیر و عافیت سے منزل مقصود تک پہنچ گئے۔ جب ہم لوگ قدس شریف سے باہر نکل آئے تو ہر شخص اپنا اسباب خود اٹھائے تھا۔ لیکن وہ عزیز دوسروں کا بھی اسباب لیے ہوئے تھا۔ چند روز تک تو اچھی طرح چلا گیا لیکن ایک پڑاؤ پر جہاں پانی نایاب تھا وہ خستہ ہو کر گر پڑا۔ چونکہ

وہ ہمارا ہم سفر تھا لہذا اُس کی خاطر سے ہم بھی ٹھہر گئے۔ ہر چند اُس نے سمجھا یا کہ یہ منزل خطرناک ہی میرے واسطے آپ تکلیف نہ اُٹھائیں۔ بہر حال وہ اُسی جگہ رہ گیا اور معلوم نہیں کہ اسکا کیا نتیجہ ہوا۔ خلیفہ نے کہا اے شخص پر آپ کو افسوس کیوں آتا ہے جبکہ وہ اپنے ہی اسباب سے گراں بار ہو رہا تھا تو اُس نے دوسروں کا بار کیوں اُٹھایا۔؟

شیخ نے خلیفہ کا جواب سُن کر تبسم فرمایا اور کہا کہ الحمد للہ کیا خوب بات کہی۔

اب خلیفہ کو اپنی غلطی معلوم ہوئی اور متنبہ ہو گیا۔ اور ظالم عاملوں کے اختیارات چھین لیے اور آئندہ جب تک امانت و دہانت کی تصدیق نہ ہو جاتی۔ کوئی شخص ملکی عہدے پر مقرر نہ کیا جاتا۔

جب میں نے سلطان الپ ارسلان سے یہ واقعہ بیان کیا تب وہ سوچتا رہ گیا۔ پھر غصہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ عمر بن عبد خدا کا نیک بندہ تھا۔ مجھے اُس کا قول نہایت پسند ہے۔ اس کے بعد اپنے ارادے کو فسخ کر دیا۔

میرا مطلب اس تذکرے سے یہ ہے کہ جب کسی کام کا نفع و نقصان اچھی طرح سے سمجھا دیا جاتا ہے تو اُس کا نتیجہ ضرور مطلب کے موافق ہوتا ہے۔

وزیر میں اس قدر استعداد اور قابلیت ہونا چاہیے کہ اگر دربار شاہی میں کسی علم و فن کا ذکر چھڑ جائے تو وہ اُس میں بقدر ضرورت دخل رکھتا ہو۔ کیونکہ دربار عام میں بادشاہ یا کوئی درباری وزیر سے مخاطب ہو کر کوئی سوال کرے تو وہ جواب دینے میں عاجز نہ ہو۔ گو ندیم کے لیے یہ صفت ضروری ہی لیکن جبکہ دربار سے تعلق ہو اور خاص کر اُس شخص کے لیے جسکو متعدد مقدمات اور مہمت کے لیے سر دربار گفتگو کرنا پڑتی ہے بدرجہ اولیٰ واجب ہے۔

اگرچہ تمام کمالات حلیہ کا حاصل کرنا وزیر کے لیے لازم نہیں ہے۔ مگر وہ فن میں اعلیٰ درجے کا کمال ہونا ضروری ہے اور اُمور مالی و ملکی میں بغیر اسکے جا رہ نہیں ہے۔ اور وہ فن حساب و تیارِ نسخ ہے۔

حساب کی اُمور مالی میں جتنی رعایت ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ اور اس فن کے فوائد و نفعات بھی بدیہی ہیں

تیارِ نسخ کو تدابیرِ ملکی میں بہت کچھ دخل ہے۔ کیونکہ عالم اسباب میں کبھی کسی نئے واقعہ کا ظہور نہیں ہوتا ہی بلکہ وہی ہوتا ہی جو بار بار ہو چکا ہے اور جس کے نظائر موجود ہیں۔ اور چونکہ تپکھلے واقعات پر کام ہونے سے سمجھ ہوئے، سنے ہوئے ہوتے ہیں کہ فلاں کام کا خاتمہ یوں ہوا تھا۔ اور جب کوئی ویسا ہی معاملہ سامنے آجاتا ہے تو یقین رکھو کہ اسکا بھی انجام ویسا ہی ہوگا۔ مثلاً جس شخص کو شاہِ بخارا کی فوجی حالت اور الپ تگین کا حیدر معلوم ہے کہ کیونکر لشکرِ بخارا کو شکست ہوئی تھی تو

اسلحہ پورا وقتہ تاریخوں میں بتفصیل تحریر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ منصور سامانی کی پندرہ ہزار فوج نے الپ تگین کے سات سو سپاہیوں کا تعاقب کیا تھا۔ لیکن الپ تگین اسوقت کو ہندوکش کے ایک نئے میں مقیم تھا۔ الپ تگین نے دو سو جوان نئے پہلے لائے اور پانچویں کی پانچ صفیں بنا کر مقابلہ کیا اور میدان کا رزاز میں برائے نام مقابلہ کر کے قہر آئے کیجاں مع فوج کے چلا گیا منصور کے سپہ سالار نے تعاقب کا حکم دیا چونکہ درہ تنگ عمیق تھا۔ لہذا بڑا جھڑپ کا یوں شائع ہو گیا اور جو باقی رہے انکو پسپا کر دیا موقع نہیں ملا اور الپ تگین نے دہشتے کے اوپر سے تیرا دیہروں کی بارش شروع کر دی چنانچہ فوج باقی رہ گئی تھی وہ یوں بخت ہو گئی خواجہ کا مطلب یہ کہ جو اس واقعہ سے واقف ہوگا وہ ہرگز ایسی تنگ گھاٹی میں دشمن کے تعاقب کا حکم نہ دے گا۔ انتخابِ ننگ گھڑتا صفحہ ۱۱۰ حالات آل سامان۔ خواجہ نظام الملک نے بھی الپ تگین کے حالات میں اس لڑائی کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ غلام اور بلخ کے درمیان جو مشہور و معروف پہاڑی درہ ہے وہاں لڑائی ہوئی تھی اور سب سے زیادہ نمایاں کارروائی ایک تگین نے کی تھی جو الپ تگین کا نامور غلام تھا۔ سیاست نامہ باب ۲۷

ایسے موقع پر دشمن اُسکو شکست نہیں دیکتا ہی۔ اور اسی قسم کے اکثر نظائر ہیں۔ بہر حال گزشتہ تاریخ کے واقعات سے ملازماں شاہی کو (جنکو دربار سے تعلق رہتا ہو) بڑے فوٹو حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہی کہ ایک برجستہ مثال خود بادشاہ سے صدائے آفریں و نعرہ تحسین بلند کر دیتی ہو۔

حکایت رمضان المبارک میں، ناز عصر کے بعد سلطان الپ ارسلان کی مجلس میں نامور علماء کا مجمع ہوا کرتا تھا۔ اور مذاکرہ علمیہ کے بعد قریب افطار یہ جلسہ برخاست ہو جاتا تھا چنانچہ انہی دنوں میں امام جمال الدین جندی (یہ ماوراء النہر کے مشہور عالم تھے اور خاقان ترکستان کے دربار میں معزز عمدہ رکھتے تھے) بقصد سفر حجاز ترکستان سے مرو میں تشریف لائے ایک دن امام صاحب بھی مجلس میں شریک ہوئے اور قاضی مرو سے مباحثہ شروع ہوا لیکن بڑھتے بڑھتے مناقشے کی نوبت پہنچی مضمون زیر بحث تھا کہ الخالق، الباری المصنوع متحد بمعنی الفاظ ہیں۔ اور یہ دعویٰ امام صاحب کا تھا لیکن قاضی صاحب فرماتے تھے کہ ہر لفظ کے معنی الگ الگ ہیں۔ چنانچہ آداب مناظرے کیوناقی بحث ہو ہی تھی اور ہر فریق اپنے ثبوت میں دلائل عقلیہ اور نقلیہ بیان کر رہا تھا لیکن قطعی فیصلہ نہ ہوتا تھا اور بحث طول پکڑتی جاتی تھی۔ امام صاحب اپنے دعوے پر جے ہوئے تھے اور وہ آفرینندہ، بہت کمندہ اور نگارندہ کے معنی میں کسی قسم کی تفریق اور مغائرت نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن قاضی صاحب کا قول تھا کہ عدم مغائرت مانع مغائرت نہیں ہی۔ اور سلطان بھی قاضی کا طرفدار تھا۔ اور چاہتا تھا کہ قاضی کی جیت ہو جائے۔ (اگرچہ بحث کو اچھی طرح نہ سمجھتا تھا) جب میں نے سلطان کے

تور دیکھے تو عرض کیا کہ ”میتوں الفاظ کے معنی میں جو فرق ہو وہ ذیل کی مثال سے معلوم ہو سکتا ہو“

مثال سب سے پہلے جن بادشاہ کے سر پر تھرنے اپنا سایہ ڈالا وہ بہمن تھا۔ اور اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ جب بہمن اپنے باپ کے خون کا بدلہ لینے ملک نیمروز کو روانہ ہوا۔ تو یہ موسم گرمی دھوپ کا تھا اور شدت سے لوچلتی تھی۔ اور بعض بعض راستے حد سے زیادہ آتش انگیز تھے۔ اُسوقت بہمن نے حکم دیا کہ ایک سوار دائیں جانب سے اور دوسرا بائیں طرف سے میرے سر پر سایہ کر لے۔ اور دشیر (ایک نامور مصاحب) نے دیکھا کہ دو شخص اس ذریعے سے بادشاہ کے قریب ہوئے جاتے ہیں تب اُس نے حکم دیا کہ سپر بالائے نیزہ رکھ کر ایک شخص ہر کاب چلے پشتوں جو ایک نامور مہندس تھا اسے خیال کیا کہ سایے کے واسطے ایک جگہ کا تجویز کیجئے۔ چنانچہ سپر سے ملتا جلتا ہوا اُسے قبر بنایا۔ اسلئے مجازاً بہمن کو باری قبر (یعنی ہست کتندہ) اور آر دشر کو مصور (یعنی نگارندہ) کہنے لگے کیونکہ قبر کی خاص صورت کا خیال

۱۔ ملک نیمروز، ولایت ہجستان کا نام ہے جو کوعام طور سے سیستان کہتے ہیں۔ یہ ولایت اقلیم سوم میں واقع ہے جس میں متعدد شہر آباد ہیں، مگر عموماً ریگستان ہے۔ اس کا مشہور شہر زرنج ہے (ہرات کے جنوب میں) جس کی کثافت پہلوان نے آباد کیا تھا۔ اس کا فارسی نام زریک ہے اور چونکہ اس شہر کے متصل ریگ والے دریا تھا۔ لہذا ایک بے دست بند ریگ سے بچاؤ کے لئے بنادیا گیا۔ بہمن نے اپنے زمانہ سلطنت میں اس شہر کو ازسرنو آباد کیا اور مگستان نام رکھا۔ جو کوعوام شہرستان کہنے لگے۔ یہی لفظ عربی میں جا کر ہجستان اور فارسی میں سیستان بن گیا ہے اور کجیے ایک شہر کے نام ہونے کے پورا صوبہ اسی نام سے موسوم ہو گیا۔ انتخاب ازتر بہت القلوب حمدا سر مستوفی۔ تفصیل کے لیے دیکھو معجم البلدان جلد ۷ صفحہ ۳۷۷ و جلد ۶ صفحہ ۳۶۸

اسی کے دل میں پیدا ہوا اور شپوتن آفرینندہ قرار پایا۔

جب سینے یہ مثال بیان کی تو ساری مجلس نے نعرہ تحسین بلند کیا۔ اور سلطان الپ سلاں
 حد سے زیادہ خوش ہو۔ اور جب مجھ پر خاص مہربانی ہوتی تھی تو اُس کی یہ شناخت تھی کہ خواجہ
 علی شاداں کو ذکرِ نیر سے یاد کرتا تھا۔ چنانچہ اُس وقت بھی فرمایا کہ خواجہ علی پر خدا کی رحمت ہو
 تیسری شرط ۳۔ بادشاہ کے حفظِ مراتب کے متعلق چند امور بدلائل عقلی بیان کر چکا ہوں
 اب اس مسئلہ کے متعلق مختصر اُبان کرتا ہوں۔ کیونکہ ہر قسم کے فتنے جنکے اٹھنے کا اندیشہ
 ہو سکتا ہی اسکے بانی ہی لوگ ہوتے ہیں۔ ایسے اس طرف زیادہ توجہ رکھنا چاہیے۔ اور جن
 لوگوں کو بادشاہ کا قرب میسر ہو وہ حسب ذیل ہیں۔

بیگمات۔ (۲) شاہزادے۔ (۳) امیر الامرا (۴) باقی ملازمین۔ ان لوگوں کی موافقت کے نتائج
 اور مخالفِ گردہ سے احتراز کے شرائط اجمالاً و تفصیلاً بکثرت ہیں۔ لیکن شرط کلی اجمالی یہ ہے کہ
 نہ مات سلطنت میں اس درجہ استقامت اور سچائی ہو کہ کسی کو اعتراض کا موقع نہ ملے یعنی اگر
 کسی مقام پر چند اُجاب اُسکا تذکرہ کر رہے ہوں تو کوئی اُن پر یہ الزام نہ لگا سکے کہ فلاں بات
 تم جھوٹ کہتے ہو۔ اور نہ دشمنوں کو ایسا پہلو ہات آئے کہ وہ اپنے قول میں سچے نکلیں۔ اور
 خدا اُس وقت سے بچائے کہ اپنے ہوا خواہ مضرت کے درپے ہوں۔ اور دشمنوں کا عروج ہو۔
 خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص مسلکِ اُستی سے پھر جائیگا تو اُسکا یہی انجام ہوگا۔ یعنی وہ اُجاب
 کہ جو ہماری حالت کے سنوارنے کی فکر میں ہونگے وہ جھوٹے سمجھے جائینگے (اور یہ وال
 کی کھلی ہوئی علامت ہی) اور جو دشمن ہماری بُرائی چاہتے ہیں اور ہجو کرتے ہیں وہ پستے

مانے جائینگے (اور یہ بحال کی شناخت ہوگی) غرض کہ سچائی اور دیانت کا جب عالمگیر مشورہ ہو جاتا ہے تب دوستوں کو خیر خواہی کا بڑا موقع ملتا ہے۔ اور دشمنوں پر بداندیشی کا میدان تنگ ہو جاتا ہے۔ اس لیے اکثر معاملات کی بنیاد اسی اصول موضوعہ پر رکھنی چاہیئے کہ حصول مقاصد میں کامیابی ہونی چاہئے۔ مذکورہ بالا اصناف اربعہ کے شرائط کی تفصیل ترقیب و احسن بیان کے تحت

رعایت بیگیات حرم۔ ا۔ عہد قدیم میں اور خصوصاً شاہان عجم کے دور سلطنت میں بیگیات و خواتین حرم کو امور سلطنت میں کچھ دخل نہ تھا۔ اور نہ اُنے کسی امر میں مشورہ کیا جاتا تھا۔ لیکن خواتین ترکستان کا یہ قاعدہ تھا کہ وہ تمام امور میں بیگیات سے مشورہ کرتے تھیں اور بالآخر اُن کی رسلے سب پر غالب ہوتی تھیں۔ اور چونکہ سلاطین ترکمان بھی اُسی خاندان کے پروردہ ہیں لہذا وہ بھی انہی اصول کے پابند ہیں اس لیے بیگیات کی حمایت میں رہنا بہت ضروری ہے۔ اب رہی یہ بات کہ انہر قرضہ کیونکر ہو؟ اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ محل کی خواصوں سے ملتا جلتا رہے اور اُن کو انعامات سے خوش کرتا رہے۔ لیکن اس میں بھی یہ شرط ہے کہ عام طور پر نہ ملے بلکہ جسکو قرب اختصاص زیادہ ہو اُسے ملائے رکھے۔ اور کسی کو مطلق خبر نہ ہو۔ اور جسکے ساتھ احسان و سلوک کیا جائے وہ یہی سمجھے کہ مجھ سے زیادہ کوئی عزیز نہیں ہے۔ اس قسم کی فیاضی سے بڑے کام نکلتے ہیں۔ اور یہ فیاضی صرف اسی جگہ کام نہیں آتی ہے۔ بلکہ اصناف اربعہ میں ہر جگہ اور ہر شخص کے ساتھ مفید ہے۔ میں آگے چل کر اسی کی صراحت کروں گا۔

جب اس گروہ پر قرضہ ہو جائے تو دیکھو کہ وہ کونسے اسباب ہیں، جسکے سبب سے ہم پر مہربانیاں قائم رہ سکتی ہیں۔ اور معلوم ہونے پر اُسکے حصول میں کوشش کرو۔ اور جب

تھاری حمایت کرنے لگیں تو پھر آہستہ آہستہ اپنا رسوخ بڑھاتے جاؤ اور اس میں غفلت نہ کرو کیونکہ زمانہ سابق میں کیشہ ہوا ہی کہ بڑے بڑے امرا ایک ادنے کنیز کی فتنہ پر دازیوں کے مقابلے میں عاجز نہ گئے ہیں۔

حکایت سلطان محمود غزنوی کا ملک خوارزم پر جب پورا قبضہ ہو چکا۔ تو ارکان سلطنت کو حکم دیا کہ وہاں کی حکومت کے لیے جو شخص سب سے زیادہ قابل ہو اسکو پیش کر دو چنانچہ چند روز تک امر میں مشورہ ہوتا رہا۔ آخر سب سے بڑے سردار امیر التوناش نے ضمانت دے کر کہا کہ میں اپنے واسطے تحریک کرانی۔ لیکن بظاہر دبی زبان سے انکار کرتا رہا۔ اور چونکہ خواجہ احمد حسن میری کو امیر مذکور سے از حد محبت تھی لہذا اُس نے بھی اس رائے کو پسند کیا۔ اور عطاے سند میں ساعی ہوا۔ (کیونکہ امیر کی بھی دلی آرزو یہی تھی) لیکن سلطان کی جانب سے اس حکم کی منظوری میں سب کو تعجب تھا۔ کیونکہ التوناش امیر الامرا کے منصب پر فائز تھا۔ لیکن خوارزم چونکہ سب سے بڑا صوبہ تھا۔ اس لیے سلطان بھی راضی ہو گیا اور سند ولایت دیکر التوناش کو رخصت کر دیا۔

امیر التوناش اور امام ناصر الدین گرامی (غزنوی) کا ایک نامور رئیس (میں بڑی محبت تھی چنانچہ کچھ دنوں کے بعد امیر نے خوارزم سے ناصر الدین کی خدمت میں پیام بھیجا کہ مجھے شرف ملاقات کی از حد آرزو ہے مگر میرا غزین آنا نہیں ہو سکتا ہی لہذا بنظر حقوق محبت اور بقصد زیارت مقبرہ بزرگان خوارزم آپ ہی تشریف لائیں چنانچہ ناصر الدین کو بھی خوارزم کی سیر اور التوناش کی ملاقات کی آرزو تھی لہذا فوراً روانہ ہو گیا۔ امیر نے بڑے اعزاز سے لیا اور اپنا مہمان رکھا۔

ایک بن ناصر الدین نے امیر سے سوال کیا کہ ”جب سلطان کی عزت افزائی سے آپ کا آستانہ مرجع خلافتی تھا۔ اور وہ اعزاز بلحاظ مال و دولت و شہرت خوارزم کی حکومت سے تنگنا زیادہ تھا۔ تو پھر ایسے اقتدار کو چھوڑ کر ایک صوبے کی حکومت اختیار کرنے کا کیا باعث تھا؟ امیر التوتناش نے قسم کھا کر کہا کہ میرے معزز دوست یہ وہ راز ہے کہ جس کو میں آج تک اپنے عزیزوں سے بھی مخفی رکھا ہوں۔ لیکن آپ سے سچ سچ عرض کرنا ہوں۔ میں نے صرف جمیلہ قندھاری کی وجہ سے یہ حکومت اختیار کی ہے۔ اس وسیع سلطنت کا انتظام برسوں سے میرے ہاتھ میں ہی مگر تعین جانیے کہ اس عرصے میں خواتنظام میں کیا کروائے پٹ دیا لیکن جو سُنے کیا میں اُسکو درہم برہم نہ کر سکا۔ چنانچہ اس بیچ و تاب سے دنیا مجھ پر ایک بڑی تھی مگر مجھ سے کوئی تدارک نہ ہو سکتا تھا اور اسی وجہ سے میں نے گوشہ گیری اختیار کر لی ہے اب انشاء اللہ اُسکے شر سے محفوظ رہوں گا۔

یہ واقعہ تو بیگاتِ حرم کی مخالفت کی تائید میں تھا۔ اب انکی موافقت کے منافی بیان کرتا ہوں۔ جو شخص انکار نہیں ہے وہ گویا سب سے بڑا مرئی اور حامی رکھتا ہے اور یہ مسلم ہے کہ بادشاہوں کے دربار میں کسی کی حمایت اُس قدر مؤثر ہوتی ہے کہ جب قدر اُسکو بادشاہ کے مزاج میں دخل و تصرف ہوتا ہے۔ اور اس امر میں بیگات کے برابر کون ہو سکتا ہے؟ لہذا ان کی حمایت کی چار دیواری ایک چلتا ہوا تعویذ اور ان کی محافظت کا ایک گوشہ مستحکم قلعے کی برابر ہے۔ اور صحیح نظیر اس کی ذیل کا واقعہ ہے۔

حکایت سلطان محمود کا مزاج اخیر زمانے میں خواجہ احمد حسن سے بگڑ گیا تھا۔ اور خواجہ پر

ہر طرف سے دشمنوں کا زخم تھا چنانچہ اس دور انقلاب میں خواجہ حسک میکال وزارت کا امیدوار تھا۔ اور ہر روز یہی خبریں اڑا کرتی تھیں کہ میکال کا بجائے خواجہ احمد قمر ہو گیا۔ مگر چونکہ سلطان کی نئی بیگم مشہور بہ ”ہمد چگل“ (ریخان ترکستان کی بیٹی تھی) خواجہ احمد کی حامی تھی۔ اسوجہ سے کوئی نقصان نہ پہنچتا تھا۔ جمیلہ قندھاری جو ہمد چگل کی ایک خواص تھی اسکی مدد سے خواجہ مدتوں بلاؤں سے محفوظ رہا۔ اور امیر التو تاش جبکہ لوگ ایسے سیکٹنگ کا قانقہ سمجھتے تھے جب کبھی خواجہ کے مقابل ہوتا شکست پاتا تھا۔

جن ایام میں کہ سلطان نواح کابل میں خیمہ زن تھا۔ انہی دنوں میں خواجہ احمد بعض مہمات سلطنت کے انصرام کے لیے غرض گیا ہوا تھا وہاں معلوم ہوا کہ ایک قافلہ خریداری پشینہ کے لیے ترکستان جا نوالا ہی۔ اور شروع موسم سرما میں غزنیں لوٹ آئیگا۔ چنانچہ خواجہ نے محض اس خیال سے کہ ہر سال خاندان کے لیے بہت سے اونچی کپڑوں کی ضرورت پڑتی ہے یہ ارادہ کیا کہ اپنا ایک معتمد قافلے کے ہمراہ بھیج دیا جائے۔ اور وہ غزنیں سے چند اقسام کا مال ترکستان لے جائے اور اُسکے معاوضے میں وہاں سے پشینہ خرید کر لائے تو

۱۵ سلطان محمود کے دربار کا ایک نامور امیر جو حکانام ابو علی حسن بن محمد ہی۔ مگر تاریخ میں حسک میکال کے نام سے مشہور چنگ میکال خاص سلطان کا پروردہ تھا۔ سلطان اس کی شیریں کلامی، لطیفہ گوئی، اور حاضر جوابی سے بہت خوش رہتا تھا۔ خواجہ احمد کا سخت دشمن تھا۔ چنانچہ خواجہ کی معزوری کے بعد وزیر ہوا اور سلطان کی حیا تک زیر رہا۔ کفایت سفاری اسکا خاص اصول تھا۔

۱۶ چگل کبیر ترین چنانچہ شاعر کہتا ہے۔ ایں لالہ رخاں کہ اہل شاہان از چگل بہت۔ یار کے سرشت پاک شاہان از چگل بہت۔ ترکستان کا مشہور شہر ہے۔ نہر حسن اور تیر اندازی میں ضرب المثل ہے۔ ہمد چگل سلطان محمود کی بیگم کا لقب تھا۔

فائدے سے خالی نہ ہوگا۔

چنانچہ خواجہ نے انتخابی اور تجارتی اسباب اپنے معتمد کے ہمراہ روانہ کر دیا۔ مگر مغزوں نے اسی دن خواجہ حنک سے اطلاع کی۔ اور اُس نے التوتناش کے گوش گزار کر دیا۔ یہ خوشخبری سکر التوتناش پھر اک اٹھا اور خواجہ حنک سے لکھا کہ احمد کی ذلت اور رسوائی کے واسطے اس الزام سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے؟ کیونکہ وہ روزانہ فخریہ بڑ لگایا کرتا ہے کہ مجھے دینی امور سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور جقد رہی وہ صرف سلطان کی مصلحت کی وجہ سے ہے۔ اور اب حضرت تجارت کی غرض سے قافہ روانہ کرتے ہیں۔ مگر خوب تحقیق کر لو، ایسا کہ جھوٹی خبر ہو، اور اُلٹی مذمت اُٹھانا پڑے۔ خواجہ حنک نے کہا نہیں یہ بالکل سچی بات ہے۔ لہٰذا یہ فیضہ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ راز کھلجاتا تو خواجہ احمد کو ایسی شکست ہوتی کہ پھر اُس کا دفعیہ دشوار تھا۔

غرض کہ جب خواجہ کو یہ حال معلوم ہو گیا تو اُس نے جمیلہ خاتون سے صاف صاف کہہ دیا (اب ان دونوں کے ملنے جلنے کا حال سنو، کبھی تو ایسا ہوتا کہ سال میں صرف ایک بار ملاقات ہوتی تھی اور کبھی دن میں دس مرتبہ اور پھر کسی کو معلوم نہ ہوتا تھا کہ کون آیا اور کون گیا) چنانچہ جمیلہ نے خواجہ سے کہلا بھیجا کہ آپ مطمئن رہیں اس سازش کا توڑ بہت آسان ہے اور خود بیگم سے جا کر سارا قصہ کہہ دیا۔ جب بیگم نے پوچھا کہ کیوں جمیلہ؟ اب اس کی تدبیر کیا ہے۔ تو عرض کیا کہ ایک فہرت مرتب کیجئے اور جو اسباب خواجہ نے اپنے معتمد کو دیا ہے وہ بطور تحفہ و ہدیہ کسی کسی شخص کے نام نامزد کر دیا جائے۔ اور علاوہ اسکے چند چیزیں

ہر طرف سے دشمنوں کا زخم تھا۔ چنانچہ اس دور انقلاب میں خواجہ حسنگ میکال وزارت کا امیدوار تھا۔ اور ہر روز یہی خبریں اڑا کرتی تھیں کہ میکال کا بجائے خواجہ احمد قریب ہو گیا۔ مگر چونکہ سلطان کی نئی بیگم مشہور بہ ”ہند چگل“ (یہ خان رگستان کی بیٹی تھی) خواجہ احمد کی حامی تھی۔ اسوجہ سے کوئی نقصان نہ پہنچتا تھا۔ جمیدہ قندھاری جو ہند چگل کی ایک خواص تھی اسکی مدد سے خواجہ مدتوں بلاؤں سے محفوظ رہا۔ اور امیر التوتناش جبکہ لوگ یہی کہنگیل کا قائم سمجھتے تھے۔ جب کبھی خواجہ کے مقابل ہوتا شکست پاتا تھا۔

جن ایام میں کہ سلطان نواح کابل میں خیمہ زن تھا۔ انہی دنوں میں خواجہ احمد بعض مہات سلطنت کے انصرام کے لیے غزنی گیا ہوا تھا وہاں معلوم ہوا کہ ایک قافلہ خریداری پشیمینہ کے لیے ترکستان جانوالا ہی۔ اور شروع موسم سرما میں غزنیں لوٹ آئیگا۔ چنانچہ خواجہ نے محض اس خیال سے کہ ہر سال خاندان کے لیے بہت سے اونٹنی کپڑوں کی ضرورت پڑتی ہی یہ ارادہ کیا کہ اپنا ایک معتمد قافلے کے ہمراہ بھیج دیا جائے۔ اور وہ غزنیں سے چند اقسام کا مال ترکستان لیجائے اور اُسکے معاوضے میں وہاں سے پشیمینہ خرید کر لائے تو

۱۔ سلطان محمود کے دربار کا ایک نامور امیر جو جکانام ابو علی حسن بن محمد ہی۔ مگر تاریخ میں حسنگ میکال کے نام سے مشہور ہو چکا میکال خاص سلطان کا پروردہ تھا۔ سلطان اس کی شیریں کلامی، لطیفہ گوئی، اور حاضر جوابی سے بہت خوش رہتا تھا۔ خواجہ احمد کا سخت دشمن تھا۔ چنانچہ خواجہ کی معزولی کے بعد وزیر ہوا اور سلطان کی حیات تک زیر رہا۔ کفایت شغاری اسکا خاص اصول تھا۔

۲۔ چگل کبوترین چنانچہ شاعر کہتا ہے۔ ایں لالہ رفاں کہ اصل شاں از چگل است۔ یار کے سرشت پاک شاں از چگل است۔ ترکمان کا مشہور شہر ہے۔ یہ شہر حسن اور تیر اندازی میں ضرب المثل ہے۔ ہند چگل سلطان محمود کی بیگم کا لقب تھا۔

فائدے سے خالی نہ ہوگا۔

چنانچہ خواجہ نے انتخابی اور تجارتی اسباب اپنے معتمد کے ہمراہ روانہ کر دیا۔ مگر مخبروں نے اُسی دن خواجہ جنک سے اطلاع کی۔ اور اُس نے التوتاش کے گوش گزار کر دیا۔ یہ خوشخبری سُکر التوتاش پھر اُٹھا اور خواجہ جنک سے کہا کہ احمد کی ذلت اور رسوائی کے واسطے اس الزام سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے؟ کیونکہ وہ روزانہ فخریہ بڑھایا کرتا ہے کہ مجھے دنیوی اُمور سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور جقدر ہی وہ صرف سلطان کی مصلحت کی وجہ سے ہے۔ اور اب حضرت تجارت کی غرض سے قافلہ روانہ کرتے ہیں۔ مگر خوب تحقیق کر لو، ایسا نہ کہ جھوٹی خبر ہو، اور اُلٹی ندامت اُٹھانا پڑے۔ خواجہ جنک نے کہا نہیں یہ بالکل سچی بات ہے۔ (آخر یہ برقیہ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ راز کھلجاتا تو خواجہ احمد کو ایسی شکست ہوتی کہ پھر اُسکا دفیعہ دشوار تھا۔

غرض کہ جب خواجہ کو یہ حال معلوم ہو گیا تو اُس نے جمیلہ خاتون سے صاف صاف کہہ دیا (اب ان دونوں کے ملنے جلنے کا حال سنو، کبھی تو ایسا ہوتا کہ سال میں صرف ایک بار ملاقات ہوتی تھی اور کبھی دن میں دُل مرتبہ اور پھر کسی کو معلوم نہ ہوتا تھا کہ کون آیا اور کون گیا) چنانچہ جمیلہ نے خواجہ سے کہا بھیجا کہ آپ مطمئن رہیں اس سازش کا توڑ بہت آسان ہی اور خود بیگم سے جا کر سارا قصہ کہہ دیا جب بیگم نے پوچھا کہ کیوں جمیلہ؟ اب اس کی تدبیر کیا ہے۔ تو عرض کیا کہ ایک فہرست مرتب کیجئے اور جو اسباب خواجہ نے اپنے معتمد کو دیا ہے وہ بطور تحفہ و ہدیہ کسی نہ کسی شخص کے نام نامزد کر دیا جائے۔ اور علاوہ اسکے چند چیزیں

یہی بھی بھیج دی جائیں کہ جو خاص بیگیت کے پناہ سے تعلق رکھتی ہیں اور ایک دوسرے راستے سے چیزیں راتوں رات پہنچا دی جائیں۔ اور زبانی پیام دیا جائے کہ جب امیر التوتناش کے سپاہی اس قافلے کو راستے سے واپس کریں تو چپ چاپ چلے آئیں۔ لیکن دربار میں پہنچ کر میر قافلہ ظاہر کرے کہ میں سلطانہ مہد چکل کا فرستادہ ہوں۔ اور جو تحائف خواتین کے نامزد ہیں وہ مع تحریر کے سلطان کے روبرو پیش کر دے۔

المختصر خواجہ جنک کے یقین لانے پر التوتناش نے سلطان سے حسب ذیل گفتگو کی۔

سلطان۔ (التوتناش کی گفتگو سن کر) ایسا ہنوک خلاف واقع ہو

التوتناش۔ نہیں! میں نے خوب اطمینان کر لیا ہے معاملہ مطابق واقعہ کے ہے

سلطان۔ اس واقعہ کی سچائی کیونکر ظاہر ہو سکتی ہے۔

التوتناش۔ اگر زمان عالی شرف نفاذ پائے تو تاجر جمع مال کے دربار میں حاضر کر دو

سلطان۔ بہت خوب۔

چنانچہ حکم ہوتے ہی التوتناش نے ایک افسر قافلے کے واپس لانے کے لیے روانہ کیا

اور وہ قافلے کو واپس لایا لیکن افسر قافلے نے راستے میں حسب ہدایت کچھ نہ کہا اور جب

حاضر دربار ہوا تو چیخ اٹھا کہ میں فرستادہ سلطانہ ہوں اور لفاظہ سر بھر پیش کیا۔ اور مقنعہ اور

حائل وغیرہ جو خاص عورتوں کی چیزیں ہیں وہ ملاحظہ کرائیں۔ اسوقت امیر التوتناش کی عبت

کو از حد شرمندگی ہوئی۔ اور سب کے سب خوف زدہ ہو گئے اور اُنے کوئی بات بتائے نہ بن

پڑی۔ جب سلطان محل میں تشریف لے گئے تو مہد چکل بزم مو گئی اور تیوریاں چڑھا کر بولی کہ

برسوں کے بعد میں نے اپنے عزیزوں کو تجھ ایسے سلیل تختہ دربارہ بادشاہ کی طرف سے چند معمولی تحائف بھیجے تھے اور اُس پر بھی میرے بھیجے ہوئے آدمی کو یوں خجالت اور مذمت اٹھانا پڑا اور میری حائل اور مقنوعہ ب کے سامنے کھولا گیا۔ اور اسی قسم کی بہت سی الٹی سیدھی باتیں سنائیں۔

سلطان بیگم کی تقریر سے بہت متاثر ہوا اور اسی حالت میں اس جماعت کے قتل کا حکم صادر فرمایا (جو اس قسم کے بانی تھے) لیکن چونکہ بیگم کو یقین تھا کہ یہ لوگ بیگناہ ہیں۔ لہذا اُسے بھی یہ گوارا نہوا کہ خون ناحق ہوں۔ اور سلطان سے کہہ دیا کہ ان لوگوں سے آئندہ اور بھی بہت سے قصور سرزد ہونگے۔ لہذا مجھے منظور نہیں ہے کہ میرے باعث سے قتل کیے جائیں۔ غرض التو تاتش کو بہت بڑی زک ملی اور خواجہ جنک بھی ذلیل و رسوا ہوا۔ اُس پر طرہ ہوا کہ وہ ماجر ٹپے زک و احتشام سے ترکستان کو روانہ کیا گیا۔

اس مثال سے تنکو واضح ہوا ہو گا کہ بیگمات کی حمایت کے کیا کچھ نتائج ہیں۔

رعایت شاہزادگان عالی تبار۔ ۲ عقل و تجربے سے ثابت ہو چکا ہے کہ شاہزادوں کی رضامندی اور ناراضی پر وزیر کا لفع و نقصان موقوف ہے (خواہ اس کا ظہور کسی وقت میں ہو) ان کی ذرا سی توجہ اور التفات خاطر سے بڑے فائدے ہوتے ہیں۔ اور ادا نے تغیر مزاج سے دیے ہی نقصان پہنچ جاتے ہیں۔

گو سلاطین بہت دیر میں کسی وجہ سے علانیہ شاہزادوں کو حکمرانی اور اختیارات میں پوری آزادی نہ دیں لیکن اس میں شبہ نہیں ہے کہ درپردہ انہی پر نظر رہتی ہی۔ کیونکہ یہی ملک و مال کے

وارث ہوتے ہیں اور جبکہ عالمہ خلائی میں یہ صفت پائی جاتی ہے تو بادشاہوں میں تو بدرجہ اولیٰ ہونا چاہیئے۔

اس گروہ کی محافظت کا محمل قاعدہ یہ ہے اور احتیاط اور رواندیشی کا مقتضای بھی یہی ہے کہ سب چھوٹے بڑوں کی اطاعت کرتا رہے۔ بلکہ چھوٹوں کی خاطر داری کی کچھ اور بھی خاصیتیں ہیں۔ کیونکہ بادشاہ ان کی خاطر داری کو عین محبت سمجھتا ہے اور کسی قسم کے خوف اور امید کا خیال نہیں کرتا ہے (خصوصاً وہ بچہ جو خود بادشاہ کا لادلا اور منظور نظر معلوم ہو)

بادشاہوں کے بچے بہت جلد بڑے ہو جاتے ہیں اور خدا نکرے کہ وہ کسی سے ناراض ہو جاتے یہ کم سن بچے کیونکر رضا مند رکھے جائیں۔ اسکا کوئی کلیتہ قاعدہ نہیں ہے بلکہ جیسا زمانے کا چلن ہو اُس کی پیروی کی جائے۔ البتہ جوشا ہزارے بڑے ہوں انکے حصول مقصد میں جہان تک ممکن ہو کوتاہی نہ کرنا چاہیئے جس پسینہ کی انھیں ضرورت ہو وہ ان کی مجلس میں پہنچ جائے اگر گل نہ ہو تو جزدہی سہی۔ اور وہ بھی اس خوبصورتی سے کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہماری فرمائشات کی تعمیل میں مضائقہ کیا جاتا ہے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صورت میں زیادہ فائدہ ہوگا۔ لیکن دوسری صورت بہت مفید ہے کیونکہ اول میں گونوائے ہیں مگر برائیاں بھی ہیں۔ بخلاف دوسری صورت کے۔

دوسری شکل ان کی رضامندی کی یہ ہے کہ جو نوکر مونہ لگے ہوں اور جن کی باتیں بقدر انکے اعزاز کے سنی جاتی ہوں انکو اپنی فیاضیوں سے خوش رکھا جائے (جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جہان تک ممکن ہو شاہزادوں کی خوشنودی مزاج کی فکر رکھے اور موجبات

ملاں سے الگ تھلگ ہے۔“

حکایت سلطان محمود غزنوی اپنے بیٹے مسعود سے اکثر ناراض رہا کرتا تھا۔ خواجہ احمد حسن اگرچہ اس حسن و ملاں کو پورے طور سے دفع نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن اُس کی صحت بھی سے زیادہ بھی نہ ہونے پاتا تھا۔ اور تمام سال میں ایک مرتبہ بھی خواجہ کی مسعود سے ملاقات نہ ہوتی تھی، مگر باوجود اسکے کوئی دن ایسا نہ تھا جس میں خواجہ کو مسعود کی رضا مندی کا خیال نہ رہتا تھا۔ جب خواجہ معزول ہو گیا۔ تو اس کی جگہ حنک میکال مقرر ہوا۔ لیکن یہ نوجوان محض ناتجربہ کار تھا اور اسکو یہ بھی غور تھا کہ میں سلطان کا طرفدار ہوں۔

سلطان کا مزاج اگرچہ مسعود سے برہم تھا مگر بد توں کسی کو معلوم نہ ہوا۔ مگر شاہزادہ محمد کی لیجی پر یہ راز ٹھل گیا۔

مذہبے بیان یہ ہے کہ حنک میکال نے مسعود کی خوشنودی مزاج کی کچھ پروا نہ کی۔ اور شاہزادے کے ماتحتوں اور جاگیر کے ٹھیکہ داروں کو تنگ کرنے لگا اور جیسا کہ عدالت دیکھا

۱۔ سلسلہ وزراء اسلام میں احمد بن حسن یمنی بھی نہایت نامور وزیر گزرا ہے۔ سلطان محمود نے اس کی ماں کا دودھ پیا تھا۔ خواجہ احمد اب اسے شاہزادہ مسعود کا طرفدار تھا۔ لیکن وزارت کے ۱۸ برس بعد جب شاہزادہ محمد کی ولیعهدی ہوئی تو عام طور پر یہ ثابت ہو گیا کہ دراصل خواجہ، شاہزادہ محمد کا بدخواہ ہے۔ ایسے امیر التوینا شمس علی خویش وند، اور حنک میکال وغیرہ نے جو دربار میں امیر الامرا کا درجہ رکھتے تھے اپنی متفقہ کارروائیوں سے سلطان محمود اور خواجہ احمد میں بگاڑ کرادیا۔ اور آخر کو سلطان سخت ناراض ہو گیا۔ مگر حمایت ہمدچکل سے خواجہ کو نقصان نہیں پہنچا۔ لیکن باہمی عداوت کا نتیجہ آخر کو ظاہر ہوا اور خواجہ قلعہ کا بغیر قید کر دیا گیا۔ اور حنک میکال وزیر ہوا۔ خواجہ احمد اُن بالکمال و زرا میں ہے جس کی مستقل سوانح عمری لکھی جاسکتی ہے۔

دستور ہی ہر معاملے میں جھگڑے پیدا کر دیے، جس سے مسعود رنجیدہ ہو گیا۔ انھیں دلو کا واقعہ ہے کہ ہندوستان کے کسی راجہ نے ایک تلوار بطور تحفہ روانہ کی شہزادے نے اپنی مجلس میں اس کی بڑی تعریف کی اور فرمایا کہ یہ نہایت تیز اور جوہر دار ہے اور لوہے کو کاٹ جاتی ہے۔ جب درباری رخصت ہو گئے اور چند مصاحبے گئے تو اُس نے پوچھا کہ یہ تلوار کس لائی ہے؟ کسی نے کہا کہ جہاد کے لیے، کسی نے کہا کہ اعدائے دولت پر وار کے لیے موزوں ہے۔

غضکہ ہر ایک نے ایک بات کہی شاہزادے نے کہا "میراجی چاہتا ہے کہ صبح کو کمرے سے باہر ہوں اور جب جنگ سلام کے لیے حاضر ہو تو اُس کے سر پر ایسا بات گھاؤں کہ سینے تک کاٹتی ہوئی چلی جائے سلطان قصاص میں مجھے مار ڈالنے سے ہے اور اس پر پوچھے طو سے آمادہ ہو گیا لیکن ہم نشینوں نے بہت عرض کیا کہ اس قتل سے فتنہ اُٹھ کھڑا ہو گا۔ اور معلوم نہیں کہ سلطان کس درجہ برہم ہوں لہذا اس فعل کا اقدام کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

جب خواجہ احمد حسن تک یہ واقعہ پہنچا تو اُس نے کہا کہ خدا نے بڑا فضل کیا۔ اور خیر ہو گئی۔ کیونکہ عزت اور دولت تو اول ہی رخصت ہو چکی تھی جسم میں ابھی جان باقی تھی وہ خواجہ جنگ کے نذر ہو جاتی۔ غضکہ تھوڑے زمانے میں سلطان محمود غزنوی کا انتقال ہو گیا اور سلطان محمد تخت و تاج کا مالک ہو کر بمقام غزنیں سر ریائے حکومت ہوا۔ باپ کے انتقال کے وقت مسعود اصفہان میں تھا۔ فوراً آیا اور بجائی سے آمادہ پیکار ہو گیا۔

سلطان مرحوم کے ارکان نے مسعود کو حکمرانی کے لیے زیادہ موزوں سمجھا ایسے شہزادہ محمد کو خود ہی گرفتار کر کے ایک قلعہ میں قید کر دیا۔ اور ہر ات تک مسعود کے استقبال کے لیے

گئے۔ اور شہزادے کے پہنچنے کے بعد حکم میرکال جیسے ہی گھوڑے سے اتر اظہار ان مسعود نے اسکو سولی پر چڑھا دیا۔ اور خواجہ احمد حسن کو وزیر مقرر کر دیا۔ گو یہ وزارت زیادہ مدت تک قائم نہ رہی۔ مگر خواجہ کا اعزاز بہت بڑھ گیا۔

خواجہ کبیر کہہ کرتا تھا کہ احمد شہزاد میری حکومت کا خاتمہ ایسا ہوا کہ دوستوں کو خوشی کا اور دشمنوں کو غم سے گھٹنے کا موقع ملا۔

نتیجہ اس تہید کا یہ ہوا کہ شہزادوں کی مہربانی کا ثمرہ اور ان کے قہر کا نتیجہ یقینی ملتا ہی ہو کہ کتنا ہی نام گزر جائے۔

امیروں کی خاطر تواضع - ۳ جس زمانے سے سلطنت کی بنیاد پڑی اس وقت سے یزید گردو کے عہد تک مالی اور ملکی تدابیر وزیر کیا کرتے تھے۔ اور صرف وزیر و سرابا دشاہ یا اسکا قائم مقام ہوا کرتا تھا۔ اور یہ اقتدار خواہ ایک وزیر ہو یا دو انہیں میں محدود رہتا تھا۔ لیکن سلاطین ترک کے عہد میں امور سلطنت کے دو حصے ہو گئے ہیں۔ پس جس گروہ کے مالی انتظام سپرد ہے وہ اُمرا کھلاتے ہیں اور جس فرقے کے ملکی اہتمام سپرد ہو وہ وزرا کھلاتے ہیں۔

خواجہ احمد حسن نے سلطان محمود کے عہد میں قدیم اصول پر عملدرآمد کیا تھا۔ اور تائمی امور سلطنت میں وزیر اعظم کا سپرد تھا۔ چنانچہ ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ سلطان محمود نے سفر کا قصد کیا، علی خوشاوند، ارسلان حاجب و سکتگین حاجب کو جو اس کیسیر کا درجہ رکھتے تھے مشورے کے واسطے طلب کیا۔ علی خوشاوند نے جوان میں سے بالاتر تھا، عرض کیا کہ ہم لوگ اہل سیف ہیں تدبیر مملکت کیا جانیں؟ اگر حکم ہو

دہکتی ہوئی آگ میں گر پڑیں، بہتے دریا میں کود پڑیں، ہوا میں گرہ لگا دیں۔ پہاڑ کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیں۔ لیکن سفر کے معاملے میں حضور خواجہ سے مشورہ فرمائیں یہ اُس کا کام ہے۔ باوجود اس وقار کے امرا کی عداوت سے خواجہ کی وزارت کا ڈھبچڑھیل پڑ گیا تھا۔ ایسے ضرورت ہی کہ امرا کی اعزاز و تکریم میں بقدر ان کے مراتب کے کوتاہی نہ کی جائے۔ گو بادشاہ قوت کی عنایت بھی شامل حال ہوتا، تاہم عاقبت اندیشی کا تقاضا یہ ہے کہ معاملات میں اُن سے رجوع کرتا رہے۔

یہ آداب وزارت میں داخل نہیں ہے کہ دربار شاہی کے سوا وزیر کیسے لڑ جائے۔ لیکن پھر بھی کبھی نہ کبھی کسی مہم سلطانی کا حیلہ کر کے کسی امیر کے گھر جانا چاہیئے۔

دوسرے یہ کہ خفیہ طور پر جہانگیر کے محکمہ ہوسائے حالات سے واقفیت پیدا کرے لیکن امرا کے جمع خراج کے جو ذریعے ہوں انکی فکر نہ کرے اور حتی الوسع ٹال جائے۔

تیسرے یہ کہ سب کے سامنے امرا کے قصور نہ بیان کیے جائیں۔ اور خدا بخواتمہ اگر ضرورت آپڑے تو اپنی زبان سے کچھ نہ کہے بلکہ خوشنما پیرائے میں بلطائف اخیل کہہ گزے اور حتی الامکان نرمی کا برتاؤ رکھے۔

چوتھے درجے کے امیر مول انکو اعلیٰ خدمتیں برابر دی جائیں۔ اور فائدوں کے دروازے ان پر بند نہ کیے جائیں۔ اور جہانگیر ہو سکے اُن سے نہ اُبھجے۔ اور اگر اتفاقاً کوئی اُن میں سے مقابلے پر جائے تو بجائے سختی کے نرمی سے تدارک کیا جائے۔

دوسرے یہ بھی ضرور ہے کہ بلا سبب عداوت نہ پیدا کرے۔ اور نہ اُنکی خرابی کے درپے ہو،

خصوصاً ایسے امیر سے جو قابلیت اور مرتبے میں ہم پلہ ہو۔

جسکو خدا نے عظمت و عزت دے رکھی ہو اُس کی ہر اداسے شائستگی ٹپکتی ہو۔ اور کبھی ایسوں عداوت بھلپتی نہیں ہی اور تجربہ ہو چکا ہو کہ خود محرک عداوت کو اسکا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہو۔ اور فریق مخالف دولت معاشرت سے مالا مال ہو جاتا ہو۔ جسکی ٹھیک نظیر وائشلیہم ہندی کا واقعہ ہو۔

حکایت سومنات کی فتح کے بعد سلطان محمود کا ارادہ ہوا کہ ایک سال تک وہاں قیام کرے۔ کیونکہ یہ ایک وسیع ملک تھا۔ اور قطع نظر اذ اطنا در و نایاب اشیاء کے نواحِ سومنات میں سونے کی کانیں تھیں اور سراندیپ؟ تمام ہندوستان میں یا قوت کا معدن تھا وہ سومنات کی قسمت میں تھا۔

ارکان دولت نے عرض کیا کہ خراسان کا ملک جتنی بڑی لڑائیوں کے بعد قبضے میں آیا ہو اُس کو چھوڑ کر سومنات کو دارالسلطنت بنانا مناسب نہیں ہو۔ چنانچہ سلطان نے واپسی کا غم کیا۔ لیکن اُسے پوچھا کہ اس ملک کی حکومت کا کیا انتظام کیا جائے؟

سب نے کہا کہ غیر قوم کی حکومت کو استحکام نہوگا۔ لہذا اس دیس کے راجاؤں میں سے کسی کو تفویض کر دیا جائے۔ چنانچہ اس تجویز پر شورہ ہونے لگا۔ بعض نے عرض کیا کہ حسبِ نسب کے لحاظ سے ملکی سرداروں میں کوئی وائشلیہم کی برابری نہیں کر سکتا ہو۔ اور ابھی ایک شخص ان میں

۱۵ سومنات = جزیرہ مانجکرات کا ٹھکانہ دارا کے جنوبی کنارے پر سومنات ایک بہت بڑا شہر تھا جو سومنات ڈوتا کے نام سے مشہور تھا اور سومنات کی صورت ایک عالیشان قلعے کے اندر تھی۔ جسکا ایک ایک بچ سر ہنگ تھا اور دریا کی لہریں قلعے کی ہر وقت قدم بوسی کیا کرتی تھیں۔ عہدِ قدیم میں سومنات دیوتا کا مندر ہندوستان کا سب سے مشہور تیرتھ تھا۔ چندر گپتن اور سوریج گپتن کے ایام میں دو دو تین تین لاکھ جاتری اس مندر میں جمع ہوتے تھے۔

موجود ہے۔ جو برہمنوں کے طریقے سے حکمت و ریاضت میں مشغول ہو اور وہی یہاں کا رہسہ ہو سکتا ہے۔ اس رسلے سے بعضوں نے اختلاف کیا اور کہا کہ وہ بد اخلاق ہو اور غضب الہی مبتلا ہو۔ اُس کی گوشہ نشینی حقیقتاً نہیں ہے۔ بلکہ چند مرتبہ وہ بھائیوں کے ہات میں گرفتار ہوا اور اُسے جان کی پناہ مانگ کر ایک جگہ بیٹھ رہا ہے۔ لیکن اس خاندان میں ایک شخص اور بھی ہے جو بڑا عاقل اور عالم بھی ہے۔ اور برہمن اُس کی حکمت کے متقہ ہیں۔ اور ایک حصہ ملک پرائس کی حکومت بھی ہے۔ اگر سلطان کی طرف سے سند حکومت اس شخص کو دی جائے تو وہ ملک کو آباد رکھیں گے اور چونکہ قول کا سچا اور عہد کا پورا ہے لہذا جتدر سالانہ خراج طے پائے گا وہ باوجود بُعد مسافت کے ہر سال غزنیں بھیجا رہیں گے۔ سلطان نے فرمایا ”اگر وہ حضور میں آکر اسد عاکر تا تو اُس کی درخواست قبول کی جاتی۔ لیکن جس نے اپنی خیر خواہی کا اظہار نہ کیا ہو، اور ہندوستان

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۰۱۔ اور عقیدہ مند راجاؤں نے دو ہزار گاؤں اخراجات کے لیے وقت کر دیے تھے۔ دو ہزار پائیاں اور پانچ سو روپے دے کر اور تین سو بچن گانے والے مستقل طور پر ملازم تھے۔ دیوتا کا ہر روز تازہ لنگا جل سے نشان ہوتا تھا لنگا اس مقام سے چھ سو کوس کے فاصلے پر ہی جس مقام پر سومات کا مجسمہ (سٹیچا) نصب تھا۔ قلعہ کا وہ حصہ تمام عمارت کی جان تھا۔ یعنی پچپن ستونوں پر بیضہ عفا کی طرح گنبدی چھت دہری ہوئی تھی۔ اور ہر ستون ایک ال سنگ مرمر کا تراشا ہوا تھا۔ اور از سر تا پا جو اہرات سے مرصع تھا۔ سچی کاری کی گلکاری چین کے نقش و نگار مٹائی تھی اور کندن کی ٹلک ستاروں پر لکھ مارتی تھی۔ وسط میں ایک جڑو زنجیر لٹکی تھی۔ اس میں ایک سونے کا پرلخ دھڑ بڑھتا تھا۔ اور خدا جانے کن وقتوں سے اسی طرح روشن چلا آتا تھا جس کی قیمت میں محمود کے حملے سے گھل ہونا لکھا تھا۔ دروازے کے سامنے دیوتا کھڑے تھے جنکا قد پورے پانچ گز کا تھا۔ دو گز زمین میں اور تین گز باہر نمودار تھے۔ اور جس طلائی زنجیر میں گھنٹہ لٹکتا تھا۔ اُس کی قیمت کا اندازہ دس لاکھ روپیہ کیا جاتا ہے۔ محمود کا یہ حملہ سلاطین اسلام کے اُن مشہور واقعات میں شمار کیا جاتا ہے جس سے ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم ہوئی۔“ (انتخاب از لٹنٹن قصص ہند آزاد۔)

جیسے ملک میں حکومت نہ کی ہو اسکو اتنی بڑی سلطنت کیسے دیجاسکتی ہے؟
 القصہ دہلی میں مر تاض طلب ہوا اور سومات کی حکومت اُس کی سپرد کر کے خراج ٹھہرایا گیا چنانچہ
 دہلی میں لے آکر کیا کہ ”تمام عمر اطاعت کرونگا، اور سونا، اور باقوت اور دیگر معدنی اشیاء
 خزانہ سلطانی میں بھجوا رہوگا۔ لیکن میرے عزیزوں میں ایک شخص ہے جو مجھ سے انتہا درجے
 کی عداوت رکھتا ہے۔ اور چند مرتبہ ہنگامہ کارزار بھی گرم ہو چکا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ
 سلطان کے وہی کی جب اسکو اطلاع ہوگی تو وہ مجھ پر حملہ آور ہوگا۔ اور میری موجودہ حالت محض
 بیروسامانی کی ہے میں مغلوب ہو جاؤنگا اور وہ کل ملک پر غالب ہو جائیگا۔ اسلئے حضور عالی
 اس طرف کوچ فرمائیں اور اُسکے شر کو دفع کر دیں تو کابلستان، زابلستان اور خراسان کے
 برابر سالانہ خراج، خزانے میں بھجوا رہوگا“ اور یہ وہی شخص ہے جسکا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اور
 جس کی بابت لوگوں نے کہا تھا کہ دہلی میں مر تاض سے زیادہ متحقی ہی سلطان نے ارشاد فرمایا کہ
 ”میں غزوات کی نیت سے گھر سے نکلا ہوں۔ تین برس ہو چکے ہیں کہ غزینہ پہنچنے کی نوبت
 نہیں آئی ہے۔ گوچھ ہیسنے اور گزر جائیں مگر اس مہم کا سر کرنا ضرور ہے“ چنانچہ ہم پر روانہ ہو گیا۔ اُس
 ملک کے لوگوں نے دہلی میں سے کہا کہ تو نے بڑا کیا کہ سلطان کو اپنے عزیز کے برباد کرنے کی تحریک
 کی خدائے جبکہ معزز کیا ہے وہ تیری چغلی اور کوشش سے ذلیل نہیں ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس واقعہ
 کو بھی لوگوں نے سلطان سے کہدیا۔ اگرچہ سلطان بھی متردد تھا لیکن چونکہ سامان سفر کر چکا تھا

۱۔ تاریخ ہندوستان میں دہلی کے حالات تحریر ہیں۔ یہ دہلی میں گجرات کے قدیم راجہ کی اولاد میں تھا۔ اور غالب
 یہ ہے کہ چاندو راجا مذکور سے تھا۔

اسیے نقص سفر پر رضا مند ہوا۔ اور اُس ملک کو فتح کر کے راجہ کو گرفتار کیا اور دہلی میں مہاراجہ کے سپرد کر دیا۔ دہلی میں لکھا کہ ”ہمارے مذہب میں بادشاہوں کا قتل کرنا عیب میں داخل ہے اور تمام فوج اُس بادشاہ سے مخالف ہو جاتی ہے جو بادشاہ کے قتل کا فتویٰ دے۔ اور اس ملک کا یہ دستور ہے کہ جب دشمن پر قابو پاتے ہیں تو اپنے ملک میں لا کر اُس جگہ جہاں تخت شاہی ہوتا ہے ایک سردار بناتے ہیں اور اُسکو وہاں قید رکھتے ہیں، اور آمد و رفت کے دروازے بند کر دیتے ہیں مگر ایک چھوڑ کا اتنا بڑا رکھا جاتا ہے جس سے ہر روز کھانے کا تھال جاسکے اور یہ قیدی اسوقت تک حالات میں رہتا ہے کہ جب تک اُس کا فاتح حکم الٰہی ہے چونکہ مجھ میں طاقت نہیں ہے کہ اسکو اس طرح قید رکھوں۔ اسلیے اگر سلطان اپنے ہمراہ غنیمتیں لے کر آئے تو مناسب ہے کہ جب ملک کا خاطر خواہ بندوبست ہو جائے اسوقت سلطان کو اختیار ہے کہ میرے پاس بھیج دے۔ تاکہ وہ دستور کے موافق قید رکھا جائے۔“

سلطان نے منظور کیا۔ اور غنیمتیں کو روانہ ہو گیا۔ دہلی میں سونمات کے تخت پر بیٹھا۔ اور سلطان کو ہندوستان کے تحفے بھیجتا رہا، اور ارکان سلطنت کو بھی انواع نفائس، اور تحفہ تحائف سے رضا مند رکھا۔ جب ملک پر اقتدار ہو گیا تب اپنے دشمن کو طلب کیا لیکن سلطان کو راجہ کی سپردگی میں تردد تھا۔ اُس کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ دشمن کے سپرد کیا جائے لیکن چونکہ ارکان سلطنت دہلی سے ملے ہوئے تھے سب نے بالاتفاق کہا سلطان کے واسطے ایسے وعدہ ضرور ہے۔ کیونکہ دوسری صورت میں مخالفت کا اندیشہ ہے۔ اور ملک بات سے بچ جائیگا۔ غرض کہ قیدی دہلی میں بھیج دیا گیا۔ اور سرحدی راجاؤں کے نام

بغرض انتظام پروانے جاری کر دیئے گئے کہ قیدی کو سرحد سومات تک پہنچا دیں۔ چنانچہ راجہ نے اپنے تخت کے نیچے قید خانہ بنائے کا حکم دیا۔ اور چونکہ اس ملک کا یہی دستور تھا کہ جب دشمن ایک مترل کے فاصلے پر پہنچ جاتا تو ایک لوٹا اور تھالی اُسکے سر پر رکھ کر گھوڑے کے ساتھ پیادہ دوڑاتے تھے۔ اور اسی طرح بارگاہ تک لاتے تھے اس کے بعد بادشاہ تخت پر بیٹھتا تھا اور دشمن قیدیں بھیج دیا جاتا تھا۔

چنانچہ اس رسم کے ادا کرنے کے لئے دہلیم بھی شہر کے باہر نکلا۔ لیکن چونکہ قیدی کے آنے میں وقفہ تھا دہلیم شکار کے شوق میں آگے بڑ گیا۔ مگر دھوپ کی شدت سے ایک درخت کے سائے میں سو رہا اور سرخ رومال منہ پر ڈال لیا۔ ہندوستان میں بکثرت ایسے شکاری ہوتے ہیں جن کی چونچیں تیز اور پنچے سخت ہوتے ہیں۔ انھیں میں سے کوئی ایک جانور ہوا میں اڑ رہا تھا۔ سرخ رومال کو گوشت کا ٹکڑا سمجھ کر ہوا سے اُترا اور زور سے منہ پر چنگل مارا جس کے صدمے سے ایک آنکھ جاتی رہی۔ اور دونوں آنکھوں میں شدت سے درد پیدا ہو گیا۔ اتنے میں قیدی بھی پہنچا۔ مگر چونکہ دہلیم اندھا ہو چکا تھا اور اس قیدی راجہ کے سوا کوئی مستحق حکومت نہ تھا، سب نے اسکی نذر ادا کی اور تخت پر بٹھا دیا اور جو معدودے چند مخالف تھے اُنکو نرا دیدی گئی اور وہ رسم بد خود اس بد نصیب راجہ کو ادا کرنا پڑی جس کے ارادے سے یہ روانہ ہوا تھا۔

میرا مطلب اس حکایت کے بیان کرنے سے یہ ہے کہ جو حقیقی عزت کا مستحق ہے وہ دشمن کی سعی سے ذلیل نہیں ہو سکتا۔ اگر ابتدا میں اتفاقہ کوئی قصور اُس سے ہو جاتا ہے تو آخر میں خدا کی

رحمت جوش میں آتی ہو اور اُس کی عزت کے درجے کو دو چند کر دیتی ہو۔ اور جو اُس کی بُرائی کے درپے ہوتا ہو وہ خدا کے غضب میں پڑ جاتا ہو۔

رعایتِ ملازمانِ شاہی۔ ۴۴۔ ندیم مجلسِ سلطانی اور اصحابِ سیف و قلم بھی رعایت کے مستحق ہیں۔ مگر فرقہ اول خاص کر ہے۔ جو لوگ حضور رس ہیں، اور جنکو شرف گفتگو حاصل ہوتا ہو، انکی خاطر مطابق پیمانہ التفاتِ شاہی کرنا چاہیئے۔ اور مقتضائے تدبیر یہ ہے کہ یہ رعایتیں علانیہ نہوں، بلکہ چپ چاپ، اور جہان تک ہو سکے ان میں سے کسی کی دل شکنی نہ کی جائے۔ اور اس گروہ کی کمی مرتبہ و اقتدار پر بنانا چاہیئے۔ بلکہ محض ان کے لئے جانے اور گفت و شنود کو ایک بڑا درجہ سمجھنا چاہیئے۔ گو محض حقارت سے ہر شخص کے دل میں عدوت کا مادہ نہیں پیدا ہوتا ہو۔ مگر یہ تو ہو سکتا ہے کہ کسی وقت میں اس خیال سے نقصان پہنچ جائے۔ مثلاً یہ کہ جو اپنا مددگار ہو وہ بدخواہ ہو جائے یا یہ کہ وہ شخص ادنیٰ درجے سے اعلیٰ پر ترقی کر جائے۔ بہر حال یہ تمام احتمالات نقصان سے خالی نہیں ہیں۔ اور توہمات کا علاج عقلاً واجب ہے اور وہ بھی اس قاعدہ کلیہ پر منتہی ہوتا ہو کہ بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جنکو ہمیشہ بڑا سمجھنا چاہیئے اور وہ کیا ہیں؟ اُگ، بیماری، دشمن، یہ ممکن ہے کہ اول ایک چنگاری ہو، مگر آخر میں وہ تمام دنیا کو پھونک سکتی ہو، یا بیماری کا مادہ کہ ابتدا میں کم ہو۔ مگر انتہا پر وہی ہلاکت کا سبب ہو جاتا ہو۔ یہی حال دشمن کا ہے کہ وہ شروع میں حقیر اور عاجز نظر آتا ہو، مگر انجام کار قوی اور زبردست ہو جاتا ہو۔ ایسے اُسکے شر کو کم نہ سمجھنا چاہیئے، اور دشمن بھی گناہ کی خاصیت رکھتا ہے اگر کوئی شخص چھوٹے سے گناہ کو بڑا سمجھ کر فوراً تذکر کر گیا تو اُس کا دفعیہ ہو جائیگا ورنہ غفلت سے اُسکے نقصان اٹھانا پڑیگا۔

حکایت فضل بن ربیع، ایک دن ابو الحسن معتبر (ابن سیریں) کا نواسہ تھا، کینڈمت میں حاضر ہوا، اور بیان کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک شخص نہایت قوی ہیکل میری طرف چھٹا اور لٹکیا میں نے بھی ساری قوت سے اُس کا مقابلہ کیا اور آخر اُسے زمین پر چھاڑ دیا۔ اس کے بعد ایک دُبلاتلا آدمی مقابلے کو اُٹھا میں نے اس کی لاغری دیکھ کر خیال کیا کہ جب میں نے اسے زبردست پہلوان کو چت کر دیا تو پھر اس کی کیا حقیقت ہو اور کچھ زیادہ داؤں پیچ کی بھی ضرورت نہیں ہو لیکن بات ملاتے ہی اُس نے مجھ کو ایسی بخنی دی کہ مرنے مرنے بچ گیا۔ اور اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی! ابُو الحسن نے فرمایا کہ ”یہ تیرے گناہوں کا نظارہ تھا۔ جو دشمنوں کے روپ میں سامنے آیا پہلے شخص کو توڑنے بڑا سمجھا تھا وہ جلد دفع ہو گیا اور کوئی مضرت نہیں پہنچی۔ اور دوسرے کو چھوٹا سمجھا اُس کے دفتیہ کی کوئی تدبیر نہیں کی وہ غالب آیا اور اُس نے تجھ کو قریب المگ کر دیا“ اور ٹھیک ہی مثال دشمن کی ہے جو رعایت اہل سیف و قلم۔

جو تلوار کے مالک ہیں انکو امور وزارت کے اصلاح و فساد کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لیے اُن کی تالیف قلوب نہایت ہی سہل ہے اور وہ تھوڑی سی توجہ سے شکر گزار ہو جاتے ہیں لیکن خاطر مدارات میں ارباب قلم کو میں مقدم اور ہنرمندان سمجھتا ہوں اور یہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں۔ اور تاکید اُچھ کر کہتا ہوں کہ تخت سلطنت بغیر اصحاب سیف کے اور سند وزارت بغیر ارباب قلم کے قائم نہیں ہو سکتی ہے۔

عبدالحمید احمد نے اپنے وصیت نامے میں لکھا ہے کہ مہات سلطنت کے مابرج کا کتابوں کے حالات سے مقابلہ کرو۔ اور دونوں میں سے جو جس کی صلاحیت رکھتا ہو وہ کام اُس کے سپرد کرو اور اپنی طرف سے ناامید نہ کرو اور نہ امیدواروں کی تعداد بڑھاؤ کیونکہ خاص گروہ کے میل جول

اور نشست برخاست سے اکثر فساد اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

حکایت یہ مشہور واقعہ ہے کہ نوشیرواں عادل نے صرف بزرچہمر سے ایک خاص وقت میں کچھ اسرار سلطنت بیان کیے تھے جبکہ دوسرے وقت لوگوں نے بجنہ اگر دہرا دیا۔ بلکہ چند مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ جو گفتگو بزرچہمر سے ہوتی تھی وہ بجنہ نوشیرواں نکت پہنچ جاتی تھی۔ اس لیے نوشیرواں کو نہایت تعجب ہوا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ بزرچہمر سلطنت کا راز دار ہی اور یہ غیر ممکن ہی کہ وہ ایسے راز فاش کر دے۔

اس لیے خود بزرچہمر سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ بزرچہمر نے بڑی غور و فکر کے بعد کہا کہ "خاشا! اس معاملہ میں میری زبان بھی ہمارا نہیں ہے، مگر ماں ایک بات ہی اور وہ یہ کہ دربار میں اندول اور باب دکاوت و فراست کا جھگٹنا ہی جو وقت حضور میں میری طلبی ہوتی ہے، تو یہ سب ملکر قیاس کرتے ہیں کہ طلبی کس غرض سے ہوئی ہے اور آخر میں غلبہ آرا سے کوئی نہ کوئی بات ٹھیکٹ جاتی ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ مخفی امور طشت از بام ہو جاتے ہیں۔ لہذا ان لوگوں کو خاص خاص خدمتوں پر مقرر کر دیا جائے چنانچہ اس کا رروائی کے بعد پھر ایسا اتفاق نہیں ہوا۔

اور یہ بھی چاہیے کہ جنکے چہروں سے حسن اعتقاد ہی اور محبت جھلکتی ہو وہ خلعت خدمت سے سرفراز ہوتے رہیں۔ مگر جو کچھ ہو، اُس سے یہ ظاہر نہونے پائے کہ وزیر کو کس شخص سے خاص محبت ہو یا کس پر اعتبار ہے۔ لیکن جو گروہ مفسدہ پرداز ہو وہ ان عنایتوں کا مستحق نہیں ہے۔ جن لوگوں نے فتنہ و فساد کا احتمال ہو سکتا ہے وہ دُور گردہ ہیں۔

ایک تو وہ ہے کہ جنگو بادشاہ اور ارکان سلطنت کے نزدیک وقعت اور اغوا حاصل ہے۔

اور دوسرا برعکس اس کے۔

طبقہ اول سے وزیر کو اعزاز و اکرام بہت چاہیئے۔ لیکن نہ اعتدال رک لوگ بُردلی اور خوف پر محمول کریں اور اظہارِ عداوت سے جہانگیر ہو سکے بچتا رہے۔ اور انکو ہمیشہ کاموں میں لگا رکھے۔ اور بعد عطاے حکومت اُن کی خرابی کاموں کی مسلسل اطلاع بادشاہ اور اعیانِ حضرت سے کرتا رہے۔ تاکہ خوش اعتقاد دی جاتی ہے۔ مگر کبھی قطعی ارادہ کسی کے قتل و ہلاکت کا نہ کرے۔ کیونکہ عطا و مذہباً یہ بُری عادت ہے۔ اور اس کا ترکب دین و دنیا میں قابلِ ملامت اور موجبِ نفرت ہے۔

حکایت ناصر میرکال کو غنیمت جاتے ہوئے بمقام کیا باد، معلوم نہیں کسے قتل کر دیا۔ جب یہ خبر غنیمت پہنچی تو اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ قتلِ خواجہ احمد کے اشارے سے ہوا ہی کیونکہ سلطان کا مزاج ناصر سے بگڑتا جاتا تھا۔ اور دربار میں ایک دو مرتبہ ناصر کا ذکر بھی آیا تھا و دشمنِ حصیری جو سلطان کا مقرب خاص تھا۔ اُسے ایک دن خواجہ احمد سے کہا کہ ”دنیا کبھی اہل استحقاق سے خالی نہوگی دشمنوں پر غلبہ حاصل کر کے آپ کا میا بی چاہتے ہیں اور آپ کا یہ بھی خیال ہے کہ کوئی قابلِ آدمی موجود نہ تھا اسوجہ سے خطراری حالت میں آپ کو اختیارات دیئے گئے ہیں۔ یہ محض غلط ہے۔ بلکہ دراصل کسی کی جان کا خواہاں ہونا خود اپنے کو معرضِ ہلاکت میں ڈالنا ہی، بلکہ اگر کسی شخص کو معرضِ ہلاکت میں دیکھے اور اس میں خود شریک بھی نہوتا ہم اُسکے قتل پر رضامند نہو۔ ورنہ جزا اور مکافات کے لیے ہر وقت طیارہ رہنا چاہیئے۔ اور ہرگز خون ناحق پر راضی نہونا چاہیئے۔ اور مفسد نوکروں کی باتوں پر ہرگز یقین نہ لکنا جائے گو وہ کیسے ہی

اور کتنے ہی مقتول طریقے پر بیان کریں۔“

نکو معلوم ہو! (خطاب بفرزند) کہ سلطان الپ ارسلان نے کُندری پر غضبناک ہو کر اُسکے قتل کا حکم دیا تھا۔ کیونکہ اُس کی خیانت اور خباثت کا پوسے طور پر امتحان ہو چکا تھا۔ اور اُنکی دلیری اور سیہ کاری کی پوسے طور پر خبریں پہنچ رہی تھیں، اور امیر المومنین بھی ناخوش تھے۔ اور دارا الخلافہ کے ارکان بھی چاہتے تھے کہ وہ قتل کیا جائے۔ سلطان کو میں اس فعل سے باز رکھ سکتا تھا۔ مگر میں نے منع نہیں کیا۔ اور کئی برس سے اسی خوف میں مبتلا ہوں اور جہنم یہ واقعہ یاد آجاتا ہے۔ مُنہ کا نوالا کڑوا ہو جاتا ہے اور رات کو تنیدِ حرام ہو جاتی ہے۔ اس واقعہ کے متعلق تاکیدِ اُتم سے ایک اور واقعہ کا ذکر کرتا ہوں۔ جبکہ اب تک میں نے کسی سے تذکرہ نہیں کیا ہے۔

حکایت کُندری کے قتل کے ایک سال بعد میں خواب دیکھا کہ گویا اسکو قید خانے (جیل) کی طرف کشاں کشاں لے جاتے ہیں اور میں بھی رُسن در گردن اُسکے پیچھے چلا جا رہا ہوں پھر ہم دونوں کو ایک ہی حیثیت سے نکال کر قتل لے گئے۔ کُندری کے سارے رشتہ دار، تنواریں، موت کر، مجسمہ بڑے، لیکن یہ ہونا کہ منظر دیکھتے ہی میں چیخ اُٹھا اور آنکھ کھل گئی۔ مگر پھر بہت جلد بہوش ہو گیا۔ غرض کہ اسی خوف سے کئی روز تک جاگتا رہا۔ اور بہت کچھ خیرات کر گئی۔ باسے خدا کا شکر ہے کہ میرے دل سے وہ ملال جاتا رہا۔

لے خواجہ نظام الملک کے واسطے پر وزیر ابو نصر محمد علی الملک کُندری کے خون کا دہہ ہے۔ اور اسکو کوئی سونخ نہیں دہو سکتا ہے۔ اور اس کی تمام سوانح عمری میں صرف یہی ایک داغ نظر آتا ہے تفصیل کے لیے دیکھو صفحہ ۷ حصہ اول کتاب ہذا۔

طبقہ دوم کے لائق اشخاص ہر حالت میں مہربانی کے مستحق ہیں۔ اور انکو بلند درجوں تک پہنچانا چاہیے۔ البتہ نالائقوں کو اپنے دروازے پر کبھی نہ آنے دو۔ اور اگر کسی موقع پر ایسے لوگ جمع ہو جائیں تو انکو باہم لڑا دینا چاہیے اور پھر انکو ان کی بد اعمالیوں کی سزا دینا چاہیے تاہم یہ ایسا گروہ ہے کہ ایک ٹکڑے روٹی سے خوش ہو جاتا ہے لہذا کوئی چھوٹی ٹیسی خدمت دیکھا اور اس قسم کی خدمتوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچکتا ہے۔ اور میری رائے میں یہ بڑا دُستِ بہتری

حکایت سلطان الپ ارسلان کے عہد میں وزیر ہوئے مجھے تھوڑی مدت گزری تھی کہ ایک دن میں حضور میں حاضر ہوا۔ سلطان نماز سے فارغ ہو کر وظیفہ پڑھ رہا تھا مجھ بیٹھنے کا اشارہ کیا اور مصلے کے نیچے سے ایک کاغذ نکال کر حکم دیا کہ پڑھو۔ اُس میں دل سے آخر تک میری شکایت تھی۔ اور ہر صیغے میں خیانت کا الزام لگایا تھا۔ جب میں پڑھ چکا تو پوچھا کہ سب پڑھ لیا۔ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ فرمایا کہ ”اگر یہ تحریر سچی ہے تو اپنی عادت و سیرت کو بدل ڈالو۔ تاکہ پھر ایسی شکایت نہ ہو۔ اور اگر جھوٹ ہے تو ان لوگوں کو کسی کام میں لگا دو کہ انفراد پر دازی کی انکو فرصت نہ ملے، اور اپنے کاموں میں مصروف رہیں۔“ میں اُٹھا اور دُعا میں دیتا ہوا باہر نکل آیا۔ اور سلطان کی نصیحت کے مطابق انکو برسرِ کار کر دیا۔ پھر اُن سے ایسی ہدایاں سرانی ظہور میں نہ آئی۔

اور باب سیف و قلم کی محافظت کے جو طریقے تھے وہ وزیر اسلف کے اخبار و آثار سے بطریق امثال و نظائر بیان کر چکا ہوں۔ اب مختصر بیان عامۃً خلایق کی نگہداشت کا کرنا چاہتا ہوں جو خدا کی امانت ہیں۔ عامۃً خلایق سے رعایت کرنا یہی سب سے بڑی نصیحت ہے۔ دین دُنیا

دونوں میں اس کے فوائد و ثمرات کا منتظر رہنا چاہیے اور اسی کی طرف اشارہ ہی التَّعَظِيمُ لِمِ اللَّهِ وَالشَّفَقَةُ عَلَى خَلْقِ اللَّهِ۔ (آوامر الہی (خدا کے احکام) کی تعظیم کے بعد احسانات کے جو درجے ہیں ان میں سے کوئی بھی اس شفقت کے برابر نہیں ہے۔ بلکہ جو کچھ ہے، وہ اسی کا ضمیمہ ہی۔ جس طرح طبیب مشفق مہربانی کی نظر سے بیمار کی حالت پر غور کرتا ہے اور جو طریقہ مریض کے سود و بہبود کا ہوتا ہے، اُسی پر توجہ کرتا ہے تاکہ وہ اپنے حق سے علیحدہ ہو جائے۔ اسی طرح خلائق کی مہمات پر نظر ڈالنا چاہیے۔ تاکہ ظاہر و باطن میں سب اُس کے ہوا خواہ رہیں۔

اگلے زمانے کے وزراء (جَعَلَ اللَّهُ سَعْيَهُمْ مُشْكُورًا) کا یہ چلن تھا کہ وہ ہمیشہ سلاطین کو محنت و شفقت کی طرف توجہ دلایا کرتے تھے جس کی برکت سے رعایا امن و چین میں رہتی تھی اور بادشاہ کا نام بھلائی سے یاد کیا جاتا تھا اور خود ثواب کے مستحق ہوتے تھے۔

حکایت جس زمانے میں سلطان البارسلاں، روم کی مہم پر جانوالا تھا اس وقت ضرورتاً رعایا سے بطریق استمداد، خراج پیشگی طلب کیا جاتا تھا اور آمدنی کا زمانہ دُور تھا۔ اسوجہ سے لوگ پریشان تھے۔ اور مرو میں بیماری پھیلی ہوئی تھی۔ جس میں لوگ کثرت سے مر رہے تھے چنانچہ ایک دن دربار میں ان واقعات کا ذکر آیا سلطان نے کہا کہ موت تو ایک بلائے بیدرماں ہو نہ اُسکو مال فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ سلطنت و سپاہ سے کام نکل سکتا ہے۔ مینے عرض کیا کہ ”اگر کچھ تدارک ہو سکتا ہے تو وہ صرف عدل و مرحمت ہی۔ اور قدیم تاریخ میں مینے پڑھا ہے کہ ایک عجم کے بادشاہ نے حکم دیا کہ خزانے کی جانچ پڑتال کر کے اطلاع کیجائے کہ کتنا ہے۔ کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس حکم کا منشا کیا ہے؟ مگر وزیر اے سلطنت نے باجیاداً تحقیقات کیے

خزانے کی کیفیت سے مطلع کر دیا۔ چنانچہ خزانے کی مقدار معلوم ہونے پر بادشاہ نے اعیانِ دولت کو طلب کیا اور سب کے سامنے خدا کا شکر ادا کیا اور کہا کہ اگر خدا نخواستہ کسی وقت سلطنت پر کوئی صدمہ پہنچے مایوسی قسم کا اندیشہ متصور ہو یا سفیر پیش آئے تو اس کے واسطے یہ خزانہ کافی ہی لیکن اب میں عہد کرتا ہوں کہ آئندہ سے کوئی شخص نہ ستایا جائیگا۔ اور نہ رعایا میں کوئی کسی کے مقابلے میں عاجز و ضعیف سمجھا جائیگا۔ تمام رعایا اسبابِ معاش کے ہتیا کرتی ہو اور سلطنت کو بڑا حصہ اپنے مال کا دیدیتی ہو لہذا ہر شخص زراعت و تجارت وغیرہ کے ذریعے سے اپنی معاش حاصل کرے۔ اور جاگیر خالصہ میں میں بھی یہی کر دنگا۔ اور فرمان جاری کر دیا کہ باج و خراج یکدم اٹھا دیا گیا ہو۔ اب حکام کا کام اس امر کی نگرانی کرنا ہے کہ زبردست سے زیر دست کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ چنانچہ اس انتظام کی برکت سے ملک میں چھ برس تک کوئی موت نہ واقع ہوئی اور یہ ظاہر ہے کہ ملک کی آبادی اس مدت میں کما تنک ترقی کر گئی ہوگی۔“

یہ حکایت سنکر سلطان نے اپنا حکم منسوخ کر دیا اور فوجی ضرورت خزانے سے رفع کر دی۔ گئی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہمیشہ وزیروں نے رعایا کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کیا ہے جس کی برکت سے رعیت کو آسائش پہنچی اور بادشاہ کی عزت قائم رہی۔ اور خود اپنی ذات کی واسطے بھی دعاے خیر کا ذخیرہ کرتے ہیں۔

خواجہ نظام الملک کے دربار کے شعراء

خلیفہ مامون الرشید عباسی کی مہتمم باشان یادگاریوں میں سے ایک فارسی شاعری بھی ہو۔ لیکن اس کے معنی نہیں، کہ فارسی شاعری نے اس زمانہ میں جنم لیا ہو اور اس عہد کے پہلے شاعری کا وجود نہ ہو۔ کیونکہ تاریخ سے ثابت ہو کہ اسلام سے پہلے تمام فارس میں شعر اچھلے پڑے تھے اور ان کی شاعری اوج کمال پر پہنچی ہوئی تھی۔ لیکن عربوں کی فتوحات کے بعد نظم فارسی کا دفتر تبر ہو گیا اور سیلاب فنا انگو بہا کر خدا جانے کہاں لگ گیا؟ کیونکہ کوئی مورخ عہد قدیم کے نامور شعراء کے کلام سے ایک غزل یا قطعہ بھی نمونے کے طور پر پیش نہیں کر سکتا ہو۔ لیکن اسی دربار کے نامور شاعر عباس مروزی نے فصحاء عرب کے سامنے سے پہلے ایک فارسی قصیدہ مامون الرشید کی مدح میں لکھ کر فارسی کی مردہ شاعری میں جان وادی۔ اور پھر اسی بنیاد پر کئے والی نسلوں نے نہایت رفیع الشان

۱۔ قدیم فارسی کا لٹریچر اس زمانے میں اس قدر ناپید ہو گیا ہو کہ آج اُس زمانے کی دسترس بھی نہیں مل سکتی ہیں۔ لیکن یورپ کی علمی مجلس اور تلاش نے بہت کچھ ذخیرہ جمع کر دیا ہو۔ حال میں مسٹر مارگلٹ نے جو اسفورڈ کے پروفیسر ہیں قدیم فارسی کے بعض اشعار چھاپے ہیں جو انگوٹریائی خط میں دستیاب ہوئے ہیں۔ پروفیسر مذکور نے ان اشعار کی تفسیر پیش بھی لکھی ہو، الذودہ منبسطہ جلد اول ۱۳۲۲ء ۲۔ عباس مروزی کے حالات کے لیے تذکرہ مجمع فصحاء دیکھنا پڑے۔ جو قصیدہ سنے مامون الرشید کی مدح میں لکھا ہو۔ اس کے چند شعر یہ ہیں۔

۱۔ رسانیدہ بدو لہ فرق خود بر سر قدین	گسترانیدہ بفضل وجود در عالم بدین
مختلفات را تو شائستہ چو مردم دیرہ را	دین یزداں اتو بایستہ چو رخ را ہر دو عین
کن میں موال پیش از من جنس شعری نگفت	مر زبان پارسی را ہمت با اس نوع عین

الپ ارسال کے بعد جب جلال الدین ملکشاہ کا زمانہ آیا تو اس دربار میں بھی برہانی، کافی، ہمدانی، ابوالعالی نحاس، اور امیر الشعرا مغری اور لامعی وغیرہ تشریف لائے اور قصیدہ خوانی کے بعد دربار وزارت میں حاضر ہوئے۔ خواجہ نظام الملک کو نظم سے دلچسپی نہ تھی اور نہ وہ حدیث، قصائد سننا چاہتا تھا، لیکن وزیر ہو کر یہ محال تھا کہ دربار میں فقہا، صوفیہ، محدثین، اور مفسرین تشریف لائیں اور شعرا دروازہ پر کھڑے رہیں۔ چنانچہ اسی اصول کے مطابق حاضرین دربار کے تذکرہ میں صرف ان شعرا کے مختصر حالات لکھے جاتے ہیں جنکو خواجہ سے خصوصیت تھی اور ان کے کلام کا محض وہ حصہ نذر ناظرین کیا جاتا ہے جو کمال تعلق خواجہ سے ہے۔

(۱) امیر غزنوی

یہ نامور شاعر عبدالملک برہانی سمرقندی کا بیٹا تھا، اصل نام محمد تھا۔ برہانی چونکہ خود حساب و فضل و کمال تھا۔ اس لیے ابتدائی تعلیم کے بعد محمد کو سمرقند سے مکمل علوم و فنون کیلئے خراسان بھیج دیا اور یہاں کی درسگاہوں سے ہر شیت ایک طالب العلم محمد نے کافی علمی ذخیرہ حاصل کیا۔

برہانی سلطان ابراہیم غزنوی کے دربار سے متعلق تھا۔ لیکن سلطنت غزنویہ کی بربادی کے بعد (مقام اصفہان) ملکشاہ کے حضور میں آیا اور ملازم ہو گیا۔

سلطان ابراہیم غزنوی نے ۵۸۸ھ سے ۶۱۰ھ تک حکومت کی۔ یہ بادشاہ بڑا متقی اور عابد تھا۔ اس نے ان تمام دعویٰ سے ہاتھ اٹھالیا تھا جنکی بدولت سلجوقیوں سے روز تواریج ملتی تھی۔ ترجمہ تاریخ الفتن ص ۷۷

افسوس ہو کہ اس نامور شاعر کا کلام مفقود ہو اور ذیل کے دو مصرعے اسکے نام سے تذکروں میں ملتے ہیں۔

من فتم و فرزند من أدخل الصدق

اور ابجد او بجد وند سپردم

تذکرہ نویسوں نے اسکا شان نزول یہ لکھا ہو کہ ”حالت نزع میں برہانی نے سلطان ملک شاہ کو ایک قطعہ لکھا تھا اور اپنے بیٹے کے واسطے سفارش کی تھی کہ میرے بعد اس کی پرورش کی جائے چنانچہ اُس قطعہ کا یہ خیر شعری۔ بہر حال یہ روایت صحیح ہو یا غلط مگر یہ تحقیق ہو کہ قلعہ قزوین میں جب ہانی نے انتقال کیا تو سلطان ذرہانی کا وظیفہ محمد کے نام منتقل کر دیا تھا۔ اور تھوڑے زمانے کے بعد ملک شاہ کی قدردانی سے محمد امیر مغری کے خطاب سے ممتاز ہو کر درجہ اعلیٰ پر پہنچ گیا۔ چنانچہ مغری کے اس واقعہ کو ہم حسب ایت امیر مغری بیان کرتے ہیں۔

نظامی، عروضی، سمرقندی مصنف چہار مقالہ امیر مغری کا نہایت نامور شاگرد ہے وہ دوسرے مقالہ میں لکھتا ہو کہ ”ایک دن میں نے اپنی تکلیف و محبت کا امیر مغری سے ذکر کیا انھوں نے مجھ کو سمجھایا کہ کسی شاعر کی محنت ایگیاں نہیں جاتی ہو۔ اگر ابتدا میں فروغ نہ ہو تو اخیر میں اسکا ستارہ ضرور چمکتا ہو۔ اور اسی قسم کی نصیحت امیر گفتگو کے بعد امیر مغری نے اپنی ابتدائی حالت مجھ سے بیان کرنا شروع کی جو حسب ذیل ہو“

میرے والد امیر برہانی کو جو وظیفہ ملتا تھا اُنکے انتقال پر وہ میرے نام منتقل ہوا۔ اُو
 میں ملک شاہ کا شاعر مشہور ہو گیا۔ مگر حالت یہ تھی کہ کئی سال تک مجھ کو سلطان کا سلام
 بھی میسر نہیں ہوا۔ اور نہ حضوری کی عزت حاصل ہوئی۔ بلکہ میں دُور سے اپنے خداوند
 کے درشن کر لیتا تھا۔ مصارف کے لیے ایک من غلہ اور ایک نیار (پانچ روپیہ) مقرر تھا۔
 مگر فیض خج کو کافی نہ تھا اور قرض کا بار بڑھتا جاتا تھا اس پر طرہ یہ کہ جو مقرر تھا وہ بھی دقت
 پر نہیں ملتا تھا۔ اور اس کا یہ سبب تھا کہ وزیر السلطنت خواجہ نظام الملک شعراء سے بد اعتقاد
 تھا اور اُس کو شعر و سخن سے مناسبت نہ تھی، بلکہ وہ ہمیشہ صوفیائے کرام سے صحبت رکھتا
 غرض کہ اسی زمانہ میں ماہ صیام آگیا اور جسد چاند بکھنے کو تھا، اُس دن میرے پاس خرچ کو
 بھی کچھ نہ تھا۔ اس لیے میں اپنے مہربان محسن امیر علاؤ الدہ ولی علی بن فرامر ز (شاہان عجم
 کی اولاد میں تھا) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ امیر شعر و دست سلطان کا داماد اور ندیم خاص
 تھا اور اس عہد کے علاوہ ایک بڑے عہدے پر مقرر تھا۔ چنانچہ میں نے علاؤ الدہ ولی
 سے عرض کیا (خداوند تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت دے) کہ جو کام باپ کرتا ہی۔ یہ کوئی ضرور
 نہیں ہی کہ بنیامی وہی کام کرے یا جو فن باپ کو آتا ہو بیٹا بھی اُسے جانتا ہو۔ میرا باپ
 ایک ہوشیار اور چالاک آدمی تھا اور اہل رسلان اُس کا معتقد تھا جو کام وہ کر سکتا تھا
 مجھے اُسکے کرنے میں شرم دامنگیر ہی۔ میں نے حضور کی ایک سال خدمت کی ہو اور اس وقت
 ایک ہزار دینار کا مقروض ہوں۔ اگر اجازت ہو تو نیشاپور چلا جاؤں۔ اور ادے قرض کا
 بندوبست کروں، جب میں کہہ چکا تو امیر نے فرمایا کہ ”بیشک مجھ سے تصور ہو گیا ہی۔ آئندہ

ایسا نہوگا۔ آج شام کو سلطان چاند دیکھنے کے لیے مجلس سے برآمد ہونگے تم بھی وہاں موجود رہنا۔ دیکھو! تو زمانہ کیا کروٹ بدلتا ہے؟ اور مجھے ایک سو دینار نیشاپوری دیکر رخصت کیا اور فرمایا کہ ”اسے ماہ رمضان میں خراج کرنا۔ چنانچہ بہ کمال مسرت میں گھر کو چلا گیا اور شام کو سلطان کے در دولت پر حاضر ہوا۔ اُسی وقت علاؤ الدولہ کی بھی سواری آئی۔ مجھے دیکھ کر امیر بہت خوش ہوا اور فرمایا کہ ”اچھے موقع پر آئے۔“ غرض کہ جب آفتاب غروب ہو گیا تب سلطان چاند دیکھنے نکلا۔ علاؤ الدولہ سلطان کی دائیں طرف تھا۔ سلطان ہاتھ میں ایک کمان کروہ لیے ہوئے چاند دیکھنے میں مصروف تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے چاند سلطان کی نظر پڑی اور بہت خوش ہوا۔ جب سب چاند دیکھ چکے تو علاؤ الدولہ نے مجھ سے کہا ”اس واقعہ پر کچھ کہو۔ چنانچہ میں نے فوراً یہ رباعی عرض کی ۛ

ای ماہ چو ابروان یا سے گوئی یا سپھو کمان شہر یا سے گوئی
تغلی زده از زریا سے گوئی در گوش سپہر گو شوار سے گوئی

میری اس فی البدیہہ رباعی پر علاؤ الدولہ خوش ہوا اور میری بڑی تعریف کی۔ اور سلطان نے حکم دیا کہ ”جاؤ اصبطل شاہی سے جو گھوڑا پسند ہو وہ لیلو“ مگر میں نے تامل کیا۔ تب امیر نے ایک گھوڑا نامزد کر کے میرے نوکر کے سپرد کر دیا۔ (اس گھوڑے کی قیمت تین ہزار دینار نیشاپوری قرار پائی) سلطان ملکشاہ تو حکم دیکر نماز مغرب کی واسطے مصطفیٰ پر کھڑا ہو گیا۔ چنانچہ میں نے بھی نماز ادا کی اور شام کا کھانا امیر علاؤ الدولہ کے ہمراہ کھایا۔ اس وقت امیر نے حکم دیا کہ جو انعام ملو ملا ہو اب اُس صلہ کی شکر گزاری میں کچھ کہو۔ چنانچہ میں نے

جربستہ یہ رباعی عرض کی ہے

چوں آتش خاطر مرا شاہ بدید از خاک مرا بر زبر ماہ کشید
چوں آب یکی ترانہ از من شنید چوں باد کو مرکب جامم بخشید

جسکو سنکر امیر بہت خوش ہوا۔ اور امیر کی تعریف پر سلطان نے ایک ہزار دینار مرحمت فرمائے۔ اور امیر نے یہ بھی فرمایا کہ ”کل خواجہ نظام الملک کا دامن پکڑو لگاکہ وہ تمہاری تنخواہ خزانہ سے نقد دلا دیں اور غلہ کے واسطے حکم جاری کریں کہ اصفہان سے بھیج دیا جائے“

وزارت کا اقتدار دیکھو سلطان نے فرمایا کہ ہاں علاؤ الدولہ! تم یہ کر سکتے ہو کسی اور کی تو یہ جرات نہیں ہے۔ کہ خواجہ نظام الملک سے ایسے الفاظ کہہ سکے۔ اس کے بعد سلطان نے حکم دیا کہ اس کا تخلص میسر نام پر معزئی رکھو۔ (جلال الدین و معز الدین ملک شاہ کے لقب تھے) چنانچہ علاؤ الدولہ نے اُسی وقت مجھ کو خواجہ معزئی لکھ کر پکارا۔ جب سلطان نے سنا تو فرمایا کہ نہیں اسکو امیر معزئی کہو اور میں اُسی وقت درجہ امارت پر متمماں ہو گیا۔ اور دوسرے دن ایک ہزار دینار اور مرحمت ہوئے اور مصارف کے واسطے ایک ہزار من غلہ اور بارہ سو دینار مقرر کیے گئے۔ چنانچہ عید کے بعد میں دربار سلطانی میں حاضر ہونے لگا اور مذہبیوں میں داخل ہو گیا اور میر القبال دن بدن بڑھنے لگا۔“

۵ ایشیائی درباروں کا قاعدہ ہے کہ جس دن کوئی معزز خطاب کسیکو دیا جاتا ہے۔ اُسی دن درجہ کے مطابق جاگیر اور تمام سامان بھی مرحمت ہوتا ہے۔ تاکہ منصب کے لحاظ سے وہ شریک دربار ہو سکے۔ اس قاعدہ کا عملہ آمد ہر ایشیائی سلطنت میں ہے۔ ہندوستان میں سرکار نظام اور دیگر بڑی ریاستوں کا بھی آئین ہے۔

جو اپنا واقعہ امیر معزی نے بیان کیا ہو اس سے ثابت ہو کہ بدیہہ کننا شاعری کا اعلیٰ رکن ہے۔ اور ہر شاعر پر فرض ہے کہ وہ اس قدر مشق سخن کرے کہ جربتہ کہہ سکے۔ کیونکہ امیر معزی آن واحد میں معمولی حالت سے ترقی کر کے درجہ امارت پر پہنچا اس کا باعث صرف وہی ایک باغی ہو جو اُس نے جربتہ کہی تھی۔

ملک شاہ نے اگرچہ معزی کو امیر الامرا بنا دیا تھا۔ مگر کمال شاعری کے لحاظ سے کوئی خطاب نہیں دیا تھا۔ لیکن اُس کے نامور بیٹے ناصر الدین سنجر نے معزی کو ملک الشعراء کا خطاب دیا۔ اور دربار سنجر میں وہ مثل ملک الشعراء عصری کے چار سو شعراء پر حکومت کرتا تھا۔ امیر معزی کا جقدر کلام تذکروں میں پایا جاتا ہے وہ اعلیٰ درجہ کا ہے۔ غزل میں شیریں اور نمکینی ملی ہوئی ہے۔ قصائد نہایت زور کے ہیں۔ غزل میں فرخی کا مقلد ہے۔ اور قصائد میں عنصری کا رنگ ہے۔ اُس عہد کے نامور شعراء نے امیر معزی کے قصائد کا جواب لکھنے میں کوشش کی ہے۔ اور حکیم انوری جیسے باکمال شاعر نے امیر معزی کی ابیات کو تفسیر کیا ہے اور خاقانی جیسا استاد اس کا معتقد ہے۔ غرض کہ امیر معزی کی جقدر مدح فضل و کمال کے لحاظ سے کی جائے وہ کم ہے۔

امیر معزی نے ۶۲۲ھ ہجری میں بمقام مرو انتقال کیا۔ موت کا یہ واقعہ ہے کہ سلطان سنجر کے ہمراہ نکار کھیل رہا تھا کہ خود سلطان کے تیر سے زخمی ہو گیا۔ اور اسی صدمہ سے طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ چنانچہ خود کہتا ہے

منت خدا را کہ تیرہ خدا گاہاں من بندہ بے گنہ نشدم کشتہ را گاہاں
انتقال کے بعد حکیم سنائی نے امیر معزی کی تعزیت میں حب ذیل اشعار لکھے۔
گر زہرہ پچرخ دوم آید تنگفتست در ماتم طبع طرب انسانای معزی
کہ جہست در ہائے تمیش چو پتیاں بنشتہ عطار و مبعزائے معزی
امیر معزی کا خاص خاص کلام انگریزی میں بھی ترجمہ ہو کر چھپ گیا ہے۔ اب ہم
قصائد لکھتے ہیں جو صرف خواجہ نظام الملک کی مدح میں ہیں اور جہاں لکھنا اس کتاب میں
نہایت ضروری ہے۔

قصائد امیر معزی در مدح خواجہ نظام الملک

شدت باغ پرارشتہ ہای در خوش آب شدت رخ پر از تودہائے عنبر ناب
بلغ در لغ مکار و باد۔ داد ستند بتودہ عنبر ناب برشتہ در خوش آب
چمن شدت چو مہر آب عنایابی زبور خواند، داؤد وار در مہر آب
ہوا زابر چو پوشیدہ جوش و خفتاب ز عکس خویش گماں کرد مہر روشن تاب
ز غنچہ گل و انشاخ بید با صبا ز مردیں پیگان کرد و بتدین شباب
میان سبز و نگر برگ لالہ نعمان میان لالہ نعمان نگر سرشک سبحان
یکی چنانکہ بزنگار بر زنی شنگرف یکے چنانکہ بہ شنگرف بر زنی سیما
سرشک برو گلہائے شکوفہ کا فوراً چو صندل است بجوی و بفرغ انداز آب

۱۔ مجمع النہج صفحہ ۷۰ جلد اول اور جہاں قصائد اسی تذکرے سے منقول ہیں۔ ۲۔ صحرا۔ ۳۔ منبر بیجاں ۴۔ تیرہ تالاب

هنوز ناشده طبع جہاں بغایت گرم
 بھی شود مٹا نذر تائب مروارید
 ہمیں نیل بباری شود سرب چو بجر
 بزرگوار وزیر کی کہ دست بہت او
 شہاب بہت بلوں و شکل چو قلش
 شہاب بہت کند کوہ پیل مست ہنیک
 اگر چہ پست کند کوہ پیل مست ہنیک
 نہ باعداوت او پیل مست دارد زو
 ایانگہ چو طاعت بروزگار مشیت
 کسیکہ او ہمہ قولہا بود صدیق
 شود با من تو آہو برہ ، ندیم ہر بر
 معاہدش بجا فور و صندل است گلاب
 بقل و طبع مگر چوں صد شدت تر آب
 چنانکہ بحر شود پیش جوہ خولجہ سرب
 ز روی دولت و اقبال برگرفت نقاب
 فلک بقوت آن یورازند شہاب
 و گر چہ ریزہ کند سنگ شیر شتر زہ نیاب
 نہ با سیاست او شیر شتر زہ آرد تاب
 ایاستودہ چو نعمت بروزگار شہاب
 اگر بنقض تو یک دم زند شود کذاب
 شود بفر تو تہو بچہ قرین عتاب

منبر

ز بسکہ ماند دل چشم من آتش و آب
 چرا دو عارض چشم مرا مصع کرد
 دلم زد کبر چوں شاد و خوش بود کہ بو
 اگر بشوید ، مر زلف را و خشک کند
 نویسم از صفت ہجر او بدست بر
 کشاد در دل چشم من در آتش و آب
 اگر بصر نکشہ است زگر آتش و آب
 نصیب چشم و دل من دل آتش و آب
 شود ز زلفش پریشک و عنبر آتش و آب
 بکیر دار صفش روی دفتر آتش و آب

-
 ۱۰۰

لہ باران لہ خاک لہ رنگ رخ لہ شملہ آتش لہ سائے کوٹھے آنت جگو ہندی میں کچی کہتے ہیں لہ دندان لہ خنک لہ

گراشک آهیم پیدا شود بگیرد پاک
همیشه از دل و چشم من رشک دارند
تبرسم از دم و آهیم که سر و خشک شوند
ز چشم طبع تو بزدند ماده و مایه
حسود دشمن ملک تر آب در دست
حکایت از دل و چشم مخالف تو کند
چه جوهر است حسام تو که اندر دایم
شهاب کل و فلک صورت و مجرّه
ز آب گوهرش آتش جدا نماند
همیشه کینه کش و ملک پرورست که دید

چشم از دل من بهفت کواکب و آب
بقعر مایه و حوض کواکب آتش و آب
چه بر خلیل و کلیم پیوسته آتش و آب
چه بر شیر و چه در جگر خضر آتش و آب
بغرق و عرق از آن شد دلاور آتش و آب
همیشه زین جبار برق و تند آتش و آب
عیان ساره و درشت مضن آتش و آب
برخ ز بر جود میسنا پیکر آتش و آب
تو جمع دیدی؟ دیهچ گوهر آتش و آب
که کینه کش بود و ملک پرور آتش و آب

منبر

عشق آن نگین دل سیمین زریں کمر
گر نوزد زلف و نگد از لبش در عجب
نسبت دارد همانا زلف و چشم من
زلف و در شد تباب چشم من در شد باب
چشم من غواص شد تا زلف او شد باغبان

سنگ من بود سر شکم سیم کرد و زرد
زانکه بر آتش بسوزد مشک بگدازد و شر
بیعت زلفه است گوئی هر دور با با لیکر
چشم من کم کرد خواب زلف او کم کرد
زلف و طرفه است لیکن چشم من ز طرفه تر

له دوزخ کاغذ درجه ۴۴ که از ۳۴ هانگ علی بن کج ۴۴ که کشاں ۴۴ ایک تم کاغذ و

زلف او شمشاد تر بیریں کشیدست اکبرن
چشم من آتش بر آردست مروارید تر
تا ندیم تیر مژگانش نہ نہتم کہ بہت
تیر عشق دیر ہر شش دل جان کارگر
زین دیر کارگر پیوستہ باشد بیکرند
ہر کہ از جاہ وزیر برداگر سازد پیر
گرہای ہمتش رونے کشاید پربال
شرق گیر دیر بال مغرب گیر دیر پر
ہر کہ بند روز بخشدین مبارک دست او
بحر زین موج بیند ابریا تو تیس مطر

منبر

کنو کہ خور بہ تر ازور سید و آمد تیر
شدند راست شب روز چوں آرد تیر
بکہ کوشش سیم و باغ زر تو دہست
چو روی آیند روشن شد بہت روغ تیر
مگر کہ عاشق زار نہد لعبستان چین
کہ پشت شاں حاکم است اور شاں جو زیر
ز فزویب تہی شد بان ریح طلش
ہماں چین کہ چو تجسانہ بود پر تصویر
گماں برم کہ گستاں گستاہ آدم کرد
بتا کما می زان بریں کہ دست خال
کہ شد از پید می سرخی برع گو نہ سبب
بصوت صفت آبی چو گوی زین بہت
چون رنگ وی ہی کہ فضا خور و دشویر
کفیدہ مار و در و اہنا کے سرخ پیر
بروش تہ زمینان شاہ گرد عیر
چو روز رزم دہان محن لفان زیر

۱۔ آفتاب ۲۔ برج میزان ۳۔ پارسپوں کا چوتھا مہینہ ۴۔ بڑا دھ ۵۔ تالاب ۶۔ غیرہ جیسے بڑا کمانی جمع ہوتا ہے ایک
زرد رنگ کی ٹھاس ۷۔ مکان منزل ۸۔ ویران مکانوں کے نشانات جبکہ کہتے ہیں ۹۔ انگوٹھی نشانی ۱۰۔ قیر
ایک سیاہ رنگ معدنی روغن جو مائل بہ زرخ ہو تا ہوا درال سے ایک جلا گانٹے پر ۱۱۔ شرمساری۔

میان غیبِ بیانِ ضمیر روشن او
 چو گردشِ فلک است اُمن او کہ عالم را
 چو نام او نبود نام باشد مدح
 چو ابقولِ مجسم، موثر است سپہر
 زمین دولت او دید صد ہزار آ
 زہر مژدہ فتح و بشارت ظفرش
 ہی ز شرق فرستد بسوی غربِ سل
 میخ اگر بدعا جان رستہ باز آوڑ
 ز سنگ نہ کند اقبال او چرخ کنند
 آیا علوم تو اثبات عقلِ معنی
 ز اعتقاد تو گر نسخے بر مذہب پس
 اگر پیام تو در خواب بشنود قیصر
 ز فوجت تو در لاج زیر چنگل باز
 و گر بود کف گرگ بجسہ رو باہ
 چو بولے عدل تو یا بد ز شیر خواہ شیر

شرف گرفت ہونا مسدودات و قلم

چنان کجا بہ شہنشاہِ حسام و تاج و سریر

لے مذہبانی کے پیر و ملے عیسائیوں کا مذہبی پیشوا جو بلا د اسلام میں تہا جو اور بطریق کا ماتحت ہوتا ہو۔ از خواجہ الغزالی

منبر

چنان اہد شد از خوبی جہان تا ہفتہ یک
 کہ گویٰ جنت الفردوس آبکش از دل
 جوانی از پس سپری کنون اہد شد کن
 کہ باغ پیر تادہ روز خواہد جہان سر
 رنگاشانہ بر غ آئند و نہايند جہاں رخ
 سرشک آب و بابا باغد بزرگ دیا
 بگرید ہر زلے آبر بچوں دین عاشق
 چنان کہ کوہ پلایاں بغر و کوس دہیجا
 ناید خوشین قوس فرخ چوں چنبر زریں
 چو پوشیدہ سہ پیراہن کہ ہر یک ابو پیدا
 بدست باغبانان از غشت دستہا بنی
 دیا از بازوئی نازک بدندان کا زبرگیری
 ز بہر دیدن گلزار بہر دیدہ بکشاید
 چو از میانیکے ساعد ز سیم پاک انگشتاں
 کنون سہرعت اہد باغ تو عالم شقا بنی
 یکی بانکہ وزاری ز ہجر ماہ سنگین دل
 بکو از لاکہ کھان اشد و شکر گن نالیں
 کہ گویٰ جنت الفردوس آبکش از دل
 کہ باغ پیر تادہ روز خواہد جہان سر
 ز پیغولہ سباع آئند و بکشایند مرغاں پ
 نسیم باغبان سوز سوز در عمو سبر
 بخند دہر زمانے باغ بچوں چہرہ دہر
 ز ابر تیرہ ہر ساعت خشتی در کشند
 کہ باشد در زمین نہاں یک نینہ از چنبر
 بن دامن یکی اُحمر کیے اصغر کی خضر
 چو چین قرطہ کان قرطہ دارد رنگ نیو فر
 شود چوں نیل از دندال تر ماند بدوند
 سرشک بر نو زوی چکد در دیدہ عہر
 بکفت بساغر زین و مروارید در ساغر
 ز بر جہان زریں پائے مرواریدان ز بر
 کیے بانعرہ و شاد دلی وصل سر و سین
 بدست از سہرہ گوران شود و بکار گول سبر

جہان

که از بیم غلامانت بپوشد خانه برخاقان
 جوان پیر بوسیدند، توقیع بهر بقعه
 کنول آشفته شد گیتی، گردیدی طاعت و عت
 سلامت بهر حالی چو عذاری کند کرد
 ندیدیم در همه گیتی ز کاخست بتر کاخی
 بلندی که بلندی هست با مشن بر سر جوا
 کشیدند در نقش تو گوئی جامه دیبا
 بهاری ای می ماند، راینش همه صوت
 که از سهم سوارانت، میبشد قصر بر قصر
 بزرگ خور و پوشیدند، تشریف بهر کشور
 که عزت ز بهر قیل و قال طاعت بهر کشور
 فراغت بهر کاری، چو بدکاری کند آخر
 که هم میبویق رخت است هم خورشید را
 بزرگی که بزرگی هست بومش بر خط محور
 فکند تنند در صحنش تو گوئی تخته مرم
 بهشتی را همی ماند، در خانش همه پیکر

منبر

تا طیلان بنبر با انگند جو بار
 آن همچو گنج خانه تار و شاد از گهر
 از ژاله لاله را همه در دست در دهن
 چون بر کنار سبز بود لعل قیستی
 چرخ ستاره بار شد است از نسیم با
 ننگفت اگر غلغل بلبل قیامت است
 خورشید شد بلند وز در غلغل خویش
 دیبای هفت رنگ پوشید کوه با
 وین همچو نقش خانه مانی شد از نگار
 وز لاله سبز را همه لعل ست در کنا
 اندر دلمان لاله سبز و در شا هو
 در هر چمن که هست درختی شگوفه دار
 باشد بهم قیامت چرخ ستاره با
 در ساعته همی نبوا بر کشد بخار

له یک شمع رنگ ستاره، چو جوی کاشان کی دهی جانب در ثریا که آگه رتبه ای چادر -

گاہی ازاں بنجار فلک اکند حجاب
گاہی ازاں حجاب نیں را کند نشا
در ہمتش ہی ز سرگردوش فلک
گوئی فلک پیادہ شد و ہمتش ہوا
ماند بنار خشمش و ماند بنجاک حلم
اندر کیے تھوکر اندر کیے تھرار
جاں در تعجب و خسر اندر تفکر است
تا خاک را چگونہ مسخر شد است نا

منبت

ہماں اہرست کہ امر و ز خوش خوریم جہاں
کہ دی گزشت ز فردا پندیت نشا
در انتظار بہار و خزاں مابین کہ ہست
خزاں عدوی بہار و بہار خضم خزاں
مگر خزاں بر زراں، نو شریعتی بہاد
کہ ہست در ہمہ عالم مباح خون رزاں
عش شدہ ہست کہ کرد ہست باغ را عیاں
مگر کہ در شب ہی ماہ بادہ خوار زمی
ز برف ریزہ چو سواں ہست و شییر
زماں مگر کہ بہ ہست گری بروں آمد
چہ پاک از یکجہاں در گزشت نا خوش شد
گرا ز بنفشہ و لالہ زمین باغ تہی ہست
چو زلف چہرہ او ہست بہیدہ چہ خوریم
بماہ دی زخم زلف رنگ چہرہ او
دو گوہر ہست در نیوقت شرمط مجلس ما
یکی چو آب رزاں در میان جام قدح
غم بنفشہ سیراب و لالہ نغمہاں
بنفشہ زار پدید آوریم و لالہ ستاں
قینہ معدن این و تنورہ مسکن آن
یکی چو برگ گل اندر میان آفتاباں

بدین دو گوہر روشن شبستان
چنان کنسیم کہ ماند بروز تابستان
چو ابر بر سرما از ہوا نشاند نسیم
کنیم بر سر دوازتموہ زرافشان
چو مہربان سر انگشت را کند بک
بیاد خواجہ بکف بنسیم رطل گراں
نظام دین در ملک ملک سنج
قوام دین در ملک ملک سلطان
خدای اورشش چیز تر اشش چیز
کہ عمر مردہ بر شش بماند آبادان
کف از شراب لب از خندہ و براز معشوق
دل از نشاط و تن از ناز و خانہ از مہماں

منبر

ز باغ و راغ با سبب شکر تشیں
گرفت اہ نہر میت سپاہ فروزیں
گرفت گوئے دینار دشت مینارنگ
نہادہ تودہ کافور کوہ مشک آگیں
پریشد ہوا بر خیال اہرین
نفستہ شد بزین در نگاہ جور لعلیں
نہ باغ را خبر است از غبت و سوسن
نہ راغ را اثر است از شقائق و نسرن
نہ بہت لالہ کوہی پلنگ بہ استر
نہ بہت سوسن حمیری تذر و رالیں
اگر فصل ہا بار از خزاں بہ بہت کہ دہر
ہمہ نگفتہ از آن گرد و کثیفہ ازین
من از خزاں بہ یکی چیز شاکرم کہ خزاں
زبانہاے درخشاں ہی کسند زین
زیر آنکہ درخشاں بدان زبان خوانند
بخشن مہر و بیج وزیر شاہ زین
نظام ملک زیر خلیفہ شمس کفات
غیاث دولت و صد اجل قوام الدین

سہاروی مینہ کلام ہی جبکہ زمانہ کا مکے قریب ہوتا ہی۔ ۱۰ پارسیوں کا پہلا مینہ ہی ۱۰ پڑمردہ۔

(۲) حکیم لامعی ملقب بہ بحر المعانی

یہ نامور شاعر و عجم جان کا بابت نہ تھا۔ ابتدا سے حال میں وطن سے خراساں آیا۔ اور
حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر رہ کر علوم و فنون میں کمال حاصل کیا
اور امام صاحب کے فیض صحبت اور برکت سے بے انتہا علمی فوائد حاصل کیے۔ اپنے زمانہ کا
نامور شاعر ہی۔ تذکروں میں حالات بہت کم ملتے ہیں اور بحر تخلص کے یہ بھی نہیں معلوم ہوا
کہ حضرت کا نام کیا تھا؟ ایک قطعہ خواجہ عمید سمرقندی کو لکھا ہے اس کے بعض اشعار سے نسب نامہ
کا سلسلہ اس طرح پر معلوم ہوتا ہے۔

جد من بہت سماعیل و محمد پدرم بو الحسن ابن سلیمان ادا ما دم
مردم بہت اسد طالع و از ما و خویش روز آدینہ، باہ رمضان دم

کہتا ہے کہ ”محمد کا بیٹا اور اسماعیل کا پوتا اور ابو الحسن ابن سلیمان کا داماد ہوں۔ اصطلاح
بنجوم کی رو سے میرا طالع اسد ہے۔ اور باہ رمضان یوم جمعہ میری ولادت ہوتی ہے“ مگر افسوس ہے
کہ سنہ ولادت نہ لکھا۔ تمام تذکرہ نویسوں نے لامعی کے فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے۔
حاجی لطف علی بیگ آذر صاحب آتش کہہ فرماتے ہیں ”الحق بسیار طبع خوشی و شستہ آذر کا
یہ مختصر فقرہ نہایت قیمتی ہے اور لامعی کے کلام دکش نے آذر کو خوب ہی گرا دیا جب بہت در
تعریف کی ہے۔ ورنہ ان کی نسبت بھی یہی ارشاد ہوتا کہ ”بد نہ گفتہ است“ سلطان سنجر کے زمانہ میں

لے اختصار آذر کہہ، مجمع لفظی مختصر و ان حکم لامعی مطبوعہ بی بی افسوس ہے کہ یہ نحو نہایت غلط تھا اور کوئی نسخہ نہیں ملا اس کو بحر و کثر اشعار
چھوڑ دینے چاہئے ہیں اور بعض صحت طلب ہیں

بمقام سمرقند انتقال کیا اور وہیں دفن ہوا۔ سلطان ملکشاہ سلجوقی، وزیر ابو نصر کندی، اور
خواجہ نظام الملک کی مدح میں جو قصائد لکھے ہیں وہ یادگار ہیں۔ صاحب مجمع نفحاتی نے لکھا ہے
کہ لامعی حسب ذیل شعر اکا بہ مصرعہ ہے۔

آمیر ربانی، سوزنی سمرقندی، جامی، عمیق بخاری، رشیدی، روحی سمرقندی، شمس
یسم کش، عدنانی۔
قصائد لامعی در مدح خواجہ نظام الملک

کنم چرانکم روز و شب گلہ ز فراق	فراق کردم ازاں نگار دلبر طاق
فراق کردم اور ازاں منور ماہ	کہ بہت ماہ و مہنتہ بنور او مشتاق
از وصال چربے فراق دارم طمع	گئے وصال بد ارم امید و گاہ فراق
کہ روی آن بت ماہ بہت ماہ تابا نرا	بآسماں برگہ روشنی بہت گاہ محبت
دلم بد روی افوت نہ گشت طرہ او	کہ آن مشک و قہر میں غالیہ طاق
برائے وقت و برای طاق نقشہای بریل	بود نکوتر نقش و رنگ طاق و راق
مہر بہت بستہ بشکوں و دہند عارض او	ازاں و بندہ مراں ماہ را مباد اطلاق
کز اں و دہند گرا اطلاق یا بد آن مسہ نو	ز عشوہ کہ دہد جنت را دہند طلاق
کوند خلق برا و جان و دل ہمہ نفقہ	در او فقاہہ ز بازار او شعل نفق
نقند عشق دی اندر دل من بآتش گشت	ز نق آتش دل و پست بر تم محراق

۱۔ چاندہ گھٹنا۔ اور اخیر مہینہ کے تین دن حسین چاند چھپ جاتا ہے۔ ۲۔ ایک کب خوشنوکا نام ہے۔ ۳۔ رہا ہونا چھوٹنا۔

بتف آتش اگر باشد آتش اندر دل دل می از دل من بیش دارد و تهاق
 مگر دگر خلافت، ای ہمیشہ عادت تو خلافت کردن عہد و شکستن میشتاق
 بیار بادہ کہ آورد باد بوسے بہار اِدْر عَلَيْنَا كَمَا سَاعَىٰ السَّمَاءِ دِهَابِ
 ہماں مُعَدِّلِ مَعْرِفَاتِ لُجْبِ اِندَر کہ بادہ خوار از خواندہ پیش از فناق
 کنوں چو باد صبا نیز و از نشا طو کند ببادہ مژمرہ ہر باد دوست شناساق
 ہی بخندد بادہ سے بگرید ابر چو روی معشوق این آج پدیدہ عشاق
 مگر گردن او بر شدہ ہست مخفہ تنگست کہ وقتِ بخت بخت اندر افتدش خفاق
 رُخ شقائقِ چوں وی نیکو اں کہ شرم کَانَ مُحَمَّدٌ اَوْ سَرَّاهَا دَمِ مَحَلِّقِ
 درست گوئی بر موقوف از پے قرباں بوند جان بنی اغواق گو سفند و عنقا
 مگر کہ ہست گل با سمن ز زرد و ز سیم کہ ہست بر اور امیان سیم اور اوراق
 اگر سیدہ جدہ چشمہ سے زرد مژہ ندیدہ اینک چمنی بدیں صفت امان
 دو چشم خویش بر انگن بچشم آذر گوں درین نہاں بر امان او گمار امان
 بچشم بر مژہ زرد اگر نگو نہ بود نگو بود سیدہ اندر میان چشم اداق
 چو ز زرم بلان امیر دین جنت یکے گرفتہ سپرد کف دیکہی محراق
 نہادہ گوش کہ یاسند گاہ فتح بواب ز کہ خدای خراسان و کہ خدای عراق

۱۔ ایک شرعی عہدہ جو دو فقر قضائے تعلق رکھتا تھا۔ یہ عہدہ دار ایک جہت رکھتا تھا جس نے اس کا اہل عدالت لوگوں کے نام
 دج ہوتے تھے علاوہ اسکے اور بھی مداری کے کام پر ہوتے تھے ۲۔ گل کرنا۔ ۳۔ ناکہ میرانی چڑھا نا جیسا کہ وضو میں ہوتا ہے۔ ۴۔
 علاوہ گردن ۵۔ گلو کرنگی نام عارضہ ۶۔ ایک دوسرے کے گلے میں ہات ڈالنا و بالفتح بمعنی بے غالہ بادہ۔

وزیر سلطان نہیں زمان چسپایں زمین
 لطیف خلق وی خلقتش موافق خلق
 بو ذکیتی مر خلق را بہین شرف آنکہ
 وزیر آں ملک آنکہ خورد کرد و بگز
 بتیغ و تیغی کردی میز طغرل فتح
 نینم خطا کرد و گرد بد بھر شود
 ہر آں کسی کہ بود مشفق آں وزیر براو
 گہ سیاست آرد بدید ہیبت او
 گہ سخاوت بہر کہ او کشاید دست
 مخالفان در آرد دہاں بشرق و بغرب
 موافقان را در عصر او زبرکت او
 نہ بیم قیمت جو نہ خوف نزل نزل
 برنگ گفتن لغت ڈی و نوشتن او
 ز کس رزق فرو شد وی نہ رزق خود
 ز عشر یک صدقہ زائران ازو گیرند
 اگرچہ دشمن او بہت سال ماہ شقی

ابوعلی حسن بن علی بن اسحاق
 نہ آفریند مخلوق بہ ازو خلاق
 موافق آید با خلقت لطیف اخلاق
 ہر ہزار نیال تن ہزار ملاق
 چنانکہ میرالپک سلاں نجات حق
 عمیر بوی در او رنگ آب نش مذاق
 ز ہج بد نبود در ہماں ورامشاق
 خشوع در ابصار و خضوع در اعناق
 کشاید آں را بر آسمان در آرزاق
 می از نیب جمیم ہست انگیں عناق
 درم فروں تر ہر چہ بد بشیر لفاق
 نہ بیم ہیبت افلاس خشیت اطلاق
 بفرقاں ز شرف و فراق ساغر ولاق
 ہرگز بر بخورد و زو مشعبہ و زرقاق
 ہزار زن چو سہا دخت رز و ہندلاق
 شقی تر آنکہ ازو در دلش شقاق

۱۰۰ نفی ۱۰۰ دوستاروں کے نام ہیں جو طلب کے نزدیک ہیں ۱۰۰ ہر مہنی ہر گاہ بہت ۱۰۰ بازگیر ۱۰۰ مکار۔

اگر نڈ طبق و خواں سہری ہمت خوش
پہر باید خواں دستار گل طابق
زمین مشرق و مغرب سپرد خواہد ہر
بدان غایت از ہر صرخ را تر باق
دریں بسیند نادیدہ ہیکس سیمرغ
دریں بسیند نادیدہ ہیکس و قواق
پر تو لامی اسے نامور وزیر آمد
چونزد احمد کعب چونزد کعب اسحاق
روان شادی بچوں شناوی کہ رو
در آب جلد زباب لالہ با طابق
زدودہ تختش اسپا قوام کعب
چو ساقیاں را ہنگام خواست باق
شود کہ بہ نمود زو بگاہ مدح وصلہ
ز خلق شاعت و شعر قائم الاغواق
خرنمہ تو ز ایلان باد تا بغداد
رہنما رو مصر سپاہ تر اسر او و باق
بزی بشادی تا در میان خلق بود
سر دین ہمہ گوشت با طلاق غواق

زمانہ کردہ ترا سپہجو تو مرا یزدرا

ہزار حمد و ثنا بالعشی و الاشراف

منبر

چون از ملک گرفت ہر میت پیا چیں
آورد شاہ زنگ بروں لشکر انکس
یک قوم را ز تارک برداشتند باج
یک قوم را جو اہر بستند بر چیں
گم گشت روشنی و فزون گشت تیرگی
بر سام حام چہرہ شد و دیو بر این

۱۔ بغداد کے مشہور محلوں کا نام ہے ۲۔ ایلان بلاد و راء النہر کا ایک مشہور شہر جو فغانہ کے قریب تھا اور اس کا ایک
پرگنہ نواح نیشاپور میں تھا۔ ۳۔ ایک قریب کا نام ہے جو پنجاب سے ۳۰ کوس پر واقع تھا۔

اندو دھیرہ گفستی طیس ابن ابر
 ہزار چار میں فلک اندر فدا بیت
 گوئی کسند خلق بجا کستر اندر
 از شخص دیو چشم دلیراں پر از خیال
 مارند اسطفتا گفستی ہمہ سیاه
 کردم سوئی زمین و سوی آسمان نگاه
 بود آسمان چو حلقہ انگشتری صفت
 پیروزہ زنگ حلقہ انگشتری کہ دید
 زانگو نہ گو نہ صورتی آمد ہی شگفت
 گاؤں ستادہ کلخ زمر دور امکاں
 نہ جائے آنکہ گاؤں زند شیر را سرو
 چون موئے حور عین شب ماہ تواند
 پروین حد شام و سہیل از حدین
 سیمین قنینہ شامی بگرفتہ در شمال
 خواہند خورد گفستی ہر دو ہم شرب
 گرداں بنات لغش ہمہ شب بر آسمان

آنکو بہ جبل گفست بوزار بہر طیس
 شت ضعیف گشتہ بدریای ہفتیں
 امشب ز بہر فرد آتش ہی و فیس
 و بنگ غل گوش ترکان از طین
 دیو ند خشجیاں گفستی ہمہ لعین
 تا گرد دم مگر صفت ہر دو آن بقین
 مادہ نگین صفت بمایش اندر زمین
 کا ند میان او زخمی ہمہ بونگین
 کا فرو زدار بعین حد و شخمیں بعین
 شیر ایستادہ قبہ میسن اور اعین
 نہ بیم آنکہ شیر گزدگا و را سوس
 چون موئے بند زرین موئی حور عین
 این وی کردہ سواں - آروسی سواں
 ز ترین قلع یمانی بگرفتہ در میں
 گرا آسمان کسند شاں یکبارگی قرین
 چون در شدہ سوار نبھ او در دکن

۱۔ عامر - ۲۔ ایک پھر کا نام ہو چکی سیما ہی مرغی مائل ہوتی ہو - ۳۔ سینک ۴۔ جنگ جہل -

چوں کرد و اژگونہ فلک نین او بر پ
 آمد بر من آنکہ نہ بسند کس و ندید
 از زلف بے و چین فگندہ برابر و
 گم لام گریست بھی از برالفت
 چوں اگر گشتہ دیدہ و برابر بر شد
 من چوں باہ تشنیکہ رشتہ ز غفران
 گشتیم دور عاقبت از یکدگر بدرد
 اورفت سوسے روضہ و من سوسے یاد
 پشت بلند کو ہی کردم مکان خویش
 چوں بر شدم پیش گفتنی بہر مرج
 دشت از درندہ شیراں چوں وز عید نحر
 من بچو از دہان خد و ند صوبال
 رہ گرچہ دور بود و مگر ہاشم بنیک
 یکدست من بہنوز بہ چیں چید گل ہمیں
 نفرین دست نام شدہ از گوش من بہنوز
 من خواستم گام و نہاد م بر پ
 سر دی چنیں بغا تفر و لعبتی چیں
 زان پیشتر کہ بودی در زلف کائنات چیں
 کہ میم رنجت کرانہ ہے بسیں
 از غم مرا غرو شنگار مرا انیں
 او چوں باہ نیاں یکدستہ ہیں
 مر مر دورا دریدہ گریان و استیں
 او در بلایے رقت و من دغای چیں
 کا یہ کہ سبت چوز کوہ بلبل ہیں
 ہیں اخلاقی گفت برو بر شتاب ہیں
 از گو سفند و گاؤ سبب از رو پاکیں
 جستہ گتہ کا رخ خد و ند پوستیں
 شیخ گرچہ خشک بود مگر ہاشم سہلکیں
 واں دست دیگرم ہمیں بود لالہ چیں
 کا مذ قصر خواجہ بگو شش من آفریں

لہ ترکستان کا ایک مشہور شہر ہے جہاں کا سر واد حسن مشہور ہے نالہ و فریاد ہے سیلاب ہے بمعنی ایں و اینک -

ہے بطور تاکید کے یہو یعنی زود باش ہے عید الضحیٰ -

مخبر علاؤ زرشہنشاہ بوعلی
حسن ہرچی حسن رضی میرمنون
منبت

آمد کسادہ روئے برمن نگار من
بستہ زخندہ لب بگرستن کشتادہ چشم
دوپای قص کن بگل اندر ز آب چشم
پوشیدہ من صلاح و نہادہ بر پانیں
بکشا چوں بدیدہ انسان مرا ز باں
گفتاں وفا نمودن تو بودی سر بر
بردشتی دل از من بگزاشتی مرا
زین وی خوش شائق و بالائے تجو سر
یک و ز چوں شکیمی چوں ناشدای گفت
ای دخل ز حیثیت ترا و گلد ز کیت
بر راحت حضر جو گزینی ہی سفر
گفتم کہ پیش ازین مخروش و مبارک
ہستاین ہمہ لیکن بے طلعت و زیر

چوں مر مرا بہ دیدگستہ دل از طن
اُبروزد و ز د پُر گرہ و زلف پر شکن
ز دوست و دوزن غنا گشتہ زنی زن
چوں کرد گاہ کین و عرب گاہ فاختن
بر من بگفتہ سنی و بگفتی سخن
رزق و دروغ و مکر و فریب فون و فن
بر تو دل من ایدوں ہر گز نبہ ظن
زین می چوں بگفتہ و اندام چوں سمن
عیش ترا حلاوت و چشم ترا وین
از شہر یاز خانہ زمین یاز خوشین
بر شادی طرب چو گزینی ہی حزن
روستیں چشم نہ و دست برہمن
ہر شادی بو غم و ہر راحتی محن

جستم ره فراق و زدم بایک بر براق
 پیش آمدم چو بادیر بهسم وادی
 نه مرغ نه فرشته نه خوش نه آدمی
 در دیو لانه اش بد انسان غروش دیو
 بے آب آدمی من و سپم از عراق
 غول اندر و دم نهند در نهند بود
 راهی چنان در ازوشی تیره و سیاه
 انجم بر آسمان چو مجلس شب بند
 پرویں درو چو ماهی سیم اندر آب گیر
 تیر کشیش فکندہ سوی مہی شہاب
 آل خور و بیمار ستارہ بر آسمان
 یا حلقہ ماے سیم بر سفرہ کبود
 کانون فلک شب نگشت آتش ستارگان
 گردون حکم پشت زار و حجرہ درو چنانک
 وقت سحر قطب فلک نہایت نش
 گردان بآن مثال کہ بر کاغذ سیا
 بر گشتم از توین و کشیدم سر از توین
 موزہ شکاف غارن و خاکش قدم شکن
 نہ رسم نہ دیار نہ اطلال نہ دین
 کا مد بگویش گاہ رعنی نغمہ ز غن
 غرق اندر آب چوں بشط و وجد بر شطن
 در ماندہ ترز مورچہ لنگ لگن
 کردہ فرشتہ یکہ گیتی بہرمن
 با آتش و چراغ زدہ صفت صد انجمن
 بر سینہ نہفت نہ و را در پر من
 سیم کشیدہ ماہ برو اندرون من
 ہر یک شکل کو کو بر تیغ و برغن
 یا در نفش زار پر اگندہ نستر
 نسرین دوزخ بریاں بر نوک باب زن
 در کشت زار باز پی کاروان سخن
 چون تاقہ کشفہ و را گلستان عطن
 آرند کو دکان سوئے بالا ز بادخن

ہترنگ شب زیر من اندر کی غراب
 قایح تر از غراب و دلاوتر از عقاب
 غوغا و دم و گاؤں سرین غزال چشم
 مخروط ساعدیکہ نیابی در و عجب
 پرورده در حجاز مراد راعب بناز
 عذرا بدامن از قدم او فشاں گدرد
 بستہ چنان میاں کہ گہ کارزار مرد
 گفتم ہی بلائے فلک را زماں زمان
 برآپ من مان دمان نیر من برآپ
 گفتی و را سعادت گوید ہی بڑ
 پشتم سوی خراسان ویم سوی عراق
 امید آنکہ نجات یابم مگر
 خورشید وزگار ستودہ نظام ملک

ہتر ز زندہ پیل و قوی تر ز گردن
 ہشیار تر ز عقیق چاکتر از عن
 پیل ز راقہ گردن و گور ہشیوں بن
 اگندہ پہلوے کہ نہ بینی در و عجب
 بودہ برا و چو والی و اسل مفتن
 بیل باستینش زدودہ لب از لب
 در برگندہ موے چو گاہ عقاب بن
 لاندفع ابن عکرمیشی علی سفن
 ہر دو چان نازاں چوں سر در چمن
 گوئی مرا بشارت گفتی ہی بدن
 سوی شمال شام و نیم سوی من
 صدوزیر شاہ جہاں بو علی حسن
 زین زین جہاں زمینت ز من

سلا رسلین رضی میہ منوین

بحر اذا تحرك طود اذا اسکن

منبت

شاعران بر تو ہمتی خوانند ہر دم آفریں
 کہ بالفاظ ججاری کہ بالفاظ دہری
 بر تو مداح تو چون مدح تو خواند از نشاط
 راست پنداری کہ ہر موی بان شجری
 از عدم گونی بدین کار آمدی اندر وجود
 تا گیتی در بساط نیک نامی گسری
 پیروی دائم سخاوت را ہی فرزند و
 بے مبارک تر بفال از مشتری میدار تو
 بچنان کا یاد از تو تاثیر و هست او بر فلک
 بر یکے حالے تو و حال جہاں گرد ہی
 اینک آئین جہاں گیر دہی دیگر نہاد
 کرد بر پا از زبر جسد باز در گلزار ہا
 زیر آں ایوانہا گسترده شاد رواں
 اندازں پیڑوہ گول یوان پیڑی ویش
 از کف سنگین دل سیمین بیا تو لب
 زان می روشن کہ مینی پیکر خویش اندازں
 کسروی ایوانہا و قصر ہائے قیصری
 از حریر لعلگون و آسمان گول عبقری
 باندیمان و خستہاں مندر گرنجی خری
 رخ چو کشمیری بت بالا چو کشمیری
 چوں ستانی از کف ساقی و لب سبکی و بری

باز شناسی ازین ہر دو کد منبت حال

دیرین تست ساغریا تو اندر ساغری

(۳) شمس الدین محمد معروف بن خالد خلف مؤید حد

شعرے عراق کے حالات میں مصنف آتشکدہ نے شمس الدین کا مختصر طور پر ان الفاظ میں ذکر کیا ہے ”از منسوبان خواجہ نظام الملک از مداحان سلطان سنجر سلجوقی بود“ اس کا کلام نایاب ہے۔ صرف ایک رباعی مشہور ہے وہ لکھی جاتی ہے۔

بہ بہت در دپای نظام الملک ایں رباعی گفتہ
گرد و کند پائے فلک فرسایت سرسیت در آن عرضہ کفر برایت
چوں از سر دشمنت بجا آمدہ درد آمد تبلم کہ فتد در پائیت

(۴) معین الدین طنطرائی

ملک الکلام۔ معین الدین طنطرائی نہایت نامور علما سے ہیں۔ مدرسہ نظامیہ میں عرصہ تک مدرس رہے ہیں اور ان کے فضل و کمال کی یہ سب سے بڑی شہادت ہے۔ شاعری ان کے کمالات کا ایک ادنیٰ درجہ ہے۔ خواجہ نظام الملک کی صبح میں قصیدہ ذوقا فیتین بزبان عربی لکھا ہے جو صنائع و بدائع کا مجموعہ ہے۔ اور کلام کا بڑا حصہ عربی میں ہی جس کے انتخاب کا اردو کتاب میں موقع نہیں ہے۔

(۵) سید شریف نظام الدین المعروف بابن الباری

سید شریف ابوعلی محمد بن محمد بن صالح العباسی الهاشمی المعروف بابن الباری ملقب بہ نظام الدین، اشعر لے بغداد میں نہایت نامور شاعر ہی۔ قاضی ابن خلکان تحریر فرماتے ہیں: ”کان شاعرًا مجیدًا احسن المقاصد لکن خبیث اللسان“

سید شریف کے فضل و کمال کے سب معترف ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ سید کی بد زبانی اور ہجو گوئی سے مورخوں کے قلم انکی تعریف لکھتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ خواجہ نظام الملک کا قول ہے کہ ”سید شریف کی شعر و شاعری میں ہجو، ہزل اور کمطربی کے خیالات کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔“

سید شریف اپنے زمانے کے مرزایفیع (سودا) تھے شاید ہی کوئی ایسا شخص ہوگا کہ جس کی سید نے ہجو نہ کی ہو۔ اس طرز کلام سے ثابت ہے کہ سید کے مزاج میں طرافت کا بڑا مادہ تھا اور طبیعت کی شگفتگی ہجو گوئی پر مجبور کرتی تھی اور بلا خیال کسی کی ناراضی یا ملامت کے سید کے قلم سے ہجو کے اشعار نکلتے تھے اس سے زیادہ شوخی اور کیا ہوگی کہ اپنے محسن خواجہ نظام الملک کی ہجو میں بھی دو چار شعر لکھ ڈالے ہیں۔ لیکن شاعری کے اس حصہ کو چھوڑ کر جب دیگر اصناف کلام پر نظر کیجاتی ہے تو وہ بھی قابل تعریف و تحسین ہے۔ کتاب الخزیدہ (عماد کا تب) ابن خلکان اور عیون الابناری فی طبقات الاطباء میں منتخب کلام درج ہے۔

۱۔ خواجہ کے عام اخلاق و عادات کے حالات میں یہ ہجو کے اشعار درج ہیں۔

سید شریف خواجہ نظام الملک کا وظیفہ خوار تھا۔ اور ہمیشہ انعام پایا کرتا تھا چنانچہ سید شریف کا قول ہو کہ ”میں اپنے گھر کی جس چیز کو دیکھتا ہوں وہ خواجہ کی عطیہ نظر آتی ہے۔“
تصنیفات میں نتائج الفطنۃ فی نظو کلیلۃ و دمنۃ اور دوسری کتاب الصادح والباغم بطر زکیلہ دس منہ مشہور ہے۔ یہ دوسری کتاب دس برس میں تصنیف ہوئی ہے یہیں ایک ہزار اشعار ہیں۔ اور اعلیٰ درجہ کی تصنیف ہے۔ بمقام کرمان ششم میں انتقال کیا۔ اور وہیں دفن ہوا۔

(۶) قاضی شمس الدین طیبی

قاضی صاحب شہیر علمائے خراسان تھے ہیں خواجہ نظام الملک کی مدح میں قاضی صاحب کے قصائد مشہور ہیں تفصیلی حالات نہیں معلوم ہو سکے۔

سید شریف کی دونوں کتابیں مندرجہ ذیل میں چھپ گئی ہیں: الصادح کی نظم کا نمونہ یہ ہے۔

حکم مع ما النافیہ وکل

مَا كُلُّ قَوْلٍ يَسْمَعُ	مَا كُلُّ نَفْسٍ يَنْجُمُ
ہر قول قابلِ سماعت نہیں	ہر نصیحت مؤثر نہیں
مَا كُلُّ عَذْرٍ يَرْقُبِلُ	مَا كُلُّ ذَلٍّ يَجْلِلُ
ہر عذرا قابلِ تیرائی نہیں	ہر ذلت قابلِ دلالت نہیں
مَا كُلُّ غَيْمٍ يَمُطِرُ	مَا كُلُّ غَضَبٍ يَنْثَمِرُ
ہر بدلی برستی نہیں	ہر شاخ پھسلتی نہیں

انتخاب زکتاب الصادح صفحہ ۱۱۸-۱۱۹ مطبوعہ بیروت ۱۴۱۸ھ ابن خلکان و دیباچہ الصادح والباغم ۳۵۰ ذکرہ

مرآۃ الانحیال شیر خاں لودی مطبوعہ کلکتہ۔

ان شعرا کے علاوہ، ایک کثیر تعداد اُن مشاہیر شعرا کی جو بدرستہ نظامیہ وغیرہ کی مختلف خدمات پر مامور تھے۔ اور اوقات فرصت میں دربار خواجہ میں حاضر ہوا کرتے تھے اور بعض ایسے ہیں کہ جنہوں نے خواجہ کے حضور میں آنکر قصیدہ پڑھا اور نخواست ہو گئے اگر تائید کی ورق گردانی کی جائے تو ایک طویل فہرست مرتب ہو سکتی ہو۔ لیکن بنظر طولیت ہم صرف اُن شعرا کی فہرست لکھتے ہیں جنکے حالات علامہ ابو الحسن علی الباقری شافعی نے اپنے مشہور تذکرہ ”دمیۃ القصر معصرة اهل العصر“ میں قلمبند کیے ہیں۔ اس تذکرہ میں وہ قصائد بھی ہیں جو خواجہ نظام الملک کی مدح میں لکھے گئے ہیں۔ شائقین اصل کتاب ملاحظہ فرمائیں۔ ہم صرف ناموں پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۱) ابو عمرو یحییٰ بن صاعد بن شیار ہروی۔

(۲) ابو العلاء محمد بن غانم نیشاپوری۔

(۳) شیخ ابو علی اشبلہی توشنجی

(۴) یعقوب بن سلیمان اسفرانی

(۵) احسن بن ملک

(۶) ابو العواذل

(۷) محمد بن احمد بن حسین لشر بنجی طبری

(۸) سیار بن علی ہروی

(۹) ابراہیم بن عبد الرحمن المعری۔

- (۱۰) محمد بن علی العالی سنجی
 (۱۱) شیخ ابو علی الحسین بن عبد اللہ القدوسی
 (۱۲) شیخ ابو علی احمد بن محمد الباری الخواری
 (۱۳) حسین بن جعفر بن محمد الفارسی -
 (۱۴) علی بن احمد بن عبد اللہ انصاری
 (۱۵) ابو بکر عبد القادر بن عبد الرحمن فارسی
 (۱۶) ابو بکر عبد اللہ بن محمد ہروی
 (۱۷) ابو العباس الفضل بن سعید بن محمد الاسعانی
 (۱۸) ابو القاسم علی بن عبد اللہ وزیر سلطان طغرل بک
 (۱۹) الحسین بن الحسن بن خطیبی الارموی
 (۲۰) عبد اللہ بن محمد بن بکر الجعفری
 (۲۱) استاد ابو الحسن الحسین بن علی بن بصیر
 (۲۲) ابو ذکریا یحییٰ بن علی خطیب لادیب تبریزی
 (۲۳) الموفق بن خلیل بن احمد شیبانی
 (۲۴) احمد بن محمد الموری -

۱۵ درج خواجہ نظام الملک گفتہ

لوری کہفت للذین قوام
 ولواستقصیت فیہ الف عام

انت فرد العصر ما فیہ کلام
 لم تکن تبلغ ادنی وصفہ

(۲۵) ناصر بن سلمہ

(۲۶) اسد بن مہلب بن شادوی

(۲۷) محمد بن حسن بن عبد الرحمن الرومی صوفی

(۲۸) ابو عبد اللہ سلمان بن عبد اللہ نروانی

(۲۹) ابو الفضل یحییٰ بن نصر العدوی بغدادی

(۳۰) ابو سعید محمد بن حمزہ موصلی۔

(۳۱) الحسین بن ابراہیم بن طوق موصلی۔

(۳۲) ابو نصر محمد بن عمر بن محمد اصفہانی۔

(۳۳) ابو الحسین بن علی بن حمزہ اندلسی الضریری

(۳۴) ابو انجم اسمعیل بن ابراہیم لقمہ زینی

(۳۵) ابراہیم بن عمر حریری دقانی۔

بلحاظ شعرو شاعری، حکیم عمر خیام نیشاپوری کا نام بھی شعرا و دربار کے ذیل میں آنا چاہیے تھا۔ مگر چونکہ خیام نے خواجہ کی طرح میں ایک رباعی بھی نہیں لکھی ہے۔ لہذا زمرہ شعرا سے خیام کو الگ کر دیا ہے۔ اور اپنے موقع پر خیام کا مفصل تذکرہ حیثیت ایک حکیم، مہندس، اور نجومی کے علیحدہ تحریر ہے۔

غیاث الدین ابو الفتح حکیم عمر خیام نیشاپوری

نام و لقب [عمر نام، غیاث الدین لقب، ابو الفتح کنیت، اور خیام تخلص ہے۔ خیام خاک ایران کا وہ نامور حکیم، مہندس اور فلسفی شاعر ہے جس پر ایران کو ہمیشہ فخر رہیگا۔

صحیح روایتوں کی بنا پر خیام کا نام عمر ہے اور غیاث الدین وہ مغز خطاب ہے جو قوم کی طرف سے خیام کو دیا گیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک وقت میں امام مانا گیا ہے، کیونکہ غیاث الدین اور محی الدین ایسے خطاب والے القاب ہیں جو صرف ائمہ اور مجتہدین کا حصہ ہیں۔ خیام کی کنیت لہبتہ حقیقی نہیں ہے بلکہ صنفی معنی کے اعتبار سے ہے۔ کیونکہ خیام نے تمام عمر نہ تو شادی کی اور نہ کوئی اولاد چھوڑی۔

خیام کا باپ [مذکورہ نویس اس پر متفق ہیں کہ خیام کے باپ کا نام ابراہیم تھا۔ لیکن ہماری رائے میں یہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ خیام کے باپ کا نام عثمان تھا۔ ہماری تحقیقات کا مآخذ خاقانی کی کتاب مشنوی تحفۃ العراقرین ہے۔ اور خیام کے سلسلہ نسب کے متعلق اس سے زیادہ صحیح اور مستبر کوئی روایت نہیں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ خاقانی، عمر خیام کا بھتیجا ہے۔ اور خاقانی کی تعلیم و تربیت خیام نے کی ہے اس لیے گھروالوں کے مقابلے میں باہروالوں کی روایت قابلِ سند نہیں ہے۔ اور سچ بھی یوں ہے کہ صاحب البیت ادری بما فیہا۔

اب ہم تحفۃ العراقرین کا وہ حصہ نقل کرتے ہیں جس سے مذکورہ بالا واقعات خود حل ہو جائیں گے۔

در تلخ غم خود عمر خیتام کہ در اہتمام و تربیت او بود
 بگرختہ ام ز دیو خدلاں
 ہم صدرم و ہم امام و ہم غم
 در سایہ "عمر" ابن عثمان
 صدر اجل و امام اکرم
 برہانی و ہندسی مقاش
 افلاطن و ارسطو عیاش
 از علمش دادہ دہر محدث
 یک ثلث بہر مس مثلث
 زین غم بہ من آن شرف رسیدہ است
 کز قرص خور آب خاک دیدہ است
 در خانہ تنگ خاطر من
 غم ساخت دو صد ہزار وزن
 چوں بر سر روز غم رسیدے
 چوں قرصہ خور رسنیدے
 تا بر درسم مرا وقوف است
 احاد نہاد من الوف است
 بودم چو یکہ دقت خور
 غم، زی در جات رفعتم برد
 پس زان در جات بوج پرخت
 اول نیکی بہ شصتہ آورد
 زان برج بیوت اختران سخت
 انکاخہ زنی دو آزدہ ساخت
 پس شصتہ مرا بستی بدل کرد
 زان جملہ سراے ہفت شد سخت
 مسکین پدرم ز جور ایام
 انگند مرا چو زال را سام
 او سمرغ نمود در حال
 در زیر پریم گرفت چوں زال
 آوردہ بکوہ قاف دانش
 پروردہ مرا بہ اشیا نش

۱۔ با من بہیتیم داری آن مرد آن کرد کہ عہم بہ مصطفیٰ کرد الخ
مندرجہ بالا اشعار سے اگرچہ صرف عمر خیام کے باپ کا نام ظاہر کرنا مقصود تھا لیکن
جن شاندار الفاظ میں خاقانی نے خیام کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ بھی اُسکے فضل و کمال کی ایک
مستند شہادت ہے۔

عثمان کے کئی بیٹے تھے مگر سب سے مشہور دو تھے۔ ایک علی۔ دوسرا عمر۔ حکیم
فضل الدین خاقانی علی کا بیٹا تھا۔ اور یہ مسلم ہی کہ ساری دنیا کے خاندان کے نام ایک ہی
انداز کے ہوتے ہیں۔ اور عثمان علی، عمر، یہ نام خود بتاتے ہیں کہ ہم سب ایک ہی کسال
کے سکے ہیں۔ اور راسخ الاعتقاد مسلمانوں میں یہ سنت آج تک جاری ہے کہ اپنے بچوں کے
نام نسبیا، کرام اور بزرگان دین کے ناموں پر رکھا کرتے ہیں۔

خاندانی پیشہ عمر خیام کا باپ عثمان ایک پیشہ ور آدمی تھا۔ اور جامہ بانی اُسکا پیشہ تھا چنانچہ
خاقانی نے جہاں اپنے بزرگوں کے حالات لکھے ہیں۔ اُسی میں اپنے دادا کو نتاج (جامہ بیا)
لکھا ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے۔

جولاہہ نزا دم از سوئے جد در صنعت من کمال آجبد
شاگرد ازل بہ کلبہ من ماشورہ کن ہست ریسماں تن
نشا جی ایک اعلیٰ قسم کی دستکاری ہے۔ اور مسلمانوں کے نہایت نامور ائمہ اس
پیشے سے منسوب ہیں۔ مگر اس عہد میں قومی غور نے جو حقارت امین خیال اس پیشے کی
نسبت قائم کر لیا ہے وہ لہستہ قابل تاسف ہے۔

غرض اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عمر خیام کا باپ جامہ باف تھا۔ اور غالباً کسی وجہ سے جامہ بانی چھوڑ کر خیمہ دوزی شروع کی ہوگی۔ بہر حال عثمان خیمہ دوز تھا یا خیمہ ساز یا تاہر خیمہ جو چاہو سمجھو مگر یہ مسلم ہے کہ اُس کا ذریعہ معاش (پیر عمر میں) خیمہ ڈیرہ تھا۔ اور اسی نسبت سے وہ قوم میں ”خیمت نامی“ مشہور تھا۔

ہر دست کار کا یہ پہلا اصول ہے کہ اپنی اولاد کو بھی وہ اُسی پیشہ میں لگاتا ہے جس میں خود مصروف ہے۔ لیکن طبیعت اپنے حسبِ حال خود پیشہ کا انتخاب کرتی ہے اور اصولاً وہی کام سرسبز بھی ہوتا ہے جو اپنے مذاق کے موافق ہو چنانچہ جہاں تک ہم نے تحقیقات کی عثمان کے کسی بیٹے نے خیمہ دوزی کا پیشہ اختیار نہیں کیا۔ کیونکہ علی (خاقانی کا باپ) بخاری کرتا تھا۔ اور عثمان کا دوسرا بیٹا طلیب تھا۔

تخلص عمر خیام نے آبائی پیشہ اختیار کیا ہو۔ یہ مستند تاریخوں سے ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ خیام کے بچپن اور ابتدائے شباب کے حالات بالکل تاریکی میں ہیں۔ اور اگر بچپن میں برائے نام کچھ کیا بھی ہو تو اُس کا شمار پیشہ میں نہیں ہے۔ کیونکہ پیشہ دراصل وہی ہے جس کی آمدنی پر زندگی موقوف ہو۔

عمر نے اپنا تخلص خیام رکھا تھا۔ غالباً اسی لفظ کو کچھ بچپن میں کر ایک گروہ یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اُس کا پیشہ خیمہ دوزی تھا۔ لیکن محققین کی رائے ہے کہ تمام عمر میں ایک دن بھی خیام نے خیمہ دوزی نہیں کی ہے۔ بلکہ محض کس نفسی اور اپنے باپ کی شہرت عام پر اس نے خیام تخلص رکھا تھا۔

خیام کی ولادت خیام کہاں اور کب پیدا ہوا؟ یہ دو سوال ہیں اور دونوں میں مؤرخوں کا

اختلاف ہی لیکن خواجہ نظام الملک کی روایت کے مطابق خیام کی ولادت شہر نیشاپور میں ہوئی اور وہیں تعلیم و تربیت پائی چنانچہ دستورالوزراء میں خواجہ لکھتا ہے ”حکیم عمر خیام نیشاپوری الاہل بود مولد و منشا و انیشا پور بود“ چونکہ ہمارے نزدیک یہ صحیح روایت ہے لہذا اس روایت کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرنا فضول ہے۔ عمر خیام کس سنہ میں پیدا ہوا اس کا صحیح جواب نہیں دیا جاسکتا ہے۔ لیکن تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ عمر خیام کی ولادت چوتھی صدی ہجری کے عشرہ اولیٰ (۱۰۱۰ء) میں ہوئی ہے۔ کیونکہ خواجہ نظام الملک اپنی طالب علمی کے حالات میں لکھتا ہے کہ ”حکیم عمر خیام محمد بن ابن صباح نورسیدہ بودند۔ در آن مجلس ہم سن من با وجود فہم و قوت طبع در غایت کمال با من مخطوط بودند“ خواجہ نے خیام اور حسن صباح کو اپنا ہم سن لکھا ہے۔ اور خواجہ کی ولادت ۱۰۱۰ء میں ہوئی ہے چنانچہ جس سال خیام امام موفی کی درسگاہ میں آیا ہے اس وقت نظام الملک کی عمر چھ بیس برس کی تھی اور دو ایک برس کی کمی بیشی جنین ہوتی ہے وہی لڑکے ہم سن کہلاتے ہیں۔ لہذا ہماری رسلے ہیں حکیم عمر خیام کا سال ولادت ۱۰۱۰ء صحیح ہے۔ اور یہی رسلے محققین یورپ کی بھی ہے۔

تعلیم و تربیت خیام کے بچپن کے حالات کسی تاریخ اور تذکرہ میں نہیں ہیں۔ نہ اس زمانے کی تعلیم اور تربیت کا حال معلوم ہے۔ مگر یہ بالاتفاق ثابت ہے کہ عمر خیام نے امام موفی کی درسگاہ میں فقہ، حدیث، اور اصول کی تعلیم حاصل کی۔ اور یہ درسگاہ انہی علوم کے واسطے مشہور تھی۔ اس وقت حکیم کی عمر چوبیس سال کی تھی۔ مکتب نشینی کی معمولی عمر سے اس وقت تک جبکی معیاد تخمیناً اٹھارہ سال کی ہوتی ہے۔ یہ زمانہ خیام نے دیگر علوم و فنون کی تحصیل میں صرف کیا ہوا

مگر افسوس ہے کہ یہ تحقیق نہ ہو سکا کہ خیام کو ان علوم میں کس کی شاگردی کا فخر حاصل ہوا۔ بہر حال اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ خیام اپنے زمانے کا نہایت نامور فقیہ، محدث، مفسر، اصولی، قاری، مؤرخ، فلسفی، حکیم، اور نجومی تھا۔ اور شاعری کے فضل و کمال کا ایک ادبی کرشمہ تھا۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ وہ یونانی زبان بھی جانتا تھا۔

خیام کی آئندہ زندگی حکیم عمر خیام ^{۳۳۲ھ} ^{۹۴۲ء} میں امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اور چار برس کا مل خواجہ نظام الملک اور جن صاحب کا ہم سبق رہا۔ جب مدرسہ کو الوداع کہنے کا وقت آیا تو ان دوستوں نے یہ معاہدہ کیا۔ ”عہد میسگم کہ ہر کد ام را دولے مرزوق گردا، علی السو یہ مشترک باشد و صاحب آن دولت خود را بر ہیج وجه ترجیحے ثابت نہ کند۔ چنانچہ معاہدہ سے تخمیناً اکیس یا بائیس برس کے بعد خواجہ نظام الملک الپ ارسلان سلجوقی کا مستقل وزیر ہو گیا اور جب وزارت کا شہرہ تمام ایران میں پھیل گیا تو اطراف و جوانب سے خواجہ کے دوست و احباب اس کے پاس آئے لگے۔ چنانچہ عمر خیام کو بھی خواجہ نظام الملک کا وعدہ یاد آیا اور وہ بھی خواجہ کی ملاقات کے لیے بمقام مرو پہنچا۔ خواجہ خیام سے عزیزانہ ملا اور کمال تعظیم سے پیش آیا۔ ان دوستوں کی ملاقات اور گفتگو کا تذکرہ مختلف تاریخوں میں ہے۔ لیکن خواجہ نظام الملک نے جن الفاظ میں خود اس واقعہ کو لکھا ہے ہم اس کو نقل کرتے ہیں جو سب سے معتبر اور صحیح روایت ہے۔

در دور الپ ارسلان حکیم عمر خیام نزد من آمدنچہ	الپ ارسلان سلجوقی کے عہد حکومت میں حکیم عمر خیام
از لوازم من عہد و مراسم حفظ و قاباشد	میرے پاس آیا تو میں نے معاہدہ اور ایٹھائے وعدہ

بجائے آورد و مقدم اور اہم واجب اگر ام
 و اعزاز تلقی نمود و بعد ازاں باوے گفت کہ
 مرے صاحب کمالی ترانیز ملازم سلطان باید
 شد چہ معہو مجلس امام موفق منصب ترک است
 شرح تو با سلطان بگویم و حال درایت گفت
 تو بنوعی در ضمیر او متکلم گردانم کہ مثل من بدرجہ
 اعتمادی حکیم گفت غرق شرف و نفی کریم
 وطنیت خجستہ و ہمت بلند تر از اہل راین
 مکارم تر غریب میکند و الاچوں من ضعیفی چہ حد
 آنکہ وزیر مشرق و مغرب باوے چنین تو اضعا
 کند و نزدیک من یہے نیست کہ درین تطفہا
 صادقی و امثال این بحجب علوشاں و غرت
 مکان تو مقدارے ندارد و لیکن حقوق احسان
 تو بر ذمہ من مست کثرت اگر عمر ہا درین
 شکر باشم از عہدہ این یک بکومت کہ انو
 میفرمائی نہایتو انعم بیروں آمد پس مرتبہ نیست
 کہ ہمیشہ با تو در حسن عہودیت باشم ایں مرتبہ

خیال سے خیام کا بڑے اعزاز سے خیر مقدم
 کیا۔ اسکے بعد میں نے کہا کہ آپ صاحب فضل کمال
 ہیں آپ کو بھی سلطان کی خدمت میں رہنا چاہیو
 کیونکہ امام موفق کی مجلس میں جو معاہدہ ہوا تھا اُنکی
 رو سے منصب مشترک قرار پایا تھا۔ اور میں اچھی طرح
 اپنی دانشمندی اور کارگزاری سلطان کو ذہن
 نشین کر دوں گا تب میری طرح آپ بھی سلطان کے
 معتد علیہ ہو جائیں گے۔ اسکے جواب میں خیام نے کہا کہ آپ نے
 جو کچھ فرمایا اس سے آپکی شرافت و کریم انفسی اور بلند
 ہمتی کا اظہار ہوتا ہو ورنہ مجھ ایسا شخص اس عزت
 افزائی کا کب متحق ہو جو وزیر (جسکی حکومت مشرق
 سے مغرب تک ہی کیجا نبی سے عمل میں آئی ہو) اور
 اس میں کچھ شک نہیں ہو کہ جو ارشاد ہوا ہو وہ بالکل سچ
 ہو اور آپ جیسے عالی رتبہ کے سامنے اسکی کیا حقیقت
 آپکے احسانات مجھ پر بہت ہیں اگر میں اُنکا شکریہ ادا کرنا
 چاہوں تو مدتوں میں صرف اُنکی نوازش کا شکریہ ادا
 ہو سکیگا۔ لیکن میری دلی آرزو یہ ہے کہ میں تمام عمر آپکا

کہ مراد ہاں دلالت فرمودی اقتضائے اس
 نمیکند چہ نسبت غالب مقتضی کفران نعمت است
 عِیَاذَ اللہِ مِنْہَا۔ انہوں حق عنایت نہایت
 کہ بدولت تو در گوشہ باشم و نہ شرف و اندام علی۔ و
 دعائے عمر جاودانی تو مشغول بر ہمیں سخن
 اصرار نمود چوں دانستم کہ مافی الضمیر خود بے
 تکلف میگویر ہر سال جہت اسباب پیش
 او ہزار و دولت مشغال طلبا بر اطاک نیا پور
 نوشتم و بے بعد از میں معاودت نمودہ مکمل
 فنون کرد خصوصاً فن ہنریت و دریاں بدرجات
 رفیع ترقی نمود۔

بندہ بنارہوں اور جس منصب کے لیے ارشاد ہو
 ہو وہ میرے مناسب حال نہیں ہی بلکہ پیچ پوچھے
 تو کفران نعمت ہے۔ ہاں اپنی مہربانی سے یہ چاہتا ہوں
 کہ ایک گوشہ میں بیٹھ کر خود اندام علی کی اشاعت کروں
 اور ترقی عمر و دولت کی دعا مانگتا رہوں۔ جب
 خیام نے اس مضمون کو متواتر بیان کیا اور سننے سمجھ
 لیا کہ خیام جو کچھ کہتا ہی وہ بلا تصنع ہی تو سننے ہی حکم
 دیدیا کہ خیام کو خزانہ نیا پور سے سالانہ بارہ ہشتالاک
 سونا بطور وظیفہ دیا جایا کرے اسکے بعد خیام آپس
 گیا اور تکمیل علوم و فنون میں مصروف ہو خصوصاً
 فن ہنریت میں بڑا کمال حاصل کیا۔

اس واقعہ سے خواجہ نظام الملک کی اخلاقی زندگی کے دو مسئلے حل ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ
 کہ وہ رہنمائی اور صادق القول تھا۔ کیونکہ عہد وزارت میں جس معاہدہ کی تکمیل نہایت امانداری
 سے کی گئی وہ معاہدہ حقیقت میں حسن صلاح کا ایک خیال تھا جس کی بنیاد علم قیاضہ پر تھی۔ دوسرے
 یہ کہ وہ علم و فن کا مربی تھا۔ کیونکہ خیام کا معقول وظیفہ محض اس لیے مقرر کیا تھا کہ وہ علمی
 تحقیقات کرے اور ظاہر ہے کہ اطمینان کی زندگی میں حسی ترقیاں ہوتی ہیں وہ نفسی میں معلوم

عمر خیام اور سنہ جلالی ملکشاہی

عمر خیام کو جب خجہ نظام الملک کی فیاضی سے معاش کی طرف سے پورا اطمینان ہو گیا تو نیشاپور جا کر علمی تحقیقات میں مصروف ہوا۔ اور چند سال کی محنت کے بعد اس نے جبر و مقابلہ میں ایک بنیظیر کتاب شائع کی۔ اور بہ نظر شکر یہ احسانات و انہما عقیقتہ اس کتاب کا خواجہ نظام الملک کے نام تہذیب کیا گیا اسکے بعد دوسری کتاب علم المحتسبات و الملکعبات میں اور تیسری کتاب اقلیدس کے اہم مسائل کی شرح میں لکھی۔ ان کتابوں کی اشاعت پر خیام کا تمام ایران میں شہرہ ہو گیا اور خراسان میں وہ دوسرا بوعلی شینا سمجھا گیا۔

خیام نے اپنے ہم مکتب دست خواجہ نظام الملک کو بھی یہ کتابیں ہدیہ میں بھیجی تھیں ان کے مطالعہ سے خواجہ بہت خوش ہوا اور بہ بیل تذکرہ خیام کے فضل و کمال کا ملکشاہ سے ذکر کیا۔ ملکشاہ کو چونکہ اصلاح تقویم کا ایک عرصہ سے خیال تھا لہذا خواجہ کو حکم دیا کہ خیام نیشاپور سے طلب کیا جائے، چنانچہ حکم کی فوراً تعمیل کی گئی۔ اور ایک وسیع پیمانہ پر اصلاح تقویم کا دفتر قائم ہو گیا۔

اس نامور مہندس نے تقویم میں کیا اصلاح و ترمیم کی۔ یہ ایک دلچسپ مضمون ہے جو تفصیل سے لکھنے کے قابل تھا لیکن ہمارے مورخین نے چند الفاظ میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے جس سے

کوئی مکمل مضمون تیار نہیں ہو سکتا ہے۔ لیکن انگریزی، ترکی، عربی، اور فارسی میں تقویم (کلندرا) پر جو مضامین لکھے گئے ہیں ان کی مدد سے ہم اس مسئلہ کی تشریح کر سکیں گے جس کے سمجھنے کے لیے اول ایک مختصر تنہید کی ضرورت ہے۔

سنہ سال کا رولج اقوام
عالم میں کیونکر ہوا۔

دنیا کی تمام قوموں میں سات دن کا ہفتہ، تیس دن کا مہینہ، بارہ مہینہ کا سال مانا جاتا ہے۔ اور یہ زمانہ حال کی تقسیم نہیں ہے، بلکہ سیکڑوں برس سے یہی نظام قائم ہے۔ اور اسکا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے سب سے پہلے قدرت کا یہ تماشا دیکھا ہوگا کہ آفتاب شبانہ جاہ و جلال سے روزانہ مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں جا کر ڈوب جاتا ہے جس کے انوار سے تمام دن فضا سے عالم جگمگاتا رہتا ہے اور اس کے موندھے پھیرتے ہی ظلمت کے اُفق سے یللائے شب کی آمد شروع ہوتی ہے۔

پھر اسے دوسرا منظر یہ دیکھا ہوگا کہ ماہتابِ عالمات یا تیس دن میں عروج و زوال کی تمام منزلیں طے کر کے اپنی اصلی حالت پر آ جاتا ہے۔ اور جب مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہو گیا کہ انکا دورہ یوں ہی رہتا ہے اور یوں ہی رہیگا تب اسے ہر دورہ کو ایک چکر یا حصہ سمجھ کر کسی کا نام دن، کسی کا نام مہینہ رکھ دیا۔ چنانچہ ماہتاب کے بارہ دوروں سے سا کے بارہ مہینے قائم ہوئے اور ہر مہینہ کا ایک نام رکھ دیا گیا۔ انسان اجرامِ علویہ کی دلفریبیوں کے دیکھنے کا فطرنا عادی ہو چکا تھا۔ لہذا وہ ہر ستارے کو غور سے دیکھتا تھا۔ اور آہستہ آہستہ

۱۔ جو وقت پیشونڈ پر کتابت تھا اسوقت ہر معلوم ہوا کہ یورپ نے خیام کی تحقیقات پر ایک مستقل کتاب شائع کی ہے۔ انشا اللہ تعالیٰ
۲۔ جن نامی پر اس کتاب سے فائدہ اٹھا یا جائیگا۔ ۳۔ صرف بت میں پانچ یوم کا ہفتہ مانا جاتا ہے۔

اسنے سطح آسمان سے ”مشتہ نمونہ از خروارے“ نہایت چمکدار اور روشن سات ستارے اُتار دیے۔ چونکہ یہ چلتے پھرتے تیار تھے لہذا انسان نے اپنی کم عقلی سے سب سے حیرانہ کو خدا کا نور سمجھ کر اظہار عبودیت کے خیال سے انکے سامنے سرطاعت جھکا دیا۔ اور اپنا حاجت روا سمجھ کر ایک ایک دن انکی پرستش کے لیے مقرر کر دیا اور اس طریقے سے سات دن کا ہفتہ بنایا اور یہی وجہ ہے کہ اقوام عالم کی زبانوں میں مذہبوں کے نام نہیں سیتاروں کے ناموں پر رکھے گئے ہیں۔ اور قمری سال کے زیادہ تر رائج ہونے کا یہی سبب ہے۔

انسان نے عقل و مشاہدے کی بنا پر، ایام، ماہ و سال کی عجوٹی تقسیم کی تھی وہ اگرچہ صحیح تھی۔ لیکن ایک زمانے کے بعد جب یہ دیکھا کہ سال تو ماہِ تہتاب کے دوروں کے حساب سے چل رہا ہے مگر تین بتیس برس کے زمانہ میں ہر موسم اپنے مرکز سے ہٹ جاتا ہے۔ اُس وقت قمری حساب کی غلطیاں محسوس ہوئیں اور ثابت ہوا کہ آفتاب زمین کی گردش بھی ہمارے میل و نہما میں اپنا عمل کرتی ہے اور فصول اربعہ کا تغیر اسی بنیاد پر ہے اور بالآخر مسلسل تجربوں اور برسوں کے غور و فکر کے بعد آفتاب و ماہِ تہتاب کے سالانہ دوڑے حسبِ فیل قرار پائے۔

آفتاب - تین سو بیسٹھ دن - پانچ گھنٹہ - اڑتالیس منٹ - اونچاس پل - باسٹھ پل - (یہ کسرات تقریباً ۱۶ دن کے برابر ہیں۔)

ماہتاب - تین سوچوں دن۔ ۔ ۔ ۔

آفتاب کے مقابلہ میں ماہتاب کے سال میں سوا گیارہ دن کی کمی ہے۔ لہذا تمدنی ضرورتوں سے یہ مناسب سمجھا گیا کہ قمری مہینے شمسی مہینوں سے مطابق کر لیے جائیں تاکہ سال کا حساب

فصول اربعہ سے مطابق ہے۔ اسکا علاج بجز اسکے اور کچھ نہ تھا کہ قمری مہینوں میں مذکورہ بالا کمی بڑھا دی جائے چنانچہ پارسیوں نے اسی اصول پر اول اپنے قمری سال میں پورے گیارہ دن کا اضافہ کر کے اُسکو تین سو پینسٹھ دن کا شمسی سال بنا لیا۔ اور کسر کو چھوڑ دیا۔ چنانچہ یہی کمی پیشی ہر جس نے اقوام عالم کے سینچ شہور میں تفرقہ ڈال رکھا ہے۔

قبل اس کے کہ سنہ فارسی کی تاریخ لکھی جائے اسی سلسلہ میں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ سنہ کی ابتدا کسی خاص تاریخ سے کہا در کیونکر شروع ہوئی اور سنہ کا شمار کیوں ضروری ہوا اسکا بدیہی سبب تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان کی ضرورتیں بڑھ گئیں اور تمدن کا دائرہ وسیع ہو گیا تو گوشتہ واقعات کا یاد رکھنا بھی انسان پر فرض ہوا۔ اور اس ضرورت کے لیے یہ تجویز کی گئی کہ ان ایام کی بھی گنتی مقرر کی جائے۔ مگر چونکہ اس تجویز کا عمل پذیر ہونا دشوار تھا۔ لہذا انسان نے یہ کیا کہ صرف اہم واقعات کو سال کے شمار کا معیار قرار دیا مثلاً عربوں نے مہربوط آدم علیہ السلام سے اپنا سال شروع کیا اور طوفان نوح تک یہ سنہ قائم رہا۔ پھر طوفان سے دوسرا دور شروع ہوا۔ اور واقعہ ناز حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مختلف دو سے قائم ہو کر دو اصحابیل پر خاتمہ ہو گیا۔ اور سنہ ہجری کے آغاز نے گزشتہ واقعات کے شمار کو بالکل

۱۔ سنہ ہجری۔ ہجرت کا سولہواں حال تھا کہ تمدنی اور ملکی ضرورت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام۔ اور ہرمزان (خوزستان کا بادشاہ تھا) کے مشورے سے سنہ ہجری قائم کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الاول میں ہجرت فرمائی تھی اسیلئے سنہ ہجری کی ابتدا بیع الاول سے ہونی چاہیے تھی مگر چونکہ عرب میں سال محرم سے شروع ہوتا تھا اسیلئے دو مہینے آٹھ چھوڑ دیے گئے ۲۔ سنہ ہجری پنجشنبہ سے شروع ہوا تھا۔ الفاروق بجا المرقزی جلد اول صفحہ ۲۸۴۔

بھولا دیا۔ علی ہذا القیاس۔ بخت نصر، فیلقوش، سکندر اعظم، غنطس، اسیرس، بکرماجیت، سالواہن وغیرہ شاہان عراق و بابل، یونان، مصر اور ہندوستان نے اپنے اپنے سنہ و سبت جاری کیے جن میں سے بعض آج تک جاری ہیں اور اپنے بانی کے یادگار ہیں۔ سنین مذکورہ بالا میں سے ہر ایک کی جداگانہ تاریخ موجود ہے۔ لیکن چونکہ یہ خارج انجبت ہے لہذا اس افسانے کو ہم یہاں پر ختم کرتے ہیں اور سنہ فارسی کا وہ قصہ پھیرتے ہیں جو کا تعلق حکیم عمر خیام سے ہے۔

سنہ فارسی کی ابتدا [] تاریخ سے ثابت ہے کہ سنہ فارسی بلحاظ قدامت تمام سنین پر فوق رکھتا ہے، لیکن کیومرث سے عہد حبشیہ تک اور حبشیہ سے یزدجرد بن شہریار تک سنہ فارسی پر کیا

۱۔ بخت نصر۔ عراق و بابل کا بادشاہ تھا۔ اپنی تخت نشینی سے پس شروع کیا تھا۔ یہ سنہ قبطی سے ماخوذ تھا مگر اس کا شمسی حساب اس قدر عجیب تھا کہ بطریق سولہ واسطہ جیسے حکمائے اس کی صحت کو تسلیم کر لیا تھا۔ ۲۔ فیلقوش۔ مقدونیہ کا بادشاہ اور سکندر اعظم کا باپ تھا۔ تین سو گیارہ برس قبل مسیح میں جاری ہوا اور جزائر بحیرہ روم میں مدتوں جاری رہا۔ سنہ سکندری کا حساب سکندر کی موت سے شروع ہوا اور یونان میں محدود رہا۔ تین سو تیس برس قبل مسیح جاری ہوا۔ یہ دونوں سال شمسی تھے۔ ۳۔ غنطس۔ سپین (اندلس) کی فتح کے بعد غنطس نے یہ سن جاری کیا اور مسلمانوں کے عہد حکومت میں بھی قائم رہا یہ بھی شمسی سال تھا۔ ۴۔ اسیرس۔ یہ مصر کا بادشاہ تھا۔ مصریوں میں عہد قدیم سے قمری سنہ کا رواج چلا آتا تھا۔ اسیرس نے اپنے دو حکومت میں تین سو پینتیس دن کا شمسی سال جاری کیا۔ ۵۔ بکرماجیت۔ اس نامور راجہ نے اپنی تخت نشینی سے سبت قائم کیا اور تمام شمالی ہندوستان میں آج تک جاری ہے۔ چھپن برس قبل مسیح جاری ہوا تھا۔ ہندوستان کے علم ہیستکے مطابق شمسی سال تین سو پینتیس دن چھ گھنٹے بارہ منٹ تیس پل کا ہوتا ہے۔ ۶۔ سالواہن۔ یہ راجہ سالواہن کا یادگار ہے اور جنوبی ہندوستان میں جاری ہے حضرت مسیح سے ۸۷۷ برس بعد جاری ہوا۔

اسکے علاوہ متعدد سنین ہیں جن کو ہم نے چھوڑ دیا ہے۔ ناظرین زہمت القلوب حمد للہ مستوی اور انسا لیکو پیڈیا وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

انقلاب آئے یہ بحث بھی ہمارے موضوع سے خارج ہو لہذا یزدجرد کے عہد سے سنہ فارسی کی مختصر تاریخ لکھی جاتی ہے۔

قدیم سنہ فارسی کا چونکہ عہد یزدجرد میں خاتمہ ہو گیا تھا۔ اسوجہ سے سنہ فارسی کا دوسرا نام یزدجردی قرار پایا۔ مؤرخین عجم میں سے ایک کا قول ہے کہ اس سنہ کا موجد کیومرث ہے دوسرا کہتا ہے کہ جمشید پیشدادی ہے۔ ہمارے نزدیک دونوں روایتیں صحیح ہیں کیونکہ کیومرث نے ابتدائی اصول قائم کیے اور جمشید نے اصلاح و ترمیم کے بعد اسکو مکمل کر دیا۔ یزدجردی سال شمسی اصطلاحی تھا۔ یعنی آفتاب منطقۃ البروج کا سالانہ دورہ تین سو پینسٹھ دن میں کرتا تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ زردشت کی بعثت سے قبل بھی آفتاب کے دوڑے کی یہ مدت مانی جاتی تھی۔ کیونکہ زندگی کی روایت ہے کہ خدا نے دنیا کو تین سو پینسٹھ دن میں پیدا کیا ہے۔

فارسیوں نے تین سو پینسٹھ دن کی تقیم اس طرح پر کی تھی کہ گیارہ مہینے تیس تیس یوم کے تھے اور بارہواں مہینہ ۳۰ یوم کا ہوتا تھا اور یہ اصول قدیم مصری حساب کے بھی مطابق تھا فارسی مہینوں کے نام یہ ہیں۔

فروردین اردوی بہشت خرداد تیر مرداد شہرئور ثمر ابان
آذر دے بہمن اسفندارند

چونکہ بارہواں مہینہ پینتیس یوم کا ہوتا تھا لہذا اصطلاح نجوم میں ان پانچ دنوں کا نام

سنہ فارسی کی تاریخ پر ہم سے جھگڑ لکھا ہوا اسکا ماخذ حاجی محمد حسین اصفہانی کی تاریخ و شواہد الغیبہ فی اثبات الکبشہ ہے اس موضوع پر مستند کتاب ہے اور ۱۲۸۵ھ میں بمقام بمبئی چھپی ہے۔

قصر کے کھانے پُختے جاتے تھے اور بادشاہ نیا لباس پہن کر دربار کرتا تھا۔ غرض کہ اس اصول کے مطابق سب سے پہلا کبھیسہ ماہ فروردین میں اور دوسرا اردی بہشت میں ہوا کرتا تھا اور اسی ترتیب سے ایک ہزار چار سو چالیس = (۱۲۰ + ۱۲) سال کی مدت میں ماہ اسفندار پر کبھیسہ کا دور ختم ہو جاتا تھا۔

جمشید پشیدادی جب تخت نشین ہوا ہی اس وقت دور کبھیسہ کے ایک ہزار چالیس برس گزر چکے تھے اور چار صدی بعد جب ایک ہزار چار سو چالیس کا دور کامل ختم ہو گیا تو اس عظیم الشان واقعہ اور نیر حکومت چار صد سالہ کی یاد گاریں جمشید نے جشن عظیم کیا۔ یہ جشن ماہ فروردین میں ہوا تھا۔ جب کہ آفتاب عالم تاب برج حمل میں تھا۔ یہ جشن جس شان و شوکت سے منایا گیا تھا اس کی نظیر تاریخ ایران میں نہیں ہی۔ ناظرین کو تفصیلی حالات کے لیے تخت جمشید کے حالات ایران کی قدیم تاریخ میں دیکھنا چاہیے۔ چنانچہ جمشید کے بعد یہ رسم قرار پائی کہ ہر یکم فروردین کو عام جشن منایا جائے اور تاریخ عجم میں اس جشن کا نام ”نوروز اکبری“ ہی اور آج تک تمام مملکت ایران میں جشن منایا جاتا ہے، موسم کے لحاظ سے یہ بہترین زمانہ ہی کیونکہ فصل بہار کی آمد کا مژدہ سنا کر نغراں اسی وقت سے رخصت ہو جاتی ہے۔ پچھلے دور میں یزدجرد شہنشاہ جب عجم کے تخت کا مالک ہوا تو گزشتہ شاہوں کی طرح اس نے بھی اپنی تخت نشینی سے نیا سال جاری کیا۔ مگر چونکہ یزدجرد کی تخت نشینی غرہ فروردین میں ہوئی اور سال کا نمبر شمار

تخت جمشید اور نوروز مشرقی کے حالات قابل رسالہ معارف علی گڑھ میں دیکھنا چاہئے۔ اس عنوان پر ہمارا مفصل مضمون اس رسالے میں ہے۔ ۳۵ نزہت العلوب علیہ السلام صفحہ ۴۸-۴۹ ۳۶ غرہ فروردین کو بروز منگل یزدجرد تخت نشین ہوا تھا اور پہنچ یزدجردی کا پہلا سال بائیس = ۳۵۲ ع کے مطابق تھا۔ یزدجرد کی تخت نشینی میں منجوں کے عقار

نیا ڈالا گیا اسوجہ سے کہ بیسیہ کا اٹھواں دور جو ماہ ابان میں ختم ہوا تھا، وہ غیر ختم رہ گیا اور بد نصیبی سے اُنیں اجوزی ۳۶۷ مطابق جمادی الثانی ۳۶۷ یومِ پُشمبہ کو بقیہ عام مرد شاہجہاں یزدجرد قتل کر دیا گیا۔ اور اُس کی اولاد سلطنت سے محروم رہی، لہذا ایرانیوں نے ماہ ابان مذکورہ سے جسپر کہ بیسیہ ختم ہوا تھا سنہ فارسی کا حساب بدستور قائم رکھا۔ اور چونکہ ابان میں خمسہ مترقہ موجود تھا اسوجہ سے منجموں نے اپنے نیریج کا حساب ابان سے شروع کیا اور نہ عام طور سے خمسہ مترقہ کا عکس راہد اسفندار سے ہوتا ہی اور سنہ یزدجردی بدستور چلتا رہا اور آج تک چلا جاتا ہے۔ لیکن بہت ادا زمانہ سے ایک سو بیس برس کے کہ بیسیہ کا قاعدہ ٹوٹ گیا اور خمسہ مترقہ اسکا قائم مقام رہ گیا لیکن ظاہر ہو کہ پانچ یوم کی مدت نہ تو ایک سو بیس برس کے برابر ہو سکتی ہو نہ اصلی کمی کو پورا کر سکتی ہو۔ اس لیے جشن نوروزی میں بھی فرق آگیا۔ اور وہ اپنے مرکز سے دُور ہٹ گیا۔

یزدجرد کی سلطنت پر چونکہ مسلمان حکمران تھے۔ لہذا انھوں نے اپنی عادت اور اصول حکمرانی کے مطابق ایرانیوں کی رسم و رواج میں کوئی دست اندازی نہیں کی اس لیے باوجود ہونے سنہ ہجری کے ایران میں سنہ فارسی جو رائج تھا وہ بدستور چلتا رہا۔ لیکن انقلابِ زمانہ سے اسلامی سلطنت کے جب ٹکڑے ہو گئے اور نئے نئے خاندانِ عرب اور عجم کے مالک ہوئے

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۶۳ کے مطابق دُورِ فایان میں ایک یہ کہ وہ گل کے دن تخت نشین ہوئے جو تخت میں بیٹھ کر بھائی ہو۔ دوسری یہ کہ اُسے کہیہ کو توڑ دیا۔ کیونکہ کہیہ کی بنیاد محض اسلئے ڈالی گئی تھی کہ ایامِ عبادت میں فرق نہ ہو نہ بجائے ایک سے تین کے چار میں ایک کا اضافہ کرنا آسان تھا۔ اگر کھلیے فروزین کے تخت نشینی ماہ آذر میں ہوتی تو نو سو ساٹھ برس اولاد کو کہیہ ختم ہو جاتا۔ کہیہ نہ ہی جینے بھی نہ دروشت نے قائم رکھا تھا اور وہ زردشتی مذہب کا جزوِ عظیم تھا۔ انتخاب از شواہد النقیضہ ۱۲۔

تو سیمہ میں ایران کی حکومت سلطان جلال الدین ملشاہ سلجونی کے ہات آئی اس وقت تمام و فترات میں سنہ فارسی جاری تھا، اُسکو ملشاہ نے بھی بدستور قائم رکھا، مگر چونکہ وہ اپنی اصلی حالت پر باقی نہ تھا اس لیے ملشاہ کو اُس کی ترمیم و اصلاح کا از حد خیال تھا ایک مصلحت سے ”مُحَلِّ اَمْرِ مَرْهُونِ بِاَوْقَاتِهَا“ ذیل کے واقعہ نے ملشاہ کو اس پر متوجہ کر دیا جبکہ تفصیل یہ ہے کہ عہد ملشاہ میں آمدنی سنہ شمسی کے حساب سے وصول کیجاتی تھی، اور خرچ کا حساب شہور قمری سے تھا جبکہ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن (۶۶۶ھ میں) خزانہ میں خرچ کے واسطے ایک پیسہ بھی باقی نہ رہا تب تو ملشاہ کو نہایت تشویش ہوئی، اور اُسی وقت سے اُسے ارادہ کر لیا کہ آمدنی و خرچ کے حساب کے لیے ایک منتظم سال قرار دیا جائے چنانچہ ملشاہ نے اول اپنے زمانہ کے فقہاء اور علماء کی رائے سے فائدہ اٹھایا اور آخر کو اس امر پر مجبور ہوا کہ ایک نکتہ مبہم مقرر کیا جائے، کیونکہ اگر موجودہ اصول پر عمل درآمد کیا جائیگا تو ہر تیسویں سال پر حساب میں نقص

۱۳ اس فائدہ کا موجب غلطی و لطف اللہ عباسی تھا جو سنہ ہجری میں تثنین ہوا تھا، ۱۴ تقویم ابوالغیا ترکی سنہ ۱۳

۱۵ ملشاہ نے مسئلہ تقویم میں اول فقہاء سے استصواب کیا اور غالباً اُنکے حکم سے تقویم کا کام جاری کیا ہوگا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قمری سال کا ملکی ضرورت سے شمسی سال بنالینا شریعت اسلامیہ کے خلاف نہیں ہے۔ اور کلام مجید میں جس کی

مانعت ہو وہ لہی ہو چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

لَا تَمْنَا الشَّمْسُ زِيَادَةً فِي الْكَهْرِ

فِيضِلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يَمْجَلُونَ

عَامًا وَيُخْرِجُهُمُ اللَّهُ عَمَّا كَانُوا

عَدَاةً مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُجْلُوا مَا

حَرَّمَ اللَّهُ طَرِيقَ رَيْنَ كَهْمَ وَسُوءَ

معیون کا سرکا دینا بھی اُنکے کفر مزید چڑھکی وجہ سے کاغذ دین کے رستے

گمراہ ہوئے رہتے ہیں کسی سال ایک معینہ کو حلال سمجھ لیتے ہیں اور

اسی کو دوسرے برس (ام اولیس سے) انکی غرض یہ ہوتی ہے کہ اللہ نے جو

چار مہینے حرام کیے ہیں انکی گنتی سے اُس گنتی کو مطابق کر کے اللہ کے

حرام کیے ہوئے (معیون) کو حلال کر لیں۔ انکی ہر کردار بیاں انکو بھی

پڑ جائیگا، آخر الامم عمر خیام کو حکم دیا کہ مشاہیر و مخموموں کی رائے سے سنہ فارسی کی ترمیم کیجیے

بقیہ نوٹ صفحہ اَعْبَا لِهَمَّ وَاللَّهِ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝
بھی کر کے دکھائی گئی ہیں اور اللہ ان لوگوں کو جو کفر کرتے ہیں (توفیق) دیتا نہیں یا کرتا۔

اس آیت کی تفسیر یہ کہ ملک عرب میں بزمانہ جاہلیت عام لیل باری تھا۔ اس سہ ماہی ہر تیسرے برس ایک مہینہ بڑھا دیتے تھے اور اس کا نام سنہ تھا۔ اس اضافہ سے یہ غرض تھی کہ حج ہمیشہ ایک ہی موسم میں ہو کرے اور کاروبار تجارت میں فرق نہ واقع ہو۔ جس گروہ کے یہ خدمت سپرد تھی وہ نسی کا اعلان حج میں کر دیا کرتے تھے۔ اور محرم، رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ، یہ وہ مقدس مہینے تھے جن میں عرب قتل و غارت اور غور زری کو حرام سمجھتے تھے اور یہ وہ شرعی حکم تھا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام کے زمانہ سے بطور قانون کے نافذ تھا۔ اس لیے اگر نسی کا مہینہ ان چار مہینوں میں ہوتا یعنی ماہ حرام کا کوئی مہینہ مقرر واقع ہوتا تو خطیب اعلان کر دیتا تھا کہ یہ مہینہ قوم پر حلال کر دیا گیا ہے۔ اور اسی طرح کبھی حلال کا مہینہ حرام کر دیا جاتا تھا چونکہ یہ کفار کی رسم تھی اس لیے خدا نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ عہد جاہلیت کی رسم چھوڑ دے علامہ فخر الدین رازی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ عربوں کا یہ خیال تھا کہ اگر وہ اپنا سال قمری ذرا بڑھائے تو ان کا حج کبھی گرمی میں ہوگا اور کبھی جاڑے میں اور یہ ان کو پسند نہ تھا؛ کیونکہ عرب کے تمام قبیلے مسافت بعیدہ طے کر کے ہجرات مہینہ کے دوسرے وقت میں جمع نہیں ہو سکتے تھے اور چونکہ قمری سال کی ترتیب ان کے دنیاوی فوائد کے منافی تھی اس لیے انھوں نے اپنے کاروبار کے لیے سنہ شمسی پسند کیا۔ اور کبھی جاری کیا جس کا نتیجہ ہوا کہ ہر تیسرے برس ایک مہینہ لونڈ کا بڑھانا پڑتا تھا۔ اور موسم حج جس کا ایک مہینہ مقرر تھا کبھی محرم میں ہوتا کبھی صفر میں چنانچہ جبے آن شریف نازل ہوا تو دونوں شکلیں پیدا ہو گئیں ایک یہ مقررہ بارہ مہینوں کی تعداد بڑھ گئی، دوسرا شہر حرم میں تفرقہ پڑ گیا، حالانکہ حضرت ابراہیم کے عہد سے رسوم مذہبی کی بنیاد قمری سال پر ہی لیکن جب عربوں نے دنیاوی فوائد کے لیے ترتیب کو چھوڑ دیا تو عدلے انکو منع فرمایا اور ان کے اس طے زعل کو زیادہ فی الکفر قرار دیا۔

اس آیت سے شمسی سال قائم کرنیکی ممانعت نہیں نکلتی ہے۔ کیونکہ کلام مجید کا کوئی حکم مسائل تمدن کے خلاف نہیں ہے اور اسی بنا پر فقہائے ملکہ کو فتویٰ دیا ہوگا۔ سارہ کا قاعدہ مصری عربوں میں آج تک جاری ہے۔ نہایت القلوب جہاں اللہ مستوفی تبارک

سین شہر صفحہ ۵۰ وضاحت الطرب نوافل افندی طرابلسی، تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۴۶۶-۴۴۷ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۵۰ھ

اور ملکشاہ کے منشا کے مطابق عمر خیام نے بوجہ احسن اس مسئلہ کو حل کر دیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ حکیم عمر خیام نے اصلاح تقویم کے واسطے ایک مستند مجلس منعقد کی اور اس نامور حکما کو اپنا مشیر بنایا جن کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں

ابو حاتم المظفر اسفزاری۔ ابو الفتح عبد الرحمن خازنی۔ محمد خازن

اسے کتاب اصطلاحات الفنون مصنف شیخ محمد علی خاوی صفحہ ۵۹ مطبوعہ مکتبہ شاہیر نجھوں کے نام تقویم ابوالضیاء کامل اور شہر زوری لکھے گئے ہیں

نوٹ حکماء متعلق مجلس حکیم عمر خیام نیشاپوری

(۱) خواجہ ابو حاتم المظفر اسفزاریؒ اسفہرستان کا ایک شہر ہے۔ جو خواجہ کا وطن تھا۔ مگر شاہی شہر ہونے کی وجہ سے خواجہ مرد میں رہا کرتا تھا۔ خیام کے معاصرین میں ابو حاتم بڑے درجہ کا شخص تھا۔ عمر خیام جب کبھی مرد جاتا تھا خواجہ کا ہمان ہو کر جاتا تھا۔ اور دونوں میں دلچسپ مباحثے ہوا کرتے تھے۔ اوقات فرصت میں علوم حکمیہ کا درس بھی دیا کرتا تھا۔ اور برخلاف اپنے دوست خیام کے یہ شاگردوں پر بہت مہربان تھا۔ ریاضیات اور آثار علویہ میں اسکی بہت سی تصانیف ہیں۔ اس حکیم نے بڑی ریاضت سے ایک ترازو بنایا تھا جس کا نام ”میزان الرشید“ تھا۔ اُس میں وزن کرنے سے چاندی۔ اور سونے کا کھرا اور کھوٹا پن معلوم ہو جاتا تھا۔ جب یہ ترازو تیار ہو گیا تو حکیم نے تمام خزانہ کے سپرد کر دیا تھا اور وہ خزانہ شاہی میں رکھا ہوا تھا۔ مگر غریبی نے اس خیال سے کہ اگر اس کے ذریعہ سے کبھی سندانہ کی پر تال کی گئی تو میری خیانت کھلی نیکی، محض اس لیے یہ ترازو توڑ دیا گیا اور اس کے تمام پڑے ضائع کر دیئے گئے۔ جب ابو حاتم نے یہ سنا تو اس صدمہ سے بیمار ہوا اور مر گیا۔ کیونکہ یہ نادر روزگار ترازو برسوں کی دماغ سوزی میں تیار ہوا تھا۔ حکیم کا یہ قول مشہور ہے: *نسبہ اللذات الحسنة إلى اللذات العلقية كنسبة المشعوذ إلى المطعور* از چار معالہ نظامی عروضی بحر قندی و تاریخ الحکماء شہر زوری

(۲) ابو الفتح عبد الرحمن خازنیؒ مسکو یا بولشیا علی خازن رئیس مرو کا عبدالرحمن خازنی رومی بڑا پیارا غلام تھا۔ علوم ہند میں کامل تھا۔ سلطان نجبر سلجوقی کے نام سے ایک نیک لکھی تھی جو تاربخوں میں ”نیرج البخری“ کے نام سے مشہور ہے۔ اخیر

حکیم ابو العباس لوکری - میٹوں بن نجیب اسطی - محمد بن احمد معموری بہیقی - ابو الفتح ابن کوشک

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۶۸ میں گشت نشین ہو گیا تھا، اور درویشانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ ایک بار سلطان بخرے نیکزار دینار (باجنزار روپیہ) اسکے پاس بھیجے۔ سب اپس کر دیے اور کہا کہ میرا سالانہ خرچ تین دینار (پندرہ روپے) ہی صبح کو دو دریاں اور ہفتہ میں تین مرتبہ گوشت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس وقت میرے پاس دس دینار (پچاس روپیہ) موجود ہیں۔ اگر یہ سب خرچ ہو جائیں اور میں زندہ رہوں تو پھر خدا دینے والا ہے۔ گھر میں بجز ایک بلی کے اور کچھ نہ تھا۔ حکیم حسن نیرغزی اسکا مور شاگرد ہوا۔ تاریخ طلی وغیرہ۔ (۳) محمد خازن "حالات نہیں معلوم ہوئے۔"

(۴) حکیم ابو العباس لوکری "نہرو پر قریب پنج دیہ لوکر ایک مشہور قریہ ہے جو حکیم کا وطن تھا۔ بعض تاریخوں میں صرف حکیم لوکری لکھا دیکھا ہے، ابو العباس لوکری، بہمن یار کا مشہور شاگرد ہے، جو غرسان میں فنون حکمت کی اشاعت کا باعث ہوا ہے، دولت کی طرف سے مالا مال تھا، فلاح مرو میں بہت سی ذاتی جائیداد بھی تھی۔ حکیم عمر خیام، ابن کوشک اور اسطی جو اسکے ہم عصر تھے ان میں سے کوئی بھی علوم حکمیہ میں اسکی جوڑ کا نہ تھا۔ شاعر بھی تھا، ایک جوان یادگار ہے۔ نہایت دقیق و بلیغ اشعار لکھتا تھا۔ اخیر عمر میں اندھا ہو گیا تھا اور کہا کرتا تھا کہ افسوس اب میں علمی ترقی نہ کر سکو گا۔ اب در ذات اسکو عالم آخرت کا خیال رہتا تھا۔ موت کا یہ واقعہ ہوا کہ ایک انجمنی ہوئی سری اور اپنے خوب کھائے اور اسی دن شاگرد عام میں ایگئے۔ حمام سے اکر بہتر گرگرا طبیب علاج کے لیے حاضر ہوا تو کہا مجھے خدا پر چھوڑ دو اگر اچھا ہو گیا تو اُس کی رضا اور اگر مر گیا تو اُس کا حکم اور آخر الامر اسی علت میں فوت ہو گیا۔ تاریخ الحکماء شہر زوری، ۵۵، میٹوں بن نجیب واسطی، مشہور فاضل، حکیم اور طبیب ہے بعض کے نزدیک اسکا مولد خوز تھا۔ اور بعض کے نزدیک واسطہ۔ مگر خواجہ نظام الملک کی قدردانی سے یہ اکثر ہرات میں ہا کرتا تھا۔ سلاطین اور اُمراء کی ملاقات سے اسکو باطبع نفرت تھی۔ کامل اثیر وغیرہ۔"

(۶) محمد بن احمد معموری بہیقی، ریاضی کا مشہور عالم ہے جسکی کتاب مخدومات میں منظریہ ہے۔ ملک شاہ نے اسکو اصفہان رصد بند کی واسطے بلا لیا تھا۔ خیام بھی اس کی ریاضی کا قائل تھا۔ سلطان محمد سلجوقی کے زمانہ تک زندہ رہا۔ شورش اسماعیلیہ میں قتل ہوا۔ کامل اثیر، شہر زوری۔"

(۷) ابو الفتح ابن کوشک "کان عارفاً باجزاء علوم الحکمة، مشہور حکیم ہے، سلطان بخر اس کی تصنیفات کا عاشق تھا اور کسی کتب خانہ میں اس کی تصنیفات تھیں" (شہر زوری)

چنانچہ اس مجلس نے یوم شنبہ ماہ ذی الحجہ ۱۰۳۷ھ مطابق ۸ جولائی ۱۸۲۷ء سے اپنا کام شروع کر دیا اور کامل تین سال کی محنت میں اصلاح تقویم کے مسئلہ کو حل کر دیا جسکی تفصیل یہ سنہ جلالی ملکشاہی - عمر خیام کی تحقیقات کا نتیجہ یہ تھا کہ آفتاب اپنا سالانہ دور دو تین سو پینسٹھ دن - پانچ ساعت اور انچاس دقیقہ میں طے کرتا ہے۔ اس لیے خیام نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ ہر چوتھے سال ایک دن بڑھایا جائے اور سات دوروں کے ختم ہونے پر آٹھویں دور پر بجائے چار کے پانچویں سال ایک دن زیادہ کیا جائے۔ اس حساب سے شمسی و قمری سال کا فرق پوے تینتیس برس میں بکھجاتا ہے۔

جب یہ مسئلہ حل ہو گیا تو خیام نے اس سنہ کا نام سلطان جلال الدین ملکشاہ کے نام پر سنہ جلالی رکھا۔ اور جو بیچ طیار کی اسکا نام بیچ ملکشاہی قرار دیا۔ اور زمینوں کے نام بتدریج

۱۔ التوفیقات الالہامیہ محمد محنت رپاشا صفحہ ۲۳۲ -

۲۔ بیچ معرب بزرگ - برشتہ معماران کہ درستی و نادرستی عمارات ہاں معلوم نہایند و تحۃ بختنجان طالع کسی از جدول اس معلوم نہایند بخفا میگوید کہ معرب نہ ہست (سوار اسبیل) - بیچ میں جدولیں ہوتی ہیں جسے اوضاع کو اکب اور خطوط طول و عرض اور تعداد حرکات مرکز کو اکب کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اور غیب جدولوں سے اوج و حضیض کا پتہ معلوم ہوتا ہے۔ تقویم ہمیشہ بیچ کی مدد سے طیار ہوتی ہے چنانچہ بیچ ملکشاہی اسی قسم کی کتاب ہے۔ اور جگہ دو سرانجام "و آغاز باب تاریخ جلالی" ہے۔ اور اسکے قبل بھی حکماء اسلام وغیرہ نے متعدد بیچ لکھے ہیں جن میں سے مشہور ترین ہیں، او اس مختصر فہرست سے مسلمانوں کے نامور مخبروں کا ظاہر کرنا مقصود ہے کیونکہ آج مسلمان اس علم میں بہت پیچھے ہیں۔

بیچ ابراہیم بن حبیب انفرادی - بیچ ابن جہاد اندلسی - بیچ ابن السخ ابوالقاسم صنع بن محمد غزنوی متوفی ۵۲۶ھ - بیچ ابن الشاطر انصاری دمشق فلکی متوفی ۷۷۷ھ - بیچ ابن یونس ابوالحسن علی بن ابی سعید عبد الرحمن بن محمد متوفی ۷۹۷ھ - بیچ ابو معشر جعفر بن محمد بن عمر بلخی بن محمد متوفی ۸۷۷ھ بیچ الاستاذ

وہی رکھے جو سنہ یزدجردی میں تھے۔ اور جسے مسترق کا عہد رآمد ماہ اسفندار پر کیا گیا۔
سنہ جلالی جس دن سے شروع ہوا ہوا وہ مبارک دن جمعہ کا تھا۔ اور رمضان المبارک
کی دسویں تاریخ اور اس کے مطابق ۱۵ مارچ سنہ ۵۰۰ھ

سنہ جلالی کے قبل شمسی سال کی ابتدا کا یہ طریقہ تھا کہ جب آفتاب نصف حوت میں
داخل ہوتا تھا اُس وقت سے سال کا حساب شروع کرتے تھے۔ مگر خیام نے نقطہ اعتدال
ربیعہ سے مطابقت دیکر سنہ جلالی کو یکم ذی قعدہ سے شروع کیا۔ جب کہ آفتاب برج حمل میں

بقیۃ نوٹ صفحہ جمال الدین ابو القاسم بن محفوظ بن غزالی (عبدالمقتر بالله عباسی) نیرنج ابو نعیم بیک
محمد بن شاہن زنج ایلمانی، محقق نصیر الدین محمد بن حسن طوسی متوفی سنہ ۵۰۰ھ نیرنج شادون اسکندرائی۔
زنج الجامع والسابع، کوئٹہ۔ نیرنج حبس الحاسبہ احمد بن عبد اللہ دزدی غزالی (عبدالمون الرشید) نیرنج اسخری
ابو الفتح عبد الرحمن خازنی۔ نیرنج الصغانی، بتانی۔ نیرنج الشائل شیخ ابو الفنا محمد بن احمد یونجانی۔ نیرنج الشاہ
نصیر الدین طوسی۔ نیرنج شاہی علی شاہ محمد بن قاسم المعروف بجلالہ بن محمد بن زنج شمس الدین محمد بنی خواجہ
الواکبونی۔ نیرنج شمس الدین احمد بن محمد بنی۔ نیرنج شہر یار۔ نیرنج الشیخ، ابو الفتح صوفی۔ نیرنج العماد
نیرنج العلانی، نظام اسبج۔ نیرنج محمد بن ابوبکر فارسی۔ نیرنج المصطلح فی کیفیتہ التعلیم والطریق الی
وضع التقوم۔ محمد بن محمد فارسی محاسب۔ نیرنج کوشیار بن کنان حبیبی۔ نیرنج الکبیر الحکمی
نیرنج الہمدانی، حسن بن احمد بنی متوفی سنہ ۵۰۰ھ ہرچہ فی معانی العین تاج الدین علی بن محمد مشہور بہ ابن الدیریم صلی
شافعی متوفی سنہ ۵۰۰ھ ہرچہ المفرد، نیرنج المعدل۔ نیرنج المعنی۔ نیرنج المضن۔ نیرنج الآفاق فی علم
الادقاق وغیرہ تفصیلی حالات کے لیے دیکھو کشف الطون جلد ثانی صفحہ ۱۱۔ ۱۲ مطبوعہ قسطنطنیہ۔ اگر کوئی شخص عرب
عجم کی تاریخوں کو ملاحظہ کر کے انتخاب کرے تو ایک طوفانی فہرست مرتب ہو سکتی ہے۔ تاریخ ملطی، تاریخ عرب موسیو بن
فرہنبی اور ضاجۃ العرب وغیرہ میں مسلمانوں کا علم ہیئت دیکھنا چاہیے۔

۱۱۔ ابوالیکو بیڈیا جلد ہفتم ص ۱۷۱۔ حالات عمر خیام شاعر و مخم۔

آتا ہے۔ حالانکہ اس وقت فروردین کے اٹھارہ دن گزر چکے تھے مگر خیام نے ان ایام کو چھوڑ کر سال کا شمار یکم فروردین سے لگایا۔ کیونکہ یہ وہ تاریخ تھی جس دن نقطہ ربعی پر پل و ہمار کا تساوی واقع ہوا تھا۔ اور جب کا نام خیام نے نوروز سلطانہ پر رکھا تھا۔

پارسیوں نے آج جاری ہوا جبکہ وہ دیزوجرڈی سمجھتے ہیں۔ یہ سند درجہ اول خلیفہ کا صحیح کیا ہوا ہوا ہے اور حکوم مخفیہ نے یہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور یہی سند آئی اگر شاپی ہے۔ جو گورنمنٹ نظام میں جاری ہے۔

خیام کے فضل و کمال اور تجربہ علم ریاضی و ہیئت کا اسوقت صحیح اندازہ ہو سکتا ہے جب سنہ جلالی کا ”گری گورین“ ول سے مقابلہ کیا جائے۔ کیونکہ انگریزی سال میں جو کسر چار صدیوں

۱۰۰ تقویم البیضا (ترکی) ۱۳۱۰-۱۳۱۱ صفحه ۲۳۱ مطبوعه قسطنطنیه

۱۷ گری گوینڈول = گری گوری روم کے تیرہویں پوپ کا نام ہے جس نے ۱۷۷۷ء میں سب سے اخیر مرتبہ انگریزی جنتری کی اصلاح کی۔ ۱۷۷۷ء میں رومن کیتھولک بادشاہوں کی مدد سے اپنی تقویم کو جاری کیا جو بہشتیار روس اور یونان نام یورپ میں جاری ہے۔ اور اسکے قبل جو تقویم جاری تھی اس کو روم کے فیصلہ جوئیس نے حضرت عیسیٰ کی ولادت سے چھیا لیس برس پہلے منسوخ کر کے اپنی تقویم جاری کی تھی جبکہ نام انگریزی میں جولین کلندر رکھا لیکن امتداد زمانہ سے اسے اس قدر تغیر ہو گیا تھا کہ عیسائی تو اس خصوصاً ایسٹرن بہت فرق پڑتا تھا۔ اس لیے گری گوری نے ان نقصان دور کر کے اپنا کلندر راجاری کیا۔ بعض علماء کی رائے ہو کہ خاتم کے سنہ جلالی سے گری گوری نے اپنا قاعدہ بنایا جو خستہ کام کی تحقیقات میں چار روزانہ ایک منٹ سے کچھ کم کی کسر مانی رہ گئی تھی گری گوری اس کو مٹا نا چاہتا تھا، چنانچہ چند جنموں کی مدد سے اسے اس کسر کو چار سو برس کی مدت میں نکال دیا۔ اور یہ قاعدہ مقرر کیا کہ جوصدی پور چار ہند و پتریم ہو سکے اس کا دوری مہینہ اٹیسیم کا ہوگا اور دس مہینے میں صیدوں جو چار پر پوری قیسوم نسکیں ان کا دوری مہینہ ۳۰ یوم کا ہوگا۔ اور کچھ ہی قاعدہ ہزار اٹیسیم کا ہوگا اور دس سال کے لیے مقرر کیا تھا چنانچہ اس قاعدہ کو "گری گوینڈول" کہتے ہیں۔ گری گوینڈال مین سوئینٹینڈون اور چوتھے ہزار سال کے لیے مقرر کیا تھا چنانچہ اس قاعدہ کو "گری گوینڈول" کہتے ہیں۔ گری گوینڈال مین سوئینٹینڈون پانچ گھنٹے۔ اٹھاس منٹ اور بارہ سکند کا ہی اور اس سنہ کا عداد ۱۷۷۷ء سے شروع کیا گیا ہے۔ گری گوری نے دوری کے تفاوت زمانی کی اصلاح کے لیے مہینہ اکتوبر سے گیارہ یوم گھٹا دیئے تھے یعنی اکتوبر کی پانچ تاریخ کو جسے تبدیل کر دیا تھا۔

میں نکلتی ہو وہ خیام نے تینتیس برس میں نکال دی تھی اور برلے نام ہر روز میں ایک منٹ سے کچھ کم فرق رہ گیا تھا۔ اور اگر خیام آئندہ دورے تک زندہ رہتا تو ایک منٹ کی بھی کسر باقی نہ رہتی۔ !!

علمائے مشرق اور مغرب کا اس پر اتفاق ہے کہ جو نظام خیام نے مقرر کیا تھا وہ بحیثیت نظامِ اوصحت اور تطبیقِ ہیئت کے اقوامِ سابقہ کے حساب سے سب پر فائق تھا۔

ملکشاہ کا سنہ جلالی چونکہ کسی معتمدس یا تاریخِ یاد دنیا کے کسی مشہور واقعہ سے تعلق نہ رکھتا تھا اسوجہ سے دولہم و قیام اُسکو میسر نہیں ہوا اور صرف چودہ برس ملکشاہ کی زندگی تک چلتا رہا اور اُسکے بسیٹوں ہی کے زمانے میں نسیمانیہ ہو گیا۔ مگر یہ قعر ملکشاہ اور خیام دونوں کی قیامت تک زندہ رکھیگا۔

کسی مورخ نے یہ نہیں لکھا ہے کہ اصلاحِ تقویم کے بعد ملکشاہ نے عمر خیام اور دیگر نامور حکماء کو

بقیۃ نوٹ صفحہ ۲۳۱ اسپین، پرتگال، اٹلی، فرانس، سویزرلینڈ، جرمن، نیدرلینڈ، کے کیتھولک فرقوں میں گری گورین رول اسی سال جاری ہو گیا تھا لیکن پولینڈ میں ۱۵۷۱ء ہنگری میں ۱۵۷۳ء میں پروٹسٹنٹ جرمن اور ہالینڈ، ڈنمارک میں ۱۵۷۴ء میں جاری ہوا۔ انگلستان نے ۱۵۷۲ء سے عملدرآمد کیا۔ روس کے علمائے ہیئت نے اب اس قاعدہ کی بھی غلطیاں نکالی ہیں اور وہ گری گورین رول کو ترجیح کر کے اپنے موجودہ مشاہدات کے نام سے نیا کلنڈر جاری کرنا چاہتے ہیں مگر ملکی نظام کا مہیا بنی کی امید نہیں ہے۔ انتخابِ زانسانیکو پیڈیا برطانیکا طبع جدید پاولانسانیکو پیڈیا طبع اول حرفِ جی لفظ گری گورین ۱۵۷۴ء میں ملکشاہ سلجوتی نے ان تحقیقات کا حکم دیا جسے تقویم میں ایسی اصلاح کی گئی جو سوبرس کی گری گورین کی اصلاح سے بہرِاج بہتر تھی۔ گری گورین کی سال میں ۳۶۵ ہزار برس کی مدت میں تین دن کا تفاوت ہوتا ہے، برخلاف اُسکے عربوں کے سال میں ایسی مدت میں صرف دو دن کا تفاوت ہے۔ دیکھو تمدنِ عرب صفحہ ۲۲۲ و گین اپنا جلد ہر مطبوعہ ۱۵۷۴ء حلاوت ملکشاہ و تقویم ابوالضیاء صفحہ ۲۳۳ ۱۵۷۴ تقویم ابوالضیاء صفحہ ۲۳۳۔

کیا صلہ دیا۔ مگر شاہان ایشیا کے اصول و قواعد سے جو لوگ واقف ہیں وہ قیاس کر سکتے ہیں کہ ان حکما کو کیا کچھ نہ ملا ہوگا۔ اور خواجہ نظام الملک نے خیام کو سنہ جلالت کی ایجاد کے قبل جو وظیفہ مرحمت فرمایا تھا اُسکو عین ملکشاہ کا عطیہ سمجھنا چاہیئے، علاوہ اُسکے ایشیائی درباروں کا یہ عام قاعدہ ہے کہ دربار کے داخلہ سے پہلے وہ بڑی بڑی جاگیر و منصب مالک بنا دیئے جاتے ہیں۔ اور خواجہ نظام الملک کی اس تحریر سے بھی ایسا ہی سمجھا جاتا ہے۔ خواجہ لکھتا ہے ”خیام ذوق جہان داری سلطان ملکشاہ بہرہ و آمد و در علم حکمت تعریفیات یافت و سلطان عنایت بہ فرمود، و با عالی مراتب کہ کبار علما و حکما را با شد رسید۔“

عمر خیام کی شاعری

خیام کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے مذاق شاعری تھا۔ لیکن علمی تحقیقات کے شوق نے اس مادہ کو عالم شباب میں اُبھرنے نہیں دیا۔ لیکن عمر کے اخیر حصہ میں جب گوشہ نشین ہو کر بیٹھا تو شاعری کی طرف متوجہ ہوا۔

جس طرح طوس کو فردوسی پر اور شیراز کو حافظ و سعدی پر فخری و سیاہی نیشا پور خیام پر فخر کرتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ خیام جیسے نامور محقق اور فلاسفر کے لئے محض شاعری ذریعہ انفعالی نہیں ہے بلکہ شاعری اُسکے کمالات کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔

ایران میں ہزاروں نامور شاعر ہوئے ہیں لیکن فلسفیانہ خیالات کے اعتبار سے خیام کا طرزِ نثر لاہی خیام کے ہر مصرعہ میں حکمت و فلسفہ بھرا ہوا ہے۔ نظام عالم، اسرار کائنات، اور وجود

دستی کے بجائے جس درباطریقہ سے خیام ادا کرتا ہے وہ اسکا حصہ ہے۔

عام شعر کی تقلید یا زمانہ کے مطابق خیام نے غزل اور قصیدہ میں اپنی عمر بڑھانے کی بلکہ اپنے مفید خیالات کے اظہار کے لیے اصناف شعر میں سے صرف رباعی کو انتخاب کیا کیونکہ یہ چار مصرعوں کی نظم حکیمانہ خیالات کے اظہار کے واسطے نہایت موزوں ہے۔ بڑے بڑے ملطاب جس ترکیب اور ترتیب سے رباعی کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں وہ دوسری صنف میں غیر ممکن ہے۔ علاوہ اسکے یہ مختصر نظم خزانہ دماغ میں اچھی طرح محفوظ رہتی ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ حکماء اور فلسفی شعر اور صوفیائے کرام نے رباعی کو اپنے خیالات کا ارگن بنایا ہے چنانچہ خواجہ ابوسعید ابوالخیر، مولانا روم، ملا سحابی، بھٹی وغیرہ کی رباعیات اس کی شاہد ہیں۔ فارسی میں بلخیا کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے، اور مختلف شعر کی رباعیاں مشہور ہیں لیکن مشرق سے مغرب تک شہرت عام اور قبولیت کا متغہ خیام کو ملا ہے۔

خیام کی رباعیاں ہم کو کیا سکھاتی ہیں؟ اور وہ کن خیالات کا مجموعہ ہیں۔ اس پر تفصیل سے بحث کرنا اس شخص کا کام ہے جو خیام کی مستقل سوانح عمری لکھے۔ لیکن خلاصہ یہ ہے کہ خستہ کام کو فلسفہ زندگی کے مختلف مباحث سے آگاہ کرتا ہے۔ اور مختلف انداز سے انسانی زندگی پر روشنی ڈالتا ہے۔ کسی رباعی میں تلیمات قرآنی ہیں، کہیں احادیث ہیں، کہیں اقوال حکماء کا انتخاب ہے۔ چنانچہ بطور نمونہ چند رباعیاں پیش کی جاتی ہیں۔ ناظرین کو ہر رباعی میں ایک نئی تصویر نظر آئے گی۔

(۱) متصوفین کا کسی مذہب ملت کے ہوں سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اس زندگی میں حیات کا عقدہ نہ حل ہو سکتا ہے نہ اسکا صحیح علم ممکن ہے۔ اور یہی حال عالم کا ہے، کیونکہ وہ بھی ایک از سرسبب ہے۔

(۱)

آورد با ضبط لہجہ اول بوجود
 جزیر تم از نیات چینی لہزود
 رفیقہ با کراہ و ندانیم چہ بود
 زین آمدن و بودن در فن مقصود

(۲)

رنج دیدم نشستہ بر تنگ زین
 نہ کفر، نہ اسلام، نہ دنیا، نہ دین
 نے حق، نہ حقیقت، نہ شریعت، نہ بقین
 اندر دو جہان کرا بود ہر اس

(۳)

اسرار ازل، نہ تو دانی، نہ من
 دین حرف، نہ ممانہ تو خوانی، نہ من
 ہست از پس پردہ گفتگوے من تو
 چوں پردہ براختہ تو مانی، نہ من
 (۴) تصوف کا دوسرا مہتمم باشان مسئلہ یہ ہے کہ تمام انسان کسی نور کے پرتو ہیں کسی
 نیشان کے ایک شاخ ہیں یا کسی سمندر کا ایک قطرہ ہیں مگر ہر حالت میں اوارہ وطن ہو کر پرتو
 میں خانہ خراب پھرتے ہیں۔

(۴)

اول بخود چو آشنائی کردی
 آخر ز خود چہ اجدامی کردی
 چوں ترک منت نبود از رو نخواست
 سرگشتہ بعالم چہ رامی کردی

(۵)

لے دل ز غبارِ جسم اگر پاک شوی
 تو روح مجسودِ براخاک شوی
 عرشِ ست نشین تو شرمِ تابدا
 کانی و مقیم خطہ خاک شوی

(۳) یہ خیال مشرق و مغرب میں مشترک ہے کہ دنیا فانی ہے۔ ہوا فانی ہے۔ دھوکا باز ہے۔ ہر ہر قدم پر رنج و غم کا سامنا ہے۔ آسودگی برے نام ہے۔ جو شے ہے وہ غم سے خالی نہیں ہے

(۶)

ایں ہر کہ بود مدتی منزل ما نامد بجز از بلا و غم حاصل ما
افسوس کہ حل نہ گشت یک مشکل ما رفتیم و ہزار حسرت اندر دل ما

(۷)

شادی مطلب کہ حاصل عمر دے است ہر ذرہ ز خاک کی بقائے و بچے است
احوال جہان و اہل ایں عمر کہ بہت خوابے و خیالے و فریے و دے است
(۴) انسان کی زندگی بے ثبات ہے اور حیات انسانی مصائب و آلام کا مجموعہ ہے

(۸)

چوں حاصل آدمی دریش رستاں جز خوردن غصہ نیت یا کندن جاں
خرم دل آں کرین جہاں زود رفت آسودہ کسی کہ خود نیا بد جہاں

(۵) رباعیات مندرجہ بالا (۶-۷-۸) سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ خیام بھی اس فسر و دلی کی زندگی کو پسند کرتا ہے اور ہر چیز کو نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ لیکن حقیقت میں خیام کا یہ فلسفہ نہیں ہے بلکہ وہ اپنے شیدائیوں سے کہتا ہے۔ کہ اس زندگی میں بیکار و اوداس مت ہو بلکہ اسکو ہمیشہ خوشی میں گزار دو، اور خوب دل کھو لکر اور ٹوٹ کر شراہیں اڑاؤ، اور رنج و غم کو پاس نہ آنے دو۔ قضا و قدر مجھ صیبتیں تمپر ڈالے انکو صبر و تحمل سے برداشت کرو

اور صرف یہی ایک اصول ہے جس سے عیش و طرب کی زندگی حاصل ہو سکتی ہے چنانچہ کہتا ہے۔

(۹)

چون عہدہ نہیکند کسی فردا را حالے خوش کن تو این دل شیرا را
مے نوش بنور ماہ لے ماہ، کہ ماہ بسیار بتابد و نیابد ماہ را

(۱۰)

می خوردن شا و بودن آئین منست فارغ بودن ز کفر و دین دینست
گفتم، بعرس دہر کا بین تو حصیت گفتا۔ دل خستم تو کا بین منست

(۱۱)

زاں پیش کہ عنہات شب خوں آرند فرماے کہ تا بادہ گلگوں آرند
تو زرنہ لے عاقل ناداں کہ ترا در خاک نمبت باز پیروں آرند

(۱۲)

آں بہ کہ ز جام و بادہ دل شا دکنیم و ز نامدہ و گزشتہ کم یا دکنیم
ایں عایتے حیات زندانی را یکے کھٹہ ز بند عقل آزا دکنیم

(۱۳)

تا کے زغم زمانہ مجسنوں باشی با چشم پر آب دل پر خوں باشی
مے نوش و عیش کوش و خوشدل باشی زان پیش کر نیں دائرہ بیرون باشی

(۱۴)

دریاب کہ از روح جُدا خواہی رفت در پردہ اسرار خدا خواہی رفت
خوش باش ندانی ز کجاء آمدہ می نوش ندانی کہ کجا خواہی رفت

(۱۵)

می خور کہ زیر گل بے خواہی نخت بے مونس و بے حریف بے ہمد م نخت
ز نہار کبس مگو تو این را ز نہفت ہر لالہ پر مُردہ نخواہد ش گفت

(۱۶)

من هیچ ندانم کہ مرا آنکہ سرشت از اہل بہشت گفت یا دوزخ نشت
قوتے و بتے و بادہ بر لب کشت اہں ہر تہ مرا نقد و ترانیہ بہشت

(۱۷)

کم کن طمع از بہان و می نہی خورسند و ز نیک و بد زمانہ بگل پیوند
می برکت و زلف دلبرے گیر کہ زود ہم بگذرد و منسا نداین دوزی چند

(۱۸)

ایں قافہ عجب میگذرد دریاب دے کہ با طرب میگذرد
ساقی غم فرداے حریفان چو خوری در دشت ج بادہ کہ شب میگذرد

(۱۹)

روزیت خوش دہوانہ گرم بہت میگذرد ابرا از رخ گلزار ہی شوید گرد
بہل بزبان پسروی با گل زرد فریاد ہی زند کہ مے باید خورد

۲۰

ماہِ رمضان برفت و شوال آمد ہنگامِ نشاء و عیش و قوال آمد
آمد کہ آنکہ خیمہ اندر دوش گویند کہ پشتِ پشتِ جمال آمد
(۶) موت کی نسبت خیاں کے یہ خیالات ہیں

(۲۱)

اے مردِ نیم کہ عدمِ بسمِ آید کالِ بسمِ مرا خوشتر ازاں نیم آید
جانِ بہت مر بجا ریت و اودھا تسلیمِ کُتھم چو وقتِ تسلیمِ آید

(۲۲)

ارزائشِ آخرتِ نینداری باک و رآبِ امتِ نشدنی ہرگز پاک
چوں بادِ اجلِ سپردِ غمِ تلبند ترسم کہ ترا زنگِ پذیرِ دغا

(۲۳)

تا ظنِ نبی کہ از جہاں می ترسم و ز مردنِ از رفتنِ جہاں می ترسم
مردنِ چو حقیقتِ ہست ازاں با کمِ نیت چوں نیکِ نرسم ازاں می ترسم
(۷) انسان کی سب سے اچھی زندگی وہ ہے جو فقر و غنا کے درمیان ہو۔

(۲۴)

در دہر ہر آنکہ نیم نالے دارد و ز بہرِ نشتِ آسائے دارد
نے خادِ م کس بود نہ مخدومِ کسے گو شادِ نبی کہ خوشِ حالے دارد

(۲۵)

کینان بدورد زگر شود حاصل مرد
در کوزه بشکستہ دمے آب سرد
ماور کے دگر چہرہ باید بود
تا خدمت چون خودی چہرہ باید کرد

(۲۶)

گردست و بد ز مغر گندم نانے
از مے کہ مے و گو سفندے رانے
و آنکہ حق تو نوشتہ در ویرانے
عیشے بوداں نہ حد ہر سلطانے

(۸) بنے ہوئے صوفی اور جاہل فقیہوں کی خیام کی طرہیں کوئی عزت نہیں ہو وہ انکی
ریاکاری اور نمائش کا خوب خاکہ اڑاتا ہے۔

(۲۷)

پوشیدہ مرتع اندایں خامے چند
نازستہ و صدق و صفا گامے چند
بگرفتہ ز طامات الف لامے چند
بدنام کسندہ کونامے چند

(۲۸)

پندے دہمت اگر بنی اری گوش
از بہر خدا جامہ تزویر می پوش
عقبی ہمہ رعایت و دنیا کرم
از بہر دے ملکات را مفروش

(۲۹)

شخصے بزنی فاحشہ گفتاشی
ہر خطہ بدام دگرے پیوستی
گفتاشیجا ہر اچہ گفتی ہستم
اما تو چنانچہ مینامی ہستی؟

(۹) اخلاق و آداب کے متعلق خیام نے بہت کچھ لکھا ہے

(۳۰)

در راہ نیاز ہر دے را دریا ب در کوے حضور مقبلے را دریا ب
صد کعبہ آب و گل بیک دل نرسد کعبہ چہ سوی برو دلی را دریا ب

(۳۱)

با دشمن دوست فعل نیکو نیکو ست بے گند آنکہ نیکیش عادت و نجات
با دوست چو بد کنی شود دشمن تو با دشمن اگر نیک کنی گر دو دوست

(۳۲)

خواہی کہ ترا رتبت آسار رسد میسند کہ کس از تو آزار رسد
از مرگ میسندش و غم رزق مجوز کیس ہر دو بوقت خویش ناچار رسد

(۳۳)

در راہ چنای رو کہ سلامت نکند با خلق چنای زی کہ قیامت نکند
در مسجد اگر روی چنای رو کہ ترا در پیش نہ خوانند و امانت نکند

(۳۴)

بدخواہ کس ہیج بہ مقصد نہ رسد یک بد نکند تا بنجو دش صد نہ رسد
من نیک تو خواہم تو بنجو اہی بدن تو نیک نہ بینی و بہ من بد نہ رسد

(۳۵)

بامردم پاک اصل و عاقل متیز وز ناهلان هزار فرسنگ گزیز
گر زهر دهنده ترا خرد دست خویش در نوش رسد دست ناهل بریز

(۱۰) عشق و محبت - (۳۶)

ای ای بران دل که در و نوبی نیست سوار ده مهر دل نه روزی نیست
روزی که تو بے عشق بسر خواهی پرد ضائع ترا زان روز تر روزی نیست

(۳۷)

پیرانه سرم عشق تو در دام کشید وز زنجب دست من بجانم بید
آن تو بر که عقل داد جانان بشکست و آن حایب که صبر و خست ایام دژ

(۳۸)

عشق که مجازی بود آتش نبود چون آتش نیم مرده تابش نبود
عاشق باید که سال و ماه و شب روز آرام و تندر و غر و خوشش نبود

(۱۱) انقلاب هستی - (۳۹)

هر جا که گل و لاله زاری بود دست از سرخی خون شهر یاری بود دست
هر شاخ بخت کز زمین میسرید خالی ست که برین نگاری بود دست

(۴۰)

این کوزه چمن عاشق زاری بوده است در بند سر زلف نگاری بوده است
این دسته که برگردن وی می بینی دستت که در گردن یاری بوده است

(۴۱)

ہر سبزہ کہ برکت ارجوی رستت گوئی زلف نشہ غوی رستت
تا بر سر سبزہ پانچواری نہ نہی کاں سبزہ زخاک ماہ روی رستت

(۴۲)

خاک کے کہ بر زیر پاے ہر نادانیت زلف صفی و عارض جانانیت
ہر خشت کہ برکت گزہ ایوانیت انگشت وزیرے دسر سلطانیت
(۱۲) اعمال ظاہری بیکار ہیں۔ اگر خلوص نیت ہو۔

(۴۳)

باتو بخت ربات اگر گویم راز بہ زانکہ یہ محراب کم فی تو نماز
ای اول وای آخر خفایا ہست خواہی تو مرا بسوز خواہی ہوا
(۱۳) ارباب معرفت کے اعمال خوف و طمع کی بنا پر نہیں ہوتے۔

(۴۴)

در مدرسہ و صومعہ و دیر و کشت ترسندہ زد و زخ اند و جویای بہشت
آں کس کہ ز اسد رخدا با خبر است زین تخم در اندرون دل بیج نہ کشت
(۱۴) خیام کی رباعیات سے اس کے عقائد پر استدلال کرنا غلطی ہے۔ کیونکہ شاعری کے پردہ میں معلوم نہیں، شاعر کیا کچھ کہہ جاتا ہے۔ خیام کو بعض محدث و زندیق کہتے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک و طیف صوفیائے کرام میں داخل ہے اور محترمہ اللہ علیہ کے خطاب سے یاد

کیا جاتا ہو۔ بہر حال کفر و اسلام کے فیصلہ کرنے میں ذاتی حالات کی بھی نفی نہیں کرنا ضروری ہے، اور محض ظاہری الفاظ کی بنا پر قطعی حکم دیدینا وضع الشی فی غیر محلہ کا مصداق ہو۔ عموماً متصفین اور شعرا ایران ایسے مضامین لکھ جاتے ہیں، جن کو راز و نیاز کی باتیں، کہنا چاہیے۔ مگر علماً شریعت انھی الفاظ کی بنا پر کفر اور قتل کا فرمان صادر کرتے ہیں۔ ہماری رائے میں اگر ان شاعرانہ خیالات پر حکیم عمر خیام کو اتحاد اور زندگی سے منسوب کیا جاتا ہو تو حافظ شیرازی مولانا رومی، مولانا عطار وغیرہ جیسے نامور صوفی بھی اسی دائرہ میں آجاتے ہیں۔ اور اگر محض ساقی و شراب کی مداحی سے یہ فرد جرم لگائی گئی ہو، تو حقیقت میں یہ کوئی جرم نہیں کیونکہ مشرئی شاعری کا خمیر شراب سے ہوا ہو۔ تصوف کے خشک مضامین، مونہگ کی ابالی کچھڑی سے بھی زیادہ ناگوار ہوتے ہیں، لیکن یہ صرف شراب کی برکت ہی کہ یہ خشک نوائے لغتہ نر کی طسج، خوشگوار اور پُر ذائقہ ہو جاتے ہیں، اور ارباب ظاہر ان کو بجا بجا کر کھاتے ہیں، شراب اور اس کی کیفیات اور جذبات پر عام شعرا نے طبع آزمائیاں کی ہیں۔ اور چونکہ حکیم عمر خیام بھی شاعر ہی لہذا اس کی رباعیات بھی شراب کی چاشنی سے خالی نہیں ہو سکتی ہیں۔

اول ذیل کی رباعیاں پڑھو، پھر خیتام اور اس کی شراب نوشی پر نظر ڈالو کہ وہ کس قسم کا رند شرابی ہو۔

(۴۵)

می میخو ردم و مخالفان از چپ رہت گویند مخو ز باد کہ دیں را اعداست
چوں دلتهم کہ سے عدوی دین است واللہ بخو ردم خون عدو را کہ رواست

(۴۶)

فصل گل و طرف جو بار و لب کشت بایک دوسہ اہل بد بعیتے حور شربت
پیش آرقح کہ بادہ نوشتان صبح آسودہ ز مسجد ندو فارغ ز کشت

(۴۷)

من میخورم و ہسکہ چو من اہل بود مے خوردن من بنزد او سہل بود
مے خوردن من حق بازل می دہنت گرے نخورم علم خدا جہل بود

(۴۸)

در سیکدہ جُرنبے وضو نتوان کرد و اں نام کہ زشت شد نکو نتوان کرد
خوشن باش کہ ایں پردہ مستوری ما بدریدہ چناں شدہ کہ رفو نتوان کرد

(۴۹)

مے گر چہ حرام ست لی تا کہ خورد انکھ پیہ صحت دار و دگر با کہ خورد
ہر گاہ کہ ایں سہ شہ شہ است بگو پس مے نخورم مردم دانا کہ خورد

(۱۵) خیام صوفی مذہب ہی، موحد ہی، رسالت کی تصدیق کرتا ہی، حشر و نشر کا قائل ہی،
عذاب و ثواب کو جانتا ہی، اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہی۔ خدا سے معافی کا طالب ہی، اور اسکو
عالم الغیب جانتا ہی، احکام قضا و قدر کا قائل ہی۔ اور یہی اصول مذہب کے اعضاء رئیس
ہیں اور انہی پر کفر و اسلام کا فیصلہ ہی۔

تجائے و کعبہ خانہ بند گیت ناخوس زدن ترانہ بند گیت
محراب و کلیسا و تسبیح و صلیب حاکم ہمت نشاۃ بند گیت

(۵۱)

گر گوہر طاعت نہ سُفتم ہرگز گر گوشت از چہرہ نہ رُفتم ہرگز
بایں ہمہ نو میدنم از کرمات زان رویے راد و نگفتم ہرگز

(۵۲)

ساقی قدحی کہ ہست عالم ظلمات جز دئے توفیت در جہاں آبجیات
از جانِ جہاں ہر چہ در عالم ہست مقصود تویی و بر محمد صلوات

(۵۳)

از خالی کردگار و از ربّ حسیم نو میدمشو بجرم عصیان عظیم
گرمست و خراب مردہ باشی امروز فردا بخند بر استخوان ہائے ریم

(۵۴)

من بندہ عاصم رضائے تو بجات تار یک دلم نور صفائے تو بجات
مارا تو ہمیشہ اگر بہ طاعت بخشی ایں بیع بود لطف و عطائے تو بجات

(۵۵)

اے واقع ہوا زمینہ کس در حالت عجز و دستگیر ہمہ کس
یارب تو مرا توبہ دہ و عذر پذیر اے توبہ دہ و عذر پذیر ہمہ کس

(۵۶)

ایک ہنرمین و گندہ و نجش
ہر جسم کہ رفت حسبہ نجش
از باد ہوا - آتش کیں را مغز
ما را بر خاک رسول نجش

(۵۷)

لے دل چہ حقیقت جہاں ہست مجا
چندیں چہ بری خواری ازین رنج دنیا
تن را بہ قضا سپارد با وقت بنا
کیں رفت قلم ز ہجر تو ناید باز

رباعیات مندرجہ بالا کے انتخاب سے خیام کے عام خیالات اور جذبات کا ایک مختصر خاکہ ذہن نشین ہو گیا ہوگا۔ لیکن اگر تفصیل معلوم کرنا چاہتے ہو تو مجموعہ رباعیات کی سیر کرو اس مجموعہ میں ہزاروں خیالات ہیں جن کے مطالعہ سے مفید نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔

رباعیات کی تعداد [انڈیا ہاؤس لندن، نیشنل لائبریری پیرس، کتب خانہ مسٹر ڈی اے کسٹور ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ اور نیٹیل پبلک لائبریری بانکے پور وغیرہ کے قدیم کتب خانوں میں جو قلمی اور مطبوعہ نسخے رباعیات کے موجود ہیں، ان میں پندرہ سے آٹھ سو ایک تک رباعیاں پائی جاتی ہیں۔ اور ہر مجموعہ کی ترتیب بھی جدا گانہ ہی جنہوں نے لمحات ابجد ترتیب دیا ہو ان میں سب سے پہلی رباعی یہ ہے۔ (۵۸)

آمد سرے ند از میخانہ ما کا سے رنڈہ را باقی و دیوانہ ما
برخیز کہ پر کنیم ہم پایہ زئے زان پیش کہ پر کنند پیمانہ ما

اسفورڈ کا نسخہ اس رباعی سے شروع ہوا ہے۔

گر گوچر طاعت نہ ہستم ہرگز در گرد بہت ز رخ نہ ہستم ہرگز
نومیدنم ز بارگاہ کرمست زیرا کہ یکے را دو نہ گفتہ ہرگز

علی ہذا القیاس۔ اس کا نسخہ کی ابتدا ایک نئی رباعی سے ہے۔ اور ہندوستان کے مطبوعہ نسخوں میں سات سو ستر رباعیاں تک چھپ چکی ہیں۔ اور نسخہ مطبوعہ طہران میں دو سو تیس رباعیاں ہیں۔ انگریزی ترجمہ میں بھی مختلف حیثیتوں سے انتخاب کیا گیا ہے۔ چنانچہ پختہ لغایت پانسو رباعیاں اس وقت تک ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ لیکن تحقیقات سے اس وقت تک عمر خیام کی رباعیات کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ جاتی ہے۔

رباعیات کا اثر یورپ میں ایک پنجم اور فلسفی کی حیثیت سے یورپ میں خیام کی صدیوں سے شہرت ہے۔ لیکن شاعری کے لحاظ سے وہ سترہویں صدی کے ابتدا میں مشہور ہوا۔ اور پھر آہستہ آہستہ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں فروسی اور حافظ سے بھی نام آوری میں بڑھ گیا۔ جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ خیام کے خدایوں نے بطور دوامی یادگار کے دار السلطنت لندن میں "عمر خیام کلب" قائم کیا ہے جس کی سالانہ روئداد ہر سال چھپی اور شائع ہوتی ہے۔ اور چونکہ خبری دنیا کی مخلوق ان حالات سے کم و بیش واقف ہو لہذا تفصیل کی ضرورت نہیں۔ علی رسائل میں جہاں تک ہم نے خیام کے حالات پڑھے ہیں اُن سے واضح ہوتا ہے کہ نسخہ ۱۰۲۰ء تک رباعیات کا کوئی مستقل مجموعہ یورپ میں شائع نہیں ہوا البتہ کسی تاریخ میں یا تو ضمناً ذکر ہے یا صرف و نحو، عروض و قافیہ، اور فارسی علم ادب کی تاریخوں میں درج و انگریزی

میں لکھی گئی ہیں، ربا عیات کا انتخاب شائع ہوا ہے۔ لیکن وہ ان ہمبررگ پستال سرگور او سلی اور پروفیسر کا ول کی عالمانہ توجہ سے یہ مذاق روز بروز بڑھتا گیا۔ اور مسٹر ایڈورڈ فیئر ہرلڈ کی سعی بلیغ سے تمام یورپ میں خیام کا نام بلند ہو گیا۔ اس شخص کی نسبت یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ محض خیام کے زندہ کرنے کے لیے پیدا ہوا تھا۔

ہم اُسے سابق ڈائیرلے نواب لارڈ کرزن بہادر اپنے سفر نامہ ایران میں نیا پور کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ”بہت سے انگریز ناظرین نیا پور کو صرف اس تقریب سے پہچانتے ہو گئے کہ یہ ایران کے اس بہت بڑے (اسٹرا نو مر) اور شاعر عمر خیام کا دارالقرار ہے، جس کا نام اوجس کا کلام موجود ہنسل کو فیئر ہرلڈ کے بے نظیر ترجمے اور اس سے کمرہ درجہ کے بہت سے شعراء کے مطابق اصل تصرف امین تراجم کے ذریعے اچھی طرح معلوم ہو گئے ہیں، مجھے یاد پڑتا ہے کہ اصحاب ثانی الذکر میں سے کسی ایک تصنیف کے دیباچہ میں مینے میٹکس لرنہ درخواست لکھی ہوئی دیکھی تھی کہ نکاش، کوئی شخص میری اس کتاب کو نیا پور لیجا کر عمر خیام کے مقبرہ پر بند چڑھا دے۔“

جہنیت ایک مسلمان تمام علمائے یورپ کا عموماً اور مسٹر فیئر ہرلڈ کا خصوصاً ہم بھی خاص شکر یہ ادا کرتے ہیں (اگرچہ ہم کو ان کے بعض خیالات سے اتفاق نہیں ہے) کہ جو کام مسلمانوں کو کرنیکا تھا وہ ان علم دوست حضرات نے کیا۔ اور ساتھ ہی فارس کے تذکرہ نویسوں پر افسوس کرتے ہیں کہ انھوں نے اُسکو شریعت و طریقت سے خارج سمجھ کر نہ تو اُسکے کلام کی قدرانی کی اور نہ اُس کی مفصل سوانح عمری لکھی۔

یورپ میں رباعیات کے اشاعت کی مختصر تاریخ یہ ہو کہ سترہ اسیں اول مرتب لندن کے کسی مطبع نے صرف پچھتر رباعیات کا انگریزی ترجمہ (بغیر نام مترجم) شائع کیا۔ لیکن جب عرصہ دراز تک کوئی اس جوہر گرانمایہ کا خریدار نہ ہوا اور دو سو جلدوں میں سے ایک بھی فروخت نہ ہوئی تب مجبور ہو کر تمام نسخے مستقل کتابوں کے ہمراہ فروخت کے لیے رکھ دیے گئے اور بجائے پانچ شلنگ (پچھتر) اصل قیمت کے صرف ایک پینی (ار) قیمت قرار دی گئی۔ تب پانچ خریدار ہوئے اور چونکہ علمی دنیا کا یہ ایک خاص و قہر ہی لہذا مورخوں نے انکے نام بھی لکھ لیے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ مسٹر ڈونٹی۔ جبرائیل۔ رائسٹ۔ سٹریچ ڈبرٹن، اور سوئن برن۔

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر ملک میں عام خیالات کے مخالف جب کوئی مذہبی یا علمی خیال پیش کیا جاتا ہے تو بلا تہیقات اول اُس کی مخالفت شروع کی جاتی ہے۔ اور زمانہ دراز تک دنیا ان فوائد سے محروم رہتی ہے۔

الغرض اگر کان ختمہ مذکورہ کی توجہ اور علمی سرگرمی سے پھر تو ان رباعیات کی بڑی شہرت ہوئی۔ اور سوئن برن مذکور خیام کے فلسفہ کا ایک اعلیٰ رکن قرار پایا۔

سترہ اسیں جب یہ رباعیات دوبارہ شائع ہوئیں تو اُس نسخہ کو فلینجر لڈ نے بہتر معیار و اضافہ خاص طور سے مرتب کر کے شائع کیا اور یہ نسخہ بحر اٹلانٹک طے کر کے امریکہ پہنچا۔ امریکن قوم نے اُسکو آنکھوں سے لگایا اور قبولیت کے ہاتھوں میں لیکر ذوق و شوق سے مطالعہ کیا۔ چونکہ رباعیات کے پڑھنے والے اب بکثرت ہو گئے تھے اور کوئمہ لایٹم کا خوف باقی نہیں تھا اسوجہ

لے مختصر لائف عمر خیام بزبان انگریزی مصنفہ ناگ کارملیو عدی سترہ اسیں

انگلنڈ اور امریکہ دونوں میں ربا عیات کی سیکڑوں جلدیں فروخت ہوئیں اور خیام کا فلسفہ فریشری کے درجہ پر پہنچ گیا۔ اور دوستوں میں برادرانہ اخوت اور محبت کا باعث ہوا۔ فلسفہ میں تیسری مرتبہ باضافہ جدید ایک مجموعہ در شائع ہوا۔ اور اس طرح فلسفہ میں ایک مجموعہ نکلا۔ اور اب تو خیامی فلسفہ روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ لندن، جرمن، فرانس، امریکہ میں خیام کی ربا عی پڑھنے والے ہزاروں سے متجاوز ہیں۔

اہل یورپ خیام کو مشرق کا والٹا رکھتے ہیں۔ (محققین کے نزدیک یہ کامل تشبیہ نہیں ہے) اور بعض رومانکا لکری شیسی فلسفی اور شاعر سمجھتے ہیں، کیونکہ جودت طبع اور اخلاق و عادات اور حوادث زمانہ کے لحاظ سے دونوں کی زندگی یکساں ہے۔ بہر حال خیام کو جو چاہیں سمجھیں۔ اس میں شک نہیں ہے کہ خیام کا فلسفہ اپنی کورس، دیو جانس کبھی، ماما تا بودہ، سے بہت ملتا جلتا ہے اور فلاسفران یورپ بائرن، سوئٹن برن، شوپن ہیور، اسی سلسلہ میں داخل ہیں اور بقول محققین ”انسائیکلو پیڈیا برطانیکا“، پی سی مرٹک فلسفہ بھی انہی حکما کے خیالات سے ماخوذ ہے اور وہ فی نفسہ کوئی نوا یا کجا فلسفہ یا شاعرانہ خیال نہیں ہے۔

۱۔ محض انگریزی ترجمہ اور انگریزی مع اصل۔ دونوں قسم کے نجات تھیک، نیومن، رادہ بابائی تا جہراں کتب مکتبہ اور بی کی دکانوں میں موجود ہیں۔ اور سب اعلیٰ درجہ کا نسخہ امریکانے طیار کیا ہے جس میں یہ الزام ہے کہ ہر رباعی کا مضمون بذریعہ ایک تصویر کے دکھایا گیا ہے۔ یہ امریکہ کی صنایع کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ تجنیٹا پچاس روپیہ اس کی قیمت ہے۔ اور ایک منتخب نسخہ اسی صنعت کا مطبوعہ لندن تین چار روپیہ میں آتا ہے۔

۲۔ انسائیکلو پیڈیا جلد نمبری ۷، صفحہ ۷۷۰۔ فائل کالج میگزین، نسخہ ۱۷۷۰ جلد مکتبہ ریویو۔

۳۔ حکما کا جو گردہ دنیا کو مصائب اور آلام سے بھرا ہوا خیال کرتا ہے وہ پی سی مرٹک کہلاتا ہے۔

تصنیفات

جس شخص کا یہ قول ہو کہ ”مے خوردن و شاد بودن آئین من است“ اُس کی نسبت یہ شبہ بھی نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ کبھی علم و حکمت کے راز سر بستہ حل کرتا ہوگا، یا صطرب لای و دوبرین سے کام لیتا ہوگا؛ مگر نہیں، حکیم عمر خیام ہمارے فائدے کے لیے کچھ غزلت میں بیٹھ کر عقلی مسائل حل کرتا تھا۔ اور اپنے زمانہ کا ایک نامور مصنف بھی تھا۔ تصنیفات کی مختصر فہرست یہ ہے۔

(۱) جبر و مقابلہ | جبر و مقابلہ کے ابتدائی اصول اگرچہ مسلمانوں نے یونانیوں سے سیکھے ہیں مگر انکو اس درجہ کمال پر پہنچا دیا کہ خود موجود قرار پائے اور یورپ نے جبر و مقابلہ عرب سے سیکھا اور اپنی زبان میں ماخذ کو قائم رکھ کر ”الجبر“ نام رکھا۔

مامون الرشید عباسی کے مبارک زمانہ میں جہاں اور علوم و فنون نے حکما کی گودوں میں پرورش پائی، وہاں جبر و مقابلہ نے بھی جنم لیا تھا۔ اور سب سے پہلے ابو عبد اللہ محمد بن موسیٰ خوارزمی

لے لے لایا ایک نکتہ ہی سادہ آگے ہیں ایک فزنی حلقہ ہے جس پر کچھ کندہ ہیں اور اس پر ایک شیر گردش کھاتا ہے جس کے آگے پر سونے کی آگ کو کندہ سے پر لٹکا دیتے ہیں سو وقت آگ نمودی حالت پیدا کرتا ہے تب شیر کو آفتاب کی طرف پھرا دیتے ہیں اور جس وقت شعاع آفتاب سورج سے پار ہو کے حلقہ پر پڑتی ہے اور اس بجے کو پڑھ لیتے ہیں اور اس سے آفتاب کا ارتفاع معلوم ہو جاتا ہے یہ لفظ عربی میں یونانی سے آیا ہے اور یونانی لفظوں سے مرکب ہے، اسٹرال (ستارہ) اور لاین (لینا) یعنی وہ آلہ جس سے ستاروں کا ارتفاع لیا جاتا ہے اور یہ لفظ عربی سے یورپ کی زبانوں میں گیا ہے۔ تمدن عرب صفحہ ۴۷۷ و ضمیمہ تمدن عرب صفحہ ۱۰۔

۵۱ عجبر و المقابله | جس میں کسی نقصان کا برابر کر دینا ہے۔ کسٹرا لیدات توڑنا جبر الیدات ٹوٹے ہوئے بات کو بچا دینا۔ حساب کسی عدد کو اس غرض سے بڑھانا کہ وہ دوسرے کے برابر ہو جائے یعنی وہ عمل جو مساوات میں ہوتا ہے اور اسی لیے اس عمل کا نام الجبر و المقابله ہو۔ ضمیمہ تمدن عرب صفحہ ۱۲۔ ۵۲ ششمین | یہ مورخ عالم فوت ہوا۔ اہل کتاب جبر و مقابلہ پر تالیف کی تھی مگر لندن میں بیٹھ گئی ہے

اس فن سے واقف ہوا اور آئندہ وہی اس کی ترقی اور اشاعت کا سبب ہو جس کو ہرستہ آہستہ عربوں نے مکمل کر دیا۔

مامون الرشید کے زمانہ کو اگر ابو عبد اللہ پر فخر ہو تو عہد دولت ملک شاہ سلجوقی بھی عمر خیام پر ناز کر سکتا ہے، کیونکہ جبر و مقابلہ و لطیف فن ہی جو عقل انسانی کی مختصرات کا بہترین نمونہ سمجھا جاتا ہے۔ خیام کی کتاب جبر و مقابلہ مفقود سمجھی جاتی تھی، مگر علماء یورپ کو ایک قلمی نسخہ مل گیا ہے۔ او ۱۲۷۱ء میں کتب خانہ لیڈن (ہالینڈ) میں وہ نسخہ داخل ہوا ہے اور غالباً ۱۸۱۷ء میں اسی نسخہ کی نقل علمائے فرانس نے مع ترجمہ فرینچ و ہل عربی چھاپ کر شائع کی ہے۔ جس کا کوئی خاص نام نہیں ہے۔ انائیکلو پیڈیا میں اُس کو ”اسٹنڈر ورک ان الجبرا“ لکھا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ خیام کی یہ پہلی تصنیف آج دنیا میں موجود ہے۔ البتہ علم المساتح و المکعبات اور اقلیدس کی شرح کا قسوت تک تہہ نہیں ہے۔ ریاضی اور نجوم میں خیام نے بطور سلسلے کے چند کتابیں لکھی ہیں مگر ان کے صحیح نام نہیں بتائے جاسکتے ہیں۔ کتاب جبر و مقابلہ کے علاوہ خیام کی تصنیف میں چار رسالے اور ہیں جن کی مختصر کیفیت یہ ہے۔

(۴) میزان الحکم۔ یہ رسالہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے پہلی تصنیف ہے، اس میں خیام نے وہ اصول لکھے ہیں جن کی مدد سے مرصع اور جڑاؤ زیورات کا وزن دریافت کیا جاتا ہے اور بغیر زینو توڑنے اور جواہرات الگ کرنے کے وزن معلوم ہو جاتا ہے۔

(۵) لوازم الاکملۃ۔ فضول ربیعہ اور ہواؤں کے اختلاف کے اسباب اس سالہ میں لکھے ہیں۔
(۶) وجود کی حقیقت پر ایک مختصر رسالہ۔

(۷) ”کون اور سالہ تکلیف پر ایک سالہ“

(۸) ”رباعیات“ رباعیات خیام کی مختصر تاریخ، ہم لکھ چکے ہیں۔ ہندوستان میں خیام کی شہرت عام، محض رباعیات سے ہوئی ہے لیکن افسوس ہے کہ خاص اہتمام اور صحت سے کوئی مکمل نسخہ رباعیات کا ہنوز ہندوستان میں شائع نہیں ہوا ہے۔ کلکتہ، بمبئی، لکھنؤ، اور پنجاب مطبوعہ نسخے اس لائق نہیں ہیں کہ زینت کتب خانہ ہو سکیں۔ یورپ کے مطبوعہ نسخے میں سب سے بہتر نسخہ ”بوڈلیس لائبریری“ کا ہے جس میں اصل رباعیات کا فوٹو چھاپا گیا ہے۔ اور بس نسخہ کا ٹیکس ہے وہ بمقام شیعہ لکھا گیا ہے۔ خاندہ کی یہ عبارت ہے ”شیخ محمود عشرہ آخر ماہ صفر ۱۳۶۶ء بمقام شیراز“

حکیم عمر خیام کا متفرق کلام و فضل و کمال، امام غزالی سے منظرہ ندہی علوم، علم نجوم، خانگی زندگی، اور موت

قطبہ فارسی متون اور تذکرہ نویس اس پر متفق ہیں کہ حکیم عمر خیام، اپنے زمانہ کا نہایت نامور فقیہ، محدث، مفسر، ادیب، اصولی، لغوی، فلسفی، اور نجومی تھا۔ لیکن آٹھ سو برس تک اس کے نام کو جس نے زندہ رکھا وہ صرف شاعری ہے۔ اور اگرچہ خیام کی شاعری رباعیات تک محدود ہے لیکن اسلوب بیان کی جدت، قوت تخیل، طرز استدلال، زبان کی سادگی، شوخی، ظرافت، اور فلسفیانہ طرز ادا، بتا رہا ہے کہ خیام ایک اعلیٰ درجہ کا شاعر ہے۔ بہت علاوہ رباعیات کے اور کئی قسم کا لے تصنیفات کا حال تاریخ الحکما، اور گنج دانش سے ماخوذ ہے۔ لے دیکھو تاریخ الحکما، شہر زوری حلات خیام۔

اصو و علی الفخشاء جھرا و خفیة
عفا فافا و افطاری بتقدیر خا طری
و لک عصبه ضلت عن الحق فاهتد
لظرف الھد من فیضی المتقاطر
فان صراط المستقیم بصائر
نصبہ علی وادی الھمی کالقناطر
اذ قنعت نفسی بمیسور بلغة
یحصاھا بالکذ کفی و ساعدی
امننت تصار رفیع الحوادث کلھا
فکن یا زما فی موعدی و مساعدی
وھب لی تختذت الشعر بین منار لی
وفوق مناط الغرقدین مصاعدی
مقی باعدت دنیا ک کان مصیبة
فوا عجباً من ذالقرب المباعد
اذا کان محصول الحیاة منیة
فستیان حلا کل ساع وقاعد
رضیت دھراً طویلاً فی التماس خ
یرعی و دادی اذا ذ و خلۃ خانا

۲۔ پاکدامنی کی وجہ سے میں ترک معصیت کا روزہ رکھتا ہوں۔ اور پاکیزگی قلب سے افکار کرتا ہوں۔

۳۔ بہت سی جاہتیں جو راہِ رہت سے ہٹ گئی تھیں میرے رہتے ہوئے فیض سے ہارت پائگئیں۔

۴۔ ”راہِ رہت“ مثل ان نشانِ میل کے ہیں جو وادی ضلالت میں پُل کی طرح قائم کیے گئے ہیں۔

۵۔ جب میرا نفس تھوڑی روزی پر قناعت کر لیتا ہے۔ تو میری ہمتی اور میرا بازو اسکو کوشش سے حاصل کر لیتا ہے۔

۶۔ چونکہ میں گردشِ زمانہ سے بے پروا ہوں۔ تو لے زمانہ خواجہ مجھے دھکا یا میری موفقت کر (مجھے اسکی کچھ پروا نہیں ہے)

۷۔ میں نے مانا کہ میں گھر میں شمع کتنا ہوں۔ مگر میرا تہہِ فقر دینِ ستارہ سے بالاتر ہے۔

۸۔ جب نیا تجھ سے دور ہو تو یہ ایک مصیبت ہے۔ اور یہ کس قدر عجیب ہے کہ وہ قریب بھی ہے اور دور بھی۔

۹۔ جب حیات کا اخیر نتیجہ موت ہے تو پھر کوشش کرنا اور نکلنا دونوں برابر ہیں۔

۱۰۔ میں عرصۂ تک ایسے بھائی کو تلاش کرتا رہا جو دوستی کی ابرقوتِ عایت کے جسے ست خیانت کر جاتے ہیں۔

تکم الفت وکما حبت غیرا خ
 وکرت بدلت بالاحوان اخوانا ۱۱
 وقلت للنفس لما عن مطلبها
 بالله ما لفی ما عشت انسانا ۱۲

فضل وکمال ایشیا اور یورپ میں بوعلی سینا کا حکمت اور فلسفہ میں جو درجہ ہو وہ مسلم ہو لیکن شیخ کے ہم پلہ اور اُس کا ہمسر اگر کوئی صوبہ ایران میں ہوا ہو تو وہ حکیم عمر خیام ہی۔ اور یہ دعویٰ اُن مورخوں کا ہو جو غلطی نے زمانے میں امام فن مانے جاتے تھے۔ اور امام غزالیؒ سے خیام کا مناظرہ ہونا بھی اس کے فضل و کمال کی ایک دشن دلیل ہے۔

امام غزالی سے مناظرہ حکیم عمر خیام جس طرح حکمت و فلسفہ میں امام تھا۔ اسی طرح مذہبی علوم کا بھی عالم تھا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ایسے روشن دماغ اور آزاد خیال علما، فقہان کی عامیانہ تقلید سے آزاد ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ فلسفہ کا غلبہ مذہب کی شان میں کبھی کبھی گستاخیاں بھی کر جاتا ہے۔ یہی حال خیام کا بھی تھا۔ اور اس بنا پر مذہبی گروہ خیام کا مخالف تھا۔ اور خیام کے معصروں میں امام غزالی، علما ملت میں سب کے سر تاج تھے۔ لہذا یاروں کے کہنے سے ایک دن خیام کے پاس مناظرہ کے لیے تشریف لے گئے۔ اور حکیم سے پوچھا کہ جب آسمان کے

۱۱۔ اکثر یہ ہوا کہ سینے چینی سے دوستی کی اور اجنبی کو بھائی بنایا۔ اور اکثر سینے بھائیوں کو چھوڑ کر دوسرے بھائی بنائے۔
 ۱۲۔ لیکن جب خاطر خاہ کوئی دوست نہ ملا تو سینے دل سے کہا کہ خدا کی قسم تیرا مطلوب بنایا ہے۔ لہذا تازہ نیست کسی سے دوستی ہی نہ کر یعنی ایسا انسان جو قابل دوستی ہو وہ معدوم ہے۔
 ۱۳۔ امام خراسان علامہ الزمان العظیم فیضان الہ اخبار العلماء صفحہ ۱۶۲ مطبوعہ مصر ۱۹۲۵ تاریخ الحکماء شہر زوری۔

تمام ہندو متشباب اور متحد الجھتتہ ہیں تو پھر اس کی کیا وجہ ہو کہ بعض اجزاء قطبین و اریابے خیام نے سوال سُنگراہی عادت کے مطابق خیام کو مبطل فلسفہ بیان کرنے میں از حد بخل تھا، یہ معمولی جواب دیا کہ میں نے اس سائل کو نہایت تفصیل سے اپنی کتاب عرائس الفلاس میں لکھا ہے، مگر یہ جواب ایک سائل کے واسطے کافی نہ تھا لہذا خیام نے ابتدائی مراتب بیان کر کے اس سائل سے ابتدائی کہ ”حرکت کس مقولہ سے ہے“ اور تقریر کو اس قدر وسعت دی کہ نمازِ نظر کی اذال ہو گئی۔ اور بحث ہنوز نام تام تھی۔ لیکن امام صاحب یہ لکھ کر کھڑے ہو گئے کہ ”جائے اللہ و زہق الباطل ان الباطل مکان زہوقاً“ افسوس ہو کہ خیام کی یہ تقریر قلمبند نہیں ہوئی ورنہ حکمت و فلسفہ کے جوہر کھلتے۔ اور شائقین مستفید ہوتے۔

تحصیل نہان یونانی | بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ عمر خیام یونانی جانتا تھا۔ اگر یہ صحیح ہو تو ان لوگوں کے مقابلہ میں جنہوں نے علوم یونانی بذریعہ تراجم حاصل کیے ہیں، عمر خیام کا درجہ فلسفہ اور حکمت میں بہت بڑھ جاتا ہے۔ اور چونکہ خیام فلسفہ یونان کا درس یاد دیا کرتا تھا اور ہمیشہ انہی خیالات میں ڈوبا رہتا تھا۔ لہذا یہ روایت قرین قیاس ہے کہ خیام یونانی ضرور جانتا تھا۔

تفسیر القرآن | قاضی عبدالرشید بن نصر کا بیان ہے کہ ایک دفعہ مرو کے حمام میں عمر خیام سے ملاقات ہوئی۔ مینے سورہ معوذتین کے معنی دریافت کیے۔ اور یہ بھی پوچھا کہ بعض الفاظ ان سورتوں میں مکر کیوں کئے ہیں؟ خیام نے ایک بسیط تقریر میں تمام شہادت رفع کر دیئے، دورانِ تقریر میں مفسرین کے اقوال، اُن کے دلائل و شواہد اس تفصیل سے بیان کیے کہ

اگر میں اُن کو قلمبند کرتا تو ایک کتاب بن جاتی۔ حالانکہ خیام کو ان علوم کے ساتھ خاص دلچسپی تھی اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جن علوم میں خیام نے تمام عمر صرف کر دی۔ اُس میں کس قدر عجب و بگاڑا تھا۔ فرائد | شہاب الاسلام، عبدالرزاق، وزیر سلطان سنجر کے دربار میں علمی صحبت تھی، فن قرأت کے امام ابو الحسن غزالی بھی موجود تھے۔ اور اختلافِ القراءت پر مباحثہ ہو رہا تھا کہ خیام اگیا۔ وزیر نے خیام کو اتار ہوا دیکھ کر کہا ”علی الحدید سقطنا“ ذرا قہقہہ کا رگیا، بعد ازاں سالہ زیر بحث پیش ہوا۔ خیام نے ساتوں قرائتیں، شاذ روایتیں، اور اُن کے دلائل بیان کر کے ایک قرأت کو ترجیح دی۔ امام ابو الحسن فیصلہ سنکر فرماتے لگے ”کہ حکما کا کیا ذکر ہے جو قاریوں میں سے کسی کو اس درجہ کی معلومات نہیں ہو سکتی ہو“

قوت حافظہ | تاریخ الحکما شہر زوری میں لکھا ہے کہ اصفہان میں کوئی کتاب خیام کو پہنچی اور سات مرتبہ اُس کا مطالعہ کیا جب نیشاپور آیا پوری کتاب نے بانی لکھوا دی جب اصل سے مقابلہ کیا گیا، تو برے نام فرق نکلا۔

سلاطین کے دربار میں اعزاز | ملکشاہ سلجوقی نے ترمیم سنہ فارسی، اور تکمیل صد کے بعد حکیم عمر خیام کی جو عزت افزائی کی اس کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ علاوہ جاگیر دار ہونے کے دربار ملکشاہ میں خیام کو مذہبوں کا درجہ حاصل تھا اور اس کا بیٹا سنجر بھی خیام کو اپنے برابر تخت پر بٹھاتا تھا۔ (حالانکہ ایک خاص اقد سے سنجر ناراض تھا) اور شمس الملوک خاقان بخارا کا بھی خیام کے ساتھ یہی برتاؤ تھا اور یہ وہ اعزاز تھا کہ جس پر خواجہ نصیر الدین طوسی جیسا علامہ رشک کیا کرتا تھا اور

لے شہر زوری۔ لے شہر زوری گنج دانش۔

ہلا کو خاں سے یہ قہر بیان کر کے فخر یہ کہتا تھا کہ "فصل من صد بر افضل عمر خیام است ان عظیم علما"
دریں وزگار نامندہ۔

علم نجوم | یونان سے علوم و فنون کا جو سیلاب آیا اُس میں نجوم کا بھی خاص درجہ ہے
حکما یونان میں سے ہر ایک مصطلح نجوم اور اس کے احکام کا قائل تھا۔ مسلمانوں نے جہاں
دیگر علوم و فنون سے فائدہ اٹھایا وہاں نجوم کو بھی لیا۔ پھر بعض خلفاء عباسیہ و مسلمانین عجم
کی سرپرستی نے احکام نجوم کو آسمان تک پہنچا دیا۔ چونکہ خیام بھی نجومی تھا لہذا ذیل کے واقعات
لکھے جاتے ہیں۔

عروضی عمر قندی لکھتا ہے کہ سنہ ۳۸۵ میں بلخ کے "کوچہ بردوزشاں" میں خواجہ طغرل اسفندی
اور خواجہ امام عمر خیام امیر ابو سعید کے مہمان تھے میں بھی حاضر خدمت تھا کہ حجۃ الکی عمر خیام
نے فرمایا کہ "نیری قبر ہی جگہ بنے گی کہ چہر سال میں دو مرتبہ درخت پھول برسائیں گے" امام
کا یہ کہنا مجھے محال نظر آیا۔ مگر یہ یقین تھا کہ خیام جیسا شخص وہی تباہی نہیں کہہ سکتا ہی چاہے
سنہ ۳۸۵ میں جب مجھے نیشاپور جانے کا اتفاق ہوا تو خیام کو دنیا سے رخصت ہوئے کئی برس
گزر چکے تھے اور چونکہ میں خیام کا شاگرد تھا اس لیے جمعہ کے دن ایک ہنما کے ہمراہ گورستان

۱۔ تذکرہ دولت شاہ ۲۔ دکان علیہ القربین فی علم النجوم والحکمة و بہ یضرب المثل تاریخ اخبار العلماء صفحہ
۱۶۳۔ ۳۔ نجم الدین احمد بن عمر بن علی نظامی عمر قندی۔ اپنے زمانہ کا ایک نامور ادیب، شاعر، طبیب، نجوم تھا۔ اور
چونکہ عروض میں خاص مہارت تھی لہذا عروضی مشہور ہوا۔ یہ وسیاحت کا لڑا شائق تھا۔ اول مسلمانین غوکہ بدیع لڑا پھر
سلطان سنجر کے دربار میں حاضر ہوا۔ کتاب چہار مقالہ یادگار نظامی نیری عمر قندی اور نظامی اثیری نیشاپوری اس کے
ہم عصر تھے نظامی نجومی اسکے بعد ہوئے ہیں چنانچہ سنہ ۵۰۵ میں انتقال ہوا ہی۔ انتخاب اربعہ صفحہ ۱۸۱۔

حیرہ میں فاتحہ خوانی کے لیے گیا جب میں گورستان کے بائیں طرف پھرتا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دیوار کے نیچے ایک قبر ہو جس پر مرد اور زرد آلہ کے پھولوں کی چادر بچھی ہوئی ہو اور سطحِ قبر پھولوں سے چھپ گئی ہو۔ اُس وقت مجھے یاد آیا کہ بمقامِ بلخ امام نے یہی فرمایا تھا۔ یہ واقعہ یاد کر کے میں رونے لگا۔ کیونکہ میری نظر میں تمام ربعِ مسکوں میں کوئی شخص خیام کا نظیر نہ تھا۔ خداوندِ تبارک و تعالیٰ اس پر اپنی رحمت نازل فرمائے (چہار مقالہ)

عروضی کہتا ہے کہ مشہور کے موسمِ سرما میں سلطان نے خواجہ بزرگ صدر الدین محمد بن المنظر زینِ مرو کے پاس یہ پیام بھیجا کہ خواجہ امام عمر میرے شکار کھیلنے کے لیے کوئی ایسا دن مقرر کریں جو برف و باراں سے محفوظ ہو۔ چنانچہ خواجہ نے خیام سے سلطان کا پیام کہہ دیا اور دو دن کے غور و فکر کے بعد خیام نے سلطان کو شکار پر جانے کی اجازت دی۔ مگر جسے شکار سلطان نے تھوڑی مسافت طے کی تھی کہ آسمان پر بادل چھا گیا اور زمین پر برف بچھ گئی اور لوگ خیام کے حکم کا مضحکہ اڑانے لگے۔ مگر سلطان نے کوٹن پسند نہیں کیا۔ اور خیام نے عرض کیا کہ حضورؐ میں ابھی مطلع صاف ہو جائیگا۔ اور پانچ دن تک بھار بھی نہیں پڑے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ صاحبِ نگارستان نے اس وایت کے بعد یہ اشعار لکھے ہیں۔

بچیں علمِ جملہ محتاجند خاصہ آنا تکہ صاحبِ جہاند
ہست در زم در زم و وقتِ نکا خست یاراتِ حکمِ شاں در کا

۱۔ چہار مقالہ نظامی صفحہ ۳۱ مطبوعہ اصفہان ۲۔ نظامی عروضی نے اپنی کتاب چہار مقالہ میں یعقوب بن اسحاق کنذی ابوریحان برزنی کی حکیم موصی وغیرہ کے متعلق کام نقل کیے ہیں جو بخومیوں کے بیان کے مطابق ہوئے ہیں۔ لیکن مذہباً

خانگی زندگی اخاقانی کی روایت سے واضح ہوتا ہے کہ خیام نے شادی نہیں کی اور تمام عمر آزادی سے بسر کی اور اہل و عیال کے جھگڑوں سے ہمیشہ آزاد رہا چنانچہ اخاقانی کہتا ہے

زین کلبہ بکلیہ بھارت	زراں عالم بود و باز جارت
میک عطسہ بداد و رو بہ نہفت	صدیر حکم لہش ملک گفت
آنجنابش نکاح ببت حورا	چل سال غریب شست اینجا
آنکس کہ چنان عروس بند	بر حق بود از غریب نشیند

موت حکیم عمر خیام ۱۱۶۱ھ میں بمقام نیشاپور پیدا ہوا تھا۔ اور ۱۱۶۳ھ میں راسی ملک بھا ہوا۔ اور نیشاپور کے گورستان حیرہ میں دفن ہوا۔ اس حساب سے حکیم عمر خیام ایک سو سات برس تک زندہ رہا۔ چنانچہ خود بھی ایک باغی میں اپنی صد سالہ زندگی دکھا کر خدائے غفور الرحیم سے مغفرت چاہتا ہے۔

(۵۹)

آنم کہ پدید گشتم از قدرت تو	صد سالہ شدم بنار و نعمت تو
صد سال امتحان گنہ خواہم کرد	تا جرم من است بیش یا رحمت تو

خیام کی موت کا واقعہ نہایت دلچسپ ہے۔ تاریخ انکوائس لکھا ہے کہ ایک دن بعلی سینا کی کتاب الشافیر پڑھا تھا۔ جب محدہ و کثرۃ کی بحث آئی تو کتاب بند کر دی اور طلائع خلل حبس ہر وقت پائیں کھاتا تھا۔ اسی ورق پر رکھراٹھا۔ وضو کر کے نماز پڑھی، وصیت کی، اور شام تک

(بقیہ نوٹ صفحہ قبل) بقول نظامی یہ حکم قابل استناد نہیں ہے کیونکہ احکام نجوم ایک خاص صنعت کا نتیجہ ہیں۔ نجومی کو لازم ہے کہ حکم لکھ کر قضا و قدر کے سپرد کرے، اسے مثنوی تخیل العارفين بطورہ اگر ۱۷ چار مقالہ نظامی۔

کچھ نہ کھایا۔ نماز عشا پڑھ کر سجدہ کیا۔ اور کہا۔ اللہم علوانی عرفقت علی مبلغ امکانی فاعف عنی
 فان معرفتی ایاک وسیلتی الیک اے خدا! جہاں تک میرے امکان میں تھا میں نے تجھ کو
 پہچانا۔ اسی وسیلہ سے مجھ کو پہچند ہے۔ اور یہی کہتے کہتے روح جسم سے نکلی اور منزل مقصود پہنچ گئی

(۶۰)

خیام کہ خیہائے حکمت منید خست در کور و غم فنا و ناگاہ بسوخت
 فروش اجل طناب عمر شرج برید دلال فضا براگکاشن بفرخت
 حکیم عمر خیام کی موت پر عوام و خواص نے کس قدر ماتم کیا۔ اور کن شعراء نے مرثیے لکھے اس کی
 کوئی تفصیل تذکروں میں نہیں ہے۔ لیکن عزیزوں سے کیونکر ممکن تھا کہ ایسے حادثہ عظیم پر اشکبار
 ہو کر مرثیہ نہ لکھیں چنانچہ حکیم خاقانی نے (خیام کا بھتیجہ تھا) خیام کا مرثیہ لکھا جسکو بطور یادگار ہم بھی
 منج کرتے ہیں۔

گر بقدر سوزش دل چشم من گریستہ بدل من مرغ و ماہی تن بتن گریستہ
 انچه از من شد گرازدست یلماں گم شد بر سیلماں ہم پری ہم اہر من گریستہ
 مقتداہی حکمت صد زمن کز بعد از د گزین اپشم بوے ہم زین گریستہ
 کاشکے! آدم بر حجت در میاں باز آئے تا برگ این خلف بر مردوزن گریستہ
 پیش چشم مرغ کشتن کہ یارستے کہ گریستے شمع را گردن زدن گریستہ
 گوہے بود او۔ کہ گردنوں نابانی نکست جوہے کو تا بریں گوہر شکن گریستہ

لے کلیات خاقانی۔

آتش و باد ابدائندے کہ از گیتی کہ شد
آتش از غم خون شد باد از حسرت گریست

گورستان حیرہ کی موجودہ حالت | جس زمانہ میں خیام گورستان حیرہ میں دفن ہوا تھا اس وقت یہ قبرستان حقیقت میں چشتان تھا خیام کی قبر پر گلاب کے درختوں کا سایہ تھا۔ اور دونوں وقت پھولوں کی چادریں چڑھا کرتی تھیں۔ مگر آج اس کی قبر کا پتہ لگانا بھی مشکل ہے کہ کہاں ہے اور کس طرف ہے؟۔ نواب لارڈ کرزن بہادر سابق و سرلے ہندوستان اپنے سفر نامے میں لکھتے ہیں کہ خیام کی قبر ایک ایران سے باغ میں ہے جس میں کبھی پھولوں کی کیریاں اور پانی کی نہریں تھیں۔ مگر آج سواخص و خاشاک کے اور کچھ نہیں رہا۔ نہ قبر پر کوئی کتبہ ہے جس سے شاعر کے نام یا شہرت کا پتہ چل سکے۔ اور مقام فوس ہے کہ آج کل کے ایرانی عمر خیام کی مٹت خاک کی طرف سے ویسے ہی بڑبڑا رہے ہیں جیسے انیسویں صدی کے اہل لندن ”میتھوپیرسٹس“ یا ”ولیم آف ہٹس بری“ کی خاک کی طرف سے۔ مسلمانوں نے خیام کے ساتھ اس کے حیات میں اور نیز مرنے کے بعد جو کچھ کیا۔ وہ ظاہر ہے۔ لیکن ہم یورپ امریکہ کی علمی قدر دانی کے شکر گزار ہیں کہ وہ آج بھی خیام کی پرستش کر رہے ہیں۔ اس کی ربا عیات ہزاروں آدمیوں کا دین ایمان ہے۔ گورستان حیرہ کے گلاب کی قلیں لاکر باغ میں لگا دی ہیں۔

۱۔ خیابان فارس ترجمہ سفر نامہ حالات نیشاپور۔ ۲۔ عمدتاً متوسط کا مشہور مولف ہے جو ۱۱۹۷ء میں پیدا ہوا۔ ہٹھوریا میجر اس کی مشہور تصنیف ہے۔ ۳۔ یہ مولف ۱۱۹۷ء میں پیدا ہوا۔ فراخ تعلیم کے بعد رہبان ہو کر فارس بھی کے کلیسا میں مہتمم بن کر ہو کر بیٹھ رہا۔ اس کی تاریخ گلستان مشہور ہے جس میں ولیم فاتح سے لیکر ۱۱۹۷ء تک کے واقعات درج ہیں۔ ”ماشیہ خیابان فارس“ ۴۔ عمران عمر خیام کلب لندن کی توجہ سے اب قبرستان اور قبر کی طرف توجہ کی گئی جو اور باغ و دشت کو دیا گیا ہے۔ باغ شاہ صفی بن شاہ محمد بن ملہاسپ کی ملکیت ہے۔

اور اس کی تصویر اور منتخب باعیات گھڑیوں کی چین میں لٹکا کر دل کو ٹھنڈا کرتے ہیں اور خیام کی روح کو خوش کرتے ہیں۔

خیام کی نجات | موت کیا شے ہے حیات کس کو کہتے ہیں؟ یہ وہ راز ہیں جن کو کوئی حکیم آج تک حل نہیں کر سکا اور یہ دونوں عقدے لائیل ہیں۔ آیا موت کے بعد بھی کچھ معلوم ہو سکتا ہے؟ اسکی نسبت خیام کا یہ خیال ہے کہ ”کچھ نہیں معلوم ہو سکتا ہے“

(۶۱)

دلِ سر حیات را کما ہی دہنت در موت ہم ہر رائی دانست
امر و نہ کہ با خودی بند استی پیچ فردا کہ ز خود روی چہ خواہی دہنت

خیام تو دنیا سے یہ خیال لیے ہوئے چل بسا۔ اور اس کی والدہ نے مرنے کے بعد خیام کو خواب میں دیکھا۔ اور پوچھا کہ جانِ مادر! خدا نے تیرے ساتھ کیا کیا خیام نے جواب دیا کہ ”مجھے خدا نے اس رباعی کے صلی میں بخش دیا۔“

(۶۲)

لے رختہ رختہ رختی لے آتشِ دونخ ز تو از رختی
تا کے گوئی کہ بر عمر رحمت کن حق را تو کنی بر رحمتِ آم رختی

بیشک خدا نے خیام کے گناہ معاف کر دیئے ہونگے۔ کیونکہ وہ غفور الرحیم ہے۔ اور خیام خدا کے سامنے اپنی طاعت اور عبادت کے حقوق لیکر نہیں گیا تھا۔ بلکہ وہ گناہوں کا اقرار کرتا ہوا گیا تھا اور اس کا یہ قول تھا کہ ”من بندہ عاصمِ رضائے تو کجاست“

خیام کے حاسد اور دشمن | حکیم عمر خیام فلسفہ یونان کا درس دیتا تھا۔ اور رباعیات میں غیر معمولی زہد

شونہی، اور ظرافت کر جاتا تھا جس کی مثال میں ذیل کی رباعی پڑھو۔

(۶۳)

ابرین سے مرا شکستی رہا برمن درمیش رہا بستی رہا

برخاک برخستی مے لعل مرا خالم بدہن کہ سختی رہا

ان خیالات سے فقہار اور علمائے ملت اس کے دشمن ہو گئے اور انھوں نے عوام کو بہکا دیا۔ ملک میں سخت برہمی پیدا ہو گئی۔ فقہائے کفر کا فتویٰ دیدیا۔ اور خیام کے قتل کی تجویز پہنچتے ہو گئی، تب خیام وطن کو خیر باد کہہ کر مکہ معظمہ چلا گیا۔ کیونکہ خدا کے گھر سے بڑھ کر کوئی امن و عافیت کی جگہ نہ تھی۔ چنانچہ حج و زیارت سے فارغ ہو کر بغداد آیا۔ یہاں لوگوں نے درس و تدریس کے لیے مجبور کیا۔ تب پھر وطن چلا گیا، لیکن یہاں بھی چین نہ پایا۔ اور اہل وطن برابر ستاتے رہے۔ چنانچہ رباعی نمبر (۶۳) کے متعلق بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ جب حکیم نے یہ رباعی لکھی تو اس کا مونہہ کالا ہو گیا اور گردن کج ہو گئی جب آئینہ دیکھا تو اس میں کدائی کو دیکھ کر خوبے دیا اور خدا سے یوں مناجات کی۔

(۶۴)

ناکردہ گناہ درجہاں کیست بگو وئس کہ گنہ نکرہ چون زیست بگو

من بکنم و تو بد مکافات دہی پس منی میان من و تو چیست بگو

تب خدا نے رحم فرمایا۔ مونہہ آجالا ہو گیا۔ اور گردن سیدھی ہو گئی۔ یہ روایت حقیقت میں حادثہ کی طبع زاد ہے کسی مستیر تاریخ میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ باقی رہی مناجات، یہ اسلامی خوں کا

جوش ہے جو مسلمان سینہ میں دل رکھتا ہے، اور دل میں ایمان، اسکا یہی قول ہوگا اور وہ خدا سے
اسی طرح سے آمرشس چاہیگا۔ چونکہ شاعر باکمال ہے، لہذا عجیب و غریب انداز سے جرم کا اقرار کر کے
معافی چاہتا ہے جس کی مرید مثال یہ رباعی ہے۔

(۶۵)

برسینہ غم پذیر من رحمت کن بر جان و دل اسیر من رحمت کن
بر پائے خرابات رو من بخشا بر دست پیالہ گیر من رحمت کن

رباعی نمبر ۶۲ کو رباعی نمبر ۶۱ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ محض تذکرہ نویسوں کے حاشیہ ہیں۔
الزام زندہ | خیام پر الحاد اور زندگی کا الزام بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ واقعہ مذکورہ بالا۔ جو شخص
امام موفقی کا شاگرد ہو اور مذہبی عالم، وہ ملحق کیونکر ہو سکتا ہے؟ خیام کی شاعری چونکہ عام
خیالات اور مذاق سے بالاتر تھی، اس وجہ سے بیدینی کے الزامات اُس پر لگائے گئے۔ لیکن آج
دنیا میں کون زندہ ہے، آیا خیام! یا کفر کے قوتے دینے والے!؟ خیام کو ان الزامات سے بہت
صدمہ تھا، مگر مجبور تھا چنانچہ خود کہتا ہے (۶۶)

با من تو ہر آنچہ گوئی از کیس گوئی پیوستہ مرا ملحد و بیدیں گوئی
من خود مست ہر آنچہ گوئی ہستم انصاف بدہ، تر از رسد کیس گوئی

خیام کی بادہ نوشی | خیام کی رباعیات پڑھنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اول درجہ کا رند
شرابی ہوگا۔ کیونکہ شراب، ساقی اور جام و صراحی کا وہ دلدادہ ہے اور نہایت جوش بنجودی اور
بے اختیار ی کے عالم میں وہ ان مضامین پر خامہ فرسائی کرتا ہے۔ لیکن جب تک ظاہری شرابی

کے لئے مستند تاریخی روایتیں نہ ہوں اس وقت تک محض الفاظ کی بنا پر ہم اس کو باہر پرتو کا لازم نہیں بنا سکتے ہیں۔ ہماری رائے میں حکیم عمر خیام جیسا اعلیٰ درجہ کا فلسفی شاعر تھا۔ ویسا ہی اپنے زمانہ کا ایک نامور اور پاکباز صوفی بھی تھا۔ اب ہم خیام سے رخصت ہوتے ہیں۔ خاتمہ اس دعا پر ہر حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

حسن صباح | خواجہ حسن (نظام الملک) کے ہم مکتب دستوں میں حکیم عمر خیام کے بعد حسن صباح کا خاص درجہ ہے۔ لہذا حسن صباح کی ایک مختصر اور جامع سوانح عمری پیش کی جاتی ہے۔



حسن بیگ



حکیم عمر خٹام نیشاپوری

حسن صباح، بانی دولت اسماعیلیہ شیعہ

شہرت عام اور بقائے دوام کے دربار میں حسن صباح کی کرسی، خواجہ حسن (نظام الملک) اور حکیم عمر خیام سے مقدم ہے۔ اور عظمت و جلال میں بھی یہ اپنے دونوں ہم مکتبے دستوں سے بڑھ کر ہر جہتی واضح دلیل یہ ہے کہ خواجہ حسن کو الپ ارسلان نے اپنے گورنری خراسان کے زمانہ سے ترقی دینا شروع کی تھی۔ اور جب متقل حکمراں ہوا تو وزارت کی سند اور (نظام الملک) کا خطاب دیکر وزیر عظم بنا دیا۔ اور ملک شاہ نے تو اپنی عظیم الشان سلطنت کا خواجہ کو مالک ہی بنا دیا تھا۔ خواجہ کی وزارت تاریخ میں بہرون الرشید عباسی و کچھ برکی کے مشابہ ہے اسی طرح خواجہ نے عمر خیام کو جاگیر دیکر معاش سے مطمئن کر دیا تھا جس کی بدولت وہ علمی تحقیقات میں مصروف ہو کر حکیم کہلایا۔ بہر حال خواجہ نظام الملک اور حکیم عمر خیام آسمان شہرت کے ایسے دو سیارے ہیں جو آفتاب سلطنت کے نور سے تاباں اور درخشاں ہوئے۔ ان کے مقابلے میں حسن صباح نے ناکامیوں کے بعد جو کامیابی حاصل کی، و محض اس کے فضل و کمال، غیر معمولی و اشمذی، خدا داد ذہانت، اور غم باخیزم کا نتیجہ تھا۔ حسن صباح کی نسبت یہ مقولہ بالکل صحیح ہے

لے فارس کی تاریخوں میں حسن صباح کو بانی دولت ملاحہ قنستان لکھا ہے جس کے حدود اربعہ یہ ہیں
شرقی "خواف و صحرا ما بین خواف و ذواہ و سیستان۔ غربی "فارس و کرمان کا جنگل۔
شمالی "اعمال نیشاپور و سبندار۔ جنوبی "اعمال جہستان و بیابان کرمان
(انصو لا قالیتم قلی)

دیکھنا آپ کھڑے ہونگے ہم اپنے بل پر غیر سے چارہ نوازی کا تقاضا کیا؟ چنانچہ حسن صبح اپنے ہی بل پر کھڑا ہوا۔ اور اپنی عالی ہمتی سے قلعہ الموت کی چوٹی پر قبضہ کر کے دم لیا۔ اور ایک ایسے خوفناک فرقہ کا موجد ہوا جس کے حالات پڑھ کر آج بھی دل بل جاتے ہیں۔ یہ تم اوپر پڑھ چکے ہو کہ امام موفق نیشاپوری کی درگاہ میں، تین نو عمر عجمی اہل شخصوں نے ایک معاہدہ کیا تھا چنانچہ ان دوستوں میں سے تیسرا ہی حسن صبح ہی جس کے مختصر حالات ہم لکھتے ہیں۔

حسن صباح کا نسب نامہ | حسن صباح کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ حسن بن علی بن احمد بن جعفر بن حسن بن صباح الحیمیری۔ خواجہ نظام الملک نے وصایا میں لکھا ہے کہ حسن کا باپ، علی، ایک عیار اور چالاک شخص تھا اور اس کی سکونت ے میں تھی۔ اس نے مانے میں ے کا حاکم ابو مسلم (خسر خواجہ نظام الملک) ایک فینڈا شخص تھا۔ اس پہلے وہ علی سے نفرت رکھتا تھا۔ اور علی ابو مسلم کے سامنے اپنے عقائد کی صفائی ظاہر کرتا۔ اور جھوٹی قمیص کھا کر ابو مسلم کو باور کراتا تھا کہ میں سچے عقائد کا مسلمان ہوں امام موفق نیشاپوری اس عہد میں اہل سنت و جماعت کے امام تھے۔ لہذا علی اپنے رخص کی قیمت برفع کرنے کو یہ چال چلا کہ حسن کو تعلیم کے لیے امام صاحب کے حلقہ درس میں داخل کر دیا اور خود صوفیوں کی طرح گوشہ نشین ہو گیا۔ لیکن حالت یہ تھی کہ محمدانہ، اور کفر و زندقہ کی روایتیں

۱۔ وہ بان نہیب کی زایت ہو کہ حسن صباح کے باپ علی کا مذہب اسمعیلیہ تھا۔ اور وہ ایک فہر عالم شخص تھا۔ البتہ دوران تقریر میں کچھ وہ ایسی باتیں کہ جاتا تھا جو عوام کی سمجھ سے بالاتر ہوتی تھیں اور لوگ سمجھتے تھے کہ یہ معتزلہ کے اقوال ہیں۔
۲۔ حسن صباح سات برس کی عمر میں کتب میں بیٹھا اور تیرہ سال تک گھر میں پڑھتا رہا۔ غالباً اس کے بعد نیشاپور آیا ہو۔

بیان کیا کرتا تھا۔ اور اپنے کو عرب مشہور کیا۔ اور کہتا تھا کہ میں صبح حمیری کی اولاد ہوں اور میرا باپ احمد بن سین سے کوفہ میں اور وہاں سے قم اور قم سے کئے میں آکر سکونت پذیر ہوا لیکن اصحاب خراسان خصوصاً ہاملی طوس کا قول ہے کہ علی اور اس کے اجداد اسی ولایت کے کسی گاؤں کے باشندے تھے۔ اور حسن صباح کی ولادت بھی بمقام قم ہوئی تھی۔

حسن صباح، خواجہ حسن و عمر خیام کا معاہدہ اس معاہدہ کا تذکرہ، خواجہ کے ابتدائی حالات میں ہو چکا ہے۔ اس کی نسبت دبستان مذاہب کی روایت ہے کہ حسن صباح سے علی نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ ”خواجہ حسن دنیاوی اعزاز میں بہت ترقی کریگا۔ اور وہ (حسن صباح) دین اور دنیا دونوں میں مبرح خلافت ہوگا۔“ اس لیے حسن صباح نے طالب علمی ہی کے زمانہ میں معاہدہ کر لیا تھا۔ حال یہ معاہدہ جس بنا پر ہوا ہو لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ اس عہد کو سب نے دلی مسرت اور خوش قبول کیا۔ خواجہ نظام الملک نے وزیر ہو کر اس معاہدہ کو پورا کیا۔ چنانچہ فراغ تعلیم کے بعد طلبہ مدرسہ سے چلے گئے اور ہر ایک اپنی قسمت آزمائی کرنے لگا۔ خواجہ حسن تو چغری بیگ سلجوقی کے دربار میں پہنچا۔ اور آہستہ آہستہ ترقی کر کے عہد الپ ارسلان میں وزیر عظم ہو گیا۔ اسی زمانے میں حسن صباح خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چنانچہ خواجہ کا بیان ہے کہ الپ ارسلان کے زمانے میں حسن صباح کو کوئی شخص خراسان میں جانتا بھی نہ تھا۔ لیکن سلطان ملک شاہ کے زمانے میں دہشتہ مہم قاورد کے بعد بمقام نیشاپور میرے پاس آیا۔ میں نے جہان شک ممکن تھا حتیٰ حدت ادا کیا، اور اس کی عزت افزائی اور خاطر داری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اور میرے یہ سلوک

حسن صباح کے ساتھ روز بروز بڑھتا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دن مجھ سے حسن صباح نے کہا کہ خواجہ
تو اصحابِ تحقیق اور اہل یقین سے ہو اور خوب جانتا ہو کہ دنیا ایک متاعِ قلیل ہے، ممکن ہو کہ اسکی
محبت میں بھینک کر تو وعدہ خلائی کرے اور زمرہٴ نیکفون عہدِ اللہ میں داخل ہو۔ میں نے کہا
کہ ”حاشا وکلا، میں نقضِ معاہدہ نہ کروں گا“ تب حسن صباح نے کہا کہ ”آپ کی مہربانیاں تو مجھ پر
بے انتہا ہیں لیکن شرطِ معاہدہ یہ نہیں ہو خواجہ نے کہا سچ کہتے ہو، جاہ و منصب بلکہ میری تمام
جاہ واد کے تم حصہ دار ہو۔“ اس کے بعد میں نے حسن صباح کو ملک شاہ کے حضور میں پیش کر دیا۔ اور
معزنی کے وقت گزشتہ واقعات کا بھی تذکرہ کر دیا اور حسن صباح کی عقل و دانش اور سیرت
اخلاق کا اس قدر ذکر کیا کہ وہ سلطان کا معتد خاص بن گیا۔ پھر اپنی چالاکی سے تھوڑے زمانے
میں سلطان کے مزاج میں دخل ہو گیا۔ اور اس قدر اعتبار پیدا کر لیا کہ سلطان مہتمم باشا کا ہوا
میں اس کے مشورہ پر چلتا تھا۔“

دولت شاہ سمرقندی اپنے تذکرہ میں لکھتا ہے کہ حسن صباح کی خواہش پر اس کو خواجہ نے
ہمدان اور دینور کی حکومت پر نامزد کر دیا تھا۔ لیکن حسن کا تو یہ منشا تھا کہ خواجہ اس کو اپنی وزارت
میں شریک کرے تاکہ موقع پا کر وہ خود بلا شرکتِ غیرے وزیرِ عظم ہو جائے۔ لہذا حکومت ہمدان
سے انکار کر دیا، اور اس فکر میں ہوا کہ خواجہ کو سلطان کی نظروں میں ذلیل کر کے اس کے اوج
حشم سے گرا دے چنانچہ ذیل کے دو واقعات اس کے شاہد ہیں جس کو خود خواجہ نظام الملک
نے کتابِ مایا میں بیان کیا ہے۔

ایک سیانی غلطی حلب میں ایک قسم کا سنگ خام پیدا ہوتا ہے جس کے برتن بنائے جاتے ہیں۔ سلطان ملک شاہ نے ایک موقع پر فرمایا کہ اس پتھر کی ایک کافی مقدار اصفہان پہنچانا چاہیے باز اچھا نوئی (سوق العسکر) کا ایک شخص اس بات سے نگاہ تھا۔ جب سلطان حلب سے واپس آگیا، تو اس شخص نے دو عربوں سے جن کے پاس بار برداری کے اونٹ تھے یہ بات کہی کہ اگر تم پانسون سنگ خام اصفہان کو پہنچا دو تو مقررہ کرایہ سے میں تم کو دو چنڈ کرایہ دوں گا۔ انھوں نے منظور کر لیا لیکن ان دونوں کے پاس اونٹوں پر ہر ایک کا ذاتی اسباب بھی پان پانسون تھا (اس زمانہ میں من کی مقدار بہت قلیل تھی) چنانچہ ان دونوں نے پانسون سنگ خام کو اپنے اونٹوں پر تقسیم کر لیا۔ ان میں سے ایک کے چار اور دوسرے کے چھ اونٹ تھے چنانچہ وہ شخص مع اونٹوں کے داخل اصفہان ہوا۔ جب سلطان سے اطلاع ہوئی تو وہ بہت خوش ہوا اور اس شخص کو خلعت مرحمت کیا۔ اور اونٹ والوں کو ایک ہزار دینار انعام دیئے۔ ان لوگوں نے مجھ سے خواہش کی کہ انعام تقسیم کر دیا جائے چنانچہ چھ اونٹ والے کو چھ سو اور چار والے کو چار سو دینار میں نے دیدیئے حسن صباح نے سنا تو کہا کہ ”خواجہ نظام الملک نے تقسیم انعام میں غلطی کی ہے اور روپیہ کو بیجا طور پر دیدیا اور جو سستی تھا اس کا حق بدستور سلطان پر باقی رہا۔ چھ اونٹ والے کو آٹھ سو اور چار والے کو دو سو دینار ملنا چاہیئے تھا۔“ چنانچہ جب یہ خبر سلطان تک پہنچی تو اس نے مجھے طلب کیا۔ میں حاضر ہوا۔ حسن صباح بھی موجود تھا۔ سلطان مجھے دیکھ کر مہین پڑا۔ اور حسن صباح سے کہا کہ اب تقسیم انعام کا واقعہ بیان کرو۔ میں نے کہا کہ ”اونٹوں کا بوجھ تین سادی حصوں پر تقسیم تھا اور اونٹ تعداد میں ہیں۔ لہذا

دس اوتن کا اصل ضرب میں ہوا اب جس کے چار اونٹ میں اُس کے بارہ سہام اور دوسرے کے اٹھارہ سہام ہوئے یعنی ہر حصہ دس کے برابر ہی باقی رقم فاضل رہی۔ کیونکہ اس میں اُن کا ذاتی بوجہ شامل ہی۔ لہذا چار اونٹ والے کو آٹھ سو اور چار اونٹ والے کو دوسو دینار ملنا چاہیئے تھا۔ اس حساب کو سن کر ملک شاہ نے کہا کہ ”تم نے مجھ بیان کیا ہی اسی کو تفصیل سے بیان کرو“ تب حسن نے کہا کہ خداوند نعمت اُکل اونٹ دس ہیں اور کُل وزن پندرہ سومن ہی اسلئے فی اونٹ ڈیڑھ سومن وزن ہوا، اب جس کے چار اونٹ ہیں وہ چھ سومن لایا، اس میں سے اُٹکا ذاتی پانسومن اور سرکاری ایک سومن ہی۔ اسی طرح دوسرے کے چھ اونٹ ہیں وہ نو سومن لایا، جس میں سے پانسومن اُس کا ذاتی اور چار سومن سرکاری ہی۔ ہزار دینار پانسومن کا معاوضہ ہی۔ لہذا فی سومن دو سو دینار کا حصہ ہوا چنانچہ چار والے کو دو سو اور چھ والے کو آٹھ سو دینار برو حساب ملنا چاہیئے تھا۔ اور جبکہ انعام دیا گیا ہی تو اس صوت میں وزن کا لحاظ نہیں کیا جا سکا دو وزن کو برابر حصہ ملنا چاہیئے۔ ”جب حسن صباح تفریکہ چکا تو سلطان نے اس خیال سے کہ میری دشمنی نہوبات کو مذاق میں ڈال دیا“ اور مہینہ کر چپ ہو رہا لیکن میں نے سمجھ لیا کہ اس واقعہ کا سلطان کے دل پر کیا اثر پڑا ہو۔“

نوٹ (صفحہ قبل) حسابی قاعدہ سے اس حال کا حل اس طرح پڑا

$$\begin{array}{rcl} 12 \times 3 & = & 36 \\ 12 \times 4 & = & 48 \\ 12 \times 5 & = & 60 \\ 12 \times 6 & = & 72 \\ 12 \times 7 & = & 84 \\ 12 \times 8 & = & 96 \\ 12 \times 9 & = & 108 \\ 12 \times 10 & = & 120 \end{array} \quad \begin{array}{rcl} 10 \times 3 & = & 30 \\ 10 \times 4 & = & 40 \\ 10 \times 5 & = & 50 \\ 10 \times 6 & = & 60 \\ 10 \times 7 & = & 70 \\ 10 \times 8 & = & 80 \\ 10 \times 9 & = & 90 \\ 10 \times 10 & = & 100 \end{array} \quad \begin{array}{rcl} 8 \times 3 & = & 24 \\ 8 \times 4 & = & 32 \\ 8 \times 5 & = & 40 \\ 8 \times 6 & = & 48 \\ 8 \times 7 & = & 56 \\ 8 \times 8 & = & 64 \\ 8 \times 9 & = & 72 \\ 8 \times 10 & = & 80 \end{array} \quad \begin{array}{rcl} 6 \times 3 & = & 18 \\ 6 \times 4 & = & 24 \\ 6 \times 5 & = & 30 \\ 6 \times 6 & = & 36 \\ 6 \times 7 & = & 42 \\ 6 \times 8 & = & 48 \\ 6 \times 9 & = & 54 \\ 6 \times 10 & = & 60 \end{array} \quad \begin{array}{rcl} 4 \times 3 & = & 12 \\ 4 \times 4 & = & 16 \\ 4 \times 5 & = & 20 \\ 4 \times 6 & = & 24 \\ 4 \times 7 & = & 28 \\ 4 \times 8 & = & 32 \\ 4 \times 9 & = & 36 \\ 4 \times 10 & = & 40 \end{array} \quad \begin{array}{rcl} 2 \times 3 & = & 6 \\ 2 \times 4 & = & 8 \\ 2 \times 5 & = & 10 \\ 2 \times 6 & = & 12 \\ 2 \times 7 & = & 14 \\ 2 \times 8 & = & 16 \\ 2 \times 9 & = & 18 \\ 2 \times 10 & = & 20 \end{array}$$

لے حسابی عمل حسب ذیل ہے۔

$$\begin{array}{rcl} \text{کل بوجہ اونٹ رسی} & & \text{من} \\ 1500 & = & 10 \div 1500 \\ 1500 & = & 4 \times 1500 \\ 1500 & = & 3 \times 1500 \\ 1500 & = & 2 \times 1500 \\ 1500 & = & 1 \times 1500 \end{array} \quad \begin{array}{rcl} 1000 & = & 500 - 500 \\ 1000 & = & 500 - 500 \\ 1000 & = & 500 - 500 \\ 1000 & = & 500 - 500 \\ 1000 & = & 500 - 500 \end{array} \quad \begin{array}{rcl} 500 & = & 200 \times 2.5 \\ 500 & = & 200 \times 2.5 \\ 500 & = & 200 \times 2.5 \\ 500 & = & 200 \times 2.5 \\ 500 & = & 200 \times 2.5 \end{array}$$

لے کتاب الوصایا نظام الملک

سلطنت کا جمع خرچ اس واقعہ سے بڑھ کر وہ سرا واقعہ یہ ہے کہ حسن صباح نے مصاحبوں کے ذریعہ سے سلطان کے کان تک یہ وار پہنچائی کہ سلطان میں برس سے حکمران ہوا اس کو اپنی سلطنت کے جمع خرچ سے بھی واقف ہونا چاہیے اس بنا پر ایک دن ملک شاہ نے مجھ سے پوچھا کہ ”تم ایک ایسی مکمل رپورٹ کتنے دن میں تیار کر سکتے ہو کہ جس سے تمام سلطنت کے محاصل و مخارج کی تفصیل معلوم ہو سکے“ میں نے عرض کیا کہ ”خداوند نعمت کی سلطنت کا شغریٰ روم اور اناطولیہ تک پھیلی ہوئی ہے اگر میں بڑی کوشش کروں تب دو سال میں مرتب کر سکتا ہوں لیکن حسن صباح نے بڑھ کر عرض کیا کہ ”میں ایسی رپورٹ چالیس دن کے اندر پیش کر سکتا ہوں بشرطیکہ دفتر وزارت مع علم میرے سپرد کر دیا جائے“ چنانچہ ملک شاہ نے امتحان حسن صباح کی یہ درخواست منظور کر لی۔ اور حسن نے مین المیعا جمع خرچ مرتب کر لیا۔ اور دربار میں ملک شاہ کے سامنے لا کر پیش کیا۔ لیکن جب سلطان نے سوالات کرنا شروع کیے تو حسن جواب نہ دے سکا اور حیرت زدہ ہو کر رہ گیا۔ خواجہ نظام الملک نے موقع کو غنیمت سمجھ کر دست بستہ عرض کیا کہ خداوند نعمت! انہیں مشکلات کے خیال سے میں نے دو سال کی مدت چاہی تھی۔ اتنی بڑی سلطنت کا جمع خرچ چالیس دن میں کیونکر مرتب ہو سکتا ہے“ ملک شاہ حسن صباح سے سخت ناراض ہوا اور ارادہ کیا کہ حسن صباح کو سزا دے۔ لیکن خواجہ کی سفارش سے دربار سے بخوادینے پر کفایت کی گئی اس واقعہ کو لکھ کر خواجہ نظام الملک کہتا ہے کہ ”حسن صباح نے حقیقت میں کمال کیا تھا کہ اتنی

۱۷ دولت شاہ عمر قندی صفحہ ۶۴ و ۶۵ و ۶۶ و ۶۷ و ۶۸ و ۶۹ و ۷۰ و ۷۱ و ۷۲ و ۷۳ و ۷۴ و ۷۵ و ۷۶ و ۷۷ و ۷۸ و ۷۹ و ۸۰ و ۸۱ و ۸۲ و ۸۳ و ۸۴ و ۸۵ و ۸۶ و ۸۷ و ۸۸ و ۸۹ و ۹۰ و ۹۱ و ۹۲ و ۹۳ و ۹۴ و ۹۵ و ۹۶ و ۹۷ و ۹۸ و ۹۹ و ۱۰۰ و ۱۰۱ و ۱۰۲ و ۱۰۳ و ۱۰۴ و ۱۰۵ و ۱۰۶ و ۱۰۷ و ۱۰۸ و ۱۰۹ و ۱۱۰ و ۱۱۱ و ۱۱۲ و ۱۱۳ و ۱۱۴ و ۱۱۵ و ۱۱۶ و ۱۱۷ و ۱۱۸ و ۱۱۹ و ۱۲۰ و ۱۲۱ و ۱۲۲ و ۱۲۳ و ۱۲۴ و ۱۲۵ و ۱۲۶ و ۱۲۷ و ۱۲۸ و ۱۲۹ و ۱۳۰ و ۱۳۱ و ۱۳۲ و ۱۳۳ و ۱۳۴ و ۱۳۵ و ۱۳۶ و ۱۳۷ و ۱۳۸ و ۱۳۹ و ۱۴۰ و ۱۴۱ و ۱۴۲ و ۱۴۳ و ۱۴۴ و ۱۴۵ و ۱۴۶ و ۱۴۷ و ۱۴۸ و ۱۴۹ و ۱۵۰ و ۱۵۱ و ۱۵۲ و ۱۵۳ و ۱۵۴ و ۱۵۵ و ۱۵۶ و ۱۵۷ و ۱۵۸ و ۱۵۹ و ۱۶۰ و ۱۶۱ و ۱۶۲ و ۱۶۳ و ۱۶۴ و ۱۶۵ و ۱۶۶ و ۱۶۷ و ۱۶۸ و ۱۶۹ و ۱۷۰ و ۱۷۱ و ۱۷۲ و ۱۷۳ و ۱۷۴ و ۱۷۵ و ۱۷۶ و ۱۷۷ و ۱۷۸ و ۱۷۹ و ۱۸۰ و ۱۸۱ و ۱۸۲ و ۱۸۳ و ۱۸۴ و ۱۸۵ و ۱۸۶ و ۱۸۷ و ۱۸۸ و ۱۸۹ و ۱۹۰ و ۱۹۱ و ۱۹۲ و ۱۹۳ و ۱۹۴ و ۱۹۵ و ۱۹۶ و ۱۹۷ و ۱۹۸ و ۱۹۹ و ۲۰۰ و ۲۰۱ و ۲۰۲ و ۲۰۳ و ۲۰۴ و ۲۰۵ و ۲۰۶ و ۲۰۷ و ۲۰۸ و ۲۰۹ و ۲۱۰ و ۲۱۱ و ۲۱۲ و ۲۱۳ و ۲۱۴ و ۲۱۵ و ۲۱۶ و ۲۱۷ و ۲۱۸ و ۲۱۹ و ۲۲۰ و ۲۲۱ و ۲۲۲ و ۲۲۳ و ۲۲۴ و ۲۲۵ و ۲۲۶ و ۲۲۷ و ۲۲۸ و ۲۲۹ و ۲۳۰ و ۲۳۱ و ۲۳۲ و ۲۳۳ و ۲۳۴ و ۲۳۵ و ۲۳۶ و ۲۳۷ و ۲۳۸ و ۲۳۹ و ۲۴۰ و ۲۴۱ و ۲۴۲ و ۲۴۳ و ۲۴۴ و ۲۴۵ و ۲۴۶ و ۲۴۷ و ۲۴۸ و ۲۴۹ و ۲۵۰ و ۲۵۱ و ۲۵۲ و ۲۵۳ و ۲۵۴ و ۲۵۵ و ۲۵۶ و ۲۵۷ و ۲۵۸ و ۲۵۹ و ۲۶۰ و ۲۶۱ و ۲۶۲ و ۲۶۳ و ۲۶۴ و ۲۶۵ و ۲۶۶ و ۲۶۷ و ۲۶۸ و ۲۶۹ و ۲۷۰ و ۲۷۱ و ۲۷۲ و ۲۷۳ و ۲۷۴ و ۲۷۵ و ۲۷۶ و ۲۷۷ و ۲۷۸ و ۲۷۹ و ۲۸۰ و ۲۸۱ و ۲۸۲ و ۲۸۳ و ۲۸۴ و ۲۸۵ و ۲۸۶ و ۲۸۷ و ۲۸۸ و ۲۸۹ و ۲۹۰ و ۲۹۱ و ۲۹۲ و ۲۹۳ و ۲۹۴ و ۲۹۵ و ۲۹۶ و ۲۹۷ و ۲۹۸ و ۲۹۹ و ۳۰۰ و ۳۰۱ و ۳۰۲ و ۳۰۳ و ۳۰۴ و ۳۰۵ و ۳۰۶ و ۳۰۷ و ۳۰۸ و ۳۰۹ و ۳۱۰ و ۳۱۱ و ۳۱۲ و ۳۱۳ و ۳۱۴ و ۳۱۵ و ۳۱۶ و ۳۱۷ و ۳۱۸ و ۳۱۹ و ۳۲۰ و ۳۲۱ و ۳۲۲ و ۳۲۳ و ۳۲۴ و ۳۲۵ و ۳۲۶ و ۳۲۷ و ۳۲۸ و ۳۲۹ و ۳۳۰ و ۳۳۱ و ۳۳۲ و ۳۳۳ و ۳۳۴ و ۳۳۵ و ۳۳۶ و ۳۳۷ و ۳۳۸ و ۳۳۹ و ۳۴۰ و ۳۴۱ و ۳۴۲ و ۳۴۳ و ۳۴۴ و ۳۴۵ و ۳۴۶ و ۳۴۷ و ۳۴۸ و ۳۴۹ و ۳۵۰ و ۳۵۱ و ۳۵۲ و ۳۵۳ و ۳۵۴ و ۳۵۵ و ۳۵۶ و ۳۵۷ و ۳۵۸ و ۳۵۹ و ۳۶۰ و ۳۶۱ و ۳۶۲ و ۳۶۳ و ۳۶۴ و ۳۶۵ و ۳۶۶ و ۳۶۷ و ۳۶۸ و ۳۶۹ و ۳۷۰ و ۳۷۱ و ۳۷۲ و ۳۷۳ و ۳۷۴ و ۳۷۵ و ۳۷۶ و ۳۷۷ و ۳۷۸ و ۳۷۹ و ۳۸۰ و ۳۸۱ و ۳۸۲ و ۳۸۳ و ۳۸۴ و ۳۸۵ و ۳۸۶ و ۳۸۷ و ۳۸۸ و ۳۸۹ و ۳۹۰ و ۳۹۱ و ۳۹۲ و ۳۹۳ و ۳۹۴ و ۳۹۵ و ۳۹۶ و ۳۹۷ و ۳۹۸ و ۳۹۹ و ۴۰۰ و ۴۰۱ و ۴۰۲ و ۴۰۳ و ۴۰۴ و ۴۰۵ و ۴۰۶ و ۴۰۷ و ۴۰۸ و ۴۰۹ و ۴۱۰ و ۴۱۱ و ۴۱۲ و ۴۱۳ و ۴۱۴ و ۴۱۵ و ۴۱۶ و ۴۱۷ و ۴۱۸ و ۴۱۹ و ۴۲۰ و ۴۲۱ و ۴۲۲ و ۴۲۳ و ۴۲۴ و ۴۲۵ و ۴۲۶ و ۴۲۷ و ۴۲۸ و ۴۲۹ و ۴۳۰ و ۴۳۱ و ۴۳۲ و ۴۳۳ و ۴۳۴ و ۴۳۵ و ۴۳۶ و ۴۳۷ و ۴۳۸ و ۴۳۹ و ۴۴۰ و ۴۴۱ و ۴۴۲ و ۴۴۳ و ۴۴۴ و ۴۴۵ و ۴۴۶ و ۴۴۷ و ۴۴۸ و ۴۴۹ و ۴۵۰ و ۴۵۱ و ۴۵۲ و ۴۵۳ و ۴۵۴ و ۴۵۵ و ۴۵۶ و ۴۵۷ و ۴۵۸ و ۴۵۹ و ۴۶۰ و ۴۶۱ و ۴۶۲ و ۴۶۳ و ۴۶۴ و ۴۶۵ و ۴۶۶ و ۴۶۷ و ۴۶۸ و ۴۶۹ و ۴۷۰ و ۴۷۱ و ۴۷۲ و ۴۷۳ و ۴۷۴ و ۴۷۵ و ۴۷۶ و ۴۷۷ و ۴۷۸ و ۴۷۹ و ۴۸۰ و ۴۸۱ و ۴۸۲ و ۴۸۳ و ۴۸۴ و ۴۸۵ و ۴۸۶ و ۴۸۷ و ۴۸۸ و ۴۸۹ و ۴۹۰ و ۴۹۱ و ۴۹۲ و ۴۹۳ و ۴۹۴ و ۴۹۵ و ۴۹۶ و ۴۹۷ و ۴۹۸ و ۴۹۹ و ۵۰۰ و ۵۰۱ و ۵۰۲ و ۵۰۳ و ۵۰۴ و ۵۰۵ و ۵۰۶ و ۵۰۷ و ۵۰۸ و ۵۰۹ و ۵۱۰ و ۵۱۱ و ۵۱۲ و ۵۱۳ و ۵۱۴ و ۵۱۵ و ۵۱۶ و ۵۱۷ و ۵۱۸ و ۵۱۹ و ۵۲۰ و ۵۲۱ و ۵۲۲ و ۵۲۳ و ۵۲۴ و ۵۲۵ و ۵۲۶ و ۵۲۷ و ۵۲۸ و ۵۲۹ و ۵۳۰ و ۵۳۱ و ۵۳۲ و ۵۳۳ و ۵۳۴ و ۵۳۵ و ۵۳۶ و ۵۳۷ و ۵۳۸ و ۵۳۹ و ۵۴۰ و ۵۴۱ و ۵۴۲ و ۵۴۳ و ۵۴۴ و ۵۴۵ و ۵۴۶ و ۵۴۷ و ۵۴۸ و ۵۴۹ و ۵۵۰ و ۵۵۱ و ۵۵۲ و ۵۵۳ و ۵۵۴ و ۵۵۵ و ۵۵۶ و ۵۵۷ و ۵۵۸ و ۵۵۹ و ۵۶۰ و ۵۶۱ و ۵۶۲ و ۵۶۳ و ۵۶۴ و ۵۶۵ و ۵۶۶ و ۵۶۷ و ۵۶۸ و ۵۶۹ و ۵۷۰ و ۵۷۱ و ۵۷۲ و ۵۷۳ و ۵۷۴ و ۵۷۵ و ۵۷۶ و ۵۷۷ و ۵۷۸ و ۵۷۹ و ۵۸۰ و ۵۸۱ و ۵۸۲ و ۵۸۳ و ۵۸۴ و ۵۸۵ و ۵۸۶ و ۵۸۷ و ۵۸۸ و ۵۸۹ و ۵۹۰ و ۵۹۱ و ۵۹۲ و ۵۹۳ و ۵۹۴ و ۵۹۵ و ۵۹۶ و ۵۹۷ و ۵۹۸ و ۵۹۹ و ۶۰۰ و ۶۰۱ و ۶۰۲ و ۶۰۳ و ۶۰۴ و ۶۰۵ و ۶۰۶ و ۶۰۷ و ۶۰۸ و ۶۰۹ و ۶۱۰ و ۶۱۱ و ۶۱۲ و ۶۱۳ و ۶۱۴ و ۶۱۵ و ۶۱۶ و ۶۱۷ و ۶۱۸ و ۶۱۹ و ۶۲۰ و ۶۲۱ و ۶۲۲ و ۶۲۳ و ۶۲۴ و ۶۲۵ و ۶۲۶ و ۶۲۷ و ۶۲۸ و ۶۲۹ و ۶۳۰ و ۶۳۱ و ۶۳۲ و ۶۳۳ و ۶۳۴ و ۶۳۵ و ۶۳۶ و ۶۳۷ و ۶۳۸ و ۶۳۹ و ۶۴۰ و ۶۴۱ و ۶۴۲ و ۶۴۳ و ۶۴۴ و ۶۴۵ و ۶۴۶ و ۶۴۷ و ۶۴۸ و ۶۴۹ و ۶۵۰ و ۶۵۱ و ۶۵۲ و ۶۵۳ و ۶۵۴ و ۶۵۵ و ۶۵۶ و ۶۵۷ و ۶۵۸ و ۶۵۹ و ۶۶۰ و ۶۶۱ و ۶۶۲ و ۶۶۳ و ۶۶۴ و ۶۶۵ و ۶۶۶ و ۶۶۷ و ۶۶۸ و ۶۶۹ و ۶۷۰ و ۶۷۱ و ۶۷۲ و ۶۷۳ و ۶۷۴ و ۶۷۵ و ۶۷۶ و ۶۷۷ و ۶۷۸ و ۶۷۹ و ۶۸۰ و ۶۸۱ و ۶۸۲ و ۶۸۳ و ۶۸۴ و ۶۸۵ و ۶۸۶ و ۶۸۷ و ۶۸۸ و ۶۸۹ و ۶۹۰ و ۶۹۱ و ۶۹۲ و ۶۹۳ و ۶۹۴ و ۶۹۵ و ۶۹۶ و ۶۹۷ و ۶۹۸ و ۶۹۹ و ۷۰۰ و ۷۰۱ و ۷۰۲ و ۷۰۳ و ۷۰۴ و ۷۰۵ و ۷۰۶ و ۷۰۷ و ۷۰۸ و ۷۰۹ و ۷۱۰ و ۷۱۱ و ۷۱۲ و ۷۱۳ و ۷۱۴ و ۷۱۵ و ۷۱۶ و ۷۱۷ و ۷۱۸ و ۷۱۹ و ۷۲۰ و ۷۲۱ و ۷۲۲ و ۷۲۳ و ۷۲۴ و ۷۲۵ و ۷۲۶ و ۷۲۷ و ۷۲۸ و ۷۲۹ و ۷۳۰ و ۷۳۱ و ۷۳۲ و ۷۳۳ و ۷۳۴ و ۷۳۵ و ۷۳۶ و ۷۳۷ و ۷۳۸ و ۷۳۹ و ۷۴۰ و ۷۴۱ و ۷۴۲ و ۷۴۳ و ۷۴۴ و ۷۴۵ و ۷۴۶ و ۷۴۷ و ۷۴۸ و ۷۴۹ و ۷۵۰ و ۷۵۱ و ۷۵۲ و ۷۵۳ و ۷۵۴ و ۷۵۵ و ۷۵۶ و ۷۵۷ و ۷۵۸ و ۷۵۹ و ۷۶۰ و ۷۶۱ و ۷۶۲ و ۷۶۳ و ۷۶۴ و ۷۶۵ و ۷۶۶ و ۷۶۷ و ۷۶۸ و ۷۶۹ و ۷۷۰ و ۷۷۱ و ۷۷۲ و ۷۷۳ و ۷۷۴ و ۷۷۵ و ۷۷۶ و ۷۷۷ و ۷۷۸ و ۷۷۹ و ۷۸۰ و ۷۸۱ و ۷۸۲ و ۷۸۳ و ۷۸۴ و ۷۸۵ و ۷۸۶ و ۷۸۷ و ۷۸۸ و ۷۸۹ و ۷۹۰ و ۷۹۱ و ۷۹۲ و ۷۹۳ و ۷۹۴ و ۷۹۵ و ۷۹۶ و ۷۹۷ و ۷۹۸ و ۷۹۹ و ۸۰۰ و ۸۰۱ و ۸۰۲ و ۸۰۳ و ۸۰۴ و ۸۰۵ و ۸۰۶ و ۸۰۷ و ۸۰۸ و ۸۰۹ و ۸۱۰ و ۸۱۱ و ۸۱۲ و ۸۱۳ و ۸۱۴ و ۸۱۵ و ۸۱۶ و ۸۱۷ و ۸۱۸ و ۸۱۹ و ۸۲۰ و ۸۲۱ و ۸۲۲ و ۸۲۳ و ۸۲۴ و ۸۲۵ و ۸۲۶ و ۸۲۷ و ۸۲۸ و ۸۲۹ و ۸۳۰ و ۸۳۱ و ۸۳۲ و ۸۳۳ و ۸۳۴ و ۸۳۵ و ۸۳۶ و ۸۳۷ و ۸۳۸ و ۸۳۹ و ۸۴۰ و ۸۴۱ و ۸۴۲ و ۸۴۳ و ۸۴۴ و ۸۴۵ و ۸۴۶ و ۸۴۷ و ۸۴۸ و ۸۴۹ و ۸۵۰ و ۸۵۱ و ۸۵۲ و ۸۵۳ و ۸۵۴ و ۸۵۵ و ۸۵۶ و ۸۵۷ و ۸۵۸ و ۸۵۹ و ۸۶۰ و ۸۶۱ و ۸۶۲ و ۸۶۳ و ۸۶۴ و ۸۶۵ و ۸۶۶ و ۸۶۷ و ۸۶۸ و ۸۶۹ و ۸۷۰ و ۸۷۱ و ۸۷۲ و ۸۷۳ و ۸۷۴ و ۸۷۵ و ۸۷۶ و ۸۷۷ و ۸۷۸ و ۸۷۹ و ۸۸۰ و ۸۸۱ و ۸۸۲ و ۸۸۳ و ۸۸۴ و ۸۸۵ و ۸۸۶ و ۸۸۷ و ۸۸۸ و ۸۸۹ و ۸۹۰ و ۸۹۱ و ۸۹۲ و ۸۹۳ و ۸۹۴ و ۸۹۵ و ۸۹۶ و ۸۹۷ و ۸۹۸ و ۸۹۹ و ۹۰۰ و ۹۰۱ و ۹۰۲ و ۹۰۳ و ۹۰۴ و ۹۰۵ و ۹۰۶ و ۹۰۷ و ۹۰۸ و ۹۰۹ و ۹۱۰ و ۹۱۱ و ۹۱۲ و ۹۱۳ و ۹۱۴ و ۹۱۵ و ۹۱۶ و ۹۱۷ و ۹۱۸ و ۹۱۹ و ۹۲۰ و ۹۲۱ و ۹۲۲ و ۹۲۳ و ۹۲۴ و ۹۲۵ و ۹۲۶ و ۹۲۷ و ۹۲۸ و ۹۲۹ و ۹۳۰ و ۹۳۱ و ۹۳۲ و ۹۳۳ و ۹۳۴ و ۹۳۵ و ۹۳۶ و ۹۳۷ و ۹۳۸ و ۹۳۹ و ۹۴۰ و ۹۴۱ و ۹۴۲ و ۹۴۳ و ۹۴۴ و ۹۴۵ و ۹۴۶ و ۹۴۷ و ۹۴۸ و ۹۴۹ و ۹۵۰ و ۹۵۱ و ۹۵۲ و ۹۵۳ و ۹۵۴ و ۹۵۵ و ۹۵۶ و ۹۵۷ و ۹۵۸ و ۹۵۹ و ۹۶۰ و ۹۶۱ و ۹۶۲ و ۹۶۳ و ۹۶۴ و ۹۶۵ و ۹۶۶ و ۹۶۷ و ۹۶۸ و ۹۶۹ و ۹۷۰ و ۹۷۱ و ۹۷۲ و ۹۷۳ و ۹۷۴ و ۹۷۵ و ۹۷۶ و ۹۷۷ و ۹۷۸ و ۹۷۹ و ۹۸۰ و ۹۸۱ و ۹۸۲ و ۹۸۳ و ۹۸۴ و ۹۸۵ و ۹۸۶ و ۹۸۷ و ۹۸۸ و ۹۸۹ و ۹۹۰ و ۹۹۱ و ۹۹۲ و ۹۹۳ و ۹۹۴ و ۹۹۵ و ۹۹۶ و ۹۹۷ و ۹۹۸ و ۹۹۹ و ۱۰۰۰

قلیل مدت میں جمع خرچ مرتب کر لیا۔ مگر چونکہ حسن نے ازراہ حسد و نفقہ عہدہ کارروائی کی تھی۔ لہذا خدائے فضل و کرم سے ہشتی حساب کے وقت اس کو خجالت اٹھانا پڑی اور پھر وہ اصفہان سے چلا گیا۔ اگر خدا نخواستہ حسن صباح کو جمع خرچ کے معاملہ میں شکست ہوئی، تو پھر مشکلات کا سامنا تھا۔

حسن صباح کی سرباست | حسن صباح کا دربار سے دولت کیساتھ نکلوا دیا جانا ایک معمولی بات تھی لیکن جن کے لیے یہ دگدگ ازا اور جانفزا صدمہ تھا جس نے اس کو نظام الملک اور دولت سلجوقیہ کا دشمن بنا دیا تھا۔ خواجہ نظام الملک کے مقابلہ میں حسن صباح کو ناکامی ہوئی، لیکن محققین کے نزدیک یہ کامیابی اس کی آئندہ بلند اقبالی کا عنوان تھا۔ چنانچہ دربار سے نکل کر وہ اصفہان پہنچا اور ملکشاہ و خواجہ کے خوف سے اپنے دوست رئیس ابو الفضل کے مکان میں گوشہ گیر ہو گیا۔ ابو الفضل نے بڑے اعزاز سے مہمان رکھا۔ ایک دن بسبیل تذکرہ حسن صباح نے کہا کہ ”اگر مجھے دوبارہ موت مل جاتے۔ تو میں اس ترک (ملکشاہ) کی سلطنت اور اس یہائی (خواجہ نظام الملک طوسی) کی وزارت کو تہ دبا لا کر دیتا۔“ ابو الفضل نے اپنی دشمنندی سے سمجھا کہ میرا معزز مہمان دیوانہ ہو گیا ہے۔ اور محض اس خیال سے دسترخوان پر ایسی غذائیں لائے لگیں جس سے دل و باغ کو تقویت پہنچے جن سے اپنے نادان دست کا مطلب سمجھ گیا۔ اور چپ چاپ اصفہان سے چلتا ہوا۔“

اس وارہ گردی میں اس کی ملاقات فرقہ اسماعیلہ کے رفیقوں سے ہوئی۔ (جو اس زمانہ میں تمام ملک میں پھیلے ہوئے تھے) جنہوں نے اس کو سمجھا یا کہ ”خلفائے فاطمیہ مصر صلی نام

(بقیہ صفحہ قبل) حسن صباح ملکشاہ کے کسی سوال کا جواب نہ دیا۔ لہذا نامہ سزاں حالات حسن صباح صفحہ ۱۰۔

ہیں جن کی تقلید ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اور دنیا میں سب سے بہتر مذہب اسماعیلیہ ہے۔“ حسن صباح کی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ خوش قسمتی سے اُس کی ملاقات (بمقام سے) عبدالملک عطارش سے ہوئی۔ جو صوبہ عراق کا داعی الکبیر تھا۔ اور جو اپنی جانب سے مذہب اسماعیلیہ کی اشاعت کے لیے لوگوں کو داعظ (مشرقی) بنا کر بھیجتا تھا۔ چنانچہ حسن بھی عبدالملک کے حلقہ اطاعت میں آگیا۔ چونکہ حسن صباح ایک فہن اور تعلیم یافتہ شخص تھا۔ لہذا اُس کو اشاعت مذہب کی عبدالملک نے اجازت دیدی، اور یہ بھی ہدایت کی کہ ”مصر جا کر خلیفہ المستنصر باللہ کی زیارت و حسن صباح مصر میں چنانچہ ۵۳۴ھ میں مصر پہنچا۔ خلیفہ حسن کے حالات سے اول ہی وقت کر دیا گیا تھا۔ لہذا خلیفہ نے حسن صباح کی بڑی خاطر کی، اور ڈیڑھ برس تک اپنا مہمان رکھا۔ یہاں حسن نے دار الحکمتہ (الاج) میں تعلیم پائی۔ اور امام کی طرف سے اجازت دی گئی کہ وہ لوگوں کو عام دعوت دے لیکن حسن ہنوز مصر میں موجود تھا کہ مستنصر نے اپنے بیٹے نزار کو ولیعہدی سے خراج کر کے اپنے دوسرے بیٹے احمد المستعلی باللہ کو ولیعہد کر دیا۔ یہ انقلاب عوام اور امیر الحجبوش بدرجالی کی وجہ سے ہوا تھا۔ حسن نزار کا طرفدار تھا کیونکہ حسن کی رائے میں امام کا حکم منسوخ نہیں ہو سکتا تھا۔ اور فریق ثانی کہتا تھا کہ دوسرا حکم اول کا نسخہ ہے لہذا ابوالقاسم احمد المستعلی امام برحق ہے۔“ جب امیر الحجبوش کو معلوم ہوا کہ حسن نزار کی خفیہ دعوت کر رہا ہے تب میر نے

لے کر تاجستان مذہب، نین الاسلام جلد دوم صفحہ ۱۰۷، دو کمال اخیر صفحہ ۱۱۰ جلد ۱۲۱ امیر الحجبوش کی سختی سے نزار اسماعیلیہ بھاگ گیا تھا۔ اہل اسکندریہ نے اس کے ہات پر معیت کی اور المصطفیٰ لدین اللہ کا لقب دیا۔ لیکن مستنصر کے انتقال پر شاہین شاہ قطب افضل وزیر المستعلی نے نزار پر فتح کشی کی اور قہجیاب ہو کر نزار کو قتل کر دیا۔ (اور اسی زمانے میں فرقہ اسماعیلیہ میں اختلاف رائے ہو کر دو گروہ پیدا ہو گئے) مصر لحدیث جلد اول صفحہ ۴۸ -

بحکم مستنصر حسن کو قلعہ و میاط میں قید کر دیا۔ اتفاق سے اُسی دن قلعہ کا ایک برج جو نہایت مضبوط تھا گر پڑا۔ اُس کو لوگوں نے حسن کی کرامت سمجھا۔ آخر الامر میرے حسن کو قلعہ سے نکال کر چند عیسائیوں کے ہمراہ ایک جہاز پر بٹھلا کر افریقہ روانہ کر دیا۔ حسن مجبور تھا اتفاق سے سمندر میں طوفان اُگیا تمام مسافر بدحواس ہو گئے، لیکن حسن نہایت اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا۔ ایک مسافر نے پوچھا ”آپ کس اطمینان سے بیٹھے ہیں“ حسن نے جواب دیا کہ مجھے امام برجی فی اطلاع دی ہو کہ جہاز نہ ڈوبے گا“ تھوڑی دیر میں طوفان جاتا رہا۔ اور سمندر کو سکون ہو گیا۔ تو سب نے حسن کے قدم چومے اور اُس کو ایک علی اللہ تسلیم کر لیا۔ (حقیقت یہ ہو کہ اتفاقاً حسن نے حسن صباح کو ہر گز کا میاب بنا دیا) جب جہاز ساحل شام پر پہنچا تو حسن جہاز سے اتر اُتر آیا۔ اور خشکی کے راستہ سے دیار بکر، جزیرہ روم، حلب، بغداد، و خوزستان ہوتا ہوا اصفہان پہنچا۔ اور ان تمام بلاد میں وہ مذہب اسماعیلہ کی دعوت کرتا رہا۔ اور اسی مقام سے رودبار کو ہٹتا وغیرہ میں اپنے نائب و نائبین کیے۔ چنانچہ تین سال کے اندر جب حسن کے مریدوں کی ترقی ہو گئی۔ تب ایک قصبہ میں جو قلعہ الموت کے قریب تھا جا کر ٹھہر گیا اور کمال زہد اور پارسائی سے رہنے لگا۔ چند سال میں قصبہ کے بہت سے لوگوں نے حسن کے بات پر بعیت کی۔ اور چونکہ قلعہ کے فوجی سپاہی بھی حسن کے مرید ہو چکے تھے لہذا انھوں نے باہر رجب ۵۳۰ھ رات کی بوقت حسن صباح کو قلعہ میں پہنچا دیا۔ اور اس عارضی قبضہ کے بعد حسن نے قلعہ پر مستقل قبضہ کر لیا جسکی

۵۱ دبستان مذہب صفحہ ۳۵

۵۲ ایک ایسے بڑے قلعہ کو بلاوا لے قیمت حسن نے قلعہ پر مستقل قبضہ کر لیا اور قلعہ کو جبری طور پر نکال دیا۔ دوسری روایت کے منج ہی۔

صراحت حسب ذیل ہے۔ قلعہ الموت (بروزن جبروت) ناحیہ رودبار میں شہر قزوین اور دیلے خف کے مابین واقع ہے۔ اور یہ کل علاقہ طالقان کے نام سے مشہور ہے۔ اور قلعہ پیچیدہ گھاٹیوں کے اندر واقع ہے۔ اور اس قدر بلند ہے کہ کسی تیر انداز کا تیراؤں کی چوٹی تک نہیں پہنچ سکتا ہے نہ اسپر منہ بنق نصب ہو سکتی ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ میں یہ روایت مشہور ہے کہ سلاطین دیلم میں سے کسی نے مکار کے لئے عقاب اڑایا تھا۔ چنانچہ عقاب مکار کے بلندی پر جاگرا۔ بادشاہ اور ہرماں ہی مکار کے تعاقب میں جب اس مقام تک پہنچے۔ تو اس کو ایک محفوظ جگہ سمجھ کر ایک عایشان قلعہ تعمیر کرایا۔

اور قلعہ کا نام آلہ اموت رکھا۔ (جو کثرت استعمال سے الموت ہو گیا) دیلمی زبان میں آلہ الموت کے معنی اشیانہ عقاب یا تعلیم العقاب کے ہیں مصنف نغراستان لکھتا ہے کہ یہ امر بھی اتفاق سے ہے کہ آلہ الموت کے عدد بحساب حمل چار سو تراسی ہوتے ہیں جو حسن صباح کے قبضہ کا ابتدائی سال ہے۔ غرض کہ قلعہ کے اندر پہنچ کر حسن صباح نے ہمدی علوی قلعہ دار سے کہا کہ ”دوسرے شخص کی ملکیت میں عبادت جائز نہیں ہے۔ اور یہ مقام ایسے گوشہ عافیت میں واقع ہے کہ جس کو میں بہت پسند کرتا ہوں۔ لہذا اس قدر زمین جو ایک چورسہ کے اندر آجائے مجھے دید و جس کی قیمت تین ہزار دینار ادا کرونگا“ ہمدی نے عقیدہ تمندی اور طمع نفسانی سے اس قدر راضی کہ بیچ میں کچھ مضائقہ نہ سمجھا

۱۔ گنج دانش صفحہ ۴۶ ۲۔ صوبہ رودبار میں تقریباً پچاس قلعے ہیں لیکن سب سے زبردست الموت اور میوں میں نزہت القلوب (حمدا للہ) و کمال شیر صفحہ ۱۱۰ جلد ۱۰ ۳۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ”آلہ الموت“ ایک شکاریوں کی اصطلاح ہے جس پر شکاری جانور ہلے جاتے ہیں۔ کمال شیر صفحہ ۱۱۰ جلد ۲ و مرآۃ البلدان ناصری صفحہ ۹۳۔ نزہت القلوب میں لکھا ہے کہ اس جگہ عقاب اپنے بچوں کی پرورش کرتے تھے اس لیے اس کا نام اشیانہ عقاب قرار پایا ۴۔ نغراستان صفحہ ۳۱-۲ ۵۔ دولت شاہ سمرقندی صفحہ ۶۴-۶۵۔

لہذا حسن صباح کے نام بغیانہ لکھ دیا۔ اس کے بعد حسن نے یہ کارروائی کی کہ کھال کی باریک ہچکائی کا ٹکڑا اور ایک میں جوڑ کر اتنا بڑا حلقہ بنایا کہ قلعہ الموت اُس کے اندر لگایا۔ قلعہ ریمپایش دیکھ کر حیرت رہ گیا۔ مگر بیچ کے بعد کیا کر سکتا تھا؟۔ اب حسن کے مریدوں نے ہمدی کو قلعہ سے بیدل کر دیا اور زرغن کے لیے حسن صباح نے ایک قلعہ اپنے مرید رئیس مظفر کو جو قلعہ گرد کوہ کا حاکم تھا لکھ دیا۔ جس کا مضمون حسبِ ذیل ہے۔

رئیس مظفر حفظہ اللہ تعالیٰ۔ مبلغ سہ ہزار دینار رہائے قلعہ الموت بہ علوی ہمدی رسانہ علی النبی المصطفیٰ وآلہ اسلام حبنا ونعم الوکیل۔ چنانچہ ہمدی نے رئیس مظفر سے قیمت وصول کر لی اور قلعہ حسن صباح کا قبضہ ہو گیا جس میں پچیس برس تک خود حسن نے حکومت کی اور اس کے بعد اُس کے سات جانبین حکمران ہوئے چنانچہ ایک سو تترس گیارہ مہینے اٹھائیں ان صباچیوں کی مجموعی حکومت یہی حسن نے اس قلعہ کا نام بلدۃ الاقبال رکھا تھا۔ اور واقعی یہ نام ہر طرح سے موزوں تھا جب قلعہ الموت پر حسن صباح کا قبضہ ہو گیا تو اُس کا دوست رئیس ابو الفضل اصفہانی ملاقات کے لیے آیا۔ اُس وقت حسن نے کہا کہ ”فرمائیے حضرت! میں یوانہ تھا یا آپ ہیں۔ دیکھ لیا جب مجھے یاران موافق مل گئے تو میں نے کیا کیا؟ ابو الفضل نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور حسن کی دانستہی کا قائل ہو گیا۔

قلعہ الموت پر فتح کئی | جب حسن صباح کو بیٹھنے کے لیے الموت جیسا مستحکم اور محفوظ قلعہ مل گیا، تب اس نے بڑے استقلال اور قابلیت سے اپنے مذہبی خیالات کو پھیلانا شروع کیا۔ اگرچہ خلفائے عباسیین کا

نائب تھا۔ لیکن حقیقت میں خلفاء کی اطاعت بے نام تھی، اور وہ بھی مصلحتاً۔ غرض کہ حسن صباح نے صوبہ رودبار اور قزوین میں خاص توجہ سے اپنا مذہب پھیلانا شروع کیا۔ اور اس صوبہ کے بہت سے آدمی اپنی خوشی سے اور بہت سے جبراً داخل مذہب کیے گئے اور مذہب کی آرٹ میں تمام صوبہ رودبار اور کوہستان میں حسن صباح کی حکومت بھی قائم ہو گئی۔ اور مختلف مقامات پر اپنی ضرورت کے مطابق قلعوں کی مرمت کی گئی۔ اور بعض مقامات پر نئے قلعے بنائے گئے اور قلعہ الموت کو بحیثیت مرکز و دار الحکومت خوب مستحکم کر لیا۔ اور اس کے گرد عالیشان محلات بنائے اور باغات لگائے جب فتح نظام الملک اور ملک شاہ کو ان واقعات کی اطلاع ہوئی تو اول خواجہ نے حکمت عملی سے کام لینا چاہا۔ اور اس کی یہ تدبیر کی کہ پہلے پہلے میں سلطان کی طرف سے ایک سفارت الموت کو روانہ کی اور حسن صباح کو سلطان کے شاہانہ جاہ و جلال سے ڈرا کر اطاعت پر آمادہ کرنا چاہا حسن صباح نے شاہی سفارت کی کچھ پرواہ نہ کی اور رخصت کے وقت سفیر سے کہا کہ میری طرف سے ملک شاہ سے کہدینا کہ وہ ہمکو پریشان نہ کرے ورنہ مجبوراً مقابلہ کرنا پڑیگا۔ ملک شاہ نے جب حسن صباح کے حالات سفیر کی زبانی سنے۔ تو دو سال کے واسطے فوج کشی ملتوی کر دی اور پہلے پہل میں قلعہ الموت پر فوج بھیجی گئی امیر ارسلان سپہ سالار نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور تاخت و تاراج سے قلعہ والوں کو بہت کچھ نقصان پہنچایا۔ اس وقت قلعہ میں حسن کے پاس صرف تشر آدمی تھے اور ممکن تھا کہ حسن گرفتار ہو جائے لیکن اُسی وقت قزوین سے تین سو سپاہی

۱۔ حسن صباح کے ہتھیار میں غیر معمولی وقفہ ہوا اور سلطان کو ایسے عظیم الشان اقعہ کی اطلاع تک نہیں ہوئی اس کے متعلق جھوٹا سنا
کا نوٹ ملاحظہ ہو۔ ۲۔ ناظرین اس موقع پر جھوٹا سنا ملاحظہ فرمائیں جس سفارت کی تفصیل ۳۔ گنج دانش صفحہ ۱۴۱۲ میں مذکور ہے۔ ۴۔ ۳۶

مدد کے لیے آگئی جس کو ابو علی نے زودانہ کیا تھا۔ اور انھوں نے امیرِ ارسلان کی فوج پر شبنو خانہ اور بے انتہا مال غنیمت حاصل کیا جب اس نہریت کی سلطان کو اطلاع ہوئی۔ تو سلطان نے قتلِ ساروق کو ایک نہر دست فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ قلعہ کے باہر لڑائی ہوئی اور قریب تھا کہ قلعہ والے حسن کو چھوڑ کر فرار ہو جائیں۔ مریدوں کی بدحواسی دیکھ کر حسن صباح نے کہا کہ ”امام حق کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص قلعہ سے باہر نہ جائے کیونکہ ہماری کامیابی اور بلند قباہی اسی قلعہ پر موقوف ہے“ اور دوسری تدبیر یہ کہ ایک فرائی کو خواجہ نظام الملک کے قتل کا حکم دیا۔ جس نے خواجہ کا کام تمام کر دیا۔ اس واقعہ کے منتہی دن بعد بمقام بغداد سلطان ملکشاہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ حسن صباح نے زہر خورانی کے ذریعہ سے ہلاک کیا۔ ایسی حالت میں جنگ کیونکر قائم رہ سکتی تھی۔ الموت سے فوجیں واپس آئیں۔

سلطان ملکشاہ کے انتقال پر شاہزادہ برکیارق نے اصفہان پر فوج کشی کی ترکاں خانہ تو (بیکم ملکشاہ) نے خوف زدہ ہو کر برکیارق سے صلح کر لی۔ اور سلطنت برکیارق اور محمود دہلیسہم ہو گئی لیکن محمود کا انتقال ہو گیا اور چار برس بعد برکیارق کے دوسرے بھائی محمد نے کمرشی کی اور عراق پر قبضہ کر لیا۔ اور مسلسل لڑائیوں کے بعد ۹۹۲ھ میں برکیارق اور محمد میں پھر سلطنت کے حصے ہو گئے اور اس سات برس کے زمانہ میں حسن صباح سے تعارض نہیں کیا گیا چنانچہ خان خانان جنگیوں سے حسن نے خوب فائدہ اٹھایا۔ اور قلعہ گرد کوہ، لامسر، رودبار وغیرہ پر چومشہو قلعے

۱۔ خواجہ نظام الملک کے قتل اور انتقال ملک شاہ کے حالات حصہ اول صفحہ ۱۸۶-۱۹۱ پر پڑھنا چاہیے
۲۔ تفصیل کے لیے دیکھو نوٹ مندرجہ اول صفحہ ۱۸۶۔

تھے قبضہ کر لیا۔ ان فتوحات سے حسن صباح کا اور بھی اقتدار بڑھ گیا اور اطمینان سے اشاعتِ مذہب کرنے لگا۔

مذہبِ اسماعیلیہ بالینہ کی مختصر تاریخ | فرقہ اسماعیلیہ بھی مذہبِ شیعہ کی ایک شاخ ہے، جو حضرت امام اسماعیل بن حضرت امام جعفر صادق سے منسوب ہے اس فرقہ میں امامت کا سلسلہ اس طرح پر ہو کہ (اول) امیر المومنین علی بن ابی طالب متوفی ۴۰ھ۔ (دوم) امام حسن متوفی ۵۰ھ۔ (سوم) امام حسین شہید کربلا ۶۱ھ۔ (چہارم) امام زین العابدین متوفی ۷۵ھ۔ (پنجم) امام محمد باقر متوفی ۸۵ھ۔ (ششم) امام جعفر صادق متوفی ۱۴۸ھ۔

امام صاحبِ وقت کے دو نامور صاحبزادے امام موسیٰ کاظم و امام اسماعیل ہوئے چنانچہ یہ فرقہ امام اسماعیل کو ساتواں امام تسلیم کرتا ہے۔ اور امام موسیٰ کاظم حن سے ائمہ اثنا عشر کا سلسلہ پورا ہوتا ہے ان کو امام نہیں مانتا۔ جب فریقِ مخالف نے یہ اعتراض کیا کہ حضرت اسماعیل کا انتقال امام جعفر صادق کی حیات میں ہو گیا تھا، تو انھوں نے جواب دیا کہ ”امام کی حیات میں امامت کا انتقال دوسرے پر جائز ہے“ اور امام محمد بن اسماعیل کی نسبت ان کا قول ہے کہ انھوں نے ساتویں امامت کا تکملہ کیا ہے اور وہ خود مستقل امام نہیں ہیں بلکہ سابعِ تام ہیں۔ بہر حال امام محمد بن اسماعیل پر اس فرقہ کے نزدیک ظاہری امامت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور بعد ازاں ائمہ مستور کی امامت شروع ہوئی یہ امام محمد مکتوم بن اسماعیل، جعفر مصدق بن محمد مکتوم اور عبید بن جعفر مصدق ہیں۔ ائمہ متوکلہ کے نقیبِ علانیہ دعوت کرتے تھے اور وہ خود مخفی طور پر سیروسِ سیاحت میں مصروف تھے۔ الغرض

سلسلہ باطن کے بعد پھر ظاہر اماموں کا سلسلہ شروع ہوا جن میں سب سے پہلے امام ابو محمد عبد اللہ ملقب بہ ہمدی ہیں۔ ہمدی کا دار السلطنت قیروان (مغرب) تھا۔ بعد ازاں جب شہر ہمدیہ آباد ہو گیا تو اس کو دار الحکومت بنایا۔ خلفائے فاطمین مصر ہمدی کی اولاد ہیں۔ ہمدی نے بلاد مغرب میں مذہب اسماعیلہ کی خوب اشاعت کی۔ اور اہل مغرب کو باور کرایا کہ وہ اس حدیث نبوی کے مطابق یعنی علی ہر اس ثلث مائتہ یطلع الشمس من مغربہا اس عہد کا مجدد اور امام ہے۔ ہندوستان سے لیکر مصر اور مغرب تک یہ فرقہ اسماعیلہ کے نام سے مشہور رہا ہے اور حقیقت میں ہی اصلی اسماعیلہ ہیں۔ اس فرقہ نے قدیم مذہب اثنا عشری سے سب سے پہلا اختلاف یہ کیا کہ امامت جو بارہ اماموں میں محدود تھی اس کو غیر محدود کر دیا۔ اور بجائے ائمہ کے ہر امام کے اثنا عشر نقیب تجویز کیے۔ اور اپنے یہاں امامت کا شمار سات ہی پر رکھا۔ محمد و دہنیں کیا بلکہ یہ قید لگائی کہ امام کا دورہ سات سات پر ختم ہوتا رہیگا اور سات کی تخصیص اس لیے کی کہ نظام عالم کا بڑا حصہ سات میں محدود ہو۔ مثلاً آسمان سات ہیں ہفتہ کے دن سات ہیں، مشہور ستارے (سبعہ سیارہ) سات ہیں علی ہذا القیاس دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی زمانہ

۱۔ سلسلہ امامت حسب ذیل ہے: ۱۔ عبد اللہ بن حسن بن علی بن محمد (۲) ابو القاسم محمد ملقب قائم بامر اللہ (۳) ابو طاهر علی ملقب بنہو بامر اللہ (۴) ابو نعیم محمد ملقب بہ عز الدین اللہ (۵) ابو منصور زرار ملقب بہ عزیر بامر اللہ (۶) ابو علی منصور ملقب بچاک بامر اللہ (۷) ابو الحسن علی ملقب بظاہر لا عز الدین اللہ۔ امام اول عبد اللہ کے نسب میں بہت اختلاف ہے جسکی تفصیل ابن خلدون وغیرہ میں ہے۔ مغرب میں عبد اللہ کی امامت ۱۱۰۰ھ میں ہوئی اور ۱۱۶۰ھ میں مقام ہمدیہ انتقال کیا ۱۱۷۰ھ ترمیم۔ ستارے کے شروع میں کتاب مغرب سے طبع کر گیا، لفظ آفتاب سے بعض نے عبد اللہ ہمدی و بعض نے محمد بن عبد اللہ مراد لیا۔ لیکن حدیث شروع ہو چکی ضرورت سے قطع ہوئی تھی ۱۱۷۰ھ کتاب الملل والنحل و داستان مذاہب طالات باطنیہ و اسماعیلہ۔

امام ظاہر مایستوسے خالی نہیں رہتا ہی جب امام مستور ہوتا ہی اُس وقت ان کے نقیب دعوت کرتے ہیں۔ اور جب امام ظاہر ہوتا ہی اُس وقت نقیب مخفی دعوت کرتے ہیں۔ اس مسئلہ نے پوئلکھ سارنٹوں کو جزو مذہب بنا دیا۔ عرب مورخین نے اس فرقہ کو بلحاظ تقسیم ہفت گانہ دو سبعیہ کا خطاب دیا ہی۔ اور جن مانہ میں امام ظاہر ہوتا ہی۔ اسکا نام دور الکشف ہی۔ اور جب امام مستور ہوتا ہی اس کا نام دور السری جس صبح نے جب مذہب اسمعیلہ اختیار کیا تو اُس نے اور اُس کے داعیوں اور نقیبوں نے بلاد فارس وغیرہ میں متعدد ناموں سے شہرت پائی جس کی تفصیل آگے درج ہی جن نے فلسفیانہ طریقہ سے مذہب اسمعیلہ میں بہت سے نئے مسائل کا اضافہ کیا۔ مسئلہ وجود ذات بری میں یہاں تک شدت کی کہ خدا کو بالکل برکھا موعطل بنا دیا۔ مثلاً خدا کو قادر کہتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ خود اُس میں قدرت ہی۔ بلکہ وہ اس لحاظ سے قادر ہی کہ اُس نے دوسروں کو قدرت عطا کی۔ یہی حالت جملہ صفات کی ہی جو خدا کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ کیونکہ اگر خدا میں صفات ہوں تو وہ مخلوق کے ساتھ مشابہ ہو جائے اور اس صورت میں تشبیہ لازم آتی ہی۔ یہی مسئلہ ہی جس نے خدا کی ذات میں بھی شبہ ڈال دیا کہ آیا وہ موجود ہی یا نہیں۔ اور بسے مہتمم با نشان یہ مسئلہ ہی کہ ہر حکم ظاہر کا ایک باطن ہوتا ہی اور ہر تشریل کی ایک تاویل ہی (یعنی ظاہر بمنزلہ نوبت ہی اور باطن بمنزلہ مغز) اس مسئلہ نے تمام قرآن اور مجموعہ حدیث کو درہم برہم کر دیا۔ اور اسی مسئلہ سے اس فرقہ کا نام باطنیہ

لے بہت پرستوں، پیرویوں، عیسائیوں، اور مسلمانوں کے عقائد سے اپنا مذہب متب کیا اور اس جدید ترمیم اور اضافہ سے اُس کو نئے قالب میں ڈھال دیا۔ دائرہ المعارف جلد ۳ صفحہ ۶۲۔

قرار پایا۔ احکام شرعی کی جس قدر تاویلیں کی ہیں۔ اس کی پوری تفصیل اس فرقہ کی کتابوں میں درج ہے۔ مثلاً ذیل کی تعریفات پر غور کرو جس سے مصطلحات فقہ کا اندازہ ہوگا۔

لفظ	معنی
نماز	امام کو یاد کرنا۔ اور نماز باجماعت، امام محصوم کی متابعت کرنا
روزہ	امام کے اسرار کی حفاظت کرنا اور ایک دوسرے فقیہ کا قول ہی کہ روزہ سے یہ مطلب ہے کہ اپنے مقتدا کے افعال کو خاموشی سے دیکھتا ہے اور اگر وہ فوج میں مبتلا ہو تو اُس کو بھی افعال حسنہ سمجھے۔
زکوٰۃ	تزکیہ نفس۔ مال کا پانچواں حصہ امام محصوم کے نذر کرنا۔
حج	امام کی زیارت کرنا۔ دوسرا فقہیہ کہتا ہے کہ نوروز و مہرجان کے دن خدا کی طرف رجوع ہونا۔
طواف کعبہ	امام کے گھر کا طواف کرنا۔
غسل	تجدید عہد و پیمان۔
وضو	امام سے مذہبی تعلیم حاصل کرنا۔ اور اُس کا دوست بن جانا۔
یتیم	امام کی غیبت میں نقیب سے تعلیم حاصل کرنا۔
اذان و تکبیر	امام کی اطاعت پر لوگوں کو آمادہ کرنا
جنت	عیش پسندی۔ جہنم کا تکلیف سے چھوٹ جانا۔
دوزخ	محنت۔ جہنم کا تکلیف میں مبتلا ہونا۔

لفظ	معنی
زنا	دین کے اسرار ظاہر کرنا
احکام	افشاں راز مذہبی۔
کعبہ	پیغمبر
صفا	نبی
مروہ	وصی
باب	علی (ماخوذ از حدیث نبوی) انا مدینۃ العلم و علی بابھا
عالم ظاہر	عالم اجسام، سفلی و علوی
عالم باطن	عالم ارواح نفوس و عقول
<p>ایسی طرح ہزاروں مسائل ہیں جن میں ہر ظاہر کی باطنی تاویل کی گئی ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ کی نسبت کہتے ہیں کہ ان کے مروہ زندہ کرنے سے مطلب ہے کہ وہ دلوں کو علم سے زندہ کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ کو یوسف بخار کا بیٹا کہتے ہیں۔ قیامت اور حشر و نشر کے قائل نہیں ہیں۔ مسئلہ تنازع کو صحیح مانتے ہیں۔ شراب اعتدال کے ساتھ پینا جس میں شور و شر نہ اٹھے جائز ہے۔ امام عالم باطن میں حاکم ہوتا ہے۔ اور کسی کو خدا کا علم نہیں ہو سکتا ہے جب تک امام تعلیم نہ کرے۔ نبی عالم ظاہر میں حاکم ہوتا ہے۔ اور شریعت کے ظاہری حصہ کو تنزیل اور باطنی کو</p>	
<p>۱۔ اصطلاحات مذکورہ بالا تذکرہ المہ مصنفہ ملا باقر مرحوم اور دبستان مذاہب سے ماخوذ ہیں۔</p>	
<p>۲۔ تذکرہ ہفت اقلیم رازی صفحہ ۹۰۔ ۱۰۰ مطبوعہ نول کشور پریس۔</p>	

تأویل کہتے ہیں۔

فرقہ اسماعیلیہ کی تعلیم | امام عبید اللہ مہدی نے قیام سلطنت کے بعد دار السلطنت قیروان میں اور تربیت کے قیام
اپنے عقائد مذہب کی تعلیم کے لیے ایک خاص عمارت تعمیر کرائی تھی جس کی تکمیل الحاکم بامر اللہ
نے کی اور اس درگاہ کا نام ”دار الحکمتہ“ رکھا جس کو زمانہ حال کی اصطلاح کے مطابق فرمیشن
یا لاج کہنا چاہیے۔ چونکہ مذہب کی بنیاد رازداری پر تھی لہذا اس فرقہ کے تمام ارکان (ممبر)
جمع ہو کر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ہر مذہب کا آدمی اس دار الحکمتہ میں داخل ہو سکتا تھا۔ بلحاظ نظر
تعلیم کے سات درجے تھے جنکے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ داعی الدعاة نائب امام، صدر انجمن، گریڈ ماسٹر

۲۔ داعی الکبیر افسر صوبہ

۳۔ داعی معلم (جس کا دوسرا نام حلّیس بھی ہے)

۴۔ رشیق

۵۔ فدائی

۶۔ لصیق (دلاسک) مقلد نا تجربہ کار

۷۔ عوام

درس میں امام عبید اللہ کی صرف ایک کتاب تھی جس میں مذہبی مناسبت سات باب
تھے۔ اور ہر درجہ کے واسطے ایک باب مخصوص تھا اور اسی پر تعلیم ختم ہو جاتی تھی، کیونکہ مہدی کا منشا

۱۔ سنن الاسلام جلد دوم، مقریزی جلد اول، دائرة المعارف جلد سوم، الطبری مہتری آف پرشیا پر و فیہ لری۔ جی براؤن جلد

اس تعلیم و تربیت سے صرف اس قدر تھا کہ مشرق سے خلافت عباسیہ کا ہتھیال کر دیا جائے لیکن جب مصر میں خلافت فاطمیہ قائم ہو گئی تو صیغہ تعلیم میں دو درجے اور بڑھا دیئے گئے اور نصاب نصاب مقرر ہوا جس کی مختصر تاریخ حسب ذیل ہے۔

قاہرہ کا ایوان الکبیر

مصر کے دارالسلطنت قاہرہ میں ۳۶۹ھ میں خلیفہ العزیز باللہ ابو منصور زرار بن المعز لدین اللہ معدنی وسیع پیمانہ پر ایک شاندار عمارت تعمیر کرائی اور اس کا نام ایوان الکبیر رکھا۔ اس محل میں عید الفطر کے دن عظیم الشان دعوت ہوتی تھی اور عید غدیر کے دن اس ایوان میں نماز خطبہ ہو کرتا تھا۔ اسلام میں غدیر کے جشن کا بانی معز الدولہ علی بن بویہ سی۔ اور پہلی عید عراق میں ۳۶۳ھ میں ہوئی۔ بعد ازاں یہ ایک عام رسم قرار پا گئی۔ اس ایوان کے ایک حصہ میں فقہار مذہبی تعلیم دیتے تھے جس کا نام مجلس الحکمۃ تھا۔ دوشنبہ اور پچشنبہ کو تعلیم ہوا کرتی تھی جس میں خلیفہ بھی شریک ہو کرتا تھا۔ عورتوں کی بھی مذہبی تعلیم کا انتظام تھا۔ لیکن ان کے واسطے جامعہ ازہر میں انتظام کیا گیا تھا۔ لیکن خلیفہ الحاکم بامر اللہ نے ایک نئے مان کے ذریعہ سے مجلس الحکمۃ کو شکست کر دیا تھا تعلیمات کا خلاصہ یہ سی۔

مجالس الدعوة

دعوتِ اوّل | اس درجہ میں داعی (معلم) بدعو کے سامنے قرآن کے مسائل پر شکوک

اور شہات پیدا کرتا ہے اور اس انداز سے تقریر کرتا ہے کہ مدعو کے دل میں صلی
رمون کے حل کرنے اور شہات کے دور کرنے کا شوق پیدا ہو۔ مثلاً خدا نے
دنیا کو سات دن میں کیوں پیدا کیا۔ کیا وہ ایک ساعت میں پیدا کرنے سے عاجز
تھا؟ پھر پوچھتا ہے شیطان، ابلیس، یا جوج ماجوج، ہاروت ماروت کے
کیا معنی ہیں، اور یہ کہاں رہتے ہیں۔ الم، المص، کھنص، جمعصق
سے خدا کی کیا غرض ہے۔ شجرۃ الزقوم، رؤس الشیاطین سے کیا مراد ہے؟
خدا نے آسمان زمین کو سات طبقات میں کیوں پیدا کیا۔ مہینوں کی تعداد
بارہ کیوں مقرر ہوئی۔ ”خلقت حواء من ضلع آدم“ اس حدیث کے کیا
معنی ہیں۔ ”الانسان عالم صغیر والعالم انسان کبیر“ فلاسفہ کے
اقوال ہیں اس کی شرح بیان کرو۔ خدا نے ہات پاؤں میں ناس انگلیاں
کیوں بنائیں۔ پھر ہر انگلی میں بائستنا زرخشت تین جوڑ کیوں ہیں۔ دلی ہذہ
العیاس نام قرآن اور مجموعہ حدیث اور اقوال فلاسفہ پر اعتراض اور شکوک
وارد کیے جاتے تھے

جب داعی نے سمجھ لیا کہ مدعو کے دل میں یہ تمام سوالات جاگزیں ہو گئے ہیں
اور وہ جواب کا طالب ہے۔ اس وقت داعی کہتا ہے کہ یہ مسائل شریعت ہیں
عجلت کیا ہے جب عہدہ کر دے تو سب حل ہو جائیں گے جیسا کہ باری تعالیٰ
کا ارشاد ہے ”واذا اخذنا من النبین میثاقہم ومنتل و من نوح و

ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ ابن مریم و اخذنا منهم فداءً غلیظاً۔ جب
مدعو شنگلک فی المذہب ہو جاتا۔ اسوقت شہادت مذکورہ بالا کا جواب اسمعیلی
مذہب کے مطابق بتایا جاتا۔ اور جب اس طریقہ پر تعلیم القرآن ختم ہو جاتی تب
مدعو سے پہلا حلف لیا جاتا کہ وہ اپنے داعی کی ہر بات کو بغیر کسی بحث و جھجٹ
کے تسلیم کرے۔

دعوت دوم۔ اس درجہ میں مدعو کو سمجھایا جاتا تھا کہ خدا نے اقامت مذہب اور اسکی حفاظت
صرف ائمہ کی ذات سے وابستہ رکھی ہے۔ اور جب ایہ عقائد نفس مدعو میں داخل
ہو جاتا تھا تب تیسری دعوت کی تعلیم ہوتی تھی۔

دعوت سوم۔ اس درجہ میں مذہب اسمعیلی کے خاص عقائد بتائے جاتے تھے اور جسے پہلا
عقیدہ یہ تھا کہ امام برحق سات ہیں اور یہ تعین نظام عالم کے مطابق ہوتا ہے مثلاً
سبعہ سیارہ سبعہ سموات سبعہ طبقات ارض وغیرہ اور ساتویں امام تاویل
بن جعفر صاحب الزمان ہیں امام تاویل قرآنی کے ماہر ہیں اور وعادۃ انکے
وارث ہیں۔

دعوت چہارم۔ اس درجہ میں یہ راز بتایا جاتا تھا کہ ابتداءً فریض عالم سے اسوقت تک
سات پیغمبر صاحب شریعت ظاہر ہوئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے
پہلے شارع کی شریعت کو منسوخ یا تبدیل کر دیا ہے۔ یہ صاحب وحی تھے جنکا
خطاب پیغمبر ناطق (گویا) ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک پیغمبر

صامت زخاموش بھی تھا۔ جس کا یہ فرض تھا کہ وہ پیغمبرِ ناطق کی شریعت کو بغیر کسی ترمیم و اضافہ کے مستحکم کرے۔ فیصل پیغمبران حسبِ ذیل ہیں۔

پیغمبرانِ ناطق	پیغمبرانِ صامت
۱۔ حضرت آدم علیہ السلام	حضرت شیث علیہ السلام
۲۔ حضرت نوح علیہ السلام	حضرت سام علیہ السلام
۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام	حضرت اسمعیل علیہ السلام
۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام	حضرت ہارون علیہ السلام
۵۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام	حضرت شمعون حواری
۶۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم	امیر المومنین علیؑ لغایتہ اسمعیل بن جعفر صادق
۷۔ صاحب الزمان محمد بن یحییٰ	صاحب الزمان پرلم اولین آخرین ختم ہو گئے ہیں لہذا کسی پیغمبرِ صامت کی ضرورت نہیں

بن جعفر صادق۔

دعوتِ پنجم

اس درجہ میں یہ تعلیم ہوتی تھی کہ ہر صامت پیغمبر نے اشاعتِ دین کے لئے اپنی طرف سے بارہ بارہ نقیب یا داعی مقرر کیے تھے۔ تاکہ مذہب کی اشاعت کریں اور بارہ کی قید شہور اور بروج کی تعداد کے مطابق ہو اور اس میں خاص حکمت باری تعالیٰ کی یہ تھی کہ بنی اسرائیل کے نقیب بھی بارہ تھے۔ اور نقیبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی انصار بھی بارہ تھے۔ اسی طرح ہات

۱۵ پیغمبرانِ صامت کو اسمعیلیہ بھی کہتے ہیں اور نقیبوں کو پیغمبرانِ صامت کے دوسرے درجہ پر مانتے ہیں۔

کی ہر چار انگلیوں میں بارہ جوڑ ہیں اور زنگشت میں دو ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا بدن مثل زمین کے ہو اور انگلیاں مثل جزائر اربع کے ہیں۔ ایسے ہی ریڑھ کے جوڑ بارہ ہیں۔ گردن میں سات جوڑ ہیں۔ چونکہ پشت سے گردن کا درجہ بلند ہے لہذا یہ اشارہ بنیاد ناطق اور اعلیٰ کی طرف ہو اور بارہ سے مراد شاگرد اور داعی ہیں۔ (الغرض اس درجہ کی تعلیم کا خلاصہ یہ تھا کہ مدعو کے دل میں داعی اور نقیب کی اس درجہ عظمت پیدا ہو جائے کہ وہ فی الشیخ کے درجہ پہنچ جائیں۔ اور ان کے کسی حکم سے مخالفت نہ کریں)

دعوت ششم۔ اس درجہ میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد کی فلسفیانہ تعلیم ہوتی تھی مابور ہر ظاہر مسئلے کے باطنی معنی بتائے جاتے تھے۔ افلاطون، ارسطو، فیثاغورس کا فلسفہ ختم کر دیا جاتا تھا۔

دعوت ہفتم۔ اس درجہ میں مسائل الہیات کی تعلیم ہوتی تھی مثلاً انجانیہ دعویٰ کہ مدبر عالم نے اول بلا واسطہ ایک موجود کو پیدا کیا۔ اور یہ استدلال حکماء کے اس مقولہ سے ہو کہ ”الواحد لا یصد ساعدہ الا واحد“۔

دعوت ہشتم۔ تعلیمات سابق کے بعد مدعو کو یہ باور کر دیا جاتا تھا کہ وجود اول اور جو ثانی میں باعتبار تقدم وہی نسبت ہو جو علت و معلول میں ہوتی ہو اور تمام کائنات کا وجود علت ثانی سے ہو۔

دعوت نہم۔ دعوت کا یہ خیمہ درجہ تھا جس میں علم الطبیعیات، مابعد الطبیعیات اور الہیات کے

تمام رموز کا انکشاف کرایا جاتا تھا۔ دکتا بولٹ کے علاوہ ہر قسم کے آلات
ہندسیہ بھی موجود ہوتے تھے۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد داعی، اپنے مدعو سے اخیر حلف لیتا ہے۔ چونکہ یہ حلف بھی
ایک نئی چیز ہے لہذا اصلی عبارت میں حلف نامہ درج کیا جاتا ہے

عربی	ترجمہ
<p>جعلت علی نفسک عہد اللہ وميثاقہ ذمہ رسولہ وانبیائہ و ملائکتہ و کتبہ ورسولہ و ماخذ علی التبیین من عقد و عہد ميثاق انک تستر جمع ما ستمعه و سمعته و علمته و عرفته و تعرف من امری و امر المقیم بهذا البلد حصنا الحق الامام الذی عرفت اقراری له و نصی لمن عقد ذمته امور اخوانہ و احمی ابدہ ولدہ و اهل بیئہ المطیعین لہ علی ہذا الدین و خالصہ من الذن و الذنات والصغار و الکبار فلا تظہر من ذلک شیئا قلیلا ولا کثیرا ولا تشیأ لعلیہ کی مانعت ہر جو باعث افترا را زہوں۔ مگر ہاں لیے انویان کہتے ہو</p>	<p>میں تجھ سے خدا اُس کے رسولوں نبیوں، فرشتوں اور کتابوں کا عہد پیمان لیتا ہوں اور وہ عہد اقرار ہی جس کو خدا نے خود اپنے نبیوں سے لیا تھا تجھ کو وہ تمام باتیں مخفی رکھنا ضروری ہیں جن کو تو سننے، جانے، دوسروں کو سکھانے خود پہچانے اور دوسروں کو پہچاننے یعنی میرا اور شخص کا حال جو اس شہر میں امام برجی کی طرف سے مشغول ہو اور جس کے لیے معاہدہ کیا گیا ہے۔ اور میری اس غیر خواہی کو بھی تو پوشیدہ رکھنا جو اقرار لینے والے کی ذات اور اس کے تمام بھائیوں ساتھیوں، اولاد اور اہل خاندان (جو امور مذہبی میں تابع فرمان ہیں) سے متعلق ہیں۔ الغرض خاندان کے تمام راءتمندوں کے (خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے مرد ہوں یا عورت) رانچہ پانا ضروری ہیں۔ اور ان تمام باتوں میں سے تجھ کو مطلقاً کچھ نہ ظاہر کرنا چاہیئے۔ اور ایسے اشائے کنایہ کے اظہار شیئا قلیلا ولا کثیرا ولا تشیأ لعلیہ کی مانعت ہر جو باعث افترا را زہوں۔ مگر ہاں لیے انویان کہتے ہو</p>

عربی	ترجمہ
<p>الاما اطلقت لك ان تكتلم به واطلقه جن کی خود بیخودی یا اس شہر کے صاحب اختیار منتظم نے اجازت دی ہو۔ لك صاحب الامر المقيم بهذا البلد فعلى پس سمجھو کہ ان معلومات میں میرے حکم پر تم کو کدست عمل کرنا چاہیے في ذلك باعتراف ولا تزيل علمية اور اپنی طرف سے کسی قسم کی کمی و بیشی کا خستیا نہیں ہو۔</p>	
<p>اس کے بعد بہت سے عقائد مطابق اہل سنت و جماعت کے ہیں جو مدعو سے تصدیق کر لے جاتے ہیں اور ایجاب قبول کے بعد پھر اس طرح پر مسئلہ شروع ہوتا ہے۔</p>	
<p>فان فعلت شيئا من ذلك وانت تعلم انك قد خالفت الله انت على ذكر منه فانت بد من الله خال السوء والارض الذي سوس خلقك والفتك ليلك احسن اليك في دينك وديناك و آخرتك و تبرأ من رسل الاولين والآخرين و طاعة المفسدين والكافرين و الخائين و الكاذبات و النفاق و السبع و الثنا و القرآن العظيم و تبرأ من التوراة و الانجيل و الزبور و الذكر الحكيم و من كل دين رضاء الله و مقدم الدار الآخرة و من كل عبد رضاء الله عنه و خارج من حبل الله حزين و يائس و خال الله خذلانا ينجي الله بذلك النعمة والعقوبة</p>	<p>پس اگر امور ممنوعہ میں سے تو نے دیکھ و دانستہ (یعنی باوجود ذاتی علم کے کہ یہ کام نام کی باتوں کے خلاف ہے) انحراف کیا تو خداوند خالق آسمان و زمین جس نے تیری جسمانی صورت بنائی، اور دین دنیا و آخرت میں سمجھ خلق و الفتک لیلک احسن الیک فی دینک اور تمام دنیا پر یقین و متاخرین ہمارے مقربین، نروین، روحانین، آیات کا مدد، سورہ فاتحہ، اور قرآن مجید سے بیزار ہوا۔ اور اسی طرح تورات، انجیل، زبور وغیرہ سے۔ اور انہیں و اکلمات النفاق و السبع و الثنا و القرآن العظيم دین تین سے جس کو خداوند کریم نے آخرت کے لیے پسند فرمایا۔ اور خدا و تبرأ من التوراة و الانجيل و الزبور و الذكر الحكيم کے ہر برگزیدہ بندے بیزار ہوا۔ اور خدا اور ولیاے کرام کے گروہ سے خارج و من كل دين رضاء الله و مقدم الدار الآخرة و من كل عبد رضاء الله عنه و خارج من حبل الله حزين و يائس و خال الله خذلانا ينجي الله بذلك النعمة والعقوبة</p>

عربی	ترجمہ
<p>والمصير ان احبهم التي لبيد الله فيها رحمة و برى من حول الله وقوته بلحا المو انفسا وقوته وعلينا لعنة الله التي لعن الله بها البليين حو عليه بالبحر وخلق في النار ان خالفت شيئا من ذلك ولقيت الله يؤلفا حو عليه غضبا والله عليه ان تحج البيت الحرام وتزج حجا واجبا ما شيا حيا لا يقبل الله منك الا اوفيا بذلك وكل ما تملك في الوقت الذي تخالفه فيه فهو قس على الفقراء والمساكين الذين لا هم بدينك وبنعيم لا اجزاء عليه ان يدخل عليك بذلك تمنعة كل ملوكك من ذكر او انثى في ملكك وتستفيد في الوقت فانك ان خالفت شيئا من ذلك فهو حرام لرب الله عز وجل وكل امرأة لك ان تدركها الوقت فانك ان خالفت شيئا من ذلك فهو حرام لرب الله عز وجل لك ولا خيار ولا رجوع ولا مشيئة وكل كان لك من اهل وال غيرهما فهو عليك حرام وكل لهما فهو لازم لك وانا المتخلف لك لا مال</p>	<p>وہر سے وہ جنت سے محروم کیا گیا اور اس کو ہم کی ابدی سزا عطا پڑی۔ اگر تو ان میں سے کسی بات کی مخالفت کر گیا تو قیامت کے دن سے اس طرح ملے گا کہ وہ تجھ پر غضبناک ہوگا اور خدا کی قسم تو یہ بھی مان لے اگر تو بیت الحرام کے تیس حج پادہ ننگے پاؤں اور کمرے تب بھی من ذلک ولقيت الله يؤلفا حو عليه غضبا ایسا عہد کرے جس وقت تو ان باتوں میں کسی بات کی مخالفت کر گیا تو اس وقت جس قدر مال تیرے پاس ہو وہ تمام ان فقراء و مسکین کے لیے خیرات بن جائیگا جن کے اور تیرے درمیان کسی قسم کی کوئی قرابت نہیں ہو اور اس خیرات کا خدا کے نزدیک کچھ اجر بھی نہیں ہو اور نہ تجھے کسی قسم کا نفع ہوگا۔ اور تیرے ملک میں اب جس قدر غلام اور لونڈیاں ہوں یا اپنی موت تک حاصل کرے اگر تو عہد کنی کر گیا تو وہ سب غلام کی راہ میں آزاد بھی جائیں گی۔ اور تیری جس قدر بیایاں ہوں یا موت کے وقت تک نکاح میں آویں وہ سب تین طلاق بائنہ مغلطہ سے مطلق ہو جائیں گی جن میں نہ رجعت کی اجازت نہ کسی قسم کی جزا نہ تیری مرضی کو کوئی دخل من ذلک فهو حرام لرب الله عز وجل اور جو ظہار (نفع کا مشہور مسئلہ ہے) ہوئے گا وہ سب لازم بن جائیں گے تیرے امام اور تیری حجت کی طرف سے حلف دینے والا ہوں اور تو ان دنوں (اک نفع داور دوسرا امام) کے لیے حلف لینے والا ہو۔ اگر تو اس حلف</p>

عربی	ترجمہ
<p>جنتك وانت الى الفلما واذنيت وعقدت اداضرت مخلقا احملك عليه الحلف فبذلك اليوم اولها الى اخرها مجدرة عليك لاذ لا لا يقبل الله منك الا فاء بها والقيام عاهد بيني وبينك قل نعم فيقول نعم</p>	<p>اور معاہدہ کے خلاف کچھ اور نیت لکھا ہے یا کچھ چھپا رکھا ہے تو یہ قسم اول سے آخر تک تجھ پر لازم اور تیرے لیے ایک قسم کی تجدید و تائید ہوگی۔ اور خلا تیری کسی اور بات کو قبول نہ فرمائیں گا، مگر اس عہد کا ایسا۔ اور جو معاہدہ میرے اور تیرے درمیان ہو رہا ہے۔ اس پر قیام و استعلا۔ اب تو وہ ہاں کہہ تب وہ دمردی ہاں کہتا ہے۔</p>
<p>۱۔ داعی الدعاة فصلت اور تعلیم کا یا خیر درجہ تھا۔ داعی الدعاة خلفائے فاطمین مصر کا مذہبی نائب ہوتا تھا۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ داعی الدعاة کا درجہ فاضل القضاۃ کے برابر تھا۔ اور اسی شان کا لباس بھی ہوتا تھا (فقہاء اور قضاۃ کا لباس مخصوص تھا) اس منصب کے واسطے تمام مذاہب کا عالم ہونا لازمی تھا۔ داعی الدعاة کی ماتحتی میں بارہ نقیب ہوتے تھے اور پھر نقیبوں کے ماتحت جداگانہ داعی ہوتے تھے ہر داعی کا ایک مکان خاص ہوتا تھا۔ جس کا نام دارالعلم تھا اور انکی تنخواہ میش قرار ہوتی تھی۔</p> <p>۲۔ داعی الکبیر داعی الدعاة کی طرف سے جو کسی صوبے کے افسر ہوئے تھے وہ داعی الکبیر</p>	<p>حسن صباح اور ذہب بن علیہا قاضی میں جو تعلیم ہوتی تھی۔ وہ تم اور پڑھ چکے ہو لیکن حسن صباح نے بحیثیت نائب امام اور داعی الدعاة، تعلیمات مذکورہ بالا میں بہت کچھ تغیر و تبدل کر دیا تھا۔ اور بجائے ہر کے صرف یہی درجہ قائم رکھے جس کی صراحت حسب ذیل ہے۔</p>

کھلانے تھے۔

۳ داعی

یہ وہ لوگ ہوتے تھے جو واعظوں (مشریعوں) کی طرح تمام بلاد اسلام میں پھیلے ہوئے تھے اور خفیہ طریقے سے اشاعت مذہب کرتے تھے۔ مذہب باطنیہ کی ترقی کا مدار انہی کی کوشش پر موقوف تھا۔ حسن صباح نے دعاۃ کے واسطے جو قانون بنایا تھا اس کا خلاصہ یہ ہے۔

- ۱۔ الزرق۔ اول مدعو کا حال دریافت کرنا کہ اس میں صلاحیت قبول مذہب کی ہو یا نہیں۔ اس کے خلاف عمل نہیں ہوتا تھا۔
- ۲۔ اتنہس۔ مدعو کی تالیف قلوب و رجحان طبعی کے خلاف تعلیم دینا۔
- ۳۔ التئیس۔ اکابر دین کی موافقت کرنا۔ تاکہ مدعو کی خواہشات ترقی پذیر ہوں۔
- ۴۔ التائیس۔ تہئید مقدمات جسکو مدعو تسلیم کر لے۔
- ۵۔ الخلع۔ اسقاط اعمال بدنیہ۔

۶۔ التاویل۔ مذہب کے حکم کی تاویل کرنا اور یہی داعی کی اصلی تعلیم تھی۔

۴ رستاق

یہ وہ لوگ تھے جو فضل و کمال میں مجتہدانہ درجہ رکھتے تھے اور قلعہ میں حسن صباح کے پاس بطور مصاحبِ ندیم رہا کرتے تھے۔ یہ لوگ انتہا درجہ کے معتمد علیہ ہوتے تھے۔

۵۔ فدائی۔ یہ وہ لوگ تھے جو آنکھ بند کر کے بلا عذر و حجت ہر حکم کی تعمیل کرتے تھے یعنی فدائی داعی الدعاۃ کے اصلی ہر ہادی اور فوج کے جانباز سپاہی تھے جو فتوحات ملکی کا

باعث ہوئے۔ انھیں کی پٹھروں سے محلات کے اندر اور شارع عام پر پٹے
مقتدر اور جلیل الشان سلطان احمد، علما، حکماء اور مشائخ قتل ہوئے تھے۔
ان فداویوں کے ہات سے جمعہ کے دن جس طرح مسلمان علما، شہید ہوئے
تھے۔ ویسے ہی انوار کے دن گرجا میں سچی درویش (راہب) سلاطین اور
امرا بھی قتل ہوئے تھے۔ مذہبی تعلیم سے پہلے فداویوں کو پسہگری کی تعلیم
دی جاتی تھی۔ اسلحہ کا طریق استعمال ان کو بتایا جاتا تھا۔ مصیبت برداشت کرنے
کے وہ عادی کیے جاتے تھے۔ بھیس مہلنے کا فن اچھی طرح جانتے تھے۔ کیونکہ
ہر موقع کے لحاظ سے ان کو خاص دپ بھرنا پڑتا تھا۔ فداویوں کی تعلیم پرچہ
توجہ کی جاتی تھی۔ اور ان کے ذہن میں اسی یہ بات نقش کر دیتا تھا کہ داعی
اللہ عاۃ تمام دنیا کا مالک ہے اور اس عالم میں وہ بڑا قادر اور متصرف ہے۔ جہاں جو
چاہتا ہو کر سکتا ہو۔ اس کے حکم کی تعمیل گو یا خدا کے حکم کی تعمیل ہے۔ اور جو بد
کسی فرض مضیی کے اوڑھنے میں را جا گیا وہ درجہ شہادت پر داخل جنت ہو گا۔
صاحب جنت ہوتا ہے۔ فداویوں کی شہادت قلبی اور خونی کی نسبت لکھا
ہو کہ ان کو بلی دگر بہ کا گوشت کھلایا جاتا تھا۔ بلی غضب کے وقت اپنے آپ میں

۱۵ قتل کی علت اکثر وہ فراحت ہوتی تھی جو سلطنت اور علمائے ملت کی جانب سے کیا جاتی تھی۔ اور کبھی فراحتی وہ پہ

کے لیے امر قتل ہوتے تھے اس کے علاوہ اور بھی سبب تھے۔ ۱۶ دائرۃ المعارف جلد ۲ صفحہ ۲۲ -

۱۷ لڑی ہٹری آن پرشیا تذکرہ جن صبح ۱۸ دبستان مذاہب ۱۹ صفحہ ۲۰ خاص گرجہ

نہیں رہتی ہی چنانچہ گوشت خواری کی تاثیر سے ہی حال فدائیوں کا تھا۔ کہ حکم پانے پر پھر وہ اُس شخص کو ہرگز زندہ نہ چھوڑتے تھے جس کے قتل کا حکم دیا جاتا تھا یہ دونوں ابتدائی درجے تھے جن کی تسلیم کا حال کسی مورخ نے نہیں لکھا ہی

۴۔ لصیق
۵۔ عوام

حسن صباح کا عالم قلب اندہی غفلت کی بنا پر کوئی مرید حسن صباح کا نام نہیں لیتا تھا۔ بلکہ قلعہ الموت کے قبضہ کے سبب سے عموماً وہ ”شیخ اجل“ کہلاتا تھا۔ اور اس کے ندیم و رفیق ”سیدنا“ کے لفظ سے خطاب کرتے تھے۔ اور خود حسن صباح نے اپنی منکر المزاجی سے کوئی لقب اختیار نہیں کیا۔ ورنہ حکومت اور مذہب کے اعتبار سے وہ سلطان ہو سکتا تھا۔

حشیش کا استعمال
اور جنت کی ہر

دنیا میں ہر مذہب کا آدمی اپنے مرشد اور شیخ کا دل سے ادب کرتا ہی اور اس کے ہر حکم کو واجب العمل سمجھ کر سرطاعت جھکا دیتا ہی۔ اور اُن میں طریقت کا یہی سب سے پہلا زریں اصول ہی خواجہ حافظ فرماتے ہیں۔

ہر مئی سجادہ رنگیں کن گرت پیرمغاں گوید کہ سالک پیخبر نہ بود ز راہ و رسم منزلہا
اس کے علاوہ مرشد کے تقدس و قار اور نظا ہر شان و شکوہ کا بھی مرید کے دل پر اثر پڑتا ہی
مگر شیخ کے ایسا حکم مذہبی و اخلاقی ہوتے ہیں لیکن حسن صباح، ایک ایسا شیخ ہی کہ اس کی خانقاہ سے مریدوں کو بچہ قتل و غوریزی کے کوئی دوسرا حکم نہیں ملتا ہی یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ معاملہ (داعی) فدائیوں کو مزور و راہبر کر دیتا ہو گا کہ شیخ اجل کا ہر حکم آیت وحدیث کا درجہ رکھتا ہی لیکن محض یقین و تعلیم سے ہر مرید جان دینے پر تیار ہو جائے، اس کو عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی ہے

کیونکہ کسی کی جان لینا اور اپنی جان دینا اہمیت میں دونوں برابر ہیں لہذا یقین ہوتا ہے کہ صبح جہ کوئی ایسی غیر معمولی کارروائی کرتا تھا جس کی وجہ سے فدا فی جان نزاری پر تیار ہو جاتے تھے۔ جہاں تک ہماری نظر سے مشرقی تاریخیں گزری ہیں ان میں سے کسی مورخ نے اس مسئلہ کو حل نہیں کیا ہے لیکن یورپ کے مشہور شہر وٹس کا نامور سیاح مارکو پولو، اس طلسم کی پردہ کشائی کرتا ہے اور سب سے اول اسی کی روایت کے مطابق حسن صباح کی جنت کا حال لوگوں کو معلوم ہوا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

مارکو پولو کی روایت | ۱۲۰۶ء میں جب میں ارمینیا اور عراق عرب کا سفر کرتا ہوا اس شہر میں پہنچا جہاں قدیم زمانہ میں ایک محلہ رہا کرتا تھا۔ اس لیے اس جگہ کا نام مسکن ملاحظہ فرمائیے (قلعہ الموت مراد ہے) یہ ملک نے پہاڑوں کے درمیان واقع تھا لہذا وہ مقام بلد الجبل اور وہاں کا حاکم شیخ الجبل کہلاتا تھا۔ اس کا نام علاؤ الدین تھا۔ اور وہ مذہب اسلام کا پیرو تھا۔ اس کا قول تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک بہشت دینے کا وعدہ کیا تھا چنانچہ وہ بہشت مجھے مل گئی ہے۔ اور اس فواح کے مسلمان اس مکان کو بہشت ہی سمجھا کرتے تھے اس لیے دو گھنٹیوں کے بیچ میں ایک خوبصورت باغ بنوایا تھا جس میں مختلف قسم کے میوہ دار درخت اور پھول موجود تھے۔ اور نلوں کے ذریعہ مکانات میں پانی، دودھ، شراب، اور شہد جاتا تھا۔ اس باغ میں ہر وقت خوبصورت اور جوان نازنین عورتیں موجود رہتی تھیں۔ جو ہر قسم کے مایہ بیکار حاجتی کا قیام تھیں۔ اور دلفریبی میں اپنا نظیر نہ رکھتی تھیں اس باغ میں صرف وہ لوگ آتے تھے جو شیش (جنگ) مینے پر راضی ہوتے تھے

اور باغ میں جانے کا صرف ایک راستہ تھا۔ اور قلعہ ایسا زبردست تھا کہ ساری دنیا اسے فتح نہیں کر سکتی تھی۔ علاء الدین کے دربار میں بارہ سے بیس سال کے جوان لڑکے جن کو سپہ گری کا شوق ہوتا جمع ہوتے تھے۔ وہ ملحدان کو بہشت کا قصہ سنایا کرتا جبکہ ان سے وعدہ کیا گیا تھا اور وہ یقین کر لیتے تھے۔ پھر وہ دو چار جوانوں کو بھنگ پلا کر سُلا دیا کرتا۔ اور وہاں سے اُٹھا کر باغ میں ڈلوادیتا تھا۔ جب وہ جاگتے تو اپنے کو ایک ایسے مکان میں پاتے جو علاء الدین کی بہشت کے مانند ہی۔ نازنین عورتیں ان کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں کرتیں۔ اور انہیں یقین آجاتا تھا کہ حقیقت میں وہ داخل بہشت ہیں۔ اس طریقہ سے اس نے سادہ لوح کو بہتانیوں کے دل پر یقین جما دیا تھا کہ وہ نبی ہو۔ اور جب وہ اپنے کسی آدمی کو کسی کام کے لیے روانہ کرتا تو اول اُسے بھنگ سے بہوش کر کے جنت میں بھیجتا۔ پھر وہ شخص قلعہ میں علاء الدین کے روبرو پیش کیا جاتا۔ علاء الدین اس سے پوچھتا کہ کہاں سے آئے ہو۔ وہ جواب دیتا کہ بہشت سے۔ اور وہ بعینہ اسی ہی جیسا کہ محمد (صلعم) نے بتائی ہو۔ اس بیان سے اوروں کو بہشت میں داخل ہونے کی آرزو پیدا ہوتی جب علاء الدین کو کسی اپنے ہم عصر فرما کر قتل کرنا منظور ہوتا تو وہ اکیسے جان کو حکم دیتا کہ جا! فلاں کو قتل کر۔ وہی پر تجھے فرشتے جنت میں پہنچا دیں گے۔ اس امید میں وہ تمام خطروں کا مقابلہ کرتا تھا۔

۱۔ والزمہ المعارف کا مصنف لکھتا ہے کہ اس جنت میں تمام سامان مہیا تھا جو عقلاً ہونا چاہیے۔ مثلاً اشیاء برنجیہ جو دل میں تائید ہیں ہر قسم کے پھول میوہ و اشجار چشے چینی کے برتن، عجیب خوش بلبوری، طلائی اور نقرئی چیزیں پونا اسباب حور و غلمان مکلف لباس میں۔ ہر قسم کے باجے۔ یہاں کے قیام سے دل شگفتہ ہو جاتا تھا۔ اور اسی سعادتِ اعلیٰ کے حصول کے لیے فدائی جان دیتا تھا۔ پروفیسر رابون صاحب لکھتے ہیں کہ جنت کی یاروں پر نقش و نگار نہایت نازک کام بنا ہوا تھا۔ اور فدائی چاروں سے دس دن تک اس جنت میں رکھے جاتے تھے۔

اس کے دو مرید اور تھے۔ جو اندر جال کا تماشہ دکھایا کرتے تھے۔ ایک دمشق میں دوسرا کرمان میں ہوتا تھا۔ ہلاکو خاں نے فوج کشی کر کے علاء الدین کو قتل کیا۔ اور قلعہ اور باغ کو منہدم کر دیا۔ یورپ کے بعض سیاحوں کے سفر ناموں میں صحیح واقعات کے ساتھ ایسے افسانے بھی ہوتے ہیں۔ جو الف لیلہ کے ”الہ دین کے عجیب و غریب قصے کم نہیں ہوتے ہیں۔ اور جس کے بخار خود اس سفر نامہ میں موجود ہیں۔ لیکن قلعہ اور جنت کا بیان افسانہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک واقعہ ہے۔ علاء الدین قلعہ الموت میں حسن صباح کا چٹا جانشین جس کا دور حکومت ۶۵۲ھ تا ۶۵۶ھ میں ختم ہو جاتا ہے۔ اور مارکو پولو علاء الدین کے حیات میں پہنچا ہے۔ اس لیے اس نے جنت کو علاء الدین سے منسوب کیا ہے۔ ورنہ حقیقت میں جنت یعنی اس سبز باغ کا بانی حسن صباح ہے اور اسی کے زمانہ سے فرقہ باطنیہ کا ایک نام ”شاشین“ قرار پایا۔ اور شیخ کچھل صاحب شاشین کہلایا۔ اور غالباً عجم میں حسن صباح پہلا شخص ہے جس نے اپنی دشمنی سے شیش سے وہ کام لیا جو اس کے پہلے کسی نے نہ لیا ہو گا۔ اگر فدا یوں کو جنت کی سیر کرنا مقصود نہ ہوتی تو یہی منشی بونی کے تلاش کی کیا ضرورت تھی۔ بہر حال حسن صباح کی جنت کا وجود قابل تسلیم ہے۔ اور ایک دفعہ دیکھنے کے بعد ضرور فدا کی دوبارہ اس کے دیکھنے کے آرزو مند ہونگے۔ کیونکہ یہ اس خوب نہ تھا جس کو صبح ہوتے ہی بھول جائیں۔

حسن صباح علاقہ طالقان اور رودبار وغیرہ سے خوبصورت اور قوی شکل تندرست و جوان منتخب

لے شاشین کا نقطہ جنگ صلیبی کے زمانہ میں یورپ پہنچا۔ اور یورپ میں سا پچیس دھکڑا سا سین ہو گیا۔ اور ایک متعلیٰ لغت تو پایا جس کے معنی ایسے قاتل کے ہیں جو کسی کو گھات سے مار ڈالے۔ یورپ کے مہرینوں نے اس قدر کو اسلامی خلیفہ کا خط لکھا دیا جو انھیں دیکھا ایک آواز کو وہ جی جی جی سے یہ چاہتا ہے کہ انتقامی امویں عایا کی بھی آواز سنی جائے۔

کر کے خدائیوں میں داخل کرتا تھا۔ اور تعلیم کے بعد یہی فدائی، حسن صباح کے احکام کی تعمیل کرتے تھے۔ خدائیوں کا عام لباس یہ تھا۔ سفید پوشاک، لال دستار، سرخ مکربند، ہات میں تیر یا چھری اور مکرمیں چھری جبے کی مکان تبدیل کرتے تھے۔ اسوقت ان کا لباس بھی تبدیل ہو جاتا۔

حسن صباح کی مستقل حکومت اور اشاعت مذہب [یہ تم اور پڑھ چکے ہو کہ سلطان ملک شاہ نے اپنی حیات میں قلعہ الموت پر ۶۰۴ھ میں فوج کشی کی تھی لیکن سلطان کے انتقال کی وجہ سے یہ نہم ناکام رہی اور سلطان کے جانشین خانہ جنگی میں مبتلا ہو گئے۔ اس غفلت کا یہ نتیجہ ہوا کہ دس برس کے زمانہ میں حسن صباح کا تمام روم و بارطیس، قستان، خور، خوسف، زوزن، قان، تون پر قبضہ ہو گیا۔

۱۵۱۱ء سنین الاسلام جلد دوم حالات اسمعیلیہ ۵۲۱ھ اسمعیلیہ مذہب کے داعیوں نے اس مذہب کی کس طرح اشاعت کی اسکی نسبت مسٹر رنڈ صاحب لکھتے ہیں۔ کہ اس مذہب کے داعی، طرح طرح کے جھپٹے بٹے تھے جس میں اکثر صوفی اور تاجر ہوتے تھے اور یہ مختلف ملکوں میں روانہ کئے جاتے تھے۔ جاہلوں کو شیعہ سے دکھاتے جاتے تھے۔ اور انکے نام معجزہ تھا۔ اور محل باتوں کا نام صوف کا راز تھا۔ خدا پرستوں کے سامنے یہ داعی نیکی اور تقدس کی خیمہ تصویر بناتے تھے جس نے ان میں لکھا کہ لوگ نہایت شوق سے کسی امام کے منتظر ہیں اور کوئی نجات دینے والا پیدا ہونے والا ہو تو مسلمانوں کو امام ہمدی یہودیوں کو مسیح، عیسائیوں کو فاروقیط کی خبر سنانی کہ اب وہ دنیا میں آتے ہیں شیعوں میں بٹھیکر بیٹھیں اپنے آپ کو مذہب میں کچر چوش متفقہ ظاہر کرتے ہیں۔ اور اہل سنت و جماعت کے خلاف اصحاب شمشیر برت کر آتے ہیں۔ یہودیوں کے سامنے مسلمان عیسائیوں کی مذمت کرتے ہیں۔ اسی طرح عیسوی مذہب کے اصولوں اتفاق ظاہر کرتے ہیں لیکن اخیر میں یہ کہتے ہیں کہ اصول ظاہر میں سب اشارات و علامات میں۔ لیکن جو اذن معنی ان میں معنی ہیں ان کا مطلب صرف اسمعیلیہ مذہب کی مدد سے تحقیق ہو سکتا ہے جب ہندوستان میں آئے تو مذہب کی صورت ایسی تبدیل کر دی کہ ہندو کہہ سکتے ہوں کہ یہ حضرت علی کو لکشن کا دسواں اوتار بتایا جو یورپ میں سے آئے (قلعہ الموت مراد ہے) ایک پان لکھا۔ اور داماد چاریوں کے انداز پر بچھن لکھے جن میں مراد اور معصوم کی یہی باتیں تھیں کہ ہندو کو مذہب اسمعیلیہ قبول کرنے کی رغبت ہوئی۔ انتخاب از دعوت اسلام صفحہ ۲۳۳۔

اور اس عرصہ میں حسن نے نہایت اطمینان سے اپنے مذہب کو بھی خوب تنقیدی دی جب سلطان
برکیارق کو خانہ جنگی سے فرصت ملی تو اُس نے عام رعایا اور علما کی شکایت پر ۴۹۹ھ میں باطنیہ
کے قتل کا حکم دیا چنانچہ جن پر شبہ ہوا وہ قتل کیے گئے سلطان کے اس حکم سے حسن صباح کا غصہ
بہت بڑھ گیا اور اُس نے ایک باطنی کے عوض دس مسلمانوں کو قتل کرا دیا۔ تاریخ کامل اثیر میں لکھا
ہو کہ ”یہ زمانہ نہایت خوفناک تھا۔ وقت مقررہ پر اگر کوئی شخص اپنے گھر نہ آیا تو سمجھ لیا جاتا تھا کہ وہ
باطنیہ کا شکار ہو گیا۔ اور خوف کی عام حالت یہ تھی کہ امراء عبا کے نیچے زرہ پہنا کرتے تھے
اور خود سلطان نے ارکان سلطنت کو اجازت دیدی تھی کہ ”وہ دربار میں اسلحہ لگا کر آیا کریں۔“
خواجه نظام الملک کے قتل میں چونکہ حسن صباح کو کامیابی ہوئی تھی۔ لہذا اُس نے اپنے تمام
دشمنوں کے زیر کرنے کے لیے یہی طریقہ اختیار کیا کہ جس نے سر اٹھایا وہ کسی فدائی کی پھری
سے قتل ہوا۔ چنانچہ برکیارق کی چھڑ چھاپٹ سے اصفہان و خراسان وغیرہ میں بکثرت پھری بند فدا
پھیل گئے۔ اور مسلمان قتل ہونے لگے قلعہ و سکوہ (قریب شہر ابھر) پر باطنیہ کا قبضہ تھا اور یہ
لوگ مسلمانان شہر ابھر کو بہت تکلیف دیتے تھے چنانچہ اُن کے استغاثہ پر سلطان نے قلعہ پر فوج
کشی کی، اور اٹھ مہینے کے محاصرہ کے بعد قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ سلطان برکیارق کی طرح اُس کے بھائی
سلطان محمد کو بھی باطنیوں کی طرف خاص توجہ تھی ۴۹۹ھ میں باطنیہ نے طرثیث (اعمال ہیئت)
سے ٹکڑ خراسان، ماوراء النہر، اور ہندوستان کے حجاج کا قافلہ فوج سے میں لوٹ لیا۔
اور پھر اطراف سے میں لوٹ چا دی اس تاخت و تاراج میں بعد از کثیر مسلمان مارے گئے اور انکا

مال و اسباب اور مویشی سب لے گئے جب بڑے شور و غل میں خود سلطان محمد نے قلعہ شاہ دژ پر فوج کشی کی یہ قلعہ اصفہان کے قریب تھا۔ اور سلطان ملک شاہ نے بڑے اہتمام سے بنوایا تھا۔ اس قلعہ پر بلخیوں کا قبضہ گویا دار السلطنت کا قبضہ تھا۔ احمد بن عبد الملک عیاش طیب باطنی حاکم قلعہ تھا۔ احمد اگرچہ جاہل اور علم و فضل سے عاری تھا۔ لیکن حسن صباح نے یہ کٹر قلعہ کا حاکم بنایا تھا کہ تم میرے استا و عبد الملک کے بیٹے ہو تمھارا حق فانی ہو اور اس قلعہ کو حسن صباح نے خوب منظم کر دیا تھا چنانچہ سلطان نے محاصرہ کے بعد یلغار کر لیا جب احمد گرفتار ہو کر سامنے آیا تو سلطان نے کہا کہ ”تم نے تو پیشین گوئی کی تھی کہ اصفہان میں میری غطت و رشکت اعلیٰ درجہ کی ہوگی اور عوام و خواص میرے گرد جمع ہوں گے۔ لیکن پیشین گوئی جھوٹی ہوئی“ احمد نے جواب دیا کہ نہیں! صحیح ہوئی۔ لیکن برطانیہ حکومت ابا برطین فیضت سلطان ہنر کر چپ رہا پھر بیل پر سوار کر کے اصفہان کے کوچہ و بازار میں گشت کرایا۔ پھر اُس کی کھال بکھوئی اور اس طریقہ پر احمد کا خاتمہ ہوا۔ سلطان کا وزیر سعد الملک بھی احمد کا معین مددگار تھا۔ اور سلطان کو درپردہ قتل کرنا چاہتا تھا۔ لہذا اس جرم میں اس کو بھی پھانسی دی گئی۔ اور ابو نصر احمد بن خواجہ نظام الملک کو قلعہ دار وزارت سپرد کیا گیا۔ اس کے بعد ۴۵۱ھ میں قلعہ الموت پر فوج روانہ ہوئی۔ لیکن بوجہ شدت سرما فوج واپس آئی۔ اس فوج کا سپہ سالار خود وزیر احمد تھا لیکن ۴۵۱ھ میں سپہ سالاری امیر انوشیروان شیرگیر (صاحب آید سادہ) الموت پر دوبارہ فوج کشی ہوئی۔ لوگوں ایک سال تک ابراہیم خضر رہا۔ قلعہ میں کمی و رسد کی وجہ سے سخت تکلیف ہوئی۔ اور حسن صباح نے

بچوں اور عورتوں کو سلطان کی خدمت میں بھیجا اور وہ امان کے طالب ہوئے مگر درخواست نامنظور ہوئی۔ لیکن قصاص قدس نے فتح اور سکست پہلے سلطان محمد کا خاتمہ کر دیا۔ سلطان محمد کے انتقال سے قلعہ پھر حسن صباح کے قبضہ میں آ گیا۔ تاریخ آل سلجوق میں لکھا ہے کہ امیر درگزینی نے جو حسن صباح سے ملا ہوا تھا۔ امیر شیرگیر کے لشکر کو پریشان کر دیا، اور فوج امیر کو تنہا چھوڑ کر چلی آئی۔ اگر سپاہی دغا نہ کرتے تو قلعہ الموت تین دن میں فتح ہو جاتا۔ فوج کے چلے جانے سے قلعہ والوں نے امیر رحیلہ کیا اور زائد از دو لاکھ دینار کا مال لیکر قلعہ میں افس گئے۔ سلطان محمد کے انتقال پر ۱۱۱۲ھ میں سلطان بنجر مستقل حکمراں ہوا اور ملک شاہ کے بعد یہ سلطان اپنے سب بھائیوں سے زیادہ زبردست اور صاحب اثر تھا۔ وسعت ملک اور فوجی طاقت میں بھی سب پر فائق تھا۔ چنانچہ سلطان بنجر ایک جرار لشکر لیکر قلعہ الموت پہنچا۔ ظاہر ہے کہ حسن صباح شاہی لشکر کا کیا مقابلہ کر سکتا تھا۔ اُس کو سپاہی تو چوراہوں پر ہرنوں کی طرح صرف چھریاں مارنا جانتے تھے۔ لہذا حسن نے یہ چالاکی کی کہ کسی خاص غلام یا حرم کو ملا کر سلطان کی خواب گاہ کے سر ہانے ایک خنجر زمین میں گاڑ دیا۔ سلطان نے صبح کو جب خنجر زمین میں پیوست پایا تو وہ خوف نہ وہ ہو گیا۔ اور دستہ خنجر کے اوپر حسن صباح کا ایک خط بند ہوا تھا جس کا یہ مضمون تھا ”ہاں! اے سلطان بنجر رہبر ہیز کہ اگر رعایت خاطر تو منظور نہ ہو دے کہ خنجر بے بر زمین سخت فرو برد۔ بر سینہ نرم تو سہل تر بود کہ فرو برد۔“ اس میں شک نہیں کہ حسن صباح نے بنجر کے حال پر بڑی مہربانی کی اور اس کو صرف دیکھا کہ چھوڑ دیا۔ ورنہ بقول حسن صباح زمین سخت میں خنجر پیوست کرنے سے سلطان کے نرم سینہ میں خنجر کا چھو دینا آسان تھا۔ اس کا رولہ

۱۔ تاریخ آل سلجوق المصنفی صفحہ ۱۱۲ مطبوعہ مصر ۱۲۵۵ھ گنج دانش صفحہ ۴۱۴ فقرہ بنجر۔ و کتابہ بنان مذاہب طائلات اسمعیلیہ۔

کیا تھ صبح کو حسن صباح کا قاصد پہنچا اور صلح کا خوشگوار ہوا۔ سلطان سنجر پہلے ہی مرعوب ہو چکا تھا۔ لہذا جان کے خوف سے صلح کو جنگ سے بہتر سمجھا۔ اور ان معمولی شرطوں پر صلح ہو گئی اور سلطانی فوج چند منزل چل کر دار السلطنت کو واپس آ گئی۔

۱) اسماعیلہ فرقہ قلعہ جات میں کوئی جدید فوجی عمارت کا اضافہ نہ کرے۔ (۲) جدید سلطہ اور منہجین نہ خرید کرے۔ (۳) آئندہ اس فرقہ میں کوئی نیا شخص مرید نہ کیا جائے۔

حسن صباح کے واسطے اس سے زیادہ نرم شرطیں اور کیا ہو سکتی تھیں۔ کیونکہ صوبہ رودبار، قہستان، شام اور سواحل روم تک نے انداز پناہ پس تلے باطنیوں کے قبضہ میں تھے جو سب استحکم اور کارآمد تھے جس میں حسن صباح کو کسی تعمیر کی ضرورت نہ تھی۔ دوسری شرط بالکل فضول تھی۔ کیونکہ یہاں کمر میں بجائے تلوار اور سنگین کے صرف ایک چھری کافی تھی۔ تیسری شرط البتہ سخت تھی لیکن اب اس کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی تھی کیونکہ حسن کی فوج کی مجموعی تعداد ستر ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ سلطان سنجر کے عہد تک ایران میں زیادہ شورش نہیں ہوئی۔ اب حسن صباح کی توجہ شام اور یمن کی طرف تھی

موت | ان کامیابیوں کے بعد بتایا کہ ۲۸ ربیع الآخر ۵۱۶ھ میں حسن صباح کا انتقال ہو گیا۔ اور پچیس برس تک قلعہ الموت پر حکمران رہا۔ اس وقت حسن صباح کی عمر ۹۰ سال کی تھی۔

حسن صباح کے ذاتی حالات | حسن صباح کی نسبت مورخوں نے لکھا ہے کہ وہ حکیم، مخم، مہندس، محاسب

۱) نامہ خزائن صفحہ ۱۰۹ حالات حسن صباح علیہ السلام کے تفصیلی حالات کامل اثر اور یمن کے واقعات عمارتوں کی تاریخ میں لکھنا چاہئے تاریخ مع ترجمہ انگریزی لندن میں چھپ گئی ہے ۲) گنج دانش صفحہ ۴۶۔ داستان مذاہب زنیۃ المجاہدین محمدی کامل اثر صفحہ ۱۱ جلد ۱ و ۲ ابدان ناصر صفری ۳۳۔ ذکر الموت ۱۲۔

ساحر تھا۔ فقہ اور دینیات میں مجتہدانہ درجہ رکھتا تھا، صوفیوں کی طرح شب و روز رایت میں مصروف رہتا تھا۔ بجز اپنے فرقہ کے لوگوں کے اور کسی سے ملاقات نہ کرتا تھا۔ مستقل مزاجی کا عالم تھا کہ تین برس میں صرف دو مرتبہ اس گھر کی چھت پر چڑھا جس میں سکونت پذیر تھا اور قلعہ سے نو ایک دن کے واسطے بھی باہر نہیں گیا۔ اشاعت مذہب کی فکر سے کسی وقت خالی نہیں ہوا اور مذہبی تصنیفات بھی کرتا تھا۔ اس کی مذہبی تصنیفات میں (۱) "روشنی روز و تاریکی شب" (۲) ایک مختصر مجموعہ موسومہ اکرام ہے۔ اول کتاب کے خلاصہ دبستان مذہب غیرہ میں درج ہیں۔ اس کے علاوہ تعجب انگیز امر یہ ہے کہ بحیثیت مہندس تین کتابیں لکھیں۔ جنکا یورپ نے حال میں پتہ لگایا ہے اور وہ یہ ہیں (۱) کتاب الاشکال المسماۃ (۲) کتاب الکرہ (۳) کتاب العمل مذات الخلق۔ عقائد مذہبی میں انتہا درجہ کا سخت تھا جیسا خود پابند شرع تھا ویسا ہی مریدوں کو بھی بنانا چاہتا تھا۔ شرعی جرم میں اپنے دو بیٹوں کو قتل کر دیا اور آف تک نکلی۔ ایک شخص نے قلعہ کے اندر بانسری بجائی اسی وقت انخراج کا حکم دیا اور باوجود مبعزز سفارشوں کے پھر قلعہ کے اندر آنا نصیب ہوا۔ اسی کا اثر تھا کہ جس مرید کو جو حکم دیا اس نے فوراً تعمیل کی۔ جو صحت بولیت حسن صباح کو اپنے مریدوں میں ہوئی اس کی نظیر سے صفحات تاریخ خالی ہیں۔ یہ بات آج تک کسی صوفی کو حاصل ہوئی۔ اور نہ کسی بادشاہ وقت کو کہ اس کے حکم سے لوگ جان دینے پر آمادہ ہو جائیں۔ حسن صباح کو یہ مرتبہ کنوینر حاصل ہوا؟ اس میں مورخوں کا اختلاف ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ حسن صباح کی ظاہری بے نفسی اور صوفیانہ ریاقت اس کا باعث تھی۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ مکاری، جھلسازی، ساحری، اس کے عروج کا سبب بنی۔ لیکن محققین کا فیصلہ ہے کہ

مجموعی طور پر ان تمام امور کو حسن صباح کی کامیابی میں دخل ہوا اور پھر ان میں بھی ”محو مقتصدات“ کی انجیاء کے ناز و کرشمے، اور باغ جنت کی دلفریبیاں سب مستزاد ہیں۔

حسن صباح نے اپنے عہد حکومت میں حب نیل قلعوں پر قبضہ کیا۔ (۱) قلعہ الموت (۲) قلعہ گر کوہ (۳) لامسر (۴) شاہ وژ۔ (۵) ضہمان (۵x) و سکوہ متصل ابجد (۶) خالنجان (۷) اصفہان سے پانچ فرسخ ہی (۸) قلعہ استون و ند (شہر کے اوائل کے مابین ۸x) آردہن (۹) قلعہ انارڈ خورستان (۱۰x) قلعہ طنبور متصل شہر آرجان (۱۱x) قلعہ خلا دخال (مابین فارس اور خورستان)۔ یہ قلعہ ہیں جو بہت بڑے تھے اس کے علاوہ صوبہ و دیار اور قستان وغیرہ میں چھوٹے چھوٹے بہت سے قلعے تھے جنکی مجموعی تعداد ستوا کے قریب ہی جن کے ناموں کی تاریخ میں تفصیل نہیں ہو۔

حسن صباح کے نبین | حسن صباح کے انتقال کے بعد قلعہ الموت میں مسلسل سات حکمران ہوئے، جن کی مختصر کیفیت حب نیل ہے۔

(۱) بنابر بزرگ نمیدائش شخص قلعہ الموت کا قلعہ دار اور حسن صباح کا رفیق تھا حسن صباح نے ۵۱۸ھ میں انتقال کے وقت خود اپنا جانشین بنایا۔ ابوعلی وزیر تھا اور حسن قصرانی اس کی فوج کا سپہ سالار اس عہد میں بھی مذاہنیوں کا بڑا زور رہا۔ اور ابو ہاشم فاطمی کو جنہوں نے شہر گیلان میں امامت کا دعویٰ کیا تھا، کیا بزرگ نے اول خط لکھا کہ ”دعویٰ امامت سے باز آؤ“ اس کے جواب میں ابو ہاشم نے خط میں گالیاں لکھیں، جسکو پڑھ کر کیا بزرگ غضبناک ہو گیا، اور امام صاحب کو گرفتار

۱۔ قلعہ الموت کے حکمرانوں کے حالات نامہ خروان، منین الاسلام، گنج دانش، کائنات و زبان و بیان، وضع الصفا، وغیرہ

کر کے لگ میں زندہ جلادیا۔ سچو قیوں سے بھی لڑائیاں ہوئیں، مگر آخر کو کیا بزرگ کامیاب ہوا۔
چودہ برس دو مہینہ میں دن حکومت کر کے ۶۳۵ھ میں انتقال کیا۔

(۲) محمد بن کیا بزرگ امید کیا بزرگ کے انتقال پر اس کا بڑا بیٹا محمد جانشین ہوا، یہ بالکل جاہل تھا لیکن حسن صباح اور اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتا تھا اس کے عہد میں بھی خوزیری جبری ہی چھ برس اٹھ مہینے، آٹھ دن حکومت کر کے ۶۳۵ھ میں فوت ہوا۔

(۳) حسن بن محمد احسن کا باپ محمد، اگرچہ قلعہ الموت کا حکمران ہو گیا تھا، مگر باطنیوں کے نزدیک اُس میں فرائض منصبی ادا کرنے کی صلاحیت نہ تھی۔ اور باطنی عموماً حسن کے فضل و کمال کے قائل تھے، لہذا محمد کے بعد حسن کو اپنا فرمانروا تسلیم کیا۔ اس حکمران کے نسب میں اختلاف ہو، مگر اس کا دعویٰ ہے کہ میں نزار بن منصور باللہ علوی کی نسل میں ہوں جن معت خیالات اور چالاک کی میں حسن صباح سے کچھ ہی کم تھا۔ مریدوں میں حسن کی بے انتہا تعظیم کی جاتی تھی، اور کوئی شخص نام نہیں لیتا تھا، بلکہ بجائے نام کے ”علی ذکرۃ السلام“ کے خطاب سے یاد کرتے تھے۔ سنہ ۶۳۵ھ کے بعد ۲ رمضان ۶۳۵ھ کو سب سے پہلے دربار عام کر کے حسن نے اپنی امامت کا دعویٰ کیا اور ثبوت میں امام ہمدی علیہ السلام کا ایک خط پیش کیا، اور لوگوں کو سمجھا دیا کہ صرف باطن میں خدا کی محبت کو اور ظاہر میں جو چاہو کرو۔ میں تم کو آج کی تاریخ سے تمام شرعی قیود سے آزاد کرتا ہوں چنانچہ اس تاریخ سے رسوم شرعیہ بالکل اٹھ گئیں۔ چنانچہ کسی باطنی شاعر کا قول ہے۔

بردشت غل شمع بتا سید ایزدی
مخدوم روزگار علی ذکرۃ السلام

مجموعی طور پر ان تمام امور کو حسن صباح کی کامیابی میں دخل ہے اور پھر ان میں بھی ”حُودٌ مَّقْصُورَاتٌ“
یعنی ”انچھانگہ“ کے ناز و کرشمے، اور باغِ جنت کی دلفریبیاں سب مستزاد ہیں۔

حسن صباح نے اپنے عہدِ حکومت میں حب فیل قلعوں پر قبضہ کیا۔ (۱) قلعہ الموت (۲) قلعہ
گردکودہ (۳) لامسر (۴) شاہ دژ۔ (۵) اصفہان (۵x) و سکودہ متصل البحر (۶) خالنجان (۷) اصفہان
سے پانچ فرسخ ہے (۸) قلعہ استون آوند (شہر کے اوائل کے مابین ۸x) آردہن (۹)
قلعہ الاناظ (خوزستان ۱۰x) قلعہ طنبور (متصل شہر آرجان) (۱۱x) قلعہ غلا دخال (مابین فارس
اور خوزستان)۔ یہ قلعہ ہیں جو بہت بڑے تھے۔ اس کے علاوہ صوبہ دودبار اور قستان وغیرہ
میں چھوٹے چھوٹے بہت سے قلعے تھے جنکی مجموعی تعداد سنو کے قریب ہے جن کے ناموں
کی تاریخ میں تفصیل نہیں ہے۔

حسن صباح کے بانی | حسن صباح کے انتقال کے بعد قلعہ الموت میں مسلسل سات حکمران ہوئے،
جن کی مختصر کیفیت حب فیل ہے۔

(۱) کیا بزرگ امید | شخص قلعہ الموت کا قلعہ دار اور حسن صباح کا رفیق تھا جس نے ۵۱۸ھ
میں انتقال کے وقت دعویٰ اپنا جانشین بنایا۔ ابوعلی وزیر تھا اور حسن قصرانی اس کی فوج کا سپہ سالار
اس عہد میں بھی فدائیوں کا بڑا زور رہا۔ اور ابوہاشم فاطمی کو جنہوں نے شہر گیلان میں امامت کا
دعویٰ کیا تھا، کیا بزرگ نے اول خط لکھا کہ ”دعویٰ امامت سے باز آؤ“ اُس کے جواب میں
ابوہاشم نے خط میں گالیاں لکھیں، جسکو پڑھ کر کیا بزرگ غضبناک ہو گیا، اور امام صاحب کو گرفتار
لے قلعہ الموت کے حکمرانوں کے حالات نامہ مروان بنین الاسلام گنج دانش کا رشتان و رشتان خرابہ ہے وضع الصفا ماخوذ ہے

کر کے اگل میں زندہ جلادیا۔ سچو قیوں سے بھی لڑائیاں ہوئیں، مگر آخر کو کیا بزرگ کا میاب ہوا۔
چودہ برس دو مہینہ میں دن حکومت کر کے ۱۲۲۵ھ میں انتقال کیا۔

(۲) محمد بن کیا بزرگ امید کیا بزرگ کے انتقال پر اس کا بڑا بیٹا محمد چاشین ہوا، یہ باکل جاہل تھا لیکن حسن صباح اور اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتا تھا۔ اس کے عہد میں بھی خوزیری عاری ہی چومیں بس آٹھ مہینے، آٹھ دن حکومت کر کے ۱۲۲۵ھ میں فوت ہوا۔

(۳) حسن بن محمد اصل کا باپ محمد، اگرچہ قلعہ الموت کا حکمران ہو گیا تھا، مگر باطنیوں کے نزدیک اُس میں فرائض منصبی ادا کرنے کی صلاحیت نہ تھی۔ اور باطنی عموماً حسن کے فضل و کمال کے قائل تھے، لہذا محمد کے بعد حسن کو اپنا فرمانروا تسلیم کیا۔ اس حکمران کے نسب میں اختلاف ہو، مگر اس کا دعویٰ ہو کہ میں نزار بن منصور بابائے علوی کی نسل میں ہوں جن مسعت خیالات اور چالاک کی میں حسن صباح سے کچھ ہی کم تھا۔ مریدوں میں حسن کی بے انتہا تعظیم کی جاتی تھی، اور کوئی شخص نام نہیں لیتا تھا، بلکہ بجائے نام کے ”علی ذکرۃ اسلام“ کے خطاب سے یاد کرتے تھے۔ مہینہ نشینی کے بعد ۲ رمضان ۱۲۲۵ھ کو سب سے پہلے دربار عام کر کے حسن نے اپنی امامت کا دعویٰ کیا اور ثبوت میں امام مہدی علیہ السلام کا ایک خط پیش کیا، اور لوگوں کو سمجھا دیا کہ صرف باطن میں خدا کی محبت رکھو اور ظاہر میں جو چاہو کرو۔ میں تم کو آج کی تاریخ سے تمام شرعی قیود سے آزاد کرتا ہوں ”چنانچہ اس تاریخ سے رسوم شرعیہ بالکل اٹھ گئیں چنانچہ کسی باطنی شاعر کا قول ہے۔

بردشت غل شمع بتا سید ایزدی
مخدوم روزگار علی ذکرۃ السلام

اسی عہد سے اس فرقہ کا نام علماء اسلام نے ملائکہ قرار دیا۔ چار برس حکومت کر کے اپنے سنا
حن نامور کے ہات سے قلعہ لاسر میں ۴۵۵ھ میں ہارا گیا۔

(۴) محمد ثانی بن جن | حکمران ہوتے ہی اول اپنے باپ کے قصاص میں قاتل اور خاندان کے
تمام زین و مرو کو قتل کر دیا۔ علم و فضل میں یہ اپنے باپ سے بھی بڑھ کر تھا۔ اس کے عہد کا واقعہ یہ کہ
امام فخر الدین ازمی، و خط میں فرمایا کرتے تھے کہ ”خلافا لاسمجد لہم اللہ و خذلہم اللہ
جب یہ خیر محمد کو پہنچی تو ایک فدائی کو روانہ کیا۔ وہ امام صاحب کے حلقہ درس میں اکبر شامل ہوا،
اور سات مہینے تک طالب العلمانہ حاضر باقی رہا، ایک دن موقع پا کر امام صاحب کے سینہ پر چڑھ گیا
اور خنجر گھلے پر رکھ دیا۔ امام صاحب نے خوف نہ ہو کر پوچھا کہ میرا کیا گناہ ہے؟ فدائی نے کہا کہ
”سیدنا محمد بن جن! بعد سلام فرماتے ہیں کہ ہم کو عوام کی باتوں کا کوئی ڈر نہیں ہے لیکن آپ
جیسے عظیم نظیر فضل سے خوف معلوم ہوتا ہے، کیونکہ آپ کا کلام صفحہ روزگار پر بانی رہے گا۔
دوسرا التماس یہ ہے کہ آپ قلعہ میں تشریف لائیں۔“ امام صاحب نے جواب دیا کہ ”میرا قلعہ میں جانا
غیر ممکن ہے، لیکن آئندہ سے عہد کرتا ہوں کہ تمہارے خلاف کچھ نہ کہو گا۔“ اس کے بعد فدائی
امام صاحب کے سینہ سے اُترا اور گھلے سے خنجر ہٹا لیا، اور کہا کہ ”تین سو متقال طلا، اور دو
ہینے چادریں، حجرے میں کھی ہیں وہ آپ منگوائیں، سیدنا کی طرف سے یہ ایک سال کا وظیفہ ہے،
اور آئندہ بھی اس قدر رٹیں ابو الفضل کی معرفت ملا کر گنا، پھر حجرے سے نکل کر غائب ہو گیا۔ اسکے

۱۔ علماء اسلام نے رد ملائکہ میں نہایت مذکور کتابیں لکھی ہیں خصوصاً امام غزالی علیہ الرحمۃ کی تصنیفات بہ نظری حجاز الحق،
کتاب الدرر، کتاب القطن، اور ایک سالہ بطور سوال و جواب، قابل ملاحظہ ہیں۔ ۲۔ نگارستان صفحہ ۲۳۳۔

بعد امام صاحب کا یہ دستور ہو گیا کہ جب کوئی اختلافی مسئلہ ہوتا تو صرف اس قدر فرماتے کہ خدا کا
لا اسماعیل علیہ الامام صاحب کے اس طرز عمل سے عوام کو شبہ ہو گیا کہ وہ ملاحدہ کے ہم عقیدہ ہیں
اور حکمران الموت سے سازکتے ہیں۔ امام صاحب نہایت خوش نصیب تھے کہ زندقہ بچ گئے۔ مگر بات
یہ ہے کہ محمد بن حسن کا فدائی کو صرف اسی قدر حکم تھا کہ ”وہ امام صاحب کو خوف نہ دے“ قتل کی
اجازت نہیں دی گئی تھی اسی واقعہ کے متعلق کسی شاعر کا قول ہے۔

اگر دشمن سازد با تو ای دوست توے باید کہ بادشمن بازی

وگر نہ یکے و روزی صبر فرماے نہ او ماند نہ تو، بے مخر رازی

اس کے عہد میں شام کے اسماعیلیوں کا الموت سے تعلق چھوٹ گیا اور شیخ رشید الدین سنان کی
ماتحتی میں جداگانہ کام شروع ہوا۔ جس کے عہد میں مشرقی شام، مشرقی افریقہ، اور سنٹرل ایشیا
میں مذہب اسماعیلی کی خوبی تھی ہوئی۔ اس کے بیٹے جلال الدین نے اپنے باپ کے عیاش اور کمزور
سمجھ کر زہر دیدیا۔ چہا پسین س حکمران ہا۔

(۵) جلال الدین عثمانی اپنے باپ کے انتقال پر بیعت میں حکمران ہوا۔ اور مذہب اسماعیلی ترک
ملکت حسن ثالث

کر کے شریعت اسلام کا پیر ہو گیا۔ اور اپنے سچے مسلمان ہونے کے ثبوت میں فرقہ باطنیہ کی تمام
تضیفات (موجودہ قلعہ الموت) جلا کر راکھ کر دیں اور اپنی والدہ و ربوہی کو حج کے لیے لڑا دیا
امیر المؤمنین ناصر باللہ عباسی نے اس فائدہ کی یہاں تک غت کی کہ قلعہ الموت کا علم فرما کر لائے
خوارزم کے علم سے آگے کر دیا، اور جس استے سے یہ قافلہ گزرا وہاں کے حکمران نے بڑے اعزاز
خیر مقدم کیا۔ تاریخ میں ”جلال الدین نو مسلم“ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا روای سے دنیائے

اسلام کو تو خاص مسرت ہوئی، مگر باطنی جلال الدین کے دشمن ہو گئے، اور زہر دیکر ختم کر دیا گیا۔
برس حکمران ۱۔

(۶) علاء الدین محمد بن جلال الدین | ۶۱۶ھ میں بھڑو نوسال حکمران ہوا، اور رقیوں کی مدد سے مذہب باطنیہ از سر نو جاری کیا گیا۔ علاء الدین کو کم سنی میں مانجویا ہو گیا، اسوجہ سے عمان حکومت ارکان سلطنت کے ہات میں تھی لیکن باوجود سعی و مبلغ فرقہ باطنیہ کو پھر اگلی سی قوت و شوکت حاصل نہ ہوئی خواجہ نصیر الدین طوسی اسی زمانہ میں داخل قلعہ الموت ہوئے تھے۔ تینتیس برس ایک مہینہ حکمران اور ۲۵ برس میں حسن باذنرانی نے قتل کر دیا۔

(۷) کرکلی مرغ شاہ علاء الدین | باب کے بعد ۲۷ھ میں حکمران ہوا۔ حسن باذنرانی کو مع اس کی اولاد کے قتل کر دیا، اور حسن کی نعش کو جلادیا۔ ہنوز کسی قسم کا انتظام حکومت نہیں کرنے پایا تھا کہ ۲۷ھ میں منقو خاں کے حکم سے ہلاکو خاں نے قلعہ الموت اور باطنیوں کا خاتمہ کر دیا۔ اور قلعہ کا تمام ذخیرہ جو حسن صباح کے عہد سے جمع ہو رہا تھا لوٹ لیا۔ قلعہ کے اندر سرکہ اور شہد کے حوض بھی بھرے ہوئے تھے جس کو حسن صباح نے ذخیرہ کیا تھا۔ مگر انکا ذائقہ نہیں بگڑا تھا۔ جو لوگ حسن کی کرامت سمجھتے تھے جس کی تفصیل تاریخوں میں درج ہے۔ خواجہ نصیر الدین طوسی کا ایک تاریخی قطعہ درج کیا جاتا ہے۔

قطعہ

سال عرب پشش صد پنجاہ و چار بود یک شنبہ روز اول ذیقعدہ باداد
خورشاہ بادشاہ سماعیلیاں تخت برخوشت پیش تخت ہلاکو بایستاد

الغرض تاتاریوں نے باطنیوں کی ایرانی حکومت کا ایک نئے اکھتر برس کے بعد خاتمہ کر دیا اور تقریباً تین سو باطنیوں کے برباد کر دیئے، اور بارہ ہزار باطنی قتل کیے گئے۔ اسی طرح شام و مصر میں سلطان ملک الظاہر بربرس اور سلطان صلاح الدین ایوبی نے باطنیوں کا ہتھیال کر دیا اور پھر یہی بند خدائیوں سے ملک میں امن و امان ہو گیا۔ تاتاری حملہ کے بعد اس مذہب کا زور کم ہوتا تھا۔ اور جہاں کچھ لوگ باقی رہ گئے تھے وہ گناہی کی حالت میں تھے۔ قلمہ الموت کی تباہی کے بعد پھر حکمرانی نصیب نہیں ہوئی۔ البتہ جابجا جو داعی اور نقیب باقی رہ گئے تھے وہ اپنا کام کرتے رہے۔ چنانچہ فی زمانہ ایسی اسماعیلہ مذہب بلاد فارس، سواحل ہند، شام، حلب، میں موجود ہیں اور دمشق میں ایک محلہ ہے جو "حارۃ الحشائین" کے نام سے مشہور ہے۔ ان کے عقائد میں عجیبوں سے بہت اختلاف ہے، ہندوستان میں اس گروہ کے امام ہر ہائیس سرافا خاں صاحب القابہ ہیں۔ آپ کے اجداد کا سلسلہ رکن الدین خورشاہ تک پہنچتا ہے۔ اس مضمون کے خاتمہ پر ہم دو نقشہ درج کرتے ہیں جن کے ملاحظہ سے اسماعیلہ کی شاخوں اور شاہیر مقتولین کی مختصر فہرست معلوم ہوگی۔



۱۔ خلیفہ مستعصم باللہ اور شہر قزوین کے رُسا کی طرف سے تاتاریوں کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ مسلمانوں کے باطنیوں کے ظلم و ستم سے بچاویں اور ان کا ہتھیال کر دیں۔ چنانچہ تاتاری فوج آئی اور باطنیوں کا خاتمہ کر دیا۔ اور بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ ایک معزز بغل کو کسی باطنی نے قتل کر دیا تھا جس کے قصاص میں تاتاریوں نے ان کا خاتمہ کر دیا۔ ناظرین موقع پر حصہ اول کے صفحہ ۲۹ کا نوٹ بھی ملاحظہ فرمائیں جو خواجہ نصیر الدین طوسی سے متعلق ہے۔

(۱) فہرست فرقہ اسماعیلہ حبیبوں نے مختلف ملکوں میں مختلف ناموں سے خروج کیا

نمبر شمار	نام	مختصر کیفیت
۱	اسماعیلی	چونکہ یہ فرقہ امام اسماعیل کا مقلد ہے۔ لہذا اسکا عام لقب اسماعیلی قرار پایا۔ اور یہی اصلی نام ہے۔ باقی اس کی شاخیں ہیں جو اپنے داعیوں کے نام سے کیسی خاص عقیدہ کی وجہ سے شہرت پذیر ہیں۔
۲	بابکی	بابک ایک عجمی تھا جس نے ۱۲۱۰ء میں خلیفہ معتصم باللہ کے زمانہ میں بمقام اذربائیجان خروج کیا تھا۔ اور اصفہان ہمدان میں ایک جماعت اُس کی مقلد بن گئی تھی۔ بابک نے اپنے جدید مذہب کا نام ”خرم دین“ رکھا تھا۔ اسوجہ سے بابکیہ فرقہ۔ خرمیہ بھی کہلاتا تھا۔ مان۔ بہن۔ بیٹی کے ساتھ نکاح جائز تھا۔ اس لیے اس کا ایک نام حرمت بھی ہے۔
۳	محمہ	یہ فرقہ بابک کی تقلید میں سرخ لباس پہنا کرتا تھا اس وجہ سے محمرہ لقب ہوا اگر صرف گرگان کے واسطے مخصوص ہے۔
۴	مبارکی	مبارک امام محمد بن اسماعیل کا ایک حجازی غلام تھا جس نے اول کوفہ میں مذہب اسماعیلہ پھیلایا۔ اور یہ کوئی مبارک مشہور ہوئے۔ ورنہ حقیقت میں مبارک کے نام پر وقرا مطہ کہلاتے تھے۔
		فرقہ اسماعیلہ میں جو نام سب سے زیادہ مشہور ہوا وہ قرمطی ہے۔ قرمط کے لغت عربی

۵	قرمطی	<p>متعدد معنی ہیں منجملہ ان کے ایک یہ کہ باریک اور گنجان خط کو قمر مطکتے ہیں چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مقولہ ہے کہ فرج ما بین السطور و قمر مطب بین السطور۔ یعنی بین السطور میں کشادگی رکھو۔ اور حرفوں کو گانٹھ کر لکھو۔ چونکہ مبارک مذکور ایسا ہی خط لکھتا تھا۔ لہذا اس کے پیرو قمرطی اور قمر مطب کہلائے عبد اللہ بن میمون قدح ابوہازی نے مبارک کو مذہب اسمعیلیہ میں داخل کیا تھا اور آخر میں یہ مبارک اس مذہب کا ایک بڑے جوش داعی ثابت ہوا۔</p>
۶	میمونی	<p>عبد اللہ بن میمون قدح ابوہازی کا مقلد فرقہ میمونئی کہلاتا ہے۔ یہ شخص شعبہ ہذا ساعر اور ماہر طلسمات تھا۔ اس وجہ سے کوہستان، خراسان، اصفہان اور سنے میں اس نے خوب ترقی کی۔ امام اسمعیل اور امام محمد کی خدمت میں عبد اللہ عرصہ تک حاضر رہا تھا۔ عبد اللہ کے بیٹے احمد نے شام اور مغرب میں اسمعیلی فرقہ کو خوب ترقی دی۔ فرقہ اسمعیلیہ میں عبد اللہ کا درجہ صبح سے بہت زیادہ ہے۔</p>
۷	خلفی	<p>خلف کا مقلد فرقہ خلفی کہلاتا ہے۔ یہ خلف عبد اللہ بن میمون کا نائب تھا۔ اس نے خراسان، قم، کاشان، طبرستان، مازندران میں اشاعت کی۔ اور چونکہ ان بلاد میں شیعہ اثنا عشری آباد تھے لہذا اسمعیلی عقائد کا اپنا جلد اثر ہو گیا خلف کا خلف الرشید احمد تھا اور احمد کا خلیفہ غیاث، یہ بھی بڑا فاضل تھا جس نے سنیہ میں فلسفیانہ اصول پر مذہب اسمعیل میں ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام بیان ہے۔ غیاث نے طالقان، ہرات، غور، میں یہ مذہب پھیلا یا۔ اور غیاث کے</p>

		خلیفہ ابو حاتم نے نیشاپور، کسے، طبرستان، آذربائیجان میں خوب تہ تیگی۔
۸	برقی	۳۵۵ھ میں محمد بن علی برقی نے بمقام اہواز خروج کیا۔ اور خوزستان، بصرہ، یزید قبضہ کر کے ہزاروں آدمیوں کو داخل مذہب کر لیا ۳۵۵ھ میں خلیفہ معتمد باللہ کے حکم سے سولی دی گئی۔ یہ نام نواح بصرہ کے لیے مخصوص ہے۔ اس کا بیٹا علی بن محمد بھی قتل ہوا۔ اس کے عقائد میں مزدک، اور بابک کے اصول بھی شامل تھے۔
۹	جنابی	ابو سعید بن جن بن بہرام جنابی۔ قزطی نے احسا، قطیف، بحرین میں شاعت مذہب کی ۳۵۵ھ میں قتل ہوا۔ اس کے وعظ کی ابتدا ۳۵۵ھ میں ہوئی تھی طاہر ابو سعید کا بیٹا تھا ۳۵۵ھ میں جس نے عین حج کے دن خانہ کعبہ کو تاخت و تاراج کیا۔ چاہ زفرم، اور حرم کعبہ نشوں سے بھر گیا۔ حرم محترم میں جو گستاخیاں کیں اس کے لکھنے سے قلم عاجز ہے۔ یہی طاہر ہے جو حجر اسود کو اپنی جگہ سے علیحدہ کر کے لے گیا تھا اور ۲۲ سال کے بعد ۲۳ ہزار دینار تاوان لیکر خلیفہ مطیع اللہ عباسی کو واپس دیا۔ اور اپنی جگہ دوبارہ نصب ہو۔ جو آج تک قائم ہے۔
۱۰	مندی	امام ابو محمد عبد اللہ مغربی سے منسوب ہے۔ اس فرقہ کو سعیدی بھی کہتے ہیں اس نام کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔
۱۱	ملاحدہ	حسن بن محمد (جس کا عہد حکومت ۳۵۵ تا ۳۵۹ھ) حکمران قلعہ الموت کے زمانہ میں علما اسلام نے فرقہ اسمعیلہ کا نام ملاحدہ رکھا (اس کا مفرد ملحد ہے) کیونکہ اس عہد میں شریعت اسلامیہ کی ظاہری ارکان بھی باقی نہیں رہے تھے۔ نماز، روزہ وغیرہ

		سب کی معافی مل گئی تھی۔
۴۱-۵۱	حسنی	<p>حسن صباح کے عہد میں یہ فرقہ ^{۱۳}حسنی (منسوب حسن صباح) تعلیمی ایسا نام اسی عقیدہ کی بنیاد پر ہے کہ بغیر امام کی تعلیم کے خدا شناسی محال ہے، باطنی (ہر باطن کا ایک نظر ہے) خدائی (خدائیوں کے اعتبار سے) حشاشین (بھنگ مار بھنگ نوش) کے نام سے مشہور تھا۔ منجمدان کے نمبر ۱۶ صرف یورپ میں مشہور تھا۔ باقی نام عراق، عرب و عجم میں مشہور تھے۔ باطنیہ بھی قدیم نام ہے۔ مگر خاص شہرت حسن صباح کے زمانے سے ہوئی ہے چونکہ حسن اور اس کے شاہین نام تزارفاطی کے داعی تھے۔ لہذا یہ فرقہ تزارفا بھی کہلاتا ہے۔ اور حسن صباح کے نام اور قبیلہ کی مناسبت صباغیہ اور حمیریہ بھی کہتی</p>
۲۰	بضیئہ	<p>ملک شام کے بعض مقامات میں یہ فرقہ بضیئہ کہلاتا ہے۔ اور بعض شہروں میں فداوی صباغیہ کہ سفر نامہ ابن بطوطہ سے واضح ہوتا ہے۔ ملک شام میں احمد بن عبداللہ میمونؒ اور محمد بن میمون کے بعد ایک شخص ذکر و یثقب صاحب کمال ابن مہر وید پیدا ہوا۔ ع کے قبل میں اس کا بہت زور ہوا۔ ۲۹۹۹ء میں قتل ہوا۔ بعد ازاں یحییٰ بن ذکر وید اور ابوالقاسم حسین بن یحییٰ کی توجہ سے شام میں خوب ترقی ہوئی۔ ملک شام کے فرقہ نے تمام یورپ میں ہل چل ڈال دی تھی اور سب سے اول قلعہ بانیاں پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس کے بعد فتوحات کا سلسلہ جاری ہو گیا تھا جس کی تفصیل کمال اثیر وغیرہ میں موجود ہے۔</p>
۲۱	قراطلین	<p>تیسری صدی ہجری کے خاتمہ پرمنا میں علی بن فضل یمنی نے مذہب استغیثہ کی بنیاد ڈالی۔ شراب حلال بیٹیوں سے نکاح جائز کر دیا اور یمن میں مسلمانہ کے نام سے فرقہ</p>

مشہور (تفصیل کے لیے تاریخ عمارہ بنی مطبوعہ لندن مع ترجمہ انگریزی دیکھنا چاہیے)

مختصر فہرست شاہیہ اسلام

جو صبح اور اس کے جانشینوں کے عہد میں فرائضوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے

نمبر	سند قتل	نام مقتول	نام قاتل	مختصر کیفیت
۱	۵۴۸۵ھ ۱۰۹۲ء	خواجہ حسن نظام الملک نیکشاہ بھوتی	ابو طاہر حارث	
۲	۵۴۸۹ھ ۱۰۹۵ء	ابو مسلم حاکم رے	خدا داد رازی	
۳	ایضاً	امیر سیاہ پوش	ابراہیم دماوندی	
۴	ایضاً	امیر اثر ملک شاہی	حسن خوارزمی	
۵	ایضاً	امیر کجش	ابراہیم دماوندی	
۶	۵۴۹۰ھ ۱۰۹۶ء	امیر ارغش غلام ملک شاہ	عبدالرحمن خراسانی	بقیہ نام سے قتل کیا۔ اسی طرح امیر یوسف ندیم طغزل بیک کو قتل کیا تھا
۷	ایضاً	حادی علوی گیلانی	ابراہیم بن محمد	
۸	ایضاً	ابولفتح دہستانی وزیر بک یارق	غلام دومی خادم وزیر	
۹	ایضاً	امیر سرزین ملک شاہی	ابراہیم خراسانی	
۱۰	ایضاً	عبدالرحمن السمری وزیر الم سلطان کیکار	+	

لکھنؤ فہرست یا ست نامہ باب ۶ اور دیگر نذہبی تاریخوں سے ماخوذ ہے۔

نمبر شمار	قتل	نام مسئول	نام قاتل	مختصر کیفیت
۱۱	۴۹۰ھ ۶۱۰۹۶	امیر ربیع ندیم طغرل بیگ	*	
۱۲	۴۹۱ھ ۶۱۰۹۷	سکندر صوفی قزوینی	رفیق قستانی	
۱۳	ایضاً	ابوالمظفر مجید فضل اصفہانی	ابوالفتح سنجر	
۱۴	ایضاً	سنقرچہ والی دہستان	محمد دہستانی	
۱۵	۴۹۲ھ ۶۱۰۹۸	ابوالقاسم کرخی	حسن دماوندی	
۱۶	ایضاً	ابولفرح تترگین	+	
۱۷	ایضاً	ابوعبید مستون	رستم دماوندی	
۱۸	ایضاً	آتابک دوحاکم دیاربکر	+	
۱۹	ایضاً	ابوجعفر شاطبی رازی	محمود دماوندی	
۲۰	۴۹۳ھ ۶۱۰۹۹	امیر ملک بک سرور اصفہانی	یقین خاص سلطان محمد کے محل میں کیا	
۲۱	ایضاً	قاضی عبداللہ اصفہانی	ابوالعباس مشہدی	
۲۲	ایضاً	قاضی کرمان	حسن سراج	
۲۳	۴۹۹ھ ۶۱۱۰۵	قاضی ابوالعلا صاعد بن ابو محمد نیشاپوری	+	جامع مسجد اصفہان میں قتل کیا۔
۲۴	۵۰۰ھ ۶۱۱۰۶	وزیر فخر الملک ابوالمظفر بنچہ نظام الملک طوسی	+	یوم عاشورہ کے دن قتل کیا
۲۵	۵۱۶ھ ۶۱۱۲۲	کمال ابوطالب تیسرے وزیر سلطان محمد		مقام ہمدان قتل کیا
۲۶	۵۱۹ھ ۶۱۱۲۵	قاضی ابوسعید محمد بن نصیر بن منصور ہری	+	مقام ہمدان قتل کیا

نمبر شمار	سنہ قتل	نام مستول	نام قاتل	مختصر کیفیت
۲۷	۵۲۰ھ ۶۱۱۲۶	قسیم الدولہ آق سنقر		ناز جمعہ میں قتل کیا۔
۲۸	۵۲۱ھ ۶۱۱۲۷	معین الملک ابو نصر محمد بن فضل وزیر سلطان		اس کے ذریعے عام طور پر باطنیہ کے قتل کا حکم جاری کر دیا تھا۔
۲۹	۵۲۳ھ ۶۱۱۲۹	عبدلطیف بن محمد بن علی الشافعیہ		
۳۰	۵۲۴ھ ۶۱۱۳۰	الامیر ابو جعفر محمد بن علی ابو علی برہمستعلی صاحب		
۳۱	۵۲۶ھ ۶۱۱۳۱	ابام ابو ہاشم فاطمی		زندہ جلاد دیا۔
۳۲	ایضاً	قاضی ابو سعید ہروی	محمد ذریعی عمر دہستانی	
۳۳	۵۲۷ھ ۶۱۱۳۲	حسن گرگانی	ابو منصور ابراہیم خیر آبادی	
۳۴	۵۲۸ھ ۶۱۱۳۳	سید دولت شاہ صلی حاکم اصفہان	ابو عبد اللہ	
۳۵	ایضاً	آق سنقر حکمران مراغہ	ابو عبیدہ محمد دہستانی	
۳۶	ایضاً	جانبش تبریزی	ابو سعید بنی ابو خنیانی	
۳۷	۵۲۹ھ ۶۱۱۳۵	خلیفہ امیر شہد باللہ عباسی		۱۴۔ خدایوں نے ملکہ کا کام تمام کیا
۳۸	ایضاً	حسن ابن القاسم کرخی مفتی شہر فردین	محمد کرخی سلیمان بنی	
۳۹	۵۳۲ھ ۶۱۱۳۷	داؤد بن سلطان سنجر		
۴۰	۵۳۳ھ ۶۱۱۳۸	قاضی قسستانی۔	ابراہیم دہستانی	قاضی صاحب بہشت باطنیہ کے قتل کا فتویٰ لکھا کرتے تھے۔
۴۱	ایضاً	قاضی نقیض السلطنت جارجتہ	ایضاً	
۴۲	۵۳۴ھ ۶۱۱۳۹	قاضی ہمدان	امیر خوارزمی	

نمبر شمار	سنہ قتل	نام مقتول	نام قاتل	مختصر کیفیت
۳۳	۶۵۳۳ھ ۱۱۴۹ء	عین الدولہ خوارزم شاہ		
۳۴	۶۵۳۵ھ ۱۱۴۰ء	امیر ناصر الدولہ بن مہملہ	حسین کرمانی	
۳۵	۶۵۳۷ھ ۱۱۴۲ء	امیر کرشاپ والی کرمان		
۳۶	۶۵۳۸ھ ۱۱۴۳ء	داؤد بن سلطان محمود بن محمد سلجوقی		
۳۷	۶۵۴۵ھ ۱۱۴۵ء	آق سنقر غلام سلطان بنجو		سلطان بنجو کا دوسرا غلام جو ہر گز کسی بالینہ کے پاس مارا گیا تھا۔ جس کے قصص میں امیر عباس حاکم نے غلام جوہر نے ہزاروں باغی قتل کر دیئے اور کئے مرنے کا سارہ بنایا جو پرتوؤں ڈانڈیا تھا۔
۳۸	۶۵۹۶ھ ۱۱۹۹ء	نظام الملک مسعود بن علی وزیر خوارزم شاہ		سلطان صلاح الدین یوپی اپنی خویش نصیبی سے بچ گیا لیکن جنگ صلیبی کے زمانے میں بعض لوگ انہیں قتل کر دیے

یہ فہرست تاریخ کامل اثیر۔ تاریخ آل سلجوق۔ گنج و دانش۔ اور انگریزی تاریخوں سے ماخوذ ہے۔

دولت سلجوقیہ کی ابتدائی تاریخ طغرل بیگ کی فتوحات

سلجوقی سلطنت کا قیام و استحکام خلیفہ قائم بامر اللہ عباسی
سے غزنیہ مراسم الپ سلاں کا عہد حکومت

ترک نامہ ترکستان اور بلاد چین کے مابین جو عظیم الشان درو کوہ جس کی مسافت ہر طرف سے ایک ہینہ کی راہ تھی واقع ہے وہی ترکی اقوام کا قیام گاہ تھا اور سوائے خانی اکبر کے ان کی مردم شماری کسی کو معلوم نہیں تھی۔ ان اقوام کے سبب بے زندگی بھی اسی جگہ میاں تھے۔ کیونکہ انکی عام غذا، جانوریاں صحرائی، اور پرندوں کا گوشت اور بکریوں کا دودھ تھا کبھی کبھی غلہ بھی مل جاتا تھا، سواریوں کے لیے مضبوط گھوڑے موجود تھے جن کے لیے چراگاہوں میں گھاس با فراطی بھیراؤ بکریوں کے بالوں سے لباس اور خیمے بناتے تھے۔ دلیری اور بہادری میں ممتاز تھے۔ اور قدرت نے اپنی فیاضی سے عورتوں کو بھی ان صفات میں متمیز کیا تھا۔ ان سبب نے ترکوں کو ایک خوفناک اور جنگجو قوم بنا دیا تھا۔ اگرچہ پہلی پیشہ جنگ و جدال تھا۔ مگر تفریحاً قافلوں کو بھی لوٹ لیا کرتے تھے۔ غز (غوز، غوزی، یوز) خطا، اور تاتاری ترک بھی اسی گروہ سے ہیں۔ مگر نہیں بھو

لہ غز و تاتاریات دولت سلجوقیہ تاریخ اسلام انٹرنیشنل سیمینار علی خلاف قائم بامر اللہ۔ تاریخ ایران نامہ صاحبان سلجوق

ناتاری سہ ماہیہ میں کے سیریل پر فضا میں ان کے زرخیز صوبے ایشیا۔
کوچک کے افغانستان، ایران، شمالی یورپ کے پہاڑی اور ایران ملک اور ایران کے بعض حصے۔
ناتاریوں کے یہ تھے۔ یلڈی ڈل جس میدان میں جھجھاتا ہوں کے خشک ترک صفائی کر دیا
تھا۔ انھوں نے کے حملہ کا نام منکر جو اس ہو چکے تھے۔ جسکی تاریخ شاہد ہو چکا ہے
بھی اسی نسل۔ یہ یہ صرف سرفہر ہو کر بس وقت میں ایشیا کے انتہائی مشرقی گوشہ میں
نیم جزیرہ مالے تھے۔ اس وقت ترک عوام کے میل جاتی تہذیب کے سانچہ میں مل گئے
تھے۔ بہر حال اس وقت سے اپنی عالمگیر فتوحات کے زمانہ میں ان ترک اقوام کو بلاد اور انھوں سے
کناد یا تھا۔ صرف ترکستان، کاشغر، شانشی اور قزاقستان کے قبضہ میں لگیا تھا۔ جبکہ وہ سالانہ
راجہ اور کرتے تھے۔ لیکن جب لوگ ترکستان کی حالت میں داخل پذیر ہوئی تو یہ بادشاہین اقوام
اور انھوں نے فکر بلاد ترکستان میں آباد ہو گئیں جس کی ابتدا پہنچے سے ہوئی ہے۔ ناتاری اقوام
حسب ضرورت ملاحظہ ہوئے۔ اور اس کتاب کا مطلع اس وقت سے ہو گیا ہے کہ تاریخ
لکھ جاتی ہے (عربی تاریخوں میں جوئی ترکمان کے نام سے مشہور ہیں۔)

دولتِ بھارت کی مختصر تاریخ | دشتِ قبیاق کا نام سردار بگیاں (پہنؤ خاں) ایکٹ و مخا
حکمران تھا۔ اور اُس کی فوج کا سپہ سالار دوقان (حاق) المخاطب "تقریباً" تھا اس لفظ
کے معنی سخت کمان کے ہیں جو دوقان کی بہادری اور غیر معمولی جسارت پر دلالت کرتے ہیں۔

الحسين بن محمد بن الحسين - في روضة الصفا - حالات سبطون - ابو القاسم المصنف - هذا كتابه

منتہ الحس محدی صفحہ ۲۲ نامہ خسرواں طبقہ سلجوقیان صفحہ ۴۸

فنسپہ گری کے علاوہ دفاق عقل و رائے تدریس و سیاست اور امانت و دیانت میں بھی ممتاز تھا۔ اسی وجہ سے بگیکو خاں کو نہایت عزیز تھا۔ چنانچہ اسی زمانہ میں دفاق کے یہاں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام سلجوق رکھا گیا اور یہی مولود سعید سلجوق عظم ہو کر خاندان سلجوقیہ کا بانی قرار پایا۔ چنانچہ یہ دفاق اور بگیکو خاں کے سایہ عاطفت میں سلجوق کی تربیت ہوئی۔ جب سلجوق جوان ہو گیا اُس وقت دفاق کا انتقال ہوا۔ اور بگیکو خاں نے سیاسی (سپہ سالاری) کا درجہ دیکر سلجوق کا مرتبہ بڑھا دیا قومی سرداری، اور فوجی اثر سے سلجوق نے اپنی جماعت کو خاص طور پر ترقی دی۔ اور بگیکو خاں پر بھی حاوی ہو گیا۔ تب اُس نے سلطنت عائد ہو گئے۔ اور کھاتوں کا بازار گرم ہو گیا۔ اور ایک خاص اقد یہ ہوا کہ محل سرے میں ایک دن سلجوق ہمسد شاہی کے قریب جہاں بیگمات۔ اور شاہزادوں کی نشست تھی جا بیٹھا۔ نشست خاتون کو نہایت ناگوار ہوئی۔ اور اپنے شوہر سے کہا کہ ”یہ لڑکا بہت جل نکلا ہو۔ اس عمر میں تو یہ حال ہو گئے چکر خدا جالے کیا ہوگا؟“ بگیکو خان اس اقدہ کا اثر ہوا۔ اور سلجوق کو اوج حشم سے گرانا چاہا۔ جب سلجوق کو اس اقدہ کی خبر ہوئی تو وہ بھی ہوشیار ہو گیا۔ اور سو سوار، پندرہ سوار، نٹ، اور پچاس ہزار بکریاں لیکر تھر قند کو روانہ ہوا اور نوح جند میں پہنچ کر خیمے لگا دیے۔ یہاں اس قبیلہ کے اور گروہ بھی آگئے اور ایک چھوٹی سی حکومت قائم ہو گئی اور تائید غیبی سے سلجوق مع اپنے توابعین کے مسلمان ہو گیا۔ چنانچہ خاندان

سلجوقی کی ابتدا سلجوق کی ہے۔ اور وہ سلجوق کہتے ہیں۔ نام خرمشاہ عبدالجبار قیاں۔ ۵۷۰ھ جند ترکستان کا مشہور اور بڑا شہر ہے۔ صفحہ ۱۴۱ جلد ۲ بحکم البلدان۔ ۵۷۰ھ لغزی کی ولایت ہو کہ سلجوق نے اپنی عالی ہمتی، فیاضی، دہشتندی سے اکابر قوم کو اپنا ہمدرد بنالیا تھا۔ اس جیسے خاتون نے اپنے شوہر کو مشورہ دیا تھا کہ وہ سلجوق کو قتل کرے۔ چنانچہ بگیکو خاں نے اقرار کیا تھا کہ میں مغرب سے اس کا انتظام کروں گا جس کو تم دیکھ لو گی۔ چنانچہ سلجوق کو جب یہ اشارہ معلوم ہوا تو وہ مع اپنے قبائل کے جند کو چلا گیا۔ لغزی

سلجوقیہ میں یہ پہلا مسلمان سردار تھا۔ جو مذہب اسلام کا ایک نہ بردست مجدد اور حامی بن گیا۔ جس علاقہ میں سلجوق مقیم تھا۔ یہ علاقہ پیغ، شاہ ترکستان کے قبضہ میں تھا۔ اور وہ اہالیان جند سے خراج لیا کرتا تھا۔ لیکن سلجوق نے اگلے خراج سے انکار کیا۔ اور بذریعہ تلوار پیغ سے یہ علاقہ چھین لیا۔ اس فتح سے اطراف جوانب میں سلجوق کا اقتدار بڑھ گیا اور چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کا وہ مددگار بن گیا۔ جب سلجوق کی طاقت بڑھ گئی تو اس نے اپنا صدر مقام "نور بخارا" قرار دیا۔ اور اس جگہ کو مستحکم کر کے ملک گیری کی طرف متوجہ ہوا۔ سلجوق کے چار بیٹے۔ اسرائیل، میکائیل، یونس، موسیٰ اور اسلاں طعرب بن پھو کلاں تھے۔ چنانچہ میکائیل، ایک لڑائی میں مارا گیا۔ اور خود سلجوق بھی (۷۰۰ برس کی عمر میں) ایک تازی کے ہات سے قتل ہوا۔ اور بقیہ جند دفن ہوا۔ سلجوق اور میکائیل کے بعد طغرل بیگ محمد اور چغری بیگ اور (پسران میکائیل) قوم کے سردار بن گئے۔ اور دونوں کے مشورے سے حکومت شروع ہوئی جس نے مانہ میں طغرل بیگ کی فتوحات کی ابتدا ہوئی ہو۔ اس وقت دنیا کے اسلام کی یہ حالت تھی کہ خلافت بغداد کا صرف نام ہی نام رہ گیا تھا۔ اور وہ وسیع و عظیم نشان سلطنت جو کبھی بغداد کے ایک خلیفہ کے زیر نگین تھی اس وقت

۱۔ ہٹا کر خاندان صاحب موت اسلام میں لکھتے ہیں کہ اہل خانی خاندان کی لڑائیوں میں جو ترکی سردار شریک ہوئے ہیں ایک شخص سلجوق بھی تھا جو ۱۰۷۵ء میں کرغز کے پہاڑی میدانوں سے ترک اپنی قوم کو بخارا کے ضلع میں لایا۔ اور وہاں اس نے اور اس کی قوم نے نہایت عیش سے اسلام قبول کیا۔ اور اپنی دولت سلجوقیہ کی ابتدا ہوئی جس کی فتوحات نے مسلمانوں کی فتنی ہوئی نشان شوکت کو پھر سنبھال لیا۔ اور مغربی ایشیا کی اسلامی سلطنتوں کو ایک سلطنت میں شامل کر دیا۔ دعوت اسلام صفحہ ۳۸-۳۹ مطبوعہ اگرہ۔ ۲۔ تاریخ آل سلجوق صفحہ ۱۰۷۵ نور بخارا۔ بخارا سے تیس میل کے فاصلہ پر شام عام پر ایک ٹھکانہ گاؤں جو اور کوہستان ہے۔ جہاں ترکاں نے کن کے مزار میں موسم سرما میں نور بخارا، اور موسم گرما میں صفد و سمرقند بقیہ مقام رہتا تھا صفحہ ۳۲ جلد ۱۔ مجمع ۱۰۷۵ کال اشیر جلد صفحہ ۱۶۳۔ بعض تاریخوں میں نیال کا نام بھی لکھا ہے۔

مختلف خاندانوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ خلفائے فاطمین مصر کے سوا کسی کو شاہنشاہی کا خطاب نہ دیا
 نہ تھا۔ اسپین، افریقہ (جس میں مصر کا زرخیز صوبہ شامل تھا) خلافت عباسیہ کے اثر سے آزاد ہو گیا
 تھا۔ شام کا شمالی حصہ اور الجزائر، کسرتش، عبلوں کے قبضہ میں تھا۔ چین میں سے بھی شاہی خاندانوں
 کے بانی ہوئے۔ دولت ایران کی بدینہ میں تقسیم ہو چکی تھی۔ اب بغداد کا امیر المومنین بھی انہی کے
 ہاتھوں میں تھا جس کی مذہبی عظمت کو آل ہمدانیہ نے خیالاً تو چھین لیا تھا۔ لیکن ضعیف نہ تھا۔ ہمدانیہ
 آشوب مانی میں اسلام کی مذہبی اور سیاسی مکروری کو فروغ دے کر اپنے ملک کے لیے بہت کچھ
 کی ضرورت تھی۔ چنانچہ خدائے سلجوقیوں کے وجود سے اس ضرورت کو پرکھ کر دیکھا۔ شریعت پر
 ایک مشہور مورخ کا قول ہے کہ "اسلام قبول کر کے ہی ان کو ممتاز شاہان اور شاہنشاہوں میں شمار کیا
 گیا جو شہری زندگی سے بالکل بیخبر تھے" کیا پلٹ ہو گئی یہ سلجوقی بادشاہوں کی روئے سلطنت
 میں روح پھونکنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور فی الواقع اس کے سلسلوں میں کیا تبصرہ
 سلا جتہ برق و باد کی طرح ایران، الجزائر، شام، ایشیائے کوچک، آرمینیا، گرجیا، ونگاریا، ہنگری
 اُس کو برباد کر دیا۔ ان فتوحات کے سیلاب کا نتیجہ ہوا کہ افغانستان کی مغربی سرحد سے بحر
 روم تک کل ملک ایک فرمانروا کی حکومت میں آ گیا۔ روز کی خانہ جنگیاں بند ہو گئیں۔ اور سلطنت
 کے منتشر عنصر ایک قالب میں جمع ہو گئے۔ رومیوں کی پیش قدمی کا اثر ہو گیا تھا۔ ترکی میں
 مذہبی جوش پیدا ہو گیا۔ یہی سبب ہے کہ دولت سلجوقیہ کو تاریخ اسلام میں متم با نشان درج کیا ہے۔

طغرل بیگ کی فتوحات ابتدا میں طغرل بیگ نے غلی تکیں خاں (ایک خاں) حاکم ماوراءالنہر اور
 قدر خاں حاکم ترکستان سے ربطا خط بڑھایا لیکن یہ دوستی خود غرضی پر مبنی تھی لہذا جنگ کی نوبت
 آئی اور طغرل بیگ کے مقابلے میں دہری بیگ خراسان اور طوس ہوتا ہوا۔ ارمینیہ کی طرف
 چلا گیا۔ اور سلطنت دوم میں تہاسبی انہوں میں مصروف ہوا۔ والی طوس سے پہلے غلی ہوئی
 کہ وہ نے دہری بیگ کو طوس سے گزرنے دیا جب یہ خبریں سلطان محمود تک پہنچی تو حسین
 اس نے ایک قاصد طغرل بیگ کے پاس روانہ کیا۔ اور ملاقات کے لیے ایک سردار کو طلب
 کیا۔ طغرل بیگ نے اپنے چچا اسرائیل کو تیرہ ہزار کیا جب اسرائیل بارسلطانی میں پیش ہوا
 تو نہایت عیاں کیا گیا۔ اٹھائے مقام میں سلطان نے پوچھا کہ ”اگر تجھے فوجی ہو کی ضرورت
 ہو تو تم اپنے تیلے بہر قیصر راہ کے ہو“ اسرائیل نے ترکش سے ایک تیر خاں کو سلطان کو
 دیا۔ اور عرض کیا کہ اگر تیر خاں نے یہ بھیج دے تو ایک لاکھ سوار حاضر ہوں گے۔ اسی طرح
 دربارہ اور بارہ سوار بھیجے ہر جہاں اسرائیل ایک ایک لاکھ سوار بڑھاتا گیا۔ اور جب اسپر بھی
 محمود نے وہی سوال کیا تو اسرائیل نے نکمان سائے رکھ دی اور عرض کیا کہ ”اسکے ذریعہ
 سے دو لاکھ بہادر صحرائی ہجرگوں سے جمع ہر جائیں گے“ سلطان محمود سلجوقیوں کی کثرت سے
 رعب و ہراس کیا اور اسرائیل کو قلعہ کالجھر (ہندوستان) میں قید کر دیا۔ جہاں وہ سات برس قید
 رہا۔ اسی طرح جب سلطان محمود ہندوستان کے بہادر میں مصروف تھا تو سلجوقیوں کی ایک بڑی

۱۵ تفصیل کے لیے روضہ محمدیہ علی التیر۔ اور صولاقا لیم خروج سلجوقیان دیکھنا چاہیے۔

۱۶ تاریخ الاسلام برائے ابن سید مرتضیٰ۔ حالات سلطان محمود غزنوی۔

جماعت کرغیز کو عبور کر کے ماوراءالنہر میں آباد ہو گئی۔ اور سلطان نے یہ بڑی غلطی کی کہ معمولی شرائط پر خراج لے کر ان کو آباد نہ ہونے دیا۔ اور ان کی خواہش کے مطابق جیچون سے عبور کرنے کی اجازت بھی دیدی اور وہ اطراف خراسان میں آباد ہو گئے۔ اور ابوسہل احمد بن حسن حمدونی، حاکم خراسان نے چراگاہ "وندانقان" کا زرخیز میدان ان کو دیدیا۔ ارسلان جاذب (والی مگوس) نے اس حکم سے اختلاف کیا اور عرض کیا کہ "ایسے خطرناک مسلح گروہ کو جو تعداد میں کثیر ہیں خراسان میں داخلہ کی اجازت دینا خلاف مصلحت ہے۔ اور دوسرا مشورہ یہ دیا تھا کہ "آل سلجوق اور اس کی عتبات جیچون میں غرق کر دی جائے۔ یا ان کے انگوٹھے کٹوا دیئے جائیں تاکہ وہ تلوار زنی اور نیزہ بازی نہ کر سکیں" لیکن سلطان محمود نے اسکو نظامانہ اور وحشیانہ فعل قرار دیا اور اس پر عمل نہیں کیا۔ اور سلجوقی گروہ جیچون سے گزر کر شہر نسا، ابورد، اور طوس میں پھیل گیا۔ ۴۴۱ھ میں سلطان محمود کا انتقال ہو گیا۔ اور سلطان مسعود تخت نشین ہوا۔ سلطان محمود کی حیات تک تو سلجوقیوں کا زور کم رہا۔ لیکن دوسرے سو دی میں طغرل بیگ اور چغری بیگ نے تمام ملک میں بغاوت کر دی اور دونوں طرف سے مقابلے ہوتے رہے اور بالآخر نیشاپور اور خراسان کی فتح پر ان لڑائیوں کا خاتمہ ہو گیا

۴۵۱ھ ارسلان جاذب سلطان محمود کے زمانہ میں طوس اور نیشاپور کا حاکم تھا۔ اور بارہار محمود غزنوی میں اعلیٰ درجہ کے امرا میں شامل تھا اور سلطان کا رشتہ دار بھی ہوتا تھا۔ نیشاپور کی سڑک پر جہاں سے طوس اور ہرات وغیرہ کو سڑک گھومی ہو ایک رابطہ سنگی تعمیر کی کہ جس کی نظیر نہیں ہے۔ ارسلان کی قبر بھی اسی رابطہ میں ہے اور قبر کے چاروں طرف حسبِ قیاس کتبہ "کل ملات سیغوت کل ناس سیغوت لیس للانسان حیاتہ سمرہ الاملاک النحی الذی لا یموت" دولشا جغور، ۴۵۱ھ ابن خلکان حالات طغرل بیگ ۴۵۱ھ سلطان مسعود طغرل بیگ کی لڑائیوں کے حالات تفصیل سے تاریخ بہیقی میں لکھنا چاہیے ۴۵۱ھ میں نیشاپور اور ۴۵۲ھ میں خراسان فتح ہوا اسکے بعد ہرات اور مرو قبضہ ہوئے۔ "الوافی صفحہ ۶۰"

اس جنگ میں طرفین کا عظیم الشان نقصان ہوا۔ اور ایسا رن پڑا کہ جس کی نظیر جو تہی صدی میں نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہو کہ سلطنت غزنویہ کے کھنڈرات پہلجوتی ایوان حکومت کی بنا ڈالی گئی اور آتش جنگ جو ایک مدت سے شعلہ زن تھی بجھ گئی۔ اطراف و جوانب میں مال مقرر کر کے طغرل بیگ نے ملک کا از سر نو انتظام کیا۔ تمام ملک میں طغرل بیگ کا خطبہ پڑھا گیا۔ اور افراسیاب کی چوتیسویں پشت میں پھر سلطنت قائم ہوئی۔ طغرل بیگ نے اپنا دار السلطنت سے قرار دیا اور چغری بیگ نے مرو کو دار الحکومت بنایا۔ لیکن محض انتظامات تھا۔ کیونکہ بڑے بجائی کے مقابلہ میں چغری بیگ حکمراں بننا نہیں چاہتا تھا۔ اس عظیم الشان فتح کے بعد طغرل بیگ اور چغری بیگ نے امیر المومنین القائم بامر اللہ عباسی کو اس مضمون کی درخواست دی کہ ”خاندان سلجوق ہمیشہ سے مطیع و مطہر خواہ خاندان سالت ہو اور ہمیشہ جہاد میں مصروف رہا ہو۔ ہمارے چچا اسرائیل کو سلطان محمد نے بلا جرم و قصور گرفتار کر کے قلعہ کالجہ میں قید کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے بہت سے عزیز قلعہ غزنین میں قید ہیں۔ سلطان محمد کے انتقال پر سلطان مسعود نے مصباح سلطنت پر توجہ نہ کی اور عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا۔ ملک میں بد امنی پھیل گئی۔ تب شاہیر خراسان نے استدعا کی کہ ہم انکی حمایت کریں اس لیے ہم سے اور مسعود سے جنگ ہوئی۔ لیکن باقبال امیر المومنین ہماری فتح ہوئی جس کے شکریہ میں ہم نے عدل و انصاف کو پھیلادیا ہے۔ اور ظلم و ستم کو چھوڑ دیا ہے۔ اب یہ رزو ہو کہ ہماری حکومت امیر المومنین کے زیر فرمان ہو اور حکومت کا طرائق امن و سلام کے مطابق ہو۔ ابو اسحاق خاں سفیر نے جب یہ درخواست امیر المومنین کے حضور میں پیش کی تو وہ بہت خوش ہوا۔ اور طغرل بیگ کو

لے صلا اللہ علیہ وسلم جو یہ و تابع آل سلجوق امینا فی عہد طغرل بیگ۔ علی بن علی ثلاث طغرل بیگ خلافت قائم بامر اللہ۔

شہر کربعد کو روانہ ہوا چنانچہ اس سال عید کی نماز سلطان نے بغداد میں پڑھی اور شہر میں جلوس سے سواری نکلی۔ اور خلافت نواب کی دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔ ۱۱۴۱ھ میں شیراز میں ان کی ایک خطبہ پڑھا گیا۔ اسی طرح اطراف و جوانب کے سرداروں نے بھی اطاعت قبول کر لی اور بلالاسو والی خنزیر، اور قریش بن بدران، والی موصل نے تمام علاقہ میں سلطان کا خطبہ پڑھوایا۔ بعد ازاں سلطان نے آرمینیا ہو کر ملازکرد کا محاصرہ کیا، یہاں کے حاکم نے اطاعت نہیں کی تھی لہذا قرب جوار کے شہروں کو تباہ کر دیا اور جہاد کرتا ہوا شہر اردن (ردوم) تک چلا گیا۔ (سلطان کی جولانچہ جاریہ اور آئیر پاتک تھی۔ اور ۱۱۴۲ھ میں ابراہیم بن بنال سلجوقی ممالک و مہم پر حملہ کرتا ہوا قسطنطنیہ کے قریب پہنچ گیا تھا) غرض کہ ان لڑائیوں میں سلطان کو بہت مال غنیمت ہات آیا۔ لیکن شدت سرما سے مجبور ہو کر اسے اپنی ایک کچھ عرصہ تک قیام کر کے ہمدان کی طرف مراجعت کی۔ اس مرتبہ سلطان کا یہ ارادہ تھا کہ حج خانہ کعبہ سے مشرف ہو۔ اور ملک شام سے خلفاء فاطمیہ کو بیدخل کر دے، لہذا حلوآن کو روانہ ہوا لیکن اس نے مانے میں خلیفہ القائم بامر اللہ امراء دیالک کے مظالم سے بہت پشیمان تھا۔ لہذا تاریخ ۲۰ رمضان المبارک ۱۱۴۲ھ (مطابق دسمبر ۱۱۷۷ء) سلطان اخل بغداد ہوا۔ وزیر عمید الملک کندری بھی ہمراہ تھا۔ خلیفہ کی طرف سے رئیس الروسا (وزیر عظمیٰ) اہل مناصب قاضی القضاۃ اور ذی تہ

۱۔ خنزیر۔ صوبہ اردان کا بڑا شہر جو جوشہ اردان اور آذربائیجان کے مابین واقع ہے اس شہر میں نامور علماء گذشتہ تھے صفحہ ۱۷۱ جلد ۳۔ معجم البلدان۔ ۲۔ اس زمانہ میں بغداد پر شاہان دیلم کی حکومت تھی و خلیفہ انھیں کے زیر اثر تھاجن کی طاقت کو سلجوقیوں نے توڑا اور خود ان کے قائم مقام ہو گئے۔

امرا نے استقبال کیا۔ دونوں وزیر بڑے تپاک سے ملے سلطان کے نیچے لب و جلد نصیب کیے گئے اور فوج کی کثرت سے بغداد کی گلیاں بھر گئیں جامع بغداد میں طغرل بیگ کا خطبہ پڑھا گیا۔ بروز پنجشنبہ ماہ محرم ۴۳۴ھ (مطابق ۲۱ مارچ ۱۰۵۶ء) امیر المومنین قائم بامر اللہ نے دربار عام کیا۔ عمید الملک مع ارکان دولت خلیفہ کے حضور میں پیش کیے گئے اور اسی دربار میں خدیجہ الخطابہ بامر اللہ خاتون، دختر خجری بیگ کا خلیفہ سے نکاح ہوا۔ وزیر عظم نے خطبہ پڑھا۔ اور شرائط ایجاب و قبول کے پورے ہوئے۔ اس شہ سے عمید الملک کی یہ غرض تھی کہ طغرل بیگ کی عزت افزائی ہو۔ اور دربار خلافت سے سلطان کے عزیزانہ تعلقات قائم ہو جائیں۔ اس زمانہ میں قلمش بن اسرائیل صوبہ موصل اور دیار بکر کا حکمران تھا۔ اسپر ارسلان بابسیری قریش بن بدان العسلی، اور نولہ ولہ و میں علی مرزید اسدی نے متفق ہو کر حملہ کر دیا۔ اور بمقام سنجار لڑائی ہوئی قلمش

بابسیری ارسلان نام ابو احرث کینت یا یک، اگر کا غلام تھا۔ یہ سوداگر شہر بار کا رہنے والا تھا جو عربی میں قبا کہتے ہیں۔ بابسیری خلافت قیاس نسبت سے سکواہل فارس نے جائز رکھا ہے چنانچہ نو اگر مذکور سے ہوا والدولہ بن عضد الدولہ و ملکی نے خرید کیا۔ اور غلاموں میں شامل کر کے اعلیٰ درجہ کی تعلیم و تربیت کی چنانچہ ارسلان سیت اور آداب کمرشی میں فیض شربت جلال الدولہ اور اسکے بیٹے ملک جم کے زمانہ میں بہت صاحب اثر ہو گیا تھا۔ اور خلیفہ قائم بامر اللہ کو قید کر کے بغداد سے قلعہ خان میں (نہزات کے کناسے) بھیج دیا۔ اور وزیر علی بن جین بن محمد میں لڑو سا کو قتل کر دیا اور بغداد کو لوٹ لیا۔ (اس کے قتل کا یہ سبب کہ وہ نہایت و جاعت میں اسخ العقیدہ تھا۔ اور وزیر عمید الملک کندی کا بڑا مخالف تھا چنانچہ علی نے کمرش کے شیعوں پر حملہ کر دیا اور ان کے بزرگوں کا کھانہ چھینا اور کچا انکے سیاہ علم نصب کر دیئے اور ان میں کلمہ حق علی خیر العلل کے مقابلہ میں "الصلوۃ خیر من النجوم" کا اضافہ کر دیا۔ اصحاب ثلثہ کی طرح باؤ از بلند قصہ نووں کی طرح علی کو چوس میں ٹپسنے لگے۔ اور شہر علوی کا خطبہ پڑھوایا۔ بغداد کے ناحیہ باب النج میں ار بابسیری ایک مشہور محلہ ہے۔ بغداد میں ایک سال چار مہینہ تک اس کا شور و سر قائم رہا جس کا نام تاریخ میں "فتنہ بابسیری" ہو رہا تھا۔ یہ فتنہ سے متعلق ہیں۔ از ابن خلکان و مرآۃ البیان و ناصری۔

شکست کھا کر فرار ہو گیا۔ جب طغرل بیگ کو اطلاع ہوئی تو وہ قتلش کی امداد کو بغداد سے روانہ ہو کر
 موصل پہنچا۔ بسا سیری تو فرار ہو گیا اور نورالدولہ اور قریش نے سلطان کی اطاعت قبول کی
 اسی جگہ سلطان کا نتیجہ یافتہ بن جفری بیگ بھی مع فوج اکڑ گیا۔ جس کی وجہ سے سلطان
 کی شان شوکت اور بڑھ گئی۔ ملک پر پورا سکھ بیٹھ گیا۔ چونکہ اہل سنجار نے قتلش کو پریشان کیا
 تھا۔ اور بسا سیری سے سا ذکر گئے تھے۔ لہذا اس تصور میں سلطان نے واپسی کے وقت سنجار
 پر حملہ کیا اور عام لوٹ ہوئی۔ رؤسا، سنجار کے سر جھنڈوں پر آویزاں کیے گئے۔ لیکن قتلش
 کی سفارش پر امن و امان کا اعلان کر دیا گیا جب سلطان داخل بغداد ہوا۔ تو خلیفہ نے ملاقات
 کے واسطے پچیسویں ذیقعدہ یوم شنبہ مقرر کیا۔ دونوں طرف سے دیس پائید پر ملاقات کا سامان
 کیا گیا۔ سلطان مع ارکان دولت باب الرقد تک کشتی میں آیا۔ پھر گھوڑے پر سوار ہو چکا امیر المومنین
 نے بھیجا تھا (یہ گھوڑا خاص امیر المومنین کی سواری کا تھا) اور دہلیز صحن السلام اور صحن الاسلام
 (ایوان خلافت) پر پہنچ کر پادہ ہو گیا۔ ارکان دولت بغیر اسلحہ سلطان کے جلو میں تھے جب یہ
 شاندار جلو سس ایوان خلافت تک پہنچا تو ارکان خلافت استقبال کر کے محل کے اندر لے گئے
 متعدد درجے ملے کرنے پر نظر آیا کہ امیر المومنین حجاب کے پردوں میں دلپوش ہیں جس جگہ
 تخت بچھا ہوا تھا اس کی تعریف نہیں ہو سکتی تھی۔ درو دیوار سے عظمت و جلال نمایاں تھا جب
 سلطان مقرر اشرف کے قریب پہنچا تو پردہ اٹھا دیا گیا اور برائے لعین امیر المومنین کی زیارت
 نصیب ہوئی۔ خلافت مآب ایک تخت پر جلوہ افروز تھے (یہ تخت زمین سے سات گز بلند تھا)
 لے تاریخ آل سجون امصافی اور کمال اثر سے یہ اقد کھا گیا ہے۔

کندہ ہے پر چادر پڑی ہوئی تھی اور عصا ہات میں تھا۔ ریہ و نوں چہرے رسات مآب کی تھیں) سلطان طغرل بیگ خلیفہ کے حضور میں پہنچ کر منوہب کھڑا کیا گیا۔ سلام اور زمیں بوسی کی رسم کے بعد سلطان کو کرسی پر بیٹھنے کی اجازت ہوئی (جو تخت خلافت کے سامنے بھیجی ہوئی تھی) محمود بن منصور کاندری ترجمان ہوا کیونکہ سلطان کی زبان فارسی تھی (معمولی بات چیت کے بعد کس لڑو سا نے خلافت مآب کی طرف سے گھرے ہو کر بیان کیا کہ "امیر المومنین خلیفہ المسلمین" تمہاری کوششوں کے سیدہ مشکور ہیں۔ اور تمہاری جان نثاری کے مداح ہیں۔ امیر المومنین کو تمہاری حاضری سے بہت مسرت ہوئی اور امیر المومنین تکوکل بلا دلی حکومت عطا فرماتے ہیں جس کا حکم اللہ جل شانہ نے انکو بنایا ہے۔ اور مخلوق کے مراعات اور ان کے معاملات میں سپرد کرتے ہیں۔ لازم ہے کہ حکومت حاصل ہونے پر اللہ سے فرمے رہو۔ اور امیر المومنین کو احسان و انعامات کو فراموش نہ کرو۔ عدل و انصاف کے پھیلاتے۔ ظلم اور جور کے روکنے اور رعیت کی اصلاح میں بجان و دل ساعی رہو" تقریر ختم ہونے کے بعد سلطان کو ایک دوسرے دربار میں لے گئے۔ اور وہاں رسات پارچہ کا سیاہ خلعت مرحمت ہوا۔ سر پر تاج رکھا گیا۔ گیسٹوں اور مات میں گنگن پھنپایا گیا۔ پھر تاج کے اوپر شکر میں ڈوبا ہوا ایک زمار عامہ باندھا گیا۔ گلے میں مصع تلوار محال کی گئی۔ جب عربی اور عجمی طریقہ پر سلطان خلعت پہن چکا تو پھر خلیفہ کے روبرو کرسی پر لا کر بٹھا دیا۔ سلطان نے اس عزت افزائی کے شکر میں دوبارہ زمیں بوس ہونا چاہا مگر چونکہ تاج خسروی کے گر پڑنے کا احتمال تھا۔ لہذا اس رسم سے معافی دی گئی۔ خلیفہ نے مصافحہ کے لیے ہات بڑھایا۔ سلطان نے بعد مصافحہ ہات چوما اور آنکھوں سے لگا دیا۔ دست بوسی کے بعد

خلیفہ نے اپنے مبارک ہاتھ سے ایک تلوار سلطان کو مرحمت کی جو دوسری طرف گئے میں حامل کی گئی۔ خلیفہ نے سلطان کو دو تلواریں اور تاج و عمامہ بخشا۔ اسکا یہ مطلب تھا کہ سلطان طغرل اب مشرق اور مغرب کا مالک ہوا۔ اور اسکو عرب و عجم کی حکومت دی گئی۔ محمد بن منصور نے عہد نامہ پڑھ کر سُنایا جس کو سلطان نے تسلیم کیا۔ اور خلیفہ نے اُس پر کار بند ہونے کی ہدایت کی، ان رسوم کے بعد ملاقات ختم ہو گئی۔ اور سلطان واپس گیا۔ ^{۳۴۳ھ} ۳۴۳ھ میں سلطان طغرل بیگ کو اپنے بھائی ابراہیم نیال سے بمقام ہمدان واسے نیارے کی لڑائی کرنا پڑی۔ اور جب گرفتار ہو کر سامنے آیا تو سلطان نے قتل کا حکم دیدیا۔ اور اُس کے شور و شر سے ہمیشہ کے لیے موت مل گئی۔ موقع پا کر ارسلان باسیری نے بغداد پر حملہ کر دیا۔ اور خلیفہ کو معزول کر کے مستنصر علوی مصری کا خطبہ جامع رصاصہ اور جامع منصور میں پڑھوایا۔ اور علاء بغداد کے کوفہ، واسط وغیرہ میں بھی یہی کارروائی کی گئی۔ اذان میں کلمہ ”حی علی خیر العمل“ کا اضافہ ہوا۔ خلیفہ کو بغداد نکال کر قلعہ حدیثہ خاں متصل عانہ کنارہ نہر فرات میں بھجودیا۔ بغداد و قصر خلافت لوٹ لیا۔ مستنصر علوی کو مبارکباد کا خط روانہ کیا۔ خلیفہ قائم بامر اللہ پر جب یصیتیں ٹوٹ پڑیں تو اسے نہایت درو انگیز خط لکھ کر طغرل بیگ کو طلب کیا۔ اسوقت اگرچہ سلطان خود اپنے جھگڑوں میں مبتلا تھا۔ لیکن خلیفہ کی اعانت کو فوراً بغداد پہنچا۔ سلطان کی آمد سنکر باسیری مع اہل و عیال فرار ہو گیا۔ اور چوبیسویں ذیقعدہ ^{۳۴۳ھ} ۳۴۳ھ میں خلیفہ بھی بغداد پہنچ گیا۔ بمقام نہروان خود

۱۔ صاحب محارستان لکھتا ہے کہ جب خلیفہ کا خط سلطان کے پاس پہنچا۔ تو سلطان نے اپنے کاتب صفی الدین ابو العلاء کو حکم دیا کہ اس کے جواب میں صرف یہ لکھ دو کہ ”آپ مطمئن رہیں میں غفریب مع فوج کے آتا ہوں“ چنانچہ

سلطان نے استقبال کیا۔ اور دست بوس ہو کر سلامتی کی مبارک باد دی اور معذرت کی کہ میں براہیم سے برسرِ پیکار تھا۔ اسوجہ سے حاضری میں وقفہ ہوا۔ خلیفہ نے دعا دی اور ایک تلوار طفل کے گلے میں حائل کر کے کہا کہ ”میرے پاس اسوقت بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے“ خلیفہ کی واپسی کے بعد سلطان نے غازیگین کی سپہ سالاری میں اول کوفہ کو فوج روانہ کی اور بعد میں خود بھی روانہ ہو گیا۔ یہاں باسیری غازیگری میں مصروف تھا۔ شاہی فوج سے مقابلہ ہوا۔ باسیری کو میدان جنگ میں تیرگاہ جس سے زخمی ہو کر گھوڑے سے گرا گئیں نامی ایک سوار سرکٹ کر وزیرِ عید الملک کندی کے روبرو پیش کیا۔ اور وزیر نے یہ تحفہ سلطان کے نذر کیا چنانچہ سلطان نے نامُ فتح کے ہمراہ سر بھی بغداد روانہ کر دیا۔ وہاں خلیفہ کے حکم سے باب النبی پر آدیزاں کر دیا گیا۔ اس نظام سے فارغ ہو کر سلطان واسط کو چلا گیا۔ اور مہینہ صفر ۳۵۵ھ میں بغداد واپس آیا۔ خلیفہ نے محل ”روشن التاج“ میں دعوت کی۔ جس میں علاوہ سلطان کے تمام اُمراء دولت سلجوقیہ بھی مدعو تھے۔ بعد ازاں ربیع الآخر میں دوسری دعوت ہوئی یہ نہایت پر تکلف تھی۔ سلطان نے جب خلیفہ کو احسانات سے گرا بنا کر لیا تو ۳۵۵ھ میں ابوسعید قاضی نے کی معرفت خلیفہ کے حضور میں یہ درخواست کی کہ اپنی بیٹی سیدہ کا مجھ سے

و بقیہ نوٹ صوفی اہل صفی الدین نے صرف یہ آیت لکھ بھیجی۔ ارجم الیہم فلناتینہم بجزو لا قبل لہم بہا و لفتحہم منها اذلة و ہم صاعزون۔ (ترجمہ) سورہ غل۔ (۱) سرگردہ ایمان جنہوں نے تم کو بھیجا ہے، اُن ہی کے پاس پھر لوٹ جا اور اب ہم ایسے لشکر لے کر ان پر چڑھائی کریں گے جتنا اُن سے مقابلہ نہ ہو سکا۔ اور ہم انکو دہان سے ذلیل و خوار کر کے نکال باہر کریں تو سہی۔ اس جواب کو سن کر سلطان بہت خوش ہوا اور فرمایا کہ انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا جیسا کہ آیہ کریمہ کا مطلب ہے۔ انتخاب آثار الوزراء۔ سیف الدین۔

عقد کر دیں۔ اس کے جواب میں خلیفہ نے ابو محمد بن تمیمی کو مقرر کیا کہ وہ سلطان کو اس اردہ باز رکھے۔ کیونکہ خاندان رسالت میں ایسی شادیاں نہیں ہوتی ہیں۔ اور یہ بھی سمجھا دیا کہ اگر سلطان اپنی ضد پر قائم ہے تو تین لاکھ دین مہر اور اعمال واسطہ طلب کرنا چاہئے تمیمی نے اول وزیر عمید الملک سے ملاقات کی، بڑی بحث و مباحثہ کے بعد عمید الملک نے کہا کہ خلیفہ کو اس تقریب سے ہرگز انکار کرنا زیبا نہیں ہے۔ کیونکہ سلطان کی درخواست عاجزانہ ہے۔ باقی رہا دین مہر اور واسطہ کا معاملہ۔ یہ ادنیٰ درجہ کی بات ہے۔ سلطان، خلیفہ کی امید سے بہت زیادہ خدمت گزاری کر گیا۔ لہذا مہر کے سائلہ میں خاموشی بہتر ہو، عمید الملک کی تقریر سنکر تمیمی نے اس تصفیہ کو عمید الملک کی رے پر چھوڑ دیا۔ اور عمید الملک نے سلطان سے جا کر عرض کیا کہ ”درخواست شادی منظور ہو گئی ہے۔ یہ مژدہ سنکر سلطان نے عمید الملک، فرامرز بن کاکیہ، سرخاب بن کامرو۔ اور دیگر سرداران دہلیم کو مع ارسال خاتون جانب بغداد روانہ کیا۔ دس لاکھ دینار، مینہار جواہرات، اور لونڈی غلام ہدیہ روانہ کیے جب یہ سفارت نہروان کے قریب پہنچی تو۔ مجد الوزرا ابوالفتح منصور بن احمد وزیر خلیفہ نے استقبال کیا۔ اور عمید الملک کو باب النوبہ میں ٹھہرایا۔ اور ارسال خاتون، ایوان خلافت میں اتریں خلیفہ سے عمید الملک نے واقعہ بیان کیا۔ خلیفہ سلطان کی درخواست سنکر براہِ رختہ ہو گیا۔ چہرہ پر سپینہ اگیا اور عمید الملک کو تفریک کرنے سے روک دیا۔ لیکن عمید الملک نے بہت کچھ سمجھایا اور عرض کیا کہ

لے خلیفہ نے بگڑ کر عمید الملک سے یہ کہا تھا کہ ”نحن بنو العباس خیر الناس فینا الاحامۃ والزعامۃ الخوارج
القیامۃ من تمسک بنا رشد وھدی۔ ومن ناوا ناضل وغوی۔ ازال سلجوق اصغمانی صفحہ ۱۹۔

ناکامی کی صورت میں مجھے اپنی جان کا خطرہ ہو۔ جب خلیفہ نے کچھ نہ سنا اور اپنی ضد پر قائم رہا۔ تب عمید الملک تھا جو کہ نہروان کو چلا گیا اور سیاہ لباس اُتار ڈالا۔ خلیفہ کی طرف سے ابو منصور بن یوسف اور قاضی القضاۃ مصاحبت کے لیے بھیجے گئے اور عمید الملک کو واپس لائے۔ دوبارہ گفتگو ہونے پر خلیفہ نے مجبوراً عمید الملک کی رے پر اس مسئلہ کو چھوڑ دیا لیکن اس کے قبل جو کارروائی ہوئی تھی وہ عمید الملک نے سلطان کو لکھ بھیجی تھی اُس کے جواب میں سلطان نے قاضی القضاۃ اور شیخ ابو منصور کو لکھا کہ ”جناب من! خلیفہ قائم ہوا اللہ نے میری کارگزاریوں کا اچھا صلہ دیا۔ میں نے خلیفہ کی حفاظت میں اپنے ایک بھائی کو قربان کر دیا اور اس قدر مال و دولت صرف کیا کہ میں فقیر ہو گیا۔ اسپر بھی میری درخواست نامنتور کی جاتی ہو“ اور اُسی حالت عتاب میں عمید الملک کے نام حکم بھیجا کہ ”خلیفہ کے قبضہ میں صرف اس قدر جاگیر ہے۔ دو جو القا در اللہ کے نام تھی۔ بانی مکمل جاگیر ضبط کر کے شامل خالصہ کر دو“ جب یہ مراسلہ خلیفہ کی نظر سے گزرا۔ تو مجبوراً سلطان کی درخواست منظور کر لی۔ اور خلیفہ نے عمید الملک کو وکیل بنایا۔ وکالت نامہ پر قاضی القضاۃ، اور شیخ ابو منصور کے دستخط ہوئے۔ اور سردار ابو الغلام بن المحلبان کی معیت میں عمید الملک کو بمقام تبریز روانہ کیا۔ اور اسی جگہ بروز شنبہ ماہ محرم ۵۵۴ھ (۱۱ جونری ۱۱۵۷ء) وکالت خراج ہو گیا۔ سلطان نے رئیس العراقین کے ہمراہ۔ ابو الغلام کو بخدا واپس کیا۔ اور خلیفہ کے حضور میں تین غلام، تین ترک کیتریں روانہ کیں۔ غلام گھوڑ و پیہر سوار تھے۔ جنکی زمین اور گھام مرصع بجا ہر تھیں۔ اور دین ہزار دینار خلیفہ کے واسطے اور دس ہزار دینار اپنی بیوی ستیدہ کے لیے روانہ کیے اور ایک لاکھ موتیوں کا جس میں تین دانے تھے

ہر دانہ کا وزن ایک مثقال تھا جب سلطان قافلہ بغداد کے قریب پہنچا تو خلیفہ کی طرف سے استقبال کیا گیا اور خواص و عوام نے خلیفہ اور سلطان کے اتحاد پر مبارکباد دی۔ رئیس العربین نے خلیفہ کے حضور میں تحائف پیش کیے۔ محرم ۳۹۳ھ میں سلطان آرمینہ سے سیدہ خاتون کے رخصت کرانے کے لیے بغداد آیا۔ وزیر فخر الدولہ بن بھیر نے مقام قنص بڑی شان و شوکت سے استقبال کیا اور ایوان خلافت کے ایک خاص محل میں ٹھرایا۔ چونکہ عقد نکاح کا تمام تہنیتیں تہنیز ہوا تھا۔ لہذا بعض ضروری رسوم عمل میں نہیں آئی تھیں۔ وہ اب داہوئیں۔ اور سیدہ کو چوتھی کی دامن بنا کر ایک تخت زر نگار پر بٹھایا جس کے سامنے پہنچکر سلطان کو زمیں بوس ہونا پڑا لیکن دامن کے چہرے سے نقاب اٹھانے کی اجازت نہیں ہوئی۔ اور ایک چاندی کا تخت سیدہ کے مقابل بچھایا گیا۔ جیسر سلطان تشریف فرما ہوئے یہ واقعہ عینہ صفر کا ہی۔ اور اسی جگہ بتاریخ پندرہ صفر یوم دوشنبہ زفاف ہوا۔ سلطان نے ارسلان خاتون اور سیدہ کو ایک ایک قیمتی مالا دیا۔ اس کے علاوہ خالص چاندی کا ایک ”جام خسروانی“ اور فرجیہ (ایک قیم کا لباس) جو سونے کے تاروں سے بنا ہوا تھا مرحمت کیا۔ اور ایک لاکھ دینار نقد پیش کیا اور ایک ہفتہ جشن منایا۔ سلطان نے عمید الملک وزیر، ابو علی بن ملک ابی کالجبار، ہزارہ سپ، فرامر بن کا کوہ، سرخاب بن بدر بن مہمل، امراے دولت کو بھی خلعت مرحمت فرمائے۔ اور انعامات اس کے علاوہ تھے۔ ربیع الاول میں سلطان مع سیدہ کے گئے گوروانہ ہو گیا۔ اور چونکہ طبیعت ناساز تھی لہذا تبدیل آب ہوا کے لیے رودبار کے پہاڑی قلعہ میں چلا گیا۔

لے قنص۔ بغداد کے قریب ایک مشہور گاؤں ہے جہاں خلفاء تغلق چایا کرتے تھے۔ صفحہ ۱۳۷۔ جلد ۱۱ معجم البلدان۔

اگر یہ گلچہ مزاج کے خلاف ہوئی اور یہاں عارضہ نکیر میں مبتلا ہوا۔ اور کسی علاج سے خون بند نہ ہوا
اوتب تاریخ ۸ رمضان المبارک ۵۴۵ھ مطابق ۲۴ ستمبر ۱۱۵۰ء جمعہ کے دن انتقال کیا۔ طغرل بیگ
نے ستر برس کی عمر پائی۔ اور چھپیس برس حکومت کی۔ شعرا نے مرثیے لکھے۔ چنانچہ کسی شاعر کا

یہ شعر مشہور ہے
خاک سے بس غریب دشمن بود ورنہ اور اچھ وقت مردن بود

اور مقبرہ چغری بیگ میں بمقام مرورود دفن ہوا۔ آل سلجوق میں یہ نہایت نیک بادشاہ ہوا
سیرت طغرل بیگ | طغرل بیگ کے مزاج میں علم و کرم بہت تھا۔ نماز باجماعت کبھی قضا نہیں کرتی
خصوصاً جمعہ کی نماز کا خاص اہتمام کرتا تھا۔ دو شنبہ اور پینچنبہ کو روزہ رکھتا اور ان میں قدیم کے
مطابق ایک شنبہ اور چار شنبہ کو فیصلہ مقدمات کے لیے کچہری کیا کرتا تھا۔ خیرات اور صدقات
براہر جاری رکھتا۔ عیب پوشی اس کا خاص ہنر تھا۔ پر تکلف لباس کا شائق نہ تھا۔ ہمیشہ سفید اور
اور سادہ کپڑے پہنا کرتا تھا۔ عمارات میں تعمیر مساجد کا بڑا شائق تھا اور کہا کرتا تھا کہ ”مجھے خدا
شرم آتی ہے کہ میں مکان بناؤں اور اس کے پہلو میں مسجد نہ ہو“ طغرل بیگ فوجی حیثیت سے
ایک سپاہی تھا۔ اور جامع صفات سردار بھی۔ جنگ کے موقع پر اگر چہ اس کا مزاج آگ بگولہ ہوتا
تھا۔ مگر کوئی وحشیانہ فعل کبھی صادر نہیں ہوا۔ اپنے دشمن سے ہمیشہ راست بازی، نرمی، اور
فنا فیسی کا برتاؤ رکھا۔ اور یہی اس کی کامیابی کا بڑا راز تھا۔ اسلام کا زبردست حامی اور مرنی تھا۔

نوٹ: منو قبل ۵۴۵ھ ایک انگریزی مورخ نے لکھا ہے کہ طغرل بیگ نے موضع طاجرشت میں انتقال کیا۔
۵۴۵ھ کا لائبر حالات طغرل بیگ۔

اور یہی وجہ تھی کہ خلفائے عباسیہ کی انتہائی تعظیم کرتا تھا۔ ورنہ شاہانِ دیالمہ نے خلفائے عباسیہ کی عظمت و شان کو اپنے مذہبی تعصب سے بالکل پامال کر دیا تھا۔ علم و فضل کا بھی قدر و ان تھا طغرل بیگ کا تمام دور حکومت عدل و انصاف میں ممتاز ہے۔ اور فی الحقیقت وہ سلجوقیوں میں ایک انتمند بادشاہ تھا۔ جب موت کا وقت آگیا تو کہنے لگا کہ بیماری کی حالت میں میری وہی مثل ہے۔ کہ جب اُون کاٹنے کے لیے بھیڑ کے پاؤں باندھے جاتے ہیں، تو وہ سمجھتی ہے کہ مجھے ذبح کر ڈالیں گے۔ اس لیے خوب بات پاؤں ٹپکتی ہے۔ اور جب سی کھول دی جاتی ہے تو خوش ہو کر اُٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ اسی طرح جب اس کو ذبح کے واسطے کہتے ہیں تو وہ سمجھتی ہے کہ اُون تراش کر چھوڑ دیں گے اس لیے چپ پٹری رہتی ہے، اور گلے پر چھری چل جاتی ہے۔ جب سلطان کے انتقال کی بھڑا دیں اطلاع ہوئی تو عظیم الشان ماتم ہوا۔ اور وزیر فخر الدولہ بن جھیر نے خاص مجلس عزائم کی اور بزرگانِ بھڑا داکر سلطان کی تعزیت کرنے لگے۔ طغرل بیگ اگرچہ سپاہی منش بادشاہ تھا۔ لیکن علم و دست اور شعر و سخن کا بھی شائق تھا۔ عبادی شہزادی اسی دربار میں تھا۔ چنانچہ عبادی کے ذیل کے اشعار میں تذکرہ مجمع الفصحا میں یادگار ہیں جن کو ہم بھی بطور یادگار کے درج کرتے ہیں۔

لے زلف و زخمت پہر و آخر	وے رے دولت بہشت و کوثر
جز روحِ امیں مگس نہ شاید	آں جا کہ لب تو گشت شکر
سلطان سپہر طغرل	کز قبہ دلشست برتر

لے تاریخ آل سلجوق اصفہانی حمد طغرل -

خاکِ درِ اوست چسبِ غم	غشکِ اوست بحرِ اخضر
روزے کہ طبعِ جاں نوید	منشورِ اجلِ زبانِ نجبر
شمسِ زخونِ تازہ سازد	بیماریِ مرگِ رامزور
درِ تپشِ رزمِ پائے کو باں	سے آید مرگِ چوں سمندر
بندِ درِ محنتِ بدستِ نصرت	برگردنِ روزگارِ زیور
یک قومِ چوکا سہ داغِ بزل	یک قومِ چوکوزہ دستِ بر

علاوہ ان صفات کے طغرل بیگ میں خالص مذہبی جوش تھا۔ اور مذہب کا ادب ہر موقع پر قائم رکھتا تھا جس کی ایک مثال یہ ہے کہ ۶۲۹ھ میں جب شہرِ نیشاپور پر قبضہ کیا۔ تو رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ اور اس شہر کے فتح کرنے میں فوج نے بڑی کوشش کی تھی اور ہر سپاہی کا خیال تھا کہ وہ مالِ غنیمت سے مالا مال ہو جائیگا۔ چنانچہ چغری بیگ اور تمام فوج نے شہر کو لوٹنا چاہا۔ لیکن سلطان نے کہا کہ شہرِ احرام میں لوٹ مار جائز نہیں ہے۔ میری ذات سے رمضان المبارک کی ہتک ہو۔ یہیں کسی طور پر منظور نہیں کر سکتا ہوں۔ چنانچہ اخیر مہینہ تک سپاہی خاموش بیٹھے رہے۔ لیکن عین عید کے دن پھر اجازت مانگی۔ تب سلطان نے کہا کہ خلیفہ القائم باہر اللہ نے فرمان بھیجا ہے اور اس میں ہدایت ہے کہ رعایا کے ساتھ سلوک کیا جائے اور شہر تباہ و برباد نہ کیے جاویں۔ اور خلیفہ المسلمین کی اطاعت فرض ہے۔ اس جواب پر چغری بیگ نے تلوار کھینچ لی اور خود کشی پر آمادہ ہو گیا۔ تب مجبور ہو کر رعایا نے نیشاپور سے چالیس ہزار دینار نقد دلوادے۔ کہ وہ فوج کو قسٹم کر دیے جائیں۔ اور ابو بکر طوسی سفیر خلیفہ کو

تیرہ پارچہ کا خلعت دیکر رخصت کیا۔

عبداللہ والپ ارسلان کا عہد سلطنت | تم اوپر پڑھ چکے ہو کہ سلطان طغرل بیگ نے حجوں سے نیشاپور تک کا ملک اپنے چھوٹے بھائی چغری بیگ داؤد کے سپرد کر دیا تھا۔ اور چغری بیگ نے مرو کو اپنا دار الحکومت بنالیا تھا۔ چنانچہ بمقام بلخ بتایا کہ ۱۸ رجب یوم دوشنبہ ۳۷۷ھ مطابق ۳۰ اگست ۹۸۷ء چغری بیگ نے بھی ستر برس کی عمر میں انتقال کیا۔ مرحوم کے چار بیٹے الپ ارسلان، یاقوتی، قارود (قاروت بیگ) اور سلیمان موجود تھے لیکن سلطان طغرل بیگ نے اپنے اطاعت شعار بہادر اور عزیز بھتیجے ابو شجاع محمد لقب بالپ ارسلان (دلاور شیر) کو بھائی کا جانشین کر کے صوبہ خراسان کا مستقل والی (گورنر) بنا دیا۔ کیونکہ الپ ارسلان سب سے بڑا اور سب سے زیادہ لائق اور تجربہ کار تھا لیکن چغری بیگ کے انتقال پر سلطان طغرل بیگ نے اپنی بھانج (والدہ سلیمان) سے عقد کر لیا تھا۔ اور یہ بیگ سلطان کے مزاج میں بہت دخیل تھی لہذا الپ ارسلان کے خلاف (والدہ سلیمان کے اصرار سے) طغرل بیگ نے انتقال کے وقت اپنے دوسرے بھتیجہ سلیمان کے حق میں وصیت کی کہ میرے بعد یہ ہی تاج و تخت کا مالک ہوگا۔ (طغرل بیگ لا ولد فوت ہوا) چنانچہ طغرل بیگ کے انتقال پر عمید الملک کندری وزیر السلطنت نے یہ کوشش کی کہ الپ ارسلان محروم رہے۔ اور سلیمان تخت سلطنت کا مالک ہو۔ چنانچہ بمقام ”سے“ سلیمان کا خطبہ پڑھا گیا۔ جو گروہ الپ ارسلان کا طرفدار تھا انکو یہ امر

۱۷۰ ابو الفدا۔ جلد ثانی۔ صفحہ ۱۸۹۔ کامل اثیر جلد ۱۔ صفحہ ۱۔ سر جان مکمل عمدمسجوقیہ۔

۱۷۱ ابن خلدون و کامل اثیر تخت نشینی الپ ارسلان۔

نہایت ناگوار ہوا چنانچہ باغیان، ارتعن، اور اردوم، شاہسیر داران سلجوقیہ، قزین کو
روانہ ہوئے۔ اور یہاں الپارسلان کا خطبہ پڑھوایا۔ بالآخر الپارسلان بلا شرکت غیرے
سلجوقی تاج و تخت کا مالک ہوا جس کے عہد سلطنت کی ابتداء محرم ۵۴۳ھ سے ہوئی ہے۔

خواجہ نظام الملک کی مستقل وزارت، عہد الپارسلان کی بغاوت
اور ملکی فتوحات، الپارسلان کی موت، اور سلطان ملک شاہ
کی تخت نشینی، خواجہ نظام الملک کے متمم بالشان کا زمانہ اور
مختلف حالات و واقعات

خواجہ نظام الملک کی مستقل وزارت کے ابتدائی حالات میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ سلطان
عبدالرشید غزنوی کے عہد سلطنت میں خواجہ دار السلطنت غزنی کے کسی حکم میں نوکر تھا۔ پھر ابو علی محمد
بن شاذان الی بلخ کا نائب بن گیا۔ اور جب خراسان پر طغرل بیگ کا قبضہ ہو گیا۔ تو چغری بیگ کے
دور میں بمقام مرو حاضر ہوا۔ لیکن نہیں تھیں ہوا کہ خواجہ حسن کس سنیں آیا۔ لیکن قرینہ سے معلوم
ہوتا ہے کہ سلطان فرخ زاد یا ابراہیم غزنوی کے زمانہ میں آیا ہے۔ کیونکہ الپارسلان نے (بحالت
شاہزادگی) فرخ زاد کو خراسان کی سب سے اخیر لڑائی میں شکست دی ہے۔ اور ۵۴۳ھ میں جب

۵۴۳ھ دیکھتے اول کتاب پڑھو۔ لغایت ۵۶۷ھ فرخ زاد اور ابراہیم کا عہد ۵۴۳ھ لغایت ۵۴۷ھ ہے۔

سلطان براہیم تخت نشین ہوا ہی۔ تو اس نے چغری بیگ سے یہ معاہدہ کر لیا کہ جس کے قبضہ میں اس وقت جو ملک ہو وہ بدستور اسپر قابض رہے اور کسی کو یہ حق نہ ہو گا کہ دوسرے پر فوج کشی کرے چنانچہ اس معاہدہ کے مکمل ہو جانے پر ملک میں امن امان ہو گیا۔ اور اس سال سے گو یا سب جوتی خراسان کے مستقل بادشاہ ہوئے۔ چونکہ خواجہ حسن الپا رسلاں کے ولیعہدی کے زمانہ سے اس کا تب مشیر اور صاحب تھا۔ اور الپا رسلاں خود بھی خواجہ کی امانت دایت اور رسلے و تدبیر سے فائدہ اٹھا چکا تھا۔ قطع نظر اس کے ابو علی شادان (وزیر چغری بیگ) نے الپا رسلاں سے یہ نصیحت کی تھی کہ میرے بعد خواجہ حسن کو وزارت کا عہدہ دینا۔ چنانچہ الپا رسلاں نے تخت نشین ہوتے ہی خواجہ حسن کو وزارت کا ممتاز منصب عطا کیا۔

سلطان طغرل بیگ کے انتقال پر الپا رسلاں نہایت سبکی اور بے بسی کے عالم میں تھا کیونکہ اس کے چچا زاد اور علاقائی بھائی (جو دوسری ماں سے ہو) تاج و تخت کے دعویدار تھے۔ عمید الملک کنذری جو چچا کا وزیر اور سب سے مغز زکن سلطنت تھا وہ سلیمان کا طرفدار تھا۔ اور طغرل بیگ کے انتقال پر علانیہ مقام سے سلیمان کا خطبہ پڑھوا چکا تھا۔ کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ یہ حیثیت ولیعہد طغرل بیگ سلیمان کی تخت نشینی عمل میں آئی ہو۔ اور اسپر کوئی الزام نہیں آسکتا ہی۔ یہ اُمّت الپا رسلاں کے پیش نظر تھے۔ اب بجز خواجہ حسن کے اور کوئی مدد برائیا نہ تھا۔ جو الپا رسلاں کی مصیبت کے وقت کام آتا۔ اور خواجہ کے لیے بھی اس سے بہتر کوئی موقع اظہار خیر خواہی اور قاف کا نہ تھا۔ چنانچہ وہ عمید الملک اور سلیمان کے مقابلہ میں الپا رسلاں کا مددگار بن گیا۔ اور ان کی

تمام چالوں کو غارت کر دیا۔ سلیمان ایک نا تجربہ کار شہزادہ تھا۔ اور ملک میں اس کے ساتھ عام رد بھی نہ تھی۔ یہی حالت میں اکیلا عمید الملک کیا کر سکتا تھا؛ جب عمید الملک کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تو وہ بھی الپ ارسلان کا طرفدار بن گیا اور خطبہ میں الپ ارسلان کا نام شامل کر کے اپنی خیر خواہی کا اعلان کیا۔ مگر الپ ارسلان ان باتوں سے خوش نہ ہوا۔ اور مشترکہ سلطنت کو پسند نہیں کرتا تھا۔

یہ برفوج کشی خواجہ حسن کو جب یہ خبریں پہنچیں تو اس نے سلیمان پر فوج کشی کی۔ جب فوجیں ملے میں داخل ہو گئیں۔ تو خواجہ حسن کی خوش بیانی اور حسن تدبیر سے تمام شہر نے اطاعت قبول کر لی۔ عمید الملک نے حاضر ہو کر تدریش کی۔ اور سلیمان کی طرف سے جو خدمتہ تھا وہ بالکل جا بجا فتنہ برفوج کشی خواجہ حسن کے انتظام سے فاسخ ہوا تھا کہ پرچہ پنجاروں نے اطلاع دی کہ شہاب لدولہ قتلش بن ارسلان سلجوقی نے قلعہ کرکوکہ سے نکل کر ملک پر تاخت تاراج کرنا شروع کر دیا ہے اور اسے پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے۔ چنانچہ سلطان بھی نیشاپور سے روانہ ہوا۔ جب فوجیں اصفہان پہنچ گئیں تو جوش بردارانہ سے مجبور ہو کر الپ ارسلان نے قتلش کو یہ پیام بھیجا کہ ”تم میرے بھائی ہو۔ میں تمہارے اس فعل کو برا سمجھتا ہوں۔ اور حکم دیتا ہوں کہ تم اپنے ارادہ سے باز آؤ۔ قتلش نے اس پیام پر کچھ توجہ نہ کی اور اسے کے علاقہ میں لوٹ چلا دی۔ اور وادی الملح کو پانی سے بھر دیا جس سے یہ مقام ناقابل گزر ہو گیا۔ الپ ارسلان پریشان ہوا۔ خواجہ نے کہا کہ اطمینان رکھو میں نے تمہارے واسطے یہی فوج بھرتی کی ہے جس کے تیر کبھی خطا نہیں کرتے ہیں (خواجہ کی غرض خراسان کے کامل الشیر علیہ ص ۱۲ و تاریخ آل سلجوق اصفہانی ص ۱۲۰ کہ کرکوکہ۔ دیکھو نوٹ صفحہ ۵۳-۵۴۔ حصہ اول کتاب ہذا۔

کے ان علماء و زہاد سے ہر جن کے ساتھ خواجہ احسانات کیا کرتا تھا اور جو سلطان کے حق میں دعا
 غیر کیا کرتے تھے، اور یہ فوج تمھاری سب سے بہتر اعوان و انصار ہیں۔“ یہ کہہ کر خود اسلحہ زیب تن کیے
 اور الپ رسلان کے ہمراہ روانہ ہوا۔ سلطان نے پانی میں گھوڑا ڈال دیا۔ اور مع فوج کے صحیح و
 سالم نکل گیا۔ قتلش نے سامنے آکر زنا پسند کیا۔ چنانچہ لڑائی ہوئی۔ اور الپ رسلان فتحیاب ہوا۔
 سلطان نے فوج کو لوٹ کا حکم دیدیا۔ بشیار مال غنیمت ہات آیا۔ ہزاروں سپاہی قتل اور قیدی
 ہوئے۔ سلطان نے قیدیوں کے قتل کا حکم دیا۔ لیکن خواجہ کی سفارش پر معافی دیکر آزاد کر دیا
 جب میدان کارزار کا طمع صاف ہوا اور گرد و غبار بیٹھ گیا۔ تو قتلش کی نفس ملی۔ سلطان کو اپنے
 بھائی کی موت کا سخت رنج ہوا۔ نماز جنازہ پڑھ کے دفن کر دیا۔ موت میں اختلاف ہی۔ کامل اثر
 کی روایت ہے کہ وہ خوف زدہ ہو کر مر گیا۔ اور مصنف بنگارستان نے لکھا ہے کہ گھوڑے سے گر کر۔
 سر ایک پتھر سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔ بہر حال جو سبب ہو الپ رسلان کامیاب ہوا۔ اور اس
 فتح سے اسکا شہرہ و روم تک ہو گیا۔ اور اخیر محرم ۳۵۵ھ میں اسے کو داپس لگیا۔ عید الملکات نے
 فوج و علم سے استقبال کیا۔

خواجہ نظام الملک نے اپنی کتاب دستورالوزراء (وصایا) میں بھی اس معرکہ کا ذکر کیا ہے اور
 لکھا ہے کہ جب شکر وادی الملک پہنچا تو سلطان نے حکم دیا کہ تمام خزانہ جو فوج کے ہمراہ ہے وہ سپاہیوں

لے شہاب الدین بن رسلان بن بلجون۔ الپ رسلان کا چچا زاد بھائی تھا۔ اور یہی قتلش شاہان تونیہ (اتھین) میں فوتات
 انگویر، طلیہ، قیساریہ، اماسیہ، کنکار و غیرہ کا مورث اعلیٰ تھا۔ طغرل بیگ نے اپنی حیات میں اسکو فتوحات و مہم پڑائی کیا تھا۔
 جہاں اس نے حکومت قائم کر لی تھی۔ نجوم میں خاص جرات تھی چنانچہ زائچہ سے معلوم کر لیا تھا کہ میں اس کی بیوی کا بیٹا بنوں گا۔ ابوالفضل طبرستانی۔

کو قہر کر دیا جائے۔ غالباً اسی تالیف قلوب کا نتیجہ تھا کہ فوج نے بھی جان توڑ کر کوشش کی اور کامیابی حاصل کی اس نایاب فتح سے الپ ارسلان خواجہ سے بہت خوش ہوا۔ عمید الملک نے خواجہ جن سے بھی ایک دوستانہ ملاقات کی اور اپنی دینار بطور نذر پیش کیے۔ جب عمید الملک واپس گیا تو فوج حاضر خدمت ہوئی سلطان اس کا روائی سز شکوک ہو گیا اور خواجہ کے مشورہ سے عمید الملک کو گرفتار کر کے مرو رو د بھیج دیا جہاں ایک سال قید رہا۔ اور اسی حالت میں تاریخ تلوزہ دی الحجہ ۵۵۷ھ کو قتل کر دیا گیا۔ یہی وہ تاریخ ہے جن دن خواجہ حقیقت میں الپ ارسلان کا مستقل وزیر ہوا۔ کیونکہ جب تک عمید الملک قتل نہیں ہوا خواجہ نے اپنے تئیں مستقل وزیر نہیں سمجھا اب ہم خواجہ جن کو نظام الملک کے خطاب سے یاد کریں گے۔

میانقبضات پر قبضہ قتلش کی رٹالی سے فارغ ہو کر سلطان الپ ارسلان مہینہ ربیع الاول ۵۵۷ھ میں بغداد پہنچا۔ اسے آذربائیجان کو روانہ ہوا جب شہر مرند میں پہنچا تو امیر طغدرین ملاقات کو حاضر ہوا۔ یہ ایک ترکمان سردار تھا۔ جو بلاد روم سے خوب واقف تھا۔ اور جس کو جہاں سے بھی خاص دلچسپی تھی۔ لہذا سلطان امیر مذکور اور اس کی فوج کو ہمراہ لیکر پہاڑی گھاٹیاں طو کر رہا ہوا

عمید الملک کنذری کے حالات حصہ اول کتاب نمبر ۵ صفحہ ۵۷ میں دیکھو۔ اور صفحہ ۵۷ (تحت حالات عمید الملک) سچا ۵۵۷ھ کے ۵۴۷ھ اور بجائے ۵۵۷ھ کے ۵۴۷ھ پڑھنا چاہئے۔ کیونکہ عمید الملک امیر محمد ۵۴۷ھ میں قید ہوا اور ایک سال بعد قتل کیا گیا۔ ۵۴۷ھ فتوحات اسلامیہ جلد اول صفحہ ۲۲۶

تاریخ کامل اشیر میں لکھا ہے کہ سلطان طغرل بیگ کا پہلا وزیر ابو القاسم علی بن عبداللہ جوینی۔ اور دوسرا رئیس الروسا ابو عبداللہ حسین بن علی بن میکائیل۔ تیسرا وزیر نظام الملک ابو محمد حسن بن محمد ہستانی جو تھا وزیر عمید کنذری پانچواں خواجہ حسن طوسی، کامل اشیر صفحہ ۱۸۱ جلد ۹۔

نچوان تک پہنچا۔ اور نہر اس کے عبور کرنے کو کشتیاں تیار کرائیں۔ خوی، سلماس (اذربائیجان) کی رعایا نے ہنوز اطاعت نہیں کی تھی۔ لہذا ان کی سرکوبی کے واسطے فوجیں روانہ کیں۔ مگر عید غرسان کی حکمت عملی سے یہ دونوں شہر قبضہ میں آگئے۔ اور یہاں کی رعایا سلطانی فوج میں داخل ہو گئی۔ اور اطراف و جوانب کے حکمران بھی (مع فوج) شوق بہادری میں سلطان کے شریک ہو گئے۔ جب فوجیں ادرکشتیاں جمع ہو گئیں تو سلطان بلا درگج کو روانہ ہوا۔ اور شاہزادہ ملک شاہ اور نظام الملک کو ایک دوسرے قلعہ کی فتح کے لیے روانہ کیا۔ جس میں رومیوں کا بڑا مجمع تھا چنانچہ قلعہ فتح ہوا۔ اور قلعہ اتر قتل کر دیا گیا۔ اور اہل قلعہ مقتول ہوئے۔ یہاں سے ملک شاہ اور خواجہ قلعہ مرمائی کو روانہ ہوئے۔ یہ قلعہ نہایت آباد تھا۔ جس میں پانی کی نہریں جاری تھیں اور سرسبز باغات بھی تھے چنانچہ یہ بھی فتح ہو گیا اور خود عیسائیوں نے خالی کر دیا۔ اس کے پاس ایک دوسرا قلعہ تھا۔ وہ بھی ملک شاہ نے فتح کر لیا۔ اور اس کو تباہ کرنا چاہا۔ مگر خواجہ نے منع کیا۔ کہ یہ صحری مقام ہے اس کو اسلحہ اور ذخائر سے مرتب کھنا چاہیئے۔ چنانچہ یہ قلعہ امیر نچوان کے سپرد کر دیا گیا۔ اس کے بعد قلعہ مرمیشین میں پہنچے۔ یہ قلعہ رہبان اور تسیسین اور عیسائی بادشاہوں کا مسکن تھا۔ قلعہ کی تفصیل زبردست پتھروں کی تھی، جس میں قلعی اور لوہے سے ٹپکرا دی گئی تھی

۱۔ کج۔ عیسائیوں کا ایک خاص گرد جس کی سکونت جبال لبنان میں تھی۔ اور یہ ایک طاقتور قبیلہ تھا جس کی حکومت تھیں۔ اور ان کے شہر کا نام بھی کج تھا صفحہ ۲۳۱۔ جلد ۲ معجم البلدان۔
 ۲۔ قلعہ شہر دونوں ایک نام سے موسوم ہیں۔ یہ بڑا شہر ہے۔ قلعیں اور خلاط کے مابین ہے صفحہ ۲۳۱ جلد ۲ معجم البلدان۔
 ۳۔ غالباً یہ کسی بڑی خانقاہ کا نام ہے جہاں دامن کیتھولک فرقہ کے عیسائی عبادت کیا کرتے تھے اور یہ خانقاہ حضرت مریم کے نام سے موسوم ہو گی جس کا ترجمہ خواجہ نے مریم نشین کیا ہے۔

ایک بڑی ہنر بھی جاری تھی۔ چنانچہ خواجہ نے کشتیاں اور سامان جنگ فراہم کر کے لڑائی چھیڑ دی اور دن رات جاری رہی جب قلعہ مستح نہ ہوا تو سپاہی سیرمیاں لگا کر دیواروں پر چڑھ گئے اور قبضہ کر لیا۔ خواجہ نظام الملک اور ملک شاہ قلعہ میں داخل ہوئے کچھ عیسائی مسلمان ہوئے اور اکثر قتل ہوئے۔ اس فتح سے الپ ارسلان بہت خوش ہوا۔ اور ملک شاہ کو اپنے پاس بلایا (جہاں وہ مصروف جنگ تھا) راستہ میں ملک شاہ فتوحات کرتا اور عیسائیوں کو گرفتار کرتا ہوا چلا گیا۔ جب سلطان الپ ارسلان مع ملک شاہ وغیرہ شہر تسبند میں پہنچا تو یہاں ایک زبردست لڑائی ہوئی جس میں بکثرت مسلمان شہید ہوئے۔ مگر آخر میں خد نے فتحیاب کیا۔ یہاں سے شہر مال لال کی طرف بڑھے۔ یہ شہر شرقاً و غرباً ایک بلند پہاڑ پر آباد تھا جس میں متعدد قلعے تھے۔ اور شمالاً و جنوباً ایک بڑی نہر جاری تھی۔ بظاہر یہ بھی ناقابل فتح تھا۔ مگر بڑی لڑائی کے بعد فتح ہو گیا چونکہ عیسائیوں نے اس لڑائی میں سلطانی فوج کو دھوکا دیکر تباہ و برباد کیا تھا۔ لہذا سلطان نے اس کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ یہ واقعہ رجب ۴۵۶ھ کا ہے۔ یہاں سے ناحیہ فرس۔ اور ذیل وردھ اور نوزہ میں پہنچے۔ یہاں کے باشندوں نے اطاعت کی۔ پھر شہر آنی کی طرف کوچ کیا۔ بقدر تین چوتھائی یہ شہر نہر اس کے کنارہ پر آباد تھا اور نہایت مستحکم تھا۔ اور چوتھائی حصہ میں ایک دوسری نہر تھی۔ جس کا پانی اس شدت سے بہتا تھا کہ وہ بڑے پتھروں کو ہالچا تا تھا۔ اس میں پانیوں سے زیادہ گرجے تھے اور آبادی بہت تھی چنانچہ اس کا محاصرہ کر لیا گیا۔ جب فتح کی طرف سے ناامید ہوئی۔ تب الپ ارسلان نے اینٹ کا ایک برج بنوایا اور اس پر منجنیق

نصب کی۔ اور پھر برسے گئے۔ دیوار میں سورخ ہو گیا۔ جب فوج اس طرف بڑھی تو خدا نے
 یہ فیصلہ کیا کہ قلعہ کی ایک دیوار بلا سبب گر گئی۔ اور مسلمان داخل شہر ہوئے۔ بشمار عیسائی قتل و
 گرفتار ہوئے۔ یہاں تک کہ بہت سے مسلمان صرف اس وجہ سے شہر میں نہ جاسکے کہ مقتول
 سے راستہ رک گیا تھا۔ یہ ایک عظیم الشان فتح تھی۔ چنانچہ بغداد کو نامہ فتح لکھا گیا جس کے جواب
 میں خلیفہ نے سلطان کی تعریف کی۔ اور اُس کو دعا و خیر سے یاد کیا۔ امیر کرج نے صلح کر لی اور
 جزیرہ سالانہ دینا منظور کیا۔ اور سلطان مع فوجوں کے اصفہان کو واپس گیا۔

کرمان کی بغاوت اور فتح قلعہ بر دسیر ایک نہایت قدیم آبادی ہے جس کو کرمان کہتے ہیں۔ اس کا
 استخر۔ وہین و زرا۔ شیراز
 بانی اردو شیر باجگان ہے۔ فاروق اعظم کے عہد میں مسلمانوں نے کرمان کو فتح کیا تھا۔ جیسے اسلامی
 قبضہ ہا بعد ازاں ۲۱۵ھ میں قاور دین چغریگ نے فتح کر کے بطور ایک ماتحت صوبہ کے اس پر
 جداگانہ حکومت شروع کی تھی۔ الپ ارسلان کے زمانہ میں قرا ارسلان جو قاور د کا پوتا تھا یہاں
 حکمران تھا ۳۱۵ھ میں قرا ارسلان نے بغاوت کا اعلان کیا جس کا سبب یہ ہے کہ اس کے وزیر
 نے جو محض ایک جاہل شخص تھا۔ قرا ارسلان کو بہکا کر سلطان کا خطبہ بند کر دیا تھا۔ یہ خبر سن کر خواجہ
 نظام الملک اور الپ ارسلان دونوں کرمان کو روانہ ہوئے۔ پہلے ہی مقابلہ میں قرا ارسلان
 کو شکست ہوئی۔ قرا ارسلان حاضر ہو کر قدمبوس ہوا۔ اور قصور معاف کرایا۔ سلطان نے بہ سبب
 رشتہ داری قرا ارسلان کا قصور معاف کر دیا۔ اور اُس کی سیٹیوں کی شادی کے لیے ایک ایک

لے خواجہ نظام الملک نے اس واقعہ کو وصایا میں خود لکھا ہے۔ لہذا اس موقع پر صفحہ ۶۰۰ حصہ دوم کتاب یاد دیکھنا چاہیے
 لے کال انڈیا جلد ۱۸ صفحہ ۱۸۰۔ فارس نامہ ناصری صفحہ ۲۳ و ۲۴ جلد دوم

لاکھ دینار مرحت کیے۔ اور کرمان سے مع خواجہ کے استخر روانہ ہوا۔ اور قلعہ استخر کو فتح کیا۔ بعد ازاں سلطان نے خواجہ نظام الملک کو قلعہ ہین وژ کی فتح کے لیے روانہ کیا۔

۱۱۵۰ھ استخر تاریخ میں قلعہ ماران کے نام سے مشہور ہے۔ یہ قلعہ جمشید کا تعمیر کردہ ہے۔ اور قلعہ نکستہ (جمشید کا دوسرا قلعہ) سے تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ فتح قلعہ کے بعد قلعہ دار نے نہایت پیش قیمت تحائف نذر کئے۔ جمشید ان کے ایک پالہ فیروزہ کا تھا جس میں شک بھر کر نذر کیا تھا۔ اس پالہ پر جمشید کا نام کندہ تھا۔ یہ قلعہ بھی نہایت قدیم اور مستحکم تھا۔ عضد الدولہ دیلمی نے ۱۱۵۳ھ میں اس قلعہ پر ایک بڑا تالاب بنایا تھا۔ اور چل سستون قائم کر کے اس کی چھت پانی دی تھی تاکہ پانی ٹھنڈا رہے۔ یہ تالاب نہایت عمیق تھا۔ اور آب باران سے پُر ہوتا تھا جس کے کھنڈر منور باقی ہیں۔ اور چوڑائی اس تالاب کی تقریباً ایک سو چوالیس گز شرعی ہے۔ اس کے عمق کا اندازہ نہیں ہے لیکن تالاب کے اندر سترہ سستون ہیں جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اگر ایک سال تک دروازہ ہزار آدمی پانی نہیں تب تک سستون ٹوٹ جائے گا۔ اس سے گہرائی کا قیاس ہو سکتا ہے۔ اور اس تعمیر کی بدولت کہا جاتا ہے کہ عضد الدولہ دریائے درمیان کو بہت د

کوبہ درمیان دریا نہاد ۱۱۵۴ھ ہین وژ۔ فارس کے قلعوں میں یہ قلعہ بھی نہایت قدیم تھا۔ جب کو شہ پور دزدی لاکھ کشت کے بھائی ہنسی ہین نے تعمیر کیا تھا۔ جو اب قلعہ بندر کے نام سے مشہور ہے۔ اور شیراز سے ڈیڑھ میل کی مسافت پر جانب مشرق واقع تھا۔ اس قلعہ کو (جس کے لب کھنڈر باقی ہیں) شیراز کی آبادی سے قبل ٹوک عم نے تعمیر کیا تھا۔ جب شیرویہ نے اپنے باپ کو شیراز بھائی بھتیجوں کو جن کی تعداد سترہ تھی ایک ہی دن میں قتل کر دیا۔ تب یزدجرد اپنی دایہ کے ہمراہ بنا بر پرورش من حفاظت اس قلعہ میں پھیرا گیا تھا۔ چنانچہ یزدجرد بادشاہ ہوا۔ تو اس نے اس قلعہ کو اپنا ایک محفوظ خزانہ بنالیا تھا۔ نو شیراز کا تاج اور دیگر قیمتی اشیاء اسی قلعہ میں محفوظ تھیں جس کا بڑا ذخیرہ عضد الدولہ دیلمی کے ہاتھ آیا تھا۔ ہٹاڑ کی چوٹی پر کہ جو قلعہ کا وسط ہے۔ ایک عین چاہ ہے جس کا قطر چودہ گز اور جس کا موجودہ عمی تنوگن ہے۔ مرزا قسطنطین شیرازی اپنے سفر نامہ میں لکھتے ہیں کہ اس وقت یہ کواں بے آب ہے۔ اور فاشہ عورتیں جو واجب القتل ہوتی ہیں یہ اس کنوئیں میں گرا دی جاتی ہیں۔ علاوہ اس کے دو کنوئیں اور بھی ہیں مگر وہ چھوٹے ہیں۔

چنانچہ خواجہ نظام الملک نے زیر قلعہ پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ اور محاصرہ کے سولہویں دن فتح ہو گیا۔ خواجہ نے سپاہیوں کو درہم و دینار دے کر کپڑے انعام دیئے۔ اور سلطان الپ ارسلان بھی خواجہ سے اسی جگہ اکرام ملا۔ اور خواجہ کی کارروائی سے بہت خوش ہوا۔

جنگ فیروز مانوس | خواجہ نظام الملک کے عہد وزارت میں، سلطان الپ ارسلان نے جو فتوحات کیں، ان میں سب سے مہتمم با نشان و مانوس چہارم قیصر روم کا معرکہ ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ ۶۶۲ھ میں سلطان یار بکر کی طرف روانہ ہوا۔ نصر بن مردان نے مذہبش کی اطاعت کا اظہار کیا۔ وہاں سے شہر آمد اور رہا کو عبور کر کے داخل حلب ہوا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ آخر میں محمود بن صالح بن مرداس نے سلطان کی اطاعت کی۔ اور خلفائے عباسیہ کا خطبہ پڑھا۔ سلطان خلعت اور سند حکومت دیکر آذربائیجان کو روانہ ہو گیا۔ اس مابین میں قیصر رومانوس (دسویں جنس و منس) نے شام کے اسلامی شہروں پر چڑھائی کی۔ اور تاریخ ۱۹ نومبر ۶۶۹ء (دسمبر ۶۶۲ء) شہر بنبج پر پہنچ کر اہل شہر کو نہایت بیرحمی سے تہ تیغ کیا۔ محمود بن صالح (حکمران) اور حسان طائی اپنے قبائل بنی کلاب اور بنی طے کو جمع کر کے مقابلہ پر آئے لیکن شکست کھائی۔ قیصر بنبج پر قابض رہا۔ لیکن کچھ دنوں بعد جب شدت گرما اور گرمی سے فوج ہلاک ہونے لگی تو وہاں چلا گیا۔ لیکن ۶۶۳ھ میں قسطنطنیہ سے چل کر پھر خلاط پر فوج کشی کی۔ اس وقت قیصر کے ہمراہ روس

لے ابن خلدون فتوحات الپ ارسلان ۱۳۵ رومانوس چہارم جو عربی تاریخوں میں ارماتوس کے نام سے مشہور ہے فوج یونان کا ایک معمولی سپاہی تھا جبکہ قسطنطنیہ بوڈیشیا نے اپنی مصلحتوں سے شوہر نیکر تان و تخت کا مالک بنا دیا تھا جو شاہی محل میں شہزادہ اور شوہر ملکہ اور میلن کا زرا ہیں و کم کا شہنشاہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ یہ بڑا بہادر اور دلیر تھا۔ اور تخت نشینی کے دو مہینہ بعد قسطنطنیہ سے بغرض فتوحات کھاتا تھا۔ مگر ابن امپائر جلد ۶۔ حمد سلام۔

اور فرانس وغیرہ کے شاہ ہرکاب تھے اور دولاکھ فوج تھی جس میں رومی، فرانسیسی، روسی، کرجی، یونانی، ارمینی، انجازی، کچانی، غوغی، اور چرکی سپاہی شامل تھے۔ اس مرتبہ قیصر کا یہ ارادہ تھا کہ بغداد سے دولت عباسیہ کو اور بلاد اسلام سے مسلمان حکمرانوں کو خارج کر کے خالص عیسائی سلطنت قائم کرے اور بغداد کی حکومت کسی جالبین کو سپرد کی جائے۔ تمام مسجدیں دیر و کلیسا کر دی جائیں۔ چنانچہ اس جاہ و چشم کے ساتھ آکر صوبہ خلاط پر دھاوا کر کے قلعہ ملازکرد کا محاصرہ کر لیا (یہ قلعہ شہر ارض ورم اور جھیل "واس" کے مابین واقع ہے) جب عیسائیوں کی آمد کی متوازی خبریں سلطان الپارسلان تک پہنچیں اس وقت وہ شہر خونی (مضافات آذربائیجان) میں مقیم تھا۔ اس خبر کو سن کر غصہ سے تھر گیا۔ کیونکہ دشمن سر بر تھا۔ اور بوجہ بعد مسافت تو دار السلطنت سے فوج آسکتی تھی۔ اور نہ مجاہدین جمع ہو سکتے تھے۔ اور ایک دفت یہ بھی تھی کہ بلا مقابلہ واپس جانے میں دیا را اسلام تباہ و برباد ہو جاتے اور عیسائیوں کا حوصلہ بڑھ جاتا۔ لہذا مصلحتاً خواجہ نظام الملک کو حکم دیا کہ وہ اہل عیال، مال و اسباب کو لیکر تبریز روانہ ہو خواجہ نے عرض کیا کہ میں قدیم خدمت گزار ہوں ہمراہ رکاب چلوں گا۔ سلطان نے فرمایا کہ دو گونہ میری نظر سے دور ہو گے لیکن دل سے نزدیک ہو وہاں سے میرے حق میں دعا کرتے رہنا یہی کافی ہے۔ چنانچہ خواجہ تبریز کو روانہ ہو گیا۔ اور سلطان بنفس نفیس قیصر کے مقابلہ کے لیے طیار ہوا۔ اس وقت

۱۔ مسٹر گین ملٹی اور دیگر انگریزی مورخوں نے قیصر کی فوج کی تعداد ایک لاکھ اور سلطان کی فوج چالیس ہزار تسلیم کی ہے۔ لیکن مستند اسلامی مورخوں نے قیصر کی فوج کی تعداد دولاکھ لکھی ہے۔ ۲۔ دیکھو کتاب الوصایا نظام الملک صفحہ ۳۵ کتاب نمبر ۱۔ ۳۔ فتوحات الاسلامیہ جلد اول۔ صفحہ ۲۲۸ و تاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۳۵ مختصر الدول ملٹی میں شہر خونی لکھا ہے ۴۔ روضۃ الصفا حالات الپارسلان۔

سلطان کے ہمراہ پندرہ ہزار منتخب سوار موجود تھے۔ سلطان نے اُن کو مخاطب کر کے کہا کہ اُسے
میرے بار سپاہیوں کے ساتھ ہمارے قلعہ دشمن کے مقابلہ میں نیا ت قلیل ہی لیکن ہم کو صبر و شکر
کے ساتھ جنگ کرنا چاہیے۔ اگر فتح پائے تو خدا کا عظیم الشان احسان ہی ورنہ شہادت نصیب
ہوگی۔ اور میرے بعد میرا بیٹا ملک شاہ تاج اور تخت کا مالک ہوگا چنانچہ سلطان نے ایک دستہ
فوج کا توکل علی اللہ کے بڑا کیا۔ اس کا روسی فوج سے مقابلہ ہوا جو تعداد میں (۲) بیس ہزار تھی
مقابلہ میں روسی فوج پسپا ہوئی اور خود شاہ روس ع فوج کو لڑا رہا تھا گرفتار ہوا جب سلطان
کے سامنے پیش ہوا تو اُس نے کان و زناں کو اکڑ زندہ چھوڑ دیا۔ اور یہی سزا کافی سمجھی۔ اور خود
نظام الملک کو نامہ فتح کے ہمراہ صلیب اعظم اور سپہ سالار مذکور کے ناک اور کان بھی بھیج دیے
اور لکھا کہ بطور تحفہ یہ بعد بھیج دیے جائیں۔ اس مختصر لڑائی میں بھی عیسائیوں نے بڑا جوش
دکھلایا تھا۔ اور ہر ایک سپاہی کے ہات میں صلیب تھی۔ اور مذہبی علماء اپنی پر جوش و خروش
سے سپاہیوں کو ابھار رہے تھے سلطانی فوج کا افسر ضداق ترکی تھا۔ چنانچہ سلطان کو بروز
سہ شنبہ بتاریخ ۴ ذیقعدہ ۸۶۳ھ مطابق جولائی ۱۴۵۷ء یہ فتح نصیب ہوئی۔ ۵ ذیقعدہ یوم
چهار شنبہ کو قیصر خلاط پربٹھا اور اُس کا محاصرہ کر لیا۔ شہر والوں کو اگرچہ یہ یقین تھا کہ خدا اسلام
کی مدد کرے گا لیکن قیصر کی کثرت فوج اور مخفیوں کو دیکھ کر خوف دہ ہو گئے۔ اور دُر کرمان جا ہی
اور شہر کو سپرد کر دیا۔ سپر بھی عیسائیوں نے بہت سے مسلمانوں کو قید کر لیا۔ اور بہتیروں کو قتل کر دیا

۱۷ فتوحات اسلام جلد اول صفحہ ۲۲۸ قیصر کے ہمراہ متعدد متخفین تھے لیکن ایک سے بڑی تھی جس میں آٹھ درجے
اور جس میں بارہ سو سپاہی بھیج کر تھہرے گئے تھے۔ اور جس کو ایک سو بیس کھینچے لے چلتے تھے۔ تاریخ آل سلجوق صہبائی صفحہ ۲۲۸

یہ حالت دیکھ کر پشیمند کے دن صبح کے وقت اپنا سلاطین ملازکر کے قریب پہنچ گیا۔ اور پھر
 کے کنارے موضع کو نوکوں میں کیمپ قائم کیا۔ قیصر کی فوجیں اس جگہ سے ایک فرسخ کے فاصلہ
 پر بمقام زہرہ مقیم تھیں (یہ مقام خلاط اور ملازکر کے درمیان ہی) یہاں سے سلطان الہیہ سلاطین
 نے قیصر کے پاس سفیر بھیجا۔ اس سفارت سے سلطان کا یہ مقصد تھا کہ قیصر کے اصلی خیالات سے
 آگاہی ہو جائیگی۔ چنانچہ سفیر نے قیصر سے جا کر عرض کیا کہ اگرچہ رومی فوج کثیر ہے لیکن خوب سچ
 لو کہ ”جس کے مقابلہ کو آئے ہو اُس کے غزوات ظاہر ہیں لہذا صلح کر لینا بہتر ہے۔ اور اگر روانہ
 مقصود ہے تو سلطان بھی اس ارادہ میں مستقل ہیں۔ بحالت صلح امان و یگانگی اور ممالک مقبوضہ دم
 میں کسی قسم کی دست اندازی نہ ہوگی۔“ قیصر نے اس سفارت کو بنظر قنارت دیکھا اور صلیبت
 ہات رکھ کر روح القدس کی قسم کھائی۔ اور کہا کہ جب تک سلطان کی فوج ہتھیار نہ ڈال دے
 اور رومی فوج میں شامل نہ ہو اور دارالسلطنت سے ہمارے سپرد نہ کر دیا جائے اُس وقت تک
 درخواست صلح منظور نہیں ہو سکتی ہے۔ اور سفیر کو ذلت سے نکال دیا۔ اور فوج کو طیاری کا حکم دیدیا
 یہ جواب سن کر سلطان کو بھی غصہ آگیا اور وہ بھی جنگ کے لیے طیار ہو گیا۔ امام ابو نصر محمد
 بن عبد الملک بخاری حنفی ”شک کے ہمراہ تھے انھوں نے سلطان کو یہ مشورہ دیا کہ آج لڑائی
 متوہی ہے اور بعد نماز جمعہ سلطان میدان جنگ کو روانہ ہوں۔ کیونکہ یہ وہ دن ہے کہ جب تمام
 ممالک اسلام میں منبر خطیب یہ حاکم رہے ہوں گے کہ ”اللهم الفرج جیوش المسلمين“ اور خاص
 عام آمین کہہ رہے ہوں گے۔ چنانچہ سلطان نے اس لے سے اتفاق کیا۔ اور جمعہ کو صبح سے

لحہ گزشتہ فقرہ الہیہ سلاطین سے سر جان ملک صاحب فتوحات الہیہ سلاطین

فوج میں غیر معمولی طیاریاں ہونیں۔ اور ہر سپاہی شہادت کے لیے تیار ہو گیا۔ چنانچہ بعد نماز جمعہ سلطان نے لشکر میں اعلان کر دیا کہ جو شخص جانا چاہتا ہو وہ اس وقت لشکر سے چلا جائے۔ اور جو شہادت حاصل کرنا چاہتا ہو وہ میرے ساتھ ہو۔ اور سلطان نے لباس شاہی اتار کر ایک سفید قبا پہنی جو شک اور غبر سے محط تھی (یہی گویا کفن تھا)۔ مکان کا ندھ سے لٹکائی، گرز ہات میں لیا، اور تلوار گلے میں حامل کی۔ اور گھوڑے پر خود زین کسا اور اُس کی دم میں گرہ لگا دی جس کی کل فوج نے تقلید کی اور فوج کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ جب فوج نے دیکھا کہ سلطان کفن پہنکر لڑنے کو نکلے تو تمام سپاہی جوش میں آکر اللہ اکبر کا نعرہ مارتے ہوئے سلطان کے ہمراہ ہوئے۔ اس کے بعد سلطان اور اُس کی فوج نے نہایت خشوع اور خضوع سے دعا مانگی اور پھر سلطان نے سپاہیوں کے سامنے ایک تقریر کی اور میدان کو روانہ ہو گیا۔ ٹھیک وہی وقت تھا کہ سلطان قیصر کی فوج کے سامنے پہنچ گیا۔ مگر اتفاق سے ہوا گرم چلنے لگی اور خطہ بلخظرتی کرنے لگی جس کی وجہ سے مسلمان گرمی اور شدتِ پائیس سے تڑپنے لگے (کیونکہ نہر قیصر نے قبضہ کر لیا تھا) اور ہوا کا رخ اسلامی فوج کی جانب تھا۔ یہ مصیبت دیکھ کر سلطان گھوڑے سے اتر دسار سر سے اتار ڈالی اور ہچکا کر سے کھوکھراک پر سر بسجود ہو گیا اور بڑی عاجزی سے دعا مانگی کہ ”اے سببِ الاسباب میرے گناہوں کا آج مواخذہ نہ کر اور اپنی مہربانی کی نظر اس عاجز

۱۵ اخیر مرتبہ جب فوج کا شمار کیا گیا تو صرف بارہ ہزار سوار موجود تھے صفحہ ۴۴، سراج الملوک طرطوشی۔

۱۶ اس زمانہ کا یہ دستور تھا کہ گھوڑوں کی دُمیں بہت لمبی رکھتے تھے۔ مگر میدانِ جنگ میں یہ طوالت باعثِ تکلیف تھی، لہذا دُم میں گرہ لگا دی گئی۔ یہ حالت کل فوج کے گھوڑوں کی تھی۔ ۱۷ مختصر المدد صفحہ ۳۲۲۔

بندہ سے جو تیرے نیک بندوں کا تکفل ہے مت پھیر۔ اور ہوا کا رخ دشمن کی طرف پھیر۔ سلطان کے ساتھ فوج بھی دعائیں شریک تھی۔ تھوڑی دیر میں سلطان کی دعا قبول ہوئی اور **۵** اوسے اُدھر بھڑکایا رخ ہوا کا

ہوا کا پھر نہ تھا کہ سلطان مع فوج کے آندھی کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ تلواریں چلنے لگیں۔ یہ کل فوج سپہ سالار عظیم سائو گین کے ماتحتی میں تھی۔ اول میدان قیصر کے ہات رہا اور الپ ارسلان کی فوج کو شکست نصیب ہوئی۔ لیکن ایک افسر کی نادانی سے قیصر کی فوج بھاگ نکلی۔ اور اکثر رفیق قیصر کو چھوڑ کر چلے گئے۔ الپ ارسلان نے موقع کو غنیمت سمجھ کر رومیوں پر ایک آخری حملہ کیا اور میدان جیت لیا۔ مورخ گین لکھتا ہے کہ اس جنگ میں کس قدر رومی فوج قتل ہوئی۔ اور کتنے سپاہی گرفتار ہوئے اسکا ذکر ہی فضول ہے بہر حال فریقین کا عظیم الشان نقصان ہوا۔ اور الپ ارسلان کامیاب ہوا جب رومیوں کی فوج منتشر ہو گئی تو رومانوس اپنی مختصر فوج کے ساتھ لڑتا رہا۔ لیکن خستہ کار زخمی ہو کر زمین پر گر گیا۔ اور ایک سوار نے اُسے گرفتار کر لیا جس سوار نے قیصر کو گرفتار کیا اسکا نام شادی تھا۔ اور یہ ایک پستہ قامت اور کمزور شخص تھا جس کی نسبت تاریخ نگارستان میں لکھا ہے کہ افسر فوج نے جائزہ کے وقت اسی بنا پر اس کا نام خارج کر دیا تھا۔ لیکن سلطان نے افسر مذکور سے سفارش کی کہ اس کو بھی ہتھ دے ممکن ہے کہ یہی قیصر کو گرفتار کرے۔ چنانچہ سلطان کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔ گرفتاری کے بعد قیصر تمام رات معمولی حیثیت سے لشکر میں رہا۔ صبح کو گوہرائیں نے الپ ارسلان کے حضور میں

لے تاریخ نگارستان میں اس سوار کا نام العنقت لکھا ہے صفحہ ۱۶۹ مطبوعہ ممبئی۔

پیش کیا۔ سلطان کو قیصر کے گرفتار ہونے میں شک تھا۔ لیکن جب اس نے زومی قیدیوں کے چھینے چلانے کی آواز سنی اور بی۔ سی لیا ش نے جو یونانی فوج کا سپہ سالار تھا۔ اپنے آقا کو پہچانا اور قدیم بوس ہوا تب سلطان کو یقین ہوا۔ اور سلاطین ایشیا کے دستور کے مطابق قیصر بادشاہ کے سامنے زمیں بوس ہوا۔ اور آداب بجالایا۔ الہیہ رسلاں نے حالت غصہ میں اٹھ کر قیصر کا غرور توڑنے کے لیے اپنا ایک پاؤں قیصر کے کندھے پر رکھ دیا۔ لیکن اس واقعہ کی نسبت لکھتا ہے کہ اس میں کچھ شبہ ہو لیکن ابن خلدون وغیرہ کی روایت اس سے بھی زیادہ سخت ہے اور وہ یہ کہ سلطان نے اپنے ہاتھ سے قیصر کے تین کورے مائے اور کہا کہ میں نے صلح کا پیام دیا تھا جس کو تو نے نہ مانا اور آخر یہ نتیجہ دیکھا۔ رومانوس نے شرم سے سر پیچ کر کے عرض کیا کہ اب مجھے زہر و تونج سے معاف کیجئے اور جو آپ کو کرنا ہو وہ کیجئے۔ لیکن اس فری کارروائی کے بعد پھر سلطان نے قیصر کے ساتھ شاہانہ برتاؤ کیا۔ چنانچہ مورخ لکھتا ہے کہ سلطان نے قیصر کو زمین سے اٹھایا اور اس سے شیک ہنڈ مصافحہ کیا۔ اور یقین دلایا کہ تمہاری عزت اور تمہاری زندگی بطور ایک بادشاہ کے قائم رکھی جائیگی۔ پھر قیصر کو اپنے خیمہ کے قریب اتارا اور اعزاز کے ساتھ مہمان رکھا۔ اور روزانہ دومرتبہ قیصر سلطان سے اکراما تھا۔ اٹھ دن کے بعد سلطان نے قیصر کو بہت سی نصیحتیں کیں اور ان نالائق سرداروں پر نفیس کی جو قیصر کو میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ اور جو غلطیاں اس جنگ میں قیصر سے ہوئی تھیں اس کو بھی سمجھائیں۔ اس کے بعد سلطان نے قیصر سے کہا کہ تاؤ میں تمہارے ساتھ کہا برتاؤ کروں۔

سلفہ اسلامی مورخین کے علاوہ معتبر عباسی تاریخوں میں بھی یہ روایت ہے دیکھو مختصر الدول علی صفحہ ۳۲۳ مطبوعہ بیروت۔

اسنے کہا اگر تو ظالم ہو تو میری زندگی ختم کر دے۔ اور اگر تو متکبر ہو تو اپنی گاڑی مجھ سے کچھ لے
اور پابجولاں اپنے دارالسلطنہ تک لیجا۔ اور اگر تو اپنا فائدہ سمجھتا ہو تو امان لیکر چھوڑ دے۔
اور خواجہ نظام الملک نے کتاب الوصایا میں لکھا کہ قیصر نے سلطان کو یہ جواب دیا تھا کہ ”اگر
تو قصاب ہو تو فوج کو ڈال اور اگر سوداگر ہو تو بیچ ڈال۔ اور اگر بادشاہ ہو تو بخش دے۔“ بہر حال
نتیجہ دونوں روایتوں کا ایک ہی ہے اس سوال و جواب کے بعد سلطان نے قیصر سے دریافت
کیا کہ اگر میں گرفتار ہو کر تمہارے سامنے آتا تو تم میرے ساتھ کیا برتاؤ کرتے؟ ارمانوس نے
جواب دیا کہ میں تجھ کو ڈرے لگاتا۔ قیصر کا یہ جواب اگرچہ عقل اور احسانندی کے خلاف تھا تاہم
سلطان نے نہایت متانت اور ایک فاتح کی شان سے مسکرا کر ٹال دیا۔ اور قیصر کو آزاد کر دیا۔
اور جب قدر رومی افسر اور بطریق قید میں تھے ان کو بھی رہا کر کے خلعت اور انعام عطیہ کیے۔
کاپہ شریفانہ برتاؤ دیکھ کر قیصر نے سلطان سے آواز کیا کہ وہ سالانہ تین لاکھ ساٹھ ہزار دینار دے
کر لے گا۔ اور دس لاکھ دینار بطور تادان جنگ ادا کر لے گا۔ اور کسی ایک شاہزادی کا ترکی شاہزادے
سے عقد کرے گا۔ اور ضرورت کے وقت دمی لشکر سلطان کی مدد کے لیے پہنچا کر لے گا اور پچاس
ہس کے لیے یہ عہد نامہ لکھا گیا۔ تکمیل معاہدہ کے بعد سلطان نے دس ہزار دینار نقد اور ایک خلعت
مرحمت فرما کر ارمانوس کو بعد معافقہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ رخصت کیا اور تین میل

۱۔ کتاب الوصایا صفحہ ۳۰۰ کتاب ہذا

۲۔ ایک روایت یہ ہے کہ قیصر کا جواب سن کر سلطان نے حکم دیا کہ ذیل شخص کا قتل کرنا تو فضول ہے، لشکر میں منادی کر کے

نیلام کیا جاوے چنانچہ نیلام میں کوئی خریدار نہیں ہوا تب آزاد کر دیا۔ سراج الملوک طرطوسی صفحہ ۱۴۰

۳۔ گین صفحہ ۳۰۰ جلد ۹ عہد سلجوقیہ۔ وکال اثر علیہ جلد ۱۰ صفحہ ۲۳ و تاریخ آل سلجوق صفحہ ۲۲

تک بطور مشایعت قیصر کے ہمراہ خود بھی گیا۔ جب قیصر اپنے سرحدی (قلعہ دوقیہ) پر پہنچا۔ تو کھوکھلا
اطلاع ہوئی۔ کہ روم کے تخت پر میخائیل ہفتم نے قبضہ کر لیا ہے۔ اور کل رعایا رومانوس کی
فرمانبرداری سے انکار کرتی ہے۔ کیونکہ رعایا کا یہ خیال تھا کہ مسیح علیہ السلام رومانوس سے ناراض
تھے۔ یہی باعث شکست کا تھا۔ اور جس پہنچ کا عتاب ہو وہ لائق بادشاہت نہیں ہے۔ ہاشم
رومانوس قسطنطنیہ میں داخل ہوا۔ اور اپنے قول کے مطابق بمثل تمام دولاکھ دینار اور ایک طبق
جواہرات سے بھرا ہوا (جس کی قیمت نوے ہزار دینار تھی) جمع کر کے سلطان کی خدمت میں
روانہ کیے۔ اور شرعی قسم لکھی کہ اس سے زیادہ میرے پاس نہیں ہے اور اپنے تمام حالات سے
سلطان کو اطلاع دی۔ الپ ارسلان رومانوس کی رہستی اور ثابت قدمی سے بہت خوش ہوا
اور جن لوگوں نے اس کے ملک پر قبضہ کر لیا تھا اس کی سرکوبی کو جانا چاہا۔ مگر اس درمیان میں
معلوم ہوا کہ رومانوس کو اس کی نمک حرام رعایا نے اندھا کر کے قتل کر ڈالا ہے۔ لہذا روانگی ملوث
رہی۔ اس فسح کے بعد الپ ارسلان سے کو واپس گیا۔ اور لڑائی میں جو خزانہ اور نادر چیزیں ملی
تھیں وہ سب قطعے میں داخل کی گئیں۔ اور قلعہ دار کو ان کی حفاظت کا خاص حکم دیا گیا۔ اور
امیر المومنین اور دیگر سلاطین کو نامہ فتح روانہ کیے گئے جس کے جواب میں تمام ملکوں مبارکباد
کے خطوط آئے۔ شعرا نے قصائد پڑھے۔ تاریخ اکل سلجوق میں لکھا ہے کہ اس لڑائی میں مال غنیمت کا
یہ حال تھا کہ ایک دینار میں تین تہہ اور سوس دینار (۱۳۰ تہہ پائی) میں بارہ خود فروخت ہوتے
تھے۔ اور سلطانی فوج کا ایک ایک سپاہی مال دولت سے گرانبار ہو گیا تھا۔ مورخین کا قول ہے

لے روزہ الصفا حالات الپ ارسلان -

کہ فی فتح عہد اسلام کی فتوحات سے مشابہ ہے۔ اور لوگوں کو صحابہ کرام کا زمانہ یاد آگیا تھا۔

اس رائے کے بعد سلطان نے ایشیائے کوچک کی حکومت اپنے چچا زاد بھائی سلیمان بن قلمش کے سپرد کر دی۔ جو بعد میں ایک مدبر حکمراں اور ایک ماہر سپہ سالار ثابت ہوا جس نے جلد ہی اپنی حدود سلطنت کو جانب شمال ہسپانیہ تک اور جانب مغرب بحیرہ روم تک بڑھا لیا۔ اور قیصر کو خراج دینے پر مجبور کیا۔ سلیمان نے ٹائس (صوبہ بائینا) کو اپنا دار الحکومت بنایا جو جنگ صلیبی تک مستور رہا۔ اور جب جنگ صلیبی میں یہ ملک نکل گیا تو قوشیہ (الکونیم) کو صدر مقام بنایا۔ اور یہ حصہ ملک تارویوں کے تاخت و تاراج تک سلیمان کی اولاد کے قبضہ میں رہا۔ اور عثمانیہ میں دولت عثمانیہ کے قبضہ میں چلا گیا جس کی تفصیل تاریخ عثمانیہ میں پڑھنا چاہیے۔

بناوٹ فضلو یہ شاہنشاہ | فتوحات روم سے فارغ ہو کر سلطان العربیہ رسلماں اور خواجہ نظام الملک کے کوہا پس آئے اور انتظامات ملکی میں مصروف ہے۔ لیکن فضلو یہ کی بغاوت کی شہرت سن کر اس کی سرکوبی کے لیے اپنے بیٹے میں پھر فارس کی طرف روانہ ہوئے فضلو یہ کا مختصر حال یہ ہے کہ فضل بن جن مقلب فضلو یہ حکمرانان شاہنشاہ کی نسل سے تھا۔ اور العربیہ رسلماں کی سفارش سے

۱۔ تاریخ اسلام رائٹ آؤریل امیر علی صاحب الباقہ۔ صفحہ ۳۱۴ (باب بیستم) ۲۔ حدود دار السلطنت قوشیہ کے یہ ہیں۔ جانب مغرب روم و خلیج قسطنطنیہ و بحر القرم جانب جنوب بلاد شام و جزیرہ جانب مشرق ارمینہ جانب شمال بلاد کج و بحر القرم۔ یہ حصہ ایشیائے کوچک کہلاتا ہے۔ حاشیہ مختصر الدول صفحہ ۳۹۔ ۳۔ کامل اثیر جلد ۱۰۔ صفحہ ۲۴۔ کتاب الوصایا۔ دوسرے حصہ کتاب ہذا صفحہ ۳۶۸۔ مرآت البلدان ناصری صفحہ ۶۰۲۔ فارس نامہ ناصری صفحہ ۲۳ و ۳۳۔ جلد دوم ۴۔ شاہنشاہ فارس کے اس حصہ کا نام ہے جو مشیرد کے جنوب و مشرق میں واقع ہے اور جس کا صدر مقام ایچ تھا۔ قاضی عبداللہ بن عبد الرحمن ایچی شیخ قطب الدین محمد ایچی۔ ملاصفی الدین ایچی۔ (اسناد علامہ جلال الدین دوانی) مشاہیر علماء اسی خاک سے ہیں۔

سلطان طغرل بیگ نے دہلی میں ملا دھار سس کا ٹھیکہ دیدیا تھا۔ فضلو یہ نے صوبہ فارس کا عہدہ انتظام کیا تھا۔ خود داراب میں ہوتا تھا۔ اور شیراز میں اس کا نائب حکومت کرتا تھا جب الپ سلا روم کی مہم میں مصروف ہوا تو میلان خالی پا کر فضلو یہ نے بنادت شروع کی اور ادا سے خرچ سے انکار کیا۔ تب خواجه نظام الملک کی سپہ سالاری میں فارس پر فوج روانہ کی گئی۔ چونکہ فضلو یہ سس سلطانی فوج سے مقابلہ کی طاقت نہ تھی لہذا وہ قلعہ بترجہرم میں پناہ گزیں ہوا۔ یہ قلعہ قبیلہ جہرم سے جانب مشرق آٹھ فرسنگ پر واقع ہے۔ اور بلحاظ اپنی نوعیت کے ناقابل فتح ہے۔ اس واقعہ کو خواجه نظام الملک نے کتاب الوصایا میں خود لکھا ہے۔ چنانچہ خواجہ کا بیان ہے کہ قلعہ کا محاصرہ صرف ایک ماہ رہا۔ اور صبح کو یکایک قلعہ سے الامان کی صدا بلند ہوئی اور فضلو یہ نے خرچ دینا منظور کر لیا۔ اس واقعہ پر عام حیرت تھی کہ جو قلعہ برسوں میں بھی فتح نہ ہو سکتا تھا۔ اس کے قلعہ دار نے کیونکر اطاعت قبول کر لی لیکن تحقیق سے معلوم ہوا کہ رات بھر میں قلعہ کے تمام مالاب و دروس خشک ہو گئے تھے۔ اس لیے محصورین امان کے طالب ہوئے تھے۔ حقیقت میں یہ خواجه نظام الملک کی نیک نیتی اور زہد و پارسائی کا اثر تھا کہ غیب سے قلعہ کے فتح کا سامان ہو گیا اور تاریخ ۲۹ ستمبر ۱۱۷۱ء یومِ پنجشنبہ (محرم ۵۷۲ھ) میں فتح نصیب ہوئی۔ ایک عیسائی مؤرخ نے اس واقعہ کو پڑھ کر یہ لکھی ہے کہ خواجه حسن نظام الملک کو سپہ سالاری اور فنونِ حرب سے کوئی مناسبت

(بقیہ نوٹ صفحہ قبل) حکمران شاہنشاہ کا سلسلہ نسب روئیرا تک پہنچتا ہے۔ ابتدا میں اس خاندان کے بزرگ شاہی گھرانہ تھے۔ لہذا شاہنشاہ کھلائے۔ فضل کا باپ حسن۔ نصر الدولہ دہلی کی فوج کا سپہ سالار تھا۔ لیکن اس خاندان میں فضل بن جن لقب فضلو یہ ہے زیادہ نامور ہوا ہے۔ لہٰذا سر جان ملکم صاحب حالات خواجه نظام الملک۔

نہ تھی۔ بلکہ جن لڑائیوں میں وہ شریک ہوا اُس کی کامیابی کو وہ اپنی مساجات اور دعاؤں کا نتیجہ سمجھتا تھا۔ اور اپنی عبادت اور خدا پرستی پر بھروسہ رکھتا تھا۔ یہ ایک عجیب و غریب راسے ہے جس سے یورپ کی دہریت اور لاندہی نکلتی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ یورپ کو دشمن کے مقابلہ میں اپنے آلات حرب اور فنون جنگ پر بھروسہ ہوتا ہے۔ اور علماء مذہب کا گرجوں میں خدا سے دعا مانگنا ایک فضول کام ہے۔ حالانکہ اگر تائید غیبی اور فضل خداوندی شامل حال نہ ہو تو فوج کی کثرت اور اُس کی قواعد دانی مابلل بیکار ہے۔ اور ضیاء الملک الدین امیر عبدالرحمن خاں مرحوم والی دہلی خدا و افغانستان تو اس قواعد کے بالکل خلاف تھے۔ انکا یہ قول مشہور ہے کہ ”ایں قص درمیدان بکار نیاید“ بہر حال ہم کو مورخ مذکور کی رائے سے اتفاق نہیں ہے۔ بلکہ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ خواجہ جن نظام الملک جس طرح عقل اسے اور سیاست میں ایک منطیقہ شخص تھا۔ ویسا ہی وہ آداب لشکر کشی سے بھی واقف تھا۔ وہ جمیاد بر وزیر تھا ویسا ہی ایک تجربہ کار سپہ سالار بھی۔ اب اگر کسی خدا پر سپہ سالار کا یہ خیال ہو کہ فتح اور شکست محض خدا کی طرف سے ہے تو اس پر یہ بدگمانی کرنا کہ وہ فن حرب سے ماہر نہیں ہے اور اپنے فرائض سے ناواقف ہے محض ایک نادانی کا خیال ہے۔ قلعہ تبرجہرم ایک عجیب و غریب طرز کا قلعہ ہے۔ لہذا اس کا نقشہ اور فرہنگ پیش کی جاتی ہے جس کے ملاحظہ سے قلعہ کے اندر اور بیرونی حصے بخوبی سمجھ میں آجائیں گے۔ نقشہ میں جو ہند سے دیئے ہوئے ہیں اس کے مطابق فرہنگ میں دیکھنا چاہیئے۔

فرہنگ نقشہ قلعہ تمبر جہرم منقول از کتاب مرآت البلدان ناصری رقمزدہ باقر خاں پسر عبدالحسین خان مرحوم صفہ سانی

۱۔ چوٹی ٹوہ جہرم۔ جو بطور پشتہ قلعہ کے چاروں طرف محیط ہے۔

۲۔ سنگری۔

۳۔ فاصلہ درمیانی پشتہ کوہ و قلعہ۔

۴۔ قیام گاہ نصر اللہ خاں باغی۔ عہد ناصر الدین شاہ مرحوم (تعمیر جدید)

۵۔ اس حصہ قلعہ کا نام ”دہ مردہ“ ہے۔ اور یہی مقام توپ خانہ ہے۔

۶۔ میدانی حصہ

۷۔ برج فضل علی باغی۔ عہد ناصر الدین شاہ ۱۲۹۲ھ (جدید) یہ تمام قلعہ کا دروازہ ہے جسکو رگ وال کہتے ہیں

۸۔ برج عالم میں تعمیر کردہ فضل علی (جدید) اس تمام پر پہاڑ کی چوڑائی ریل فرسخ ہے۔

۹۔ قلعہ تمبر قدیم عہد نظام الملک جس میں فضلوئیہ مقیم تھا۔

۱۰۔ راستہ بالائے قلعہ۔ اس مقام تک ذریعہ چاہ وازو نہ (الٹا کنواں) پہنچتے ہیں۔ اور پھر اس جگہ سے

بذریعہ طناب (۳ گز) بالائے قلعہ پہنچتے ہیں۔ صرف ایک آدمی کے جائز کا راستہ ہے۔ بیک و دم ہے۔

۱۱۔ یہاں گودام ہے اور کیتھراپانی کا بھی ذخیرہ رہتا ہے۔ یہ رگ سوم ہے۔

۱۲۔ برج نصر اللہ خاں ہارلو۔ (جدید)

۱۳۔ چشمہ الجمع۔

۱۴۔ چشمہ کیلہ۔

۱۵۔ موقع توپ۔

۱۶۔ چشمہ رازبانہ۔

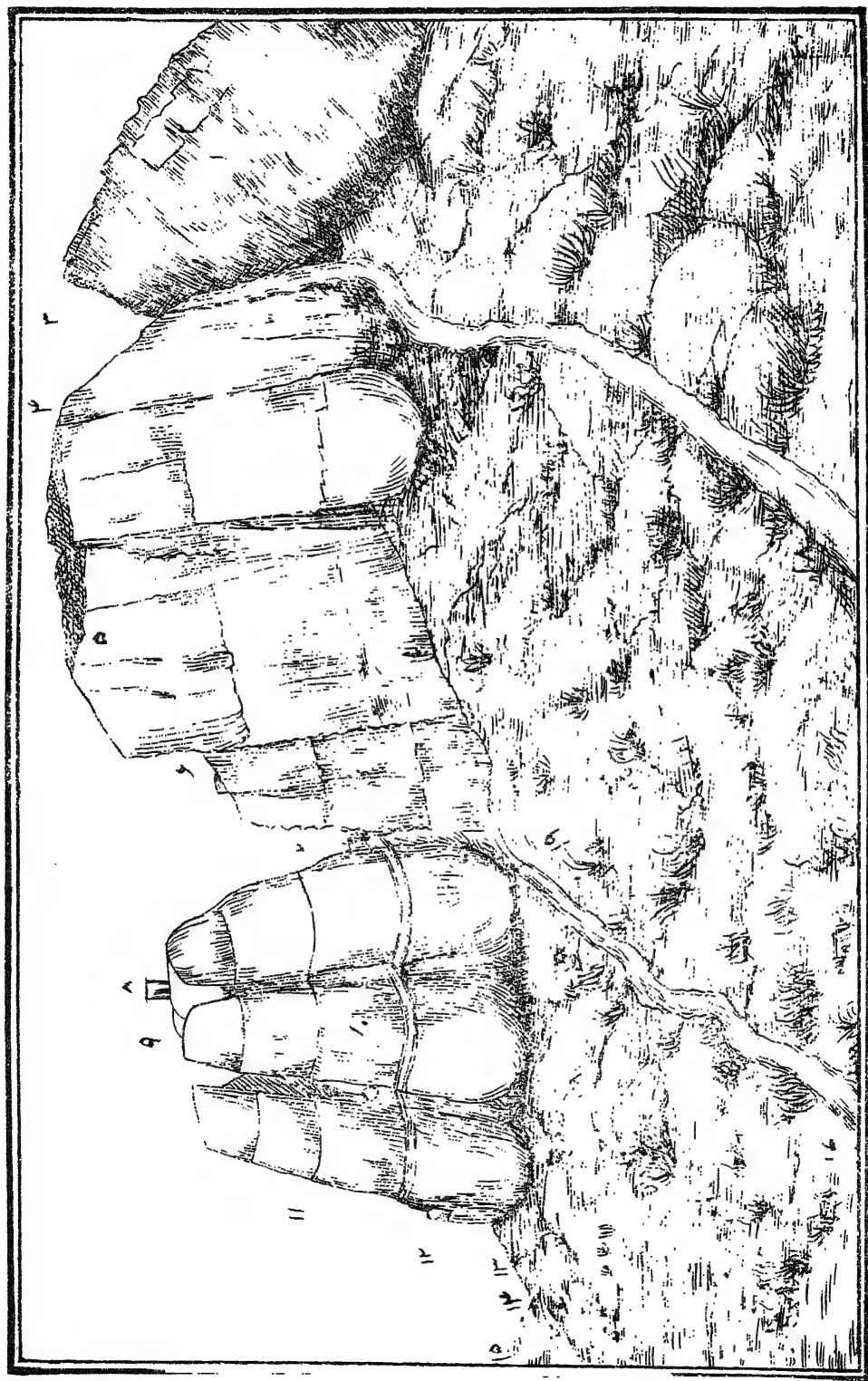
۱۷۔ چاہ واژونہ۔ یعنی رستہ قلعہ۔ اس مقام سے رگ اول تک ایک گھنٹہ کی مسافت ہے

۱۸۔ راتہ ”دہ مردہ“۔ اس رستہ سے توپیں لیجاتے ہیں۔ یہ رستہ دو گھنٹہ کا ہے۔

۱۹۔ چشمہ آب دل سیما ہاں۔ یہ چشمہ پہاڑ کے نیچے ہے۔ اور پہاڑی سوتوں سے پانی ٹپکے جو ضو

میں جمع ہوتا ہے۔ اس چشمہ کے جانب مشرق ایک چوتھائی فرسنگ پر پہاڑ کے نیچے ایک سلسلہ
شیر مہیوں کا ہے جو پہاڑ تراش کر بنائی گئی ہیں۔

نوٹ۔ قلعہ کے قدیم اور جدید حصہ پر متعدد برج ہیں اور ہر برج ایک حصے کا گانہ نام سے موسوم ہے۔ دولت ایران
کی طرف سے آج کل اس قلعہ پر تلوجوان بلوچوں کی پولیس کے متعین ہیں۔



مقتل سلطان الپ ارسلان | قیصر رومانوس کی لڑائی کے بعد سلطان الپ ارسلان نے اپنی عالی
 حوصلگی اور بلند خیالی سے یہ ارادہ کیا کہ جو علاقہ خاندان سلجوقیہ کا ابتدائی مسکن اور مولد رہا ہے اُس پر بھی
 قبضہ ہو جائے۔ چنانچہ دو لاکھ فوج پیادہ اور پچاس ہزار سوار لیکر دار السلطنت سے نکلا اور دریائے
 جیجون پر ایک پل باندھا۔ اور تقریباً بیس دن میں جیجون کے پار ہو گیا۔ سلطان کا قصد تھا کہ شہر الملک
 تگس خان بن تغج خاں والی ماوراء النہر پر حملہ کرے۔ چنانچہ جیجون سے اتر کر پہلا مقام ”فربر“ پر ہوا۔
 اور اس جگہ تمام فوج کو دعوت دی گئی اور اسی جگہ سے ایک قلعہ پر جس کا نام ”برزم“ تھا جو نہر جیجون
 کے کنارہ واقع تھا، حملہ کیا گیا۔ لیکن اتفاق سے یہ قلعہ فتح نہیں ہوا جب سلطان الپ ارسلان نے
 دیکھا کہ اگر میں قلعہ برزم کی فتح میں الجھار ہوں گا تو اصلی مہم جانی ریگی۔ لہذا یوسف غوار زئی محافظ قلعہ کو
 بتایں چھٹی رات اول صبح اپنے سامنے طلب کیا۔ اور گفتگو شروع ہوئی۔ یوسف نے سر دربار
 سلطان سے سخت کلامی کی سلطان کو اُس کی گستاخی ناپسند ہوئی۔ اور غصہ کی حالت میں حکم
 دیا کہ اُس کو چومچہ کر کے قتل کر دو۔ یہ سن کر یوسف اور برہم ہوا۔ سلطان کو مخاطب کر کے کہا کہ ”مے
 محنت کہیں مجھ ایسے بہادر بھی اس ذلیل طریقہ سے قتل کیے جاتے ہیں۔“ یہ سخت جواب سن کر
 الپ ارسلان پہلے سے باہر ہو گیا اور کمان میں سہ چوبہ تیر جو ڈکر یوسف کو نشانہ بنایا۔ الپ ارسلان
 ایسا قارنداز تھا کہ اس کا تیر کبھی خطا نہیں کرتا تھا۔ لیکن یوسف پروا رخی گیا اور ایک تیر بھی
 نشانہ پر نہ لگا۔ تب سلطان تخت سے اُٹھا کہ یوسف کو پکڑ کر خود سزا دے۔ لیکن گوشہ دامن

۱۷ تاریخ آل سلجوق اصفہانی - صفحہ ۴۴ - کامل اثیر دین خلدون - وفات الپ ارسلان - وقویم ابوالضیاء صفحہ ۲۲۴

۱۸ فربر = جیجون کے شہر کی جانب ہے۔ اس جگہ سے دریا کا کنارہ ایک میل ہے

تخت کے پایہ سے ابجا اور سلطان مونہ کے بل زمین پر گر پڑا۔ اس قدر موقع پا کر یوسفؑ نے الپ سلاں کو ایک ایسی چھری ماری جس کے صدمہ سے وہ مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگا۔

بٹوید چوا زبان خود دست پاک زندکار و برخواجہ کستہ غلام
سعد الدولہ گوہرائین جو سلطان کے سرمانہ کھڑا ہوا تھا اُس نے یوسفؑ کو گرفتار کر لیا
جامع فرسخنیا پوری نے ایک میچ کو ب یوسف کے سر پر مارا جس کے صدمہ سے سُکی روح
پر داز کر گئی۔ بعد ازاں دیگر درباریوں نے یوسف کے ٹکڑے کر دیئے اور زخمی سلطان کو درباری
خیمہ سے ایک دوسرے خیمہ میں اٹھالے گئے۔ زخم کے صدمہ سے بروز شنبہ دسویں ربیع الاول
۸۶۵ھ مطابق ۲۴ نومبر ۱۷۷۳ء سلطان کا انتقال ہو گیا۔ نو برس۔ دو مہینہ۔ دس یوم مستقل سلطنت
کر کے چالیس برس کے سن میں انتقال کیا۔ اور مرہ کے شاہی قبرستان میں دفن کیا گیا۔ الپ سلاں
بروز جمعہ تباریخ ۲ محرم ۸۶۵ھ پیدا ہوا تھا قبر کے تعویذ پر حسب ذیل فارسی شعر کندہ ہوئے۔

سر الپار سلاں دیدی زلفت برگردوں بر دآ۔ تا بخاک اندر سلاں الپ سلاں بینی
مصنف تباریخ الوانی نے اس مضمون کو عربی میں اس طرح پر نظم کیا ہوئے۔

یا من برائی البار سلاں علی فلائ
سایم من المجد قد ضیعت کو اکب
تعال وانظر فلم یبق سوی حجی
هذا التراب فقد نلت مواکب

۱۔ تباریخ پروفیسر براؤن صاحب ۷ کتاب الوانی جلد اول۔ صفحہ ۴۷۲۔ مذکورہ بالا فارسی شعر پروفیسر براؤن صاحب
کی تباریخ میں منجھ ہوا اور تباریخ گنج دانش میں یہ شعر لکھا ہے۔

بالا ہے چرخ دیدی الپار سلاں بخت
در مرہ میں کنوں کہ بریز تراب شد

اور انگریزی تاریخوں میں اسی شعر کا ترجمہ نشر میں لکھا ہوا ہے جس وقت باشندگان ماوراء النہر نے سنا کہ الہیہ سلطان دولاکھ فوج لیکر آ رہا ہے تو تمام ملک میں ہل چل پڑ گئی۔ اور شہر بخارا کے مسلمانوں نے ختم قرآن کا وظیفہ شروع کیا۔ اور خدا سے دعا کی کہ وہ انکا حامی و مددگار ہو چنانچہ ان کی دعا مستجاب ہوئی اور سلطان تنگ نہ بڑھ سکا۔ جب سلطان زخمی ہو کر اپنے خیمہ میں گیا تو درباریوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”کہ مجھ پر جو کچھ گزرا وہ میری خام خیالی کا نتیجہ تھا۔ افسوس ہے کہ میں نے ایک بزرگ کی نصیحتوں پر عمل نہیں کیا۔ ایک یہ کہ کسی کو نظر قہارت سے نہ دیکھنا۔ دوسرے یہ کہ اپنے آپ کو کبھی بڑا نہ سمجھنا۔ آج دو مرتبہ نفس مارا ہے نے کشتی کی۔ اول صبح کے وقت ایک ٹیلہ پر کھڑے ہو کر جب میں نے فوج کو دیکھا۔ تو کثرت فوج سے میرے دل میں یہ خیال آیا کہ آج دنیا میں مجھ سے بڑھ کر کوئی بادشاہ نہیں ہے۔ اور نہ کوئی میرا مقابلہ کر سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ میں نے اپنی طاقت پر بہرہ لے لیا حالانکہ ایک ہزار جاندار (علما و ماہرین خاصہ) میرے سامنے موجود تھے۔ مگر میں نے ان کو منع کیا کہ وہ یہ کہ نہ روکیں۔ درحقیقت اگر میں اپنے کاموں میں خدا سے مدد مانگتا تو مجھے یہ دن نہ دیکھنا پڑتے۔ اولاً اب میں خدا کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔“

زخمی ہونے کے بعد سلطان نے ایک دربار کیا۔ اور اپنے بیٹے ملکشاہ کے سر پر تاج سلطنت بکھا

۱۷ اس مضمون کو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اپنے زمانہ میں ذیل کی نظم میں ادا کیا ہے۔

مرا پر دانائے مرشد شباب دوا ندر زفر نمود بر روی آب
یکے آنکہ در خلق بد میں مباش دگر آنکہ در خویش خود میں مباش

۱۸ تاریخ خوارستان صفحہ ۱۷۴

کامل اسیر علیہ ۱۰ صفحہ ۲۶۵

اور اس کی رفاقت کا تمام سرداروں سے حلف لیا۔ اور ملک شاہ کو وصیت کی کہ وہ تمام سلطنت کا انتظام نظام الملک کے مشورہ سے کرتا رہے جو ایک خدا پرست اور مدبر وزیر ہو۔ اور اپنے دوسرے بیٹے ایاز کے حق میں یہ وصیت کی کہ اُس کو پانچ لاکھ دینار دے دینا۔ اور قاضی بن داؤد کو فارس اور کرمان کی حکومت سپرد کرنا اور سیکدر نقدی کے لیے بھی ہدایت کی۔ اور اُنے دولت سے یہ بھی اقرار لے لیا کہ میری وصیت کی تعمیل کی جائے اور اگر میرے حکم کی تعمیل نہ ہو تو تم تلوار سے کام لےنا۔ اس کے بعد کلمہ شہادت پڑھتا ہوا انتقال کر گیا۔

سیرت سلطان ابی اسلاں سلطان ابی اسلاں ایک نہایت فیاض اور عادل بادشاہ تھا۔ کسی کی شکایت کبھی نہیں سُنتا تھا جس کی تصدیق خواجہ نظام الملک نے اپنے ایک ذاتی واقعہ سے کی ہے جو حدود سلطنت کو اس عہد میں بڑی ترقی ہوئی اور بلحاظ رقبہ حکومت لوگ اس کو "سلطان عالم" کہتے تھے خدا کی نعمتوں کا بڑا شکر گزار تھا۔ اور بچہ صدقات کا دینے والا۔ رمضان المبارک میں پندرہ ہزار دینار خیرات کرتا تھا۔ دفتر میں ایک جسر رہتا تھا جس میں تمام سلطنت کے ان فقراء و مساکین کے نام درج تھے جن کو گھر بیٹھے وظیفہ دیا جاتا تھا۔ اس بادشاہ نے خالص مالگذاری کے علاوہ کبھی رعایا سے کسی قسم کا تاوان اور جبرانہ وصول نہیں کیا۔ اور سال میں صرف دو مرتبہ خراج وصول کیا جاتا تھا۔ اوقات فرصت میں شاہنامہ اور سکندر عظیم کی فتوحات اور قدیم بادشاہوں کی تاریخ سُنا کرتا تھا۔ علاوہ باطنی اوصاف کے نہایت خوبصورت۔ وجہ یہ اور طاقتور تھا۔ مذہب اسلام کا ایک پُر دست حامی تھا۔ اور مذہبی توہین کو ایک منٹ کے لیے

بھی جائز نہ رکھتا تھا۔ ہر شہر میں مسجدیں تعمیر کرائیں۔ ایسا سے عہد میں ضرب بٹل تھا۔ خلیفہ قائم بامر اللہ کا بہت ادب کرتا تھا۔ مگر انفسوس یہ کہ نہ بغداد جاسکا اور نہ خلیفہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ اسکے عہد سلطنت میں ہر شہر میں مدرسے جاری ہوئے جس سے علم کا فیض عام ہو گیا۔ باشندگان فارس کا یہ قول صحیح ہے کہ جن وحشی تازیوں سے ہمو اندیشہ تھا۔ اور جن کی حکومت کو ہم ایک آفت ناگہانی سمجھتے تھے۔ اُن کے آنے سے ملک کی فتنہ کھل گئی۔ لیکن الپ ارسلان کو جہاں خدا نے اور نعمتیں دی تھیں۔ اُن میں سب سے بڑھ کر خواجہ نظام الملک کی ذات تھی۔ تمام مورخوں کا اس پر اتفاق ہے کہ الپ ارسلان کے دور حکومت کی ترقی کا باعث خواجہ نظام الملک کی حکمت عملیاں تھیں۔ دارلہی بہت لابی تھی۔ چنانچہ طاہرہ (ایک قسم کی لابی ٹیپی) کی چوٹی سے نیچے تک دارلہی کی مفت دار دو گز ہوتی تھی (اور کلمہ کلاہش تا پائین بحیرہ) اور چوگال باری (پولو) کی حالت میں دارلہی میں تین گرہ لگالیتا تھا۔ سیاست کا یہ حال تھا کہ ایک غلام نے کسی دیہانی کی پگڑی چھین لی۔ جب وہ فرمادی ہوا تو تحقیقات کی گئی۔ ایک غلام گرفتار ہو کر سامنے آیا اسی وقت قتل کا حکم دیا اور اُس کی نعش تین مہینے تک سولی پر لٹکتی رہی اور کسی کی طاقت نہ تھی کہ اُس کو دفن کرے۔ بادشاہوں کے سفیر جب سامنے آتے تھے تو اُس کی ہیبت اور جلال سے کانپنے لگتے تھے۔ وسعت سلطنت کا یہ حال تھا کہ تمام ممالک مقبوضہ میں بارہو ماتحت حکمران تھے۔ دسترخوان شاہی بہت وسیع تھا یہاں تک کہ میدان کا زرار اور شکار گاہ میں بھی وسیع پیمانہ پر انتظام ہوتا تھا۔ علاوہ شاہی دسترخوان کے بادرجی خانہ میں

روزانہ فقرا اور مساکین کے لیے پچاس بکریاں فوج ہوتی تھیں۔ اس کے عہد میں جو عمارت بنائی جاتی تھی اُس کی نسبت حکم تھا کہ وہ بہت بلند و مستحکم اور شاندار ہو۔ کیونکہ سلطان کا خیال تھا کہ یہ آثار عالی بہتی اور فوج و نعمت پر زمانہ آئندہ میں دلالت کرتے رہیں گے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مزار پر شاندار عمارت بنوائی جس کی تفصیل یہ ہے کہ ۳۵۹ھ میں سلطان الہیہ اسلام کو معلوم ہوا کہ امام صاحب کے مزار پر کوئی قبۃ نہیں ہے اور نہ کوئی مدرسہ ہے تو اُس نے ابو سعد محمد بن منصور شرف الملک مستوفی کو حکم دیا کہ امام صاحب کی قبر پر ایک قبۃ اور ایک مدرسہ طیار کرایا جائے۔ چنانچہ کام جاری ہوا۔ اور عمارت بن کر طیار ہو گئی۔ رسم افتتاح مدرسہ بڑی شان سے ادا ہوئی۔ ابو جعفر مسعود نے جو اتفاق سے اس موقع پر آ نکلا تھا۔ امام صاحب کی مدح میں یہ جربستہ اشعار پڑھے جو اُسی وقت قبۃ پر لکھ دیئے گئے۔

المرتبان العلم کان مبدا
فجمعه هذا المغيّب فی اللحد

کذا لک كانت هذه الارض مہیة
فانشرها فاعل العبد الابی سعد

یعنی تم دیکھتے نہیں! اہم کس طرح ابر مور ہا تھا۔ پھر اس شخص نے اس کو مرتب کر دیا جو اس لحد میں مدفون ہو۔ اسی طرح یہ زمین مردہ پڑی ہوئی تھی جس کو شرف الملک ابو سعد کی کوشش نے دوبارہ زندہ کر دیا۔ ابن بطوطہ کے زمانہ تک یہ مدرسہ قائم تھا۔ جس کے ساتھ مسافر خانہ بھی قائم تھا اور مسافروں کو کھانا ملا کرتا تھا۔

لہ تاریخ آل سلجوق اصفہانی سیرۃ الہیہ اسلام لکھ تاریخ ال سلجوق صفحہ ۳۲۔ اشعار بادنی تغیر درج ہیں۔

سلطان الپ ارسلان کی عملداری میں جس قدر عیسائی رعایا تھی اُن کو حکم تھا کہ وہ نسل نسل اپنے
 داس کی شکل فریقہ یہ کا رکھے تھی، کے ایک نشان اپنی گردن میں ڈالے رہیں۔ تاکہ مسلمان و عیسائی
 میں فرق مہتہ یاز بانی رہے۔ عقل اور فراست میں اپنے سب بھائیوں سے ممتاز تھا۔
 اور اسی وجہ سے سلطان طغرل بیگ نے اس کو ولیعہد کیا تھا۔ چنانچہ زمانہ ولیعہدی کا یہ واقعہ
 مشہور ہے جس کو شمس العلماء مولانا حالی نے اپنی مسدس میں نظم کیا ہے۔

الپ ارسلان سے طغرل نے پوچھا کہ قومیں ہیں دنیا میں جو جلوہ مندر
 نشان اُن کی اقبال مندی کو ہیں کیا کب اقبال مندان کو کہنا ہو زیبا
 کہا ملک دولت ہو بات اُن کے جت تک
 جہاں ہو کمر بستہ ساتھ ان کے جت تک

جہاں جائیں وہ سرخرو ہو کے آئیں نظر ہمنماں ہو جدھر باگ اٹھائیں
 نہ بگڑیں کبھی کام جو وہ بنائیں نہ اکھڑیں قدم جس جگہ وہ جائیں
 کریں مس کو گرمس تو وہ کیمیا ہو
 اگر خاک میں بات ڈالیں طسلا ہو

ولیعہد کی جب کہ باتیں سنیں یہ ہنسائیں کے فزانہ دور میں یہ
 کہا جان عم گپ ہو گو دشمنیں یہ مگر شرط اقبال ہرگز نہیں یہ

حوادث سے بن گزارا نہیں یہاں
 بلندی پستی سے چارہ نہیں یہاں
 لے گنج دانش صفحہ ۴۰۰
 الخ (مسدس حالی)

سلطان۔ طغرل بیگ کی طرح، اگرچہ سپاہی تھا۔ لیکن شعرا کا قدردان تھا۔ فتوحات کے موقع پر شعرا مبارکباد میں قصائد پڑھتے تھے اور صلہ پاتے تھے۔ عبہری غزنوی، دربار کا شاعر تھا جس کے ذیل کے اشعار بطور یادگار لکھے جاتے ہیں۔

بگردوں بریں بر شد بہ فخر ملک ایران	کہ گسرد از برش سایہ خجستہ رانت سلطان
خداوند جہاں، الپ ارسلان سلطان دین کو	کہ باعش نماید جو ریکس عدل و نشتراں
خداوندی و رازید کہ چوں تنفیس شود پیدا	اگر کو ہے بود دشمن بجاک اندر شود پنهان
خداوندے کہ دسود و زریاں خوشنودی و شمش	یکے ہویت بے اندہ کی در دیت بیدار
نگہ کن تا بدیں لشکر کہ طاعی گشت امرش را	چہ کردانشہ در یاد دل با دل بدعت طعیاں
ہول رعد گشت باد و چشم ابر از اری	بزور پیل و سہم شیر و مگر گرگ پردتاں
قوی چوں سدا سکندر رسید دل چوں شب ہمارے	ہمہ آشفہ چوں دریا ہمہ سے حصر چوں باراں
بیک حملہ کہ سلطان کرد ہچوں شیر بر آہو	ز خون خشم دریا شد بیک ساعت ہمہ میاں
چو سہم رانت ہب سہم معادی زد و بگزید	چو اہرمن کہ بگزید ز سہم آیت سرفاں
بچونین فتح فرخندہ کہ دادت ایزد اور	تو شادی کن کہ دشمن گشت زان خستہ و پڑشاں

تو یار شادمانی باش تا دشمن خورد اُندہ

تو جنت نند رستی باش تا دشمن بود نالماں

۵۔ مجمع الفصیح صفحہ ۳۳۔ عبد المجید نام، عبہری، مختص غزنین کا باشندہ، ایک نامور حکیم اور فاضل تھا۔ ملک شاہ کا بھی مداح رہا۔ حکیم سنائی ادیب صابرا اور سوزنی اس کے حلیم و ندیم تھے۔ "عبہری کے علاوہ، زہیر الدین، اسیر الدین،

سلطان الپ ارسلان نے انتقال سے قبل اپنے عزیزوں کو حسب ذیل ملک تقسیم کئے

سیلمان بن داؤد چغری بیگ بلخ

امیر انیاکچ بن بیغو ماژندراں

ارسلان ارغوبراد الپ ارسلان خوارزم

ارسلان شاہ۔ پسر الپ ارسلان مرو

الیاس چغانیہ (صفانیان)

مسعود بن ارطاس تھارستان

مود و دین ارطاس ولایت بختور (فولج باغیس) و اسفران

انتقال کے وقت سلطان کے حسب ذیل بیٹے موجود تھے۔

ملکشاہ۔ تئش۔ تکش۔ ارغوں۔ ارسلان شاہ۔ ایاز۔ بوری برس چند بیٹیاں بھی تھیں

جن میں سے۔ سارہ۔ وعائشہ صفری خاتون۔ زلیخا خاتون مشہور ہیں۔

تخت نشینی ملکشاہ سلطان الپ ارسلان کے انتقال پر سترہ سال کی عمر میں دسویں ربیع الاول

۶۱۷ھ میں جلال الدولہ، ابو الفتح، ملکشاہ، اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ ملکشاہ کے اور بھائی بھی

موجود تھے۔ مگر چونکہ ملکشاہ سب میں بڑا اور قابل تھا لہذا ۶۱۷ھ میں خواجہ نظام الملک کے

مشورہ سے الپ ارسلان نے اپنا ولیعہد کیا تھا۔ اور رسم ولیعہدی بڑی دہوم سے مرغزا

(بقیہ نوٹ صفحہ قبل) مجیر الدین بلقانی، کمال الدین نخجوانی، شام فورنیا پوری۔ ذوالفقار، سید عضد الدین علوی بھی اسی دربار

شاعر تھے (از دولت شاہ سمرقندی، ۱۷۷ ص ۱۷۷) اور لافا لیم تاریخ خراسان نسخہ قلمی۔ وکال اثیر صفحہ ۱۷۷، جلد ۱۷۷، تقویم ابوالفضلا صفحہ ۱۷۷

۱۷۷ کال اثیر صفحہ ۱۷۷، جلد ۱۷۷۔ وزیرتہ الحباس صفحہ ۱۷۷۔ روضۃ الصفا صفحہ ۸۲۔

النگ را دکان (طوس) میں ادا ہوئی تھی۔ اور اس دن الپ ارسلان کے جوش مسرت کا یہ عالم تھا کہ جب ملک شاہ گھوڑے پر سوار ہو کر سامنے حاضر ہوا تو رکاب پکڑ کر چند قدم چلا۔ اور مصع تخت پر جو خاص اس تقریب کے لیے بنوایا گیا تھا۔ ملک شاہ کو اپنے سامنے بٹھایا اور قیمتی خلعت پہنایا۔ اور عرصہ تک نصیحتیں کرتا رہا۔ سرداران فوج، اُمراء اور غریزوں سے اطاعت کا حلف لیا گیا۔ اور دربار بغداد سے بھی منظوری حاصل کر لی۔

چونکہ الپ ارسلان نے حالت سفر میں انتقال کیا تھا۔ اور مارا الزہریہ حملہ کی طاریاں تھیں لہذا فوج کثیر ہر کماب تھی۔ لیکن ملک شاہ نے آگے بڑھنا مناسب جانا اور مع فوج کے تین دن میں حیون سے اُتر کر براہ خراسان نیشاپور پہنچا۔ ایام تغزیت کے ختم ہونے پر حقیقہً ممالک تابع فرمان تھے۔ اُن کے حکمرانوں کو تخت نشینی کی باضابطہ اطلاع دی گئی۔ بغداد، حرین، شرفین، اور بیت المقدس میں ملک شاہ کا خطبہ پڑھا گیا۔

جنگ وردبگ اور خواجہ کی حکمت علیٰ ملک شاہ ہنوز اپنے باپ کے غم میں مبتلا تھا۔ اور تخت نشینی کا جشن بھی نہ ہونے پایا تھا کہ شعبان ۴۶۵ھ میں سلطان کا چچا قاوردبگ، تاج و تخت کا دعویٰ دار ہو کر کرمان سے اُس کی طرف بڑھا۔ خاندان میں قاوردبگ سے بزرگ، اور با اثر کوئی باقی نہ تھا۔ اس کے علاوہ تمام اراکین سلطنت اور سرداران فوج قاوردبگ سے رشوت لے چکے تھے۔ اور آئندہ کے لیے خاص مراعات کے اُمیدوار کیے گئے تھے۔ اب ملک شاہ کا فوج اور محسن خواجہ نظام الملک تھا جس کے مددگار شرف الدولہ مسلم بن قریش۔ اور بہار الدولہ

منصور بن دیس تھے۔ یہ عربی قبائل کے سردار تھے جن کی ماتحتی میں قوم کرد کے جانباز سپاہی تھے چنانچہ سلطان دوزیر بھی مدافعت کے لیے تیار ہو کر نیشاپور سے روانہ ہو گئے اور وہ شہنشاہ کو ہمدان کے قریب میدان کرج میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہو گیا۔ تین شبانہ روز خوزیر جنگ لے ہی۔ اور ملک شاہ فتحیاب ہوا۔ قادور دیگ گرفتار ہو کر سامنے آیا اور عفو قصور کا طالب ہوا۔ سلطان نے معافی نہیں دی۔ فتح کے بعد فوجی سردار مبارک باد کے لیے حاضر ہوئے اور خواجہ سے عرض کیا کہ اس فتح کے صلہ میں ہماری تنخواہ میں اضافہ کیا جائے چنانچہ خواجہ نے فوجی شاہرہ میں سات لاکھ دینار کا اضافہ کر دیا اور قادور دیگ کو مصلحت ملکی سے مار ڈالا۔ ملک میں امن و امان ہو گیا۔ ملک شاہ نے کرمان کی حکومت بدستور قادور دیگ کے خاندان میں رہنے دی۔ اور اس کا رگزاری کے صلہ میں خواجہ نظام الملک کی جاگیر میں اضافہ کر دیا۔ اور آما بیک کا خطاب دیکر سلطنت سلجوقیہ کا مالک بنا دیا، اور مارعب اور کردوں کو بھی خلعت سے ممتاز کیا۔ سپہ سالار عظیم ساوگین کو علاوہ جاگیر و منصب کے عاؤلدو کا خطاب دیکر علم و فنارہ بھی مرحمت کیا۔ اور ملک شاہ اظہیان سے سلطنت کرنے لگا، کیونکہ سلطان کا ایک بھائی ایاز جو الپ ارسلان کے انتقال پر بلخ میں حکمران ہو گیا تھا۔ وہ بھی فوت ہو گیا تھا۔

اب ہم خواجہ کے وہ خاص حالات لکھتے ہیں۔ جس کا تعلق عہد ملکشاہ سے ہے۔ خواجہ نظام الملک نے قادور دیگ کے قتل میں جو حکمت عملی برتی وہ اس کے صائب الراہ ابن خلدون تحت نشینی ملکشاہ ۷۷۵ھ اس موقع پر حصہ اول کا صفحہ ۱۵۹-۱۶۰ دیکھنا چاہیے جس میں واقعہ کی تصریح ہے۔

ہونے کی ایک کامل شہادت ہے۔ لیکن ذیل کے واقعات سے بھی ظاہر ہوگا کہ نظام الملک کس درجہ عقل اور مدبر و زیر تھا

خواجہ کی رے فوج کی تحفہ پر ^{۱۸۵۷ء} ^{۱۸۵۷ء} میں بہاہ شعبان سلطان ملک شاہ نے بمقام سے کل فوج کا جائزہ لیا۔ اور سات ہزار سواروں کو ضرورت سے زیادہ سمجھ کر موقوف کر دیا۔ خواجہ نے عرض کیا کہ یہ سپاہی ہیں کاتب، تاجر، اور خیاط نہیں ہیں جو اپنی معاش کو قائم رکھ سکیں۔ بجز سپہ گری ان کا دوسرا پیشہ نہیں ہے۔ آخر یہ لوگ کہاں جائیں گے۔ ضرور ہر کسی دوسری سلطنت میں رجوع کریں گے۔ یا کسی کو سردار بنا کر ملک میں غارتگری کریں گے اور ان کی ذات سے اس قدر شورش ہوگی کہ بزرگوں کے جمع کیے ہوئے خزانے خالی ہو جائیں گے۔ اور امن عامہ میں خلل نڈاز ہوں گے۔ لہذا انکا موقوف کرنا عقل و حکمت کے خلاف ہے۔ لیکن ملک شاہ نے خواجہ کی نصیحت پر عمل نہ کیا اور فوجی رجسٹر سے سات ہزار، جوانوں کا نام کاٹ دیا چنانچہ یہ گروہ تکش برادر ملک شاہ سے مل گیا، اور ان باغیوں کی مدد سے تکش نے بوشیخ، مردود و مردو شاہ ترمذ وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ اور فتح نیشاپور کی طیاریاں ہونے لگیں لیکن تکش کے حملہ سے پہلے نظام الملک اور ملک شاہ نیشاپور پہنچ گئے۔ سلطان کی خبر سن کر تکش قلعہ ترمذ میں پناہ گیر ہو گیا اور اخیر میں صلح ہو گئی۔ لیکن نتیجہ وہی ہوا جو اول خواجہ نے کہا تھا۔

ملک شاہ کو زمیں کی قید سے چھڑانا ملک شاہ کے تخت نشین ہونے کے بعد جب قیصر روم نے

خانہ جنگی اور بغاوتوں کا حال سنا۔ تو وہ بھی بقصد ملک گیری ایران کی طرف بڑھا ملک شاہ بھی مقابلہ کے لیے نکلا۔ دونوں لشکر تھوڑے فاصلہ پر خیمہ زن تھے۔ لیکن ملک شاہ کی شان و شوکت سے متاثر ہو کر قیصر صلح کا خواستہ کرتا تھا۔ اور شرائط صلح کے لیے سفیروں کی آمد و رفت جاری تھی۔ چنانچہ انہی دنوں کا واقعہ یہ کہ سلطان ملک شاہ چند سواروں کو ہمراہ لیکر شکار کے لیے نکل گیا اور رومیوں کے ہات میں گرفتار ہو گیا۔ سلطان نے سواروں کو سمجھا دیا کہ میرا ادب و لحاظ نہ کرنا۔ اور مجھ سے معمولی برتاؤ کرنا۔ تاکہ افشاہ راز نہ ہو۔ جب خواجہ کو اطلاع ہوئی تو اُس نے چند سوار لشکر سے باہر روانہ کیے اور بعد نماز مغرب اعلان کر دیا کہ سلطان شکار سے واپس آگیا ہے۔ اور خود رومی لشکر میں جا کر قیصر سے ملاقات کی۔ قیصر نے خواجہ کو بڑے تپاک سے لیا۔ اور سالانہ صلح پر خواجہ سے مدد کا طالب ہوا۔ اثناء کلام میں قیصر نے کہا کہ کل چند آدمی آپ کی فوج کے گرفتار ہوئے ہیں۔ ان کو بھی اپنے ہمراہ لیتے جانا خواجہ نے کہا کہ مجھے ان لوگوں کی خبر نہیں ہے۔ نہ شکر میں کسی نے ذکر کیا تھا۔ بہر حال قیدی سامنے آئیں تو معلوم ہو چنانچہ قیدی پیش ہوئے خواجہ نے ان کو مخاطب کر کے کہا کہ تم بڑے بیوقوف ہو۔ جو لشکر سے علیحدہ ہو کر گرفتار ہو گئے۔ اگر قتل کر دیئے جاتے تو دونوں سلطنتوں کی بدنامی ہوتی کہ صلح کے زمانے میں قیدی قتل ہو گئے۔ بعد ازاں ان کو چلے جانے کا حکم دیدیا۔ جب خواجہ قیصر سے رخصت ہو کر رومیوں کی حد سے دور نکل آیا تب گھوڑے سے اتر کے ملک شاہ سے معذرت کی اور عرض کیا کہ قیصر کے سامنے جو گفتگو کی تھی وہ مصلحت پر مبنی تھی۔ اور ملک شاہ کی دلچسپی پر بڑی خوشی منائی گئی۔ جب قیصر کو معلوم ہوا تو وہ حیرت زدہ رہ گیا اور خواجہ کی عقل و فرست کی بڑی تعریف کی

اس واقعہ کے خاتمہ پر مصنف نگارستان نے خب فیل اشعار لکھے ہیں۔

حکیم گفت کہ تقدیر سابق ہست مے بہ ہیچ حال تو تدبیر خود منہ و مگذا
کہ گروافی حکم قضات تدبیرت بہ کام دل بسی اذکار خوشن بر خودا
وگر مخالف آن ست دردت معدو کسی کہ داڈاز انوار عدل ستظہا

جیون کے ملاحوں کا ایک خاص واقعہ خواجہ نظام الملک کو ہمیشہ مدنظر رہا کہ ملکشاہ کی شان و شکوہ کی داستان صفحات تاریخ میں باقی ہے چنانچہ مشہور کہ سید علی ہمدانی میں جب سیلماں خاں حاکم سمرقند کی گوشمالی کے لیے روانہ ہوا۔ اور مقصد میں کامیاب ہو گیا تو واپسی کے وقت خواجہ نے جیون کے ملاحوں کو (جن کی کشتیاں کرایہ کی گئیں تھیں) بجائے نقد کرایہ ادا کرنے کے حاکم انطاکیہ (ملک شام) کے نام ہندسی (حکم خزانہ) جاری کی کہ وہ ملاحوں کو یہ رسم خزانہ سے ادا کرے۔ چنانچہ ملاحوں نے اس کی ملکشاہ سے شکایت کی۔ تب سلطان نے خواجہ سے پوچھا کہ اس میں کیا حکمت ہے۔ خواجہ نے عرض کیا کہ جب ہم دنیا میں نہوں گے۔ تب لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ملکشاہ کی سلطنت اس قدر وسیع تھی کہ ملاحاں جیون کی اجرت خزانہ انطاکیہ سے دلائی گئی تھی۔ سلطان اس نکتہ سے خوش ہوا۔ خواجہ کی تعریف کی۔ اور فرمایا کہ اب میرے حکم سے آپ ان ملاحوں کو اسی جگہ کرایہ دیکر رخصت کر دیے جائیے۔“

سید روم کی دلہن کا شہر ہے | واقعہ مندرجہ بالا کے قریب قریب یہ روایت ہے کہ سید علی ہمدانی میں ملکشاہ نے احمد خاں بن خضر خاں حاکم ماوراء النہر پر اصفہان سے فوج کشی کی۔ روم کا سفیر اس وقت

لے خانہ حراں صفحہ ۵۰۔ روضۃ الصفا جلد چہارم سلاطین سلجوق ۱۰۰۰ کا لائبریری صفحہ ۵۰ جلد ۱۰

سالانہ خراج لیکر حاضر ہوا تھا، خواجہ نظام الملک اس محم میں سفیر کو بھی اپنے ہمراہ لے گیا۔ اور کاشغر پہنچ کر خراج لیا۔ اور سفیر کو یہاں سے رخصت کیا۔ اس میں یہ حکمت تھی کہ رومی سفیر کو دولت سلجوقیہ کی وسعت کا اندازہ ہو اور یہ تاریخی واقعہ ہو جائے کہ قیصر روم کا سفیر خراج لیکر باب کاشغر تک آیا تھا۔

فیضانِ شمس کا اجزاء | اسلام سے پہلے دنیا میں جو عظیم الشان سلطنتیں تھیں ان کا یہ اصول تھا کہ ملک میں جو با اثر امرا سپہ گری کا جوہر رکھتے تھے ان کو بڑی بڑی جاگیریں دیکر یہ عہدہ لیا جاتا تھا کہ جنگی مہمات کے وقت اپنی فوج (ایک خاص تعداد میں تھی) لیکر حاضر ہوں گے۔ چنانچہ تقسیم جاگیرات کا یہ سلسلہ یہاں تک ترقی کر گیا تھا کہ بڑے جاگیردار بطور خود اپنے علاقہ کو لشکر کی طریقہ پر تقسیم کر دیتے تھے اور ان سے بھی وہی معاہدہ کرتے تھے جس کے خود پابند تھے۔ لیکن براہِ راست ان ماتحتوں کو سلطنت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اور اس فوجی اصول کا نام فیضانِ شمس تھا اور یہ طریقہ یونان، روم، الکبریٰ، اور ایران میں جاری تھا۔ لیکن اصول سیاست سی یہ انتظام غیر منظم تھا اور کبھی کبھی جاگیردار باغی ہو کر تباہی سلطنت کا باعث ہوتے تھے۔ جسکی نظیر خود روم کی عظیم الشان سلطنت تھی۔ لہذا اسلام کے نامور فاتح اور مشہور مدبر امیر المومنین فاروق عظم نے اپنے عہد خلافت میں فوج کی تنخواہ مقرر کر دی تھی۔ اور جاگیر داری کے قدیم قانون پر عمل نہیں کیا تھا۔ چنانچہ اس عہد سے خلفاء عباسیہ اور دیگر سلطانین میں تقسیم تنخواہ کا قاعدہ جاری تھا جب سلجوقیوں کا دور حکومت ہوا۔ تو گزشتہ خوزیریوں اور خانہ جنگیوں سے لے طبقاتِ انشائیہ جلد سوم حالاتِ نظام الملک۔

ملک میں ایران ہو گیا تھا۔ اور ہر صوبہ کا پورے سراج وصول نہ ہوتا تھا۔ لہذا خواجہ نظام الملک نے قدیم قاعدہ کو توڑ کر جاگیر داری کا از سر نو انتظام کیا۔ اور اس عملدرآمد سے ملک آباد ہو گیا اور ملکی پیداوار میں غیر معمولی ترقی ہو گئی۔ یہ انتظام خواجہ نے اس لیے کیا تھا کہ سلطنت سلجوقیہ کے تحفظ اور عروج و ترقی کا مدار فوج پر تھا۔ اور فوج کے سردار اکثر قبچاقی اور تاتاری غلام ہو کر رہتے تھے۔ جن پر بادشاہ کا عزیزوں سے زیادہ عہت سہا تھا۔ اور ان سے بغاوت کا خطرہ بھی کم تھا۔ اور یہی غلام بادشاہ کے محافظ جان بھی ہوتے تھے۔ لہذا مشہور قلعے اور اقطاع ان کے سپرد کر دیئے گئے۔ ایسی جاگیریں فارس، مسقط، اور شام کا حصہ منقسم تھا۔ جنکے حاصل سے جاگیردار فائدہ اٹھاتے تھے اور فوج مرتب رکھتے تھے۔ موسم بہار میں اس قسم کی تمام فوج کو حاضر رہنا پڑتا تھا۔ اور موسم سرما میں ان کی کچھ ضرورت ہوتی تھی۔ البتہ بشرط ضرورت اسکتی تھی۔

فیوڈل سسٹم کا طریقہ عام طور پر پنی زمانہ متروک ہے۔ اور یورپ کی کسی سلطنت میں بھی جاری نہیں ہے۔ مگر اس وقت ملکی مصلحت سے مفید تھا۔ جس کو خواجہ نے جاری کیا تھا اور سلطان صلاح الدین کے زمانہ میں بھی ملک مصر میں ہی آئین تھا۔ جو خواجہ کی یادگار تھا۔

اے شیعہ پرلین اور اس کا انسداد سلطان طفعل بیگ سلجوقی کے دور حکومت میں وزیر عہد الملک کندی نے تمام ممالک محروسہ میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ خطبہ میں روانہ نہیں کیا جائے۔ اس کے بعد

۱۷۰۰ء اہل سلجوق اصفہانی صفحہ ۵۰۰ دیباچہ حیات صلاح الدین نوشہ مشرین پول صاحب۔

یہی حکم اشعرہ کی نسبت بھی جاری کر دیا۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ^{۱۵}۳۳ھ میں امام الحرمین اور ابوالقاسم قشیری۔ حافظ ابوبکر بہیقی جیسے نامور ائمہ نیشاپور سے مکہ منظمہ کو ہجرت کر گئے اور ان بزرگوں کے ہمراہ اور تمام علما بھی چلے گئے۔ چنانچہ اس سال حرمین شریفین میں چار سو فاضلی حنفی اور شافعی مذاہب کے جمع تھے۔ لیکن خواجہ نظام الملک نے وزیر ہوتے ہی حکم جاری کر دیا کہ روافض اور اشعرہ پر جو لعن کیجانی ہو وہ بند کیجائے۔

عمید الملک کے اس حکم سے جو فتنہ و فساد خراسان میں پیدا ہوا اُس کی تفصیل کے قبل عقائد اشعریہ سمجھ لینا چاہیے۔ کیونکہ یہی عقائد باعث لعن و طعن ہوئے تھے

- ۱۔ خدا کو جائز ہو کہ انسان کو اس کام کی تکلیف دے جو اُس کی طاقت سے باہر ہو۔
- ۲۔ خدا کو حق ہو کہ وہ مخلوقات کو عذاب دے۔ بغیر اسکے کہ انکا کوئی جرم ہو یا انکو ثواب ملے۔
- ۳۔ خدا کو پہچاننا شریعت کی رو سے واجب ہی عقل کی رو سے۔
- ۴۔ میزان (ترازو) حق ہو اور اس طرح کہ خدا نامہ اعمال کے دفتروں میں وزن پیدا کر دیگا۔

یہ وہ عقائد ہیں کہ اشعریہ کے نزدیک سنت اور اعتزال میں حد فاصل ہیں۔ اس کے علاوہ ذات صفات اور افعال الہی کے مسائل میں جس کا اجمالی بیان امام غزالی نے احیاء العلوم کے شروع میں کیا ہے۔

طبقات الشافعیہ الکبریٰ میں لکھا ہے کہ ابوسہل بن الموفق نے کے ایک میں تھے جو فضی

۱۵ امام ابوہن علی اشعری پر دیکھو نوٹ صفحہ ۵۰۱ حصہ اول ۱۵ علم الکلام صفحہ ۵۶ ۱۵ طبقات جلد ثانی تذکرہ

علی بن اسحاق از صفحہ ۲۴۲ لغایہ ۲۶۱۔

اور اخلاق میں ضرب المثل تھے ان کے مکان پر ہمیشہ علماء کا مجمع رہا کرتا تھا۔ اور شوافع و احناف کے علماء وہاں مناظرہ بھی کیا کرتے تھے۔ ابوسہل فرقہ اشعرئہ میں داخل تھے۔ اور مذہبی معلومات بھی خوب رکھتے تھے۔ چنانچہ یہ خبر مشہور ہو گئی کہ ابوسہل وزیر سلطنت ہونے والے ہیں جب عمید الملک نے سنا تو پریشان ہو گیا اور یہ تدبیر کی کہ طغرل بیگ سے فرقہ معتزلہ پر لعن کی اجازت حاصل کی اور اسی زمرہ میں اشعرئہ کو بھی داخل کر دیا۔ اور علماء اشاعرہ کو درس تدریس اور وعظ و نصیحت سے روک دیا۔ اور بعض معتزلین کو جو اپنے آپ کو حنفی کہتے تھے، اپنا مؤدب بنا لیا اور سلطان کو علماء اشاعرہ سے عموماً اور اشعرئہ سے خصوصاً بدظن کر دیا۔ اور وجہ کے دن علانیہ توہین و تذلیل ہونے لگی۔ جس طرح بعض بنی امیہ کے عہد میں سرسبز حضرت علی کرم اللہ وجہ کی توہین ہو کر تھی۔ چنانچہ ابوسہل اس فتنہ کے فرو کرنے کے لیے اُٹھے۔ اور فوج سے امداد چاہی مگر وزارت کے اثر سے کامیابی نہ ہوئی۔ اور نہ سلطان تکے سائی ہو سکی۔ مجبوراً تمام ملک کے علماء کو توجہ دلائی گئی اور عمید الملک کو بھی اطلاع دی گئی۔ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر عمید نے بازار ام فداوت (منظوری سلطان) ابوسہل رئیس الفرائی، امام قشیری اور امام الحرمین کی گرفتاری کا وارنٹ جاری کر دیا۔ ابوسہل تو اجراء حکم سے پہلے، اے سے چلے گئے۔ اور امام الحرمین بھی کرمان ہو کر حجاز کو تشریف لے گئے۔ لیکن امام قشیری اور رئیس الفرائی گرفتار ہو گئے اور قلعہ قنندز (کھن دژ) میں قید کر دیئے گئے۔ قیدیوں کچھ اوپر ایک مہینہ گزارا تھا کہ ابوسہل نے ناصیہ باخرز سے ایک جنگجو جماعت فراہم کر کے قنندز پر حملہ کا قصد کیا۔ اور قلعہ دار سے قیدیوں کو مانگا۔ اس نے انکار کیا اور مقابلہ پر آمادہ ہوا۔ چنانچہ مقابلہ میں قلعہ دار زخمی ہو گیا اور

رئیس الفرائی اور امام قشیری رہا ہو کر ادھر ادھر چلے گئے۔ عمید الملک نے سلطان سے واقعہ بیان کر کے ابوسہل کی گرفتاری کا حکم چاہل کیا۔ اور بمقام سے اگر گرفتار کر لیا اور تمام مال و اسباب جائیداد کو ضبط کر کے نیلا م کیا۔ اور ابوسہل کو کسی قلعہ میں قید کر دیا۔ چنانچہ خواجہ نظام الملک نے وزیر ہو کر اس فتنہ کا استیصال کیا۔ اور عمید الملک عبرت انگیز طریقہ سے قتل کر دیا گیا جو علماء و فقہاء کی بدحواسوں کا اثر تھا۔

فرقہ اشعریہ کے متعلق علماء کے فتویٰ | واقعہ مذکورہ کے ذیل میں یہ بھی قابل تحریر ہے کہ مخالفین اشعریہ کی نسبت علماء نے یہ بھی میں حسب ذیل فتویٰ لکھا تھا۔

استفتاء

۱۔ ائمہ دین کا اس گروہ کی نسبت کیا حکم ہے جو فرقہ اشعریہ کی تکفیر اور لعن و طعن کرتا ہے اور وہ کس سلوک کا مستحق ہے؟

جواب

اصحاب حدیث کا اتفاق ہے کہ امام ابوحنیفہ اشعری، ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ اور ان کا وہی مذہب ہے جو اہل حدیث کا ہے۔ انہوں نے اصول دینات میں اہل سنت کے طریقہ کو ملحوظ رکھ کر مخالفین اہل سنت کی خوب تردید کی ہے معتزلہ، روافض، خوارج کے لیے وہ ایک برہنہ شمشر تھے جس نے انہیں لعن و طعن کیا یا سب دشتم سے پیش آیا۔ اُس نے گویا تمام اہل سنت پر لعن و طعن کیا۔ کتبہ عبدالکریم بن ہوازن القشیری۔ اور امام صاحب کے دستخط کے بعد علماء ذیل کے دستخط تھے۔

محمد بن علی الجبازی، شیخ ابو محمد جوینی، عبد اللہ بن یوسف، ابو الفتح شاشی، علی بن احمد جوینی، ناصر عسری، احمد بن محمد ابوبی، علی بن محمد ابوبی، ابو عثمان الصابونی، ابو نصر بن ابو عثمان الصابونی، شریف بکری، محمد بن الحسن ابی الحسن مرقا بادی،

ان کے علاوہ عبد الجبار اسفرائی نے بزبان فارسی یہ عبارت لکھی۔ ”ایں ابو الحسن اشعری آں امام ست کہ خداوند عزوجل ایں آیت و نشان مے فرستاد و فسوف یاتی اللہ بقوم یحکم و یحیونہ“ مصطفیٰ علیہ السلام در اں وقت بجبر وے اشارت کرد۔ ابو موسیٰ اشعری نقال ہم قوم ہذا۔“

”کتبہ عبد الجبار علی بن محمد اسفرائی“

۲ | اسی مضمون کا دوسرا متفقہ علماء بغداد سے حاصل کیا گیا۔ جس کا یہ جواب ہو ”جس نے ایسا کیا اس نے بدعت کی اور وہ فعل ناجائز کا مرتکب ہوا۔ امیر وقت کو اس کی تادیب لازم ہو۔ تاکہ خود اس کو اور دوسروں کو ایسے امور کے ارتحاج کی جرات نہ ہو“

”کتبہ قاضی القضاۃ ابو عبد اللہ الدامغانی کھنفی“

اور قاضی صاحب کے دستخط کے بعد علماء ذیل نے اپنے دستخط ثبت کیے۔

شیخ ابو اسحاق شیرازی، ابراہیم بن علی فیسہ و زابادی، محمد بن احمد شافعی معروف بفخر الاسلام شاشی، ابو الخطاب بن الحکولی، ابو عبد اللہ قیروانی، سعد المہنی، ابو الوفاء بن عقیل حبشلی، ابو منصور الرزاز، ابو الفرج اسفرائی، ابو الحسن بن النخل، ابو الحسن علی بن الحسن قزوینی حنفی، ابو نجر قزوینی، عمر بن احمد خطیبی زنجانی۔

چنانچہ یہ استفتاء زمانہ دراز تک قائم رہا۔ اور علماء مابعد کی بھی وہی رٹ قائم رہی جو

علماء مذکورہ بالا لکھ چکے تھے۔

خواجہ نظام الملک کے خطاب القاب | خواجہ حسن کا پورا نام مع القاب خطابات حسب ذیل ہے۔
وزیر کبیر، خواجہ بزرگ، تاج کھنترین، قوام الدین، نظام الملک، آتابک، ابو علی
حسن رضی امیر المومنین اور اس کی تشیخ یہ ہے۔

۱۔ وزیر کبیر چونکہ دولت سلجوقیہ میں خواجہ حسن سے بڑھ کر کوئی دوسرا وزیر نہیں ہوا
لہذا ملک میں اس کا عام لقب وزیر کبیر تھا۔

۲۔ خواجہ بزرگ سلطان ملک شاہ بنانہ ولیعہدی خواجہ کی اتالیقی میں تھا لہذا ملک شاہ
تعظیماً خواجہ بزرگ کہا کرتا تھا۔

۳۔ تاج کھنترین دولت سلجوقیہ کے دو نامور بادشاہ الپ سلاں اور ملک شاہ کے عہد
میں خواجہ وزیر سلطنت رہا ہے۔ لہذا تاج کھنترین مشہور ہوا۔

۴۔ قوام الدین یہ مذہبی خطاب ہے۔ اور علماء و فقہاء کا عطیہ ہے۔

۵۔ نظام الملک شہرت علم کی بنا پر یہ خطاب خواجہ کے نام سے بھی زیادہ مشہور و معروف ہے

سلطان طغرل بیگ سلجوقی نے سب سے اول اپنے وزیر ابو محمد حسن
بن محمد دہستانی کو نظام الملک کا خطاب دیا تھا۔ اس کے بعد ابو نصر محمد
بن منصور گندری کو عمید الملک کا خطاب دیا۔ اور گندری کے قتل کے
بعد الپ سلاں نے جب خواجہ کو وزیر عظم مقرر کیا تو خلعت وزارت کے
ساتھ نظام الملک کے خطاب سے سرفراز کیا۔ اور خواجہ بالعموم اسی

خطاب سے تمام عالم میں شناسا ہو۔ یہ خطاب اس درجہ معزز قرار لیا گیا
ہو کہ ایران ہندوستان میں بھی سلاطین نے اپنے قابل ترین وزراء کو
نظام الملک کا خطاب دیا ہو۔ گویا خطابِ زیر کے فضل و کمال اور رعایت
کا ایک گراں بہا اور صریح تمغہ ہو۔

۶۔ آتابک

ملک شاہ نے تخت نشین ہو کر جب اپنی عظیم الشان سلطنت کا خواجہ حسن
کو مالک بنا دیا۔ اس وقت خلعتِ وزارت کے ساتھ آتابک کا خطاب
مرحمت کیا جس کے معنی بزرگ وراثت کے ہیں۔ اور یہ ترکی زبان کا
لفظ ہے۔“

۷۔ رضی امیر المؤمنین علیہ السلام میں خلیفہ المقتدی بامر اللہ نے خواجہ حسن کو رضی امیر المؤمنین کا
خطاب عنایت کیا تھا اور خطاب کے ساتھ جو خلعت ملا تھا۔ اُس پر نقش
تھا کہ ”الوزیر العادل نظام الملک رضی امیر المؤمنین“
اور قبول خواجہ نظام الملک یہ وہ خطاب تھا کہ جو ابتداءً دولتِ اسلام
سے اس وقت تک کسی زیر کو نہیں ملا تھا۔“

عرب و عجم میں جس قدر چھوٹی یا بڑی خود مختار حکومتیں قائم تھیں اُن کے
فرمانروا خلافتِ عباسیہ سے خطاب اور خلعت حاصل کر نیکو سب سے
بڑی عزت سمجھتے تھے اور جب تک دربارِ خلافت سے خطابِ حمت
نہ ہو ملک کی نظروں میں نہ معزز نہیں ہو سکتے تھے اور یہ صرف مذہبی

عظمت کا اثر تھا۔ ورنہ خلفاء خود ان حکمرانوں کے ماتحت تھے۔

مہر وزارت | خواجہ کی مہر وزارت پر یہ کلمہ منقش تھا، و الحمد للہ علی نعمہ،“

خواجہ کی جاگیر سلطان الپ ارسلان نے اپنے عہد حکومت میں خواجہ نظام الملک کو ملو

کا ضلع جاگیریں دیدیا تھا۔ اور طوس چونکہ خواجہ کا وطن اور محل ولادت تھا۔ اس لیے خواجہ

طوس کی ترقی اور سرسبزی کا بہت خیال تھا۔ اور قدرتی طور پر بھی صوبہ خراسان میں یہ ضلع

نہایت زرخیز تھا۔ اور سیر و تفریح کے لیے جلتے۔ آگینے، حبس، اسیا کبود، یا قوتی، سلطان

میدانِ ایل خاتون، صفد علیہ اور رادکان، عیسیٰ مشہور و معروف مرزا موجود تھے چنانچہ

اردکان کی نسبت جغرافیہ نگاروں کا دعویٰ ہے کہ غوطہ دمشق، صغد سمرقند، شعب بوان، اور

مَیْشَدَن (مَیْشَا کی چار جنت ہیں) کے بعد رَا دکان کا درجہ ہوا لپا رسلاں نے یہاں بُدْا

عمارتیں بنوائی تھیں۔ اور ملک شاہ بھی مع ترکانِ خاتون کے اکثر اداکان میں رہا کرتا تھا۔

۱۔ طوس کی مفصل تاریخ حصہ اول میں لکھی گئی ہے۔ اور صفحہ ۲۸ پر ایک طوائف حاشیہ ہے جس کا یہ ضمیمہ سمجھنا چاہیئے

طوس کے قریب زادک میں خواجہ نصیر الدین طوسی نے ایک برج بنایا تھا جس میں سال کے حساب سے بارہ

دروائے تھے۔ اور ہر مہینہ کا ہلال اپنے مقابل کے دروازہ سے نظر آتا تھا۔ چنانچہ یہ بیج عواجب کے کمال یابی کا نشوونما تھا۔ اور کمال اور موت کے متعلقہ زیر اثر تھے، اور دگر ہیں۔

۱) زاول اندر طوس کردنداں سے کس اختیار

اُن کے عالم، دوم شاعر سدیگر شاں وزیر

ازاول اندر طوس گردند آں سه کس اختیار

از نظام الملک غزالی و شروسی نصیر

در براعت، در فصاحت، در وزارت برگزشت

سال ہجرت ششم ہفتاد و دو ناقص نہ تمام

ہفتہم از ماہ فی الحجہ، دوشنبہ، وقت شام

فل کرد از خطم بغداد و مادر اراکلام

خواجہ عالم نصیر الدین طوسی از قضا

۲۵ صورالاقایم حالات بطوس نسخہ قلمی۔

توس | جاگیر کا دوسرا ضلع توس (کوس) تھا۔ توس جبل طبرستان سے ملتی ہے جس میں دامغان، اور بطام جیسے عظیم الشان پرگنے واقع ہیں۔ چنانچہ ملک شاہ نے تخت نشین ہو کر جنگ قارہ کے بعد ہی یہ ضلع خواجہ کو دیدیا تھا، ان اضلاع کی آمدنی خواجہ کے ذاتی مصارف کو کافی تھی۔ اس کے علاوہ ہر تقریب اور خاص کارگزاریوں کے موقع پر انعام ملا کرتے تھے۔

نظارت نافذ | خواجہ نظام الملک نے اپنی انتیس^{۹۹} سالہ عہد وزارت میں صیغہ رفاہ عام دیکھا کس کو بڑی ترقی دی تھی۔ سلطنت کی طرف سے بھی ہمیشہ بڑے سپاہ پر کام جاری رہتا تھا۔ لیکن بحیثیت وزیر عظم، اپنی ذاتی جاگیر سے بھی خواجہ نے اس میں لاکھوں دینار صرف کر دیئے تھے۔ ملک محروسہ کے ہر بڑے شہر اور قصبہ میں خواجہ نے سرے، رباط، مساجد، اور شفاخانے بنوائے تھے۔ اور یہی حال تعمیر مدارس کا تھا۔ تفصیل نظامیہ کے حالات میں ہی چنانچہ بغداد کی سرکار نظامیہ، اور نیشاپور کا شفاخانہ نظامیہ بہت مشہور ہیں، حجاز کا راستہ اول نہایت خطرناک اور

لحہ دامغان“ سے اور نیشاپور کے درمیان واقع ہے اور دامغان سے دو منزل کے فاصلہ پر بطام ہے۔ یہ دونوں مقامات بنزلہ چھوٹے شہروں کے ہیں، اور خوب آباد ہیں خصوصاً بطام تجارت کی منڈی ہے موجودہ آبادی ۹۰۰ نو سو مکاناں کی ہے جس میں ماہر دلانی، خراسانی، اور ترکمانی قابل آباد ہیں۔ اس شہر کی خصوصیات میں یہ بات ہے کہ کوئی بڑی مرض عشق میں مبتلا نہیں ہوتا ہے اور اگر کوئی سودا زوہ عاشق بادیہ پائی کرتا ہوا، یہاں آجائے تو پانی کا ایک گلاس پئے عشق کو زائل کر دیتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کوئی شخص درخشم میں بھی مبتلا نہیں ہوتا ہے۔ شاپور ذوالکثاف کا تعمیر کردہ قلعہ موجود ہے۔ ہوا معتدل ہے باغات کی کثرت ہے۔ میوہ اور غلہ خوب پیدا ہوتا ہے۔ سرے اور حمام بھی موجود ہیں، بازار میں روس کا مال تجارت بکثرت موجود رہتا ہے، امام محمد بن جعفر صادق کے مزار پر سنگ لزران کا ایک منارہ پچیس گز کا طولانی موجود ہے جو عجائبات سے ہے۔ صفحہ ۱۱۳ گنج دانش و مرآۃ البلدان صفحہ ۲۰۹۔

نگ لائحہ تھا جس کو خواجہ نے قافلوں کی گزر کے لائق بنا دیا۔ اور حرمین شریفین میں محض حجاج اور زائرین کے قیام کے لیے مکانات بنوائے۔ اور مصارف کے لیے اوقاف جاری کروائے۔

دیوان الانشا سلطانین عجم نے انتظام ملکی کے واسطے اہلکاروں کی جو تقسیم کی تھی اس میں سب سے بڑا عہدہ وزارت کا تھا چنانچہ عہدہ اسلام میں بھی بادی تفسیر عہدہ قائم رکھا گیا جو عہدہ اسلام اور عہدہ بنی امیہ سے ترقی کرتا ہوا، خلافت بنی عباس میں انہماک عروج پر پہنچا۔ اور اس عہد میں علمائے سیاست نے وزارت کو دو درجوں پر تقسیم کر دیا تھا۔

اول وزارت تفویض تھی یہ وزارت ایسی تھی کہ جس میں خلیفہ کسی شخص کو وزیر مقرر کر کے تمام سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیتا تھا۔ چنانچہ براۓ اور خواجہ نظام الملک اسی درجہ کے وزیر تھے۔

دوسری وزارت تنفیذ تھی۔ اس وزارت میں خلیفہ اور سلطان کے احکام و قوانین کا اجرا کرنا صرف وزیر کا کام تھا۔ اور یہ زیر سلطنت اور رعایا کے مابین صرف ایک واسطہ ہوتا تھا۔ جبکہ اعلیٰ عہدہ داروں کے غزل و نصب و انتظام سلطنت میں کسی قسم کا خستہ یا نہ ہوتا تھا۔ بہر حال دونوں وزارتوں کے ماتحت ایک منتخب عملہ ہوتا تھا جس میں متعدد اقسام کے منشی ملازم ہوتے تھے اور پھر ہر دین ایک خاص شخص افسر ہوتا تھا جس کی ماتحتی میں چھوٹے چھوٹے اہلکار مقرر ہوتے تھے اور اس بڑے دفتر کا نام دیوان الانشا تھا۔ جو زمانہ حال میں سکرٹریٹ آف

کے نام سے تبدیل ہو گیا ہے چنانچہ خواجہ نظام الملک کی ماتحتی میں بحیثیت وزیر عظم چھ مہم (سکرٹری) علاوہ ان کے نائبوں کے تھے جس کی تفصیل یہ ہے۔

۱ کمال الدولہ ابو الرضی، فضل اللہ بن محمد صاحب دیوان الانشاء و الطغرا

۲ سید الرؤسا ابو المحاسن محمد بن کمال الدولہ نائب دیوان الانشاء و الطغرا۔

۳ شرف الملک ابو سعد محمد بن منصور بن محمد صاحب دیوان الزمام و الاستیفاء

۴ استاد ابو غالب البرادستانی نائب دیوان الزمام و الاستیفاء

۵ محمد الملک ابو الفضل اسعد بن محمد البلاسائی مستوفی الممالک

۶ ابن یمن یا فارسی ملقب بہ عمید الدولہ کاتب

۷ مجیر الدولہ ابو الفتح علی بن حسین لارستانی کاتب الرسائل

۸ سدید الملک ابو المعالی الفضل بن عبدالرزاق بن عجم عارض الجند۔

۹ تاج الملک ابو الغنائم المرزبان بن خسرو فیروز منتظم خزانہ و ناظر حرم، دو پابوٹ سکرٹری کا نائب

عہدہ داران مذکورہ بالا اپنے اپنے فن میں انتخاب تھے جن کی سوانح عمری لکھنے کا یہ موقع

نہیں ہے، البتہ ان کے فرائض کا مختصر بیان لکھنا ضروری ہے، تاکہ زمانہ قدیم کی بعض مصطلحات و فتر کا ناظرین کو علم ہو جائے۔

انشاء و مراسلات دنیا کی تمام قوموں کو علم انشاء کی طرف ہمیشہ خاص توجہ رہی ہے اور عرب و عجم

کی شیفتگی تو غیر معمولی تھی۔ یمن ہمیشہ سلطنت کے ساتھ ترقی کرتا رہتا ہے، چنانچہ عربی ادیبوں نے

فضاحت و بلاغت اور مختصر نویسی میں جو کمال پیدا کیا تھا اُس کے ہزاروں نمونے ادبی کتابوں میں موجود ہیں۔ خلفار اور سلاطین ہمیشہ ایسے انشا پردازوں کی تلاش میں رہا کرتے تھے، جو اپنے فن میں کامل ہوں چونکہ دربار سے عمال اور والیان ملک کے نام احکام و فرامین جاری ہوتے تھے، اور دیگر سلاطین کو بھی اُن کی مراسلات کا جواب دینا پڑتا تھا اس وجہ سے دیوان الانشا اور دیوان الرسائل ایک بڑا دفتر ہو گیا تھا جس کی شاخوں کا بیان تاریخ العلوم میں درج ہے۔

کاتب جو شخص علم انشا میں عظیم نظیر ہوتا تھا، وہ دربار کا کاتب مقرر کیا جاتا تھا۔ خلفار اور سلاطین اسلام کے عہد میں کاتب کا منصب وزارت سے کچھ ہی کم ہوتا تھا۔ تمام فرامین اور توقعات کاتب خود ہی لکھتا، اور آخر میں اپنے دستخط ثبت کرتا۔ اور مہر شاہی کے بعد جبر کرتا تھا۔ اس عہدہ پر ہمیشہ وہی شخص مقرر کیا جاتا تھا جو فضل و کمال کے ساتھ جوہر شرافت بھی رکھتا ہو۔ اور اخلاق و آداب میں بھی کامل ہو۔ اور راز داری اور انصاف پسندی میں بھی ممتاز ہو۔ اور علاوہ علم ادب کے تاریخ، قصص اور سیرت میں بھی دخل رکھتا ہو۔

ظفر سلطان کی شان و شوکت کے لیے جس طرح پرتاج، تخت، علم و رایت، طبل و طنبور، سک، خطبہ، مہر، طراز (نشان و مارکہ) مختص علامتیں ہیں، ایخلفاء بنی امیہ اور بنی عباس کے لیے چادر، انگوٹھی اور عصا خاص علامتیں تھیں۔ اسی طرح ظفر بھی سلطنت کا ایک متمم اضافہ مارکہ ہے جو فرامین و مراسلت شاہی اور سندات جاگیر وغیرہ پر ہوتا تھا۔ ظفر امین بادشاہ کا نام ہے۔ القاب و خطاب بخط جلی لکھا جاتا تھا اور ظفر نویسی بھی خوش نویسی کا ایک شعبہ ہے چنانچہ ظفر نویس

کا تعلق بھی دفتر اشار سے ہوتا تھا اور وہ کوئی جداگانہ محکمہ نہ تھا اور دولت سلجوقیہ میں، دیوان الاٹا کا نام بھی۔ دیوان الطغراکھدا گیا تھا۔ اور یہ طغراشاہی دستخط کے قائم مقام ہوتا تھا۔ سلطان کو پھر دست خاص سے خطوط و فرامین پر کچھ لکھنے کی ضرورت نہ رہتی تھی۔ سلطان ابوالفتح مسعود بن محمد بن ملکشاہ کا نام اور وزیر فخر الکتاب ابوالحسن حسین بن علی اصفہانی متوفی ۵۱۱ھ، کتابت طغرا کا موجد ہے۔ اور یہی پہلا شخص ہے جو طغرائی کے خطاب سے ممتاز ہوا ہے۔

دیوان الزمام خلافت راشدہ کے مبارک دور میں خلفاء کرام سلطنت کے تمام چھوٹے بڑے کام خود انجام دیتے تھے۔ ہر عامل اور والی تقویٰ، امانت و دیانت کا مجسم نمونہ ہوتا تھا اس لئے ان کی کارگزاری نگرانی سے مستثنیٰ تھی، اور خود خلفاء کی ذاتی جاگیر بھی نہ تھی، جس کے لیے مستقل عملہ کی ضرورت ہو، بلکہ بیت المال کے معمولی و طیف پر گذار و قات ہوتی تھی۔ لیکن جب خلافت نے دینی پہلو چھوڑ کر دنیاوی سلطنت کا انداز اختیار کیا، اور قیصر و کسریٰ کے دستور العمل پر اسلامی سلطنت کا انداز ٹھہرا تو سلطنت کا ہر صیغہ ظہور پذیر ہوا۔ اور پھر ہر صیغہ میں متعدد عملہ کی ضرورت پیش آئی، سب سے بڑے دفتر یعنی وزارت کے بعد جو محکمے نظام سلطنت کے لیے ضروری سمجھے گئے اس میں دیوان الضیاع اور دیوان الزمام کا شمار درجہ اعلیٰ میں ہے، جس عہدہ دار کے مات میں سلطان کی ذاتی املاک اور اراضیات کا انتظام سپرد ہوتا تھا وہ افسر دیوان الضیاع ہوتا تھا۔ اور سلطنت کے محاصل کا جس صیغہ سے تعلق تھا وہ دیوان الخراج و خراج میں، الغذاری، آبپاشی، جزیہ، صدقات، معدنیات، جنگلات، بحری ٹیکس، چنگی، کھسار کی آمدنی شامل تھی، اکملاتا تھا۔ اس دفتر کا وہ حصہ جو فوجی اور ملکی اخراجات سے متعلق تھا

اسکا نام دیوان الزمام تھا جو اسلامی ریاستوں میں آج بھی بخشی گری کے خطاب سے ممتاز ہے۔
دیوان الاستیقا دیوان الخراج کی جو تشریح اور بیان کی گئی ہے، اُس کا علمدار محمد خلفا بنی امیہ
 و بنی عباس کے عہد سلطنت میں تھا، لیکن دولت سلجوقیہ میں محاصل سلطنت کا جو دفتر تھا وہ
 دیوان الاستیقا کہلاتا تھا، اور ستونی اس کا وہ اعلیٰ عہدہ دار تھا جو زمانہ حال کی اصطلاح
 میں ہتھم دفتر محاسبی اور اکاؤنٹ جنرل کہلاتا ہے، اور وزارت کے بعد یہ سب سے بڑا منصب ہے۔
دیوان الجند فوجی دفتر کا نام دیوان الجند ہے جس کے بانی امیر المومنین فاروق عظیم ہیں،
 ابتداءً اس دفتر کا نام صرف یوان تھا، لیکن بنی امیہ اور بنی عباس کے عہد دولت میں جب فوجوں
 کا باضابطہ انتظام وسیع پایہ پر ہوا، تو محکمہ کا پورا نام دیوان الجند قرار پایا۔ اور اس محکمہ نے
 عہد اسلام میں اس قدر ترقی کی ہے جس کی ایک مستقل تاریخ لکھی جاسکتی ہے جو افسر فوج کا جائزہ
 لیا کرتا تھا۔ اسکا نام عارض تھا۔ دولت سلجوقیہ میں سپہ سالار عظیم کے بعد عارض کا درجہ تھا۔
 فوجی معائنہ جس کا دوسرا نام جائزہ، اور ریویو ہے، یہ نہایت قدیم طریقہ ہے۔ چنانچہ سلاطین یونان
 اور سلاطین عجم بذات خاص فوج کا معائنہ کرتے تھے جس میں سوار و پیادوں کی جسمانی حالت
 اُن کے اسلحہ، اور سواری اور تمام لوازمہ کی جانچ کی جاتی تھی۔ اور یہی طریقہ صدر اسلام سے
 اخیر تک قائم رہا۔ سلاطین مغلیہ میں اورنگ زیب عالمگیر کو جائزہ کی طرف نہایت توجہ
 تھی۔ اور اُس کی وسعت نظر کی تعریف نہیں ہو سکتی ہے۔ سلطان فخر الملک اور الپ ارسلان
 جنگ کے موقع پر فوج کا جائزہ لیا کرتے تھے۔ اور ناقص و ناکارہ سپاہی چھانٹ دیتے تھے۔
لطیفہ الخلیفہ المعتمد عباسی کے فوجی صنیفہ کا نام منظم، عمرو بن لیث، ایک دن فوج کا جائزہ

لے رہا تھا۔ کہ عارض نے ایک سوار کو پیش کیا جس کا گھوڑا از حد لاغور کمزور تھا۔ عمر نے سوار سے کہا۔ ”تکو گھوڑے کا جو صرف ملتا ہی معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنی جور کو کھلا کر اُس کو فربہ بنا رہے ہو۔ اور گھوڑے کو دہلا کر رکھا ہے۔ حالانکہ یہ تمہاری ترقی اور انعام کا ذریعہ ہے“ سوار نے جواب دیا ”حضور عالی! اگر میں جائزہ میں اپنی بیوی کو پیش کرتا تو اس میں شک نہیں ہے کہ اُسے دیکھ کر آپ میرے گھوڑے کو موٹا تازہ بناتے اور پاس کر دیتے“ عمر و سوار کا یہ بھستہ جواب نہ کر سہنس دیا اور اُسی وقت انعام دیکر حکم دیا کہ اب دوسرا گھوڑا خرید لو۔“

خزانہ خزانچی، یا ہتم خزانہ، یہ منصب بھی لوازمہ سلطنت میں سے ہے۔ خلفاء اور دولت سلجوقیہ میں اکثر معتبر غلام اس خدمت پر مقرر ہوا کرتے تھے۔ اور ”خازندار“ کہلاتے تھے۔

۱۔ جملہ عددوں کی صراحت مقدمہ ابن خلدون، آثار الاول فی ترتیب الیہ ولی۔ تاریخ آل سلجوقیہ صنفانی، اور احکام السلطانیہ میں ہر ہم نے اس کا خلاصہ لے لیا ہے۔

خواجہ نظام الملک کا علمی ذوق و مدرسہ عظم، نظامیہ بغداد کی تعمیر علوم وفنون کی اشاعت صیغہ تعلیم کی اولیت

اسلامی علوم وفنون کی تدوین و اشاعت کے لحاظ سے خلافت عباسیہ کے دور کے
تاجدار ابو جعفر منصور کا عہد حکومت بھی تاریخ اسلام میں ایک ممتاز درجہ رکھتا ہی تخت نشینی کو
ابھی سات ہی سال ہوئے ہیں کہ ۳۱۳ھ میں اسلامی علوم کی تدوین شروع ہو گئی فیض روم
سے یونانی کتب علیہ کے عربی ترجمے منگائے جاتے ہیں جن کو پڑھ کر علمائے اسلام یونانی
علوم کے شوق میں دیوانے ہو رہے ہیں۔ بیت الحکمت میں یونان، ایران، اور ہندوستان کے
ہر مذہب ملت کے علماء و حکماء داخل ہو رہے ہیں۔ گویا بغداد میں علم کا سیلاب اُٹھا
چلا آتا ہی۔ تصنیفات کے ساتھ باقاعدہ تعلیم کا بھی آغاز ہو گیا ہو، اور ترقی کا ہر قدم آگے
بڑھ رہا ہی۔ منصور کے بعد ہارون الرشید اور مامون الرشید کا دور آتا ہی۔ یہ وہ عہد سعادت
ہو جس میں علم کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ کر سارے عالم کو اپنی نورانی شعاعوں سے منور
کر دیتا ہی۔ چنانچہ اس فوق اور شرف علمی کا یہ نتیجہ ہوا کہ دین صدیوں میں دنیا کے اسلام
ائمہ، مجتہدین اور محققین سے بھر گئی، اور ہر فرد ایسا جو ہر کامل ہو کر نکلا، جس کی نظیر نہ تو
برس کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی ہی۔ یہی وہ دور اولیٰں کے علماء تھے جنہیں سے ہر ایک کی
ذات پر زندہ کالج کا صحیح اطلاق ہو سکتا تھا۔ یہ تو سب کچھ ہوا، لیکن سخت تعجب ہے کہ
ہنوز دار الخلافہ کی چار دیواری میں کسی دارالعلوم (کالج)، اور مدرسہ (سکول) کی شاندار

عمارت نظر نہیں آتی تھی۔ منصور عباسی نے قصر الذهب، قصر الخلد، قسۃ کھنزاوا اور بغداد کی زیب و زینت کے لیے دو کروڑ درہم (ایک درہم چار آنہ) صرف کر ڈالے۔ مگر موازنہ (مجبوت) میں عمارت مدرسہ کے لیے ایک پانی کی رقم منظور نہیں کی گئی۔ اور یہ حالت نہ صرف بغداد کی ہی، بلکہ تمام دنیاے اسلام اس صفت میں مشرک ہو۔ یہ تاریخی خستہ پختہ چوتھی صدی ہجری تک قائم تھی کہ یکایک ساحل مصر سے کچھ روشنی نمودار ہوئی۔ اور طلباء علوم یہ شعر پڑھتے ہوئے بڑھے

دور سے امید نے جھلکی سے اک دکھلائی ہو

ایک کشتی ڈوبتے بیڑے کو لینی آئی ہو

اور خدا کا شکر بجالائے کہ اٹھام باہر اللہ نے ہشتیمہ میں ایک شاندار مدرسہ اور اخلاف مصر میں بنایا۔ یہ سب پہلا مدرسہ تھا۔ جو ایک سلطنت کی طرف سے رعایا کے لیے قائم ہوا اس مدرسہ کا سنگ بنیاد ایسی ساعت سعید میں کھایا تھا کہ وہ سلاطین اور اُمراء و ولت کے لیے چراغ ہدایت بن گیا۔ چنانچہ نیا پور میں عام قومی چندہ سے ایک مدرسہ استاد ابوبکر فورک کے لیے تعمیر ہوا جنہوں نے ہشتیمہ میں وفات پائی۔ اس کے بعد اسی شہر میں دوسرا مدرسہ بہیقیہ قائم ہوا جس کے مدرس عظم ابو القاسم اسفرائینی تھے۔ افسوس ہو کہ بہیقیہ کی تاریخ تعمیر کا کسی مورخ نے کچھ ذکر نہیں کیا ہے لیکن شیخ ابو محمد عبد اللہ جوینی اور امام الحرمین جوینی کے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدرسہ بھی مصری درس گاہ کے بعد قائم ہوا ہے اور امام الحرمین (استاد علامہ غزالی) نے ابتدائی کتابیں اپنے والد شیخ ابو محمد عبد اللہ سے

پڑیں۔ اور ان کے انتقال پر ۱۱۶۶ھ میں داخل مدرسہ بہیقیہ ہوئے۔ اس مدرسہ میں تعلیم کا انتظام اعلیٰ پیمانہ پر تھا۔ اور اسی بنا پر بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ اسلامی دنیا میں سب سے پہلا مدرسہ بہیقیہ ہی "پھر ۱۱۶۶ھ میں سلطان محمود غزنوی نے دارالسلطنت غزنی میں ایک مدرسہ جاری کیا۔ اور فتوحات ہندوستان کا ایک قیمتی حصہ اس پر صرف کر دیا اور مصارف کے لیے دوامی جاگیر بھی وقف کی۔ بھائی کو دیکھ کر امیر نصر بن سبکتین نے بھی نیشاپور میں ایک مدرسہ بنایا۔ اور سعید نام رکھا۔ جو تھا مدرسہ علامہ ابواسحق اسفرائینی متوفی ۱۱۶۶ھ کے لیے قائم ہوا۔ پانچواں مدرسہ سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے حکم سے تعمیر ہوا۔ اس مدرسہ کی نسبت حکیم ناصر خسرو علوی اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ "روز شنبہ یازدہم شوال ۱۱۶۶ھ میں نیشاپور شہم چار شنبہ آخرین ماہ کوف بود۔ حاکم زمان طغرل بیگ محمد بود برادر چغری بیگ سلجوقی و مدرسہ فرمودہ بود بہ نزدیک بازار "سراجان" و از اعمارت میکردند۔" چھٹا مدرسہ ابوسعید اسماعیل بن علی بن اللثنی استرآبادی صوفی اور واعظ کا تھا۔ یہ صرف ایک شہر نیشاپور کی حالت تھی۔ اور ان مدارس کو مورخین نے "اہمات المدارس" کا خطاب دیا ہے۔ لیکن عراق عرب و رجم ہنوز خواجہ نظام الملک طوسی کی فیاضی کا منتظر تھا۔ آخر وہ وقت بھی آگیا کہ بغداد اور نیشاپور وغیرہ میں خواجہ کی طرف سے مدرسوں کی بنیادیں پڑیں۔ سب سے اول ہم نظامیہ بغداد کے حالات لکھتے ہیں۔

۱۱۶۷ھ میں الحاضرہ صفحہ ۶۷۹ھ سفر نامہ ناصر خسرو و حالات نیشاپور ۱۱۶۷ھ انساٹیکو پیڈیا برطانیہ میں لکھا ہے کہ سب سے پہلا مدرسہ تھا جس کو مامون الرشید نے بزمانہ ولیعہد حمی اسان بن قائم کیا تھا۔ لیکن اسکی تصدیق عربی، فارسی یا یونانی سے نہیں ملتی ہے۔

نظامیہ کا موقع آج دنیا میں نظامیہ موجود نہیں ہے۔ لہذا اس کے اول اس کا موقع و محل لکھنا ضروری کہ وہ بغداد میں کس جگہ تھا۔ اور اس غرض کے لیے چند سطرین بطور تہید کافی ہیں خلیفہ منصور عباسی نے جب دار الخلافہ کی تعمیر کا قصد کیا۔ تو عراق عرب میں موجودہ بغداد کی جانب مغرب مشرق عمدہ قطعات اراضی کی تلاش کی چنانچہ مغربی گوشہ میں وہ جگہ پسند آئی جس کا نام ”کرخ“ تھا۔ یہ ایک موضع تھا جس کو شاپور ذوالاکتاف نے آباد کیا تھا۔ اور مشرقی حصہ میں ”ساباط“ کو انتخاب کیا۔ یہ بھی ایک مشہور گاؤں تھا۔ جہاں نوشیروان عادل نے ایک باغ لگایا تھا۔ اور اس جگہ وہ اکثر مقدمات بھی فیصل کیا کرتا تھا۔ لہذا یہ مقام ”باغ داد“ کے نام سے مشہور تھا۔ چنانچہ خلیفہ منصور نے کرخ میں نئے شہر کی بنیاد ڈالی، اور شہر کو شکل دائرہ بنایا اور مرکز میں یوان خلافت تعمیر کیا۔ اور دریائے دجلہ (وادی السلام) کو وسط میں لے لیا اور شہر کو بڑی بڑی سڑکوں پر تقسیم کر دیا۔ ہر سڑک کی چوڑائی چالیس گز قرار دی گئی۔ اور شہر نباہ میں چار دروازے نصب کیے گئے جن کے نام یہ ہیں۔ باب الکوفہ۔ باب خراسان۔ باب البصرہ۔ باب الشام، اور ایک دوازہ سے دوسرے کا فاصلہ ایک میل تھا۔ نہروں کے ذریعہ سے شہر کے مکانات اور باغات میں پانی آتا تھا، اور مختلف مقامات پر عبور کے لیے ایک سو پچیس پل (جسر) دجلہ پر بنائے گئے تھے۔ اور نہروں میں نہر عیسیٰ خاص اہتمام سے بنوائی گئی تھی۔ اب اس نہر کے آثار المسعودیہ کے نام سے مشہور ہیں۔ منصور کے بعد جب خلیفہ مہدی کا زمانہ آیا۔ تو اس نے دار الخلافہ

لے تہ العبادی مدینہ بغداد۔ پروفیسر نولین۔ مطبوعہ بیروت ۱۹۱۱ء تہ بہت القلوب حمد اللہ مستوفی ذکر بغداد۔

المعجم بغداد ۲ تذکرہ بغداد۔

کو مغرب سے جانب مشرق منتقل کر دیا اور شاہی محلات میں اضافہ کیا۔ اور خلیفہ ہارون الرشید
و مامون الرشید نے بھی اسی حصہ کو پسند کیا۔ چنانچہ مشرقی حصہ جنت کا ٹونہ بن گیا۔ اور رخصا
کے نام سے شہرت پذیر ہوا۔ اور ہنوز "بغداد جدید" کے نام سے مشہور ہے۔ عہد ہرون الرشید میں
بغداد کا طول ۲ میل اور عرض ۱/۴ میل تھا اور مردم شماری کا صحیح تخمینہ بیس لاکھ خلیفہ اعظم
نے کثرت غلاموں سے مجبور ہو کر دار الخلافہ کو بغداد سے ساڑھے ساتھ منقل کر دیا۔ اور خلیفہ معتضد
نے بغداد پسند کیا، گویا کسٹھ برس کے بعد آب رقتہ بجا آید۔ بعد ازاں خلیفہ مستطہر باب (۳۳۰)
نے بغداد میں ترمیم کی، اور خندق و فصیل کو از سر نو بنایا۔ اور مشرقی حصہ میں چار دروازے قائم
کیے۔ چنانچہ پہلا دروازہ دجلہ کے سرے پر تھا جس کا نام باب السلطان تھا۔ دوسرا
باب الحضر فیہ تیسرا باب النخلیہ۔ چوتھا باب البصلیہ تھا۔ اس کے بعد مشرقی حصہ میں جب
آبادی غیر معمولی ہو گئی تو اندرون شہر میں باب طمرات اور باب الاربع وغیرہ اور دروازے
بڑھائے گئے۔ اس تفصیل کے بعد اب مدرسہ نظامیہ کا موقع آسانی سے معلوم ہو جائیگا جس کا ذکر
عہد قدیم کے سیاحوں اور زمانہ حال کے مورخوں نے اپنی کتابوں میں کیا ہے۔

ابن جبیر کی شہادت یہ نامور سیاح مہینہ صفر ۵۸۸ھ میں بغداد پہنچا ہی اور لکھتا ہے کہ بغداد میں

لے سامرا "اصلی نام شہر میں ہی تھا جو کثرت اشتغال سے سامرا ہو گیا۔ بغداد اور کربلا کے مابین دجلہ کے مشرقی کنارہ پر ہے۔
اور بغداد سے ۵۰ میل کا فاصلہ ہے۔ مجمع جلد ۳ ص ۲۵۷ تمام شاہی محلات اور طبقہ اعلیٰ کے مکانات باب طمرات میں تھے۔ اور یہ
گویا شاہی محلہ تھا۔ باب الاربع بھی بہت بڑا محلہ تھا جس میں شہر کے اور متعدد محلے آباد تھے۔ باب البصلیہ کی آبادی جنوب اور
مشرق میں تھی اور مشرقی حصہ باب کلواذی سے منقل تھا۔ مجمع جلد اول

۵۷۷ ترجمہ سفرنامہ ابن جبیر حالات بغداد ۱۶۰

تین مدرسے ہیں۔ اور سب شرعی حصہ میں ہیں۔ ہر مدرسہ کی عمارت خوبصورتی میں نامور محلات سے بہتر ہے اور سب بڑا اور مشہور مدرسہ نظامیہ ہے۔

ابن بطوطہ کی تصدیق | ابن بطوطہ ۷۲۷ ھ میں داخل بغداد ہوا ہے۔ اور مشرقی بغداد کے حالات میں لکھتا ہے کہ ”بغداد کے مشرقی حصہ میں بڑی ترتیب کی آبادی ہے اور بازار بکثرت ہیں اور سب بڑا بازار سوق الشانہ ہے جس میں ہر چیز کا کارخانہ جلا ہے اور اس بازار کے وسط میں نظامیہ ہے جس کی عمارت حسن و خوبی میں ضرب المثل ہے نظامیہ کے اخیر میں مدرسہ مستنصریہ ہے۔“

معصفت خلافت بغداد کی راۓ | مدرسہ نظامیہ کے موقع کے متعلق زمانہ حال کی تحقیقات کا خلاصہ یہ کہ مسٹر ٹی، الاسٹریج صاحب اپنی کتاب ”خلافت بغداد“ میں لکھتے ہیں کہ نظامیہ کالج باب اللانج اور ساحل دجلہ کے درمیان میں واقع تھا جو شہر نیاہ کے باب البصلیہ سے قریب تھا، اور اُس سرک پر تھا جو باب البصلیہ سے ہوتی ہوئی باب المراتب تک محلات شاہی

لے سفر نامہ ابن بطوطہ حالات بغداد ۷۲۷ ھ سوق الشانہ۔ اس بازار کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں صرف سہ شنبہ (مگل) کو بازار لگتا تھا۔ یہ حالت آبادی بغداد سے قبل کی ہے جب مفسور کے زمانہ میں یہاں میدان تھا اور اطراف بغداد کے لوگ یہاں سے سودا خرید لے جاتے تھے۔ تعمیر نظامیہ کے وقت یہ سب سے آباد بازار تھا ۷۲۷ ھ، مستنصریہ خلیفہ المستنصر بالله نے ۷۲۷ ھ میں دجلہ کے کنارہ اس مدرسہ کی بنیاد رکھی، اور چھ سال میں عمارت پوری ہوئی تمام خلفاء عباسیہ میں بجز مستنصریہ کے اور کوئی عمارت کسی خلیفہ کے نام سے نہ تھی۔ مذاہب اربعہ کے فقہاء، شیخ الحدیث، شیخ التوحید، شیخ الفرائض، شیخ الطیب، درس کے لیے مقرر ہوئے۔ کتب خانہ شاہی سے ۱۶۰ آدمیوں پر لا کر کتابیں مدرسہ بھیج گئیں۔ طلبہ کو مدرسہ کی طرف مکان، فرش، خوراک، روغن، کاغذ، قلم وغیرہ دیا جاتا تھا۔ اور اس کے علاوہ ایک شرعی ماہور و خلیفہ تھا۔ سارے ۴۰ لاکھ و پینے لاکھ کی جاگیر وقف تھی۔ ایوان مدرسہ میں ایک عجائب پیش قیامت گھڑی تھی جس کو علی بن تنگب بھسکی نے بنایا تھا۔ انتخاب از رسائل شبلی نعمانی صفحہ ۲۷۳۔

کے کنائے کنائے چلی گئی تھی۔ ”سوق نظامیہ“ ان اطراف میں ایک بہت بڑا گڑگاہ عام تھا جو شائع (ایک مشہور محلہ کا نام ہے) سے ملتی واقع ہوا تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کلج دجلہ کے کنارہ رہا ہوگا۔“

صاحب موصوف کی تحقیقات نہایت صحیح ہے۔ اور اسلامی خزانوں کے بالکل مطابق ہے۔ تظامیہ فی تحقیقت دجلہ کے کنائے تھا جس کی صراحت آگے ہے۔

حافظ عبد الرحمن ناموسالچ | حافظ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ”مدرسہ تظامیہ بغداد کے اُس حصے میں ہندستان کی تحقیقات | تھا جس کو مورخین نے رضافہ سے تعبیر کیا ہے۔ اور آج کل اس کو بغداد نو کہتے ہیں۔ زمانہ کی دست برد نے تظامیہ کی عمارت کو ایسا ملیا میٹ کیا ہے کہ اب اُس کا کوئی نشان تک باقی نہیں۔ باخبر لوگوں نے بیان کیا کہ جس جگہ تظامیہ تھا اب وہاں حارۃ الیھود کے نام سے ایک محل آباد ہے جس میں یہودیوں کے مکانات بنے ہوئے ہیں بغداد کے آثار قدیمہ کی بربادی کچھ تظامیہ ہی سے مختص نہیں۔ مدرسہ نصیریہ جو خلیفہ المستنصر بالله کی یادگار اور ساتویں صدی کے نامور مدارس میں شمار ہوتا تھا اس وقت ترکی کُٹم ہاؤس پر مٹ چکی، سائر کا دفتر کا آؤس بنا ہوا ہے اور طالب العلموں کی جگہ کلرک اُس میں کام کرتے ہیں۔ زبیدہ خاتون کے مقبرہ کے سوا جو ”کُٹخ“ یعنی بغداد کہتے ہیں۔ خلفائے عباسیہ میں کسی کی عمارت کا نام و نشان تک نہیں۔ مقبرہ بھی سطح زمین کے برابر ہو گیا تھا کہ حضرت سلطان المعظم

۱۔ حافظ صاحب جب سری مرتبہ سفر کو روانہ ہوئے میں تو کانپور میں وقتِ بخت میں نے عرض کیا تھا کہ بغداد چنانچہ تظامیہ کے موقع محل کی تحقیقات ضرور کیجیگا۔ چنانچہ وہاں سفر پر چلا تھا صاحب نے ۲۰ ستمبر ۱۹۰۷ء کو امرتسر سے خط لکھا جس کا خلاصہ مندرج کیا گیا ہے۔

کے نسبتی بجائی کا نظم پاشا نے صرف کثیر سے اس کی مرمت کرا دی۔ غالباً یہ اثر اُن پسندیدہ خدمات کا ہی جو بیدہ خاتون کی طرف سے مکہ منظر اور عرفات کے درمیان زائرین بیت الحج کی آسائش کے واسطے ہر کے متعلق عمل میں آئی تھیں۔

پروفیسر نوولین کی تحقیقات | پروفیسر صاحب اپنی جغرافیہ بغداد میں لکھتے ہیں کہ ”سنۃ ۱۲۵۷ھ یتقی نظام الملک مدرسہ عالیہ ستاھا بالنظامیہ ومن آثارھا الموجودۃ الان“ (کسٹوھاؤس)

الغرض اس تمام تحقیقات کا خلاصہ یہ ہو کہ مدرسہ نظامیہ بغداد کے سب سے آباد مشرقی حصہ میں دریائے دجلہ کے کنارے واقع تھا۔ اور موقع کے لحاظ سے اس سے بہتر دوسری جگہ نہ تھی۔ شاہی محلات اور آباد بازار سب نظامیہ سے ملتی تھیں اور خواجہ نظام الملک نے خود بڑا بازار بنوایا تھا جس کی وجہ سے نظامیہ کی شان و شوکت بہت بڑھ گئی تھی۔ رافوس ہر کہ زمانہ کے حوادث نے جس طرح اسلامی سلطنتوں اور اسلامی علوم و فنون کو مٹا دیا اسی طرح اس عظیم الشان بیت العلوم کو بھی صفحہ ہستی سے محو کر دیا۔

پروفیسر نوولین کی تحقیقات کے مطابق اُس کے آثار کا سلسلہ کٹم ہاؤس سے جا کر لمباتا ہو۔ اور شاعر کا یہ شعر اس کے حسب حال ہو

از نقش و نگارے در دیوار کستہ آئید پدیدت صنادید عجب سرا

تعمیر نظامیہ | خواجہ نظام الملک کے حالات میں لکھا جا چکا ہو کہ وہ اپنے زمانہ کا ایک مشہور

فقیر اور محدث تھا۔ اور اس کی مجلس ہمیشہ علماء و صوفیہ سے بھری رہتی تھی۔ ایسا روشن خیال اور مدبر وزیر ملک کی فلاح و بہبود سے کبھی غافل نہیں رہ سکتا ہی کیونکہ ملک اور قوم میں ترقی فارغ البالی، اور عزت کا ذریعہ صرف اعلیٰ تعلیم و تربیت ہی۔ اور عام تعلیم بغیر ایک قومی بیت العلوم (یونیورسٹی) کے محال ہی۔ اس خیال سے خواجہ نظام الملک نے بڑے پیمانہ پر ایک درس گاہ بنانیکا قصد کیا تھا۔ اور اس ارادہ کی تحریک یوں ہوئی کہ ایک شیخ اشیرخ ابوسعہ صوفی نیشاپوری خواجہ سے ملنے آئے اور کہا کہ آپ کے نام سے مدینہ السلام میں ایک مدرسہ تعمیر کرنا چاہتا ہوں جس کے ذریعہ سے آپ کا نام قیامت تک زندہ رہے گا خواجہ نے کہا بہت خوب، آپ ضرور بنائیے۔ چنانچہ خواجہ نے فراہمی سامان کے لیے اپنے دکان کو اسی وقت حکم دیدیا۔ اور شیخ نے وجہ کے کنارے ایک خوبصورت قطعہ اراضی خرید کیا اور بروز منگل مہینہ ذیقعدہ ۷۵۷ھ مطابق ۴ اکتوبر ۱۳۵۶ء مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اور پورے دو سال کی مدت میں باہ ذیقعدہ ۷۵۹ھ (ستمبر ۱۳۵۷ء) عمارت مدرسہ بیکرمل ہو گئی شیخ ابوسعہ نے عمارت پر خواجہ نظام الملک کا نام نقش کیا۔ مدرسہ کے چاروں طرف بازار آباد کیے گئے، اور حمامات بنائے گئے۔ اور بہت سے دہات مصارف کے لیے وقف کیے گئے اور مدرسہ کی لاگت تعمیر ساٹھ ہزار دینار (ایک تینار پانچ روپیہ کا ہوتا ہی) ہوئی۔ اور خواجہ نے اس صرفہ کو منظور کیا۔ اور رقم شیخ ابوسعہ کو ادا کر دی گئی۔ عمارت میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہا۔ لیکن ۷۵۹ھ میں بہت کچھ ترمیم و تجدید ہوئی۔

خزانہ کتب نظامیہ کی عمارت میں ایک حصہ خزانہ کتب (لابریری) کے لیے خاص تھا اور عمارت کی تکمیل کے بعد خواجہ نے ہزاروں کی تعداد سے نادر ادب پر قیمت کتابیں داخل کر دی تھیں۔ افتتاح کے بعد علامہ ابو ذر یا تبریزی کتب خانہ کے مہتمم مقرر ہوئے۔ علامہ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ ایک عیش پسند و نفیس مزاج امیر تھے۔ دن رات عیش و طرب کے جلسوں میں ہا کر لے تھے۔ لوگوں نے خواجہ سے شکایت کی اور خواجہ نے بچشم خود تبریزی کی حالت دیکھی۔ اور شکایت کو صحیح پایا۔ صبح کو تنخواہ میں دو چنڈا اضافہ کر دیا اور کہلا بھیجا کہ مجھے پہلے سے آپ کے مصارف کا علم نہ تھا۔ ورنہ اول ہی دن کافی مشاہرہ مقرر کیا جاتا۔ تبریزی پر خواجہ کی اس علمی قدر دانی کا اس قدر اثر پڑا کہ اپنے افعال سے تائب ہو گیا۔ علامہ تبریزی کے بعد یعقوب بن سلیمان سفرانی مہتمم مقرر ہوئے۔

طبقات الشافعیہ میں لکھا ہے کہ طبقہ علماء میں سے جب کوئی عالم خواجہ کو تحفہ دیتا تو وہ صرف کتابیں ہوا کرتی تھیں۔ اور یہ نادر کتابیں، خواجہ کتب خانہ مدرسہ میں داخل کر دیتا تھا۔ باوجود اس کے کتب خانہ مکمل نہیں تھا اور اس کمی کو خلیفہ الناصر لدین اللہ نے پورا کر دیا۔ ۵۸۹ھ میں خلیفہ مذکور نے شاہی کتب خانہ سے نادر کتابیں مدرسہ میں داخل کر دیں۔ ۱۱۱۶ھ میں کتب خانہ میں آتش زدگی ہوئی۔ اور بیس تھک جل کر راکھ ہو گئیں مگر خواجہ کی نیک نیتی کا یہ اثر تھا کہ ایک کتاب بھی نہ جلنے پائی اور سب نکال لی گئیں۔ خواجہ کو جب بغداد آنے کا اتفاق ہوا

علامہ نانہ شرواں صفحہ ۵۰ طبقات الکبریٰ جلد ۳ صفحہ ۲۳۰ حالات عبدالسلام مغربی ۱۱۱۶ھ طبقات جلد ۴ صفحہ ۲۹
علامہ کمال شیر جلد ۱۲ صفحہ ۳۳۳ ۱۱۱۶ھ کمال جلد ۱ صفحہ ۸۴ -

تو وہ مدرسہ ضرور دیکھتا تھا اور کتب خانہ میں جا کر کتب بینی کرتا، اور حدیث روایت کرتا۔

نظامیہ کے اطراف و جانب | اول تو نظامیہ کا موقع قدرتی طور پر دلکش تھا۔ لیکن اُس کی زیب و زینت کے لیے علاوہ بازاروں کی آبادی کے خواجہ نے ایک تدبیر بھی کی تھی کہ مدرسے کے قریب اپنی سکونت کے لیے ایک حویلی بنائی تھی جس کی تقلید میں خواجہ کے بیٹوں جال الملک اور مولد الملک نے بھی کوٹھیاں تعمیر کی تھیں اور اُس میں رہا کرتے تھے جس کی وجہ سے مدرسہ کی انگرائی بھی خوب ہوتی تھی۔ اور مدرسہ کے زیرِ متن پر یہ سنہرے حاشیے اور بھی غصبے ڈالتے تھے۔

نظامیہ کی دست | افسوس ہو کسی تاریخ میں ہماری نظر سے نہیں گزرا کہ جس آراضی پر نظامیہ تھا۔ اس کا رقبہ کس قدر تھا۔ لیکن مورخین کا بیان ہے کہ نظامیہ کی عمارت عبی غظیم الشان تھی مقتدیہ وسیع بھی تھی اور شاہی محلات کے ہم پلہ۔ علامہ ابو اسحق شیرازی کے حالات میں لکھا ہے کہ جب علامہ درس کے لیے مدرسہ تشریف لائے ہیں تو علاوہ ہجوم طلباء کے سارے بغداد کا نظامیہ کے اندر جمع تھا۔ "یہ زمانہ (عہد خلیفہ القائم بامر اللہ) اگرچہ اسخطاط کا تھا۔ تاہم دس اور پندرہ لاکھ کے بین بین مردم شماری سمجھنا چاہیئے۔ اس آبادی کا انتخابی حصہ بھی قابل غور ہو کہ وہ کس قدر ہوگا۔ اور نظامیہ کے ہال کتنے بنے چڑے تھے جس نے اس مجمع کو جذب کر لیا تھا۔

تاریخ کامل میں ارد شیرین منصور و اعط کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کے حلقہ و غط میں ایک دن بڑا مجمع ہوا۔ تب لوگوں کو خیال ہوا کہ حلقہ کی پائش کی جائے چنانچہ پائش کی گئی تو حلقہ ۱۱ گز طول اور ۲۰ گز عرض کا تھا۔ جو سامعین سے بھرا ہوا تھا اور یہ مجلس غط ہمیشہ عمارت مدرسہ کے اندر

منعقد ہوا کرتی تھی۔ اس پیمائش سے جو ایک حصہ عمارت کی ہی نظامیہ کی کل وسعت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

رسم افتتاح جب مدرسہ بن کر مکمل ہو گیا۔ تو بروز شنبہ دسویں ذیقعدہ۔ ستمبر ۱۲۵۹ھ کو مدرسہ کا افتتاح ہوا۔ خواجہ نظام الملک کا مدرسہ خلفائے عباسیہ کا دار الخلافہ، علم و فضل کا زمانہ اور شہن کا دن، بہاں اس قدر سامان جمع ہوں اس جلسہ کی شان شوکت کی تصویر صرف عالم خیال ہی میں کھینچ سکتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس علمی مرکز میں بسا اربعہ امانڈ آیا تھا۔ اور جو ارباب فضل و کمال تھے ان کا تو حقیقت میں گھر ہی تھا۔ اولے مراسم کے لیے علامہ شیخ ابوالفتح شیرازی کا انتخاب کیا گیا تھا۔ جو اس عہد میں شیخ الشیوخ اور استاد کل کا درجہ رکھتے تھے۔ چنانچہ علامہ مدرسہ کی طرف آئے تھے کہ راستہ میں ایک رٹ کے نے شیخ کو مخاطب کر کے کہا ”یا شیخ کیف تدبر فی مکان مغضوب“ چنانچہ محض اس شبہ پر کہ نظامیہ کی تعمیر آراضی مغضوب پر ہوئی ہے، شیخ راستہ سے پلٹ گئے، اور روپوش ہو گئے۔ حاضرین جلسہ جب انتظار کرتے کرتے پریشان ہو گئے اور دوپہر کا وقت آگیا تو شیخ عبد الملک ابو منصور بن یوسف نے جو اعیان بغداد میں نہایت عالی منزلت تھے، حاضرین جلسہ سے خطاب کیا کہ طلبہ اور شائقین کا ہجوم ہی اور درس کا ہونا بھی لازمی ہے لہذا مناسب ہے کہ ابو نصر بن جتناغ مصنف شامل جو مدرسہ میں تشریف رکھتے ہیں وہ درس دیں“ چنانچہ حاضرین جلسہ کی عام رائے سے ابو نصر مسند پر جلوہ افروز

ہوئے۔ اور مدرسہ کا افتتاح کیا۔ اور بخیر و خوبی جلسہ ختم ہو گیا۔

نظامیہ کا عملہ | مدرسہ نظامیہ کے عام انتظامات اور نگرانی کا ربار کے لیے اسی قدر عملہ کی ضرورت تھی جس قدر ایک چھوٹی سی ریاست کے لیے ہوا کرتی ہو۔ ادنیٰ درجہ کے کس قدر ملازم تھے اس کی تفصیل معلوم ہونا مشکل ہو لیکن طبقہ اعلیٰ کے عہدہ دار حسبِ ذیل تھے۔

متولی ۱ | متولی کا منصب آج کل کی اصطلاح میں سکریٹری کا درجہ رکھتا ہے، متولی ہمیشہ مدرسہ میں ہا کرتا تھا اور تمام انتظامی امور کا وہ ذمہ دار ہوتا تھا۔ یہ خدمت مستقل تھی۔ مگر بعض اوقات مدرسہ غلام (پرنسپل) کے بھی سپرد ہو جایا کرتی تھی جو تمام شیوخ میں صدرِ علم کا درجہ رکھتا تھا۔

شیخ ۲ | فقہ، حدیث، تفسیر، صرف، نحو، ادب، علم کلام وغیرہ کے مدرس جداگانہ تھے اور ہر مدرس "شیخ" کے خطاب سے ممتاز تھا۔ ہر شیخ اپنے علم و فن میں یگانہ روزگار ہوتا تھا۔ نظامیہ میں کسی عالم کا مدرس مقرر ہو جانا اس کی ذات کیلئے یہی عزت تھی کہ جس سے بڑھ کر کوئی دوسرا اعزاز نہ تھا۔ اور یہ وقار قیام مدرسہ تک قائم رہا۔ انتخاب کا قاعدہ جس طرح مدرسوں (پروفیسرس) کے لیے جاری تھا۔ ویسی ہی سختی سے نائبوں کا بھی انتخاب ہوتا تھا۔ ہر نائب اپنے شیخ سے فضل و کمال میں دوسرے درجہ کا مانا جاتا تھا (اس کی تصدیق حالات علماء سے ہوگی) مثلاً امام احمد غزالی، اور فخر الاسلام کیا ہر اسی، یہ نائب تھے جبکہ درجہ امام محمد غزالی کے بعد تھا اور یہ خصوصیت اول سے اخیر تک قائم رہی۔ ہر شیخ کی تنخواہ پیش قرار تھی۔

خازن ۳ | کتب خانہ کا مہتمم (لائبریرین) یہ بھی معزز عہدہ تھا۔ اور اس خدمت پر ہمیشہ ممتاز علماء ممتاز رہے۔ یہ عہدہ دار "خازن" کہلاتا تھا۔

مذید ۴ اکثر اوقات یہ خدمت قابلترین طلبہ کو سپرد کی جاتی تھی جن کا انتخاب حلقہ درس سے ہوتا تھا۔ اور بعض اوقات جداگانہ علماء بھی مقرر ہوتے تھے۔ معید کے لیے ضروری تھا کہ وہ بلند آواز ہوتا کہ شیخ کے الفاظ سامعین تک پہنچ جاویں

مفتی ۵ فتویٰ نویسی کے لیے جداگانہ عملہ تھا اور خاص حالتوں کے سوا شیخ الفقہ اور شیخ الفرائض کو فتویٰ نگاری کی خدمت سپرد نہ ہوتی تھی۔

داعظ ۶ جب باہر سے کوئی مشہور اور نامور عالم آتا تھا تو علاوہ جامع مسجدوں کے مدرسہ نظامیہ میں بھی اُس کا وعظ ضرور ہوتا تھا۔ لیکن عام ہدایت اور فیض سانی کے لیے بھی مستقل داعظ مدرسہ کی طرف سے ملازم تھے۔ اور کبھی کبھی مدرسوں میں سے بھی کوئی وعظ کیا کرتا تھا۔

ناظر وقت ۷ نظامیہ بغداد اور اُس کے ماتحت مدارس (تفصیل آگے درج ہے) کے لیے جس قدر جائداد وقت تھی اُس کے تحفظ اور انتظام کے لیے ایک عمدہ دارمقرر تھا۔ جو ناظر وقف کہلاتا تھا۔ خواجہ ابونصر بن نظام الملک بھی اس خدمت پر رہا ہے۔ اور اس کی نیابت میں دوسرے علماء کام کرتے تھے۔

نظامیہ کے سالانہ منظر اسلامی موضوعین نے چھ یا سات لاکھ دینار سالانہ صرفہ مدارس کا لکھا ہے اور یہ رقم ہی جو خواجہ نظام الملک نے خزانہ شاہی سے مقرر کی تھی۔ اس کے علاوہ اپنی ذاتی جگہ پر

۱۰۰۰۰۰ راج الملوک طرطوشی میں، سات لاکھ کی رقم لکھی ہے، اور گبن صاحب نے ۲ لاکھ دینار لکھے ہیں جو صرف نظامیہ بغداد کے کسی خاص حصہ کا صرفہ ہو سکتا ہے

سے سوال حصہ مقرر کر دیا تھا اور زکوٰۃ و خیرات کا روپیہ اس کے علاوہ تھا، اور مصنف سراج الملوک نے لکھا ہے کہ خواجہ نے بھی اپنی رقم سرکاری عطیہ کے برابر کر دی تھی۔ بہر حال صیفہ تعلیم پر پچاس لاکھ روپیہ سالانہ سے کم خرچ نہ ہوتا ہوگا۔ اور بظاہر یہ رقم کچھ زیادہ نہیں ہو سکتی۔ خواجہ نظام الملک دولت سلجوقیت میں صرف وزیر ہی نہ تھا۔ بلکہ وہ ایک خود مختار بادشاہ تھا جو چاہتا تھا کہ گزرتا تھا۔ لیکن خواجہ کے دشمن تاج الملک وغیرہ اس کے تمام صیغوں پر کتبہ چینی کیا کرتے تھے۔ اور خواجہ کی شکایتیں ملکشاہ سے کرتے رہتے تھے چنانچہ نظامیہ کے مصارف معلوم ہونے پر ملکشاہ سے کہا گیا کہ اس قدر روپیہ یہی فیج مرتب ہو سکتی ہے جس سے قسطنطنیہ فتح ہو سکتا ہے۔ اور یہ زمانہ عیسائی سلطانین کا ہے جن کا مقابلہ سلطان کو کرنا پڑا ہے مگر خواجہ کا یہ حال ہے کہ وہ فضول کاموں میں بیت المال کو خالی کیے دیتا ہے۔ جب سلطان سے شکایت چند مرتبہ کی گئی تو اس نے ایک دن معمولی طریقہ سے خواجہ سے کہا کہ ”بایاے باپ! چھ لاکھ دینار کے صرف سے تو ایک جہاز شکر مرتب ہو سکتا ہے جن لوگوں پر آپ نے کثیر لٹا رہے ہیں۔ ان سے کیا کام نکل سکتا ہے؟“ ملکشاہ کا یہ سوال سن کر خواجہ آبدیدہ ہو گیا۔ او کہہ ”جان پدر! میں تو بوڑھا ہو گیا ہوں اگر نیلام کیا جاؤں تو پانچ دینار سے زیادہ بولی نہ ہوگی۔ لیکن تم ایک نوجوان ترک ہو۔ تاہم مجھے امید نہیں ہے کہ تیس دینار سے زیادہ تمہاری بھی قیمت آئے۔ سپر خدائے تم کو بادشاہ بنایا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ تم لذات دنیوی میں

لے رو سنا اور امرار جائدادیں نظامیہ میں وقف کر دیا کرتے تھے چنانچہ ابو سعد صوفی نے انتقال کے وقت ۵۴۰ھ میں تمام جائداد وقف کر دی۔ کامل جلد ۱ صفحہ ۵۰۔ ۵۱ اعلام صفحہ ۸۲۔

مُعید ۴ | اکثر اوقات یہ خدمت قابلترین طلبہ کو سپرد کی جاتی تھی جن کا انتخاب حلقہ درس سے ہوتا تھا۔ اور بعض اوقات جداگانہ علماء بھی مقرر ہوتے تھے۔ معید کے لیے ضروری تھا کہ وہ بلند آواز ہو تاکہ شیخ کے الفاظ سامعین تک پہنچ جاویں

منفی ۵ [فتویٰ نویسی کے لیے جداگانہ علم تھا اور خاص حالتوں کے سوا شیخ الفقہ اور شیخ الفرائض کو فتویٰ نگاری کی خدمت سپرد نہ ہوتی تھی۔]

واعظ ۶ | جب باہر سے کوئی مشہور اور نامور عالم آتا تھا تو علاوہ جامع مسجدوں کے مدرسہ نظامیہ میں بھی اُس کا وعظ ضرور ہوتا تھا۔ لیکن عام ہدایت و فیض سانی کے لیے بھی مستقل واعظ مدرسہ کی طرف سے ملازم تھے۔ اور کبھی کبھی مدرسوں میں سے بھی کوئی وعظ کیا کرتا تھا۔

ناظر وقف۔ ۷۔ | نظامیہ بناد اور اُس کے ماتحت مدارس (تفصیل آگے برج ہی کے لیے
جس قدر جاؤ دو وقف تھی اُس کے تحفظ اور انتظام کے لیے ایک عہدہ دار مقرر تھا۔ جو ناظر وقف
کہلاتا تھا۔ خواجہ ابونصر بن نظام الملک بھی اس خدمت پر رہا ہے۔ اور اس کی نیابت میں دوسرے
علماء کام کرتے تھے۔

خطاب کے سالہا مصلحت | اسلامی موزعین نے چھ یا سات لاکھ دینار سالانہ صرفہ مدارس کا کھلی ہو
اور یہ رقم ہی جو غائبہ نظام الملک نے خزانہ شاہی سے مقرر کی تھی۔ اس کے علاوہ اپنی ذاتی جائیداد

۱۔ سراج الملوک طرطوشی میں، سات لاکھ کی رقم لکھی ہے، اور گبن صاحب نے ۲ لاکھ دینار لکھے ہیں جو صرف نظامیہ بغداد کے کسی خاص حصہ کا صرف ہو سکتا ہے۔

سے دسواں حصہ مقرر کر دیا تھا اور زکوٰۃ و خیرات کا روپیہ اس کے علاوہ تھا، اور مصنف سراج الملوک نے لکھا ہے کہ خواجہ نے بھی اپنی رقم سرکاری عطیہ کے برابر کر دی تھی۔ بہر حال صیفیہ تعلیم پر پچاس لاکھ روپیہ سالانہ سے کم خرچ نہ ہوتا ہوگا۔ اور بظاہر یہ رقم کچھ زیادہ نہیں ہے کیونکہ خواجہ نظام الملک دولت سلجوقیہ میں صرف وزیر ہی نہ تھا۔ بلکہ وہ ایک خود مختار بادشاہ تھا جو چاہتا تھا کہ گزرتا تھا۔ لیکن خواجہ کے دشمن تاج الملک وغیرہ اس کے تمام صیغوں پر نکتہ چینی کیا کرتے تھے۔ اور خواجہ کی شکایتیں ملکشاہ سے کرتے رہتے تھے چنانچہ نظامیہ کے مصارف معلوم ہونے پر ملکشاہ سے کہا گیا کہ اس قدر روپیہ میں یہی فوج مرتب ہو سکتی ہے جس سے قسطنطنیہ فتح ہو سکتا ہے۔ اور یہ زمانہ عیسائی سلاطین کا ہے جن کا مقابلہ سلطان کو کرنا پڑتا ہے مگر خواجہ کا یہ حال ہے کہ وہ فضول کاموں میں بہت المال کو خالی کیے دیتا ہے۔ جب سلطان سے یہ شکایت چند مرتبہ کی گئی تو اس نے ایک دن معمولی طریقہ سے خواجہ سے کہا کہ پیائے باب! چھ لاکھ دینار کے صرف سے تو ایک جہاز شکر مرتب ہو سکتا ہے جن لوگوں پر آپ نے کثیر لٹا رہے ہیں۔ اس نے کیا کام نکل سکتا ہے؟ ملکشاہ کا یہ سوال سن کر خواجہ آبدیدہ ہو گیا۔ او کہاکہ ”جان پدر! میں تو بوڑھا ہو گیا ہوں اگر نیلام کیا جاؤں تو پانچ دینار سے زیادہ بولی نہ ہوگی۔ لیکن تم ایک فوج ان ترک ہو۔ تاہم مجھے امید نہیں ہے کہ تیس دینار سے زیادہ تمہاری بھی قیمت آوے۔ سپر خدائے تم کو بادشاہ بنایا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ تم لذات دنیوی میں

۱۔ روسا، اور امر، جلد ۱ میں نظامیہ میں وقف کر دیا کرتے تھے چنانچہ ابوسعود صوفی نے انتقال کے وقت

۲۲۶۹ میں تمام جائیداد وقف کر دی۔ کامل جلد ۱ صفحہ ۵۵۔ ۵۶ اعلام صفحہ ۸۲۔

منہمک رہتے ہو نیکیوں کے مقابلہ میں گناہوں کا پلہ بخاری ہو رہا ہو مالک فتح کرنے کے لیے تم فوج بھرنی کرنا چاہتے ہو، ان کی تلواریں دو گڑ کی ہوں گی، اور ان کے تیر تین سو قدم سے زیادہ نہیں جاسکتے ہیں۔ لیکن میں جو فوج تیار کر رہا ہوں، ان کی دعاؤں کے تیر فوش سے عرش تک ٹھٹھیں گے، جو کام ان کی دعاؤں سے ہو گا وہ تمہاری فوجیں نہیں کر سکتی ہیں۔“ فرماؤ وزیر کا یہ جواب سکر ملک شاہ بہت رویا۔ اور کہا کہ پیائے باپ! ایسی فوجیں جس قدر ممکن ہو طیار کرو۔“

کامیاب طلبہ | مسٹر گین لکھتے ہیں کہ ”مختلف اوقات میں تظامیہ سے چھ ہزار طلبہ ہر درجہ کے کامیاب ہو کر نکلے جن میں امرا اور اہل حرفہ دونوں کے لڑکے شامل تھے۔“ ہمارے خیال میں یہ تعداد تظامیہ کی عمر کے لحاظ سے بہت کم ہو۔ اور اس پر اضافہ کثیر کی گنجائش ہو۔ مگر افسوس ہے کہ تظامیہ کے عہد میں وہاں کا سند یافتہ اپنے نام کے ساتھ نظامی نہیں لکھتا تھا، بلکہ اپنے استاد کے نام سے شہرت پاتا تھا۔ ورنہ اسماء رجال سے آج فیصلہ ہو جاتا کہ زائد از تین صدیوں میں کس قدر رباب کمال، مدرسہ تظامیہ سے فیضیاب ہوئے۔ غالباً اس غلطی سے متاثر ہو کر جامع ازہر (مصر) کے طلبہ اپنے نام کے ساتھ ازہری، اور جامع قومی کالج، مدرسہ العلوم علی گڑھ کے نوجوان علیگ، اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے متعلم ندوی، اور مالک یورپ کے تعلیم یافتہ اکسن (منسوب بہ کسٹورڈ) وغیرہ لکھتے ہیں۔ یہ طریقہ نہایت اچھا ہے، اور ہر مدرسہ کے طلبہ کو ایسی تقلید کرنا چاہیئے۔ کہ زمانہ آئندہ کے مورخین کو شمار و تخمینہ میں ہماری طرح مصیبت نہ اٹھانا پڑے۔ بہر حال اگر ہم مسٹر گین کی رے کو صحیح تسلیم کر لیں کہ تظامیہ نے اپنی مدت العمر میں چھ ہزار طلبہ پیدا

کیے تو بھی نظامیہ کے فخر و مباهات کے لیے کافی ہو کیونکہ ان میں سے ہر ایک آسمانِ علم کا آفتابِ مہتاب ہو گا۔

نظامیہ کے نتائج اور دلالتا | نظامیہ بغداد کے قیام کی جب علما، ماورائے کفر کو خبر ہوئی تو انھوں نے ایک ختم ماتم منعقد کی جب لوگوں نے اس اظہارِ غم کے وجہ دریافت کیے تو انھوں نے کہا کہ علم ایک شریف ملکہ ہے جس کو نیک نفس اور قدسی صفات لوگ حاصل کیا کرتے تھے اب جب کہ حصولِ علم کے لیے وظیفہ مقرر ہو گیا تو وہ ہر سن ناکس کا حصہ ہو گیا۔ اب ذیل آدمی علم کے ذریعہ سے جاہ و ثروت حاصل کریں گے۔ اور کوئی شخص علم کو من حیثِ علم حاصل نہ کرے گا۔ اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نظامیہ کے اجراء سے علما میں ایک خاص مذہبی جوش پیدا ہو گیا تھا۔ اور مسلمانین و امرا میں مقابلہ کی تحریک شروع ہو گئی تھی۔ اور محض نظامیہ کی تقلید میں مصر، شام، اور عراقین میں بہت سے مدرسے کھل گئے تھے۔ اور علم کا علم ساری دنیا میں بلند ہو گیا تھا۔ اگر صرف نظامیہ کے ایک سو برس بعد کے مدرسوں کی تاریخ لکھی جائے تو ایک کتاب بن جائے۔“

نظامیہ کا سب سے پہلا اثر تو یہ ہوا کہ چھٹی صدی کے ختم ہونے تک تمام دنیا سے اسلام میں (باستثناء اندلس) علم کی روشنی پھیل گئی۔ اور علما جو مسجدوں، خانقاہوں، اور حجروں میں درس دیا کرتے تھے وہ منظرِ عام پر آ گئے۔ اور ہر مدرسہ کے لیے اربابِ علم مشرق و مغرب کے گوشوں سے ڈھونڈھ کر نکال لیے گئے۔“

نظامیہ سب سے پہلا مدرسہ ہے جس نے طلبہ کے لیے وظیفہ مقرر کیا اور ان کو خرید کتب اور فراہمی سامان خورد و نوش سے بے نیاز کر دیا۔ اور سرکاری خدمات کے لیے نظامیہ کا تعلیم یافتہ سب سے بڑھ کر قرار پایا۔ خواجہ نظام الملک کی نسبت مشہور ہے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے اسلامی دنیا میں سب سے اول مدرسہ قائم کیا۔ اور ابن خلکان کا بھی یہی خیال ہے۔ لیکن اوقات مذکورہ بالا سے ظاہر ہو چکا ہے کہ خواجہ کی ولادت سے قبل مصر میں اور اس کے بعد شام میں مدرسے قائم ہوئے۔ لہذا اولیت کا فخر نظام الملک کے حصہ میں نہیں آ سکتا ہے۔ اور نہ نظامیہ بغداد پہلا مدرسہ ہے۔ علامہ سیوطی کا قول ہے کہ نظام الملک نے خاص فقہاء کے لیے مدرسہ بنایا۔ خلاصہ یہ ہے کہ نظامیہ ایسے اعلیٰ پایہ پر قائم ہوا کہ جس کی عالمگیر شہرت و عظمت نے تمام پچھلی دیکھاؤ کو دلوں سے مٹا دیا اور وہ سب کا سر تاج بن گیا۔ اور سب سے پہلا مدرسہ مشہور ہوا۔

نظامیہ و تحقیق یہ بات بھی نظامیہ کی خصوصیات میں ہے کہ دنیا کے دور دراز حصوں سے علماء آتے تھے۔ اور مدرسہ کے مہمان رہ کر علمی تحقیقات میں مصروف رہتے تھے کتب تاریخ و طبقات میں ایسے لوگوں کا جا بجا ذکر آیا ہے۔

درس نظامیہ مدرسہ نظامیہ کا کوئی خاص نصاب تعلیم (کورس) نہ تھا۔ بلکہ ہر شیخ اپنے متعلقہ علم و فن پر خطبہ (لکچر) دیتا تھا۔ اور اس کے ذیل میں تمام علمی نجات حل کر دیتا تھا۔ یورپ میں ایک کتاب "درس نظامیہ" کے نام سے شائع ہوئی ہے اور ہندوستان میں بھی ایک صاحب نے درس نظامیہ پر خامہ فرسائی کی ہے۔ مگر دونوں مصنف تحقیقات کی سرحد سے

مستروں و دور میں ”درس نظامیہ“ یہ لفظ خاص ہندوستان کی علمی زبان کا سرمایہ ناز ہے اس کو نظامیہ بغداد سے منسوب کرنا نہ صرف ظلم بلکہ جہالت ہے۔

ہندوستان کے تمام شہروں میں جس طرح لکھنؤ، چیم و چراغ کا درجہ رکھتا ہے۔ اسی طرح لکھنؤ میں فرنگی محل کا مرتبہ ہے۔ اور علمائے فرنگی محل میں ملا نظام الدین وہ مشہور و معروف علامہ تھے جن کے نام نامی سے درس نظامیہ منسوب ہے۔ تمام ہندوستان میں مولانا کے حمد سے آج تک جعفر عالم ہوئے ہیں اور جو درس کے سلسلے اس وقت ہندوستان میں قائم ہیں وہ سب مولانا کے اسم گرامی سے وابستہ ہیں اور ہر عالم اسپر فخر کرتا ہے۔ مدرسہ نظامیہ کی طرح درس نظامیہ کی بھی ایک متقل تاریخ ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

نظامیہ کی عمر | مدرسہ نظامیہ وسط آٹھویں صدی ہجری (چودھویں صدی عیسوی) تک قائم رہا۔ اور اس میں پچاس برس کی عمر میں جیسے نامور شاگرد نظامیہ نے پیدا کیے وہ اس کے اعزاز و شہرت اور بقائے دوام کے لیے کافی ہے۔ شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی خیر چھٹی صدی ہجری کے طالب العلم ہیں جنہوں نے مدرسہ کے ذیلیفہ سے تعلیم پائی تھی۔ قابلیت اور فضل و کمال کے چانچ کے لیے یہی ایک نام کافی ہے۔ ”قیاس کن زنگستان من بہار مرا“

مدرسہ نظامیہ بغداد کے مشاہیر شیوخ و علماء کی فہرست

طبقات انشائیۃ الکبریٰ، ابن خلکان، کمال اثیر اور تاریخ آل سلجوق میں نظامیہ کے جن مشاہیر علماء کا تذکرہ ہے۔ اس کی فہرست پیش کی جاتی ہے۔ سوانح عمری لکھنا طوالت سے خالی تھا

شائقینِ اصل کتاب میں حالات ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ غالب حصہ واقعات کا طبقات سے ماخوذ ہے۔ اور ابن خلکان وغیرہ سے معمولی اضافہ و ترمیم کا کام لیا گیا ہے۔

شیخ ۱۔ رسم افتتاح کے بعد سے امام ابو نصر عبد السید بن محمد بن عبد الوہاب بن احمد بن جعفر المعروف بابن الصباغ صاحب الشائل والکمال جو مشہور فقیہ و محدث تھے۔ مدرسہ میں درس دیتے رہے لیکن ابو منصور بن یوسف اور عیسا بن سعد کی خاص کوشش سے بعد تحقیقات و رفع شک و شبہ ابوسحق شیرازی نے مدرسہ کی خدمت منظور کر لی اور پورے بیس دن کے بعد ابو نصر اپنی خدمت سے علیحدہ کیے گئے

شیخ ۲۔ جمال الدین ابوسحق ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی "سینچر کے دن ذی الحجہ ۴۸۵ھ کو مدرسہ میں تشریف لائے۔ اور سبق شروع ہو گیا۔ اور عرصہ تک علمی بحث میں مصروف رہے پھر دوبارہ ۴۸۶ھ میں مدرسہ مقرر ہوئے اور اسی سال میں انتقال فرمایا۔ رسم تعزیت میں تین دن کے لیے خواجہ مؤید الملک بن نظام الملک نے مدرسہ بند کر دیا جب نظام الملک نے سنابوٹیے پر ناراض ہوا اور فرمایا کہ علامہ کے اعزاز میں ایک سال تک نظامیہ کو بند رکھنا چاہیے تھا۔ سبحان اللہ! کیا علمی قدر دانی تھی۔

۳۔ ۴۔ علامہ کے انتقال پر عبد الرحمن بن مامون بن علی بن ابراہیم المعروف بابو سعید متولی مقرر ہوئے۔ اور کچھ دنوں کے بعد علیحدہ ہو گئے۔ اور امام ابو نصر صباغ دوبارہ مدرسہ مقرر ہوئے اور ۴۸۵ھ تک علمی خدمات انجام دیتے رہے۔

لے نامہ انشور ان ناصری صفحہ ۳۱۱ جلد اول۔ ابو نصر صباغ کے حالات ابن خلکان اور طبقات الشافعیہ میں بھرکت ہیں۔

۱۵ علی بن اظہر بن حمزہ بن زید بن محمد العلوی کھینی، المعروف ابو القاسم بن ابی علی
دوبوسی، فقہ، اصول، لغت، نحو، نظر، جدل، میں امام مانے گئے ہیں۔ ۳۷۹ھ سے ۴۸۲ھ
تک مدرس ہے۔

۱۶- امام ابو عبد اللہ الحسین بن علی طبری، اور قاضی ابو محمد عبد الوہاب بن محمد بن عبد الوہاب
بن محمد بن عبد الوہاب فارسی شیرازی حسن اتفاق سے ۳۸۳ھ میں داخل مدرسہ ہوئے،
منتظین نے یہ فیصلہ کیا کہ دونوں اُستاد ایک ایک دن درس دیا کریں چنانچہ یہ سلسلہ جاری
ہو گیا۔ طبری نے ۳۹۹ھ میں اور قاضی ابو محمد نے ۴۱۱ھ میں انتقال کیا۔

۱۸ امام محمد بن محمد بن احمد، حجت الاسلام ابو حامد غزالی طوسی۔ امام صاحب نے ۳۸۴ھ
سے ۳۹۹ھ تک تظامیہ میں قیام کیا۔ پھر زیارت حرین کے حیلہ سے ملک شام کو تشریف
لے گئے۔ اور جامع دمشق میں جا کر معتمد ہو گئے۔

۱۹ ابو الفتح امام احمد بن محمد بن احمد غزالی طوسی ملقب بہ مجد الدین علامہ غزالی کے
چھوٹے بھائی، مشہور صوفی، واعظ، متونی ۳۹۲ھ۔

۲۰ شمس الاسلام، ابو حسن علی بن محمد بن علی ملقب بہ عماد الدین المعروف بہ کیا الرازی
فیقہہ (غزالی ثانی) متونی ۳۹۱ھ۔

۲۱ فخر الاسلام ابو بکر محمد بن احمد بن حسین بن عمر شاشی المعروف بہ منتظری متونی ۳۹۱ھ۔

۱۷ امام صاحب عبادت آخرت کے یہ دنیا سے قطع تعلق کرنا چاہتے تھے، مگر درس و تدریس سے اس کا موقع نہ ملتا تھا چنانچہ
جذب الہی نے کیا کہ کھینچا اور مدرسہ چھوڑ کر ملک شام کو روانہ ہو گئے۔ امام صاحب نے حالات نہایت تفصیل سے اپنی کتاب المنتقمین لہلال میں لکھے ہیں۔

۱۲ ابو الحسن علی بن ابی زید محمد بن علی النحوی المعروف فصیحی استرآبادی متوفی ۴۵۱۶ھ

۱۳ ابو الفتح احمد بن علی بن محمد الوکیل بن برہان الاصولی، بڑے متعدد درس تھے۔ نماز

صبح سے غشا تک درس دیا کرتے تھے۔ غزالی، شافعی، اور کیا ہر اسی کی شاگردی کا فخر حاصل

تھا۔ متوفی ۵۲۶ھ

۱۴ امام ابو الفتح اسعد بن ابونصر مہینی دومرتبہ مقرر ہوئے اول ۵۱۳ھ لغایہ ۵۱۳ھ

دوبارہ ۵۱۳ھ متوفی ۵۲۳ھ۔

۱۵ الحسن بن سلمان بن عبد اللہ نمر وانی متوفی ۵۲۳ھ۔

۱۶ عبد الرحمن بن الحسن بن محمد طبری المعروف بابو محمد متوفی ۵۳۱ھ

۱۷ شیخ ابونصو سعید بن محمد بن عمر المعروف بالرزاز متوفی ۵۳۹ھ

۱۸ عبد الزاق بن عبد اللہ بن علی بن اسحق طوسی، برادر زادہ خواجہ نظام الملک عصہ

سک مدرس رہا۔ پھر سلطان سنجر سلجوقی کا وزیر ہو گیا متوفی ۵۴۴ھ

۱۹ محمد بن عبد اللطیف بن محمد بن ثابت بن الحسن بن علی ابوبکر المہلبی متوفی ۵۵۲ھ۔

۲۰ شیخ ابوالنجیب سحروردی، صوفی، زاہد، فقیہ متوفی ۵۶۳ھ

۲۱ ابوطالب المبارک بن المبارک کرخی، خوشنویس، درجہ اعلیٰ متوفی ۵۸۵ھ

۲۲ محمد الدین ابوالقاسم محمود بن المبارک بن علی بن المبارک بن الحسن عاتقی ۵۹۲ھ

۲۳ مجد الدین یحییٰ بن الربیع بن سلیمان بن حراز بن سلیمان العدوی الحمیری ۶۰۶ھ

۲۴ قاضی بوزکریا بن القاسم بن المفرج قاضی تکریت متوفی ۶۰۶ھ

- ۲۵ | محمد بن وثیق بن علی بن الفضل بن ہبۃ اللہ بغدادی متوفی ۳۶۳ھ
- ۲۶ | عبد اللہ بن ابی الوفاء محمد بن الحسن متوفی ۳۵۵ھ
- ۲۷ | محمود بن احمد بن محمود ابوالمنائب زنجانی متوفی ۳۵۶ھ
- مُئید ۲۸ | الحسن بن علی بن محمد (بزمانہ مدرسی اسعد مبینی)
- ۲۹ | عبد اللہ بن یوسف بن عبد القادر آذر بایجانی
- ۳۰ | احمد بن یحییٰ بن عبد الباقی بن عبد الواحد بن محمد بن عبد اللہ بن عبد الرحمن
- ابوالفضل زہری بغدادی المعروف بابن شقران (صوفی، واعظ) متوفی ۳۵۶ھ
- ۳۱ | السدید محمد بن ہبۃ اللہ بن عبد اللہ السماسی فقیہ متوفی ۳۵۷ھ
- ۳۲ | علی بن ابی المکارم بن قتیان۔ ابوالقاسم دمشقی متوفی ۳۵۹ھ
- ۳۳ | احمد بن عمر بن الحسن کردی۔ ابوالعباس المعروف بالوحید متوفی ۳۵۹ھ
- ۳۴ | منصور بن الحسن بن منصور۔ امام ابوالمکارم زنجانی متوفی ۳۵۹ھ
- ۳۵ | ابو الحسن علی بن علی بن سعادت فقیہ متوفی ۳۵۹ھ
- ۳۶ | ابو حامد محمد بن یونس بن محمد بن منقہ بن مالک بن محمد الملقب بالذین فقیہ متوفی ۳۶۱ھ
- مفتی۔ ۳۷ | شیخ رضی الدین ابو داؤد سلیمان بن مطهر شافعی
- واعظ۔ ۳۸ | احمد بن محمد بن حسن بن محمد بن ابراہیم ابوبکر الغورکی، امام ابوبکر بن فوک
- کے نواسہ تھے۔ نیشاپور سے بغداد کر سکونت اختیار کر لی تھی۔ خدمتِ عظمیٰ کے علاوہ شری
- علم کلام پر درس بھی دیا کرتے تھے متوفی ۳۶۳ھ

۲ امام ابو نصر بن استاد ابو القاسم قشیری کا وعظ بھی بڑے معرکہ کا تھا ۳۶۹ھ میں آپ نے مدرسہ میں وعظ کیا۔ چونکہ امام صاحب اشعری تھے لہذا احتیاطاً اسے جنگ ہوگئی اور سوت نظامیہ میں بڑی خوزیری ہوئی، اس جنگ جہال میں ایک فریق علامہ ابو اسحق شیرازی بھی تھے (کامل جلد ۱۰ صفحہ ۳۶)

۳ اردشیر بن منصور ابو الحسن اعط عبادی مروزی۔ یہ بڑے فصیح البیان واعظ تھے علامہ غزالی اور شاہیر صنوفہ وعظ میں شریک ہو ا کرتے تھے۔ تاریخ کامل میں صرف ایک مجلس وعظ کا بیان ہے جو عبادی الاول ۳۸۶ھ میں ہوئی تھی۔

۴ ابو منصور محمد بن محمد بن سعد بن عبد اللہ البروی فقیہ متوفی ۳۶۶ھ۔
۵ احمد بن سمیع بن یوسف بن محمد بن العباس قرظینی طالقانی۔ یہ بڑے زبرد واعظ تھے جب منبر پر بیٹھتے تو حاضرین سے دریافت کرتے اور حسبِ آہش سامعین بیان فرماتے جس کتاب و تفسیر کی فرمائش کی جاتی اسی کے مطابق بیان شروع ہو جاتا تھا۔ حافظہ غیر معمولی پایا تھا۔ متوفی ۳۹۹ھ۔

اس عہد میں یہ عام دستور تھا کہ بعد نماز جمعہ ہر جامع مسجد اور مدرسہ نظامیہ میں وعظ ہوا کرتا تھا۔ ابن جبیر نے حالات بغداد میں، شیخ جمال الدین ابی الفضل بن علی الجوزی اور شیخ رضی الدین قرظینی، امام شافعیہ و مدرس مدرسہ نظامیہ کے وعظ کا مفصل بیان لکھا ہے، چنانچہ شیخ رضی الدین کے وعظ کا حال ہم نقل کرتے ہیں جس سے مجلس وعظ کی بعض خصوصیات کا

حال معلوم ہوگا۔

میں پہلی مرتبہ شیخ رضی الدین قزوینی کی مجلس عظمیٰ میں شریک ہوا۔ شیخ علوم میں اس نواح کے علماء سے مشہور اور ممتاز ہی۔ پانچویں صفر ۱۱۸۸ھ کو جمعہ کے دن مدرسہ نظامیہ میں مجلس عظمیٰ ہوئی۔ واعظ جب منبر پر چڑھا۔ تو قاریوں نے منبر کے سامنے کرسیوں پر بیٹھ کر پری خوش الحانی سے قرأت شروع کی۔ اس کے بعد شیخ نے بہت مناسبت اور وقار سے خطبہ پڑھا اور علوم و فنون میں مثل تفسیر و حدیث کے گفتگو شروع کی۔ گفتگو میں ہر طرف سے علمی مسائل پر سوال ہونے لگے۔ شیخ نے معقول جوابوں سے سب کی تسکین فرمائی۔ اور چشم و ابرو سے کسے سطح کا انقباض ظاہر نہیں ہوا بعض نے تحریری سوال پیش کیے، ان سب کو اپنے ہاتھ میں لیکر ہر ایک کا جواب لکھ کر حوالے کیا۔ مجلس نہایت خیر و برکت کی تھی۔ محل سے محل آدمی کے بھی بے اختیار آنسو جاری تھے خصوصاً اختتام کے وقت تو لوگ بیقرار ہو گئے۔ آنکھوں سے میخہ برسائے گئے، چاروں طرف سے توبہ کا شور بلند ہوا۔ اکثر نے شیخ کے ہاتھ پر توبہ کی اور بہت سی پیشانیوں کے بال تراشے گئے۔ (اس زمانہ کا یہ بھی دستور تھا کہ جب مجلس عظمیٰ میں خوب وقت ہوتی اور لوگ توبہ و استغفار کرنے میں مشغول ہوتے تو بعض سامعین واعظ کے سامنے اپنی گردن جھکا دیتے۔ اور واعظ اپنے ہاتھ سے پیشانی کے کسے قدر بال تراش دیتا اور سر پر دست شفقت پھیر کر اس کے واسطے دعاے خیر کرتا۔) اس کے بعد مجلس ختم ہوئی۔“

ناظر وقت ۱۵ | خواجہ ابو نصر احمد بن نظام الملک۔

۲ | الحسن بن سعد بن الحسن النخعی (نائب بونصر)۔

۳ | محمد بن عبد اللطیف بن محمد بن عبد اللطیف النجندی۔

۴ | محمد بن علی بن بونصر احمد بن نظام الملک۔

۵ | عبد اللودود بن محمد بن المبارک بن علی۔ (مُعید) متوفی ۶۱۸ھ

۶ | عبد الرحیم بن محمد بن محمد بن النین ابو الرضا سبط ابو القاسم بن فضلان (مُعید) متوفی ۶۳۳ھ

متوفی ۶ | ابو سعد عبد الرحمن اصول فقہ، خلاف میں بردست عالم تھے۔ بعد وفات شیخ

ابو اسحق مدرس مقرر ہوئے۔ اور ۶۷۷ھ میں معزول ہو گئے کیونکہ خواجہ نظام الملک ابو سعد سے

ناراض تھا۔ لیکن ابو صلیغ کے بعد پھر مقرر ہوئے اور اخیر عمر تک رہے، مگر ابو سعد سے فقہا بھی

خوش نہ تھے۔ متوفی ۶۷۸ھ

محققین نظر تھیہ۔ ۷ | ابو اسحق ابراہیم بن یحییٰ بن عثمان بن محمد کلہبی۔

۲ | یاقوت مہذب الدین مشہور شاعر متوفی ۶۲۲ھ

۳ | علامہ خطیب تبریزی مصنف شرح حماسہ متنبی، معلمات۔ وابی تمام چونکہ علامہ

نامور ادیب تھے۔ لہذا علم ادب کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ متوفی ۶۲۶ھ

۴ | قاضی بہاؤ الدین بن شداد، چار سال تک مُعید ہے۔ پھر سلطان صلاح الدین کی

خدمت میں چلے گئے۔ اور وہاں قاضی عسکر مقرر ہو گئے۔ قاضی صاحب نے سلطان کی سوانح عمری

بھی لکھی ہے۔ جو چھپ گئی ہے اور انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

نظامیہ بغداد کے ماتحت مدارس

نظامیہ بغداد کے افتتاح کے بعد تمام ممالک محروسہ دولت سلجوقیہ میں مدرسے کھل گئے تھے کوئی بڑا شہر ایسا نہ تھا جس میں مدرسہ نہ ہو۔ جو مدرسے خواجہ نظام الملک نے قائم کیے وہ نہ نظامیہ کہلاتے اور اپنے شہروں کی نسبت سے مشہور ہوئے نظامیہ کے علاوہ ہر بڑے شہر میں امارہ و رؤسا کے مدارس موجود تھے لیکن ہم ان کے تاریخی حالات سے بحث نہ کریں گے۔ نظامیہ بغداد اپنے عہد میں ایک اسلامی یونیورسٹی (بیت العلوم) تھی جس کے ماتحت بکثرت مدارس (کلیج) تھے۔ اور خواجہ نظام الملک کے عہد وزارت میں اس کا سب سے نمایاں کارنامہ اجراء نظامیہ بغداد ہی۔ یہی نظامیہ تھا جس کی اعلیٰ تعلیم و تربیت نے اس عہد کے مسلمانوں کو ایک زندہ قوم بنا دیا تھا۔ ہندوستان کے مسلمان بھی اگر چاہتے ہیں کہ ان کا علمی عہد سعادت اور شاندار زمانہ ماضی پھر واپس آجائے۔ اور وہ ایک زندہ قوم کی حیثیت سے دنیا میں ممتاز ہو کر رہیں تو انکا پہلا فرض ہونا چاہیے کہ وہ اپنے قومی کلیج، مدرسہ العلوم علی گڑھ کو جس طرح ممکن ہو یونیورسٹی کے درجہ تک پہنچادیں یہی یونیورسٹی انشا اللہ ان کی شو و بہبود اور قوت و عظمت کا ذریعہ ہوگی۔

بسیل تذکرہ یچند سطرین لکھی گئی ہیں۔ امید ہو کہ اس کتاب کے ناظرین بھی اس قومی مسالہ پر توجہ کریں گے اور اپنی فیاضی سے مدرسہ العلوم کو محروم نہ رکھیں گے۔ نظامیہ کے ماتحت مدارس کے مختصر حالات حسب ذیل ہیں۔

نظامیہ نیشاپور (۱)

صوبہ خراسان کا نیشاپور مشہور شہر ہے۔ کتب جغرافیہ میں وہ باب المشرق کے خطاب سے ممتاز ہے۔ یہ شہر ہمیشہ دارالعلم اور معدن فضل و کمال رہا ہے۔ فقہ، حدیث، ادب، تاریخ، لغت کا گھر تھا۔ اس شہر کے علماء کا حصر شمار نہیں ہو سکتا ہے۔ چونکہ طغرل بیگ نے رالپ ارسلان سلجوقی نے نیشاپور کو دارالسلطنت بنایا تھا۔ اس لیے خراسان میں یہ نہایت آباد شہر تھا اور بڑے بڑے مدرسے جاری تھے لیکن سرکاری مدرسہ کوئی نہ تھا۔ لہذا امام الحرمین کی واپسی پر (امام صاحب مین سے تشریف لائے تھے) خواجہ نظام الملک نے خاص امام صاحب کے لیے ایک شاندار مدرسہ بنایا اور امام الحرمین مسلسل تیس سال تک اس مدرسہ میں درس دیتے رہے۔ امام صاحب کے حلقہ درس میں وزائن تین سو کا مجمع رہا کرتا تھا۔ جس میں طلبہ اور علما دونوں ہوتے تھے۔ نظامیہ بغداد سے یہ مدرسہ دوسرے درجہ پر تھا۔ ہر جمعہ کی نماز کے بعد وعظ ہوا کرتا تھا۔ اس مدرسہ کی فضیلت میں یہی کہنا کافی ہو گا کہ علامہ امام غزالی طوسی، جیسے فخر روزگار عالم، اسی مدرسہ کے ایک نامور معلم تھے۔ مدرسہ کے مشہور شیوخ حسب ذیل ہیں۔

عبد الملک بن عبد اللہ بن یوسف بن محمد بن عبد اللہ بن جویہ جوینی المعروف بام الحرمین

ابو المعالی، متوفی ۵۴۷ھ

عبدالواحد بن عبد الکریم بن ہوازن مدرس و اعظم متوفی ۵۹۹ھ

لے طبقات صفحہ ۲۴۷ جلد ۳ امام الحرمین کے تفصیلی حالات حصہ اول کتاب ہدایں ص ۱۱۱

۳۔ حجۃ الاسلام امام غزالی طوسی، دمشق کے سفر سے واپس آکر قیام کیا۔ پھر طوس میں خاص ایک پناہ دہسہ جاری کیا۔ متوفی ۵۱۱ھ۔

۴۰ - مسعود بن احمد بن محمد بن مظفر الخوافي متوفى ۵۵۶ هـ

۵۔ ابوالمعالی مسعود بن محمد بن مسعود المعروف قطب الدین نیشاپوری متوفی ۶۵۸ھ

نظامیہ اصفہان (۲)

عراق عجم میں اصفہان بھی اول درجہ کا شہر ہے۔ ایرانیوں نے اس کی تعریف میں بہت مبالغہ کیا ہے۔ اصفہان کے منجم و طبیب مشہور ہیں۔ لیکن دیگر ارباب کمال کی بھی کمی نہیں ہے۔
ہی جس کی علمی تاریخ شاہد ہے۔ یہ ملک شاہ سلجوقی کا دار السلطنت تھا۔ اور اس میں نہایت شاندار عمارتیں بنائی گئی تھیں۔ خصوصاً قلعہ تبرک، تاریخی شہرت رکھتا ہے۔ علمی مدرسے بھی بکثرت تھے۔
مگر خواجہ نظام الملک نے یہاں بھی مدرسہ بنایا۔ اس کا درجہ نظامیہ منیا پور کے بعد تھا۔ مشہور مدرسہ
حسبِ بل ہیں۔

۱۔ محمد بن ثابت بن الحسن بن علی بن ابوبکر خجندی متوفی ۴۸۳ھ

۲- ابو سعید محمد بن محمد بن ثابت خجندی رئیس شافیه متوفی ۵۳۱ھ

۳۳۔ الحسن بن محمد بن الحسن بن احمد بن کبیری بن ثابت الرکابی المعروف شیخ فخر الدین ابو البعلی متوفی ۶۱۶ھ

۱۔ شمس الاسلام کیا ہر کسی کے انتقال پر تعظم الدین احمد بن علی المکاشی امام صاحب کی تطایر بغداد کے لیے طلب کیا تھا۔ مگر امام صاحب نے معذرت کی اور واپس سے نہ گئے۔ یہ رسالت مجموعہ خطوط امام صاحب تفسیل سے درج ہے۔ دیکھو فضائل الامام بن سبیل حمداً للاسلام صفحہ ۵۲۷

نظامیہ مرو (۳)

نیشاپور اور اصفہان کے بعد مرو کا درجہ ہے۔ یہ شہر مرو شاہیجان اور مرو شاہیجان کے نام سے تاریخ میں مشہور ہے۔ اس سرزمین پر بڑی خوزیریاں ہوئیں اور اس کی تاریخ واقعات عبرت انگیزستہ مالا مال ہے خلیفہ مامون الرشید عباسی کے عہد میں ابتداءً دارالسلطنت ہا پھر سلطان سنجر سلجوقی نے دارالسلطنت بنایا۔ مرو بھی ہمیشہ علمی مرکز رہا ہے۔ اس مدرسہ کے اساتذہ میں اسعد بن محمد بن ابی نصر بلوچ تلمیذی مشہور ہیں۔

نظامیہ خوزستان (۴)

خوزستان مشہور صوبہ ہے جس کے حدود عراق عرب اور کرمان اور فارس سے متصل ہیں۔ تتر، اہواز، عسکر، کرم، اس کے مشہور شہر ہیں اس صوبہ میں چودہ (۱۴) شہر ہیں معلوم نہیں کہ خواجہ کا مدرسہ کس شہر میں تھا۔ مگر تاریخ کامل میں نظامیہ خوزستان لکھا ہے۔ اور اس کے مدرسوں میں یوسف دمشقی متوفی ۵۶۶ھ کا نام مشہور ہے۔

نظامیہ موصل (۵)

موصل اسلامی شہر ہے۔ اول لب جلہ آباد ہے۔ یہاں کا قلعہ اور شہر نپاہ ضرب المثل ہے، اور جزیرہ کے شہروں میں سب مشہور ہے۔ مدرسہ نظامیہ موصل کے مشہور شیوخ یہ ہیں

۔ احمد بن نصر بن کچین ابو العباس انباری معروف بنس الدین متوفی ۵۹۹ھ

۔ ابو حامد محمد بن القاضی کمال الدین شہر ندوی متوفی ۵۹۹ھ۔

۔ محمد بن ابی الفرج بن معالی بن برکتہ بن کچین ابو المعالی (معد) متوفی ۶۲۱ھ

نظامیہ جزیرہ ابن عمر (۶)

شہر متصل سے تین دن کی مسافت پر یہ جزیرہ واقع ہے۔ سفر نامہ ابن بطوطہ میں لکھا ہے کہ یہ شہر بہت بڑا ہے۔ اور چونکہ اس کے چاروں طرف ایک ندی محیط ہے اس لیے وہ جزیرہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس شہر کا بڑا حصہ ویران ہے۔ مگر سبب باشندے ارباب فضل و کمال ہیں۔ بہر حال یہ جزیرہ دنیا کے ایک گوشہ میں گمنامی کی حالت میں پڑا تھا۔ لیکن خواجہ نظام الملک کی ملی بھگت سے یہ جزیرہ بھی محروم نہ رہا۔ مصنف روضتین نے لکھا ہے کہ کج کل یہ روضہ کی نام سے مشہور ہے۔ اس مدرسہ کے اور مزید حالات معلوم نہیں ہوئے۔

نظامیہ آمل (۷)

آمل، ماژندران کا شہر ہے۔ اور طبرستان کے ذیل میں اس کے حالات کتب جغرافیہ میں تحریر ہیں۔ ایک عورت آملہ کی یادگار میں بنایا گیا تھا لہذا آمل مشہور ہوا۔ اور ہمیشہ سیہ گاہ سلاطین ایران رہا ہے۔ آج بھی موجود ہے۔ آثار قدیمہ میں قلعہ کا ایک حصہ باقی ہے جہاں قلعے

ٹھہرتے ہیں۔ مدرسہ نظامیت کے مدرس "ہبۃ اللہ بن سعد بن طاہر الروایانی متوفی ۵۳۷ھ مشہور ہیں۔

نظامیہ بصرہ (۸)

عراق عرب میں بغداد کے بعد بصرہ کا نمبر ہی۔ خاص اسلامی شہر جو فاروق عظم کے عہد میں آباد ہوا۔ کسی زمانہ میں یہ علم نحو کا گھر تھا۔ بصرہ کے نحوی، امام فن اور مجتہد مانے جاتے تھے۔ اور اس انحطاط کا زمانہ آیا تو ابن بطوطہ نے بنظر استعجاب لکھا ہے کہ امام جامع مسجد جمعہ کا خطبہ غلط پڑھ رہا تھا۔ گو یا بصرہ میں کوئی نحوی باقی نہ تھا۔ خلفائے عباسیہ کے عہد کے بعد واقعی بصرہ میں جہالت چھا گئی تھی۔ اور یہاں علمی روشنی کی ضرورت تھی جو مدرسہ نظامیہ سے وجود پذیر ہوئی اور صفیاء کی روایت ہو کہ نظامیہ بصرہ کی عمارت وسعت میں نظامیہ بغداد سے بڑی تھی۔ اور یہ مدرسہ حضرت زبیر بن العوامؓ کے مزار کے متصل واقع تھا۔ معتمد باللہ کے اخیر زمانہ میں مدرسہ برباد ہوا، اور اس کا تمام سامان بغداد میں منتقل ہو گیا۔ فخر الاسلام شاشی کے داماد، اور علامہ ابو سحیح شیرازی کو شاگرد محمد بن قیان بن حامد بن الطیب ابو الفضل انباری عرصہ تک درس پڑھتے ہیں جنہوں نے ۵۹۹ھ میں وفات پائی۔

نظامیہ ہرات (۹)

افغانستان کے حد شمالی پر ہرات واقع ہو۔ عہد سلجوقیہ میں یہ شہر صوبہ خراسان میں بہت مشہور تھا۔ خواجہ نظام الملک نے جب مدرسہ بنایا۔ تو مدرسہ کے لیے محمد بن علی بن حامد فقیہ کو غزنی سے طلب کیا۔ تمام شہر کو سخت صدمہ ہوا۔ مگر مجبوراً وزیر عظم کے حکم سے علامہ کو ہرات

جانا پڑا اور وہیں ۳۹۰ھ میں انتقال کیا۔

نظامیہ بلخ (۱۰)

صوبہ خراسان میں بلخ ایک قدیم شہر ہے۔ منوچہر بن امین بن فریدوں نے آباد کیا تھا۔ لشکر
نوبہارا اسی جگہ تھا جس کے متولی براہ مکہ تھے۔ عہد بلجوقیہ میں بہت آباد تھا چنانچہ سلطان سنجر
بلجونی کی مسجد کے آثار ہنوز موجود ہیں۔ مدرسہ نظامیہ بلخ بہت مشہور ہوا۔ اور صدیوں تک قائم
رہا مشہور مدرس حسب ذیل ہیں۔

عبد اللہ بن طاہر بن محمد بن شہنشاہ اسفراہنی متوفی ۷۸۰ھ
عبد اللہ بن عمر بن محمد بن یحییٰ بن علی ابوالقاسم بن الطریف بلخی
عمر بن احمد بن اللیث الطالقانی ابو حفص متوفی ۳۵۶ھ

نظامیہ طوس (۱۱)

صورا لا قالیم تاریخ خراسان کی ایک کتبہ است سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ نے سب سے اول
ایک مختصر مدرسہ طوس میں بنایا تھا۔ اور اس کے بعد نظامیہ بغداد تعمیر کیا۔ اگر ایسا ہو تو تعجب نہیں ہے
کیونکہ طوس خواجہ کا وطن اور مولد تھا اور ہر انسان کو سب سے اول اپنے گھر کی فکر ہوتی ہے۔ اس مدرسہ کے
تفصیلی حالات نہیں معلوم ہو سکے۔

افسوس ہے کہ نظامیہ کے ماتحت مدارس میں ہم نے صرف گیارہ مدرسوں کا ذکر کیا ہے حالانکہ

تمام مورخ اس پر متفق ہیں کہ عراق عرب، عجم، شام، بیت المقدس، دیار بکر وغیرہ میں کوئی ایسا
 شہر نہ تھا، جہاں خواجہ نظام الملک نے مدرسہ نہ بنایا ہو۔ لیکن مورخین کی کوتاہ قلمی سے آج ہم
 صرف شہروں کی فہرست بھی پیش نہیں کر سکتے ہیں۔ خواجہ نظام الملک کی سوانح عمری کو بہت
 طوس کے ذکر سے شروع کیا تھا۔ اور آج طوس پر کتاب کا خاتمہ کرتے ہیں۔
 بحمد اللہ و فضلہ و عونہ و حسن توفیقہ و صلی اللہ علی سیدنا
 محمد علی آلہ وصحبہ وسلم۔

تمام شد



جلال لدوله ملك شاه سلجوقي

ضمیمہ

ترکمانی صولت اور مغلی جلاوت ہم میں تھی
عزم کردی ہم میں تھا بدوی حمیت ہم میں تھی
تذکرہ ملک شاہ سلجوقی

خواجہ نظام الملک کی سوانح عمری ختم ہو گئی۔ وزارت سے جمہور سلطنت کا تعلق تھا، اس کا بھی
محل مفصل بیان ہو چکا۔ لیکن ملک شاہ ”رایل ہیریور آف اسلام“ (نامور فرمان وایان اسلام)
میں عموماً اور طبقہ سلاجقہ میں خصوصاً ایک ممتاز درجہ رکھتا ہے۔ اور سلاجقہ عراق میں تو ”واسطۃ
العقد“ کا نمونہ خاص اسی کے لیے ہے۔ لہذا مختصر بیان پر ملک شاہ کی سوانح عمری پیش کی جاتی ہے۔
اور مفصل تذکرہ کے لیے ناظرین کو ہماری ”تاریخ آل سلجوق“ کا انتظار کرنا چاہیے جس کا ایک معتد بہ
حصہ لکھا جا چکا ہے۔

نسب ولادت تعلیم تربیت تخت نشینی | ملک شاہ سلطان آل سلجوقی کا سب سے بڑا بیٹا، او
چغری بیگ، داؤد کا پوتا ہے۔ دولت سلجوقیہ میں عروج و اقبال اور عظمت و جلال کا ملک شاہ کی ذات پر
خاتمہ ہو گیا۔ یہ فخر خاندان بتاریخ ۱۹۔ جمادی الاول ۵۷۴ھ (جولائی ۱۱۷۸ء) پیدا ہوا۔ اور آل سلجوق

کے سایہ عاطفت اور خواجہ نظام الملک کی اتالیقی میں تربیت پذیر ہوا۔ شاہ میر علما اس کے معتمد
 رہے۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ ملک شاہ عربی، فارسی، نظم و نثر پر قادر تھا۔ اور شعر و سخن سے خاص
 دلچسپی رکھتا تھا۔ اور باوجود کم عمری، سخن ظاہری کی طرح صفات باطنی میں بھی ممتاز تھا۔ عقل و فزانت
 کے ساتھ متانت پائی جاتی تھی۔ ملک شاہ ہنوز سترہ سالہ نوجوان تھا کہ سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا،
 نو عمری میں سرِ سلطنت نے پاؤں چومے، اور چتر شاہی تاج پر جلوہ افگن ہوا۔ دسویں بیج الاول
 ۷۶۴ھ (نومبر ۱۳۵۷ء) کو رسم تاج پوشی عمل میں آئی۔ اور تخت نشینی کے بعد سلطان العادل
 جلال الدولہ ابو الفتح، ملک شاہ کے نام سے مشہور عالم ہوا۔ اور خلافت بغداد سے سند
 حکومت کے ساتھ ”عین امیر المومنین“ کا معزز خطاب بھی مرحمت ہوا۔ حرمین، بیت المقدس
 بغداد، عراقین، ماوراء النہر اور شام میں ملک شاہ کا خطبہ پڑھا گیا۔ اور ملک میں سکے جاری ہوئے۔
حدود سلطنت | ملک شاہ کے زمانہ میں معین السلطنت فتح ابھرتا نظام الملک کی بدولت سلطنت
 کو فوق الغایت ترقی ہوئی۔ ماوراء النہر سے چین تک اور حدود چین سے اقصائے شام تک
 سلجوقی پھر یہ اُڑتا تھا۔ سلطنت و مہم با جگہ اتر تھی۔ قیصر تین لاکھ دینار نذرانہ اور تیس ہزار جزیرہ سالانہ
 ادا کرتا تھا۔ قسطنطنیہ کی کسال کے طلائے و نقرئی سکے نیشاپور اور اصفہان کے بازاروں میں
 چلتے تھے۔ مختصر یہ کہ خلفاء متقدمین کے بعد سلام میں دولت سلجوقیہ سب سے بڑی سلطنت تھی۔

۱۔ نامہ دانشوران ص ۲۴، تاریخ علم ادب اسی پروفیسر رائون ۱۵۷۷ء ملک شاہ کی یہ باجی تذکرہ میں درج ہے جس سے اندازہ لگایا
 معلوم ہو گا کہ ہنوز وہ یازوش بریدہ من و اوزن زو باند ترید من و زان اور بریں دیگا ریم ہوس کہ پھرہ خوش یزد، وزیر دولت
 ۱۵۷۷ء آل سلجوق حالات ملک شاہ ۱۵۷۷ء آل سلجوق و کامل اثیر ابن خلکان۔

بناوت و فتوحاً | تخت نشینی کے بعد سلطان کے چچا قاور دیگ نے بغاوت کی اور کشت
کھائی۔ یہ سب میں حقیقی بھائی کش برسر مقابلہ ہوا، اور دولت اٹھا کر صلح پر فیصلہ کیا۔ یہ سب میں
سیلمان خاں خاقان سمرقند نے سرکشی کی جس کے لیے خود سلطان کو جانا پڑا تھا۔ جنگ اور تیجہ
کی تصویر ملک الشعراء میر غفری نے اس طرح پر کھینچی ہے۔

فتح سمرقند

خداے ہر چہ دہ بندہ از فتح و ظفر	بدین پاک دہریا عہد تسل یا بہ ہنر
ہمیں کہ از ظفر تیغ شہ بشرق و مغرب	ہزار گونہ دلیل بہت صد ہزار
چو ز آب حیحوں بگذاشت و ز گار نیرد	کشید تا بسمرقند ایت و لشکر
کشاہ کرد سمرقند را بر دوزخست	بچشم عدل سے خاص عام کر نظر
چو دید خیم کہ دادند شہر و آمد شاہ	گرفت اہ حصار و ز شاہ کرد خد
ز بہر او سپہ بر حصار گردشند	ہمہ سپہ رتن و خاک کھسبہ و کوہ جگر
سپاہ خویش پراگندہ کرد و گرجھا	روانہ گشت ز بہر سو مبارزے و گیر
غبار تیرہ چو ابر و خدنگ چوں باران	سان نیزہ چو برق و تیرہ چوں تند
فرو گرفتہ حصار کے کہ گر کم صفقتش	دراں صفت سختم بگزر دوزیم و فکر
چنانش کرد کہ بسیندہ گفتی اے عجبا	مگر بزلزلہ شد ایں حصار نیر و زبر
ہم از حصار کشیدند شان بھضرت ثا	چنانکہ اہل گنہ را کشند و محشر
ہمہ کردہ پشیمان شدند و دوشلست	کے کہ بد کند آخر ز بدشت کیفر

اگر کشادنِ دم و عرب عجائب بود
کنوں کشادنِ چین و چگلِ عجائب تر

جب یسلمان خاں گرفتار ہو کر سامنوا آقا قاسم سلطان کا غاشیہ اس کے کندہوں پر رکھا گیا۔ اور سربراہِ سیاب (نام موضع) سے خاقان کے محلات تک ہمراہ رکاب ڈرتا ہوا آیا۔ پھر سمرقند سے اصفہان کے قلعہ میں دانہ کر دیا گیا اور وہاں عرصہ تک قید رہا۔ یسلمان کی سرکشی کی انتہائی سزا تھی۔ ورنہ فتح ممالک کے بعد تاج بخشی ملک شاہ کا خاصہ تھا۔ جیسا کہ قیصرِ روم اور دیگر خواتینِ سردارانِ عرب کے ساتھ کیا گیا۔ ملک شاہ کے عہد میں بغاوتیں کم تر اور فتوحات اکثر ہوئیں۔ سپہِ برحق کی سپہِ لاری میں دم پر فوج کشی ہوئی، قیصر نے خراج دینا تسلیم کر لیا۔ تاج الدولہ تمش (برادر سلطان) نے حلب، حران، رہا، قلعہ جابر، منبج، لاذقیہ، کفرطاب، فامیہ پر قبضہ کر کے ملک شام کو مستحکم کر دیا۔ سعد اللہ گوہر میں نے زبید و عدنان اور بلا دین کو فتح کیا۔ مصر و بلا و مغرب پر بھی فوج کشی ہوئی۔ اب ان فتوحات کو نقشہ میں دیکھو تو معلوم ہو گا کہ شام سے بیت المقدس تک طول میں اور قسطنطنیہ سے بلادِ انحرز تک عرض میں سلطنت پھیلی ہوئی ہے۔

ملکی دورہ | ملک شاہ کو سروسیاحت کا بہت شوق تھا جس کی تفصیل سالہ ملک شاہی میں ہے، روزنامہ اصفہان میں لکھا ہے کہ ”سلطان نے انطاکیہ سے جند (ماوراء النہر) تک دو مرتبہ دورہ کیا۔“ اور گبن صاحب لکھتے ہیں کہ ”ملک شاہ نے ملک کے اُس حصہ میں جس پر کچھ اور خلفاء حکم کرتے

سال سلطنت ۱۰۳۵ھ الٰہی ۱۶۲۶ء ۱۰۳۵ھ بن خلدون ۱۰۳۵ھ یہ ملک شاہ کا سفر نامہ ہے جو خود اس نے لکھا ہے۔ اس کتاب کے حوالے تاریخوں میں ملتے ہیں۔ ایک نسخہ انڈیا آفس لندن میں ہے۔

بادہ مرتبہ دورہ کیا۔ لیکن سر جان مالک صاحب کی رسلے کے مطابق اس سیر و سیاحت سے وہ ممالک خارج ہیں جو سلطان کے باجگزار اور زیر اثر تھے۔ اور اگر وہ شامل کیے جائیں تو بارہ مرتبہ ان میں دورہ کرنا محال ہو۔ ہمارے نزدیک بھی یہ رسلے صحیح ہے۔ سلطان نے صرف عراق عجم اور عرب کے مشہور شہروں کا دورہ کیا تھا۔ ۱۰۱۱ھ میں کرمان کا سفر کیا۔ اور تین مرتبہ اسلام بغداد میں حاضر ہوا جس کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ اول مرتبہ جو تھی ذی الحجہ ۱۰۱۱ھ (مارچ ۱۰۱۲ء) کو داخل بغداد ہوا۔ وزیر سلطنت ابو شجاع نے خلیفہ المقتدی بامر اللہ کی طرف سے شاندار استقبال کیا۔ داخلہ کے تیسرے دن سلطان حلبہ (شرقی بغداد میں باب النج کے قریب ایک بڑا محلہ ہے) میں پونو (چوگاں بازی) کھیلا۔ خلیفہ نے عمدہ عمدہ گھوڑے نذرانہ میں پیش کیے۔ اور ۱۰۱۲ھ (اپریل ۱۰۱۳ء) کو قصر خلافت میں سلطان نے خلیفہ سے ملاقات کی اور تقریباً چالیس ارکان سلطنت و رشتہ داران سلطان خلیفہ کے حضور میں نام بنام پیش کیے گئے۔ سلطان کو سات پارچہ کا خلعت اور طوق و نگین مرصع مرحمت ہوا۔ اور دو تلواریں گھلے میں چائل کی گئیں جس کے شکریہ میں سلطان آداب بجالایا اور سزہ شریفہ کو دو مرتبہ بوسہ دیا۔ اسی زمانہ میں سلطان نے امام موسیٰ رضا، حضرت معروف کرخی، امام احمد حسن بیل، اور امام ابو صفیہ کے مزارات کی بھی زیارت کی۔ فاتحہ پڑھا۔ فقرا اور مسکین کو صدقات دیئے گئے۔ اور مہینہ صفر ۱۰۱۲ھ میں خراسان کو واپس گیا۔

۲۔ دوسری مرتبہ بتایا ۲۸ رمضان ۱۰۱۲ھ (اکتوبر ۱۰۱۳ء) پھرایا۔ اور ۱۰۱۴ھ (دسمبر ۱۰۱۵ء)

پنجشنبہ (یکم جنوری ۱۸۵۷ء) کو جامع سلطان کی بنیاد ڈالی۔ بہرام منجم نے سمت قبلہ قائم کی۔ اور محل میلاد بڑی دہوم سے کی گئی۔ شعرا نے قصائد پڑھے۔ خواجہ نظام الملک دونوں تہہ پہر تھا۔
 - تیسری مرتبہ ۲۴ رمضان ۱۲۸۵ھ (۲۸ اکتوبر ۱۸۶۸ء) کو بعد انتقال خواجہ نظام الملک داخل بغداد ہوا۔ اور اسی جگہ مہینہ شوال میں انتقال کیا۔

فوج شاہی | مسٹر گبن نے دولت سلجوقیہ کے صرف سواروں کی تعداد سینتائیس ہزار لکھی ہے اور نامہ خسرو اس کی روایت ہے کہ دار السلطنت میں ہر وقت پچاس ہزار سوار موجود رہتے تھے۔ غالباً انگریزی مورخوں نے یہی ہی روایات پر قیاس کر لیا کہ فوجی قوت صرف اس قدر تھی۔
 ہر سلطنت میں دار السلطنت کے علاوہ تمام صوبوں و سرحد کی چھاؤنیوں میں فوج رہا کرتی ہے اور جس بادشاہ کی سلطنت اس قدر وسیع ہو۔ اُس کے پاس صرف چھائیس سینتالیس ہزار سوار ہوں یہ فرین قیاس نہیں ہے۔ اگرچہ فیوڈل سسٹم کی وجہ سے فوج نظام دولت سلجوقیہ میں کم تھی، مگر باوجود اس کمی کے چار لاکھ مستقل فوج تھی جس میں غالباً سوار اور پیادے دونوں شامل ہوں گے اور یہ تعداد خواجہ نظام الملک نے سیاست نامہ میں لکھی ہے۔ اور اس کے علاوہ ضرورت کے وقت کافی فوج مہیا ہو جاتی تھی۔ اور باوجود کثرت فوج، کوچ و مقام میں ہر جہن کا خرچ اڑا رہتا تھا جس کا محکمہ کسرٹ کی خوبی کا اندازہ ہوتا ہے۔

خراج سلطنت | تمام سلطنت کی کس قدر آمدنی تھی۔ یہ نہیں معلوم ہو سکی۔ مگر سلطان کی ذاتی تاجگیر کی آمدنی اکیس ہزار تومان زر کرنی اور بیس ہزار دینار صرف خاص تھا۔

صیخہ رقبہ عام | ملک شاہ گور عایا کی فلاح اور ملک کی آبادی کا ارتداد خیال تھا۔ ہر ضلع میں شفا خانہ۔ سرانیں، مدارس موجود تھے۔

زراعت تجارت | ترقی زراعت کے لیے تمام ملک میں نہروں کا جال پھیلا دیا تھا۔ اور ترقی تجارت کے لیے سڑکیں بنائی گئی تھیں جنگلوں میں سرانیں موجود تھیں پل بنائے گئے تھے اور حفاظت کے واسطے پولیس کی چکیاں قائم تھیں۔

امن امان | سلطان کا عہد ولت نہایت پرامن تھا۔ ماوراء النہر سے اقصائے شام تک قافلے بلا خوف و خطر آتے جاتے تھے۔ اور یہی حالت اکابر کا مسافروں کی تھی۔ خوشحالی، رفاقت اور امن امان میں ملک شاہ کا عہد حکومت روحی، اور عربی حکومتوں سے کم نہ تھا۔

معافی جنگی | ترقی تجارت کی غرض سے سلطان نے تمام ملک کی جنگی معاف کر دی تھی۔ اور یہ محصول اس عہد میں کموس کے نام سے مشہور تھا۔

فارسی علم ادب علم خاکی ترقی | آل سبحان کے ابتدائی دور میں فتر عربی زبان میں تھا۔ لیکن وزیر عمید الملک کنذری نے فارسی میں تبدیل کر دیا تھا۔ چنانچہ علاوہ دفاتر کے فارسی علم ادب کو بڑی ترقی ہوئی تھی۔ اور چونکہ ملک شاہ خود شاعر تھا لہذا مشاعرہ شاعر کا دربار میں جمع رہتا تھا اور اپنی ترقیات کے ساتھ خوشنویسی اور خطاطی کی طرف بھی عام توجہ تھی۔ کیونکہ اس عہد میں شاہزادوں اور امراء و وزراء کی اولاد کو خوشنویسی خاص طور پر سکھائی جاتی تھی۔ اور دفاتر انشا کی ملازمت کے لیے خوشنویسی لازمی تھی۔ چنانچہ خواجہ نظام الملک بھی خط نستعلیق اور رقع میں انشا کا

لے ابن خلکان، کمال اللہ، سرین، اسٹانزیل، سید میر علی اللہ، کامل، غیر ابن خلکان — — — — — دولت شاہ بھٹو

درجہ رکھتا تھا۔ یہ عنوان نہایت وسیع و جس کی تفصیل تاریخ آل سلجوق میں ہے۔ لیکن تاہم ابوالفضل
نحاس اور میر معری کے چند منتخب اشعار و سلطان کی مدح میں ہیں۔ ناظرین کیے جاتے ہیں

ابوالمعالی نخب

جسم اور لطف روح و روح اور اس فعل نفس
طبع او بادست وجودش آب این غالب برآں
گر شگفت است ایکنه مستولی شود بر باد آّب
آتشے کا نہ رازل مر خاک را سجدہ کرد
لے عجب جسم تو روح است یا روح الامیں
چون نگیں سازی ز چیزی کتہ بود زیر نگیں

امیر معزی

خسرو عادل ملک شاہ آخوند کے کہت
ازدار پسرخ و حکم زہرہ و بہرام و تیر
شاہزادہ چہر تو بانی بادشاہ گہاں بود
ملک دین و تخت و تخت و ملک و مهر و بیج و جام
صلح رسد | ملک شاہ نے سنہ فارسی یزدجردی میں اصلاح کی اور سنہ جلالی ملکشاہی
جاری کیا جس کی مفصل تاریخ عمر و خیام کے حالات میں تحریر ہے۔ بارہ مہینوں کے جدید نام یہ تھے۔

ماہ نو، نو بہار، گرافز، روز افزوں، جہان تاب، جہاں آرا، تہ کاں، خزاں، شرف و اشتہار، افروز
آتش افروز، سال افروز۔

ذاتی شوق | ملک شاہ کے روزمرہ کے مشاغل میں سب سے زیادہ دل خوش کن شکار کا
شوق تھا۔ روضۃ الصغایں لکھا ہے کہ ایران و توران کی شکار گاہوں میں سے کوئی ایسی جگہ باقی
نہیں ہے، جہاں ملک شاہ کے نعل اسپ کے نشانات نہ ہوں، ”شکار کا ایک باضابطہ جبرجستہ جس
میں روزانہ شکار کی تعداد درج ہو کر تہی مصنف راحت الصدور نے خود اس جبرجستہ کو دیکھا
تھا جس کا نام شکار نامہ تھا۔ اور یہ جبرجستہ مشہور شاعر ابو طاهر خاتونی مصنف مناقب الشعرا کا لکھا
ہوا تھا۔ ملک شاہ نے عمر بھر میں دس ہزار شکار کیے۔ جو کمال تیر اندازی کی دلیل ہے۔ اور چونکہ شکار
محض شوقیہ اور بلا ضرورت ہو کر کرتا تھا۔ لہذا ملک شاہ نے خوف خدا سے ڈر کر یہ قاعدہ مقرر کر دیا
تھا کہ فی شکار ایک دینار (پانچ روپیہ) صدقہ دیا کرتا تھا۔

شکار کی یا نگار | تاریخ آل سلجوق میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کو فیض سلطان کا قیام تھا کہ حج کے
واسطے قافلہ روانہ ہوا۔ سلطان بھی تبرک حصول ثواب قافلہ کی مشایعت میں چلا اور چند منزلوں تک
برابر چلا گیا۔ رہتے میں شکار بھی خوب ہوا تھا۔ لہذا سلطان نے حکم دیا کہ شکاری جانوروں کے سینگوں

سے تاریخ علم ادب فارسی پر دغیر برائون صاحب تاریخ آل سلجوق میں لکھا ہے کہ سلطان کو ذہ سے وادی الغریب گیا۔ وہاں سے
سیدہ پیچا پر سبغیہ واقعہ گیا۔ اور اسی جگہ مینار بنایا گیا۔ کو ذہ سے کہ منظر کو جلتے ہوئے یہ مشتبہ منظر میں ہیں چنانچہ واقعہ سے کو ذہ تین دن
کی راہ ہے، اور یہ ایک کشادہ میدان ہے جہاں پانی کی افراط ہے۔ اور کتبچہ فیض میں اس کا نام واقعہ الخوند بھی ہے۔ ابن جریر کا بیان ہے کہ انیسویں
کا منارہ ہے اور عمود کی شکل ہے۔ منارہ میں چوپل اور پشت پل خاتم ہندی کی ہوئی ہے۔ تمام منارہ پر ہرن کے سینگ نصب ہیں اور
دور سے سیاہی (خارشت) کی پیمہ کی طرح چمکتا ہے۔

اور کھروں سے بطور یادگار ایک مینار بنایا جائے چنانچہ واقعہ سے بڑھ کر قمر عارف کے نزدیک منارہ بنایا گیا۔ اور اسکا نام "منارۃ القرون" رکھا گیا۔ مصنف تاریخ آل سلجوق نے لکھا ہے کہ یہ منارہ ہمارے زمانہ میں (۶۲۳ھ) موجود ہی۔ لیکن سفرنامہ ابن جبیر اور ابن بطوطہ میں بھی واقعات سفر مدینہ منورہ اور بخت اشرف میں اس منارہ کا ذکر ہی لیکن ان سیاحوں کو کسی نے اس منارہ کے تاریخی حالات نہیں بتائے۔ اسی قسم کا دوسرا منارہ کرستان میں تھا، جسکا موقع نہیں معلوم۔

مجالس علماء و شعراء | سلطنت کے کاموں سے جب نصرت ملتی تو جلسہ احباب میں ٹھیکتیا، یا علماء و شعراء کا مجمع ہوتا۔ ہر ایک سے اُسی کے مذاق کے مطابق گفتگو کیا کرتے علماء کی سفارشات ہمیشہ منظور ہو کر تی تھیں چنانچہ اسی خیال سے خلیفہ المقتدی نے ۶۸۲ھ میں شیخ ابو سحر کو دربار میں بھیجا اور شیخ نے ابو الفتح بن لیسٹ عبدعراق کی بہت سی شکایتیں کیں چنانچہ شیخ کی مرضی کے مطابق حکم دیدیا۔ اور امام الحرمین کے ساتھ جو واقعہ گزرا، اس کی تفصیل خواجہ کے حالات میں موجود ہے۔

حج خانہ کعبہ | ۶۸۲ھ میں بڑی شان و شوکت سے حج کے لیے روانہ ہوا۔ اور چونکہ براہ کو فگیا تھا لہذا سمیعہ (راوی اسبع) سے چکر واقعہ میں ایک کنواں بنوایا، جسکا نام تاریخ نزہت القلوب میں چاہ تو دیکھ لکھا ہے۔ یہ کنواں پندرہ گز مربع میں ہی جس کا عمق چار سو گز ہے۔ اور بالکل سنگ لاخ زمین پر بنایا گیا ہے۔ اور یہی مورخ لکھتا ہے کہ زبیدہ خاتون کے بعد ملکشاہ

۶۸۲ھ کا لایر طبعہ۔ صفحہ ۴۲۴ گنج دانش صفحہ ۴۱۲ ۶۸۳ھ نزہت القلوب تک کہ منازل بخت اشرف ۶۸۴ھ تو دن ملکشاہ کا ایک مشہور غلام تھا۔ غالباً اس کی نگرانی میں یہ چاہ طیار ہوا ہوگا۔ اور اسی نسبت سے چاہ تو دن مشہور ہوا۔

سلجوقی نے مکہ معظمہ کے رہستہ میں تالاب و درحوض بنائے تھے تاہم کمال وغیرہ میں لکھا ہے کہ خانہ کعبہ کے رہتہ میں جس قدر مشکلات تھیں وہ سب ملکشاہ نے حل کر دی تھیں، منجانب کے قیام کے واسطے سرزمین بنوائی گئیں۔ اور چاہات آہوشی پر خاص توجہ کی گئی۔ امیر الحرمین (شریف) نے ہرجاجی پر سات دینار زر مسخ نکس مقرر کیا تھا۔ وہ سلطان نے موقوف کر دیا۔ اور اس معاوضہ میں امیر الحرمین کو جاگیر دیدی۔

تیمرت | سلطان کو محلات اور قلعہ جات بنانے کا بڑا شوق تھا۔ دار السلطنت اصفہان کو اعلیٰ درجہ کی عمارات سے آراستہ کر دیا تھا۔ اور قلعہ تبرک اور دژ کوہ اس کی یادگار ہیں۔ سلطان نے بڑے شہروں کے گرد فصیل بھی بنوائی تھی۔ اور قدیم قلعے جو منہدم یا مرمت طلب ہو گئے تھے۔ اُن کی ہمیشہ تجدید ہو کر تھی۔ جغرافیہ گنج دانش میں جا بجا اسکا تذکرہ ہی اسی طرح باغات لگانے کا بھی شوق تھا۔ اور اصفہان کے باغات بہت مشہور ہیں۔

ملکی نظم و نین | ایک مہذب و متمن سلطنت کا جیسا عمدہ انتظام ہونا چاہیے وہ موجود تھا۔ اور یہ تمام انتظامات خواجہ نظام الملک وزیر اعظم کے سپرد تھے جس کی تفصیل خواجہ کے حالات میں موجود ہے۔ مختصر یہ کہ دیوانی عدالتیں اور سیاسی محکمے نقباء اور قضاۃ کے ہاتھ میں تھے۔ اور مالی انتظام خواجہ نظام الملک کی اولاد کے سپرد تھا۔ اور فوجی صیغہ میں عموماً ترک تھے جو سلطان کے رشتہ دار تھے یا معتبر غلام۔

خانگی زندگی | ملکشاہ کی پہلی شادی، الپ سلاں نے اپنی حیات میں (جنگ قیصر

کے بعد کی تھی۔ جس کی نسبت روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ خاقان عظیم نے مہد ہایوں کا ڈولہ بڑی شان و شکوہ سے نیا پور روانہ کیا تھا۔ اور جب لندن داخل شہر ہوئی ہو تو تمام شہر آہستہ کیا گیا تھا۔ ایک ہزار ترکی غلام ڈولہ کے جلو میں تھے اور ہر ایک کے ہات میں ایک نادر تحفہ ترکستان کا تھا۔ مشک، عنبر، عود، کافور کی گویاں جلوس پر نثار کی جاتی تھیں۔ دوسرے عقد بی بیہ میں ترکان خاتون سے خود سلطان نے کیا تھا۔ یہ سب معزز اور مقصد ریگم تھی۔ اور ملکی انتظام میں دخل تھی۔ محمود اسکا بیٹا تھا۔ تیسرے عقد زبیدہ سے ہوا تھا جو ملک شاہ کے چچا یا قوتی بن داؤد کی بیٹی تھی۔ برکیارق اس کے بطن سے تھا اور خواجہ نظام الملک اسی کو ولیعہد سلطنت کرنا چاہتا تھا۔ اور ترکان خاتون اپنے نابالغ بیٹے محمود کو چاہتی تھی۔ یہی بنا ریصمت تھی جس نے نظام الملک کو وزارت سے معزول کرایا۔ اور ملک شاہ کے انتقال پر یہی دونوں شاہزادے خانہ جنگی کا باعث ہوئے۔ ملک شاہ نے قیصر روم "لکس کلانیس" کی حینہ و جمیلہ دختر سے شادی کا پیام دیا تھا۔ اور باغیزار قیصر اس رشتہ کو سرست منظور کر لیا۔ مگر سلطان کی قبل از وقت موت نے مشرق و مغرب کے اتحاد کو رکھ دیا۔ لیکن مسٹر گبن تحریر کرتے ہیں کہ خود شاہزادے نے اس درخواست کو نامنظور کر دیا۔ محققین کے نزدیک یہ ایک صداقت سے دور ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ سلطان کی موت نے نامہ پیام کا خاتمہ کر دیا تھا۔ ورنہ اس سے بڑھ کر قیصر کے لیے اور کیا عزت ہو سکتی تھی۔ ابن خلکان کی روایت سے پایا جاتا ہے کہ سلطان نے اسے کی

۱۔ دیکھو نوٹ صفحہ ۱۰- ترکان خاتون ۲۔ کامل اثر ۳۔ دیکھو صفحہ ۱۰- ۲- ۱۴ دیکھو نوٹ منبر
صفحہ ۱۵ تاریخ سر اسین اٹل انیل سید میر علی-

موسیٰ رضا آگیا۔ سلطان نظام الملک کے ہمراہ روضہ کے اندر گیا اور فاتحہ پڑھ کر واپس ہوا اور خواجہ سے پوچھا کہ آپ نے کیا دعا مانگی۔ خواجہ نے کہا کہ میں نے آپ کی فتح و نصرت کی دعا مانگی ہے۔ ملک شاہ نے کہا کہ میں نے تو یہ دعا کی ہے کہ ”اگر میرا بھائی مسلمانوں پر حکومت کرنے میں مجھ سے زیادہ صلاحیت رکھتا ہے تو خدا اس کو فتیلا بٹ کرے۔“

۲۔ ایک مرتبہ اصفہان کے جنگل میں شکار کھیل رہا تھا۔ کسی گاؤں میں قیام ہوا غلاموں نے ایک فریب گائے کو لاوارث سمجھ کر فوج کیا، اور کباب بنائے۔ یہ گائے ایک بیوہ عورت کی تھی۔ اور تین بچوں کی پرورش اس کے دودھ سے ہوتی تھی۔ جب اُس نے یہ حال سنا تو وہ بد جو اس ہو گئی اور صبح کو زہر دود (اصفہان کی مشہور نہر) کے پل پر اکھڑی ہوئی۔ جب سلطان سامنے آیا تو نہایت مہیا کی سے بولی کہ اے الپ سلاں کے بیٹے! ”میرا انصاف نہر کے پل پر کر گیا یا پل صراط پر جو جگہ پسند ہوا انتخاب کر لے۔“ سلطان گھوڑے سے اتر پڑا اور کہا پل صراط کی طاقت نہیں ہے میں اسی جگہ فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ کُل حال سن کر بیوہ عورت کو ستر گائیں معاوضہ میں دیں اور جب اُس نے کہا کہ میں رضی ہوں تب گھوڑے پر سوار ہوا۔

(۳)۔ کسی امیر کے غلام نے ایک غریب حبشی سے تر بوڑھچین کر اپنے آقا کو نذر کیا حبشی نے سلطان سے شکایت کی اور تحقیقات پر تر بوڑھ برآمد ہوا۔ سلطان نے حال پوچھا تو امیر نے کہا کہ میرے سپاہی کہیں سے لائے تھے۔ سلطان نے اُن سپاہیوں کو طلب کیا تو

امیر نے عرض کیا کہ وہ کہیں باہر چلے گئے ہیں۔ سلطان نے امیر کے دروغ مصلحت آمیز کو سمجھ لیا تھا، لہذا حبشی سے کہا کہ یہ امیر میرا غلام ہی، اور میں تجھ کو تربوز کے بدلے میں انعام دیتا ہوں۔ چنانچہ امیر نے تین سو درہم (پچھتر روپیہ) دیکر حبشی کو رضامند کیا اور غلامی سے بچاؤ کا زندہ دلی [ملک شاہ ایک زندہ دل اور با مذاق سلطان تھا۔ ایک مرتبہ نیشاپور کے جنگل میں شکار کھیل رہا تھا، کہ اردلی کے سواروں سے الگ ہو کر ایک گاؤں میں جا پہنچا۔ شہت سے بھوکا تھا۔ لہذا کھانے کی فکر میں ایک کاشتکار کے پاس گیا جو اپنے کھیت میں ہل جوت رہا تھا۔ اور دونوں میں اس طرح پر گفتگو شروع ہوئی

سلطان۔ میں مسافر ہوں بھوک نے خستہ کر دیا ہے، تم میری دعوت کر سکتے ہو۔
کاشتکار۔ ہاں جناب! میرے پاس وہیاں تو ضرور ہیں مگر وہ میری خوراک سے زیادہ نہیں ہیں
سلطان۔ میں تیرا مہمان ہوں، فضول بک بک سے کوئی نتیجہ نہیں ہے۔
کاشتکار۔ سبحان اللہ! فضول گو وہی ہے جو زبردستی کا مہمان ہو۔
سلطان۔ میرا چاقو لیجاؤ۔ اور دو ٹکڑے روٹی کے تراش لاؤ۔
کاشتکار حضرت معاف کیجئے۔ یہ مصع دستہ کا چاقو کسی باورچی کو دکھائیے وہ روٹیوں کی قیمت میں لے لیگا۔

سلطان۔ میں خوشی سے چاقو دیتا ہوں اسے قبول کرو اور کھانا لاؤ۔
کاشتکار۔ میری آپ کی کبھی کی جان پہچان بھی نہیں ہے۔ آپ تشریف لیجاویں میں دعوت

سے محبوب رہوں۔

یہ جواب سن کر ملک شاہ روانہ ہو گیا جب تھوڑی دور نکل گیا تو کاشتکار دوڑا اور رکھا
 پکڑ کر بوسہ دیا۔ اور عرض کیا کہ معافی کا خواست نگاہوں۔ مجھے مذاق کی عادت ہے شریف لے
 چلیے چنانچہ سلطان اس کا یا کاشتکار نے فوراً ایک بکری ذبح کر کے کباب لگائے اور
 اچھی طرح سے کھانا کھلایا۔ اور اپنی باتوں سے سلطان کو خوب بہنایا۔ اس عرصہ میں اردلی
 کے سوار آگئے، سلطان روانہ ہوا۔ اور کاشتکار ہل جوتے لگائے۔ وقت رخصت سلطان نے کہا
 کہ دارالسلطنت میں حاضر ہونا۔ کاشتکار نے عرض کیا کہ مہمان سے روٹیوں کی قیمت لینا میرا
 شعار نہیں ہے۔ سلطان کو یہ جواب پسند آیا۔ اور وہی گاؤں جبکا وہ کاشتکار تھا جاگیر میں دیدیا۔
 علی شرافت [ملک شاہ کی آرزو تھی کہ شرفاء کی اولاد تعلیم پائے اور ادنیٰ طبقہ کے لوگوں کو
 تعلیم نہ دی جائے چنانچہ دو لاکھ درہم کا نذرانہ محض اس بنیاد پر منظور کر دیا۔ جبکا مختصر واقعہ یہ ہے
 کہ دیہات کے ایک کاشتکار نے خواجہ نظام الملک کو رضا مند کر کے سلطان سے سفارش
 کرائی کہ اس کے بیٹے کو تعلیم کی اجازت دیدی جائے سلطان خواجہ پر غضبناک ہوا اور کہا کہ
 مجھے تمہاری سفید داڑھی اور خدمات قدیمہ کا ادب مانع ہوا ورنہ آج تمہاری رسوائی میں کچھ
 شبہ نہ تھا۔ اگر میں یہ نذرانہ قبول کروں تو آئندہ زمانہ میں لوگ یہی کہیں گے کہ ملک شاہ نے
 رشوت لیکر نابالوں کو حصول علم کی اجازت دیدی۔“
 خستہ ایام [ملک شاہ کی زندگی کے اخیر دو تین سال، نہایت افسردگی میں گزرے]

۱۵۔ دولت شاہ ہمدانی صفحہ ۸۰۔ اور تاریخوں میں بھی یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے

خصوصاً موت کا سال نہایت خراب تھا۔ خواجہ نظام الملک کی معزولی، اور تاج الملک کی وزارت اسی سال میں ہوئی۔ اور وفاتِ نثار کے بھی قدیم عمال میں دو بدل کیا گیا۔ چنانچہ یہ انقلاب سرور نہ ہوا۔ سلطان کا بھی انتقال ہوا۔ اور محرم ۱۱۹۶ھ میں تاج الملک بھی بری طرح سے قتل کیا گیا۔ فرقہ باطنیہ کا زور ہوا۔ اور خلیفہ المقتدی سے انتہائی نفرت پیدا ہوئی جس کا سبب یہ تھا کہ سلطان اپنے نواسہ ابو الفضل جعفر کو ولیعہد کرنا چاہتا تھا۔ اور خلیفہ نے اپنے دوسرے بیٹے مستنصر باللہ کو ولیعہد کر کے جعفر کو محروم کر دیا تھا۔ چنانچہ خلیفہ کی معزولی کے لیے ۲۴ رمضان ۵۸۵ھ کو سلطان بغداد آیا اور ماہ صیام کے بعد شوال ۵۸۵ھ (۶ نومبر ۱۱۹۵ء) کو شکار کے لیے روانہ ہوا۔ نہرِ جیل (ماہینِ تکریت بغداد) کے کنارے شکار کھیل رہا تھا کہ بیمار پڑا۔ بیماری کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک نگر خرمشکار کیا تھا۔ اُس کے کبابِ شوق سے کھائے۔ گرائی معدہ سے بخار اُگیا اور نہایت شدت ہوئی، تب بغداد آیا۔ اطباء نے فصدی۔ مگر کوئی نفع نہ ہوا۔ اور وہی کے دوسرے دن ۵ شوال ۵۸۵ھ (۱۸ نومبر ۱۱۹۵ء) کو انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۵

چونکہ ہامیشت عرباں تو حالِ خلق
وقتی ز آب پر شود و نوبتے تہی
ایں برکہ حیاتِ سلم، تہی شود
از آب زندگانی و از سفرِ فرہی
دیرست زود مرگ نباشد از ازل گریز
فخندہ نیکنامی و خوش وقت آگہی
ترکانِ خاتون نے سلطان کے واقعہ موت کو چھپا دیا۔ اور نہایت خاموشی نفس

اصفہان روانہ کر دی سلطان کا ذاتی اسباب، قصر خلافت میں بھیج دیا۔ اور امراء کو انعامات دیکر حکم دیا کہ شاہزادہ محمود کی جانشینی کی کوشش کیجائے۔ ملک شاہ اصفہان کے مدرسہ غلہ میں دفن کیا گیا۔ اور برکیارق و محمودیں خانہ جنگی شروع ہو گئی، لیکن ترکان خاتون نے ڈر کر ملک کو و حصوں پر تقسیم کر دیا۔ مگر برکیارق کی قیمت چکی، اور ۱۰۹۳ھ میں سات سال کی عمر میں محمود کا انتقال ہو گیا۔ اور برکیارق کل سلطنت کا مالک قرار پایا۔

ملک شاہ نے بیس سال تک حکمرانی کی۔ اور کچھ اوپر ۳ سال زندہ رہا۔ خلیفہ المقتدی نے اظہار ماتم نہیں کیا۔ اور نہ کوئی رسم تعزیت عمل میں آئی، لیکن باستنار بعد ادا اور تمام ملک نے ملک شاہ کا ماتم کیا۔ اور عرصہ تک اس مساجد میں ایصال ثواب کے لیے قرآن پڑھائی جاتی رہی۔ اور شعراء نے دنگد از مرثیہ لکھے۔

وزیری اے صبا بر ہم زدی گھلاے رعنا را
شکستی ز اں میاں شاخ گل نورستہ مارا

اے خلفائے عباسیوں سے بعض کا تذکرہ نظام الملک میں ہے۔ ایک شاعر نے تمام خلفاء کے نام نظم کر دیے ہیں انداز نظم بطور یادگار صبح کی جاتی ہے۔

کز سنان تیغ شاں شد سینه اعدا نگار
بادی دہاروں، آئیں ماتم امام کا مگار
منتصر بس، متعین بودست متغیر بکار
مقتدر بس، قاهر و راضی امام کا مگار
قادر و قائم، پس از مقتدی شد آشکار
مقتفی، مستنصر انکس شیر گردوں شد آشکار
و آخر میں قوم مستعصم، حکم کا مگار

از بنی عباس سی دہفت بودند امام
بود صلاح، انکے منصور و جہدی و عقب
مستعصم، انکے واثق بعد از متوکل است
جہدی و مقتدر پس معتضد، پس مقتفی
مقتفی، مستکن و انکے مطیع و طاع است
بعد از مستنصر و مستنصر شد بر آشدرت
مستفی و ناصر و قاهر و مگر مستنصر است

ملک شاہ کے انتقال پر دولت سلجوقیہ حب ذیل طبقات پر تقسیم تھی

نام طبقہ	ایام سلطنت		تعداد حکمران	استدروانتا	مختصر کیفیت
	یوم ماہ سال				
طبقہ عرق	۱۵-۹-۱۶۱	۱۴	۱۴	۶۱۰۳۶ تا ۶۱۱۹۳	یہ طبقہ سلاجقہ عظمیٰ کہلاتا تھا جس پر ملک شاہ کے بعد برکیارق حکمران ہوا۔
طبقہ کران	۱۵۰- -	۹	۹	۶۱۰۴۱ تا ۶۱۱۸۶	عماد الدین قراار سلاقل اور دیگ بن چغری بیگ داؤد اسکا بانی تھا۔
طبقہ روم	۲۳۲-۰-۰	۱۴	۱۴	۶۱۰۶۶ تا ۶۱۲۰۲	یہ سلطنت ایشیائے کوچک میں قلس بن اسرائیل بن سلجوق عظمیٰ نے قائم کی تھی۔

ان شاخوں کے علاوہ شام میں قش بن الپ سلاقل اور کردستان میں مغیث الدین محمود حکمران تھا۔ مگر یہ حکمران درجہ اول کے جاگیرداروں میں داخل تھے۔ اور حقیقت میں سلاجقہ عظمیٰ کے ماتحت تھے۔ ہر شاخ اپنی مستقل تاریخ رکھتی ہے جسکی تفصیل انشا اللہ تاریخ آل سلجوق میں ہوگی۔“

خاتمہ

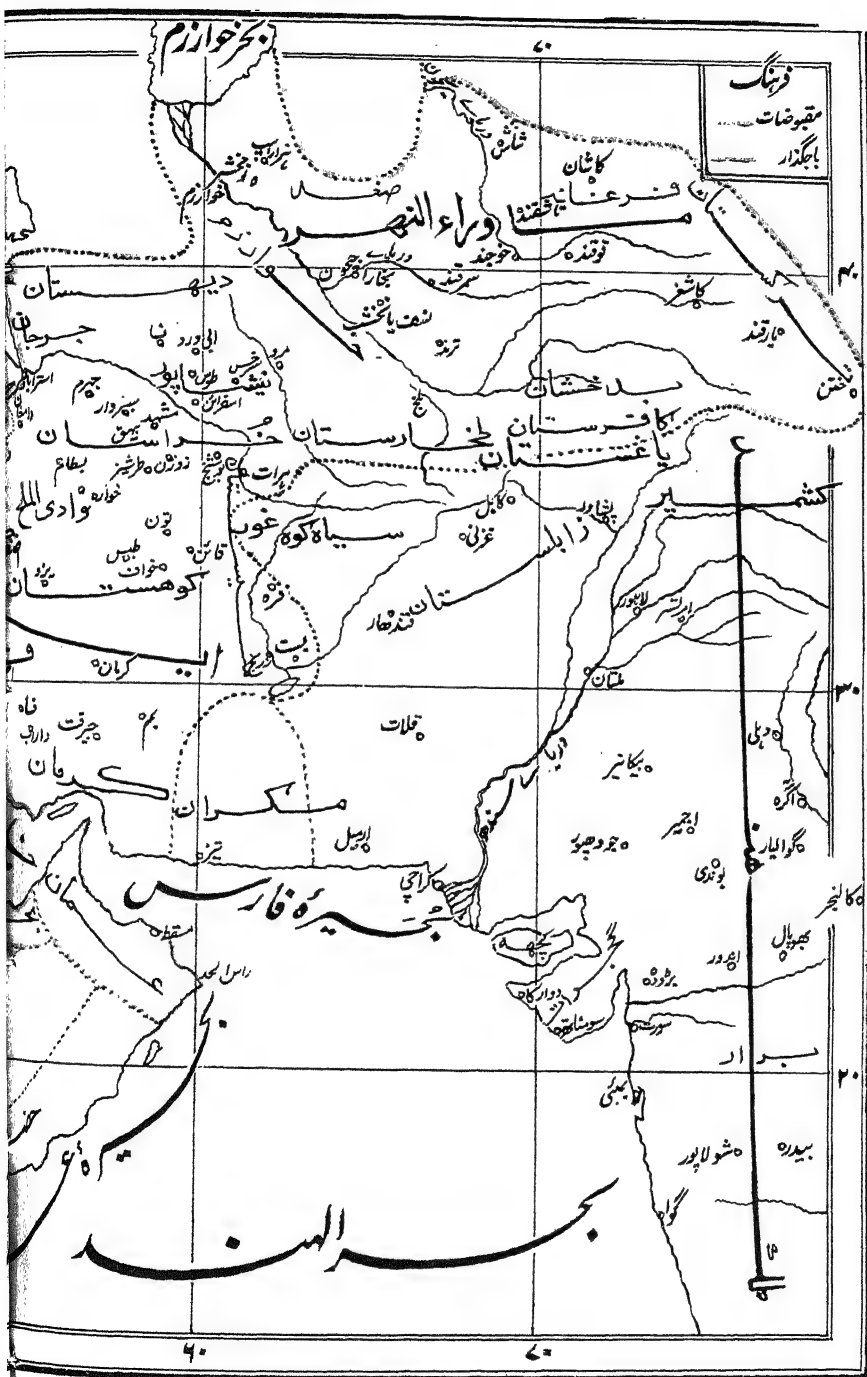
اے خدا! تیرا شکر و احسان ہو کہ برسوں کی آرزو آج پوری ہوئی اور قلم کے مسافر کو خانہ قلمدان میں دم لینے کا موقع ملا۔ میری ذات کے لیے یہ ایک دلچسپ مشغلہ تھا۔ لیکن ظہیرین البراکہ سے عفو تصور کا طالب ہوں، جن کو ”نظام الملک“ کا غیر معمولی انتظار کرنا پڑا۔ وقت یہ ہے کہ دسمبر ۱۹۷۹ء تک چار سو صفحات چھپ کر مسودہ کتاب ختم ہو گیا تھا۔ اور اسی زمانے میں ریاست بھوپال کے ایک بڑے پرنس کی تحصیلداری پر میرا تقرر ہوا۔ چنانچہ عامل پرنس ہو کر تاریخ اسلام کی جگہ کاغذات پٹواری، وصول مالگذاری اور فیصلہ مقدمات (مال، فوجداری، دیوانی) سے کام پڑا۔ تاہم راتوں کو جاگ کر یہ کتاب ختم کی گئی۔ اور اندنوں تاریخ آل سلجوق حیات رشید اعظم (دارون الرشید عباسی) اور ایک قدیم سفرنامہ (اصل مع ترجمہ و حواشی) کی ترتیب تالیف میں مصروف ہوں۔ خاتمہ اس دعا پر ہے کہ ارحم الراحمین نظام الملک کی عمر میں برکت دے۔ اور میری اس خدمت کو قبول کرے آمین!

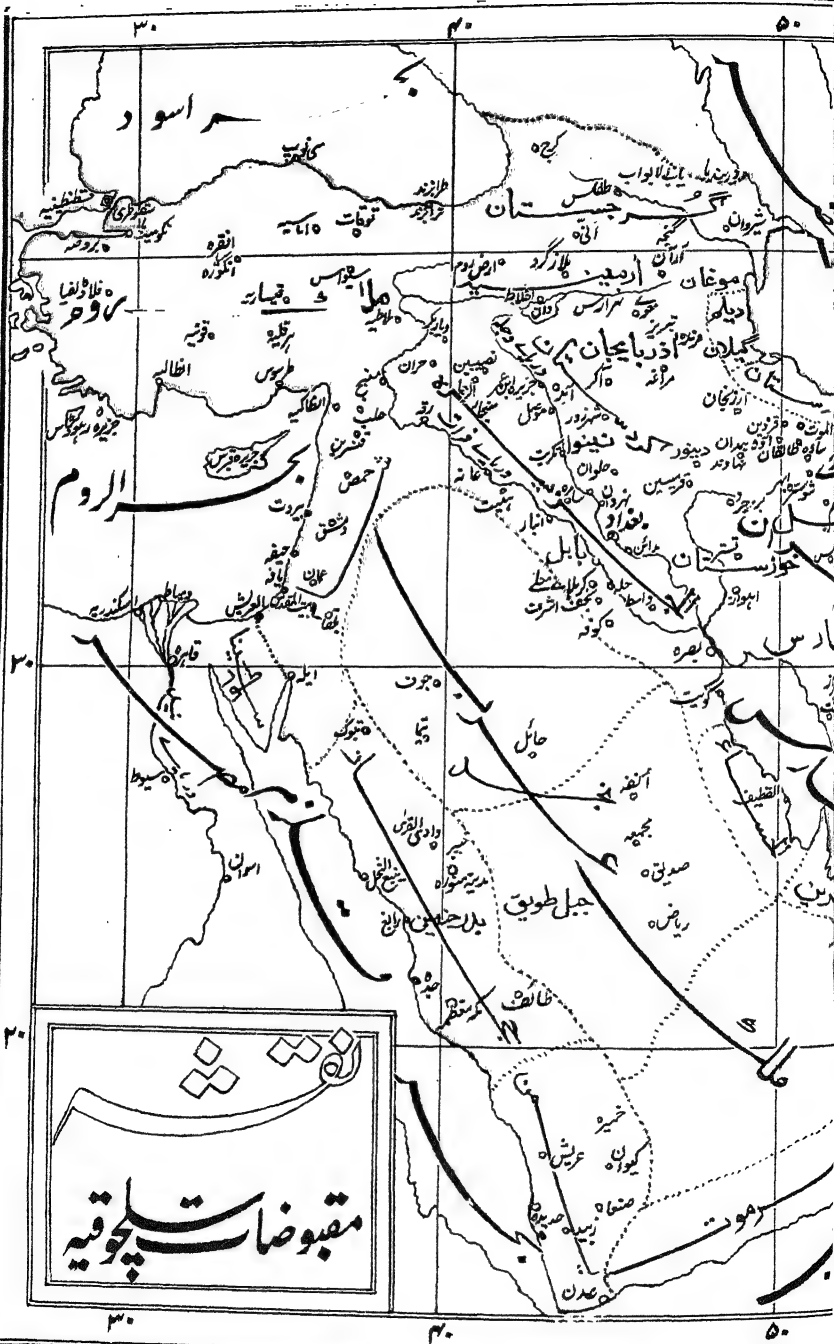
خاکس

محمد عبدالرزاق ابن منشی الہی بخش
صاحبِ حوم روال و بنجمن ہند۔ کانپوری

یومِ دو شنبہ، ۲۰ ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ
مطابق ۳ جنوری ۱۹۷۹ء
اسفندار ۳۳ جلای ملک شاہی

قلعہ بیگم گنج (سیلاس) بھوپال (سنٹرل انڈیا)۔





مقبوضات چوقه

فہرست کتب جسے کتابخانہ نظام الملک طوسی ماخوذ ہے

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم و فن	نام زبان	نام مصنف
۱	سیر الملوک (سیاست نامہ)	سیاست	فارسی	خواجہ نظام الملک طوسی متوفی ۷۸۵ھ مطبوعہ پیرس دار السلطنہ فرانسیسی ۱۸۹۶ء
۲	دستور الوزراء (دوصایا)	"	"	خواجہ نظام الملک طوسی نسخہ قلمی عمدہ قدیم ۱۲۵۸ھ
۳	احکام السلطانیۃ والولایات الدینیۃ	"	عربی	امام ابو الحسن علی ماوری متوفی ۳۵۰ھ مطبوعہ مصر ۱۳۵۸ھ
۴	عقد الفرید (اخلاق)	"	"	وزیر ملک سعید متوفی ۶۵۲ھ مطبوعہ مصر ۱۳۱۱ھ
۵	آثار الاول فی ترتیب الدول	"	"	حسن بن عبداللہ عباسی متوفی ۶۰۸ھ مطبوعہ مصر ۱۳۰۵ھ
۶	معید النعم و مبدی النقم	"	"	تاج الدین عبدالوہاب بکی مطبوعہ مصر
۷	سلوک الممالک فی تدبیر الممالک	"	"	شہاب الدین احمد مطبوعہ مصر ۱۲۸۶ھ
۸	فتوح البلدان	تاریخ	"	امام ابو العباس احمد بن محمد بن حنبل بن عبد اللہ بلاذری متوفی ۲۶۹ھ مطبوعہ مصر ۱۳۱۵ھ
۹	سراج الملوک	"	"	ابوبکر محمد طوسی۔ ہامی۔ اندلسی متوفی ۵۲۰ھ مطبوعہ مصر ۱۳۰۶ھ
۱۰	تاریخ الجوقین فی العراق	"	"	امام عماد الدین محمد بن محمد بن عبد الصغنی متوفی

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم و فن	نام زبان	نام مصنف
١١	الفخرى في الآداب السلطانية - والدول الإسلامية -	تاريخ	عربي	٥٩٤ هـ مطبوعه مصر ١٣١٨ هـ محمد بن علي بن طباطبا المعروف بابن الطقطقي مطبوعه مصر ١٣١٤ هـ
١٢	المعارف	"	"	ابو محمد عبد الله بن مسلم بن قتيبة كاتب دينوري متوفى ٢٤٦ هـ مطبوعه مصر ١٣٠٣ هـ
١٣	مرجع الذهب في معادن الجواهر	"	"	قطب الدين ابوجعفر علي بن حسن سعودي متوفى ٣٣٧ هـ مطبوعه مصر ١٣٠٣ هـ
١٤	تاريخ ملوك الارض	"	"	حمزة بن الحسن اصفهاني (جهشي صدي هجري) مطبوعه تكلته ١٨٨٦ هـ
١٥	كامل	"	"	ابو الحسن علي المعروف بابن الاثير جزري متوفى ٦٣٠ هـ مطبوعه مصر ١٣٠٣ هـ
١٦	كتاب الرضتين في اخبار الدولتين	"	"	شهاب الدين مقدسي شافعي المعروف بابن شهاب متوفى ٤٦٥ هـ مطبوعه مصر ١٢٨٤ هـ
١٦	مختصر الدول	"	"	علامه غري فوريوس ابوالفرج بن هارون الطيب المطبي معروف بابن العبري متوفى ٦٨٥ هـ ١٢٨٦ هـ مطبوعه بيروت ١٨٩٠ هـ

نمبر	نام کتاب	نام علم وفن	نام زبان	نام مصنف
۱۸	ابن خلدون	تاریخ	عربی	ولی الدین ابوزید عبدالرحمن بن محمد بن خلدون مغربی متوفی ۸۰۶ھ مطبوعه مصر ۱۳۱۱ھ
۱۹	کتاب الموطأ والاعتبار فی ذکر الخطط والآثار	"	"	علامہ تقی الدین احمد بن علی بن عبد القادر ابن محمد المعروف بالمقرزی متوفی ۸۴۵ھ مطبوعه مصر ۱۳۲۱ھ
۲۰	الاعلام بالاعلام بیت اللہ اکرام	"	"	قطب الدین محمد بن احمد حنفی نروانی (نویں صدی ہجری) مطبوعه مصر ۱۳۰۳ھ
۲۱	تاریخ الخلفاء	"	"	جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ مطبوعه مصر ۱۳۰۵ھ
۲۲	حسن المجاہد فی اخبار مصر القاہرہ	"	"	" " " " " " " " " " " "
۲۳	تاریخ الحکماء	"	"	شہر زوری قلی کی تخریج مذوقہ احلما لکھنو۔
۲۴	اجبار العلماء باخبار الحکماء	"	"	وزیر جمال الدین غفٹی۔ مطبوعه مصر ۱۳۲۶ھ
۲۵	ابوالخدا	"	"	سلطان ملک المؤمن عماد الدین اسماعیل مطبوعه مصر ۱۲۸۶ھ
۲۶	دول الاسلامیہ	"	"	سید احمد بن نبی دحلان متوفی ۱۳۰۴ھ مطبوعه مصر ۱۳۸۶ھ
۲۷	فتوحات الاسلامیہ	"	"	سید احمد بن نبی دحلان متوفی ۱۳۰۴ھ مطبوعه مصر ۱۳۸۶ھ

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم و فن	نام زبان	نام مصنف
۰		تاریخ	عربی	مطبوعه مصر ۱۳۱۱ هـ
۲۸	بلوغ الاربع فی احوال العرب	"	"	آلوسی زاده سید محمود شکر آقندی بغداد ۱۳۱۲ هـ
۲۹	خصایج العرب فی تقدّمات العرب	"	"	نوفل آقندی طرابلسی مطبوعه بیروت
۳۰	الوانی فی المسأله الشرقیه (جلد اول)	"	"	ایمن بن ابراهیم شمیل - لبنانی ۱۸۹۶ هـ
۳۱	الخطط التوفیقیه	"	"	بقید حیات (تھا) مطبوعه اسکندریه ۱۲۹۶ هـ
۳۲	اخبار الدول و آثار الاول	"	"	علی پاشا مبارک متوفی ۱۳۱۱ هـ مطبوعه مصر
۳۳	آثار الادوار (تراجم)	"	"	۱۳۰۶ هـ یہ کتاب مقریزی کا ذیل ہے۔
۳۴	مقدمہ ابن خلدون	فلسفہ تاریخ	"	ابو العباس بن احمد قرمانی مطبوعه بغداد ۱۲۸۲ هـ
۳۵	کشف الطنون عن اسامی کتب الفنون	تاریخ علوم	"	سیلم جبرئیل حوزی مطبوعه بیروت ۱۸۶۶ هـ
۳۶	اکتفاء القنوع بما هو مطبوع	تاریخ طب	"	بشرح نمبر ۱۸
۳۷	مل و نخل	تاریخ العقائد و المذاهب	"	کاتب چلبی مطبوعه قطنینہ ۱۳۱۱ هـ
				ایڈورڈ بن کر نیلسون فانڈیک مطبوعه البعل
				مصر ۱۳۱۳ هـ - ۱۸۹۶
				ابو الفتح محمد بن عبدالکریم شہرستانی متوفی
				۵۴۹ هـ مطبوعه بمبئی ۱۳۱۲ هـ

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم و فن	نام زبان	نام مصنف
۳۸	الفصل فی الملل	تاریخ العقائد والمذہب	عربی	امام ابو محمد علی ابن احمد بن حزم الظاہری متوفی ۴۵۷ھ مطبوعہ مصر ۱۳۱۷ء
۳۹	دیباچہ تاریخ آل سلجوق	تاریخ	فرنجی	ایم ہاؤٹما۔ ایک فرنجی عالم جس نے تاریخ آل سلجوق اصفہانی کو اپنے اہتمام سے بمقام لیڈن چھپوایا ہے اس نے اصل کتاب پر یہ دیباچہ لکھا ہے۔
۴۰	گبن امپائر (عہد اسلام)	"	انگریزی	مطبوعہ لندن ۱۹۰۷ء
۴۱	خلافت بغداد	"	"	ٹی۔ اسٹرنج۔ مطبوعہ لندن۔
۴۲	لٹری ہسٹری آف پرشیا	تاریخ علم ادب فارسی	"	پرفیسر ای۔ جی۔ براؤن۔ مطبوعہ لندن ۱۹۰۶ء
۴۳	شاہنامہ	تاریخ	فارسی	فردوسی طوسی۔ مطبوعہ بمبئی ۱۲۷۶ھ
۴۴	المجسم	"	"	فضل اللہ شیرازی۔ مطبوعہ اصفہان ۱۲۷۹ھ
۴۵	وصاف	"	"	شرف الدین عبداللہ بن فضل اللہ شیرازی مطبوعہ اصفہان۔
۴۶	صوالاتاقلیم (تاریخ خراسان)	"	"	ابوزید احمد بن سہل ثعنی۔ قلمی۔
۴۷	جامع التواریخ رشیدی	"	"	فضل اللہ بن ابوالخیر رشیدی۔ مطبوعہ پریس ۱۸۴۴ء
۴۸	روضۃ الصفا	"	"	میرغزنو منوچ۔ مطبوعہ بمبئی ۱۲۹۱ھ جلد چہارم

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم و فن	نام زبان	نام مصنف
۴۹	تاریخ بہیتی	تاریخ	فارسی	ابو فضل بہیتی - مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۲ء
۵۰	طبقات ناصری	"	"	منہاج الدین سرراج - مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۴ء
۵۱	نگارستان	"	"	قاضی احمد بن محمد دہستانی - مطبوعہ بمبئی ۱۲۶۵ھ
۵۲	آئین اکبری	"	"	علامہ ابو الفضل مطبوعہ دہلی ۱۲۶۷ھ جس کو آنریبل سرسید خاں بہادر مرحوم نے اپنی ادٹری سے شائع کیا تھا۔
۵۳	ہفت اقلیم تذکرہ	"	"	امین رازی لکھنؤ۔
۵۴	نامہ خسرواں	"	"	جلال الدین مرزا مطبوعہ بمبئی
۵۵	زینۃ المجاہدین	"	"	مجد الدین محمد حسین محمدی - مطبوعہ اصفہان ۱۳۱۳ھ
۵۶	ناخ التواریخ	"	"	لسان الملک مرزا محمد تقی سپہر متوفی طہران ۱۳۰۶ھ
۵۷	کسری نامہ	"	"	مطبوعہ کلکتہ ۱۳۲۱ھ
۵۸	تاریخ ہند	"	"	جان ہارٹمن مترجمہ مولوی عبدالرحیم صاحب گورکھپوری مطبوعہ کلکتہ۔
۵۹	تاریخ ایران	"	"	سر جان ملکم - مطبوعہ بمبئی
۶۰	فارسی نامہ ناصری	"	"	حاجی مرزا حسن شیرازی مطبوعہ اصفہان ۱۳۱۳ھ
۶۱	جامع التواریخ	"	"	مولوی فقیر محمد - مطبوعہ کلکتہ ۱۸۳۶ء

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم و فن	نام زبان	نام مصنف
۶۲	قلائد الجواهر فی احوال البواهر	تاریخ المذاهب	فارسی	علامہ عباس شروانی مطبوعہ بیروت ۱۳۰۱ھ
۶۳	دبستان مذاہب اردستانی	"	"	مطبوعہ کلکتہ ۱۸۰۹ء (ذوالفقار)
۶۴	دعوت اسلام	"	اردو	ٹی ڈبلیو آرنالڈ صاحب بن پروفیسر العلوم علیگرہ مترجمہ مولوی غایت اللہ دہلوی مطبوعہ مفید عام اگرہ ۱۸۹۹ء
۶۵	تاریخ ہند (عہد اسلام)	"	"	آرنیل لفٹن صاحب مطبوعہ سوسٹی علی گڑھ ۱۸۶۴ء
۶۶	تمدن عرب	تاریخ تمدن	"	مترجمہ شمس العلماء سید علی بگرامی مطبوعہ مفید پریس اگرہ ۱۸۹۹ء
۶۷	معجم البلدان	جغرافیہ	عربی	امام شہاب الدین ابو عبد اللہ یاقوت الحموی متوفی ۶۲۶ھ مطبوعہ مصر ۱۳۲۳ھ
۶۸	تقویم البلدان	"	"	سلطان ملک المؤمنہ عواد الدین سمیع بن ملک افضل نور الدین علی صاحب حاکمہ المعروف بابو الفدا دمشقی متوفی ۶۲۶ھ مطبوعہ پریس ۱۸۳۰ھ
۶۹	مرصد الاطلاع علی اسماء المکنیہ والبقاع	"	"	امام شہاب الدین ابو عبد اللہ یاقوت الحموی مطبوعہ مصر ۱۳۱۵ھ
۷۰	خریدۃ العجایب فریاد الخراب	"	"	عمر بن لوردی الملقب زین الدین متوفی

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم و فن	نام زبان	نام مصنف
۰	.	جغرافیه	عربی	۴۹۹ء مطبوعه مصر ۱۲۹۲هـ ۶۱۳ ۴۸
۱	المرآة الوضیة فی الكرة الارضیة	"	"	کرنلیوس فانڈایک امریکائی متوفی ۱۸۹۵ء مطبوعه ممبئی -
۲	زهدت القلوب (تالیخ)	"	فارسی	حداد متوفی قزوینی مطبوعه ممبئی ۱۳۱۱هـ
۳	گنج دانش	"	"	محمد تقی خاں حکیم مطبوعه اصفهان ۱۳۰۵هـ
۴	جام جم	"	"	شاهزاده فرهاد میرزا مطبوعه اصفهان ۱۲۷۲هـ
۵	مرآة البلدان ناصری	"	"	صیغ الدوله محمد حسن خاں مطبوعه طهران ۱۲۹۴هـ
۶	ہستوریکل ہینڈ اٹلس	اٹلس	جرمنی	۱۸۸۶ء مرتیڈاکٹر چرچ وائیڈری جرمنی مطبوعه جرمن
۷	سفرنامہ ناصر خسرو	سفرنامہ	فارسی	۱۸۸۲ء حکیم ناصر خسرو علوی بلخی متوفی ۴۸۱ھ مطبوعه دہلی
۸	رحلہ محمد بن جہیر اندلسی	"	اردو	ابو الحسن محمد بن احمد بصری متوفی ۶۱۴ھ ۶۱۲ ۱۸
۹	تحفۃ النظائر فی غرائب الامصار	"	عربی	حافظ احمد علی شوق مہتمم کتب خانہ راسیت رامپور ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الملقب بشیخ الدین
۱۰	آثار العجم	"	فارسی	۱۲۲۸ء ابن بطوطہ بلخی متوفی ۷۷۹ھ مطبوعه مصر ۶۱۴ ۱۲
۱۱	سفرنامہ پروفیسر ویلبری	"	اردو	میرزا محمد نصیر فرست شیرازی مطبوعه ممبئی ۱۳۱۲ھ
۱۲	خیابان فارس	"	"	مترجمہ دفتر پیمہ اخبار لاہور ۱۹۰۳ء ترجمہ سفرنامہ نواب لکڑکر زن بہادر سابق

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم و فن	نام زبان	نام مصنف
۸۳	دفیات الاعیان	سیر و تراجم	عربی	دیسری ہند مترجمہ مولوی طغر علی خاں بنی اس اڈیسر دکن یو یو مطبوعہ حیدرآباد دکن سن ۱۹۰۶ء قاضی ابوالعباس احمد بن غلکان بک بن متونی ۳۶۸۱ء مطبوعہ مصر سن ۱۳۱۰ء ۶۱۲۸۲
۸۴	فوات الوفيات	"	"	صلاح الدین محمد شاکر علی متونی ۳۶۶۶ء مطبوعہ مصر سن ۱۲۹۹ء
۸۵	طبقات الشافعیۃ الکبریٰ	"	"	قاضی تاج الدین ابونصر عبدالوہاب بن تقی الدین بکی مطبوعہ مصر سن ۱۳۲۲ء
۸۶	عیون النبأ فی طبقات اللطباء	"	"	موفق الدین بن ابی اصیبعہ متونی ۳۶۶۶ء مطبوعہ مصر سن ۱۲۹۹ء
۸۷	کتاب التاج بحب الشراف	"	"	شیخ عبداللہ شبردی متونی ۱۱۶۱ء مصر سن ۱۳۱۶ء
۸۸	الدر المنثور فی طبقات باب الخو	"	"	مضنف سید زین مصری مطبوعہ مصر سن ۱۳۱۶ء
۸۹	دقیقہ قصص عصر اہل عصر	تذکرہ	"	ابو الحسن علی الباخری شافعی قلمی کتب خانہ نواب سید محمد رضی خاں صلیب نبیرہ والا جاہ نواب صدیق حسن خاں بہادر مرحوم۔
۹۰	تذکرۃ الائمہ	"	فارسی	علامہ بابا قر قلمی ۱۱۹۶ء

شمار	نام کتاب	نام علم و فن	نام زبان	نام مصنف
۹۱	آثار الوزراء	تذکره	فارسی	حاجی سیف الدین عقیلی قلمی - موجود و بیگ اورشیل لایبریری پٹنہ -
۹۲	دولت شاه سمرقندی	"	"	مطبوعه بمبئی ۱۳۰۵ م
۹۳	آتشکده	"	"	حاجی لطف علی بیگ آذر - مطبوعه بمبئی ۱۲۷۷ م
۹۴	تذکره الاولیا	"	"	مولانا فرید الدین عطار - مطبوعه لاہور ۱۸۹۱ م
۹۵	نقحات الانس	"	"	مولانا عبدالرحمن حاجی - مطبوعه کلکتہ ۱۸۵۹ م
۹۶	مرآة الخیال	"	"	شیرخاں لودی - کلکتہ
۹۷	مجمع الفصحاء	"	"	ہدایت - طہران - ۱۲۹۵ م
۹۸	نامہ انشوران ناصری	"	"	مرزا ابو الفضل ساوجب - مرزا حسن طالقانی، ملا عبدالوہاب دینی ملا محمد ہمدی - طہران ۱۲۹۶ م
۹۹	سلسلہ الذهب	تصوف	"	مولانا عبدالرحمن حاجی - قسلی
۱۰۰	کشف المحجوب	"	"	مولانا علی بن عثمان مجیری - مطبوعه لاہور
۱۰۱	تہذیب الاخلاق	اخلاق	عربی	ابن مسکویہ - مطبوعه مصر ۱۳۱۸ م
۱۰۲	کتب الذریعہ فی مکارم الشریعہ	"	"	ارغب اصفہانی - متوفی ۵۵۰ م - مصر ۱۳۱۸ م
۱۰۳	التبر المسبوک فی نصح الملوک	"	"	امام غزالی - مطبوعه مصر ۱۳۰۷ م
۱۰۴	اخلاق جلالی	"	فارسی	ملا جلال الدین محقق دوانی - مطبوعه لکھنؤ ۱۸۷۳ م

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم و فن	نام زبان	نام مصنف
۱۰۵	منتخبات سعید	اخلاق	فارسی	حافظ محمد سعید - مطبوعه قدیم لکهنؤ
۱۰۶	عقده الفرید	ادب و محاضرات	"	ابن عبد ربہ ندوی متوفی ۱۳۲۸ھ مصر ۱۳۰۵ھ
۱۰۷	ادب الدین والدین	"	"	ابو الحسن الماودی متوفی ۱۱۵۸ھ مطبوعه مصر ۱۳۱۸ھ
۱۰۸	انصاح و الباغم	"	عربی	سید شریف نظام الدین ہباری متوفی ۱۱۰۹ھ مطبوعه بیروت ۱۸۸۷ھ
۱۰۹	استطرف کل فن و منی منتظر	"	"	شہاب الدین احمد متوفی ۸۸۰ھ مصر ۱۳۰۸ھ
۱۱۰	کشکول	"	"	شیخ محمد بہار الدین بن حسین عالمی متوفی ۱۰۳۱ھ ۱۵۶۲ھ
۱۱۱	کتاب الخلاط	"	"	مطبوعه مصر ۱۳۱۷ھ
۱۱۲	چهار مقالہ (طبعیات)	"	فارسی	نظامی عروزی عمر قندی مطبوعه طهران ۱۳۰۳ھ
۱۱۳	رباعیات عمر خیام	"	"	مرتبہ پرو فیئر راس، ہیرن الین، لندن نسخہ جات مطبوعه بیروت و کلکتہ
۱۱۴	تختہ العراقین	"	"	خاقانی - مطبوعه آگرہ ۱۸۵۵ھ
۱۱۵	دیوان لامعی	"	"	حکیم لامعی جرجانی - مطبوعه بیروت ۱۳۰۶ھ
۱۱۶	کشف اصطلاحات الفنون	قانون العلوم	عربی	شیخ محمد علی تھانوی (۱۱۵۸ھ) ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (کلکتہ) ۱۸۶۲ھ
۱۱۷	دائرة المعارف	"	"	پطرس بستانی متوفی ۱۸۸۲ھ مطبوعه بیروت ۸۸-۷۸ھ

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم و فن	نام زبان	نام مصنف
.	.	.	.	مختلف جلدیں۔
۱۱۸	انسائیکلو پیڈیا برطانیکا	قاموس العلوم	انگریزی	مطبوعہ لندن ۱۹۰۰ء
۱۱۹	انسائیکلو پیڈیا پاپولر	"	"	لندن ۱۹۰۳ء
۱۲۰	فرنگی انجمن آراء ناصری	لغت	فارسی	مطبوعہ طہران ۱۲۸۸ھ
۱۲۱	فضائل الامام	اشعار	"	مجموعہ خطوط امام غزالیؒ مطبوعہ اکرہ ۱۳۱۰ھ
۱۲۲	شواہد النقیس فی اثبات لکبیسہ	ہئیت	"	مطبوعہ بمبئی ۱۸۶۷ء
۱۲۳	التوفیقات الالہامیہ	تقویم	عربی	محمد مختار پاشا مطبوعہ مصر ۱۳۱۱ھ
۱۲۴	تقویم ابوالفیاء	"	ترکی	مطبوعہ قسطنطنیہ ۱۳۱۰ھ ماخذ تصویر سلطان ملکشاہ
۱۲۵	متفرقات	اخبارات	اردو	اخبارات، علمی رسائل۔ اس کے علاوہ دیگر کتابوں کے بھی نام ہیں جو فہرست ہذا میں درج نہیں ہیں۔

اگر حلال

ہر چند کہ نامی پریس کان پور میں کسی کتاب کا چھپ جانا
 ہی اس بات کی کافی ضمانت ہے کہ اس کی نقل کسی
 دوسرے مطبع سے بجایے الحاسن نہیں ہو سکتی۔ تاہم
 قانونی احتیاط سے حسب نشانے ایکٹ ۲۵-۱۹۶۷ء اس
 کتاب کی رجسٹری کرادی ہے۔ تاکہ کوئی صاحب اس کے
 حسنِ صوری و معنوی کو بلا میری اجازت چھاپ کر غارت نہ کر سکیں۔
 مجلد کتاب کی قیمت علاوہ محصول ڈاک مبلغ پانچ روپیہ مقرر ہے۔
 اور تاجرانِ کتب کے لئے قیمت مقررہ میں خاص رعایت
 ملحوظ رکھی گئی ہے جو نج کے خط و کتابت سے طے ہو سکتی ہے فقط

المشاہد

خاکسار محمد عبدالرزاق مصنف البراکہ
 محلہ پیچ باغ شہر کانپور۔

